اردو نثر میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر انور محمود خالد

ڈاکٹر انور محمود خالد

اقبال اکادمی پاکستان لاہور

ناشر : پروفیسر محمد منور
ناظم اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور
طابع : میاں محمد یعقوب
مطبع : حمایت اسلام پریس ، ریلوے روڈ لاہور
نگران طباعت : فرخ دانیال
طبع اول : ۱۹۸۹ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : ۱۷۵ روپے

سیلز آفس : اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۱۶ میکلوڈ روڈ ، لاہور فون : ۵۷۲۱۴

ترتیب

عرض ناشر

دنیا کی دوسری بڑی زبانوں کی طرح اردو زبان میں بھی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں قدر کام ہوا ہے ۔ ڈاکٹر انور محمود خالد صاحب نے اردو میں ہونے والے اس کام کے بارے میں اپنے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مقالہ "اردو نثر میں سیرت رسول ؐ" پر مفصل اور سیر حاصل تفصیلات فراہم کی ہیں اور سیرت پر ہونے والے اس سارے کام کا جائزہ پیش کیا ہے ۔ اس کتاب کو دیکھ کر مصنف کی دقتِ نظر ، محنت اور وسیع مطالعہ کا احساس ہوتا ایک ناگزیر امر ہے ۔ ہماری خواہش تو یہ تھی کہ یہ کتاب جلد شائع ہو مگر مصنف چونکہ اسے زیادہ سے زیادہ مستند اور جامع بنانے کے خواہش مند تھے لہٰذا ان کی یہ سعی مسلسل باعثِ تاخیر بنتی رہی ۔ تاہم تاخیر سے ہی سہی کتاب قارئین کی خدمت میں پیش ہے ۔

حضور ؐ کی ذات تمام مسلمانوں کے لئے منبعِ رشد و ہدایت ہے اور ان کی سیرت نمونۂ کمال ، چنانچہ ہر مسلمان نے اس مینارۂ نور سے روشنی کے اکتساب کے لئے ان ؐ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور یوں سیرت نگاری کا ایک بہت بڑا سرمایہ مسلمانوں کا اثاثہ ہے جو دنیا کی کئی زبانوں کو مشک بار کئے ہوئے ہے ۔ اردو زبان کا بھی یہ افتخار ہے کہ اس میں سیرت کا بیش قیمت سرمایہ موجود ہے ۔

ہر زبان اپنی باطنی ساخت میں ایک تصورِ حقیقت پر قائم ہوتی ہے ۔ اس لئے کسی بھی زبان میں صرف و نحو کے مقابلے میں اس کے اندر کارفرما تصورِ حقیقت کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے ۔ مسلمانوں کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ ان کی تمام زبانیں آج بھی اپنی حقیقی اساس سے جڑی ہوئی ہیں ۔ اردو مسلمانوں کی جدید ترین زبان ہے ۔ جب برصغیر کے مسلمان اپنی ملّی زندگی میں چند ایسے موثراتِ حیات کے مقابل آ گئے جن سے حقائق کے ساتھ ان کا عملی تعلق خطرے میں پڑ گیا تو ملتِ اسلامیہ نے اس کو اس خطرے

سے نکالنے کے لئے ایک نئی زبان یعنی اردو کی بنیاد ڈالی - اس زبان کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے مسلمانانِ برصغیر کو عقائد کا بھرپور اطلاق میسر آیا - اس حسی اطلاق کا سب سے عظیم مظہر تصورِ رسالت ہے اسی لیے اردو شعر و ادب کے ابتدائی نمونے بھی سیرت کا رنگ رکھتے ہیں ، گو اس کتاب میں اس پہلو کو گہرائی میں جا کر نہیں دیکھا گیا مگر اس کتاب کی افادیت یہ ہے کہ اس کام سے اردو نثر کی حد تک تمام تر تاریخی مواد دستیاب ہو جاتا ہے -

اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کتاب میں سیرت نگاری کے فن اور اس کے مختلف اسالیب و رجحانات کے بارے میں بھی بہت سی مفید باتیں آ گئی ہیں - امید ہے مصنف کی یہ محنت تحقیقی اور علمی حلقوں میں پسند کی جائے گی - اقبال اکادمی جو علامہ اقبالؒ کے افکار کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتی ہے کہ ان تمام موضوعات و مسائل پر بھی کتب شائع کرے جن سے علامہ کو بہت دلچسپی تھی یا جن امور پر وہ خود کام کرنا چاہتے تھے - یہ کتاب اس سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے - سیرتِ رسولؐ علامہ کا ایک انتہائی پسندیدہ اور محبوب موضوع ہے - امید ہے ہماری اس کتاب کو اسی سلسلے میں ہمارے پہلے قدم کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا -

(ادارہ)

سیرت کی تعریف

لغوی مفہوم :

سیرۃ ، عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کی جمع سِیَر ہے۔ یہ لفظ دراصل سار ، یسیر ، سیراً و مسیراً سے نکلا ہے اور چلنے پھرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ سیرت کا مادہ سیر بمعنی چال ہے ، اسی لیے اچھی چال چلن کو "حسن السیرۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور عربی لغت "لسان العرب" میں لکھا ہے کہ السیرا کے معنی ہیں چلنا پھرنا ۔۔۔۔ حدیث حذیفہؓ میں ہے : "تسایر عنہ الغضب" یعنی اس سے غصے کے آثار رخصت ہو گئے ۔ سیرۃ کا لفظ مسافت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور السیارۃ کے معنی قافلہ کے ہیں ۔ السیرۃ کے معنی ہئیت کے بھی ہیں ، جیساکہ قرآن مجید میں آیا ہے : "سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ" ۔ یعنی ہم اسے اسی ہئیت میں کر دیں گے ، جیسی یہ پہلی تھی ۔ پھر سیرۃ کے معنی پہلے لوگوں کے واقعات و احادیث بیان کرنا بھی ہے[1] ۔

ایک اور عربی لغت "تاج العروس" کے مطابق السیرۃ کے معنی ، طریقہ کے ہیں ؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سار الوالی فی رعیتہ سیرۃ حسنۃ ، یعنی حاکم نے رعایا کے ساتھ اچھے طریقہ کے ساتھ برتاؤ کیا ۔ احسن السیر کا مطلب ہے ، اچھا طریقہ اور "ھذا فی سیرۃ الاولین" کے معنی ہیں ، یہ بات پہلے لوگوں کے طریقوں میں بھی موجود ہے ۔ السیرۃ کے معنی ہیئت و حالت کے بھی ہیں ۔ چنانچہ ارشاد

۱- لسان العرب : ابن منظور ، المجلد الرابع ، ص - ۳۸۹ ، ۳۹۰ ۔

باری تعالیٰ : "سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ" ، میں سیرت کی تفسیر ، ہیئت و حالت کی گئی ہے ۔ سیر اور سیرۃ (کسرہ کے ساتھ) کے معنی پہلے لوگوں کی باتیں کرنا ہے ۔ آخر میں صاحب تاج العروس کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ (اُستاذ) فرماتے ہیں کہ "السیرۃ النبویہ" اور "کتب السیر" کے الفاظ سیرۃ بمعنی طریقہ سے ماخوذ ہیں اور غزوات وغیرہ کو الحاق طور پر یا تاویل کے باعث اس میں داخل کیا گیا ہے[1] ۔

دو اور عربی لغات "المعجم الاعظم" اور "مصباح اللغات" میں لفظ سیرت کے یہ معانی درج کیے گئے ہیں : (۱) جانا ، روانہ ہونا ، چلنا (۲) روش ، طریقہ (۳) شکل و صورت (۴) ہیئت (۵) حالت (۶) کردار (۷) سنّت (۸) طرز زندگی ، کام کاج کرنے کا چلن ، زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ (۹) عادت (۱۰) کہانی ، پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کا بیان وغیرہ[2]۔ اردو لغات میں سے "جامع اللغات" میں سیرۃ کا مطلب ، 'سوانح عمری' ، فیروز اللغات میں "علم تاریخ" اور نسیم اللغات میں "ذاتی جواہر" بھی بیان کیا گیا ہے[3] ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے میں سیرت کا مفہوم ، طریقہ و مذہب ، سنّت ، ہیئت ، حالت اور کردار تک محدود نہیں ، بلکہ اس سے مراد ، داخلی شخصیت ، اہم کارنامے اور اکابر کے حالات زندگی بھی ہیں[4] ۔ پروفیسر عثمان خالد یورش نے لفظ سیرت کے معانی کی توضیح کے لیے قرآن مجید کی اس آیت کو پیش نظر رکھا ہے : "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین" (اے نبی ؐ! لوگوں سے کہو کہ زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ

۱۔ تاج العروس : السید محمد مرتضیٰ الزبیدی ، المجلد الثالث ، ص ۔ ۲۸۷ ، ۲۸۸

۲۔ المعجم الاعظم : الجزء الثالث ، ص : ۱۴۸۷ ، مصباح اللغات : ص : ۳۸۷ ۔

۳۔ جامع اللغات : جلد سوم ، ص : ۴۵۴ ، فیروز اللغات : (اُردو جامع) ص ، ۸۵۷ ، جدید نسیم اللغات اُردو ، ص : ۶۰۰ ۔

۴۔ فن سیرت نگاری پر ایک نظر : ڈاکٹر سید عبداللہ ، (فکر و نظر ، شمارہ اپریل ، ۱۹۷۶ء) ص : ۸۲۶ ۔

جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ؟) — اور کہا ہے کہ "سیر کا لفظ ، غور سے مثبت و ٹھوس حقائق کی تلاش میں چلنا ، غور و خوض کرنا ، عاقبت اندیشی سے کام لینا اور نیک افعال و اعمال سے کردار کی تعمیر کرنا وغیرہ سے عبارت ہے ۔ خود قرآن پاک نے "سیر" کا لفظ نیک تحریک و عوامل سے مکمل کر دیا ہے ۔ پس سیرت کسی نیک طینت اور پاک سرشت انسان کے قواعد و حرکات کا مکمل اور معیاری مجموعہ ہوتا ہے"[1] ۔

اصطلاحی مفہوم :

سیرت کا لغوی مفہوم اگرچہ کسی نیک سرشت انسان کا انفرادی کردار ، مزاج ، زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ اور اس کی سوانح عمری ہے ، لیکن اصطلاح میں اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے حالات زندگی اور اخلاق و عادات کا بیان ہے[2] ۔ اس لفظ کا اطلاق حضور سرور کائنات کی حیاتِ مبارکہ پر پہلے بھی ہوتا رہا اور اب بھی اس کا اصطلاحی مفہوم یہی ہے ۔ سیرت کی اولین کتابیں چونکہ "مغازی" کہلاتی تھیں ، اس لیے سیرت کے معانی میں خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مغازی کا بیان اور بعد ازاں آپ کی زندگی کے حالات کا بیان شامل ہو گیا[3] ۔ مغازی ، ان جنگوں کو کہتے ہیں ، جن میں حضور خود شریک ہوئے ۔ اس اعتبار سے "مغازی" کا دائرہ غزواتِ رسول اور شریکِ جنگ اصحابِ رسول تک محدود رہنا چاہیے تھا لیکن اس اصطلاح کا اطلاق رسول اللہ کی پوری زندگی اور عہدِ رسالت کے سارے واقعات پر کیا جانے لگا[4] ۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور ائمہ رجال ، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے خاص غزوات کو "مغازی" اور "سیرت" کہتے ہیں ؛ چنانچہ ابن اسحٰق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں

۱- فن سیرت نگاری : پروفیسر عثمان خالد یورش ، ص : ۸ ، ۹ ۔

۲- اُردو انسائیکلو پیڈیا : ص : ۹۴۳ ۔

۳- اُردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ جلد ۱۱ ، ص : ۵۰۵ ، (مقالہ ، سیرۃ) ۔

۴- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین ۔ جوزف ہو رو وتس مترجم ، نثار احمد فاروقی ، ص : ۱۱ ۔

اور سیرت بھی ۔ حافظ ابن حجر "فتح الباری" (کتاب المغازی) میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ کتب حدیث و فقہ میں بھی "کتاب الجہاد و السیر" کے عنوان سے جو باب باندھا جاتا ہے ، اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام ہی مراد ہوتے ہیں ۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "کئی صدیوں تک یہی طریقہ رہا ؛ چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں مثلاً سیرت ابن ہشام ، سیرت ابن عائذ ، سیرت اموی وغیرہ ، ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں ، البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے سوا اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں ۔ مثلاً "مواہب لدنیہ" میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے"[1] ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے غیر مسلموں سے امن و جنگ کے زمانے کے احکام کو بھی "سیر" قرار دیا ہے[2] اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک "وہ حدیثیں ، جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کے وجود باجود اور صحابہ کرامؓ اور آپ کے آل عظامؓ سے متعلق ہیں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے وفات تک کے حالات پر مشتمل ہیں ، وہ "سیر" کے نام سے موسوم ہیں"[3] ۔

یہی لفظ "سیرت" آنحضرتؐ کے حالات زندگی کے علاوہ دوسرے اہم اشخاص کی سوانح کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے ، مثلاً کتاب "سیرۃ معاویہؓ" کتاب "سیر الملوک" وغیرہ[4] اس کے علاوہ کسی مشہور تاریخی یا افسانوی شخصیت کے کارناموں کو بھی "سیرت" کا نام دیا گیا ہے ۔ مثلاً سیرۃ عنتر ، سیرت سیف بن ذی یزن ، سیرۃ صلاح الدین وغیرہ ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سیرت کے لیے قدیم زمانے میں لفظ "تاریخ" بھی استعمال ہوا ہے ۔ مثلاً امام بخاری کی تاریخ صغیر و کبیر ۔ السخاوی نے "الاعلان

۱- سیرۃ النبی (جلد اول) : شبلی نعمانی ، مقدمہ ، ص : ۸ (حاشیہ) ۔

۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد : ۱/۱۲ ، ص : ۱۷۳ (مقالہ : سیرۃ)

۳- فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ، شارح : مولٰینا عبدالحلیم چشتی ، ص : ۳۸ ۔

۴ ، ۵ - اردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد : ۱۱ ، ص : ۵۰۵ اور ۵۰۶ ، جلد نمبر : ۱/۱۲ ، ص : ۱۷۵ ، (مقالہ : سیرۃ) ۔

بالتوبیخ" میں انفرادی اور اجتماعی سوانح عمریوں کو بھی تاریخ کے تحت درج کیا ہے - آج کل بھی سیرت کا لفظ صحابہؓ کرامؓ ، علما و فضلا اور دیگر نامور اشخاص کے لیے عام استعمال ہو رہا ہے - مثلاً سیرۃ الصحابہؓ ، سیرۃ عائشہؓ ، سیرۃ امام ابن تیمیہ وغیرہ - تاہم ڈاکٹر سید عبداللہ کی اس رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ "تمام اشخاص کی بیوگرافی کو سیرت کہنا زیادتی ہے کیونکہ سیرت کے لفظ کو اصولی طور پر آنحضرتؐ کے حالات ہی سے مخصوص سمجھنا چاہیے"[۱] -

لفظ سیرۃ کے لغوی مفہوم سے اصطلاحی مفہوم کے اس سفر کے بارے میں محمد علی الفاروق تھانوی کہتے ہیں کہ "اصل میں سیر بمعنی چلنا اور جانا تھا - اس سے طریقہ کی طرف انتقالِ معنی ہوا - پھر شرع میں اس پر خاص معنی : طریقۃ المسلمین فی المعاملۃ مع الکافرین و الباغیین وغیرھم من المستأمنین و المرتدین و اھل الذمۃ (مسلمانوں کا کافروں ، باغیوں ، پناہ لینے والوں ، مرتدوں اور ذمیوں وغیرہ کے ساتھ سلوک !) بحوالہ "البرجندی" و "جامع الرموز" ، غالب ہوگئے اور "الکفایہ" کے مطابق اس کے مخصوص معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا مغازی میں طریقہ و روش ہو گئے - لیکن اس کے عام معنی طریقہ فی الامور اور سنت فی المعاملات بھی ہیں - مثلاً کہا جاتا تھا : سار ابوبکر رضی اللہ عنہ بسیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم (حضرت ابوبکر صدیق ، رسولؐ اللہ کے طریقے پر چلے) مغازی کو سیر اسی لیے کہتے ہیں کہ اول امورھا السیر الی الغزو (میدان جنگ کی طرف چل کر جانے سے جہاد و مغازی کی ابتدا ہوتی ہے) - کتاب السیر سے مراد ، سیر الامام و معاملاتہ مع الغزاۃ و الانصار و الکفار (کتاب السیر سے مراد ہے غازیوں ، مدد گاروں اور کافروں سے مسلمان حاکم وقت کا سلوک اور معاملات و تعلقات)[۲] -

---

۱- فن سیرت نگاری پر ایک نظر : ڈاکٹر سید عبداللہ ، (فکر و نظر : اپریل ۱۹۷۶ء) ص : ۸۲۶ -

۲- کشاف اصطلاحات الفنون : محمد علی الفاروق تھانوی ، طبع : بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ، کلکتہ ، بہ اہتمام : A. Sprenger و دیگران ، ص ، ۶۶۳ -

"المغرب" میں آیا ہے : انها غلبت فی الشرع علی امور المغازی و ما یتعلق بها کالمناسک علی امور الحج (شریعت میں عام طور پر سیرت کا اطلاق ، غزوات اور ان سے متعلق امور پر ہوتا ہے ، نیز مناسک حج پر)[1] -

فقہ کی اصطلاح میں اس کا مفہوم بین الاقوامی قانون ہے : چنانچہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کی کتاب "السیر الکبیر" کا یہی موضوع ہے[2]-

شیخ محمد طاہر فتنی "مجمع بحار الانوار" میں "کتاب السیر" کے ضمن میں لکھتے ہیں :

"کتاب السیر جمع سیرة بمعنی الطریقة لان الاحکام المذکورة فیها متلقاة من سیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فی غزواتہ"[3] (السیر ، سیرة کی جمع ہے - سیرت کا لفظ طریقہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے - کتاب السیر میں جو احکام مذکور ہوتے ہیں ، وہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے غزوات کے سلسلے میں فرمائے ہوئے ارشادات سے متعلق ہوتے ہیں) -

سیرت کی اصطلاح کا اولین استعمال :

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، لیڈن کے مقالہ نگار جی لیوی ڈیلا ویڈا (G. Levi-della vida) کی تحقیق کے مطابق حضور اکرم ؐ کی سوانح عمری کے لیے لفظ "سیرت" سب سے پہلے ابن ہشام (م/۲۱۳ھ) نے استعمال کیا - اس نے ابن اسحٰق (م/۱۵۱ھ) کی کتاب المغازی ، میں گراں قدر اضافے کرکے اپنی مرتبہ کتاب کو "سیرة" کا نام دیا - وہ اسے "ھٰذا کتاب سیرة رسول اللہ" (یہ کتاب سیرت رسول اللہ ہے) کہہ کر متعارف کراتا ہے وسٹنفلٹ (Wustenfled) کے مرتب کردہ مطبوعہ نسخہ کے سرورق پر یہی الفاظ درج ہیں - تاہم مقالہ نگار کے بقول ، آنحضرت ؐ کی حیات کے لیے لفظ

۱- اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ، دانشگاہ پنجاب - جلد ۱۱ ، ص : ۵۰۶ -

۲- سیرة النعمان : شبلی نعمانی ، ص ۳۵۱ ، اور اسلام کا بین الاقوامی قانون : ڈاکٹر محمد حمید اللہ -

۳- مجمع بحار الانوار : شیخ محمد طاہر فتنی ، جلد ۲ ، ص : ۱۶۵ -

"سیرت" کا ، استعمال اس سے پہلے بھی ملتا ہے - ابن سعد (م/۲۳۰ھ) نے "طبقات" (۱/۲ : ۱۸) میں بتایا ہے کہ اس کے استاد واقدی (م/۲۰۷ھ) نے اس لفظ کو بالکل اسی مفہوم میں برتا ہے : من روی السیرۃ (اس نے سیرت کو روایت کیا ہے) - خود ابن سعد : ھؤلاء اعلم بالسیرۃ و المغازی من غیرھم ، (طبقات : ۳/۲ - ۱۵۲) کہہ کر اس اصطلاح کو حضورؐ کی حیات مبارکہ کے معنوں میں استعمال کرتا ہے[1] -

ڈاکٹر مارسڈن جونس ، (Dr. Marsden Jones) ، واقدی کی "کتاب المغازی" کے مقدمہ میں لکھتا ہے : "اس میں کچھ شک نہیں کہ لفظ "سیرت" کا سیرت النبیؐ کے معنی میں استعمال ، ابن ہشام کی ابن اسحٰق سے روایت سے قبل بھی ہوا ہے - "کتاب الاغانی" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا اس خاص معنی میں استعمال محمد بن شہاب الزہری (م/۱۲۴ھ) کے زمانہ میں بھی معروف تھا ؛ چنانچہ اس سلسلہ میں اصفہانی نے درج ذیل نص پیش کی ہے -

"مدائنی نے خالد بن عبداللہ القسری کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن شہاب نے مجھے خبر دی کہ خالد بن عبداللہ القسری نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لیے انساب کے موضوع پر لکھوں ، میں نے ان کے حکم کی تعمیل شروع کر دی اور ابھی خاندان مضر کا نسب نامہ مکمل نہ کر پایا تھا کہ خالد کہنے لگے - اسے ختم کرو - اللہ اسے اور اس کے اصولوں کو ختم کرے اور میرے لیے "سیرت" کے موضوع پر لکھو" - (الاغانی ، ط الساسی - ج : ۱۹ ، ص : ۵۹)"[2] -

جی لیوی ڈیلا ویڈا ، آنحضرتؐ کی سوانح کے لیے لفظ "سیرت" کے استعمال کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے : "یوں لگتا ہے کہ اول اول رسول اللہ کی سوانح عمری کے لیے لفظ سیر (جمع کا صیغہ) کا تخصیصی استعمال

1- The Encyclopaedia of Islam, Leiden, vol. 4, p. 439. (Article : Sira).

۲- کتاب المغازی (الجزء الاول) الواقدی - مقدمۃ التحقیق از ڈاکٹر مارسڈن جونس ، ص : ۱۹ -

"المغرب" میں آیا ہے : انہا غلبت فی الشرع علی امور المغازی و ما یتعلق بہا کالمناسک علی امور الحج (شریعت میں عام طور پر سیرت کا اطلاق ، غزوات اور ان سے متعلق امور پر ہوتا ہے ، نیز مناسک حج پر)[1] -

فقہ کی اصطلاح میں اس کا مفہوم بین الاقوامی قانون ہے : چنانچہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کی کتاب "السیر الکبیر" کا یہی موضوع ہے[2]-

شیخ محمد طاہر فتنی "مجمع بحار الانوار" میں "کتاب السیر" کے ضمن میں لکھتے ہیں :

"کتاب السیر جمع سیرۃ بمعنی الطریقۃ لان الأحکام المذکورۃ فیہا متلقاۃ من سیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فی غزواتہ"[3] (السیر ، سیرۃ کی جمع ہے - سیرت کا لفظ طریقہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے - کتاب السیر میں جو احکام مذکور ہوتے ہیں ، وہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے غزوات کے سلسلے میں فرمائے ہوئے ارشادات سے متعلق ہوتے ہیں) -

سیرت کی اصطلاح کا اولین استعمال :

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، لیڈن کے مقالہ نگار جی لیوی ڈیلا ویڈا (G. Levi-della vida) کی تحقیق کے مطابق حضور اکرم ؐ کی سوانح عمری کے لیے لفظ "سیرت" سب سے پہلے ابن ہشام (م/۲۱۳ھ) نے استعمال کیا - اس نے ابن اسحٰق (م/۱۵۱ھ) کی کتاب المغازی ، میں گراں قدر اضافے کرکے اپنی مرتبہ کتاب کو "سیرۃ" کا نام دیا - وہ اسے "ھٰذا کتاب سیرۃ رسول اللہ" (یہ کتاب سیرت رسول اللہ ہے) کہہ کر متعارف کراتا ہے ویسٹنفلٹ (Wustenfled) کے مرتب کردہ مطبوعہ نسخہ کے سرورق پر یہی الفاظ درج ہیں - تاہم مقالہ نگار کے بقول ، آنحضرت ؐ کی حیات کے لیے لفظ

۱- اردو دائرۂ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب - جلد ۱۱ ، ص : ۵۰۶ -
۲- سیرۃ النعمان : شبلی نعمانی ، ص ۳۵۱ ، اور اسلام کا بین الاقوامی قانون : ڈاکٹر محمد حمید اللہ -
۳- مجمع بحار الانوار : شیخ محمد طاہر فتنی ، جلد ، ۲ ، ص : ۱۶۵ -

"سیرت" کا ، استعمال اس سے پہلے بھی ملتا ہے - ابن سعد (م/۲۳۰ھ) نے "طبقات" (۲/۱ : ۱۸) میں بتایا ہے کہ اس کے اُستاد واقدی (م/۲۰۷ھ) نے اس لفظ کو بالکل اسی مفہوم میں برتا ہے : من روی السیرة (اس نے سیرت کو روایت کیا ہے) - خود ابن سعد : ھؤلاء اعلم بالسیرة و المغازی من غیرھم ، (طبقات : ۲/۳ - ۱۵۲) کہہ کر اس اصطلاح کو حضورؐ کی حیات مبارکہ کے معنوں میں استعمال کرتا ہے[1] -

ڈاکٹر مارسڈن جونس ، (Dr. Marsden Jones) ، واقدی کی "کتاب المغازی" کے مقدمہ میں لکھتا ہے : "اس میں کچھ شک نہیں کہ لفظ "سیرت" کا سیرت النبیؐ کے معنی میں استعمال ، ابن ہشام کی ابن اسحٰق سے روایت سے قبل بھی ہوا ہے - "کتاب الاغانی" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا اس خاص معنی میں استعمال محمد بن شہاب الزہری (م/۱۲۴ھ) کے زمانہ میں بھی معروف تھا ؛ چنانچہ اس سلسلہ میں اصفہانی نے درج ذیل نص پیش کی ہے -

"مدائنی نے خالد بن عبداللہ القسری کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن شہاب نے مجھے خبر دی کہ خالد بن عبداللہ القسری نے مجھے حکم دیا کہ میں اُن کے لیے انساب کے موضوع پر لکھوں ، میں نے اُن کے حکم کی تعمیل شروع کر دی اور ابھی خاندان مضر کا نسب نامہ مکمل نہ کر پایا تھا کہ خالد کہنے لگے - اسے ختم کرو - اللہ اسے اور اس کے اصولوں کو ختم کرے اور میرے لیے "سیرت" کے موضوع پر لکھو" - (الاغانی ، ط الساسی - ج : ۱۹ ، ص : ۵۹)"[2] -

جی لیوی ڈیلا ویڈا ، آنحضرتؐ کی سوانح کے لیے لفظ "سیرت" کے استعمال کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے : "یوں لگتا ہے کہ اول اول رسول اللہ کی سوانح عمری کے لیے لفظ سیر (جمع کا صیغہ) کا تخصیصی استعمال

1- The Encyclopaedia of Islam, Leiden, vol. 4, p. 430. (Article : Sira).

۲- کتاب المغازی (الجزء الاول) الواقدی - مقدمة التحقیق از ڈاکٹر مارسڈن جونس ، ص : ۱۹ -

اس لیے کیا گیا تھا کہ اسلام کے عروج کے زمانے میں عرب ، پہلوی الاصل "سیر الملوک" سے واقف ہوئے اور انھوں نے بھی تقلیداً اپنے پیغمبرؐ کے سوانحی واقعات مدون کر کے انھیں "سیر" کا نام دیا ۔ (بحوالہ نولڈیکی)"[1] ۔

اس کے برعکس عبدالقدوس ہاشمی کہتے ہیں کہ "اردو ، بلکہ اس سے پہلے ہی عربی میں بھی لفظ سیرت ، اگر مخصوص نہیں تو زیادہ تر انبیاء کرام علیہم السلام اور بزرگان دین کے احوال زندگی کے لیے استعمال ہونے لگا تھا ۔ عربی سے اس لفظ کو اسی معنی میں عبرانی ، آرامی اور سریانی زبانوں میں بھی لے لیا گیا تھا اور ان زبانوں میں بھی لفظ "سیرۃ" تقریباً اسی معنی کے لیے مستعمل تھا ۔ تاہم جب ہم "سیرۃ النبیؐ" کا لفظ بولتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حیات طیبہ کے احوال و واقعات کو مقصود قرار دے رہے ہیں"[2] ۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے "سیر الملوک" کی تقلید میں نہیں ، بلکہ ارشاد ربانی پر عمل کرتے ہوئے اپنے پیغمبرؐ کی زندگی کی تفصیلات جمع کیں ؛ چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے : لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۳۳ ، الاحزاب : ۲۱) (تمہارے لیے رسول اللہؐ کی ذات گرامی میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے) ۔ اس اسوۂ حسنہ ، کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کرنے کی کوشش میں کتب احادیث و سیر کا عظیم الشان ذخیرہ وجود میں آیا ۔

اس سلسلہ میں تو کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں کہ حضور سرور کائناتؐ کے اقوال و اعمال کو ان کی حیات با برکات میں بھی بہت اہمیت حاصل تھی اور بعد از وفات تو ان کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو گئی ۔ اس

1- The Encyclopaedia of Islam, Leiden, vol. 4, p. 439. (Article: Sira).

۲- سیرت انبیاء ۔ کمال انسانیت : عبدالقدوس ہاشمی (ماہنامہ : فکر و نظر ، اپریل ۱۹۷۵ء) ص : ۵۷۹ ۔

ضرورت نے آپؐ کی سیرت کی تمام تفصیلات اور آپؐ کے تمام ارشادات کی تدوین کو ناگزیر بنا دیا ۔ بقول ڈاکٹر مارسڈن جونس "اس عنایت و اہتمام کا باعث صرف تقویٰ ہی نہیں ہے ، بلکہ دینی عقائد اور شرعی احکام کے سلسلہ میں ٹھوس معلومات حاصل کرنا ، اسلامی معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے ۔ چنانچہ یہ تھی دراصل وہ اساس ، جس کے باعث ان علوم (حدیث و سیر) کو مدون و مرتب کیا گیا"[۱] ۔

قرآن میں لفظ "سیرت" کا استعمال :

قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے[۲] اور وہ بھی اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں ، بلکہ لغوی معنی میں ۔ متعلقہ آیت درج ذیل ہے ۔ "قال خذھا و لاتخف سنعیدھا سیرتھا الاولی (۲۰ : طٰہٰ ، آیت ۲۱) ترجمہ : ہم نے فرمایا : "پکڑ لے (اے موسیٰؑ) اس کو اور ڈر نہیں ، ہم اسے اسی ہیئت میں کر دیں گے ، جیسی یہ پہلے تھی" ۔

اس آیت سے پہلے ، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے پوچھا کہ "یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ "یہ میری لاٹھی ہے ، اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں ۔ اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور بڑی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں ۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "اے موسیٰ اسے پھینک دے ۔" حضرت موسیٰؑ نے اسے پھینک دیا تو وہ یکایک سانپ بن کر دوڑنے لگی[۳] اس کے بعد مذکورہ بالا آیت آتی ہے جس میں لفظ سیرتھا استعمال کیا گیا ہے ۔ یہاں اس لفظ کے معنی ہیئت ، حالت ، شکل و صورت اور حقیقی کردار کے ہیں ۔

احادیث میں لفظ "سیرت" کا استعمال :

البتہ بعض احادیث میں لفظ "سیرت" اپنے اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ "مسند احمد بن حنبل" میں دو ایسی احادیث موجود ہیں ، جن

۱۔ کتاب المغازی : (الجزء الاول) : الواقدی ، مقدمۃ التحقیق از ڈاکٹر مارسڈن جونس ، ص : ۱۹ ، ۲۰ ۔

۲۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم : محمد فؤاد عبدالباقی ، ص : ۳۷۴ ۔

۳۔ تفہیم القرآن (جلد سوم) : سید ابو الاعلیٰ مودودی ، ص : ۹۱ ۔

میں یہ لفظ اپنے مخصوص معانی میں برتا گیا ہے[1] ۔ پہلی حدیث یہ ہے :

قام علیؓ علی المنبر فذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ فعمل بعملہ و سار بسیرتہ حتی قبضہ اللہ عزو جل علی ذالک ثم استخلف عمر رضی اللہ عنہ علی ذالک فعمل بعملھما و سار سیرتھما حتی قبضہ اللہ عزوجل علی ذالک[2] ۔

ترجمہ : "حضرت علیؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب آپؐ کی روح قبض کر لی گئی تو آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب کیے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ جیسے کام کیے اور آپؐ کی "سیرت" پر چلے ، حتی کہ اللہ تعالی نے ان کی روح کو بھی قبض کر لیا ۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب کیے گئے ۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں جیسے کام کیے اور ان کی سیرت پر چلے ، حتی کہ اللہ تعالی نے ان کی روح کو بھی قبض کر لیا" ۔

اور دوسری حدیث یہ ہے :

عن ابی وائل قال قلت لعبد الرحمن بن عوف کیف بایعتم عثمان و ترکتم علیا رضی اللہ عنہ قال ما ذنبی قد بدأت بعلی فقلت ابایعک علی کتاب اللہ و سنۃ رسولہ و سیرۃ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما قال فقال فیما استطعت قال ثم عرضتھا علی عثمان رضی اللہ عنہ فقبلھا[3] ۔

ترجمہ : "حضرت ابو وائل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا کہ آپ لوگوں نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کی بیعت کیوں کی ؟" انھوں نے فرمایا کہ "اس میں

۱۔ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبویؐ : ا ۔ ی ۔ ونسنک ۔ ص : ۴۷ ۔

۲۔ مسند احمد بن حنبل ، جلد اول ، ص : ۱۲۸ ۔

۳۔ مسند احمد بن حنبل ، جلد اول ، ص : ۷۵ ۔

میرا کوئی قصور نہیں ، میں نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ میں کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ اور سیرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر تمہاری بیعت کرتا ہوں ، حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ "میں ان میں سے جتنی بات کی استطاعت رکھوں گا ، اسے سر انجام دوں گا ۔" پھر میں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں یہی بات پیش کی تو انھوں نے اسے تسلیم کر لیا "۔

اول الذکر حدیث میں سار بسیرتہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں (یعنی حضرت ابوبکر صدیق ، آپؐ کی "سیرت" پر چلے) اور ثانی الذکر حدیث میں سیرۃ ابی بکر کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں ۔ (یعنی ابوبکر صدیق کا طریق کار اور طرز زندگی) ۔

نعتیہ قصائد میں لفظ "سیرت" کا استعمال :

اسی طرح ابتدائی دور اسلام کے بعض نعتیہ قصائد میں بھی یہ لفظ اپنے اصطلاحی معنی میں مستعمل ہوا ہے ۔ مثلاً حضرت کعب بن مالکؓ (متوفی ۵۰ھ) نے غزوہ احد کے موقع پر جو نعتیہ قصیدہ کہا اس کا ایک شعر یہ ہے :

الحق منطقہ و العدل سیرۃ
فمن یجبہ الیہ ینج من تبب

ترجمہ : آنؐ کی بات حق ہے اور آنؐ کی "سیرت" عدل ہے ، جس نے آنؐ کی پیروی کی ، ہلاکت سے نجات پا گیا[1] ۔

سیرت اور نعت :

سیرت کی طرح نعت بھی عربی زبان کا لفظ ہے ۔ اس کے لغوی معنی تعریف یا وصف بیان کرنا ہے لیکن اصطلاحاً یہ لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے وصف محمود و ثنا کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ عربی ، فارسی اور اردو میں نعت ہی وہ مبارک صنف سخن ہے جس کے ذریعے شعرا نے پیغمبر اسلام کی ذات سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے

۱- صحابہ کرام کی نعت گوئی : ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیر الدین ، ("اظہار" ، سیرت نمبر ، فروری ۱۹۷۹ء ، ص : ۱۴) ۔

اور اُن کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کر کے اُن احسانات کا اعتراف کیا ہے ، جو انھوں نے بنی نوع انسان پر کیے ۔ حضور اکرمؐ کی تعریف و توصیف نثر میں بھی ہو سکتی ہے اور نظم میں بھی ، اس لیے اُن کی مدح سے متعلق تمام خیالات کو اصولاً نعت ہی کہا جائے گا لیکن اُردو اور فارسی میں بطور اصطلاح جب بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عموماً انحضرتؐ کی منظوم مدح ہی مراد لی جاتی ہے[1] ۔

عربی میں بھی یہ لفظ وصفِ رسولؐ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ حضرت علیؓ نے "شمائل ترمذی" کی ایک حدیث میں آپؐ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اپنے لیے بجائے 'واصف' کے 'ناعت' کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں : من راہ بداھۃً ھابہ و من خالطہ معرفۃً احبہ یقول ناعتہ لم اری قبلہ و لا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ و سلم (جامع الترمذی ، ص : ٥٦٧) یعنی ، "آپؐ پر یکایک جس کی نظر پڑتی ہے ہیبت کھاتا ہے ، جو آپؐ سے تعلقات بڑھاتا ہے ، محبت کرتا ہے ، آپؐ کا وصف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ آپؐ سے پہلے نہ آپؐ جیسا دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد آپؐ جیسا دیکھا"[2] ۔

البتہ عربی میں بالعموم "نعت" کی بجائے "مدح" کا لفظ اس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ بقول ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی "نظم و نثر دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور انبیاء و اولیاء یا عام انسان ہوں ، ہر ایک کی تعریف و ستائش اس ضمن میں آتی ہے"[3] ۔ یہی وجہ ہے کہ عربی میں نعتیہ کلام پر مشتمل مجموعوں کو "مدائح نبویہؐ" کا نام دیا جاتا ہے مثلاً المدائح النبویہؐ فی الادب العربی (ڈاکٹر زکی مبارک) اور المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ (شیخ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی) ۔

بظاہر "نعت" کا موضوع آنحضرتؐ کی مدح اور اُن کی زندگی کے چند روشن گوشوں کو اجاگر کرنے تک محدود نظر آتا ہے ۔ لیکن یہ تنگ دامانی

۱- آردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر فرمان فتح پوری ، ص : ۲۱ -
۲- آردو میں نعتیہ شاعری : ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ، ص : ۳۱ -
۳- عربی میں نعتیہ کلام : ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ، ص : ۲۹ -

مغالطہ آمیز ہے ۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری ، "جہاں تک موضوع کی وسعت کا تعلق ہے ، اس میں آنحضرتؐ کی زندگی اور سیرت کے توسط سے انسانی زندگی کے سارے ثقافتی و تہذیبی پہلو اور سماجی و سیاسی مباحث در آئے ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ اُردو فارسی کے بیشتر شعرا نے عموماً حضور اکرمؐ کے حلیۂ اقدس ، واقعۂ معراج اور معجزات ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے لیکن نعت کے موضوع کا دائرہ اس سے بہت وسیع ہے ۔ اس میں شمائل و فضائل کے ساتھ ساتھ معمولات نبویؐ ، غزوات نبویؐ ، عبادات نبویؐ ، آداب مجالس نبویؐ ، پیغامات نبویؐ اور اخلاق نبویؐ کے بے شمار پہلو شامل ہیں ۔ حسن عمل ، حسن سلوک ، حسن خیال ، حسن بیان اور حسن معاملہ سے لے کر عدل و انصاف ، جود و سخا ، ایثار و احسان ، سادگی و بے تکلفی ، شرم و حیا ، شجاعت و دیانت ، عزم و استقلال ، مساوات و تواضع ، مہمان نوازی و ایفائے عہد ، زہد و قناعت ، عفو و حلم ، رحم و مروت ، شفقت و محبت ، عیادت و تعزیت ، رقیق القلبی و جاں گدازی ، رحمت و مکرمت ، لطف طبع و لطف سخن اور انسانی ہمدردی و غم خواری تک تمدنی زندگی کا کون سا پہلو اور کون سا رخ ہے جس کی ترغیب و ترویج و تزئین و تطہیر کا سامان نعت کے موضوع کے اندر موجود نہیں"[۱] ۔

ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین کے نزدیک بھی "نعت" کے معنی کسی کی خوبیاں بیان کرنا ہے ، البتہ وہ وصف اور نعت میں تمیز کرتے ہیں ۔ اُن کی رائے میں "وصف اور نعت میں فرق یہ ہے کہ وصف میں مدح اور ذم دونوں شامل ہیں اور نعت کا تعلق صرف مدح کے ساتھ ہے لیکن اب یہ الفاظ مستقل اصطلاح بن گئے ہیں اور ممدوح کے اعتبار سے اُن کا استعمال ہوتا ہے ؛ چنانچہ اگر ممدوح اللہ تعالیٰ ہے ، تو حمد و ثنا ہے اور اگر ممدوح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں تو یہ نعت ہے اور اگر صحابہ و اہل بیت اور بزرگان دین ہیں تو اُن کے لیے منقبت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اگر مطلقاً کوئی سربر آوردہ شخصیت ہے تو اُس کے لیے مدح

۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر فرمان فتح پوری ، ص : ۲۲ ۔

استعمال کرتے ہیں"۱ ۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی طرح ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیر الدین کا خیال بھی یہی ہے کہ "نعت اگرچہ نثر و نظم دونوں میں ہو سکتی ہے ، لیکن اب اس کا اطلاق زیادہ تر منظوم کلام پر ہوتا ہے ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی شان اور مدح میں کہا گیا ہو"۲ ۔

نعت اور سیرت کا باہمی رشتہ اتنا گہرا ہے کہ بعض شعرا نے آنحضرتؐ کی پوری سوانح کو منظوم کرنے کی کوشش بھی کی ہے ۔ مثلاً حافظ زین الدین عراقی (م/۸۰۶ھ) نے ، جو حافظ ابن حجر العسقلانی کے استاد تھے ، الفیہ (ہزار اشعار) کے نام سے سیرت منظوم لکھی ہے اور اس میں ہر طرح کے دلچسپ واقعات جمع کر دیئے ہیں۳ ۔ ان سے پہلے محمد بن ابراہیم المعروف بہ فتح الدین بن الشہید (م/۷۹۳ھ) نے دس ہزار ابیات پر مشتمل سیرت کی کتاب لکھی ۔ اسی طرح الشمس الباعونی الدمشقی (م/۸۷۱ھ) نے مغلطائی کی مختصر سیرت کو ایک ہزار سے زائد اشعار میں نظم کیا ہے اور اس کا نام "منحۃ اللبیب فی سیرۃ الحبیب" رکھا۴ ۔ نصیر الدین ہاشمی نے اپنے مضمون "قدیم اردو (دکھنی) میں سیرۃ النبی کا ذخیرہ" میں ان تمام مثنویوں کا ذکر کیا ہے ۔ جو سیرۃ مقدس سے متعلق ہیں ۔ ان میں معراج ناموں ، مولود ناموں ، شمائل ناموں اور وفات ناموں کے علاوہ "اعجاز احمدی" (چار جلدیں) اور "ہشت بہشت" (آٹھ جلدیں) جیسی ضخیم تصانیف بھی شامل ہیں ، نوازش علی شیدا کی "اعجاز احمدی" (تصنیف ۱۱۸۷ھ) کی پہلی جلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی پیدائش سے چالیس سال کی عمر تک کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ۔ نور محمدیؐ ، حمل ، ولادت ، رضاعت ، شق صدر ، رحلت آمنہ ،

---

۱ - ۲ - صحابہ کرام کی نعت گوئی : ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیر الدین (صریر خامہ : نعت نمبر ۱۹۷۸ء ، ص : ۹) ۔
۳ - سیرۃ الرسولؐ : ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ، (مقدمہ شیخ محمد اسمٰعیل ، پانی پتی ، ص : ۳۳) ۔
۴ - اُردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد ۱/۱۴ ، ص : ۱۸۱ ، (بحوالہ الاعلان بالتوبیخ ، ص : ۱۹۲) ۔

وفات عبدالمطلب ، آنحضرتؐ کا تجارت کے لیے ملک شام کو جانا ، خدیجہؓ کا نکاح ، حجر اسود کا نصب کرنا وغیرہ کے عنوانات قائم کیے گئے ہیں ۔ دوسری جلد بعثت سے ہجرت تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ اس میں نبوت کی ابتدا ، بی بی خدیجہؓ اور حضرت علیؓ کا اسلام لانا ، ابوبکر صدیقؓ ، عثمانؓ وغیرہ کا اسلام لانا ، آنحضرتؐ کا قریش کو دعوتِ اسلام دینا ، قریش کا ظلم و ستم ، ہجرت حبشہ ، حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا ، حضرت عمرؓ کا ایمان لانا ، سفر طائف وغیرہ کا بیان ہے ۔ تیسری جلد میں ہجرت سے وفات تک حالات درج ہیں ۔ عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا ، سلمان فارسیؓ کا ایمان سے مشرف ہونا ، بی بی فاطمہ زہرہؓ کا عقد ، جنگِ بدر ، جنگِ احد ، جنگِ تبوک ، حج الوداع ، وفات وغیرہ عنوانات قائم کیے گئے ہیں ۔ جلد چہارم میں حالات بعدِ وفات ، معجزات اور فضائل ، زیارتِ تربت وغیرہ امور پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ "پہلی اور دوسری جلد کا حجم ۱۰۵ صفحے اور تیسری جلد ۲۶۱ صفحے پر مشتمل ہے ۔ پوری مثنوی کے اشعار کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہوتی ہے"[۱] اسی طرح مثنوی "ہشت بہشت" (محمد باقر آگاہ) کی آٹھ جلدوں میں بھی سیرتِ پاک کے مختلف مباحث ہیں ۔ ۱۱۸۴ھ اور ۱۲۰۶ھ کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی اس طویل مثنوی کے اشعار کی تعداد بھی ، مذکورہ بالا مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق ، تخمیناً آٹھ ہزار ساڑھے چھ سو ہے ۔ ان آٹھ رسالوں میں ، پہلے رسالہ (من دیپک) میں نورِ محمدیؐ کا تذکرہ ہے ۔ دوسرے رسالہ (من ہرن) میں نبوت کی بشارتوں کا بیان ہے ۔ تیسرے رسالہ (من موہن) میں آنحضرتؐ کی پیدائش کا تذکرہ ہے ۔ چوتھے رسالے (جگ موہن) میں آٹھ سال کی عمر سے وفات تک حالات درج ہیں ۔ پانچویں رسالہ (آرامِ جان) میں اخلاق و شمائلِ نبویؐ کا تذکرہ ہے ۔ چھٹے رسالہ (راحتِ جاں) میں آنحضرتؐ کے خصائص کا حال درج ہے ۔ ساتویں رسالہ (من درپن) میں معجزاتِ نبویؐ کا بیان ہے اور آٹھویں رسالہ (من جیون) میں آنحضرتؐ

۱- قدیم اردو (دکھنی) میں سیرۃ النبیؐ کا ذخیرہ : نصیر الدین ہاشمی ، (دکھنی — قدیم اردو — کے چند تحقیقی مضامین ، ص : ۳۰ ، ۳۱) ۔

کے آداب اور آپؐ سے محبت رکھنے کا تذکرہ کیا گیا ہے[1] ۔

ایک اور باقاعدہ ، مفصل اور منظوم کتابِ سیرت ، ولی ویلوری کی نعتیہ مثنوی "روضۃ الانوار" ہے ۔ جو بقول ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں لکھی گئی[2]۔ اس کے درج ذیل عنوانات سے ہی موضوع کی جامعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ ذکرِ نورِ نبی ، واقعات در مدت حمل ، ذکرِ ولادت ، شیر خوردن ، سفرِ شام ، خواستگاری خدیجہؓ ، ابتدائے وحی ، اسلام حمزہؓ ، اسلام عمرؓ ، ہجرت ، وفات بی بی خدیجہؓ ، معراج ، ذکرِ معجزات ، جنگِ بدر ، جنگِ احد ، جنگِ احزاب ، جنگِ بنی قریظہ ، جنگ تبوک ، إفک ، فتح خیبر ، فتح مکہ ، جنگِ حنین ، فتح طائف ، حجۃ الوداع وغیرہ پچاس سے زاید عنوانات ہیں[3] ۔

سیرت اور سیرت الاولیاء

غیر مسلم سیرت نگاروں نے "سیرت" اور "سیرۃ الاولیاء" (Hagiology) یا Hagiography) میں بھی ایک تعلق دریافت کیا ہے ، بلکہ اسپرینگر ، نولڈکی ، گولڈزیہر نے تو "سیرت" کو "سیرۃ الاولیاء" کے بالواسطہ اثرات کا نتیجہ قرار دیا ہے[4] ۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا کا مقالہ نگار کہتا ہے کہ "بہت جلد "سیرت" پر "سیرۃ الاولیاؑ" نے غلبہ پا لیا اور حیاتِ محمدؐ کو ایک مثالی نمونہ بنا کر پیش کیا جانے لگا[5]" حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

۱۔ قدیم اردو (دکھنی) میں "سیرۃ النبی" کا ذخیرہ : نصیر الدین ہاشمی (دکھنی — قدیم اردو — کے چند تحقیقی مضامین ، ص : ۳۵) ۔

۲۔ ولی ویلوری کی تین مثنویاں : ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں ، ("معارف" اعظم گڑھ ، جنوری ۱۹۴۰ء) ۔

۳۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند : پہلی جلد ، مقدمہ ، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ۱۹۷۸ء ، (مقالہ ، اردو کا دینی ادب - ۱۸۵۷ء کے بعد : ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں) ، ص ۱۷۳ ، ۱۷۴ ۔

4. Encyclopaedia of Islam, Vol. 4, Page : 440 (Article : 'Sira').

5. Encyclcpaedia Britanica, Vol. 15, Page 650. (Article : 'Mohammad').

"سیرۃ الاولیاء" یا "تذکرۂ مقدسین" (Hagiography یا Hagiology) تاریخ کی ایک شاخ ہے ، جس کا موضوع اولیاء کی سوانح عمریاں اور قرن ہا قرن سے انھیں پیش کیا جانے والا خراج عقیدت ہے ۔ اس فہرست میں شہداء ، خدا رسیدہ راہب اور مذہبی پیشوا سب شامل ہیں ۔ اس قسم کے تذکروں میں سوانحی حالات کے علاوہ ایسی کرامات کا بیان بھی شامل تھا ، جو ان خدا رسیدہ بزرگوں کے مقابر پر ظاہر ہوتی تھیں ۔ یہ ایک نئی قسم کا ادب تھا جو محبت و عقیدت کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا[۱] ۔

جب مستشرقین کے سامنے آنحضرت ؐ کی سیرت کے نمونے آئے تو دانستہ یا نادانستہ انھوں نے اس فن کو بھی "سیرۃ الاولیاء" کی ایک شکل قرار دیا اور یوں اس کا مقام و مرتبہ گرانے کی کوشش کی ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ "سیرت "Hagiography ہرگز نہیں ۔ جیمز ایل کلفرڈ (J. L. Clifford) کے نزدیک Hagiography کے معنی ہیں مقدسین کے سوانح ، جن کے بارے میں یہ اصرار کیا جاتا ہے کہ انھیں عام انسانوں سے اونچا دکھا کر محیرالعقول واقعات اور افسانوں پر مشتمل سوانح عمریاں مرتب کی جائیں ۔ (دیکھیے اس مصنف کی کتاب Biography as an Art) لیکن آنحضرت ؐ کی با اصول سیرت میں مدح طرازی ، مبالغہ آرائی اور خیال بافی کا شائبہ تک نہیں ۔ سیرت کا اصل جوہر وہ اسوۂ حسنہ ہے ، جو رسول خدا ؐ کے ہر قول و فعل کی صحیح ترین روایت پر مبنی ہے"[۲] ۔

سیرت اور حیات

عہد حاضر میں لفظ "سیرۃ" انھیں معنوں میں استعمال ہو رہا ہے ، جن میں انگریزی کا لفظ "لائف" استعمال ہوتا ہے ۔ عربی میں "لائف" کا مترادف لفظ "حیات" ہے ، اور اردو میں حالات زندگی یا سوانح حیات مروج ہے ۔ مثلاً ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کی سیرۃ پر مشہور کتاب کا نام

---

1. Encyclopaedia Britannica. Vol. 10. Page 111 (Article : Hagiology).

۲- فن سیرت نگاری پر ایک نظر : ڈاکٹر سید عبداللہ ۔ (فکر و نظر ۔ اپریل ۱۹۷۶ء ، ص ۸۲۵) ۔

"حیاتِ محمدؐ" ہے ۔ سیرۃ کے معنی سنت ، طریقہ ، مسلک اور کردار کے ہیں اس لیے یہ حیاۃ (واقعاتِ زندگی) سے قدرے مختلف چیز ہے ۔ حسن مثنٰی ندوی کہتے ہیں کہ "یہ فرق رسول اللہؐ کی سیرت لکھنے والوں کے سامنے تھا ، اسی لیے انھوں نے حیات کی جگہ سیرت کا لفظ اختیار کیا ۔ سیرت میں بنیادی طور پر طینت و سرشت ، اُفتادِ طبع ، منبعِ فکر ، مصدر خیال ، طرز عمل اور پھر اُس کے اثرات ، یہ ساری چیزیں داخل ہیں"[١] ۔ حیات میں ، کسی شخص کی ولادت سے لے کر وفات تک تمام اہم واقعات قلم بند کیے جاتے ہیں لیکن رسول اللہؐ کی زندگی ، محض واقعات سے عبارت نہیں ہے ، بلکہ رسالت ، آن کی زندگی کا سب سے درخشاں پہلو ہے ۔ اس کا تعلق نہ صرف حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ سے ہے ، بلکہ پوری انسانیت سے ہے ۔ اس لیے حسن مثنٰی ندوی کہتے ہیں کہ "رسولؐ کی زندگی کو رسالت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ) کسی شخص کو اس کے اخلاق و کردار سے جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ رسول پاکؐ کے اخلاق و کردار اور طرزِ حیات پر مختصر مگر جامع تبصرہ یہی ہے : و کان خلقہ القرآن (وہؐ سراپا قرآن تھے ۔ حضرت عائشہ) اور اسی کو قرآن نے یوں کہا ہے : انک لعلٰی خلق عظیم ، (آپؐ سر تا پا خلقِ عظیم ہیں) ۔ لہذا سیرتِ نبویؐ کے دائرے میں چند تاریخی واقعات و سوانح ہی نہیں آتے ، بلکہ سارا قرآن آتا ہے ، ساری تعلیمات آتی ہیں ، فرامین ، عقائد ، معاملات ، عبادات ، اندازِ زیست ، حتٰی کہ حضور سے تعلق رکھنے والے آن رفقاء کے سوانح حیات بھی آ جاتے ہیں ، جو حضورؐ کے زیر تربیت رہے ۔ غرض وہ ساری اسلامی زندگی اور فکر زندگی اور اُس سے تعلق رکھنے والی ہر ہر بات ، جو حضورؐ سے کچھ بھی واسطہ رکھتی ہو ، چاہے انفرادی ، چاہے اجتماعی — سیرتِ رسولؐ کے احاطے کے اندر ہے"[٢] ۔ اور تو اور آنحضرتؐ کے آن مخالفین کے احوال بھی سیرت کا جزء

١- شارعِ انسانیت : حسن مثنٰی ندوی (سیرت پاک ۔ "ماہ نو" کی خصوصی اشاعتوں کا انتخاب) ، ص ٦٠ ۔

٢- پیغمبر انسانیت : مولینا شاہ محمد پھلواری (مقدمہ : پاکستان و ہندوستان کے خادمان سیرت : حسن مثنٰی ندوی ، ص ٣١) ۔

ہیں ، جو ساری عمر آپؐ سے برسرِ پیکار رہے اور جنھوں نے آپ کو ایذا پہنچانے کا کوئی موقع فروگزاشت نہیں کیا ۔

مقالہ نگار موصوف کی رائے میں "قدماً نے جب قلم اٹھایا تو اس ہمہ گیر زندگی کے ابواب الگ الگ مرتب کیے ۔ اخبار و مغازی ، خطبات و رسائل ، احکام و فرامین وغیرہ ، مگر آج جسے لائف کہا جاتا ہے اس سے مراد درحقیقت تھوڑی سی وسعت کے ساتھ ، روزمرہ کے معمولات ، عادات و خصائل ، اخلاق و آداب ، آل ، اولاد ، گھربار ، رہن سہن وغیرہ ہیں ، حالانکہ ان باتوں کو قدماً نے شمائل وغیرہ کے عنوان سے مرتب کیا ہے"[۱] ۔

سیرت اور سوانح عمری

حیات (Life) کے علاوہ ایک اور اصطلاح سوانح عمری (Biography) ہے جسے "سیرت" کا مترادف سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے ۔ سوانح عمری کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں ، مثلاً "ڈکشنری آف ورلڈ لٹریچر" مرتبہ جوزف ٹی شیلے کے مقالہ بعنوان ، "بائیوگرافی" میں بتایا گیا ہے کہ سوانح عمری ایک انسان کی پیدائش سے موت تک کے افکار اور افعال کا بیان ہے ، یعنی حقائق کے ساتھ کردار اور ذہن کی نشو و نما کا مرقع ہے ۔ یہ ایک انسان کی شخصیت کی تصویر اور اس کے خارجی ردِعمل اور داخلی احساسات کی کہانی ہے ۔ علاوہ ازیں سوانح عمری کو تاریخ کی ایسی شکل قرار دیا گیا ہے ، جو انسانی نسلوں اور گروہوں سے نہیں بلکہ افراد سے متعلق ہے "۔ کارلائل کے نزدیک "سوانح عمری ایک انسان کی حیات ہے"۔ اسی طرح یہ کہا گیا ہے کہ "سوانح عمری ایک انسان کی تاریخ ہے "۔ ایڈمنڈ گاس کہتا ہے کہ "سوانح عمری کسی انسانی روح کی سیاحتِ حیات کی ہوبہو تصویر ہے"[۲] ۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا کے مقالہ نگار کے مطابق "سوانح عمری وہ بیانیہ تحریر ہے ، جس میں کسی فرد کا اعمال نامہ مرتب کرنے اور اس کی شخصیت

۱- شارعِ انسانیت : حسن مثنیٰ ندوی ، ص ۶۰ ، ۶۱ ۔
۲- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۹ تا ۱۱ ۔

کی باز آفرینی کی شعوری اور فن کارانہ کوشش کی جائے - تاریخ کے برعکس اس کا موضوع فرد ہے اور تخیلی ادب کے برعکس یہ ایک ایسی زندگی کی داستان ہے جو حقیقتاً بسر کی گئی ہو - سوانح نگار جہاں مؤرخ کی طرح صداقت کا خیال رکھتا ہے ، وہاں ناول نگار کی طرح ایک پارۂ فن تخلیق کرنے کی تمنا بھی رکھتا ہے - یہی وجہ ہے کہ دنیا کی عظیم سوانح عمریاں وہی ہیں جن میں موضوع کو ہو بہو ویسا ہی پیش کیا گیا ہے ، جیسا کہ وہ ہے ، البتہ ان سوانح عمریوں میں محض حقائق کا انبار نہیں لگایا جاتا بلکہ واقعات کے تانے بانے سے ایک جیتی جاگتی تصویر کھینچی جاتی ہے - سوانح عمری کی دلچسپی سدا بہار ہے - کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ کسی مشہور ، نمایاں یا دلچسپ شخصیت کے بارے میں ہوتی ہے ، لیکن زیادہ تر اس بنا پر کہ اس کا موضوع ، فطرتِ انسانی ہے - چنانچہ سوانح عمری بطورِ فن ، بجا طور پر کسی بھی فرد سے متعلق ہو سکتی ہے ، چاہے وہ کتنا ہی کمتر ہو ، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ انسانی جذبات اور بشری محرکات کے دل میں کھُب جانے والے تجزیے کا ذریعہ بنے"[1] -

اس کے مقابلے میں "سیرت" حیاتِ انسانی کے ایک ایسے مثالی نمونے کو اپنا موضوع بناتی ہے ، جو ہر خطا اور تقصیر سے پاک ہے - پیغمبرِ اسلام ، انسانی اوصاف کی معراج ہیں اور اگرچہ ان کی سوانح حیات ، انسانی فطرت کے گونا گوں پہلوؤں کا ہی عکس ہے ، لیکن یہ عکس ہر اعتبار سے برتر اور دل آویز ہے ، اسی لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا ہے کہ سیرت کو محض سوانح عمری (بیوگرافی) سمجھنا غلط ہے - یہ ایک ارفع و اشرف تشکیلی عمل ہے ، جدید تصور کی بیوگرافی ہرگز نہیں - اسی مغالطے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے جدید سوانح نگاروں نے ٹھوکر کھائی ہے - اسے اگر بیوگرافی کہنا ہی ہو ، تو "برتر (Super) بیوگرافی" کہا جا سکتا ہے - تاہم اس کے یہ معنی نہیں کہ سیرت ، بیوگرافی کے خصائص سے خالی ہوتی ہے - حقیقت یہ ہے کہ سیرت ، بیوگرافی

1. Encyclopaedia Britannica, vol. 3, page 636 (Article : Biography).

تو ہے ، لیکن ایک مخصوص اور ارفع قسم کی بیوگرافی ہے"[1] -

ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں "سیرت" یعنی "برتر بیوگرافی" میں برتری کے عنصر کے باوجود ایک باضابطہ اور سائنٹیفک بیوگرافی کے جملہ خصائص پائے جاتے ہیں — اگرچہ آج کل جس چیز کو خالص سائنٹیفک بیوگرافی کہا جاتا ہے ، یعنی جس میں تحلیلِ نفسی اور Behaviourism یعنی ظاہری قول و فعل کی بنا پر باطن کے محرکات کا سراغ لگایا جاتا ہے اور جسے خود جدید تنقید ، ظنی و تخمینی عمل قرار دیتی ہے ، جیسا کہ جدید سوانحی نقاد Leon Edel نے لکھا ہے کہ بیوگرافی میں تحلیلِ نفسی کا استعمال بے جا ہے ، کیونکہ یہ علم ابھی خود ظنی ہے ، تو سیرت میں اس عنصر کی تلاش یا اس پر اصرار سخت بے محل اور بے جا ہے"[2] -

سائنٹیفک بائیو گرافی کے خصائص میں سب سے زیادہ اہمیت خلوص اور صداقت کو حاصل ہے - انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا کے مقالہ نگار ایڈمنڈ گاس کے علاوہ فنِ سوانح نگاری کے جدید نقادوں مثلاً لٹن سٹریچی ، آندرے مورو اور ہیرلڈ نکلسن نے بھی ان عناصر کو بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے - دورِ جدید میں لٹن سٹریچی کے زیرِ اثر ایک سوانح نگار کے لیے یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ مکمل انسان پیش کرے[3] - دوسرے نقاد ہیرو کے ساتھ ہمدردی کو لازمی قرار دیتے ہیں - ورڈز ورتھ نے کہا تھا کہ "اگر تم شاعر کو جاننا چاہتے ہو تو اس سے محبت کرو -" یہ قول سوانح نگار پر بھی صادق آتا ہے - اگر وہ واقعات پیش کرنے میں قطع و برید سے کام لیتا ہے ، ناخوشگوار پہلو حذف کر جاتا ہے ، حقائق کو مسخ کرتا یا اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے ، تو وہ بطورِ سوانح نگار ناکام ہے[4] - لہٰذا صداقت تک پہنچنے کے لیے سوانح نگار کو ہر ممکن ذریعہ

۱- فنِ سیرت نگاری پر ایک نظر : ڈاکٹر سید عبداللہ (فکر و نظر ، اپریل ۱۹۷۶ء ، ص ۸۲۵) -

۲- ایضاً ، ص ۸۲۷ -

3. Encyclopaedia Britannica, vol. 3, page 640. (Article: Biography.)

4. Ibid. page 640.

پاس تو ہو سکتا ہے ، کوئی بندہ اس قابل نہیں کہ اس حساب کتاب کا دعوی دار ہو سکے اور حضورؐ کی طرف کوئی کمزور بات منسوب کرے ۔"[1]

بہرحال یہ بات طے ہے کہ سیرت میں بھی سوانح عمری کی طرح حقیقت اور صداقت سے تجاوز نہیں کیا جاتا تاہم بعض اور امور میں سیرت، عام بائیو گرافی سے قدرے مختلف چیز ہے ۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ ، "اس کے بعض اصول عام بیوگرافیوں سے برتر اور الگ بھی ہیں ، بہرحال سیرت میں جامعیت بھی ہے اور خلوص بھی ۔ لیکن اس کے واقعات ایک برتر انسان کے واقعات ہیں ، جو ایک پیغام لایا ہے ، جسے ہم دین کہتے ہیں ۔ لہٰذا ان واقعات کی تعبیر کے لیے وہ طریقے موزوں نہیں ، جن کا جدید نقاد تقاضا کرتے ہیں ۔ اسرار نبوت کی تفسیر و تعبیر یا تو قرآن مجید کے ذریعے ہوگی یا خود آنحضرتؐ کی حدیث سے ، اس کے لیے ظنی ، نفسیاتی اور تحلیلی طریقے درست نہیں ہو سکتے ۔ سیرت ، برتر بیوگرافی ہے ، لہٰذا اس میں واقعات کے محرکات بھی بر تر انسانیت کے پیمانے سے ناپے جانے چاہییں ۔"[2]

سیرت اور تاریخ

اسلامی علوم میں سیرت رسولؐ کو ایک نیم تاریخی ، نیم سوانحی صنف قرار دیا گیا ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا فن تاریخ فن سیرت نگاری سے متأثر ہوا ہے؛ بلکہ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول "مسلمانوں کے بہت سے تاریخی اصول اور سوانحی نظریے ، سیرت نگاری سے ہی پیدا ہو کر ترقی پذیر ہوئے ہیں ۔"[3]

تاریخ کے لغوی معنی ہیں وقت کی نشان دہی یا تعین وقت ۔ ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری (متوفی/۳۹۸ھ) کہتا ہے کہ "تاریخ کے معنی

۱۔ فن سیرت نگاری پر ایک نظر : ڈاکٹر سید عبداللہ (فکر و نظر ، اپریل ۱۹۶۲ء ، ص ۸۲۸) ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۸۲۹ ۔

۳۔ سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۱۳۸ ۔

وقت بتاتا ہیں ۔" ابو الفرج قدامہ بن جعفر الکاتب ، (متوفی ۳۱۰ھ) "اپنی کتاب الخراج" میں لکھتا ہے کہ "کسی چیز کی تاریخ سے مراد ، اس کا آخری سرا ہوتا ہے ۔ شاید اسی لیے تاریخ سے مراد وقائع کا ابتدأ سے بیان کرنا لیا جاتا ہے ۔ انسائیکوپیڈیا بریٹینکا کا مقالہ نگار "تاریخ" کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اسے دو مفاہیم میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ کبھی تو اس کا مفہوم ، وقائع کا بیان ہوتا ہے ۔ اور کبھی بذاتِ خود واقعات کو تاریخ کا نام دیا جاتا ہے[1] ۔ غرض یہ وہ فن ہے جس میں زمانے کے واقعات سے بحث کر کے ان کی حد بندی اور تعینِ وقت کیا جاتا ہے ۔ علاوہ ازیں اس لفظ سے عام طور پر قوموں کے عام وقائع کا بیان بھی مراد لیا جاتا ہے[2] ۔

تاریخ کا موضوع "انسان" اور "زمان" ہے ۔ اس کے احوال انھیں دونوں کے احوال سے متعلق ہوتے ہیں ۔ اور اس کی تمام جزئیات ان حالاتِ واقعی کے دائرے میں بیان ہوتی ہیں ، جو انسان کو دورانِ زمانہ میں پیش آتے ہیں[3] ۔ اس کے بالمقابل سیرت کا موضوع ایک محبوب انسان اور اس کا با برکت عہد ہے ۔ اس عہد میں رونما ہونے والے اہم واقعات کا بیان بھی سیرت کے دائرے میں شامل ہے ، اسی لیے جب عربوں نے تاریخ نویسی کا فن اپنایا تو آغاز ، رسالتمآب کے سوانح حیات اور ان کے کارناموں سے کیا ۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ کا مقالہ نگار ایچ ۔ اے ۔ آر ۔ گب لکھتا ہے کہ "عربی زبان میں علمی تاریخ نویسی کی ابتدأ آنحضرت ؐ کی سیرت اور سرگرمیوں کے مطالعے سے وابستہ ہے ، اسی لیے اس علم کے منابع کا پتہ احادیثِ نبوی ؐ کے مجموعوں میں ملتا ہے اور بالخصوص اس کا تعلق

---

1. Encyclopaedia Britannica, vol. 11, page 529 (Article: History).

۲۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ، جلد ۶ ، ص ۳۶ ، (مقالہ ، تاریخ) ۔

۳۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التوریخ : السخاوی ، (اردو ترجمہ ، مرکزی اردو بورڈ ، لاہور ، ص ۳۰) ۔

ان حدیثوں سے ہے ، جو آنحضرت کے غزوات سے متعلق ہیں - (چنانچہ ایک عام اصطلاح ، "مغازی" (فوجی مہمیں) مروج ہوگئی ، جو ابتدائی زمانے کی کتبِ سیرت کے لیے استعمال ہونے لگی) ، چونکہ علم المغازی کا ارتباط علم حدیث سے تھا ، اس لیے تاریخ نویسی کے اسلوبِ تالیف پر اسناد کے استعمال کی وجہ سے گہرا اثر پڑا -"[1]

عربوں کے فنِ تاریخ اور فنِ سیرت نگاری ، دونوں نے ارتقاء کی منازل شانہ بشانہ طے کیں، فنِ سیرت نگاری نے فنِ تاریخ کو ٹھوس بنیادوں پر کھڑا کیا، تاہم یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیے کہ سیرت نگاری اور تاریخ میں ایک بین فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ تاریخ کا موضوع عموماً سلطنتیں ، ملک ، اور زمانہ ہوتے ہیں جن پر بحث کے ضمن میں شخصیات بھی آ جاتی ہیں جبکہ سیرت نگار ، ایک مخصوص شخصیت کو موضوع بنا کر ضمناً ملک اور زمانہ کے حوالہ سے اس کے خدو خال کو آجاگر کرتا ہے - ڈاکٹر سید شاہ علی کا کہنا درست ہے کہ "سوانح عمری کا موضوع ایک انسان ہے اور تاریخ کا ایک ملک - سوانح نگار کے لیے ہجوم ثانوی اہمیت رکھتا ہے اور تاریخ کے لیے افراد ، خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں ، ضمنی حیثیت رکھتے ہیں - مؤرخ انسانوں کا ایک دوربین کے ذریعے اور سوانح نگار منفرد آدمیوں کا ایک خوردبین کے ذریعے مشاہدہ کرتا ہے -"[2] پلوٹارک کا قول ہے کہ تاریخ جزئیات کو نظر انداز کرتی ہے - سوانح عمری جزئیات ہی سے بنتی ہے - سوانح عمری پیدائش اور موت کے درمیان محدود ہے ، تاریخ کا کوئی اور چھور نہیں -[3] کارلائل کے نزدیک تاریخ ، غیر معمولی افراد اور نامور اشخاص کے لامتناہی سلسلے سے عبارت ہے ، جن کا عمل تہذیبِ انسانی میں نئے نئے تغیرات و انقلابات پیدا کرتا رہتا ہے[4] - ایک اور بڑے مؤرخ کے خیال میں فطرت کے واقعات نے انسان

۱- اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ : جلد ۶ ، ص ۴۹ ، (مقالہ : تاریخ) -
۲- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۳۹ -
۳- ایضاً ، ص ۳۹ -
۴- سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۱۶۴ -

کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں اور انسان نے عالمِ فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ، ان دونوں کے مجموعے کا نام تاریخ ہے ۔ ایک اور مؤرخ کی رائے میں تاریخ کا نصب العین "ان واقعات اور حالات کا پتہ چلانا ہے ، جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانہ سے کیوں کر بطورِ نتیجہ پیدا ہوا ۔"[1]

اسلامی علوم میں فنِ سیرت ، فنِ حدیث اور فنِ تاریخ کا آپس میں گہرا رشتہ ہے ۔ مسلمانوں نے تاریخ نویسی کا فن سیرت نگاری کی بدولت حاصل کیا اور سیرت کا فن ، حدیث کا مرہونِ احسان ہے ۔ احادیث کی جانچ پڑتال کے لیے جو اصول قائم کیے گئے وہ سیرت اور تاریخ دونوں کے کام آئے ۔ حدیث ، سیرت اور تاریخ تینوں فنون میں مسلمانوں نے خبر مع سند کا طریقہ رائج کیا ۔ پروفیسر غلام احمد حریری لکھتے ہیں کہ "اسلام سے پہلے نہ تو یہ طریقہ عربوں میں رائج تھا ، اور نہ دیگر متمدن اقوام میں ۔ ایران اور یونان میں کتابت کے ذریعے تاریخ کو محفوظ کرنے کا رواج تھا لیکن سند کا کوئی اہتمام نہ تھا ۔ دونوں قوموں کے یہاں تاریخ ، ٹھوس حقائق اور اور مستند واقعات سے عبارت نہ تھی بلکہ دیو مالا خرافات اور ہر قسم کی خیال آرائی پر مشتمل تھی ۔ "خبر مع سند" کے طریقے کو دین اور شریعت کی خاطر مسلمانوں نے سب سے پہلے حدیث کے لیے استعمال کیا ؛ چنانچہ اس کا بھی معیار وہی رکھا ، جو شریعت میں قابلِ اعتماد ہو ۔ اس معیار کو بروئے کار لانے کے لیے کئی اور علوم وجود میں آئے جن میں تاریخ اور اسماء الرجال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ حدیث و تاریخ کے ارتباط پر نظر رکھتے ہوئے توقع اس بات کی ہو سکتی تھی کہ تاریخ بھی وہی قالب اختیار کرے ، جو حدیث کا قرار پا چکا تھا ؛ چنانچہ تاریخ بھی "خبر مع سند" کی شکل میں جمع ہونا شروع ہوئی ۔ اس طرح حدیث و سیرت اور تاریخ کے فنون ایک دوسرے سے الگ ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے باہم مربوط و مماثل ہیں"[2] ۔

۱- "الفاروق" : شبلی نعمانی ، ص ۹ ، (بہ عنوان تاریخ کی تعریف) ۔

۲- سیرت نگاری : پروفیسر غلام احمد حریری ، ص ۴ (غیر مطبوعہ ٹائپ شدہ مقالہ مخزونہ انور محمود خالد) ۔

سیرت اور حدیث

حدیث کے لغوی معنی خبر ، بیان ، اطلاع ، ذکر ، روایت اور نقل کے ہیں اور اصطلاحی معنی وہ جملہ یا بات ہے جو نبی کریمؐ یا آپؐ کے صحابہ کرامؓ سے منسوب ہو ۔ دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) کا مقالہ نگار لکھتا ہے : "لفظ حدیث کے بنیادی معنی ہیں کوئی خبر یا کوئی بیان (یا کوئی نئی بات) خواہ وہ مذہب سے متعلق ہو یا دنیاوی معاملات سے ، (اسی سے حدوث ، حادثہ ، حادث ، جیسے الفاظ بنے ہیں) ، لیکن مسلمانوں میں یہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کے لیے مختص ہو گیا ۔" علمائے حدیث نے حدیث کی تعریف یوں کی ہے : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ، فعل یا تقریر ۔ آنحضرتؐ نے حدیث کا لفظ اپنے کلام کے لیے خود پسند فرمایا تاکہ آپ کے اور دوسرے لوگوں کے کلام اور اقوال میں تمیز ہو سکے ۔ لن یسئالہ عن ھذا الحدیث احد قبل ابی ھریرۃ لحرصہ علی طلب الحدیث (یعنی اس حدیث کے بارے میں ابو ہریرہ سے پہلے کسی نے آپؐ سے دریافت نہیں کیا تھا ، کیونکہ ابو ہریرہ کو جستجوئے حدیث کا بے حد شوق ہے) (البخاری ، کتاب الرقاق ، رقم ۵۱) اس آخری مفہوم میں دینی روایات کا پورا مجموعہ حدیث کہلاتا ہے ، اور اس کا علم ، علم الحدیث[1] ۔

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے صحیح بخاری کے مطالعہ کے بعد احادیث کی درج ذیل سولہ اقسام گنوائی ہیں ۔ ان کی رائے میں ان میں سے ہر روایت کو محدثین نے "حدیث" قرار دیا ہے :

(۱) وہ ہدایات جو آنحضرتؐ نے مختلف اوقات میں لوگوں کو دیں یا وہ نصائح ، جو آپؐ نے کیں ۔

(۲) وہ کام اور افعال جو حضور علیہ السلام نے صحابہ کے روبرو کیے ۔

(۳) وہ تمام کلمات ، اقوال اور ارشادات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے وقتاً فوقتاً صادر ہوئے ۔

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد ۷ ، ص ۹۶۲ ، (مقالہ : حدیث) ۔

(۴) آنحضور ؐ کی خانگی زندگی کی وہ تمام باتیں ، وہ تمام واقعات ، وہ تمام حالات اور تمام معمولات جو ازواجِ مطہرات سے دریافت کر کے بیان کیے ۔

(۵) وہ تمام باتیں جو حضور ؐ کے سامنے صحابہ نے کہیں اور وہ تمام افعال جو حضور ؐ کی موجودگی میں صحابہ سے سرزد ہوئے اور آپ ؐ نے یاتو انھیں پسند فرمایا ، یا ناپسند فرمایا یا ان کے متعلق خاموشی اختیار کی ۔

(۶) صحابہ کرام کے ایسے تمام اقوال جن میں انھوں نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فلاں موقع پر فلاں معاملہ کے متعلق ایسا ایسا حکم دیا تھا ، یا فلاں کام سے روکا تھا یا فلاں کام کرنے کو کہا تھا ، مگر صحابی نے آنحضور ؐ کے اصل الفاظ تو نہیں بتلائے بلکہ حضور ؐ کے ارشاد کا صرف مفہوم بیان کیا ۔

(۷) کسی صحابی نے حضور علیہ السلام کے زمانہ کا کوئی واقعہ بیان کیا ، مثلاً غزوۂ بدر یا جنگِ احد کے حالات ۔

(۸) کسی صحابی نے قرآنِ کریم کی کسی آیت یا سورۃ کی تشریح اور تفسیر بیان کی ۔

(۹) کسی صحابی نے کسی دوسرے صحابی کے متعلق کوئی واقعہ بیان کیا ، اسے بھی محدثین نے حدیث کے ذیل میں رکھا ہے ۔ مثلاً حضرت ابنِ عباس نے حضرت ابو ذر غفاری رض کے اسلام لانے کا حال بیان کیا ، (بخاری ، کتاب المناقب)

(۱۰) صحابہ کا اپنا قول بھی بعض مرتبہ "حدیث" سمجھا جاتا ہے ، مثلاً حضرت عروۃ کا حضرت حسان بن ثابت رض کو بُرا بھلا کہنا اور حضرت عائشہ رض کا روکنا اور فرمانا کہ "حسان رض کو بُرا نہ کہو ۔"

(۱۱) صحابہ کرام کے ذاتی افعال کو بھی محدثین نے بطورِ حدیث بیان کیا ہے ، جبکہ کسی تابعی نے انھیں ایسا کرتے دیکھا یا کسی راوی سے سنا ۔

(۲) زمانہ جاہلیت کے وہ واقعات جو کسی صحابی نے بیان کیے -

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و خصلت ، حضورؐ کے اخلاق و عادات ، حضورؐ کے معمولات ، حضورؐ کا حلیہ ، لوگوں کے مختلف طبقات سے حضورؐ کے تعلقات ، حضورؐ کی خانگی زندگی اور بیرونی زندگی کے واقعات ، حضورؐ کے غزوات، عزیزوں اور خادموں ، دشمنوں اور مخالفوں ، بت پرستوں اور اور مجوسیوں ، عیسائیوں اور یہودیوں سے حضورؐ علیہ السلام کا برتاؤ ، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وہ بات جو محدثین کو مل سکی ، وہ انھوں نے بطور حدیث بیان کی -

(۴) تابعین کے بعض حالات و واقعات کو بھی محدثین نے بعض اوقات بطور حدیث بیان کیا ہے -

(۵) حضور علیہ السلام کی سیرۃ پاک یا حضورؐ کی ازواج مطہرات اور اہل بیت اور ان کے متعلقین کے متعلق ایسے واقعات جو کسی صحابی نے کسی دوسرے صحابی سے روایت کیے ہوں اور وہ خود موقع پر موجود نہ رہا ہو - ایسی روایات کو بھی محدثین نے احادیث میں شمار کیا ہے - مثلاً وہ حدیث جو حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "اللہ تعالی خدیجہؓ کو سلام کہتا ہے -" یہ واقعہ مکی زندگی کا ہے ، جب حضرت خدیجہؓ زندہ تھیں اور حضرت انسؓ مدینہ میں ایمان لائے تھے - اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت انسؓ نے کسی صحابی سے سنا ہوگا -

(۶) جو خطوط تبلیغی طور پر حضور علیہ السلام نے بادشاہوں ، قبائل کے سرداروں اور مختلف علاقوں کے حاکموں کو لکھوائے ، جو خطوط اور تحریری ہدایات بعض اوقات اپنے صحابہ کو بھیجیں ، جو معاہدات وقتاً فوقتاً عرب قبائل سے کیے ، جو ہدایت نامے مختلف قوموں کی طرف روانہ کیے ، اس قسم کے

سارے واقعات محدثین کے نزدیک احادیث ہیں ۔[1]

احادیث نبوی ؐ کے جملہ موضوعات کا احاطہ کرنے والی اس فہرست کے سرسری مطالعہ سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ؐ کے سوانح حیات معلوم کرنے کے لیے احادیث کا وجود کتنی اہمیت رکھتا ہے ۔ شاید اسی لیے بقول شبلی نعمانی "بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سیرت ، فن حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے ، یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات سے متعلق ہیں تو یہ سیرت بن گئی ۔"[2] لیکن یہ بات درست نہیں ۔ فن سیرت اور فن حدیث میں موضوع اور طریق کار کی مماثلت کے باوجود اختلافات موجود ہیں ۔ حکیم ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری اپنی کتاب "اصح السیر" کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ "اصحاب حدیث ، دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں - (۱) رسول اللہ ؐ نے کیا فرمایا ، (۲) رسول اللہ ؐ نے کیا کام کیا ، (۳) رسول اللہ کے سامنے یا رسول اللہ ؐ کے وقت میں کیا کیا گیا ؟ اصحاب سیرت بھی انھی تین امور کو جمع کرتے ہیں ، اس لیے اصل کام دونوں کا ایک ہے ، مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ کی ذات سے ان کی بحث ضمناً ہوتی ہے اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ کو جاننا ہے ، احکام پر ان کے ہاں بحث ضمناً ہوتی ہے ۔ اس لیے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا قول رسول اللہ ؐ کا ہے یا نہیں ؟ ان کی تمام تر قوت اس تحقیق پر صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ ؐ کی طرف صحیح ہے یا نہیں ، لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوا اس کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں ، ایک یہ کہ حضور ؐ نے کب ایسا کہا یا کیا ؟ دوم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی ؟ اصحاب سیرۃ ، حضور ؐ کے اقوال و افعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اسباب و علل کو بھی جاننا چاہتے ہیں ۔ اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ

۱- سیرۃ الرسول ؐ : ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ، ترجمہ : محمد وارث کامل (مقدمہ : شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ص ۵ تا ۷) ۔

۲- سیرۃ النبی ؐ (جلد اول) : شبلی نعمانی ، مقدمہ : (ذیلی حاشیہ ص ۸) ۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے - جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فعل رسول اللہ ؐ کا ہے تو وہ رسول اللہ ؐ کی سنت اور آپ ؐ کا طریقہ ہو گیا ، گو یہ نہ معلوم ہو کہ رسول اللہ نے کب ، کس دن ، کس تاریخ ایسا کہا یا ایسا کیا "[1] -

گویا سیرت اور حدیث میں یہ فرق ہوا کہ سیرت میں ربط و ترتیب اور واقعات کے تسلسل کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے ، جبکہ حدیث میں آپ کی زندگی کے واقعات کی جزئیات تو ملتی ہیں لیکن بغیر کسی ترتیب یا تسلسل کے - تاہم اس امر میں کوئی شک نہیں کہ سیرت کا مستند ترین مواد احادیث میں ہی ملتا ہے ، گو کہیں کہیں اصحابِ سیرت و مغازی نے روایات کے سلسلے میں اس احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا ، جو اصحابِ حدیث کا خاصہ ہے - اسی لیے اہلِ علم کی نظروں میں حدیث کی روایت کا درجہ سیرۃ کی روایتوں سے بلند تر ہے[2] -

شبلی نعمانی کے نزدیک بھی سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہ فن حدیث نہیں ، کیونکہ سیرت کی روایتوں میں اس درجہ کی شدتِ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فنِ حدیث کے ساتھ مخصوص ہے - علاوہ ازیں وہ کہتے ہیں کہ مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلات مقصود ہوتی ہیں ، وہ فنِ حدیث کے بلند معیار کے مطابق نہیں مل سکتیں ، اسی لیے اربابِ سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے - پھر ان کا خیال ہے کہ جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے ، سیرت کی کتابوں میں اس طرح کا التزام کسی نے نہیں کیا ، وہ کہتے ہیں کہ آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں ، مثلاً سیرت ابنِ اسحاق ، سیرت ابنِ ہشام ، سیرت ابن سید الناس ، سیرت دمیاطی ، سیرت حلبی اور مواہب لدنیہ وغیرہ ، کسی میں یہ التزام نہیں[3] -

---

۱- اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری (مقدمہ : ص ۸) -
۲- اُردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد ۱/۱۳ - (مقالہ : "علم سیرۃ" - ص ۱۷۳) -
۳- سیرۃ النبی (جلد اول) : شبلی نعمانی ، مقدمہ ، حاشیہ ، ص ۱۰ ، ۱۱ -

البتہ یہ بات درست ہے کہ فنِ سیرت سے بھی ، فنِ حدیث کی طرح روایت اور درایت کے اصولوں پر قائم رہنے کا تقاضا کیا جاتا ہے اور یہ تقاضا کسی حد تک پورا کرنے کی کوشش بھی ہوتی ہے ، تاہم محدثین کو سیرت نگاروں سے یہ شکایت رہی ہے کہ وہ روایت کے ساتھ درایت کے اصولوں کی پوری طرح پابندی نہیں کرتے ۔ ان اصولوں کی تفصیل اصولِ حدیث کی قدیم کتابوں میں موجود ہے اور دورِ جدید کے سیرت نگاروں نے بھی اپنی اپنی کتبِ سیرت میں نہ صرف ان کا ذکر کیا ہے بلکہ حتی الامکان آن کا اطلاق کرنے کی کوشش بھی کی ہے ۔ مثلاً شبلی کی "سیرۃ النبیؐ" اور محمد حسین ہیکل کی "حیاتِ محمدؐ" کے مقدمات میں ان اصولوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اصل کتابوں میں بھی ان کی پیروی کا دعویٰ کیا گیا ہے ۔

بہرحال قدیم سیرت نگاروں کے سلسلے میں شبلی کو یہ اعتراض ہے کہ محدثین نے روایات کی جانچ پڑتال کے لیے جو اصول قائم کیے تھے ، وہ سیرت کی بیشتر کتابوں میں نظرانداز کر دیے گئے ۔ سیرت کی روایات میں اس کوتاہی کے ساتھ ساتھ کتب احادیث سے بھی بے اعتنائی برتی گئی ۔ سیرۃ میں قدماً نے جو کتابیں لکھیں ، آن سےمابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں ، وہ انھیں کے نام سے کیں اور اس میں تدلیس کا عمل جاری ہوگیا ۔ سیرت کی کتابوں میں روایت کے مختلف مدارج کا خیال نہیں رکھا گیا اور نہ واقعات کے بیان میں سلسلہ علت و معلول قائم رکھا گیا ہے ۔ اسی طرح نوعیتِ واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار بھی مفقود ہے اور کبھی روایت میں قیاس بھی شامل کر لیا گیا ہے ۔ ان تصانیف میں نہ تو خارجی اسباب کے حوالے سے روایت کو پرکھا گیا ہے اور نہ دلائلِ عقلی اور قرائنِ حال کی پروا کی گئی ہے ۔"[1] انھیں اسباب کی بنا پر محدثین نے مغازی اور سیرت کو عام فنِ حدیث سے ایک الگ چیز قرار دیا ہے ۔ یہاں تک کہ بقولِ شبلی "بعض موقعوں پر اربابِ سیر اور محدثین دو مقابل گروہ سمجھے جاتے ہیں ۔ بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا

۱۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد ۱۱/۱ مقالہ علم سیرۃ ، ص ۱۷۵)
اور سیرۃ النبیؐ (جلد اول) : شبلی نعمانی ، مقدمہ ، ص ۵۳ تا ۸۳ ۔

ہوتی ہے کہ تمام اربابِ سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری و مسلم ایک طرف ۔ ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ ارباب سیر کے خلاف ہے ۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیثِ صحیح ، تمام اربابِ سیر کی متفقہ روایت کے مقابل میں بھی قابلِ ترجیح ہے ۔ مثلاً غزوۂ ذو قرد کی نسبت اربابِ سیر متفق ہیں کہ صلحِ حدیبیہ سے قبل وقوع پذیر ہوا تھا ، لیکن صحیح مسلم میں مسلمہ بن الاکوع کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صلحِ حدیبیہ کے بعد اور خیبر کے غزوے سے تین دن قبل کا واقعہ ہے ۔ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (ذکر غزوۂ ذی قرد) میں لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں غزوہ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے ۔ وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو مصنفینِ سیرت نے بیان کی ہے ۔ شبلی نے ایک اور مثال دمیاطی کی دی ہے ، جو مشہور محدث ہیں اور جنھوں نے سیرت پر بھی ایک کتاب لکھی ہے ۔ ان کے بارے میں بتایا ہے کہ انھوں نے اپنی سیرت پر لکھی ہوئی کتاب میں اکثر موقعوں پر اربابِ سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی ، لیکن جب تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتوں پر ترجیح ہے : چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب میں ترمیم کرنا چاہی ، لیکن اس کے نسخے کثرت سے پھیل گئے تھے ، اس لیے ایسا نہ کر سکے ۔ اسی طرح شبلی نے غزوۂ ذات الرقاع کا حوالہ دیا ہے ۔ جس کے بارے میں اکثر اربابِ سیر کا اتفاق ہے کہ جنگِ خیبر سے قبل واقع ہوا تھا ، لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا ۔ علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف اور اربابِ سیر کی روایت سے اتفاق ظاہر کیا تھا ، لیکن حافظ ابنِ حجر نے دمیاطی کی رائے کی غلطی ثابت کر دی[1] ۔

اس بحث سے اگر کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ اربابِ حدیث کی ہر روایت صحیح ہوتی ہے اور اربابِ سیر کی ہر روایت غلط ، تو یہ بھی زیادتی ہوگی ، کیونکہ بعض اوقات معاملہ آلٹ بھی ہوا ہے ۔ جس طرح کتبِ سیرت میں موضوع روایتیں موجود ہیں ۔ اسی طرح محدثین کی تمام تر احتیاط کے باوجود

۱- سیرۃ النبی (جلد اول) : شبلی نعمانی (مقدمہ : ذیلی حاشیہ ، ص ۸ تا ۱۰) ۔

کتبِ احادیث میں بھی موضوع روایتیں داخل ہو گئی ہیں ، لیکن اگر ان وضعی روایات کو خارج کر دیا جائے تو باقی مواد کے سامنے دنیا کی کوئی تاریخ نہیں ٹھہر سکتی ۔ کیونکہ اور کہیں نہ تو سند کا التزام ہے اور نہ وضعی روایات کو الگ کرنے کا کوئی اصول موجود ہے ۔

سیرت نگاری کی حدود و قیود

فنِ حدیث کی طرح فنِ سیرت نگاری بھی روایت اور درایت کے اصولوں کا پابند ہے ۔ ان اصولوں کی بنیاد خود قرآنِ مجید نے قائم کی ہے اور حکم دیا ہے کہ روایت کی چھان بین کر لیا کرو ۔ سورۃ الحجرات میں آیا ہے کہ ”اے مسلمانو ! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے اور کوئی روایت بیان کرے تو اس کی اچھی طرح چھان بین اور تحقیق کر لیا کرو“۔ یہی وجہ ہے کہ جب فنِ حدیث اور فنِ سیرت کی تدوین ہوئی تو روایت اور درایت دونوں جہتوں سے اچھی طرح تحقیق کا کام لیا گیا ۔ سیرتِ نبویؐ کے واقعات باقاعدہ طور پر عہدِ نبوتؐ کے تقریباً ایک سو سال بعد قلم بند ہوئے اور اس وقت بھی سیرت نگاروں کا ماخذ کتابوں کی بجائے زبانی روایات تھیں ۔ تاہم مسلمانوں نے تحقیقی اعتبار سے فنِ سیرت کا ایسا معیار قائم کیا ، جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہے ۔ زبانی روایات کی چھان بین کے لیے جو اصول قائم کیے گئے ، اُن میں بقول شبلی پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے ، اُس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے ، جو خود شریکِ واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے ۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ٫ روایت میں آئے ، کون لوگ تھے ؟ کیسے تھے ؟ کیا مشاغل تھے ؟ چال چلن کیسا تھا ؟ حافظہ کیسا تھا ؟ سمجھ کیسی تھی ؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین ؟ عالم تھے یا جاہل ؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا ، لیکن ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں کھپا دیں ۔ وہ ایک ایک شہر میں گئے ، راویوں سے ملے ، اُن کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے ۔ جو لوگ اُن کے زمانے میں موجود نہ تھے ، اُن کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے ۔ شبلی کہتے ہیں کہ ان تحقیقات کے ذریعے سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار

ہو گیا ، جس کی بدولت آج کم از کم ایک لاکھ اشخاص کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر کے 'حسنِ ظن کا اعتبار کیا جائے ، تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے - یہ اسپرنگر ہی تھا جس نے "اصابہ" کے دیباچہ میں لکھا تھا کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری ، نہ آج موجود ہے ، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے"[1] - شبلی کہتے ہیں کہ محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروا نہیں کی - بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں اور ایک ایک کی پردہ دری کی - تحقیق کا یہ اصول ، روایت کہلاتا ہے -

واقعات کی تحقیق کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے ، وہ عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں ؟ شبلی کہتے ہیں کہ یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کر دیا تھا - حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہ تک مغالطہ میں آ گئے ، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت حسان بھی تہمت لگانے والوں میں سے تھے - اس پر قرآن مجید کی جو آیات حضرت عائشہؓ کی برأت میں نازل ہوئیں ، اُن میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے : "اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں ہے - سبحان اللہ ! یہ بڑا بہتان ہے ! — عام اصول کے مطابق اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کیے جاتے - پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایت ہیں یا نہیں ؟ پھر ان کی شہادت لی جاتی ، لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ "سننے کے ساتھ ہی تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے" ! — یعنی اگر اس قسم کا خلافِ قیاس واقعہ بیان کیا جائے تو اُسے رد کر دینا چاہیے[2] - تحقیق کا یہ اصول درایت کہلاتا ہے - شبلی کی رائے میں اس

۱- سیرت النبیؐ (جلد اول) : شبلی نعمانی ، مقدمہ ، ص ۳۸ ، ۳۹ اور ذیلی حاشیہ : ص ۳۹) -

۲- ایضاً ، ص ۴۱ ، ۴۲ -

طرزِ تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہ کے عہد میں ہو چکی تھی ، کیونکہ جب احادیث کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کیے ۔ محدث ابن جوزی نے انھیں تفصیلاً بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہیں ، چاہے راوی معتبر ہی کیوں نہ ہو ۔ (۱) جو روایت عقل کے خلاف ہو ، (۲) جو روایت اصولِ مسلمہ کے خلاف ہو ، (۳) جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو ، (۴) قرآن مجید یا حدیثِ متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تأویل کی کچھ گنجائش نہ ہو ، (۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو ، (۶) جس روایت میں معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو ، (۷) وہ روایت رکیک المعنیٰ ہو ، (مثلاً کدو کو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ) ، (۸) جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اُس شخص سے نہ ملا ہو ، (۹) جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو ، بایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اُس کی روایت نہ کی ہو ، (۱۰) جس روایت میں ایسا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اُس کو روایت کرتے ، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو[1] ۔

حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے درایت اور عقل کو ایک چیز قرار دینے اور درایت کو اسناد پر ترجیح دینے کی وجہ سے شبلی نعمانی پر تنقید کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ درایت کے معنی عقل نہیں ہے ، علم اور تجربہ کے بعد جو ملکہ حاصل ہوتا ہے ، اُس کو درایت کہتے ہیں ۔ محدثین کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ کی سیرت سے پوری واقفیت ہو اور اس بارے میں جتنی روایات صحیحہ ہیں ، وہ اس کے پیش نظر ہوں ، رسول اللہ کے وقت کے واقعات اور حالات پر عبور رکھتا ہو ۔ ایسے شخص کو ایک طرح کی معرفت اور بصیرت حاصل ہو جائے گی ۔ اسی کو درایت کہتے ہیں ایسے شخص کے سامنے جب کوئی روایت آئے گی ، اور اُس کی سند نہ معلوم ہو تو وہ اپنی اسی بصیرت کی بنا پر کہہ سکے گا کہ یہ حدیث رسول اللہؐ کی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟[2]

۱- سیرت النبیؐ (جلد اول) : شبلی نعمانی (مقدمہ : ص ۴۴ ، ۴۵) ۔

۲- اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری (مقدمہ ، ص ۲۰) ۔

درایت کے معنی اور حدود و قیود کے سلسلے میں اس اختلاف رائے کے باوجود شبلی نے سیرت نگاری میں احتیاط کے لیے محدثین کے مسلّم فنِ درایت کی بنیاد پر درج ذیل گیارہ اصول مرتب کیے ، جن کا ہر سیرت نگار کو خیال رکھنا چاہیے - (۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں ، پھر احادیثِ صحیحہ میں ، پھر عام احادیث میں کرنی چاہیے - اگر نہ ملے تو روایت سیرت کی طرف توجہ کی جائے - (۲) کتبِ سیرت محتاج تنقیح ہیں اور اُن کے روایات و اسناد کی تنقید لازم ہے - (۳) سیرت کی روایتیں ، باعتبار پایۂ صحت احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں ، لہٰذا بصورتِ اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی - (۴) روایاتِ احادیث میں اختلاف ہونے کی صورت میں اربابِ فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح دی جائے گی ، (۵) سیرت کے واقعات میں سلسلۂ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے - (۶) نوعیت واقعہ کے کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے (۷) یہ دیکھنا چاہیے کہ روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے اور راوی کی ذاتی رائے اور فہم کا کس قدر جزء ، شامل ہے - (۸) یہ بھی مدِ نظر رہے کہ اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے ؟ (۹) جو روایت عام وجوہ عقلی ، مشاہدۂ عام ، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی ، لائق حجت نہ ہوگی - (۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہیے کہ راوی کے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے ؟ (۱۱) روایات آحاد (وہ حدیثیں ، جنہیں روایت کے ہر مرحلے میں صرف ایک راوی نے نقل کیا ہو) کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے [1] -

کتب سیرت کو محتاج تنقیح اور سیرت کی روایتوں کو احادیث کی روایتوں سے فروتر قرار دینے سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ قدما نے سیرت نگاری کا جو طریقہ اختیار کیا ، وہ روایت و درایت کے مسلمہ

۱- سیرۃ النبی ؐ (جلد اول) : شبلی نعمانی ، (مقدمہ : ص ۸۳ ، ۸۴) اور دائرہ معارف اسلامیہ ، جلد ۱۱/۱ : ص ۱۷۵ ، ۱۷۶ (مقالہ : "علم سیرۃ" : ڈاکٹر سید عبداللہ) -

اصولوں کے سراسر خلاف تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ سیرت کی قدیم کتابوں میں بھی معیاری روایات موجود تھیں ، لیکن حالات و واقعات کے تحت سیرت کی ہر کتاب بعض جدا گانہ خصائص کی حامل تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کتاب میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی موجود ہیں ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ "نقادوں نے سب کی کمزوریوں کو جمع کرکے ایک فہرست تیار کر لی اور یہ تاثر عام کر دیا کہ سیرت کی سب یا اکثر کتابیں غیر معیاری ہیں ، حالانکہ نقاد خود بھی اُن کتابوں سے استفادہ کرتے رہے ؛ چنانچہ "سیرۃ ابن ہشام" سب کے لیے مستند ہے ، اور واقدی کی "مغازی" کے عیوب تسلیم شدہ ہونے کے باوجود اُس کی روایتیں جب ابن سعد نقل کرتے ہیں تو اکثر تسلیم کر لی جاتی ہیں"[1] ۔

یہ درست ہے لیکن خیال رہے کہ ابن سعد کی روایات اس لیے تسلیم کر لی جاتی ہیں کہ اس ابن سعد سب محدثین کے ہاں ثقہ ہیں جبکہ اُن کے استاد واقدی بالاتفاق ضعیف ہیں ۔

۱۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد ۱۱/۱ ، صفحہ ۱۷۶ (مقالہ "علم سیرۃ : ڈاکٹر سید عبداللہ) ۔

دوسرا باب

سیرتِ رسولؐ کے مآخذ و منابع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے اہم عربی مآخذ درج ذیل ہیں :

۱ - قرآن مجید
۲ - کتبِ احادیث
۳ - کتبِ مغازی و سِیَر
۴ - کتبِ تاریخ
۵ - کتبِ تفاسیر
۶ - کتب اسماء الرجال
۷ - کتبِ شمائل
۸ - کتبِ دلائل
۹ - کتبِ آثار و اخبار
۱۰ - معاصرانہ شاعری

(۱)

قرآنِ مجید

قرآنِ مجید ، سیرتِ رسولؐ کا بنیادی ماخذ ہے ۔ اس الہامی کتاب کی ۱۱۴ سورتوں میں آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ کے ضروری اجزا جستہ جستہ مذکور ہیں ۔ آپؐ کی ابتدائی زندگی ، یتیمی ، غربت ، جوانی میں مالی فراغت ، تلاشِ حق ، بعثت ، نزولِ وحی ، دعوت و تبلیغ ، کفار کی مخالفت ، اسلام کا فروغ ، معراج ، ہجرتِ حبشہ ، ہجرتِ مدینہ ، تحویلِ قبلہ ، مشہور غزوات (بدر ، احد ، احزاب ، حنین ، تبوک اور فتح مکہ) ، خانداني زندگی ، اخلاق و عادات اور سیرت و کردار کے بارے میں مستند معلومات کا سر چشمہ یہی کتاب ہے ۔ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ "قرآن کی اس خصوصیت میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ محمدؐ کی سیرت اور اسلام کی ابتدائی تاریخ معلوم کرنے کے لیے اس میں بنیادی باتیں موجود ہیں اور محمدؐ کی زندگی کے تمام تحقیق طلب امور، اس کے ذریعے صحت کے ساتھ جانچے جا سکتے ہیں ؛ چنانچہ ہمیں محمدؐ کے مذہبی خیالات ، ان کے پبلک افعال اور ان کی نجی زندگی کے متعلق تمام مواد قرآن میں مکمل طور پر مل جاتا ہے ۔ محمدؐ کی سیرت اور ان کا کردار معلوم کرنے کے لیے قرآن ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ہمیں سب کچھ صاف صاف نظر آ جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مسلمانوں میں یہ بات ضرب المثل کے طور پر مشہور تھی کہ آپؐ کی سیرت ، قرآن ہے ۔"[1]

پروفیسر سید نواب علی لکھتے ہیں کہ : "مغازی و سیر کا یہ سب سے پہلا ماخذ (قرآن) رسول اللہ کی حیات ہی میں ۲۳ سال کے اندر حفظ اور تحریر دونوں ذریعوں سے محفوظ کر لیا گیا تھا ۔ چنانچہ آپؐ کی وفات

---

1. The Life of Mohammad : Sir William Muir, (Introduction) p. 28.

کے ایک سال بعد حضرت ابو بکرؓ نے پورا قرآنِ مجید ایک کامل نسخے میں قلم بند کر لیا ، جس کی چھ نقلیں حضرت عثمانؓ نے ۲۵ھ میں بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیں ۔ پچاس سال تک یہی قرآن تھا جس میں سیرتِ رسول اللہ کا مطالعہ اُن آنکھوں سے ہوتا رہا جنھوں نے اس پیکر قدسی کو اس عالم رنگ و بو میں چلتے پھرتے دیکھا تھا[۱] ۔"

قرآنِ مجید میں ایک طرف آپؐ کی زندگی کے اہم پہلو واضح کیے گئے ہیں ، دوسری طرف آپؐ کے عہد کے بعض وقائع پر بحث کی گئی ہے اور تیسری طرف آپ کے کردار کی تمام خصوصیات گنوائی گئی ہیں ۔ ان سب کا تذکرہ کتبِ احادیث ، کتبِ مغازی و سیر اور کتبِ تاریخ کی طرح مفصل و مرتب نہیں ، بلکہ مختصر و مجمل ہے اور کوئی نہ کوئی اخلاق سبق دینے کے لیے ہے ، کیونکہ قرآن مجید ، موجودہ توریت کی طرح نہ محض تاریخ ہے اور نہ موجودہ اناجیل کی طرح محض سوانح عمری ۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ صحیفہ ہدایت ہے جو آنحضرتؐ کے ذریعے بنی نوعِ انسان تک پہنچا ۔ حضورؐ ایک خاص ملک ، ایک خاص عہد ، اور ایک خاص معاشرے میں مبعوث ہوئے ، لیکن آپؐ کو قرآن کی شکل میں جو پیغام عطا ہوا ، وہ ساری دنیا ، سارے زمانوں اور سارے معاشروں کے لیے تھا ؛ چنانچہ جہاں قرآن مجید کی عام تعلیمات انسانوں کے لیے دستورِ حیات ہیں ، وہاں صاحبِ قرآن کی زندگی ان کے لیے قابلِ عمل اسوۂ حسنہ (اچھا نمونہ) ہے - اسی لیے قرآنِ مجید میں خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی سیرت و کردار کو مومنوں کے لیے ایک اعلیٰ مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ پیغمبر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے کیونکہ آنحضرت محض حامل قرآن نہ تھے بلکہ سراپا قرآن تھے -

قرآن کے آئینے میں ہمیں سیرتِ رسولؐ کی جو دلآویز جھلکیاں نظر آتی ہیں ، ان میں اولین جھلک ایک جلیل القدر پیغمبر کی ہے - ایک ایسا پیغمبر جس کی آمد کی بشارت سابقہ آسمانی صحائف میں دی گئی تھی -

---

۱ - سیرت رسول اللہ : پروفیسر سید نواب علی ، ص ۳۱ ، ۳۲ (تمہید)

چنانچہ آیاتِ قرآنی کے مطابق آپ دعائے خلیل[۱] ہوئی آئے اور نوید مسیحا[۲] بھی ۔[۳] آپ کا اسم مبارک محمدؐ[۳] ہوئی ہے اور احمدؐ[۴] ہوئی ۔ کلام الٰہی میں آپ کو یٰسین[۵] ، طٰہٰ[۶] ، مزمل[۷] ، مدثر[۸] ، نبی امی[۹] ، داعی الی اللہ[۱۰] ، منذر[۱۱] ، ہادی[۱۲] ، سراج منیر[۱۳] ، شاہد[۱۴] ، مبشر[۱۵] ، نذیر[۱۶] ، مزکی[۱۷] ، معلم کتاب و حکمت[۱۸] ، نور[۱۹] ، رسولؐ صادق[۲۰] ، برہانِ ربانی[۲۱] حاکم برحق[۲۲] ، سراپا ہدایت[۲۳] ، رحمتہ للعالمین[۲۴] ، رؤف و رحیم[۲۵] ، صاحبِ خلقِ عظیم[۲۶] ، اول المسلمین[۲۷] ، خاتم النبیین[۲۸] ، بندۂ الٰہی[۲۹] ، صاحبِ کوثر[۳۰] ، صاحب رفعت و شان[۳۱] ، مرکز آرزوئے مومنین[۳۲] ، محبوبِ خدا[۳۳] اور ممدوحِ ملائکہ[۳۴] قرار دیا گیا ہے ۔ تاہم قرآن کے نزدیک آپ کی سب سے اعلیٰ صفت یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے[۳۵] اور اس کے رسول[۳۶] ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی اصل حیثیت ایک

۱- قرآنِ مجید ۔ البقرہ (۲) : ۱۲۹
۲- صف (۶۱) : ۶
۳- فتح (۴۸) : ۲۹
۴- صف (۶۱) : ۶
۵- یٰسین (۳۶) : ۱
۶- طٰہٰ (۲۰) : ۱
۷- مزمل (۷۳) : ۱
۸- مدثر (۷۴) : ۱
۹- اعراف (۷) : ۱۵۸
۱۰- احزاب (۳۳) : ۴۶
۱۱- رعد (۱۳) : ۷
۱۲- رعد (۱۳) : ۷
۱۳- احزاب (۳۳) : ۴۶
۱۴- احزاب (۳۳) : ۴۵
۱۵- احزاب (۳۳) : ۴۵
۱۶- احزاب (۳۳) : ۴۵
۱۷- آل عمران (۳) : ۶۴
۱۸- آل عمران (۳) : ۶۴
۱۹- مائدہ (۵) : ۱۵
۲۰- نساء (۴) : ۱۷۰
۲۱- نساء (۴) : ۱۷۴
۲۲- نساء (۴) : ۱۰۵
۲۳- النحل (۱۶) : ۲۷
۲۴- انبیاء (۲۱) ۱۰۷
۲۵- توبہ (۹) : ۱۲۸
۲۶- قلم (۶۸) : ۴
۲۷- انعام (۶) ۱۶۲
۲۸- احزاب (۳۳) : ۴۰
۲۹- بنی اسرائیل (۱۷) : ۱
۳۰- کوثر (۱۰۸) : ۱
۳۱- الم نشرح (۹۴) : ۴
۳۲- احزاب (۳۳) : ۶
۳۳- احزاب (۳۳) : ۵۶
۳۴- احزاب (۳۳) : ۵۶
۳۵- الکہف (۱۸) : ۱۱۰
۳۶- اعراف (۷) ۱۵۸

ایسے انسان کی تھی ، جسے منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے -

قرآن میں آپ کی مکی اور مدنی زندگی کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں آپ کی یتیمی ، غربت میں پرورش ، جوانی میں معاشی آسودگی[۳۷] ، بعثت سے پہلے کی پاکیزہ زندگی[۳۸] ، حقیقت کی تلاش کے لیے مجاہدے[۳۹] ، منصب نبوت سے سرفرازی[۴۰] ، آغاز وحی[۴۱] مکہ میں تبلیغ اسلام[۴۲] ، قریش کی مخالفت اور ایذا رسانی[۴۳] ، سعید روحوں کا قبول اسلام[۴۴] ، دعوت دین کے رستے کی مشکلات[۴۵] ، واقعہ معراج[۴۶] ، مظلوم مسلمانوں کی ہجرت حبشہ[۴۷] ، کفار کی طرف سے آنحضرت ؐ کے قتل کے ارادے[۴۸] ، حضرت ابوبکر رض کے ہمراہ ہجرت مدینہ[۴۹] ، غار ثور میں چھپنا ، مدینہ میں مہاجرین ، انصار منافقین ، اور یہود کا اخلاق و کردار اور آنحضرت ؐ سے ان کا سلوک[۵۰] اصحاب صفہ[۵۱] ، مسجد ضرار کا انہدام[۵۲] ، مسجد قبا کی تعمیر[۵۳] ، تحویل قبلہ[۵۴] ، غزوۂ بدر[۵۵] غزوۂ احد[۵۶] ، غزوۂ احزاب[۵۷] ، غزوۂ حنین[۵۸] ، غزوۂ تبوک[۶۰] ، بیعت رضوان[۶۱] صلح حدیبیہ[۶۲] ، فتح مکہ[۶۳] اور

۳۷- الضحیٰ (۹۳) : ۶ تا ۸
۳۸- العنکبوت (۲۹) : ۴۸
۳۹- الضحیٰ (۹۳) : ۷
۴۰- آل عمران (۳) : ۱۶۴
۴۱- علق (۹۶) : ۱ تا ۵
۴۲- مائدہ (۵) : ۶۷
۴۳- الانعام (۶) : ۳۳ تا ۳۵
۴۴- الانعام (۶) : ۵۲
۴۵- الانعام (۶) : ۱۰۶ ، ۱۰۷
۴۶- بنی اسرائیل (۱۷) : ۱
۴۷- النحل (۱۶) : ۴۱
۴۸- انفال (۸) : ۳۰
۴۹- توبہ (۹) : ۴۰
۵۰- توبہ (۹) : ۴۰
۵۱- توبہ ، بقرہ ، المنافقون کی متفرق آیات
۵۲- البقرہ (۲) : ۲۷۳
۵۳- توبہ (۹) ۱۰۷ تا ۱۱۰
۵۴- توبہ (۹) : ۱۰۸ -
۵۵- البقرہ (۲) : ۱۴۴
۵۶- آل عمران (۳) : ۱۲۳
۵۷- آل عمران (۳) : ۱۲۱ تا ۱۷۵
۵۸- احزاب (۳۳) : ۹ تا ۲۰
۵۹- توبہ (۹) : ۲۵ تا ۲۶
۶۰- توبہ (۹) : ۹۲ تا ۱۰۶ ، ۱۱۷ تا ۱۲۳
۶۱- فتح (۴۸) : ۱۸ ، ۱۹
۶۲- فتح (۴۸) : ۲ تا ۲۷ -
۶۳- بنی اسرائیل (۱۷) : ۸۱

حجة الوداع[۶۴] ، وغیرہ کا ذکر اس صراحت سے موجود ہے کہ ان تمام آیات کو جمع کرکے آپ کی سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے ۔ ان واقعات میں بعض کا ذکر اجمالاً اور بعض کا تفصیلاً کیا گیا ہے ۔

قرآن میں آپ ؐ کی ازدواجی زندگی[۶۵] ، معاشرتی تعلقات[۶۶] ، سیرت و کردار[۶۷] ، اور اخلاق و عادات[۶۸] ، کے بارے میں بھی واضح اشارے ملتے ہیں ۔ ازواجِ مطہرات رضؓ کی خصوصی حیثیت[۶۹] ، صفات اور آنحضرت ؐ کی طرف ان کا عمومی اور استثنائی رویہ[۷۰] واقعہ تحریم[۷۱] ، حضرت زینب کا حضرت زید بن حارثہ سے نکاح، ازدواجی بدمزگی ، طلاق اور آنحضرت ؐ سے شادی[۷۲] ، ایک زوجہ کا افشائے راز[۷۳] ، واقعہ افک[۷۴] ، وفدِ نجران کو دعوتِ مباہلہ[۷۵]، حضرت عبداللہ بن امِ مکتوم رضؓ (نابینا صحابی) سے بے اعتنائی اور مکہ کے با رسوخ کافر سرداروں کی طرف آنحضرت ؐ کی غیر معمولی توجہ پر اللہ تعالیٰ کی تنبیہ[۷۶]، کا بھی قرآن سے ہی پتہ چلتا ہے ۔ قرآنِ مجید میں آپ کے جانثار دوستوں اور جانی دشمنوں کا ذکر بھی موجود ہے ۔ جہاں غارِ ثور کے ساتھی (حضرت ابو بکر صدیق رضؓ) کا نام لیے بغیر تذکرہ کیا گیا ہے[۷۷] ، وہاں آپ کے دشمن چچا ابولہب اور اس کی بیوی کے لیے پوری سورت وقف ہے ، جنھوں نے آپ کی مخالفت اور ایذا دہی میں کسر نہیں چھوڑی ۔ قرآنِ مجید نے ان دونوں کو دردناک عذاب کی خبر دی ہے ۔[۷۸] اسی طرح حضرت خالد بن ولید کے والد ولید بن مغیرہ کا نام لیے بغیر ذکر ہے ، جو مالدار ہونے کے باوجود حریص ، اقتدار پسند اور متکبر

۶۴- مائدہ (۵) : ۳
۶۵- احزاب (۳۳) : ۲ تا ۵۱
۶۶- آل عمران اور احزاب کی متعدد آیات
۶۷- توبہ ، آل عمران ، احزاب کی آیات
۶۸- توبہ ، آل عمران ، احزاب کی آیات
۶۹- احزاب (۳۳) : ۳۰ تا ۳۴
۷۰- التحریم (۶۶) : ۳ تا ۵ ۔
۷۱- التحریم (۶۶) : ۱ تا ۲
۷۲- احزاب (۳۳) : ۳۷
۷۳- التحریم (۶۶) : ۳
۷۴- النور (۲۴) : ۱۱ تا ۱۸
۷۵- آل عمران (۳) : ۶۴
۷۶- عبس (۸۰) : ۱ تا ۱۶
۷۷- توبہ (۹) : ۴۰
۷۸- اللہب (۱۱۱) : ۱ تا ۵ ۔

تھا ، قرآن کو الہامی کتاب ماننے سے انکار کرنے ، اسے جادو کا کرشمہ قرار دینے اور آنحضرتؐ کی مخالفت میں دن رات ایک کرنے کی وجہ سے اسے بھی دوزخ کی نوید سنائی گئی ہے ۔[۷۹]

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر وہ تمام جھوٹے الزامات بھی درج ہیں ، جو کفار آنحضرت پر عائد کرتے تھے، وہ آپ کو (نعوذ باللہ) مجنون ، گمراہ ، مفتری ، جادوگر ، کاہن اور شاعر[۸۰] قرار دے کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے ۔ قرآن نے ان الزامات کے بڑے منطقی اور مدلل جواب دے کر نبی کریمؐ کے حقیقی اوصاف کی طرف توجہ دلائی ہے ۔[۸۱] کفار مکہ کی طرف سے آپؐ سے معجزات طلب کرنے پر خدا نے ہی آپؐ کی طرف سے جواب دیا ہے ۔[۸۲] اور سوائے شق القمر کے کسی اور معجزے کو آنحضرت سے منسوب نہیں کیا ۔[۸۳] (بعض مفسرین کے نزدیک شق القمر بھی معجزہ نہیں بلکہ قیامت کی ایک نشانی ہے البتہ قرآن مجید آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے) آپؐ کے شرحِ صدر کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے ۔[۸۴] سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن آنحضرتؐ کو ایک بشر بنا کر پیش کرتا ہے لیکن اس تخصیص کے ساتھ کہ آپ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے ۔[۸۵] اسی طرح وہ آپ کی غیب دانی کی بھی پر زور لفظوں میں تردید کرتا ہے[۸۶] قرآن میں کئی مقامات پر یا تو خدا کی طرف سے معمولی یا شدید عتاب کا مظاہرہ کیا گیا ہے ، یا آپ کی غلطی پر عفوو درگزر سے کام لینے کی اطلاع دی گئی ہے ۔ جنگِ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے[۸۷] ، غزوۂ تبوک میں شرکت سے چند صحابہ کو چھوٹ دینے[۸۸] ، عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے مخلصانہ دینی اشتیاق کے جواب میں بے رخی اختیار کرنے پر خفیف لفظوں میں آپ کو تنبیہہ کی

۷۹۔ مدثر (۷۴) : ۱۱ تا ۲۹

۸۰۔ سبا (۳۴) : ۴۶ ، ۵۰ اور الصّٰفّٰت (۳۷) : ۱۵ ، ۳۶

۸۱۔ الطور (۵۲) : ۲۹

۸۲۔ الاعراف (۷) : ۲۰۳

۸۳۔ القمر (۵۴) : ۱ تا ۳

۸۴۔ الم نشرح (۹۴) : ۱ تا ۸

۸۵۔ الکہف (۱۸) : ۱۱۰

۸۶۔ الانعام (۶) : ۵۰

۸۷۔ اعراف کی متفرق آیات

۸۸۔ توبہ ، صف کی متعدد آیات

گئی ہے[۸۹] ، اور کوئی بات اختراع کر کے خدا کی طرف منسوب کرنے کی صورت میں رگِ جان کاٹ دینے کی دھمکی دی گئی ہے ۔[۹۰]

قرآن سے ہی آپ کی پیشین گویوں کے سچا ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔ مثلاً اہلِ مکہ کی نافرمانی پر آپؐ کی طرف سے ان کے قحط میں مبتلا کیے جانے کی بد دعا[۹۱]، رومیوں کے ایرانیوں کے ہاتھوں مغلوب ہونے کے بعد جلد ہی غالب آنے کی پیشین گوئی[۹۲] اور آپ کا مسجدِ حرام میں امن و امان سے داخل ہونے کا خواب[۹۳] وغیرہ ۔

رہے آپؐ کے اخلاق و آداب ، تو ان سے پورا قرآن بھرا پڑا ہے ۔ اس مقدس کتاب میں آپ کی شجاعت و استقامت ، ایثار و سخاوت ، صبر و درگزر ، حق و صداقت ، قیادت و سیادت ، بصیرت و حسنِ تدبر ، رحم دلی و شفقت ، احسان و مروت ، عبادت و ریاضت ، رشد و ہدایت ، عدل و مساوات ، فیاضی و فراخ حوصلگی ، عسکری صلاحیت ، انشریت و عبودیت ، اور خلقِ خدا سے محبت اور خیر خواہی کا بار بار ذکر کر کے آپ کو حاملِ خلقِ عظم ، رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے ۔[۹۴]

سچ تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت کا کوئی جزء ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن میں ایک سے زائد آیات نہ ہوں ۔ اسی لیے مولانا ابو الکلام آزاد کہتے ہیں کہ "اگر دنیا سے تاریخِ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور صرف قرآن ہی باقی رہے تب بھی آنحضرت کی شخصیتِ مقدسہ اور آپؐ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے ، کیوں کہ یہ صرف قرآن ہے جو ہمیشہ دنیا کو بتلاتا رہے گا کہ اس کا لانے والا کون تھا ؟ ، کس ملک میں پیدا ہوا ؟ اس کے خویش و یگانہ کیسے تھے ؟ قوم و مرزبوم کا کیا حال تھا ؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی ؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا ؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا ؟ اس کے

۸۹- عبس (۸۰) : ۱ تا ۱۶
۹۰- الحاقہ کی متعدد آیات
۹۱- الدخان (۴۴) : ۱۰ تا ۱۶
۹۲- الروم (۳۰) : ۲ تا ۴
۹۳- الفتح کی متعدد آیات
۹۴- التوبہ (۹) : ۱۲۸ تا ۱۲۹

دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کیسے کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظرِ وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی؟"[۹۵]

کم و بیش یہی رائے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اگر کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ دنیا سے مٹ جائے جو آئمہ اسلام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے، حدیث و سیر کا ایک ورق بھی دنیا میں نہ رہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہو اور صرف کتاب اللہ (قرآن) ہی باقی رہ جائے، تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں، جو اس کے لانے والے کے متعلق ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔"[۹۶]

۹۵- رسولِ رحمت ؐ: مولانا ابوالکلام آزاد (مرتبہ مولانا غلام رسول مہر) ص ۱۹ تا ۲۰

۹۶- سیرتِ سرورِ عالم ؐ: مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ ج ۲، ص ۳۱۔

(۲)

کتبِ احادیث

قرآن مجید کے بعد سیرت رسول ؐ کا دوسرا بڑا ماخذ احادیث نبوی ہیں جن کے راویوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس ذخیرہ میں صحیح، قوی ، ضعیف اور موضوع احادیث سب الگ الگ ہیں ۔ محدثین نے بے حد تلاش ، محنت ، کاوش اور احتیاط کے بعد کتبِ احادیث مرتب کیں اور یوں سیرتِ رسول ؐ کے لیے ایسا بے مثال ریکارڈ محفوظ کیا ، جس کی دنیا نے تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی ۔ یہ درست ہے کہ بقول سر سید احمد خاں "کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے ، ("شمائل ترمذی" کے مرتب امام ابو عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ) کوئی خاص کتاب آنحضرت ؐ کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی ، لیکن تمام محدثین نے ، جن کی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے ، اپنی اپنی کتابوں میں ان حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے ، جو آنحضرت ؐ کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں ۔ پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں ، جن سے کم و بیش آنحضرت ؐ کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہیں اور جن کو معقول طرح سے ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ ؐ کی زندگی کا جمع ہو سکتا ہے"[۱] ۔

آنحضرت ؐ خود بھی چاہتے تھے کہ آپ ؐ کے ارشادات صحیح طریقے پر اُمت تک پہنچ جائیں ، اسی لیے روایات میں آتا ہے کہ آپ ؐ جب گفتگو فرماتے تو آہستہ آہستہ اور خوب وضاحت کے ساتھ الفاظ ادا کرتے تاکہ سننے والا آپ ؐ کا مفہوم پوری طرح سمجھ جائے اور آپ ؐ کے اقوال یاد رکھ سکے ۔ ضروری امور کو آپ ؐ تین تین مرتبہ دہراتے تاکہ سامعین

۱۔ مقالات سر سید (حصہ یازدہم) مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی ، ص : ۱۶ ، ۱۷ ۔

کے بخوبی ذہن نشین ہو سکیں ۔ آپؐ نے روایتِ حدیث کی ترغیب بھی دلائی ہے ۔ اس سلسلے میں آپؐ کے چند ارشادات یہ ہیں :

۱۔ فلیبلغ الشاھد الغائب (جو موجود ہیں ، وہ غیر موجود لوگوں تک پہنچا دیں)[۱] ۔

۲۔ تسمعون و یسمع منکم و یسمع ممن یسمع منکم (تم مجھ سے سنتے ہو ، دوسرے لوگ تم سے سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے)[۲] ۔

۳۔ نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا حتی یؤدیھا الی من لم یسمعھا (اللہ اس شخص کے چہرے کو رونق و تابندگی عطا کرے ، جس نے میری بات سنی اور یاد رکھی ، یہاں تک کہ وہ بات اس شخص تک پہنچا دی ، جس نے اسے نہیں سنا)[۳] ۔

تاہم آپؐ نے حدیث کی صحت قائم رکھنے کے لیے یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ :

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار

(جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا ، اس کا ٹھکانا جہنم ہے)[۴] ۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ "ان لوگوں کو ، جو آنحضرتؐ کے اقوال ، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت ، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے ہیں ، راویانِ حدیث و روایت یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں جن میں صحابہؓ ، تابعین ، تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں ۔ جب تمام سرمایۂ روایت تحریری صورت میں

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ ، ص ۹۶۳ ۔ (مقالہ حدیث)
۲۔ ایضاً ۔
۳۔ ایضاً ۔
۴۔ ایضاً ۔

آ گیا، تو ان تمام راویوں کے نام و نشان ، تاریخِ زندگی اور اخلاق و عادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا ، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے ، اور ان سب کے مجموعۂ احوال کا نام 'اسماء الرجال' ہے - مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر ('اصابہ' کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء — ۱۸۶۳ء میں) لکھتے ہیں :

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری ، نہ آج موجود ہے ، جس نے مسلمانوں کی طرح 'اسماء الرجال' کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو" -

صحابہ کرام کی تعداد حیاتِ نبوی ؐ کے آخری سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی - ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں ، جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انھی کے حالات میں لکھے گئے ہیں ، اس ایسے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت ؐ کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے ، یعنی جنھوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے"[1] -

حدیثِ نبوی کی دین میں اس لیے بڑی اہمیت ہے کہ قرآن نے آنحضرت ؐ کو مبلغ قرآن اور معلّم کتاب و حکمت قرار دیا ہے - تحلیل و تحریم (اشیاء کو حلال و حرام قرار دینا) کا منصب آپ ؐ کو عطا کیا ہے امت کے تمام معاملات اور فیصلوں پر قاضی بنایا ہے ، تمام تضیوں اور جھگڑوں میں آپ ؐ کو حکم ٹھہرایا ہے - مسلمانوں کی ہدایت کو آپ کی اطاعت اور اتباع سے وابستہ قرار دیا ہے اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ رسول جو دیں ، سو لے لیں اور جس چیز سے منع کریں ، اسے چھوڑ دیں - قرآن کی رو سے ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی دل و جان سے اطاعت نہ کریں - گویا مختصراً رسول اللہ کی ذات کو امت کے لیے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) قرار دیا گیا ہے -

---

۱- خطبات مدراس : سید سلیمان ندوی - ص ۴۲ ، ۴۳ -

دین کے تمام مسائل (مثلاً نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، جہاد ، ذکرِ الہٰی وغیرہ) اور دنیا کے تمام معاملات (مثلاً نکاح ، طلاق ، بیع و شرا ، فصل و قضایا ، اخلاق و معاشرت اور سیاسیات وغیرہ) کے سلسلے میں قرآن مجید کے احکامات کی تشریح و توضیح اور عملی تشکیل کے لیے رسول اللہ کی ذات سرچشمۂ ہدایت ہے ، اس لیے آنحضرت کے اقوال ، اعمال اور احوال ، دین کا لازمی جزء بن گئے اور انھیں محفوظ کرنا، اُمت نے اپنے اوپر فرض سمجھا ۔ منصب نبوت چونکہ حضور اکرم کی سیرت کا لازمی جزء تھا ، اس لیے حدیث کا یہ سرمایہ آپ کے سوانح حیات اور سیرت و کردار کے ایک بنیادی منبع کی حیثیت رکھتا ہے ۔

کتبِ احادیث کی تدوین

احادیثِ نبوی کی باقاعدہ تدوین اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ) کے عہدِ حکومت میں ہوئی ۔ لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ بعض صحابۂ کرام نے آنحضرت کے اقوال ، اعمال اور احوال ذاتی طور پر بھی جمع کرنا شروع کر دیے تھے ۔ ابتداءً حضور نے اس خطرے کے کے پیشِ نظر کہ کہیں قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی میں التباس نہ ہو جائے ، صرف قرآنِ مجید کی کتابت کی اجازت دی اور اقوال نبوی لکھنے کی حوصلہ افزائی نہ کی ۔ لیکن جب قرآنِ مجید کا بیشتر حصہ نازل ہو گیا ، اور صحابہ کرام نے اسے حفظ کر لیا تو آپ نے کتابتِ حدیث کی عام اجازت دے دی[1] چنانچہ یہ بات مسلمہ ہے کہ بعض صحابیوں نے آپ کی زندگی میں ہی احادیث لکھ لی تھیں ، گو احادیث لکھنے کا بیشتر کام آنحضرت کی دنیوی حیات کے آخری سالوں میں ہوا ۔ عہدِ رسالت مآب میں احادیث نبویہ پر مشتمل صحائف اگرچہ اب الگ طور پر موجود نہیں ہیں ، لیکن ان صحائف کے چیدہ چیدہ حصے بعد کے مجموعوں کا جزء بنے اور آنحضرت کی وفات کے بعد کافی مدت تک معروف و مقبول رہے ۔ مثلاً امام ترمذی ، حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک

---

۱ ۔ المحدث الفاصل : رامہرمزی ، مخطوطہ ظاہریہ ۔ ج ۔ ۴ ، ص ۶ (بحوالہ علوم الحدیث : ڈاکٹر صبحی صالح ، اردو ترجمہ ۔ ص ۳۷) ۔

صحیفہ میں احادیثِ نبوی جمع کی ہوئی تھیں[1] - بتایا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کے فرزند اس صحیفہ سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے - امام بخاری کی روایت ہے کہ یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ ، کی کتاب سے نقل کیا گیا تھا ، جو اپنے ہاتھ سے احادیث رقم کرتے تھے -[2] حضرت سمرہ بن جندب (متوفی ۶۰ھ) نے بھی ایک صحیفہ میں احادیث جمع کر رکھی تھیں - یہ صحیفہ بعد ازاں اُن کے بیٹے سلیمان کے ہاتھ آیا ، جو اس سے احادیث روایت کرتے تھے - حضرت جابر بن عبداللہ (متوفی ۷۸ھ) نے بھی ایک صحیفہ ، مشتمل بر احادیثِ نبوی ، لکھ رکھا تھا[3] -

صحیفۂ صادقہ

عہدِ نبوی میں صحابہ کرام کے نوشتوں میں سب سے زیادہ شہرت صحیفہ "صادقہ" کو حاصل ہوئی جسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (متوفی ۶۵ھ) نے مرتب کیا تھا - سننِ ابی داؤد ، اور مسندِ دارمی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا ، حفظ کرنے کے لیے اس کو لکھ لیتا تھا - پھر قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہنے لگے کہ تم جو بات سنتے ہو لکھ لیتے ہو ، حالانکہ رسول اللہ بشر ہیں ، غصہ میں بھی کلام کرتے ہیں اور خوشی میں بھی - یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت ؐ سے اس کا ذکر کیا ، تو آپؐ نے اپنی انگشت سے اپنے دہن کی طرف اشارہ کیا اور فرمانے لگے کہ "تم لکھو - قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ، اس سے بجز حق کے کچھ نہیں نکلتا -"[4]

صحیفۂ "صادقہ" میں بقول ابن الاثیر ، ایک ہزار احادیث جمع تھیں[5]

۱- سنن ترمذی : امام ترمذی - کتاب الاحکام ، باب الیمین مع الشاہد -
۲- صحیح بخاری : امام بخاری - کتاب الجہاد ، باب الصبر علی القتال -
۳- طبقات الکبریٰ : ابن سعد - ج ۵ - ص ۳۴۴ اور تذکرۃ الحفاظ : شمس الدین الذہبی ، ج ۱ - ص ۱۱۰ -
۴- سنن ابی داؤد : ابی داؤد - باب کتابۃ العلم اور مسند دارمی : باب من رخص فی کتابۃ العلم -
۵- اسد الغابہ : ابن اثیر - ج ۳ - ص ، ۲۳۳ -

لیکن یہ صحیفہ اپنی منفرد حیثیت میں اب موجود نہیں ، البتہ مسند احمد بن حنبل میں پورے کا پورا محفوظ ہے[1] ۔ یوں یہ کتاب ہمارا معتبر ترین اور اولین مستند ریکارڈ ہے اور اس بات کا ثبوت بھی کہ عہدِ نبوی میں بھی احادیث نہ صرف سنی بلکہ لکھی اور محفوظ کی جاتی تھیں ۔ صحیفہ "صادقہ" میں وہ فتوے موجود ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے سوالوں کے جواب میں حضورؐ نے ارشاد فرمائے ۔ اس صحیفے کے تحریر کیے جانے کی شہادت حضرت ابو ھریرہ کے درج ذیل قول سے بھی ملتی ہے :

"صحابہ میں مجھ سے زیادہ کثیر الروایات اور کوئی نہ تھا ۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا معاملہ جداگانہ نوعیت کا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا ۔"[2]

ان کے علاوہ حضرت ابو بکر ، حضرت علی ، حضرت رافع بن خدیج حضرت عبداللہ بن عباس ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے نامور صحابہ کے نوشتوں کا بھی ذکر ملتا ہے[3] لیکن یہ صحائف محفوظ نہ رہ سکے ۔ ان میں سے بعض نوشتے تو خود ان کے مؤلفین نے ضائع کر دیئے مثلاً حضرت عائشہ کے بقول حضرت ابو بکرؓ نے تقریباً پانچ سو احادیث ایک کتاب میں جمع کی تھیں لیکن پھر اس خدشے کے پیشِ نظر انہیں تلف کر دیا کہ کہیں کوئی ایسی چیز ضبطِ تحریر میں نہ آ گئی ہو ۔ جو انھیں پوری طرح یاد نہ ہو ۔[4]

صحیفۂ ہمام بن منبہ

حضرت ابو ھریرہؓ (متوفی ۵۸ھ) نے بھی احادیث کے کئی مجموعے مرتب کیے تھے ، لیکن سوائے ایک کے ، سب ضائع ہو گئے ۔ جو صحیفہ

۱۔ مسند احمد : امام احمد بن حنبل ۔ (عبداللہ بن عمرو بن العاص) ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۵۸ تا ۲۲۶ ۔

۲۔ ایضاً ۔ ص ۲۴۸ ۔

۳۔ ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی ۔ ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ ۔

۴۔ تذکرۃ الحفاظ : الذہبی ۔ ج ۱ ، ص ۵ ۔

بچ گیا، وہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ایک شاگرد ہمّام بن منبّہ (متوفی ۱۰۱ھ) نے روایت کیا اور اب انھیں کے نام سے منسوب ہے - یہ تالیف مکمل طور پر محفوظ رہنے کی وجہ سے اب تک دریافت شدہ مجموعوں میں اولیت کا شرف رکھتی ہے - ہمّام، حضرت ابو ہریرہ کے ہم وطن تھے ، یعنی یمن کے رہنے والے تھے - وہ جب تعلیم کے لیے مدینہ پہنچے تو حضرت ابوہریرہ کے پاس ٹھہرے جنھوں نے آنحضرت کی احادیث میں سے ۱۳۸ کا انتخاب کیا اور ایک مختصر رسالہ کی شکل میں ترتیب دے کر ہمام کو لکھوائیں - یہ احادیث زیادہ تر تربیتِ اخلاق سے متعلق ہیں - ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں کہ "یہ اصل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی تالیف ہے جو انھوں نے ہمّام بن منبّہ کے لیے مرتب کی ، اس لیے اس کا نام "صحیفہ ابی ہریرہ لھمام بن منبہ" ہونا چاہیے- بعض حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام "الصحیفة الصحیحہ" تھا -"[1] یہ صحیفہ مسند احمد میں مکمل طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے[2] اور اس کی بیشتر احادیث نہ صرف صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں موجود ہیں بلکہ صحاح ستہ میں صحیفہ ہمّام کی ہر حدیث حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے ملتی ہے - یہ صحیفہ ڈاکٹر حمید اللہ کی محنت سے دریافت ہوا اور اس کے دو مخطوطے دو مختلف جگہوں سے حاصل ہوئے - ایک مخطوطہ برلن سے ملا اور دوسرا دمشق سے اور دونوں میں ذرا برابر فرق نہ تھا - یوں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ تدوینِ حدیث کا آغاز دوسری صدی ہجری کے آغاز میں نہیں بلکہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں صحابۂ کرام سے فیضیاب ہونے والے تابعین کے ذریعے بہت پہلے ہو چکا تھا -

تدوینِ حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام بے حد اہمیت رکھتا ہے - انھوں نے ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک حکومت کی - جب وہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ تمام صحابہ ایک ایک کر کے دنیا سے اُٹھتے جا رہے ہیں اور ان کے بعد تابعین کی ایک بڑی تعداد بھی دنیا سے رخصت ہو چکی ہے ، جن کے سینوں میں ارشاداتِ رسول کا نادر خزینہ محفوظ تھا - یہ سوچ کر کہ کہیں یہ ذخیرہ ان بزرگ ہستیوں

۱- صحیفہ ہمّام بن منبّہ : مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (دیباچہ - ص ۳۸) -
۲- مسند احمد : امام احمد بن حنبل - ج ۲ - ص ۳۱۲ تا ۳۱۸ -

کے ساتھ ہی قبر میں دفن نہ ہو جائے ، انھوں نے اپنی وسیع و عریض سلطنت کے والیوں ، گورنروں اور علماء کے نام ایک فرمان بھیجا کہ احادیث نبوی کو تلاش کرکے محفوظ کیا جائے۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی ، "تاریخ اصفہان" میں روایت کرتے ہیں :

"حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام آفاق میں لکھ بھیجا کہ "حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر کے جمع کرو ۔"[1] اسی سلسلے میں آپ نے مدینہ منورہ کے قاضی حضرت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری کو ، جو آپ کی طرف سے وہاں امیر بھی تھے ۔ یہ فرمان بھیجا :

"رسول اللہ کی جو حدیثیں ہیں ان کو تلاش کر کے مجھے لکھ بھیجو ، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے اور دیکھو ، حدیث نبوی کے علاوہ کسی اور کا قول قبول نہ کرنا اور نہ آپ لکھنا ۔"[2]

اسی طرح کی ایک روایت امام محمد نے اپنی مؤطا میں یوں درج کی ہے :

"حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمر کی احادیث اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو ، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے ۔"[3]

قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم نے امیرالمؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم کی تعمیل میں حدیث کی متعدد کتابیں مرتب کیں ، لیکن پیشتر اس کے کہ وہ انھیں حضرت عمر تک پہنچا سکیں ، امیرالمؤمنین انتقال کر چکے تھے۔ اس بات کی اطلاع ، علامہ ابن عبدالبر نے التمہید میں امام مالک کے حوالے سے دی ہے ۔" تہذیب التہذیب" میں امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ میں نے قاضی ابن حزم کے صاحب زادے عبداللہ بن ابو بکر سے ان کتابوں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا

۱۔ فتح الباری کتاب العلم ۔ باب کیف یقبض العلم ۔
۲۔ ایضاً ۔
۳۔ موطأ ۔ امام محمد ۔ باب اکتساب العلم ۔

کہ وہ ضائع ہو گئیں - یہی انجام اس دور کے بعض دیگر جامعین حدیث مثلاً امام شعبی ، امام زہری ، اور امام مکحول دمشقی کی کتابوں کا ہوا -

بہر حال حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کی تعمیل میں احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر کے دارالحکومت دمشق بھیجا گیا جسے ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کیا گیا اور اس کی متعدد نقول کروا کر سلطنت کی حدود میں پھیلا دی گئیں - مگر افسوس ناک امر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ یہ نقول بھی معدوم ہو گئیں اور اب ان کا تذکرہ ہی باقی رہ گیا ہے -

کتاب الآثار

امام ابو حنیفہ (٨٠ھ/٦٩٩ء — ١٥٠ھ/٧٦٧ء) کی فقہی خدمات سے تو ساری اسلامی دنیا واقف ہے ، لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھوں نے تدوین حدیث کے سلسلے میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں - اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کے انتقال پر ١٢٠ھ میں آپ جامع کوفہ کی علمی درس گاہ میں مسند فقہ و علم کلام پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہ پر مرتب کیا اور اس کا نام "کتاب الآثار" رکھا[١] - مولانا عبدالرشید نعمانی اس صحیفہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ "آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے ، جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے"۔ اُن کی رائے میں امام ابو حنیفہ سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے تھے ، وہ فنی ترتیب سے محروم تھے - جامعین حدیث نے اُن تمام احادیث کو قلم بند کر دیا جو انھیں یاد تھیں ، البتہ امام شعبی نے بعض مضامین کی احادیث عنوان وار جمع کی تھیں ، لیکن اُن کی یہ کوشش چند ابواب تک محدود رہی - امام ابو حنیفہ نے پہلی دفعہ احادیث کو باقاعدہ کتب و ابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا ایسا کارنامہ سر انجام دیا جو بعد کے آئمہ کے لیے ترتیب و تدوین کے سلسلے میں ایک اعلیٰ نمونہ بنا[٢] -

---

١- امام ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی - ص ١٥٩ -
٢- ایضاً -

"کتاب الآثار"، "مؤطا" سے پہلے کی تالیف ہے اور امام مالک نے "مؤطا" مرتب کرتے وقت اس سے استفادہ کیا ہے : چنانچہ حافظ سیوطی "تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ" میں لکھتے ہیں :

"امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ، ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں ، جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی - پھر امام مالک بن انس نے مؤطا کی ترتیب میں انھی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں"[1] -

امام ابو حنیفہ کی تالیفات سے امام مالک نے جس طرح استفادہ کیا ہے اس کا ذکر کتب تاریخ میں واضح طور پر موجود ہے - یوں بھی "کتاب الآثار" کی احادیث ، مؤطا کی روایات سے کم مستند نہیں - جس معیار پر حافظ مغلطائی اور حافظ سیوطی نے مؤطا کو پرکھا ہے ، اسی معیار پر "کتاب الآثار" کو جانچا جائے تو وہ بھی قوت و صحت میں مؤطا سے کم نہیں ٹھہرتی - مؤطا اور کتاب الآثار میں وہی نسبت ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے -

امام ابو حنیفہ نے چالیس ہزار احادیث کے ذخیرے میں سے ۱۰۶۶ روایتوں کا بڑا کڑا انتخاب کرکے یہ کتاب مدون کی - امام اعظم نے اس میں آنحضرتؐ کے آخری اعمال اور ہدایات کو اولین منبع اور صحابہ و تابعین کے آثار و فتاویٰ کو ثانوی منبع قرار دیا ہے - مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کے بقول "کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیث احکام ، یعنی سنن ہیں جن سے مسائل فقہ کا استنباط ہوتا ہے ، اس لیے وہ سینکڑوں مختلف ابواب جو صحیحین اور جامع ترمذی وغیرہ دیگر کتب احادیث میں مذکور ہیں ، کتاب الآثار میں نہیں ملیں گے ، کیونکہ ان ابواب کا تعلق فقہیات سے نہیں ہے - اسی بنا پر محدثین کی اصطلاح میں "کتاب الآثار" کتب سنن میں داخل ہے - چنانچہ بعض محدثین نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے"[2] -

---

۱- تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ : حافظ سیوطی - ص ۳۶ -
۲- امام ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی - ص ۱۶۹ -

شاہ ولی اللہ نے "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں "کتاب الآثار" کو حنفیوں کی بنیادی کتابوں میں سے ایک کتاب قرار دیا ہے۔ اور واضح طور پر کہا ہے کہ "فقہ حنفی کی بنیاد مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے"[۱]۔

مؤطا اور دیگر کتب احادیث کی طرح "کتاب الآثار" کے بھی متعدد نسخے ملتے ہیں جن کے راوی امام زفر بن الہذیل، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی اور امام حسن بن زیاد لؤلؤی ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے آئمہ نے امام ابو حنیفہ سے "کتاب الآثار" کو روایت کیا ہے، جن میں امام اعظم کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ اور محدث محمد بن خالد و ہبی کے نسخوں سے جامع مسانید میں بھی احادیث منقول ہیں۔ خوارزمی نے ان دونوں کا ذکر مسند ابی حنیفہ کے نام سے کیا ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی کہتے ہیں کہ "متقدمین میں دستور تھا کہ وہ ایک کتاب کو متعدد ناموں سے موسوم کرتے تھے مثلاً دارمی کی تصنیف کو "مسند دارمی" بھی کہتے ہیں اور "سنن دارمی" بھی۔ یا ترمذی کی کتاب سنن بھی کہلاتی ہے اور جامع بھی۔ اسی طرح "کتاب الآثار" کے ان دو نسخوں کا کبھی علماء نے مسند کے نام سے ذکر کیا ہے اور کبھی سنن کے نام سے اور کبھی کتاب الآثار کے نام سے اور کبھی صرف نسخہ ہی لکھ دیا ہے، لیکن اس مجموعہ کا اصلی نام "کتاب الآثار" ہی ہے چنانچہ ملک العلماء امام علاؤالدین کاشانی نے بھی "بدائع الصنائع" میں اس کتاب کا ذکر "آثار ابی حنیفہ" ہی کے نام سے کیا ہے"[۲]۔

امام ابو یوسف سے روایت کردہ "کتاب الآثار" لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ، حیدر آباد دکن کے زیر اہتمام مصر میں ۱۳۵۵ھ میں شائع ہو چکی ہے[۳]۔ امام محمد بن حسن شیبانی کی مرتبہ "کتاب الآثار" کا اردو ترجمہ

۱- قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین : شاہ ولی اللہ - ص ۱۸۵ -
۲- امام ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی - ص ۱۲۶ -
۳- تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ - ترجمہ - افتخار احمد بلخی ج ۲، ص ۴۹، ۵۰ -

ہو گیا ہے اور یہ کراچی سے چھپ گئی ہے -

مؤطا

"کتاب الآثار" کے بعد احادیث کا دوسرا اہم مجموعہ امام مالک بن انس (۹۳ھ — ۱۷۹ھ) کی تالیف "مؤطا" ہے ، جو اہل مدینہ کی روایات اور فتاویٰ پر مشتمل ہے - امام مالک نے بڑی تحقیق و تلاش اور اخذ و انتخاب کے بعد حضور اکرمؐ کے اقوال و ارشادات جمع کیے اور انھیں مؤطا کے نام سے موسوم کیا ، جس کے لغوی معانی ہیں آراستہ کیا ہوا یا سجایا ہوا ، گویا اس کتاب میں آنحضرتؐ کی احادیث بڑی نفاست ، سلیقہ اور ہنر مندی سے آراستہ کی گئی ہیں -

امام مالک نے کتاب کی ترتیب و تدوین میں "کتاب الآثار" کی تقلید کی ہے : چنانچہ بقول محمد عبدالرشید نعمانی "کتاب الآثار کی طرح مؤطا میں بھی احادیثِ صحیحہ کو مبنائے اول اور آثار صحابہ و تابعین کو مبنائے ثانی قرار دیا گیا ہے"[۱] - حافظ ابن حجر عسقلانی ، مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں ، "پھر امام مالک نے مؤطا تصنیف کی اور حدیث اہل حجاز میں سے قوی روایت تلاش کرکے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین و من مابعد کے فتاویٰ کو بھی درج کیا"[۲] -

"مؤطا" صحاح ستہ سے قبل امت مسلمہ کے ہاتھوں پہنچنے والا ، احادیث نبوی کا وہ پہلا شاندار مجموعہ ہے ، جسے امام مالک نے ۱۴۳ھ میں ترتیب دیا - اس کتاب کی تدوین کے وقت آن کے پیش نظر دس ہزار احادیث کا ذخیرہ تھا ، جس میں سے آپ نے صرف ایک ہزار سات سو بیس حدیثیں منتخب کیں اور انھیں اپنی کتاب کی زینت بنا دیا - شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کہتے ہیں کہ "اگرچہ اس وقت بعض بڑے بڑے علماء اور فضلاء محققین نے احادیث کے مجموعے تالیف کیے تھے ، چنانچہ حضرت ابن جریج نے مکہ میں ، امام اوزاعی نے شام میں ، حضرت سفیان ثوری نے کوفہ

۱- امام ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی - ص ۱۷۶ ، ۱۷۷ -

۲- ہدی الساری مقدمہ فتح الباری : ابن حجر عسقلانی - ج ۱ ، ص ۴ -

میں ، حضرت ابو سلمہ نے بصرہ میں ، حضرت ہشیم نے واسط میں ، حضرت معمر نے یمن میں ، حضرت ابن مبارک نے خراسان میں ، حضرت جریر نے رے میں ، مقامی طور پر نہایت محنت سے کام کیا تھا مگر ان میں سے کسی ایک کے مجموعے کو بھی شہرت عام اور بقائے دوام کا درجہ حاصل نہ ہوا ، اور سب مجموعے جلد گوشۂ گمنامی میں چھپ گئے"[1] ۔

"مؤطا" کی تالیف کا محرک خلیفہ منصور عباسی ہے ، جس نے امام مالک سے درخواست کی تھی کہ جو احادیث ان کے نزدیک صحیح ہوں انھیں ایک کتاب میں یکجا کر دیا جائے ؛ چنانچہ امام مالک نے یہ کتاب تالیف کی اور اس کا نام مؤطا رکھا ۔ پروفیسر محمد ابوزہرہ مصری اس کی ایک اور وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مؤطا کے معنی پامال اور ہموار راستے کے ہیں ۔ جب آپ نے یہ کتاب تالیف کرکے اپنے شیوخ و اساتذہ کو دکھائی تو انھوں نے اس کی موافقت و تائید کی (فواطوہ علیہ) اسی لیے امام مالک نے اس کا نام المؤطا (موافقت شدہ) تجویز کیا" ۔ اس کی تائید میں وہ جلال الدین سیوطی کا حوالہ دیتے ہیں جنھوں نے اپنی شرح مؤطا کے مقدمہ میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے : "میں نے یہ کتاب مدینہ کے ستر (۷۰) فقہا کو دکھائی ۔ سب نے میری تائید کی ، اسی لیے میں نے اس کا نام مؤطا رکھا"[2] ۔

علما کی رائے ہے کہ آپ نے مؤطا کی ترتیب و تہذیب میں چالیس سال کا عرصہ صرف کیا ۔ امام سیوطی اپنی شرح مؤطا کے مقدمہ میں امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے امام مالک کو ان کی کتاب مؤطا چالیس دنوں میں سنائی ۔ فرمانے لگے ۔ "جس کتاب کو میں نے چالیس سال میں مرتب کیا تھا ، وہ تم نے چالیس دنوں میں پڑھ ڈالی ، تم نے اس کے مطالب و مندرجات کس قدر کم سمجھے ہیں"[3] ۔

۱- سیرۃ الرسول : محمد حسین ہیکل ۔ ترجمہ : محمد وارث کامل (مقدمہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ۔ ص ۔ ۔

۲- تاریخ حدیث و محدثین : ابو ترجمہ : غلام احمد حریری ص ۳۲۷ ، ۳۲۸ ۔

۳- ایضاً ص ۳ ۔

مؤطا کی احادیث کی صحیح تعداد کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ مؤطا کے نسخہ جات اور ان کے روایت کرنے والوں کا تنوع و اختلاف ہے۔ احادیث گننے والوں کے ہاتھ جو نسخہ آیا، اسی کو سامنے رکھ کر انھوں نے احادیث کی تعداد گنوا ڈالی۔ مثلاً ابن الھباب کہتے ہیں۔ "امام مالک نے ایک لاکھ احادیث روایت کی تھیں۔ ان میں سے موطأ میں دس ہزار حدیثیں جمع کیں۔ پھر کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر بدستور ان میں کانٹ چھانٹ کرتے رہے حتیٰ کہ پانچ سو احادیث باقی رہیں" ابوبکر ابھری لکھتے ہیں کہ احادیث مؤطا کی تعداد حسب ذیل ہے[1]:

احادیث نبویہ مع اقوال صحابہ و تابعین = ۱۷۲۰

اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے۔

۱۔ مرفوع احادیث	=	٦۰۰	
۲۔ مرسل روایات	=	۲۲۲	
۳۔ موقوف روایات	=	٦۱۳	کل تعداد = ۱۷۲۰
۴۔ اقوال تابعین	=	۲۸۵	

امام مالک کی اس کتاب کو آپ کے ایک ہزار سے زائد شاگردوں نے روایت کیا ہے، اسی لیے اس کے نسخوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ مؤطا کے نسخہ جات کی تعداد یوں تو بہت زیادہ ہے، لیکن ان میں سے تیس نسخے اور بعض روایات کے مطابق بیس نسخے زیادہ مشہور ہوئے۔ جلال الدین سیوطی نے ان کی تعداد مزید گھٹا کر چودہ کر دی ہے۔ جن میں سے یحییٰ بن یحییٰ لیثی اندلسی، مدینہ کے قاضی ابن مصعب احمد بن ابی بکر، امام ابو حنیفہ کے شاگرد محمد بن حسن شیبانی، ابن بکیر اور ابن وہب کے نسخہ جات کا ذکر عام ملتا ہے۔ سب سے زیادہ یحییٰ بن

---

۱ تاریخ حدیث و محدثین : محمد ابو زہرہ مصری۔ ترجمہ غلام احمد حریری ص ۳۳۱ اور علوم الحدیث : صبحی صالح، ترجمہ غلام احمد حریری ص ۳۸۹۔

یحیٰی لیثی اندلسی مصمودی کی روایت مشہور ہے ، جنھوں نے یہ کتاب خود امام مالک سے پڑھی تھی ۔

بعض علماء نے صحاح ستہ کے ساتھ مؤطا کو شامل کر کے حدیث کی ان سات کتابوں کو بنیادی کتبِ احادیث قرار دیا ہے اور بعض مؤطا کی بجائے "سنن دارمی" کو یہ اعزاز عطا کرتے ہیں ۔ امام ابن حزم اور امام شافعی نے مؤطا کی بے حد تعریف کی ہے ۔ امام شافعی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ "روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں"[1] ۔ تاہم بعض شافعی علماء نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ امام موصوف کا یہ ارشاد امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں کے عالمِ وجود میں آنے سے پہلے تھا ۔ شاہ ولی اللہ بھی موطا کو حدیث کی تمام کتابوں میں مقدم اور افضل جانتے ہیں اور انھوں نے اپنی کتاب مصفٰی ، شرح مؤطا کے مقدمہ میں اپنی ترجیح کی وجوہات بھی گنوائی ہیں لیکن ان کے بعض دلائل سے علماء نے اتفاق نہیں کیا ۔ سید سلیمان ندوی نے بھی "کشف الظنون" کے حوالے سے "حیات امام مالک" میں مؤطا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مؤطا کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب ہے" سید موصوف نے صاحب کشف الظنون کے اس بیان سے ملتے جلتے قاضی ابوبکر بن عربی (متوفی ۵۴۷ھ) اور حضرت سفیان کے بیانات بھی نقل کیے ہیں ، جن کے مطابق مؤطا ، شریعت اسلامیہ کے بارے میں لکھی ہوئی کتابوں میں اولیت کا شرف رکھتی ہے[2] ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر "کتاب الآثار" سے قطع نظر کیا جائے تو یہ آراء بڑی حد تک درست ہیں ۔

مسند احمد بن حنبل

احادیث نبوی کا سب سے بڑا مجموعہ "مسند امام احمد بن حنبل" ہے امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ — ۲۴۱ھ) نے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے چالیس ہزار کے قریب حدیثیں اپنے مجموعہ میں شامل کیں ، جن میں دس

۱- تزیین الممالک بمناقب الامام مالک : امام سیوطی ۔ ص ۴۳ ۔

۲- حیات امام مالک : سید سلیمان ندوی ۔ ص ۱۰ ۔

ہزار مکرر ہیں ۔ کتاب کی ترتیب اس طرح کی ہے کہ وہ ایک ہی صحابی سے مروی روایات ایک باب میں جمع کرتے ہیں ۔ مثلاً انھوں نے حضرت ابوبکر کی روایت کردہ تمام احادیث کو ، موضوع و مبحث کے اختلاف کے باوجود ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے اور یہی روش دیگر اصحاب کی روایات کے سلسلے میں بھی اختیار کی ہے[1] ۔ گویا کتب احادیث کی مقبول عام روش کے مطابق انھوں نے فقہی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی ۔

امام احمد بن حنبل کی یہ کتاب ۱۸ مسندوں اور ۱۷۲ بابوں پر محیط ہے ۔ پہلی مسند عشرہ مبشرہ کی روایات پر مشتمل ہے ۔ امام موصوف چاہتے تھے کہ اپنی مسند کو صحیح احادیث کا اتنا بڑا مجموعہ بنا جائیں کہ جب کبھی کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہو ، تو اُن کی تالیف کی طرف رجوع کیا جا سکے ؛ چنانچہ آپ کے بیٹے عبداللہ بن احمد کہتے ہیں :

"میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کتابوں کی تصنیف کو کیوں ناپسند کرتے ہیں ، حالانکہ آپ نے خود بھی مسند تالیف کی ہے ۔ اس پر فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کو امام بنایا ہے کہ جب لوگ رسول اللہ کی کسی سنت میں اختلاف کریں تو اس کی طرف رجوع کیا جائے ۔"[2]

خود آپ کے بھتیجے حنبل بن اسحاق کی روایت ہے کہ عم محترم (امام احمد بن حنبل) نے مجھے اور اپنے دونوں بیٹوں صالح اور عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی ۔ ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام و کمال نہیں سنا ہے اور پھر ہم سے فرمایا کہ اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ سے زائد روایتوں سے انتخاب کر کے جمع کیا ہے ، سو رسول اللہ کی کسی حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو ، تو وہ اس کتاب طرف رجوع کریں ۔ اگر اس میں وہ روایت مل جائے ، تب تو خیر ، وگرنہ وہ حجت نہیں ۔ یعنی اُس حدیث کو غیر معتبر

۱۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام : ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی ۔ ترجمہ غلام احمد حریری ، ص ۶۲۱ ۔

۲۔ خصائص المسند : حافظ ابو موسیٰ مدائینی ۔ ص ۸ ۔

خیال کریں ۔"[۱]

امام احمد بن حنبل اپنی اس خواہش کو پایہ' تکمیل تک نہ پہنچا سکے ،کیونکہ ابھی آپ نے چالیس ہزار حدیثیں ہی جمع کی تھیں کہ آپ انتقال کر گئے ۔ یہ احادیث فرد فرد تھیں اور انھیں آپ کے بعد آپ کے بیٹے عبداللہ نے مرتب کیا ، جنھوں نے دوران ِ تدوین دس ہزار مزید روایات کا اضافہ کر دیا ۔ اسی طرح عبداللہ سے روایت کرنے والے احمد بن جعفر بن ابو بکر قطعی نے بھی مسند میں اضافے کئے ہیں[۲] ۔ بعد ازاں حافظ ابو بکر محمد بن عبداللہ مقدسی حنبلی نے مسند کو حروف ِ تہجی کے مطابق مرتب کیا ۔

اس کتاب کے ناتمام رہ جانے کے بارے میں حافظ ابوالخیر شمس الدین جزری کہتے ہیں :

"امام احمد نے اس مسند کو جمع کرنا شروع کیا تو اس کو علیٰحدہ علیٰحدہ اوراق میں رکھا ، جس طرح کہ مسودہ ہوا کرتا ہے پھر حصول ِ مقصد سے پہلے آپ کی وفات ہو گئی ۔ آپ نے اس کتاب کو اپنی اولاد اور اہل ِ خاندان کو سنانے میں بڑی عجلت سے کام لیا اور اس کی تنقیح و تہذیب سے پہلے ہی انتقال کر گئے اور کتاب اسی حال میں دھری رہ گئی ۔"[۳]

بہرحال مسند احمد بن حنبل کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ صحیح احادیث کا اس سے بڑا اور کوئی مجموعہ نہیں ۔ تاہم یہ بھی امر واقعہ ہے کہ احادیث ِ صحیحہ کی ایک بڑی تعداد پھر بھی اس میں درج ہونے سے رہ گئی ۔ اس کمی کو صحاح ستہ نے پورا کیا ۔

۱- مناقب ِ احمد بن حنبل : ابن جوزی ، ص ۱۹۱ ، ۱۹۲ اور حصائص المسند : حافظ ابو موسیٰ مدائینی ، ص ۹ ۔

۲- علوم الحدیث : ڈاکٹر صبحی صالح ۔ ترجمہ : غلام احمد حریری ، ص ۹۹م ۔

۳- المصعد الاحمد فی ختم مسند الامام احمد : حافظ ابوالخیر شمس الدین جزری ، ص ۲۵ ۔

صحاح ستہ

صحاح ستہ ، اُن چھ کتابوں کو کہا جاتا ہے ، جو احادیث نبوی کے بہترین انتخاب پر مشتمل ہیں ۔ یہ کتابیں اپنے مؤلفین کے نام سے مشہور ہیں ، یعنی (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابو داؤد (۴) نسائی (۵) ترمذی (۶) ابن ماجہ ۔ صحاح ستہ سے پہلے ارشادات رسولؐ کے جتنے مجموعے مرتب ہوئے ، ان کی تدوین کسی معین اصول کے مطابق نہیں ہوئی ۔ پھر ان کتب حدیث میں صحیح ، حسن اور ضعیف ہر قسم کی احادیث جمع کر دی گئی تھیں اور ایک عام قاری کے لیے مستند روایت کا چھانٹنا مشکل ہو گیا تھا ۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں ایک موضوع سے متعلق احادیث یکجا نہیں مل سکتی تھیں ۔ دراصل آن احادیث کے جامعین نے صرف یہ مقصد پیش نظر رکھا تھا کہ کسی نہ کسی طرح احادیث نبوی کو محفوظ کر لیا جائے اور اپنے اس مقصد میں وہ کامیاب ہوئے ، لیکن اب ضرورت تھی کہ نہ صرف اس سارے ذخیرے کی چھان پھٹک کی جائے اور انتخاب و اختصار سے کام لیا جائے بلکہ ان احادیث کو فقہی ابواب کی صورت میں مرتب کیا جائے ، تاکہ کسی ایک موضوع پر سارا سواد یکجا مل سکے ۔ یہ کام صحاح ستہ کے مرتبین نے کیا ؛ چنانچہ انھوں نے نہ صرف ایسی احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا ، جن کی اسانید صحیح تھیں ، بلکہ اس ذخیرے کو فقہ و سیر اور تفسیر وغیرہ ابواب میں منقسم کیا ۔[۱]

کتب صحاح میں بخاری ، مسلم ، ابو داؤد ، ترمذی ، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں لیکن بعض علماؒ نے ابن ماجہ کی بجائے مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے ۔ مثلاً محدث رزین اور ابن الاثیر کی رائے یہی ہے ۔ ادھر حافظ ابن حجر عسقلانی "دارمی" کو کتب صحاح میں شمار کرتے ہیں ۔ جہاں کہیں "الکتب الخمسہ" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے ، وہاں ابن ماجہ کے علاوہ باقی کتب صحاح مراد لی جاتی ہیں ۔

۱۔ تاریخ حدیث و محدثین : محمد ابو زہرہ ، اردو ترجمہ ، غلام احمد حریری ، ص ۵۰۹ ۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں ذکرِ احادیث کے دوران رواۃ الخمسہ کہا جاتا ہے ، وہاں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو بخاری ، مسلم، ابو داؤد ، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ صحیحین کا اطلاق بالعموم بخاری اور مسلم پر ہوتا ہے ، بخاری اور مسلم کو "شیخین" اور دونوں کی روایتِ حدیث کو "متفق علیہ" کہتے ہیں ۔

ویسے تو صحتِ روایت کی بنا پر مذکورہ بالا چھ کتابوں کو صحاح کہا جا سکتا ہے ، لیکن عام طور پر بخاری اور مسلم کے ساتھ لفظ صحیح استعمال ہوتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سننِ اربعہ یعنی ترمذی ، ابو داؤد نسائی اور ابنِ ماجہ کا درجہ صحیحین (بخاری و مسلم) ، سے کم تر ہے اور ان میں باریک بینی اور ضبط کی بھی کمی ہے[1] ۔

ڈاکٹر صبحی صالح کے بقول "کتبِ صحاح ستہ میں سے ہر کتاب اپنی الگ خصوصیات رکھتی ہے ۔ جو شخص فقیہ بننا چاہتا ہے وہ صحیح بخاری کا مطالعہ کرے ۔ جو قلتِ تعلیقات (بے سند حدیث کو تعلیق کہتے ہیں) کا خواہاں ہو ، وہ صحیح مسلم کا ہو رہے ، جو علم حدیث میں زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہو ، وہ جامع ترمذی کا مطالعہ کرے ، احادیث احکام کے لیے ابو داؤد کا مطالعہ مفید ہوگا ۔ جو فقہی ابواب کی حسنِ ترتیب کا شائق ہو وہ ابنِ ماجہ پڑھے ۔ جہاں تک نسائی کا تعلق ہے اس میں اکثر ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں ۔"[2]

پھر صحیحین میں بھی بخاری کو مسلم پر ترجیح دی گئی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے روایتِ حدیث کے لیے دو شرائط مقرر کی ہیں (۱) حدیث کا راوی اپنے شیخ کا معاصر ہو (۲) اس کا سماع بھی ثابت ہو ۔ اس کے مقابلے میں امام مسلم صرف معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں اور سماع کے تاریخی ثبوت کو ضروری خیال نہیں کرتے ۔[3]

۱۔ علوم الحدیث : ڈاکٹر صبحی صالح ۔ ترجمہ : غلام احمد حریری ۔ ص ۱۵۲ ، ۱۵۳ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۱۵۴ ۔

۳۔ اختصار علوم الحدیث : ابنِ کثیر ، ص ۲۲ ۔

صحیح بخاری

امام بخاری (۱۹۴ھ — ۲۵۲ھ) کے مجموعۂ احادیث کا نام "الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی علیہ وسلم و سنتہ و ایامہ" ہے ، لیکن یہ صحیح بخاری کے نام سے زیادہ معروف ہے ۔ اس کی تدوین کے بارے میں خود امام بخاری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے استاد امام اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ دورانِ گفتگو انھوں نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا : "کاش تم رسول اللہ کی صحیح سنن کے بارے میں مختصر سی کتاب جمع کر دیتے" یہ خطاب اگرچہ تمام حاضرینِ محفل سے تھا ۔ لیکن امام بخاری کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات اتر گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع کر دیا[1] ۔

امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث میں سے ۷۲۷۵ کا انتخاب کر کے سولہ سال کی مدت میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے مقدمہ میں صحیح بخاری کی احادیث کی کل تعداد ۹۰۸۲ بتائی ہے جس میں مکررات ، تعلیقات اور متابعات سب شامل ہیں ۔ صحیح بخاری میں سے اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو متصل و مرفوع احادیث کی تعداد ۲۶۰۲ ہے اور احادیثِ معلقہ مرفوعہ ۱۵۹ ہیں ۔ البتہ حافظ ابن حجر نے یہ نہیں بتایا کہ صحیح بخاری میں اقوالِ صحابہ و تابعین کی تعداد کیا ہے ؟ جو انھوں نے تائیداً درج کیے ہیں ۔ ان کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ "میں نے کتاب الصحیح میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہیں کی جب تک کہ لکھنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز نفل ادا نہیں کی اور اس کی صحت کا پورا یقین نہیں کر لیا ۔ حافظ ابن حجر بتاتے ہیں کہ آپ نے کتاب کی تصنیف کا آغاز بیت الحرام میں کیا اور اس کے ابواب و تراجم مسجدِ نبوی میں منبر شریف اور روضۂ اقدس کے درمیان بیٹھ کر لکھے[2] ۔ حافظ ابو جعفر عقیلی نے وضاحت کی ہے کہ جب امام بخاری نے کتاب الصحیح تصنیف فرمائی تو آسے مشہور

۱۔ شروط الائمۃ الخمسۃ : بکر حازمی ، ص ۵۱ ۔
۲۔ مقدمہ فتح الباری : ۔۔ حر عسقلانی ، ج ۲ ، ص ۴۹ ۔

محدثین احمد بن حنبل ، علی بن المدائینی ، یحیٰی بن معین وغیرہ کی خدمت میں پیش کیا تو سب حضرات نے اس کی تعریف کی اور اس کی احادیث کو صحیح قرار دیا ۔ البتہ چار احادیث کے بارے میں کہا کہ وہ صحیح نہیں ہیں ۔ حافظ عقیلی کہتے ہیں کہ وہ چار احادیث بھی صحیح ہیں اور ان کے بارے میں امام بخاری کا قول درست ہے ۔

امام بخاری نے اپنے مجموعہ احادیث میں صرف انہیں احادیث کو جگہ دی ہے جو صحیح اور متصل سند کے ساتھ رسولِ کریمؐ تک پہنچ جاتی ہیں اور ان کے رواۃ و رجال ، ضبط و عدالت کی صفات کے حامل ہیں ۔ یوں دیکھا جائے تو صحیح بخاری ، ارشادات نبوی کی وہ پہلی کتاب ہے جو علمِ حدیث کے اصولوں کے مطابق مرتب ہوئی ہے اور جس کا دامن ضعیف اور حسن روایات تک سے پاک ہے کیونکہ اس کے مرتب نے صرف احادیث صحیحہ کو جمع کیا ہے ۔ ڈاکٹر صبحی صالح کے بقول "امام بخاری نے اپنی صحیح کے عنوانات ایک خاص طریقے سے مرتب کیے ہیں جس سے ان کی وسعتِ علم اور مہارتِ فقہ کا ثبوت ملتا ہے ۔ وہ باب کا آغاز قرآنی آیات سے کرتے اور ان سے فقہی احکام کا استنباط کرتے ہیں ۔"[1]

امام بخاری سے اس کتاب کو نوے ہزار آدمیوں نے سنا تھا ، لیکن ان کے جن شاگردوں سے صحیح بخاری کا سلسلہ آگے چلا ، وہ درجِ ذیل چار اشخاص ہیں ۔ (۱) ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی (متوفی ۲۹۰ھ) (۲) حماد بن شاکر النسفی (متوفی ۳۱۱ھ) (۳) محمد بن یوسف الفربری (متوفی ۳۲۰ھ) (۴) ابو طلحہ منصور بن محمد بن علی بزدوی (متوفی ۳۲۹ھ) ۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اپنا سلسلۂ سند ان چاروں حضرات تک بیان کر دیا ہے ۔[2]

صحیح بخاری کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں ۔ صرف کشف الظنون

۱۔ علوم الحدیث : ڈاکٹر صبحی صالح ۔ ترجمہ ۔ غلام احمد حریری ۔ ص ۱۵۰ ۔

۲۔ مقدمہ فتح الباری : حافظ ابنِ حجر عسقلانی : ج ۱ ، ص ۴ ۔

میں ۸۲ شروح کا ذکر ہے[1] ، جن میں بہترین شرح حافظ ابن حجر عسقلانی کی "فتح الباری" ہے ۔ قسطلانی کی شرح"ارشاد الساری" اور عینی کی شرح "عمدۃ القاری" کا درجہ "فتح الباری" کے بعد بتایا جاتا ہے[2] ۔ بدرالدین زرکشی (۷۹۴ھ) کی شرح "التنقیح" اور جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) کی شرح "الترشیح" بخاری کی مشہور شروح میں شمار ہوتی ہیں[3] ۔

حافظ ذہبی نے صحیح بخاری کو کتاب اللہ کے بعد بہترین کتاب قرار دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے ۔ یہی وہ کتاب ہے جو قرآن کے بعد احوال و اقوال و اعمال رسول اللہ کی مستند ترین تالیف ہے ۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے مکتوبات میں درج ذیل الفاظ میں صحیح بخاری اور اس کے مرتب کو خراج تحسین پیش کیا ہے :

"جاننا چاہیے کہ امام بخاری دو سو سال کے بعد نمودار ہوئے اور ان سے پیشتر علماء ، علوم دینیہ میں مختلف فنون کے اندر تصانیف کر چکے تھے ۔ مثلاً امام مالک اور سفیان ثوری نے فقہ میں تصنیف کی تھی اور ابن جریج نے تفسیر میں اور ابو عبید نے غریب قرآن میں اور ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیر میں اور عبداللہ بن مبارک نے زہد و مواعظ میں اور کسائی نے بدؤالخلق اور قصص الانبیاء میں اور یحییٰ بن معین نے صحابہ و تابعین کے حالات میں ، نیز متعدد علماء نے فن رؤیا ، ادب ، طب ، شمائل ، اصول حدیث ، اصول فقہ ، اور رد متبدعین مثلاً رد جہمیہ پر رسائل موجود تھے ۔ امام بخاری نے ان تمام مدون علوم پر غور کیا اور جزئیات و کلیات کی تنقید کی ۔ پھر ان علوم کا ایک حصہ کہ جس کو انہوں نے بصراحت اور بدلالت ان صحیح حدثیوں میں پایا کہ جو بخاری کی شرط پر صحیح تھیں ، اسے اپنی کتاب میں درج کر لیا تاکہ ان علوم کی بنیادی چیزوں کے متعلق مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی حجت قاطع موجود رہے کہ

۱۔ علامہ عبدالسلام مبارکپوری نے اپنی کتاب "سیرت البخاری" میں "صحیح بخاری" کی ایک سو سے زائد شروح کا ذکر کیا ہے ۔

۲۔ علوم الحدیث : ڈاکٹر صبحی صالح ۔ ترجمہ ۔ غلام احمد حریری ۔ ص ۱۰۵ ۔

۳۔ حدیث رسول کا تشریعی مقام : ڈاکٹر مصطفٰی سباعی ۔ ترجمہ ۔ غلام احمد حریری ص ۶۲۸ ۔

جس میں تشکیک کا دخل نہ ہو ۔"[1]

یوں امام بخاری نے اپنی کتاب میں مذکورہ بالا مختلف فنون کو اختصار کے ساتھ اس طرح جمع کیا کہ وہ صحیح معنوں میں ایک جامع کا درجہ اختیار کر گئی ۔ پھر انھوں نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث کا ایسا کڑا انتخاب کیا کہ اس سے بہتر انتخاب مشکل تھا ۔ چھ لاکھ احادیث کا پیش نظر ہونا ، ایک لاکھ احادیثِ صحیحہ اور دو لاکھ احادیثِ غیر صحیحہ زبانی یاد ہونا اور رد و قبول میں سولہ سال کا عرصہ گذر جانا — سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ امام بخاری نے اپنی ذمے داری کو کس احتیاط کے ساتھ نبھایا ہے ۔ اس سے یہ غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیے کہ جن احادیث کو امام موصوف نے شاملِ کتاب نہیں کیا وہ سب کی سب غیر صحیح ہیں ۔ حافظ ابن عدی بسندِ متصل امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ "میں نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں صرف وہی حدیثیں داخل کی ہیں جو صحیح ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ کتاب طویل نہ ہو جائے ۔"[2]

صحیح مسلم

امام مسلم بن حجاج قشیری نیشا پوری (م ۲۰۲ھ — ۲۶۱ھ) کی مرتبہ کتاب جو "صحیح مسلم" کے نام سے معروف ہے ، صحیح بخاری کے بعد صحت کے اعتبار سے مشہور ترین تالیف ہے اسے امام موصوف نے پندرہ سال کی محنت شاقہ کے بعد تین لاکھ روایات میں سے بارہ ہزار احادیث کا انتخاب کرکے مرتب کیا ۔ محدث حاکم نیشاپوری نے سند کے ساتھ خود امام مسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنی جامع صحیح کا انتخاب تین لاکھ ایسی احادیث میں سے کیا ہے ، جو انھوں نے اپنے شیوخ سے براہ راست سنی تھیں ۔ یاد رہے کہ یہ صرف ان روایات کی تعداد ہے جو آپ نے خود سنی تھیں ، ورنہ جہاں تک آپ کی معلومہ احادیث کا

۱- کلماتِ طیبات : ص ۱۷۰ (مکتوبات ، بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث : عبدالرشید نعمانی ۔ ص ۲۱۲ ۔

۲- مقدمہ فتح الباری : حافظ ابن حجر عسقلانی ۔ ج ۱ ، ص ۵ ۔

تعلق ہے ، اُن کی تعداد یقیناً ان سے دوگنی ہے - یہاں یہ بتانا بھی بے محل نہ ہوگا کہ یہ تعداد طرق و اسانید کی ہے ، متون کی نہیں - اس کتاب کے مرتب نے از راہ احتیاط صرف وہی احادیث شامل کی ہیں جن کی صحت پر اُن کے زمانے کے شیوخ کو بھی پوری طرح اعتماد تھا ؛ چنانچہ امام مسلم خود کہتے ہیں کہ "ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی ، اُس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا ، میں نے تو یہاں صرف اُن حدیثوں کو درج کیا ہے جن کی صحت پر شیوخ وقت کا اجماع ہے"[1] -

صحیح مسلم کی احادیث کی تعداد بارہ ہزار بتائی گئی ہے جو مکر رات سمیت ہے ، لیکن اگر مکررات کو شمار میں نہ لایا جائے تو صحیح مسلم کی کل حدیثوں کی تعداد چار ہزار کے قریب ہوتی ہے[2] -

امام مسلم نے احادیث کی ترتیب کا ایک خاص انداز اختیار کیا ہے - انھوں نے ابتداءً عنوانات مقرر نہیں کیے تھے- یہ کام شارح مسلم امام نووی نے کمال محنت سے انجام دیا اور یوں صحیح مسلم سے استفادہ کرنا سہل ہو گیا ہے -

امام مسلم کو اپنی تالیف پر بجا طور پر فخر تھا ؛ چنانچہ انھوں نے دعویٰ کیا کہ "اگر محدثین دو سو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں ، تب بھی ان کا دارومدار اسی مسند یعنی صحیح مسلم پر رہے گا"[3] اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام موصوف اپنے دعویٰ میں سچے تھے - اُن کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کتاب مکمل کرنے کے بعد حافظ ابو زرعہ کے پاس لے گئے جو اپنے دور میں علم الحدیث اور فن جرح و تعدیل کے امام تصور کیے جاتے تھے اور اُن کے مشورے پر امام مسلم نے ہر اس روایت کو کتاب میں سے خارج کر دیا جس کی کسی خامی کی طرف انھوں نے اشارہ کیا تھا -

---

۱- صحیح مسلم : امام مسلم - باب التشہد فی الصلٰوۃ -
۲- تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی : حافظ سیوطی - ص ۳۰ ،
اختصار علوم الحدیث : ابن کثیر - ص ۲۵ -
۳- مقدمہ شرح صحیح مسلم : امام نووی -

امام مسلم ، امام بخاری کے شاگرد تھے اور صحیح مسلم کی تالیف کے وقت اُن کے سامنے صحیح بخاری کا نمونہ موجود تھا - یہی وجہ ہے کہ کتاب کی ترتیب کے وقت انھوں نے ان خامیوں سے دامن بچایا ، جن کے مرتکب امام بخاری ہو چکے تھے ؛ چنانچہ بقول ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی "بعض فنی امور کے اعتبار سے جن کا تعلق تالیف و ترتیب کے ساتھ ہے ، صحیح مسلم کو بخاری کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے مثلاً یہ کہ امام مسلم کسی حدیث کو اجزاء میں تقسیم نہیں کرتے اور نہ ہی سند کو مکرر لاتے ہیں - بخلاف ازیں امام مسلم پوری حدیث ایک ہی جگہ نقل کر دیتے ہیں - مزید برآں اس حدیث کے جتنے مختلف طرق و اسانید ہیں اور جن مختلف الفاظ کے ساتھ وہ مروی ہوتی ہے وہ سب یکجا کر دیتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ طالب علم کے لیے صحیح مسلم سے اخذ و استفادہ صحیح بخاری کی نسبت آسان تر ہے"[۱] -

صحیح مسلم کی بہت سے علماء نے شروح لکھی ہیں - صاحب کشف الظنون کے بیان کے مطابق ان کی تعداد پندرہ ہے لیکن اب یہ تیس سے تجاوز کر چکی ہے - ان میں سب سے زیادہ مشہور شرح حافظ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی (متوفی ۶۷۶ھ) کی ہے - اس کی روایت آپ کے شاگرد ابراہیم بن محمد بن سفیان (متوفی ۳۰۸ھ) نے کی ہے ، چنانچہ امام نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ "اور اسناد متصل کے ساتھ امام مسلم سے اس کی مسلسل روایت کا سلسلہ ان بلاد میں اور ان زمانوں میں صرف ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان کی روایت پر منحصر ہے"- بلاد مغرب میں امام مسلم کے ایک اور شاگرد ابو محمد احمد بن علی قلانسی نے بھی صحیح مسلم کی روایت کا سلسلہ جاری کیا ، لیکن وہ مغرب کی حدود سے باہر نہ نکل سکا[۲] -

بہرحال یہ بات طے ہے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) اس دنیا میں

۱- حدیث رسول کا تشریعی مقام : ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی - ترجمہ غلام احمد حریری - ص - ۶۳۰ -

۲- امام ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی - ص ۲۱۷ ، اور حدیث رسول کا تشریعی مقام ، مصطفیٰ سباعی - ص ۶۳۰ -

قرآن مجید کے بعد واقعی صحیح ترین کتابیں ہیں ، جو آنحضرتؐ کے احوال ، اقوال اور اعمال کی جامع ہیں -

سنن ابوداؤد

صحاح ستہ کی تیسری کتاب "السنن" ہے - جسے امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحٰق اسدی سجستانی (۲۰۲ھ — ۲۷۵ھ) نے پانچ لاکھ احادیث میں سے منتخب کرکے مرتب کیا - حافظ منذری نے "مقدمہ تلخیص سنن ابی داؤد" میں امام ابو داؤد کا یہ بیان نقل کیا ہے : "میں نے رسول اللہ کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں ، جن میں سے ان روایات کا انتخاب کیا ہے جو اس کتاب میں درج کی ہیں"۔ اس کتاب میں کل چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں اور سب کی سب احکام پر مشتمل ہیں[1] -

دراصل امام ابو داؤد پر فقہی ذوق کا غلبہ تھا ، اسی لیے انھوں نے فقہی احکام و مسائل پر مبنی احادیث کو بطور خاص جمع کیا ؛ چنانچہ دیگر کتب صحاح کی طرح آن کے ہاں زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کی احادیث موجود نہیں ہیں - بہرحال اس کتاب میں فقہی احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ امام غزالی کے بقول "علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے[2] ؛ چنانچہ فقہا نے احکام کی اساس احادیث نبویؐ پر رکھتے ہوئے ابو داؤد کی سنن سے بے پناہ فائدہ اٹھایا ہے -

محمد ابو زہرہ "تاریخ حدیث و محدثین" میں لکھتے ہیں کہ "ابو داؤد نے تراجم ابواب مقرر کرنے میں بڑی دانشمندی سے کام لیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف علماء کے مذاہب و مسالک اور ان کے دلائل و براہین سے بخوبی آگاہ تھے - کسی امام نے حدیث سے جو مسئلہ استنباط کیا ہے ، ابو داؤد نے اسی مسئلہ کو باب کا عنوان مقرر کیا ہے - احادیث احکام

۱- مقدمہ تلخیص سنن ابی داؤد : حافظ عبدالعظیم منذری (برحاشیہ غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد) -

۲- فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث : حافظ شمس الدین سخاوی - ص ۲۸ -

کی جامع ہونے کی وجہ سے فقہا' میں اس کتاب کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ۔"[1]

بتایا جاتا ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی کتاب "السنن" کو اپنی جوانی کے زمانے میں ہی مکمل کر لیا تھا ۔ اُس وقت آپ کے استاد امام احمد بن حنبل ابھی زندہ تھے ؛ چنانچہ جب امام ابو داؤد نے اپنی کتاب آن کی خدمت میں پیش کی تو امام موصوف نے نہ صرف اسے پسند کیا بلکہ دل کھول کر اس کی تعریف کی ۔[2]

حال ہی میں شیخ کوثری کے تحشیہ اور تعلیق کے ساتھ امام ابو داؤد کا وہ مکتوب شائع ہوا ہے جو انھوں نے اہلِ مکہ کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے ۔ اس میں انھوں نے اپنی کتاب "سنن ابی داؤد" کے طریقِ تالیف اور انتخابِ احادیث کے مخصوص طریقِ کار پر بڑی صراحت سے روشنی ڈالی ہے ۔[3]

سنن ابی داؤد کو آپ کے کئی شاگردوں نے روایت کیا ، جن میں ابو علی محمد بن احمد عمر لؤلؤی کے نسخے کو سندِ پسندیدگی حاصل ہوئی ۔

سننِ ابو داؤد کی بھی اہلِ علم نے بکثرت شروح تحریر کی ہیں جن میں ابو سلیمان خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) کی "معالم السنن" نے زیادہ شہرت پائی ۔ ان کے علاوہ قطب الدین یمنی شافعی (متوفی ۶۵۲ھ) نے چار جلدوں میں اس کتاب کی شرح لکھی ۔ شہاب الدین رملی (متوفی ۸۴۸ھ) نے بھی سنن ابو داؤد کی شرح تحریر کی ۔ حافظ عبدالعظیم منذری (متوفی ۶۵۶ھ) نے ابوداؤد کا خلاصہ لکھا اور حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس خلاصہ میں مزید کانٹ چھانٹ کی ۔ احادیث کے جن علل کو منذری بیان نہیں کرسکے تھے ابنِ قیّم نے ان کی وضاحت کی اور مشکل مقامات کی توضیح کی[4] ۔ دورِ حاضر

۱۔ تاریخ حدیث و محدثین : محمد ابو زہرہ ۔ ترجمہ غلام احمد حریری ۔ ص ۵۵۲ ۔

۲۔ مقدمہ تلخیص سنن ابی داؤد : حافظ منذری ۔ ص ۵ اور تذکرۃ الحفاظ : حافظ شمس الدین ذہبی (ترجمہ : امام ابی داؤد) ۔

۳۔ امام ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی ۔ ص ۲۲۱ تا ۲۲۳ ۔

۴۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ ۔ ج ۱ ، ص ۴۷۸ ۔

میں شیخ محمود خطاب نے ابو داؤد کی مفصل شرح تحریر کی[1] -

سننِ نسائی

اس کتاب کے مؤلف امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (۲۱۵ھ - ۳۰۳ھ) ہیں - یہ کتاب بھی صحاح ستہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے - امام نسائی نے ابتداءً حدیث کی ایک ضخیم کتاب "السنن الکبریٰ" کے نام سے مرتب کی تھی ۔ جسے انھوں نے امیرِ رملہ (فلسطین) کے سامنے پیش کیا - امیر نے پوچھا کہ اس میں مندرج تمام احادیث صحیح ہیں ؟ امام نسائی نے کہا "نہیں - اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں -" امیر نے کہا پھر میرے لیے آپ ان احادیث کو منتخب کر دیں ، جو بالکل صحیح ہیں ؛ چنانچہ امام نسائی نے "السنن الکبریٰ" میں سے صحیح احادیث کا انتخاب کیا اور اس کا نام "المجتبیٰ" رکھا - اسے "السنن الصغریٰ" بھی کہا جاتا ہے - آج کل جو کتاب "سنن نسائی" کے نام سے معروف ہے ، وہ یہی "المجتبیٰ" ہے[2] -

امام نسائی کے پیشِ نظر پانچ لاکھ احادیث تھیں ، لیکن ان کی روایات کی تعداد ۵۷۶۱ ہے -[3] انھوں نے بھی امام بخاری اور امام مسلم کی طرح صحیح سند والی روایات درج کی ہیں - یہی وجہ ہے کہ سنن نسائی کو بخاری و مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع قرار دیا جاتا ہے - اس کے ساتھ نسائی اپنی تدوینی و ترتیبی خوبیوں کی وجہ سے بھی ممتاز ہیں - چنانچہ حافظ ابو عبداللہ بن رشید (متوفی ۷۲۱ھ) کا بیان ہے کہ "یہ کتاب علم سنن میں تالیف کردہ کتابوں میں تصنیف کے لحاظ سے انوکھی اور ترتیب کے اعتبار سے بہترین ہے - یہ بخاری و مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے ، نیز عللِ حدیث کے بھی ایک خاصے حصے کا اس میں بیان آ گیا ہے -"[4] بعض

۱- حدیثِ رسول کا تشریعی مقام : ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی - ترجمہ غلام احمد حریری - ص ۶۳۳ -

۲- تاریخِ حدیث و محدثین : محمد ابو زہرہ - ص ۵۵۰ -

۳- تذکرۃ المحدثین : غلام رسول سعیدی - ص ۳۱۰ -

۴- زہر الربیٰ علی المجتبیٰ : امام سیوطی (مقدمہ) اور فتح المغیث : شمس الدین سخاوی - ص ۱۲ -

علماء کے نزدیک یہ کتاب افادیت میں بخاری و مسلم دونوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ امام نسائی نے نہ صرف ان کی طرح روایات کو جمع کیا ہے بلکہ فنونِ حدیث کو بھی بیان فرمایا ہے ۔ اسی لیے بعض مغربی محدثین نے اسے صحیح بخاری سے بھی بہتر قرار دیا ہے ۔ محدث ابن احمر نے اپنے مکی مشائخ سے یہاں تک روایت کیا ہے کہ سننِ نسائی ، علمِ حدیث کی تمام تصانیف میں افضل ہے اور یہ کتبِ اسلامیہ میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتی[1] ۔

موجودہ سننِ نسائی بالاتفاق امام نسائی کی تصنیف ہے ، لیکن حافظ ذہبی نے اسے ان کے شاگرد ابن السنی سے منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے ہی سنن کبریٰ کا اختصار کیا اور اس کا نام "المجتبیٰ" رکھا ۔ یہ بیان درست نہیں ہے ۔ ابن الاثیر نے "جامع الاصول" میں ، حاجی خلیفہ نے " کشف الظنون" میں اور حافظ سیوطی ، ملا علی قاری ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز نے اپنی اپنی تصانیف میں امیر رملہ کی فرمائش کا واقعہ بیان کر کے گویا ثابت کر دیا ہے کہ امام نسائی نے "سنن کبریٰ" کا اختصار خود کیا تھا[2] ۔

امام نسائی نے اپنی سنن کی ترتیب و تالیف میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اکثر کتبِ صحاح کے اسالیب کا جامع ہے ۔ انھوں نے امام بخاری کی طرح ایک حدیث کو متعدد ابواب میں درج کر کے اس سے مختلف مسائل کا اثبات کیا ہے ۔ امام مسلم کے طرز پر ایک حدیث کے تمام طرق کو اختلافِ الفاظ کے ساتھ ۔ ۔ ۔ روایت کر کے ایک جگہ جمع کیا ہے ۔ امام ابو داؤد کے انداز پر صرف احکام فقہ سے متعلق احادیث کی تدوین کی ہے اور امام ترمذی کی طرح احادیث کے ذیل میں ان پر فنی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی ہے ۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی کئی خوبیاں ہیں[3] ۔

تعجب انگیز بات یہ ہے کہ سنن نسائی کی شروح اتنی زیادہ نہیں ہیں ، جتنی دیگر کتبِ صحاح کی ہیں ۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سنن نسائی کی اکثر احادیث چونکہ دوسری کتبِ صحاح میں بھی موجود ہیں اور ان کی مفصل شرح کی جاچکی ہے ، اس لیے سنن نسائی کی شروح اور حواشی کو زیادہ توجہ کے قابل نہیں سمجھا گیا ۔ تاہم درج ذیل شروح پھر بھی قابل

۱- فتح المغیث : شمس الدین سخاوی ۔ ص ۱۲ ۔
۲- تذکرۃ المحدثین : غلام رسول سعیدی ۔ ص ۳۰۰ ۔
۳- ایضاً ، ص ۳۰۰ ۔

ذکر ہیں - (i) الامعان فی شرح سنن النسائی لابی عبدالرحمٰن - از ، ابوالحسن علی بن عبداللہ انصاری (متوفی - ۵۶۷ھ) (ii) شرح ابن الملقن (متوفی - ۸۰۴ھ) جس کا نام "زوائد نسائی" ہے اور (iii) زہرالربی علی المجتبیٰ - از جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) - اس شرح کو سنن نسائی کے نسخوں پر شائع کیا گیا ہے - جس سے اس کی مقبولیت ظاہر ہوتی ہے - (iv) ابو الحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی (متوفی ۱۱۳۸ھ) نے بھی ایک مختصر شرح مرتب کی ہے -

امام نسائی سے جن لوگوں نے ان کی سنن کو روایت کیا ہے اُن میں ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی کا نام زیادہ مشہور ہے -[1]

جامع ترمذی

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (۲۰۹ھ - ۲۷۹ھ) کی جامع ترمذی کو جامع بھی کہا جاتا ہے اور سنن بھی ؛ چنانچہ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں کہ "بعض لوگ اس کو سنن ترمذی کہتے ہیں لیکن اس کا زیادہ مشہور نام الجامع الصحیح ہے -"[2] محدث حاکم نیشاپوری اور خطیب بغدادی نے جامع ترمذی کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابو بکر بن بطہ بغدادی (متوفی ۶۲۹ھ) اپنی مشہور کتاب "التقیید فی رواۃ الکتب والمسانید" میں خود امام ترمذی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ "میں نے اس المسندالصحیح (یعنی کتاب الجامع) کو تصنیف کر کے علماء حجاز و عراق و خراسان کو دکھایا تو انھوں نے اسے پسند کیا - جس گھر میں یہ کتاب موجود ہو وہ سمجھے کہ اس گھر میں گویا پیغمبرؐ خود موجود اور محو گفتگو ہے -"[3]

اس کتاب کو سنن ترمذی بھی کہا جاتا ہے - سنن ، اصطلاح حدیث میں اس کتاب حدیث کو کہا جاتا ہے جس کی ترتیب ابواب فقہ کی طرز پر کی گئی ہو - چونکہ ترمذی کی تدوین بھی اسی طرح ہوئی ہے اس لیے اسے سنن کہنا بھی ٹھیک ہے - رہی یہ بات کہ اسے خود اس کے مصنف نے

۱- تہذیب التہذیب : ابن حجر عسقلانی - ج ۱ ، ص ۳۷ -
۲- کشف الظنون : حاجی خلیفہ - ج ۱ ، ص ۲۸۸ -
۳- البدایہ و النہایہ : حافظ ابن کثیر - ج ۱۱ ، ص ۶۷ اور تذکرۃ الحفاظ : ذہبی - ج ۲ ، ص ۶۳۴ -

الجامع الصحیح کہا ہے تو یہ بھی ایک حد تک درست ہے ۔ ترمذی کے جامع ہونے میں کوئی شک نہیں البتہ بعض علماء کو اسے صحیح ماننے میں تامل ہے ۔

شیخ محمد فؤاد مصری نے جامع ترمذی کی کل احادیثِ مقصودہ کی تعداد ۱۳۸۵ بتائی ہے ، اور توابع اور شواہد کو شامل کر کے اس کی تعداد ۳۹۵۶ ہو جاتی ہے[1] ۔

امام ترمذی نے اس کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے اور اس میں صحیح و حسن و ضعیف ہر قسم کی حدیثیں شامل کی ہیں ۔ اگر کوئی حدیث ضعیف ہے تو اس کی وجہِ ضعف پر روشنی ڈالی ہے ۔ جناب امام ہر حدیث کا درجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دیتے ہیں ۔ آپ نے ہر باب سے متعلق صحابہ و تابعین اور علماء و فقہاء کے مذاہب و مسالک بھی بیان کیے ہیں ۔ جامع ترمذی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے مرتب نے کتاب کے آخر میں "کتاب العلل" میں حدیث کے اہم قواعد کا بھی ذکر کر دیا ہے ۔ غالباً اسی لیے شاہ عبدالعزیز نے "بستان المحدثین" میں کہا ہے کہ اس کتاب کو علمائے حدیث نے بعض وجوہ کی بنا پر باقی کتابوں پر ترجیح دی ہے ۔ ایک تو اس لیے کہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور مکرر حدیثیں بھی موجود نہیں ہیں ۔ پھر اس لیے بھی کہ اس میں حدیث کی جملہ اقسام مثلاً صحیح، حسن ، ضعیف اور غریب وغیرہ کی تفاصیل واضح طور پر بیان کی گئی ہیں ۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں راویانِ حدیث کے حالات کی تحقیق بھی اچھی طرح کی گئی ہے[2] ۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ جامع ترمذی مجتہد کے لیے کافی اور مقلد کے لیے مغنی ہے شاید اسی لیے حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کو ثالث الکتب الستہ سے تعبیر کیا ہے ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی بخاری اور مسلم کے بعد اسی کا درجہ رکھتے ہیں ۔ اس کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے

۱- تذکرۃ المحدثین : غلام رسول سعیدی ۔ ص ۲۶۸ ۔

۲- سیرۃ الرسولؐ : محمد حسین ہیکل ۔ (مقدمہ ۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ۔ ص ۲۰) اور بستان المحدثین : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مترجم اردو ، مولانا عبدالسمیع دیوبندی ، ص ۲۹۰ ۔

کہ اس میں رسول کریمؐ کی سیرتِ مقدسہ کے واقعات اور احوال ، صحاحِ ستہ کی سب کتابوں سے زیادہ ہیں -

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کی احادیث کی چار قسمیں ہیں -

(۱) وہ احادیث جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہیں -

(۲) وہ احادیث جو امام نسائی اور امام ابو داؤد کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں -

(۳) وہ احادیث جن کا ابو داؤد اور نسائی نے اخراج کیا اور ان کی علت ظاہر کر دی -

(۴) وہ احادیث جن کا خود امام ترمذی نے اخراج کیا اور ان کی علت بیان کر دی[۱] -

تاہم امام ترمذی نے وضاحت کر دی ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں وہی احادیث درج کی ہیں جن پر فقہاء نے عمل کیا ہے -

عبداللہ بن محمد انصاری نے سننِ ترمذی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "سننِ ترمذی میرے نزدیک صحیح بخاری سے بھی افضل ہے -" یہ سن کر محمد طاہر مقدسی نے اس کی وجہ پوچھی تو موصوف نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری سے صرف وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جو فنِ حدیث سے پوری واقفیت رکھتا ہو - البتہ ترمذی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احادیث کی وضاحت کر کے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے ، اس لیے فقہاء و محدثین کے علاوہ بھی ہر شخص اس سے استفادہ کر سکتا ہے -[۲]

۱- تذکرۃ الحفاظ : شمس الدین ذہبی - ج ۲ ، ص ۶۳۴ -

۲- علوم الحدیث : ڈاکٹر صبحی صالح - ترجمہ - غلام احمد حریری ص ۵۰۵ ، ۵۰۶ -

متعدد علماء نے ترمذی کی شرحیں لکھی ہیں جن میں سے درج ذیل شروح قابل ذکر ہیں ۔

(۱) ابوبکر ابن العربی (متوفی ۵۴۶ھ) کی شرح "عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی" ۔

(۲) جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی شرح "قوت المغتذی علی جامع الترمذی ۔"

(۳) سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی (متوفی ۸۰۵ھ) کی شرح "العرف الشذی علی جامع الترمذی ۔"

ان کے علاوہ اور بھی کئی شروح کا ذکر "کشف الظنون" میں کیا گیا ہے[1] ۔

بہر حال صحت احادیث اور قوت سند کے اعتبار سے جامع ترمذی کا مرتبہ نسائی اور ابو داؤد کے بعد ہے اور کتب صحاح میں تو یہ پانچویں درجے پر ہے ۔ البتہ جامع ترمذی میں احادیث کے ذیل میں موجود مباحث اپنے اندر متعدد علوم و فنون کو جگہ دیے ہوئے ہیں ۔ حافظ ابو بکر ابن العربی نے "عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی" میں چودہ علوم کی نشاندھی کی ہے لیکن اگر مزید غور و فکر سے کام لیا جائے تو ان کی تعداد چوبیس تک پہنچتی ہے[2] ۔

سنن ابن ماجہ

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی (۲۰۹ھ - ۲۷۳ھ) کی تالیف سنن ابن ماجہ کو کتب صحاح ستہ میں سب سے آخر کا درجہ دیا جاتا ہے اس کتاب کو پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ، ورنہ اس سے پہلے محدثین نے صرف پانچ کتابوں بخاری ، مسلم ، نسائی ، ابو داؤد اور ترمذی) کو ہی مستند کتب احادیث قرار دیا تھا ۔ البتہ متأخرین نے سنن ابن ماجہ کے فقہی احکامات کی افادیت

۱- کشف الظنون : حاجی خلیفہ - ج ۱ ، ص ۵۵۶ -

۲- تذکرۃ المحدثین : غلام رسول سعیدی - ص ۲۰۰ -

کے پیش نظر اسے بھی حدیث کی بنیادی کتابوں میں شامل کر کے تعداد کو چھ کر دیا ۔ اگرچہ صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح ابن حبان ، سنن دارمی ، دار قطنی اور کئی دوسری کتب احادیث ، ابن ماجہ سے بہتر تھیں ، لیکن جو قبولیت اور شہرت ابن ماجہ کو حاصل ہوئی وہ اس کی حریف کتابوں میں سے کسی کے حصے میں نہ آئی ۔ سنن نسائی کو اگرچہ بعض علماء نے بخاری اور مسلم پر ترجیح دی تھی ، لیکن اس کے باوجود سنن نسائی ، حواشی اور شروح لکھنے والوں کی طرف اپنی توجہ اس طرح نہیں کھینچ سکی جس طرح ابن ماجہ نے کھینچا ۔

یہ کتاب دو حیثیتوں سے تمام کتب صحاح ستہ میں ممتاز تصور کی جاتی ہے ۔ ایک تو حسن ترتیب کے اعتبار سے ، یعنی تمام احادیث کو بلا تکرار عمدگی سے باب وار مرتب کرنا اور دوسرے ایسی بہت سی احادیث کی شمولیت کی وجہ سے ، جن سے صحاح ستہ کی دیگر کتاب خالی ہیں ۔ اس لیے جب امام ابن ماجہ نے یہ کتاب مکمل کر کے حافظ ابو زرعہ رازی کی خدمت میں پیش کی تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے : "اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی ۔"[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابو زرعہ کا یہ بیان نقل کرنے کے بعد اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں لکھتے ہیں کہ فی الواقع ترتیب کی خوبی اور بغیر کسی تکرار کے احادیث کا لے آنا اور اختصار جو یہ کتاب رکھتی ہے ، کوئی اور کتاب نہیں رکھتی ۔"[2] اس کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ بہت سی ایسی احادیث پر مشتمل ہے جس سے دوسری کتب صحاح ستہ یکسر خالی ہیں اور اسی بنا پر اس کی افادیت زیادہ ہے ۔ صحابہ کرام میں حضرت معاذ بن جبل رض کا یہ معمول تھا کہ وہ عام طور پر ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے جو اوروں کو معلوم نہ ہوتی تھیں چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ابو سعید حمیری کی زبانی منقول ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے جو دیگر صحابہ نے سنی نہ تھیں اور جو دوسروں نے سنی ہوتیں تو

۱۔ تذکرۃ الحفاظ : شمس الدین ذہبی ۔ ج ۲ ، ص ۴۳۶ ۔

۲۔ بستان المحدثین : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۔ ص ۱۱۲ ۔ اردو ترجمہ ص ۲۹۸ ، ۲۹۹ ۔

ان کے ذکر سے خاموش رہتے[1] - اسی لیے علامہ ابو الحسن سندھی (متوفی ۱۱۳۹ھ) نے ابن ماجہ کے طرز عمل کو حضرت معاذ بن جبل کا اتباع قرار دیا - سنن ابن ماجہ میں ۳۲ کتابیں ، ایک ہزار پانچ سو ابواب اور کل چار ہزار احادیث ہیں - حافظ شمس الدین ذہبی اور ابوالحسن القطان نے اس کی صراحت کی ہے[2] - حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں کہا کہ سنن ابن ماجہ میں موجود احادیث چند روایات کو چھوڑ کر سب کی سب عمدہ ہیں - حافظ شمس الدین ذہبی بھی سنن ابن ماجہ کو عمدہ اور صاف کتاب قرار دیتے ہیں - لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ کاش اس کو چند ضعیف احادیث مکدر اور خراب نہ کرتیں - جن ضعیف احادیث نے ابن ماجہ کی صفائی کو مکدر کیا ہے ، ان کی تعداد کے بارے میں ذہبی نے حافظ ابو زرعہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شاید اس پوری کتاب میں تیس احادیث بھی ایسی نہیں ہوں گی ، جن کی اسناد میں ضعف ہو[3] - حافظ ذہبی "سیرالنبلا" میں اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ابو زرعہ کا یہ بیان کہ شاید اس میں تیس حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں کہ جن کی سند میں ضعف ہے ، اگر صحیح ہے تو اُن کی مراد ان تیس حدیثوں سے نہایت گری ہوئی اور ساقط روایتیں ہیں ، وگرنہ ابن ماجہ کی جو احادیث قابل استدلال نہیں ہیں ، اُن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے[4] -

یہاں یہ بات یاد رہے کہ ضعیف روایتیں سنن ابن ماجہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں ، بلکہ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں - فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں کم ہیں اور ابن ماجہ میں نسبتاً زیادہ ہیں - بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر مؤلفین صحاح ستہ کی طرح ابن ماجہ نے بھی اپنی کتاب کی ترتیب و تدوین اور انتخاب احادیث میں بڑی محنت و کاوش سے کام لیا ہے اور لاکھوں احادیث میں سے اپنے مجموعے کے

۱- سنن ابن ماجہ : امام ابن ماجہ (باب النہی عن الخلاء علی قارعۃ الطریق) -

۲- تذکرۃ الحفاظ : شمس الدین ذہبی - ج ۲ ، ص ۶۳۶ -

۳- ایضاً - ص ۶۳۶ -

۴- توضیح الافکار : علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی - ج ۱ ، ص ۲۲۳ -

لیے چار ہزار حدیثوں کو چنا ہے ۔ ان احادیث کی مناسب درجہ بندی کرکے انھیں مختلف ابواب میں بڑی عمدگی اور سلیقے سے درج کیا ہے ۔ دیگر کتبِ صحاح کا مقام و مرتبہ سننِ ابنِ ماجہ سے بلند تر سہی ، لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ کتبِ خمسہ کی ہر روایت سنن ابن ماجہ کی ہر روایت سے صحت میں زیادہ ہے، بلکہ اگر بدقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سنن ابن ماجہ میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں ، جو صحت میں صحیح بخاری کی احادیث سے بھی اصح ہیں ۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنی کتاب ''ابنِ ماجہ اور علم حدیث'' میں ایسی کئی احادیث کی مثالیں پیش کی ہیں[1] ۔ علامہ غلام رسول سعیدی کی رائے میں ''سنن ابن ماجہ کو جس چیز نے عوام و خواص میں پذیرائی اور قبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسنِ انتخاب ہے ۔ ابواب کی فقہی رعایت سے ، ترتیب احادیث سے ، مسائل کے واضح استنباط اور تراجم و ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور الجھن کے مطابقت نے بھی سننِ ابنِ ماجہ کے حسن کو نکھارا ہے[2] ۔'' ان کے خیال میں سننِ ابنِ ماجہ کی امتیازی خصوصیات اجمالاً یہ ہیں :

(۱) امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں زیادہ تر ان احادیث کو روایت کیا ہے ، جو کتبِ خمسہ میں موجود نہیں ہیں ۔ (۲) وہ اپنی کتاب میں کوئی مکرر حدیث نہیں لائے ۔ (۳) دیگر کتبِ سنن کے مقابلے میں یہاں زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے ۔ اس کے باوجود یہ کتاب تمام ضروری مسائل و احکام کی جامع ہے ۔ (۴) اس کتاب میں زیادہ تر مسائل اور احکام سے متعلق احادیث ہیں ، فضائل اور مناقب سے متعلق احادیث اس کتاب میں نہیں شامل کی گئیں ۔ (۵) بعض مقامات پر امام ابنِ ماجہ نے حدیث کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کی ہے ۔ (۶) اگر انھیں کسی حدیث کے بارے میں تشویش و اضطراب رہا ہو تو ابنِ ماجہ اس حدیث کے ثبوت ملنے کا بھی ذکر کردیتے ہیں ۔ (۷) جو روایات بعض شہروں کے محدثین کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں ، اور دیگر شہروں میں اس کے راوی نہیں ہوتے تھے ، ابنِ ماجہ اس قسم کی روایات کا ذکر کرتے وقت بتا دیتے ہیں کہ یہ فلاں شہر والوں کی

۱۔ امام ابنِ ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی ۔ ص ۲۴۲ تا ۲۴۴

۲۔ تذکرۃ المحدثین : علامہ غلام رسول سعیدی ۔ ص ۳۱۸ ۔

روایت ہے[1] -

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی (متوفی ۵۰۷ھ) اولین محدث تھے، جنھوں نے ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شامل کیا - انھوں نے اس کا اظہار اپنی کتاب "اطراف الکتب الستة" اور ایک دوسری تصنیف "شروط الائمة الستة" میں کیا ہے - بعد ازاں عبدالغنی مقدسی (متوفی ۶۰۰ھ) نے اپنی کتاب "الکمال فی اسماءالرجال" میں اُن کی پیروی کی اور صحاح ستہ کے رجال کو یکجا مدون کیا - اس کے برخلاف ابن حجر عسقلانی نے ابن ماجہ کی بجائے "سنن دارمی" کو صحاح ستہ میں شامل کرنے پر اصرار کیا، کیونکہ اُن کے خیال میں ابن ماجہ نے ایسے راویوں سے بھی احادیث روایت کی ہیں جو متہم بالکذب اور حدیث میں سرقہ کرنے والے تھے -[2] علماء کی ایک جماعت مؤطا کو اپنی صحت و جلالت کے پیش نظر صحاح ستہ میں شامل کرنے پر زور دیتی ہے - مثلاً حافظ محمد بن طاہر المقدسی کے معاصر محدث رزین بن معاویہ مالکی سرقسطی (متوفی ۵۲۵ھ) نے اپنی کتاب "التجرید للصحاح والسنن" میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی جگہ مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے - ان کے بعد یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب کون سی ہے؟ سنن ابن ماجہ یا مؤطا امام مالک؟ مولانا غلام رسول سعیدی کہتے ہیں کہ علماء مغاربہ مؤطا کو ترجیح دیتے تھے اور مشارقہ سنن ابن ماجہ کو لیکن متاخرین نے بہر حال سنن ابن ماجہ کے حق میں اتفاق کر لیا اور اب غالب اکثریت اسی طرف ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہی ہے[3] -

سنن ابن ماجہ پر سنن نسائی کے مقابلے میں زیادہ شروح اور

۱- تذکرة المحدثین : علامہ غلام رسول سعیدی - ص ۳۱۹، ۳۲۰ اور ص ۳۲۳ (بالترتیب)

۲- حدیث رسول کا تشریعی مقام : ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی ص ۶۳۶، ۶۳۷ اور تاریخ حدیث و محدثین : محمد ابو زہرہ ص ۵۶۱ -

۳- تذکرة المحدثین : علامہ غلام رسول سعیدی - ص ۳۱۹، ۳۲۰ اور ص ۳۲۳ (بالترتیب)

تعلیقات لکھی گئی ہیں ، جن کے لکھنے والوں میں بڑے بڑے حفاظ اور اہلِ فن کے نام آتے ہیں ۔ ان میں سے چند ایک کے نام درجِ ذیل ہیں - (۱) شرح سننِ ابنِ ماجہ از علاؤ الدین مغلطائی (متوفی ۷۶۲ھ) (۲) ماتمس الیہ الحاجة علی سنن ابن ماجہ از شیخ سراج الدین عمر بن علی (متوفی ۸۰۴ھ) - (۳) الدیباجہ علی سنن ابنِ ماجہ - از شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری (متوفی ۸۰۸ھ) ، (۴) مصباح الزجاجہ ، از سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)[۱] -

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سنن ابن ماجہ کے چھ راوی بیان کیے ہیں - (۱) ابوالحسن بن القطان (۲) سلیمان بن یزید (۳) ابو جعفر محمد بن عیسیٰ (۴) ابوبکر حامد ابہری (۵) سعدون (۶) ابراہیم بن دینار[۲] جبکہ امام رافعی نے "تاریخ قزوین" میں صرف چار راویوں کا ذکر کیا ہے - ان سب لوگوں میں جس شخص کی روایت مقبول ہوئی وہ ابوالحسن بن القطان ہیں[۳] -

مختلف مجموعہ ہائے احادیث

بعض علماء نے مختلف کتبِ احادیث سے حدیثیں منتخب کر کے احادیث کے جو نئے مجموعے مرتب کیے ، ان میں سے چند ایک نمایاں مجموعوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے -

(۱) مصابیح السنۃ

امام حسین بن مسعود بغوی (متوفی ۵۱۰ھ) کے مرتبہ اس مجموعہ میں ۴۴۸۴ احادیث ہیں ، جن میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی حدیثیں ہیں - امام بغوی کے نزدیک صحیح حدیث وہ ہے جسے بخاری و مسلم دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہو - ان کے بقول حدیث حسن وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد ، ترمذی اور محدثین نے روایت کیا ہو - صاحبِ کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ آن کی ذاتی اصطلاح ہے ، کیونکہ سننِ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں صحیح و ضعیف ہر قسم کی احادیث موجود

۱- کشف الظنون : حاجی خلیفہ - ج ۲ ، ص ۱۰۰۴ -
۲- تہذیب التہذیب : حافظ ابن حجر عسقلانی - ج ۹ ، ص ۵۳۲ -
۳- ابن ماجہ اور علم حدیث : محمد عبدالرشید نعمانی - ص ۲۴۴ ، ۲۴۵ -

ہیں[1] ۔ تاہم مصابیح السنة میں جو بھی ضعیف یا غریب حدیث ہوتی ہے ۔ بغوی اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں ۔

(۲) مشکوٰۃ المصابیح

"مصابیح السنة" اتنی مقبول ہوئی کہ متعدد علماء نے اس میں اضافے کیے ۔ ان میں محمد بن عبداللہ الخطیب تبریزی (م ۷۳۹ھ) کی "مشکوٰۃ المصابیح" نے سب سے زیادہ شہرت پائی ۔ خطیب نے "مصابیح السنة" میں ترمیم و اضافہ کیا اور اس کے ابواب کا ذیل مرتب کیا : چنانچہ حدیث روایت کرنے والے صحابی اور اس کتاب کا نام بھی لکھا جس سے وہ حدیث ماخوذ ہے ۔ خطیب نے صحیح اور حسن احادیث پر مشتمل ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا ۔ البتہ چند ابواب میں یہ اہتمام نہیں ہو سکا ۔ مرتب نے یہ کام ۷۳۷ھ میں مکمل کر لیا ۔ "مشکوٰۃ المصابیح" بھی اپنی پیش رو کی طرح بے حد مقبول ہوئی ؛ چنانچہ علماء نے اس کی شروح بھی لکھیں جن میں قاضی ناصرالدین عبداللہ بن عمر بیضاوی (متوفی ۸۸۵ھ) کا نام زیادہ معروف ہے[2] ۔ بیضاوی کے علاوہ مثلاً علی قاری ، طیبی ، عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کی شروح بھی قابل ذکر ہیں ۔

(۳) جامع المسانید والالقاب

ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے اس کتاب میں صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، مسند احمد بن حنبل اور جامع ترمذی کو یکجا کر دیا ہے ۔ صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ ابو العباس احمد بن عبداللہ المکی المعروف بہ محب الطبری (متوفی ۹۶۴ھ) نے اسے از سر نو مرتب کرکے جامع بنا دیا[3] ۔

(۴) بحر المسانید

امام حافظ حسن بن احمد سمرقندی (متوفی ۴۹۱ھ) نے اس کتاب میں ایک لاکھ احادیث جمع کیں ۔ انھیں سلیقے سے کانٹ چھانٹ کر مرتب کیا ۔ صاحب کشف الظنون کے مطابق دین اسلام میں اس جیسی تصنیف نہیں کی گئی[4] ۔

---

۱ تا ۴۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ ، ج ۱ ، ص ۲۷۲ ، ص ۲۹۵ ، ص ۲۹۵ ، ص ۱۴۴ (بالترتیب)

(۳)

کتبِ مغازی و سیر

سیرتِ رسولِ اکرمؐ کا ایک اور اہم ماخذ مغازی اور سیرت کی وہ کتابیں ہیں جو ابتدائی دور کے بزرگوں نے مرتب کیں۔ مغازی کا مطلب اگرچہ جنگیں ہے، لیکن اصطلاحاً اس سے مراد وہ جنگیں ہیں جن میں آنحضرتؐ خود شریک ہوئے۔ اصولاً تو مغازی کو صرف "غزوات نبویؐ" اور ان میں شریک صحابہ کرامؓ کے تذکرے تک محدود رہنا چاہیے تھا، لیکن اپنے توسیعی مفہوم میں اس اصطلاح کا اطلاق حضور اکرمؐ کی پوری حیاتِ مبارکہ پر کیا جانے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کی زندگی (بالخصوص مدنی زندگی) کے تذکرے پر مشتمل کتابوں کو مغازی بھی کہا جاتا ہے اور سیرت بھی۔

کتبِ سیرت و مغازی کی ابتداء

کتبِ احادیث کی طرح کتبِ سیرت و مغازی کی باقاعدہ ابتداء بھی اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ) کے زمانے ہی میں ہوتی ہے لیکن اس کے ابتدائی نقوش اس عہد سے پہلے بھی ملتے ہیں، اولین کتبِ سیرت کے باقاعدہ مؤلفین مثلاً محمد ابن اسحٰق اور ان کے معاصرین سے پہلے ہمیں تابعین اور تبع تابعین میں بعض ایسے علماء کے نام ملتے ہیں، جنہوں نے مغازی و سیر کے مجموعے تالیف کیے اور اگرچہ وہ مجموعے امتدادِ زمانہ سے تلف ہو گئے لیکن ان کے حوالے بعد کے مؤلفین کی کتبِ سیرت میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ ان میں ابان ابن عثمان، عروۃ بن زبیر، شرحبیل بن سعد، وہب بن منبہ، عبداللہ بن ابی بکر، عاصم بن عمر قتادہ، ابن شہاب زہری، ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن، معمر سلیمان بن طرحان، معمر بن راشد، ابومعشر السندی اور موسیٰ بن عقبہ کے نام پیش پیش ہیں۔

ابان ابنِ عثمان

سیرت و مغازی کے موضوع پر کتابیں تالیف کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت ابان ابن عثمانؓ (۲۰ھ - ۱۰۰ھ) کا نام آتا ہے، جو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ابنِ عفانؓ کے بیٹے تھے۔ تابعین میں انھوں نے حدیث، فقہ اور مغازی کے عالم کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ حضرتِ عثمان کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے رسول اللہؐ کے بارے میں انھیں مستند معلومات حاصل کرنے کی سہولت حاصل تھی؛ چنانچہ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے مغازی کی سب سے پہلی کتاب مرتب کی تھی، جسے مغیرہ بن عبدالرحمٰن نے روایت کیا تھا[1]۔ ابن سعد، مغیرہ بن عبدالرحمٰن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے کچھ مغازی ابان ابن عثمان سے اخذ کیے تھے۔ غالباً یعقوبی کا اشارہ بھی ابان کی اسی کتاب المغازی کی طرف ہے[2]۔ لیکن بعد کی کتبِ سیرت میں اس کتاب کا کوئی حوالہ نہیں آیا۔ بیشک احادیث کی اسناد میں ابان کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، لیکن ابتدائی سیرت نگاروں نے ان سے اعتنا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن اسحٰق، واقدی، اور ابن سعد نے اپنی کتابوں کے سیرتِ رسول کے متعلق حصوں میں ابان ابن عثمان کا ذکر تک نہیں کیا۔ ہاں ابنِ سعد نے البتہ سیرت کے موضوع سے ہٹ کر ایک جگہ ابان کا ذکر کیا ہے مگر طبقات ابن سعد میں واقعۂ بدر میں حضرت عباس اور دیگر ہاشمیوں کی گرفتاری کا حال، جن ابان بن عثمان کی روایت سے کیا گیا ہے وہ ایک اور شخص، شیعی مؤلف، ابان ابن عثمان البجلی ہیں جو دو تین نسل بعد پیدا ہوئے اور جن سے ایک کتاب "المبدأ و المبعث والمغازی" منسوب ہے[3]۔ اور انھیں کا تذکرہ یاقوت نے "معجم البلدان" (۳ : ۵۵) میں "صاحب المغازی" کہہ کر کیا ہے۔ ابان البجلی کا ذکر طبری اور ابن سعد نے بھی اپنی کتابوں میں کیا

۱- الطبقات الکبریٰ : ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۶ -

۲- تاریخِ یعقوبی، ج ۱، ص ۳ -

۳- سیرت نبویؐ کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین : جوزف ہورووتس، ترجمہ : نثار احمد فاروقی، ص ۱۳ -

ہے[1] ۔ بہرحال ابان ابن عثمان بن عفان کی شہرت صاحب المغازی سے زیادہ بحیثیت محدث مسلم ہے کیونکہ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن ، ابوالزناد اور الزھری نے ان سے حدیث کی سماعت کی تھی ۔ پھر جو مغازی ، مغیرہ بن عبدالرحمٰن نے ابان بن عثمان سے روایت کیے ، بقول جوزف ہورووتس ، "وہ بھی اصطلاحی معنوں میں "کتاب" نہیں تھے بلکہ سیرت سے متعلق اخبار کا مجموعہ تھے اور غالباً اس مجموعے میں سے بھی جو مذکورہ بالا صحائف یا کتب کے مماثل تھے ہم تک کچھ نہیں پہنچا ۔[2] تاہم اس کے باوجود ابان ابن عثمان قابل ذکر ہیں کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مغازی کا ایک خاص مجموعہ تالیف کیا ۔

عروۃ بن الزبیر

عروۃ بن الزبیر بن العوام (۶۴۳ ـــ ۷۱۲ء) بھی حدیث اور مغازی کے بہت بڑے عالم تھے ۔ ابان ابن عثمان کی مغازی کا کوئی ٹکڑا ہم تک نہیں پہنچا لیکن عروۃ بن الزبیر نے مغازی کے موضوع پر جو مواد جمع کیا تھا اس کے اجزاء کتب سیرت میں محفوظ ہیں ، البتہ ان کی اپنی "کتاب المغازی" ناپید ہو گئی[3] ۔ محمد ابن اسحٰق[4] ، واقدی ، طبری[5] اور ابن سید الناس[6] نے اپنی تصانیف میں عروۃ کی مغازی کا مواد نقل کیا ہے ۔ یہ روایات رسول اللہ کی حیات مبارکہ کے وہ قدیم ترین نمونے

---

1. The Life of Muhammad : A Guillaume (Introduction, p. xiv).

۲۔ سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس ، اردو ترجمہ : ص ، ۱۴ ۔

۳۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ ۔ ج ۲ ، ص : ۱۷۴۷ اور الاعلان بالتوبیخ : سخاوی : ص ، ۱۵۹ ۔

۴۔ سیرت رسول اللہ : ابن ہشام ، ج : ۱ ، ص ۲۲۵ ، ۲۳۴ ، ۲۴۱ ، ۲۴۳ ، ۲۸۹ ، ۳۱۴ ، ۳۱۸ ، ۳۷۳ ۔

۵۔ تاریخ الامم والملوک : طبری ۔ ج ۲ ، ص ۲۹۸ ، ۳۲۸ ، ۳۶۶ ، ۳۷۵ ، ۳۸۱ ، ۴۰۰ ، ۴۱۱ ، ۴۲۱ ، ۴۲۴ ، ۴۵۶ ۔

۶۔ عیون الاثر : ابن سیدالناس ، ج : ۱ ، ص ۹۰ ، ۲۶۹ ۔

ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں - غزوات کے علاوہ بھی عروۃ بن الزبیر نے اپنی کتاب میں بعض اہم وقائعِ نبوی درج کیے ہیں ، مثلاً آغازِ وحی کی کیفیت اور ہجرتِ حبشہ وغیرہ -

عروۃ کے خاندانِ نبوت سے قریبی تعلقات تھے - آپ کے والد حضرت زبیر بن العوامؓ عشرۂ مبشرہ میں شامل ہیں - اسماء بنت ابوبکرؓ آپ کی والدہ اور حضرت عائشہؓ آپ کی خالہ تھیں ؛ چنانچہ آپ اپنے والد ، والدہ اور خالہ سے سوالات کر کے آنحضرتؐ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے - یہی وجہ ہے کہ انھیں بعض ایسی نادر معلومات حاصل ہوئیں جن تک دوسرے تابعین کی رسائی نہ تھی -

ڈاکٹر محمود الحسن کہتے ہیں کہ "عروۃ نے مغازی کا مواد غالباً اُن سوال ناموں کے جواب میں مرتب کیا تھا جو خلیفہ عبدالملک وقتاً فوقتاً آپ کے پاس بھیجتا رہتا تھا - ایک اور شخص ابن ابی ہنیدہ بھی اُن کے رسائل کا مخاطب ہے ، جو خلیفہ ولید کے دربار سے وابستہ تھا - یہ اپنے جواب کو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی شکل میں لکھ کر بھیجتے تھے ، جن کو بعد میں انھوں نے کتابی شکل میں یکجا کر دیا ہوگا ، جیسے ان کے بیٹے ہشام بن عروۃ نے عام طور پر روایت کیا ہے - عبدالملک کے سوالات اور عروۃ کے جوابات کا تعلق زیادہ تر غزوات سے ہے"[۱] - عروہ نے ان واقعات کو بیان کرنے میں سند کی سختی سے پابندی نہیں کی ، بلکہ واقعات کو سلسلے سے بیان کر دیا ہے ، مگر جن واقعات کا تعلق غزوات سے نہیں ہے - مثلاً آغازِ وحی اور ہجرتِ حبشہ ، اُن کے اندر سند کا اہتمام کیا گیا ہے[۲] - ہجرتِ نبوی کے بیان میں بھی انھوں نے واضح کر دیا ہے کہ انھیں یہ معلومات حضرت عائشہؓ سے حاصل ہوئی تھیں - علاوہ ازیں وہ تحریری دستاویزات کو بھی اپنا ماخذ بنا لیتے تھے ، مثلاً انھوں نے کوشش کر کے

۱- تاریخ الامم والملوک : طبری : ج ۲، ص ۱۱۸۰ ، ۱۱۸۳ ، ۱۶۳۴ -
عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمودالحسن ، ص : ۳۲ -

2. The Life of Muhammad : A Guillaume (Introduction, p. xiv).

آنحضرت کے اصل خطوط حاصل کیے جو آپ نے اہلِ ہجر ، ذراعہ بن ذی یزن اور عبداللہ بن جحش کو ارسال فرمائے اور انھیں جوں کا توں نقل کیا ۔

عروۃ مغازی کے علاوہ حدیث کے بھی بہت بڑے عالم تھے آن کی بہت سی احادیث آن کے بیٹے ہشام اور شاگرد الزہری نے روایت کی ہیں جو احادیث کے مستند مجموعوں میں بھی اسی اعتماد سے شامل کی گئی ہیں جس طرح کتبِ سیرت میں ۔ الفریڈ گیام کہتے ہیں کہ یہ تو یقین سے کہنا مشکل ہے کہ انھوں نے (مغازی پر) کوئی کتاب بھی لکھی تھی ۔ لیکن ان کے نام سے جو بہت سی احادیث ابن اسحاق ، اور دوسرے مصنفین نے نقل کی ہیں ان کی بنا پر یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسلامی تاریخ کے بانی تھے ۔[1]

عروۃ بن الزبیر کے منطقی اندازِ فکر اور تجزیاتی ذہن کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ہر واقعہ بیان کرنے سے پہلے اس کا پس منظر بھی بیان کیا ہے ، مثلاً غزوۂ بدر سے پہلے مسلمانوں اور قریش کی چپقلش کا مختصر بیان اور ہجرتِ حبشہ کا واقعہ روایت کرنے سے پہلے ان حالات کا ذکر جو اس واقعہ کا سبب بنے ۔ عروۃ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بقول ڈاکٹر محمود الحسن "اپنی مغازی کے اندر واقعات کی ترتیب میں تاریخی تسلسل کو ملحوظ رکھا تھا ، یعنی وہ وحی سے آغاز کرتے ہیں ، پھر اس کے بعد دعوتِ اسلام ، ہجرتِ حبشہ و مدینہ کا ذکر کرتے ہیں ، پھر سریوں کا ، یعنی سریہ عبداللہ بن جحش کا بیان آتا ہے ، اس کے بعد غزوۂ بدر ، غزوۂ خندق ، غزوۂ بنی قریظہ ، صلح حدیبیہ ، موتہ و فتح مکہ اور غزوۂ حنین و طائف کا ذکر آتا ہے ۔ آخر میں آنحضرتؐ کے بعض مراسلات ، پھر آپ کی زندگی کے آخری حالات تا وفات بیان کیے گئے ہیں ۔"[2] عروۃ بن الزبیر کی "مغازی" کی اہمیت یہ ہے کہ اس تالیف نے بعد

۲۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ۔ ص ۴۴ ۔

۳۔ سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہوروروتس ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۲۹ ۔

کے مصنفین کے لیے ایک شاہراہ بنا دی ، کیونکہ اس کتاب نے واقعات کو اُن کے تاریخی تناظر میں دیکھنے کا طریقہ سکھوایا ۔

وھب بن منبہ

مغازی نگاروں میں ایک اور اہم تابعی وہب بن منبہ (۳۴ھ - ۱۱۰ھ) ہیں ، جو رہنے والے تو جنوبی عرب (یمن) کے تھے لیکن نسلاً ایرانی تھے ۔ انھیں یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی صحائف اور روایات سے گہری دلچسپی تھی ۔ انھیں کے بھائی ہمام بن منبہ (متوفی ۱۰۱ھ) ہیں جن کے نام سے منسوب ایک صحیفہ کا ذکر کتب ِ احادیث میں کیا جا چکا ہے ۔ (صحیفہ ابی ہریرہ لھمام بن منبہ) ۔ خود وہب کو بھی ایک ثقہ راوی تصور کیا گیا ہے اور اگرچہ انھوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی ہے ، لیکن محدثین نے مدینہ کے دوسرے تابعین کے مقابلے میں ان سے بہت کم احادیث لی ہیں ۔ مثلاً امام بخاری نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے ۔ وہب کو ایک تو اپنے وطن (یمن) سے گہری دلچسپی تھی اور دوسرے اپنے ہم وطن یہودیوں اور عیسائیوں کے صحائف سے ، یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب الملوک متوجہ من حمیر و اخبارہم وغیر ذلک" یمن کی اسطوری تاریخ ہے ۔ اور "کتاب المبتدأ" اہل کتاب کی روایات پر مبنی نہ صرف نوعِ انسانی کے آغاز کی تاریخ ہے ، بلکہ قصص الانبیاء یعنی قدیم رسالت کی تاریخ بھی ہے[۱] ۔ جوزف ہورووتس کہتے ہیں کہ "وہب کی یہ کتابیں مغازی سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتیں ، لیکن اگر ہم مغازی کے مفہوم کو وسیع تر معنوں میں سمجھیں جس کی ضرورت بھی ہے اور جیسا کہ یہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں سمجھا بھی گیا ہے اور پھر رسول اللہ کی پوری حیاتِ مبارکہ پر اس کا اطلاق کریں تو وہب کی یہ ساری کتابیں سیرت کا دیباچہ ہیں اور آنحضرت سے قبل رسالت کی تاریخ بتاتی ہیں ۔"[۲]

۱- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۳۹ ۔

۲- ایضاً ۔ ص ۴۲ ۔

حاجی خلیفہ نے وہب کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے سیرت و مغازی کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی تھی مگر ابتدائی کتبِ سیرت میں اس کی روایات کے حوالے مفقود ہیں - تاہم حاجی خلیفہ کی تحقیق درست ہے - کیونکہ سی ، ایچ بیکر (C.H. Becker) نے شوت رائنہارڈ (Schott - Rein Hardt) کے ذخیرۂ اوراقِ بردی (Papyri) میں جو ہائیڈل برگ میں محفوظ ہے ، وہب کا ایک مجموعہ دریافت کیا ہے ، جو بظاہر اسی "کتاب المغازی" کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے - یہ وہب کی وفات سے ایک سو اٹھارہ سال بعد (۲۲۸ھ میں) لکھا گیا - اس میں بیعتِ عقبۂ کبریٰ، دارالندوہ میں قریش کی میٹنگ ، رسول اللہؐ کی ہجرت ، مدینہ میں آپؐ کی آمد اور غزوۂ بنو خثیمہ کے واقعات درج ہیں - اگرچہ اس نو دریافت نسخہ سے ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ، کیونکہ اس میں مندرج تمام واقعات بعد میں لکھی گئی کتبِ مغازی و سیرۃ میں موجود ہیں ، لیکن اس سے کم از کم یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۰ھ میں یا اس سے بھی پہلے رسول خدا کی زندگی کے بنیادی حقائق بالکل اسی طرح تحریر کیے جاتے تھے ، جیسے کہ بعد کی تصنیفات میں پائے جاتے ہیں[1] -

عاصم بن عمر

عاصم بن عمر بن قتادہ الانصاری (متوفی ۱۲۰ھ) بھی مشہور تابعی ہیں - ابنِ سعد کی روایت کے مطابق انھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ دمشق کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو رسول اللہ کے مغازی کی تعلیم دیا کریں ؛ چنانچہ انھوں نے اس ارشاد کی تعمیل کی - خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جس طرح تدوینِ حدیث کا اہتمام کیا تھا اسی طرح ان کی خواہش تھی کہ دمشق کے لوگوں کو آنحضرت کی سیرت و مغازی سے آشنا کرنے کے لیے کوئی عالم اس ضروری کام کا بیڑا اٹھائے - بتایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد عاصم بن عمر مدینہ، اپنے گھر لوٹ آئے لیکن وہاں بھی زندگی بھر مغازی کا درس دیتے رہے - ابن قتیبہ ، "المعارف" میں انھیں "صاحب السیر و المغازی" کہتے ہیں اور الفریڈ گیام نے گمان ظاہر کیا ہے کہ عاصم بن

۱- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس - اردو ترجمہ - ص ۴۲ تا ۴۴ -

عمر نے اپنے مغازی پر خطبات کو قلم بند بھی کیا ہوگا[1] ۔

محمد بن اسحاق کی عاصم بن عمر سے مدینہ میں ملاقات ہوئی اور وہ جب تک وہاں رہے ، پابندی سے عاصم کے درس میں شرکت کرتے رہے ، اسی لیے ابن اسحاق نے ان کی مغازی کے متعدد حصے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں ۔ ابن اسحاق کے علاوہ الواقدی نے بھی ان سے خاص طور پر مغازی کی روایات اخذ کی ہیں ۔ ابن جریر طبری نے ۱۴ مقامات پر عاصم کا تذکرہ کیا ہے ۔ ان کی ابتدائی روایات کا تعلق حضور اکرم ؐ کے زمانۂ شباب ، مکی زندگی ، بعثت اور آغاز اسلام سے ہے ۔ عاصم کا درس سن کر لوگوں نے اپنی بیاضوں میں سیرت و مغازی کے واقعات جمع کرنے شروع کیے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بیاضیں ، سیرت نبوی کے خام مواد کے طور پر آئندہ مؤلفین کے بے حد کام آئیں اور اُن کی حیثیت ابتدائی ماخذ کی ہو گئی ۔ ڈاکٹر محمودالحسن کہتے ہیں کہ "عاصم بن عمر اس اعتبار سے خاصے اہم ہیں کہ وہ قدیم اصحاب سیر اور جدید مؤلفین کے مابین بیچ کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔"[2]

شرحبیل بن سعد

شرحبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ) ایک آزاد کردہ غلام تھے اور غالباً جنوبی عرب کے رہنے والے تھے ، لیکن اُن کا بیشتر وقت مدینہ میں گذرا ۔ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے سو برس سے زیادہ عمر پائی ۔ جن صحابہ سے انھوں نے حدیث کی روایات اخذ کیں ، اُن میں زید بن ثابتؓ ، ابوہریرہؓ اور ابو سعید الخدریؓ شامل ہیں ۔ یہ بھی عاصم بن عمر کی طرح سیرۃ و مغازی سے گہری دلچسپی رکھتے تھے ۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ انھوں نے عروۃ بن الزبیر سے مغازی کا مواد حاصل کیا ہو ۔ الفریڈ گیام کہتے ہیں کہ "ہمیں اُن کے بارے میں سوائے اس کے کہ انھوں نے بھی

---

1. The Life of Muhammad : A Gullaume (Introduction) p, xvi.

۲- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ۔ ص ۶۲ ۔

فن مغازی پر ایک کتاب لکھی تھی اور کچھ معلوم نہیں"[1] ۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ مغازی اور اصحاب بدر کے حالات کا ان سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں تھا[2] ۔ ابن اسحٰق ، الواقدی اور طبری نے تو ان سے کوئی روایت نہیں لی لیکن ابن سعد نے رسول اللہ کے قباء سے مدینہ کو ہجرت کرنے کی خبر ان سے اخذ کی ہے[3] ۔ شرجبیل ابن سعد کی جس کتاب المغازی کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ بھی معدوم ہو چکی ہے ۔ ابن اسحٰق کو تو ان سے کد تھی ، لیکن سیرت و مغازی کے دوسرے مصنفین نے بھی انھیں شاذ ہی روایت کیا ہے ۔ شاید بڑھاپے میں حواس مختل ہو جانے کی وجہ سے لوگ انھیں قابل اعتبار نہیں سمجھتے تھے ، اسی لیے مختلف کتابوں میں شرجبیل کے خلاف آراء ملتی ہیں مگر ابن حبان نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے[4] ۔

ابن شہاب الزہری

محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب الزہری (۵۱ھ — ۱۲۴ھ) بہت بلند پایہ تابعی تھے ۔ انھوں نے حدیث ، تفسیر، فقہ ، تاریخ اور مغازی و سیر کی تدوین کے سلسلے میں خاص شہرت حاصل کی ۔ وہ قریش کی ایک شاخ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے تھے، اسی لیے زہری کہلائے ۔ آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی اسی معزز قبیلے سے تھا ۔ ابن شہاب زہری نے ابتدائی زمانہ مدینہ میں گذارا اور اپنے عہد کے نامور آئمہ ابان ابن عثمان ، عروۃ بن زبیر ، سعید بن المسیب ، علقمہ بن وقاص ، علی بن حسین ، ابن عمر ، انس بن مالک اور سہل بن سعد سے علمی استفادہ کیا[5] ۔ شبلی نعمانی ،

---

1. The Life of Muhammad : A. Guillaume : (Introduction, p xv)

۲- تہذیب التہذیب : ابن حجر عسقلانی ، ج ۴ ، ص ۳۲۱ ۔
۳- طبقات الکبریٰ : ابن سعد ۔ ج ۱ ، ص ۱۶۰ ۔
۴- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہوروورتس ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۳۵ ۔
۵- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ۔ ص ۹۷ ، ۹۸ ۔

تہذیب التہذیب کے حوالے سے امام زہری کے بارے میں کہتے ہیں کہ "امام زہری اپنے زمانہ کے اعلم العلماء تھے - فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہم سر نہ تھا - امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں - انھوں نے احادیث اور روایات کے حاصل کرنے میں بڑی سخت محنت کی - مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے اور مکان پر جوان ، بوڑھا ، عورت ، مرد جو کوئی مل جاتا ، یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں تک سے آنحضرت ؐ کے اقوال و حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے تھے - آپ نے "کتاب المغازی" غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر لکھی"[1] -

امام زہری سے سیرۃ و مغازی پر کتاب لکھنے کی ایک فرمائش خالد بن عبداللہ القسری نے کی تھی - اس سلسلے میں زہری کا اپنا بیان یہ ہے کہ انھوں نے خالد کی فرمائش پر پہلے شمالی عرب کے قبائل سے متعلق ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی ، لیکن ابھی وہ مکمل نہیں ہوئی تھی کہ خالد نے کہا کہ ہمارے لیے سیرۃ کے موضوع پر ایک کتاب لکھ دو - (قال و اکتب لی السیرۃ)[2] - اس فرمائش کی زہری نے بخوشی تعمیل کی اور وہ "کتاب المغازی" لکھی ، جو خود تو اب موجود نہیں ہے لیکن اس کے حوالے کثرت سے بعد کی کتب سیرت میں ملتے ہیں - زہری نے امویوں کے لیے صرف یہی ایک کتاب نہیں لکھی ، بلکہ اور بھی کئی کتابیں تالیف کی تھیں - بتایا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کتاب احادیث کے لیے وقف تھی اور اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات کے لگ بھگ تھی[3] - یہ کتاب خلیفہ ہشام کے کتب خانے میں داخل کی گئی ، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ زہری کی دیگر تصانیف کی طرح یہ بھی ضائع ہو گئی - احادیث کے مجموعوں میں "الزہریات" کے عنوان سے جو کچھ ملتا ہے وہ بعد کے مؤلفین کی کاوش کا نتیجہ ہے ، جنھوں نے مختلف ذرائع سے زہری سے مروی احادیث ، فقرے اور اقتباسات اکٹھے کیے -

سر ولیم میور لکھتے ہیں : "یہ بھی کہا گیا ہے کہ زہری اور آن

---

۱ سیرت النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ ، ص ۱۹ -
۲- الاغانی : اصفہانی - ج ۱۹ - ص ۵۹ -
۳- تراجم الرجال : ذہبی - ص ٦٧ -

کے استاد عروۃ ، دونوں نے باقاعدہ کتب سیرت محمدؐ مرتب کیں ، لیکن یہ بات غیر یقینی ہے ، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ زہری نے احادیث کے ایسے کئی مجموعے مرتب کیے تھے جن میں رسول اللہ کی زندگی کے اہم واقعات مندرج تھے اور یقیناً ان واقعات کا تعلق آنحضرتؐ کے عسکری کردار سے تھا"[۱] ۔ الفریڈ گیام کہتے ہیں کہ "ان کی مرویات کا بڑا حصہ ان شاگردوں کے ذریعے محفوظ ہو گیا ، جنھوں نے زہری کے درس میں شرکت کرکے انھیں تحریر کر لیا تھا اور وہ اپنی کتابوں میں ان احادیث کی سند کے طور پر امام زہری کا نام درج کرتے ہیں[۲] ۔ ان شاگردوں میں یوں تو کئی ایک نے خود بھی فن مغازی و سیر میں نام پیدا کیا مثلاً یعقوب بن ابراہیم ، محمد بن صالح اور عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز وغیرہ ، جن میں سے ہر ایک بقول ابن حجر عسقلانی "صاحب المغازی" ہے لیکن امام زہری کے تلامذہ میں جو شہرت موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق کو حاصل ہوئی ، وہ کسی اور کے نصیب میں نہ آئی ۔ ہم محمد ابن اسحٰق کے خاص طور پر ممنون ہیں کہ ان کے ذریعے زہری کی بہت سی روایات ہم تک پہنچ گئی ہیں ۔ ابن ہشام نے سیرت رسول اللہ پر اپنی مشہور کتاب میں جو محمد ابن اسحٰق کی کتاب المغازی ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے ، وہ تمام روایات ، زہری کے حوالے سے درج کی ہیں ۔ مثلاً مصریوں کے بارے میں رسول اللہ کی نصیحت[۳] ، فارس کے آخری گورنر بازان کا قبول اسلام[۴]، کسریٰ کا خط[۵] ، ستاروں کے ٹوٹنے کا واقعہ[۶] ، ابوسفیان اور ابوجہل کا چھپ کر قرآن سننا[۷] ، مسلمانوں کی ہجرت حبشہ ، قریش کے وفد کی آمد[۸] ، اور حبشہ میں نجاشی کے برسراقتدار آنے کا واقعہ[۹] ، زہری کی سند سے نقل کیے گئے ہیں ۔

---

1. The Life of Mohammad : Sir William Muir (Introduction, p. 76).
2. The Life of Muhammad : A Guillaume (Introduction, p. 16)

۳ تا ۸۔ سیرت ابن ہشام : ابن ہشام ۔ ج ۱ ۔ ص ۷ ، ۶۹ ، ۲۰۷ ، ۳۱۵ ، ۳۱۶ ، ۳۲۸ ، ۳۲۹ ، ۳۳۹ ، ۳۴۰ ، ۳۷۳ ، ۳۷۴ ۔

ان کے علاوہ حضرت ابو بکر کے الدغنہ کا جوار قبول کرنے کا واقعہ[۱] معراج کا ایک ٹکڑا[۲] عقبہ[۳] اولیٰ کا ایک حصہ[۳] ہجرتِ رسول کا مفصل بیان[۴] مدینہ کے ایک یہودی کے معاملہ میں نیچے ہونا[۵] عبداللہ بن ابی کو اسلام کی دعوت دینا[۶] غزوۂ احد[۷] غزوۂ خندق[۸] بنی غطفان اور آنحضرت کے مابین ہونے والی مصالحت[۹] غزوۂ بنی قریظہ[۱۰] اہلِ خزرج کا اسلام[۱۱] ابن الحقیق کو قتل کرنے کی اجازت طلب کرنا[۱۲] وغیرہ روایات زہری کی سند سے بیان کی گئی ہیں - حدیثِ افک کے بعض ٹکڑے[۱۳] اور اسی طرح صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان کے سلسلے کے بعض ٹکڑے بھی زہری کی مغازی سے اخذ کیے گئے ہیں -[۱۴] ہدنہ کا واقعہ[۱۵] اور چند آیات کا شانِ نزول بھی زہری کی سند سے روایت ہوا ہے -[۱۶] خیبر سے واپسی پر بلالؓ کا نیند سے مغلوب ہونا[۱۷] خیبر سے یہودیوں کی بیدخلی[۱۸] عکرمہ و رضوان کا قبولِ اسلام[۱۹] ذات انواط کا واقعہ[۲۰] غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں کا معاملہ[۲۱] رسول اللہ کی بیماری[۲۲] انصار کے بارے میں آپ کی وصیت[۲۳] وفات کا دن[۲۴] اور سقیفہ بنی ساعدہ میں مشورۂ خلافت[۲۵] کی ساری روایات زہری کی سند سے بیان کی گئی ہیں -

ابنِ اسحٰق کے علاوہ طبری اور ابنِ سید الناس نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں زہری کی روایات کو نقل کیا ہے - چند روایات کو چھوڑ کر ابن سید الناس نے کم و بیش وہی مواد اپنی کتاب میں درج کیا ہے ، جو ابنِ اسحٰق اور طبری کے ہاں موجود ہے - البتہ تاریخِ طبری میں زہری کی بہت سی ایسی تاریخی روایات موجود ہیں ، جو ابنِ ہشام کی سیرت میں نہیں پائی جاتیں ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زہری کی مغازی سے طبری نے ابنِ اسحٰق کے علاوہ اور بھی راویوں کے ذریعے استفادہ کیا ہے - مثلاً وہ معمر بن راشد کو نقل کرتا ہے - جس سے پتہ چلتا ہے کہ معمر نے

---

۱ تا ۵- سیرت ابن ہشام : ابن ہشام - ج ۱ ، ص - ۳۰۰ ، ۳۳۳ ، ۳۸۹ اور ۴۹۰ ، ۵۶۳ اور ۵۱۴ ، ۵۸۶ اور ۵۸۸ -

۶ تا ۲۵- ایضاً - ج ۲ ، ص - ۶۰ ، ۲۱۴ ، ۲۲۳ ، ۲۳۳ ، ۲۷۲ ، ۲۷۶ اور ۲۹۷ ، ۳۰۹ ، ۳۰۸ اور ۳۲۴ ، ۳۲۷ ، ۳۴۰ ، ۳۵۶ ، ۴۱۸ ، ۴۴۲ ، ۵۳۱ ، ۴۶۹ ، ۶۴۲ ، ۶۵۰ ، ۶۵۲ ، ۶۶۰ - (بالترتیب)

بھی اپنی کتاب میں زہری کی روایات درج کی تھیں ۔ اسی طرح طبری نے محمد ابن سعد کی مرتبہ کتاب "مشاہد النبی" میں درج زہری کی مغازی سے متعلق روایات بھی استعمال کی ہیں ۔ ڈاکٹر محمود الحسن نے ابن ہشام ، ابن جریر طبری اور ابن سید الناس کی کتابوں میں موجود امام زہری کی مغازی سے متعلق تمام روایتوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے[1] ۔ اور ایک ایک روایت گنوا کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "زہری کے سامنے سیرت نبوی کا ایک مکمل نقشہ موجود تھا ، جس کے لیے تفصیل سے اس موضوع پر مواد اکٹھا کیا گیا تھا "[2] ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ زہری نے زبانی پوچھ گچھ کے علاوہ بعض اصل تحریری مسودات بھی کد و کاوش کے بعد حاصل کیے اور انھیں اپنی کتاب میں درج کیا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زہری کو اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنے کا کتنا خیال تھا[3] ۔ علاوہ ازیں انھوں نے رسول اکرم ؐ کے کارناموں کی تصدیق یا تشریح کے لیے قرآن پاک کی آیات کو بھی بطور شہادت پیش کیا ہے ، خصوصاً غزوات کے بارے میں ، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ؐ کی زندگی اور قرآن میں کتنی گہری مطابقت موجود ہے ۔ پھر امام زہری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے واقعات درج کرتے وقت نہ صرف تاریخی تسلسل کا خیال رکھا ہے[4] بلکہ ایک ہی موضوع کی متعدد روایات کو جمع کرکے ایک نئی روایت بنا دیا ہے اور ساتھ ہی تمام راویوں کے نام بھی درج کر دیے ہیں[5] ۔ ان کے اس اجتہاد نے بعد میں آنے والے مؤرخین کے لیے بہت آسانی پیدا کر دی کیونکہ تاریخ نویسی کے لیے یہی طریقہ موزوں تھا ۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زہری نے سیرت و مغازی کی تدوین کے ابتدائی دور میں نہایت اہم خدمات انجام دیں ۔

عبداللہ بن ابو بکر

عبداللہ بن ابو بکر بن محمد بن عمر بن حزم (متوفی ۱۳۰ھ یا ۱۳۵ھ) قاضی ابو بکر بن حزم انصاری کے بیٹے ہیں ۔ قاضی ابو بکر کے نام خلیفہ

۱۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء ۔ ڈاکٹر محمود الحسن ۔ ص ۴۹ ، ۵۰ ، ۵۲ اور ۵۳ ۔ (بالترتیب)

۲ تا ۴۔ ایضاً ۔ ص ۵۰ ، ۵۴ ، ۵۴ ۔ (بالترتیب)

۵۔ سیرت ابن ہشام : ابن ہشام ۔ ج ۳ ۔ ص ۳۰۹ ۔

عمر بن عبد العزیز نے اپنا وہ مشہور فرمان بھیجا تھا جس میں انھیں تاکید کی تھی کہ حضور اکرمؐ کی جو بھی حدیث انھیں ملے ، اسے تحقیق کے بعد لکھ لیں کیونکہ انھیں (عمر بن عبدالعزیز) علماء کے فوت ہو جانے اور علم کے مٹ جانے کا خوف ہے ۔ انھوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کوئی قدیم روایت یا عمرۃ بنت عبدالرحمٰن کی جو بھی حدیث ہاتھ آئے ، اسے قلم بند کر لیا جائے ۔ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن ، ام المومنین حضرت عائشہ سے قریبی تعلق کی وجہ سے احادیث و اخبار کا اچھا علم رکھتی تھیں اور ابو بکر چونکہ اُن کے بھانجے تھے اس لیے انھیں اپنی خالہ عمرۃ کے ذریعے حضرت عائشہ کی احادیث حاصل کرنے کے اچھے مواقع ملے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر نے انھیں اس امر کی بطور خاص تاکید کی تھی ۔ قاضی ابو بکر نے خود بھی احادیث جمع کیں اور ان کا یہ ذوق اُن کے بیٹے عبداللہ میں بھی منتقل ہوا ؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ تابعین کے بعد تین ایسے علماء سامنے آئے جنھیں مغازی سے بھی اتنی ہی دلچسپی تھی جتنی حدیث سے ۔ ان میں عاصم بن عمر اور ابن شہاب زہری کے ساتھ تیسرا نام عبداللہ بن ابو بکر کا ہے ۔[1]

یہ تو یقین سے کہنا مشکل ہے کہ عبداللہ بن ابو بکر نے سیرت و مغازی پر کوئی کتاب لکھی تھی ، لیکن ابن اسحٰق ، واقدی ، ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں جن کا موضوع مغازی ہے اور جو عبداللہ بن ابوبکر کے حوالے سے درج ہیں ۔ ابن الندیم کی الفہرست سے پتہ چلتا ہے کہ انھی عبداللہ کے بھتیجے عبدالملک بن محمد القاضی (متوفی ۱۷۶ھ) نے بھی ایک کتاب المغازی لکھی تھی، جو اب معدوم ہو چکی ہے ، لیکن گمان غالب یہی ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اپنے چچا عبداللہ بن ابو بکر سے سنی ہوئی روایات کی روشنی میں مرتب کی ہوگی ۔ اس گمان کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ انھی عبدالملک کے ایک بھائی عبدالرحمٰن سے بہت سی روایات واقدی نے نقل کی ہیں جو انھوں نے اپنے چچا عبداللہ بن ابو بکر سے اخذ کی تھیں ۔ جوزف ہورووتس ان روایات کا جائزہ لینے کے بعد کہتے

۱۔ سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۵۳ ، ۵۴ ۔

ہیں کہ "عبداللہ کے اقوال لفظ مغازی کے محدود معنوں ہی پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ انھوں نے رسول اللہ کے ابتدائی عہد اور ایام شباب کے بارے میں بھی روایات جمع کی تھیں مگر عام طور پر ان کا نام اخبار غزوات کے سلسلے میں ہی سامنے آتا ہے ۔ انھوں نے "وفود" (قبائل کے وفود جو رسول اللہ کی خدمت میں آئے) کے متعلق خاص طور پر مواد فراہم کیا ہے اور رسول اللہ کی وفات کے بعد قبائل عرب کے ارتداد کے اخبار کی روایت کی ہے ۔"[۱]

عبداللہ اپنی بیشتر روایات میں اسناد کا اہتمام نہیں کرتے ۔ اس کی وجہ الفریڈ گیام کے لفظوں میں یہ ہے کہ "انھوں نے ان لوگوں سے روایات اخذ کیں ۔ جو نہ صرف واقعات کو انتہائی قریب سے جانتے تھے بلکہ خود عبداللہ بھی ان سے زیادہ فاصلے پر نہ تھے ۔"[۲] تاہم بعض حالتوں میں انھوں نے راویوں کا نام بتایا بھی ہے ۔ ان کی معلومات کا ایک ذریعہ تو ان کی بڑی خالہ عمرۃ بنت عبد الرحمٰن ہیں جن کا نام انھوں نے اسناد میں لیا ہے اور دوسرا ذریعہ ان کی بیوی فاطمہ ہیں جن کے واسطے سے انھوں نے بعض روایات لی ہیں ، کیونکہ فاطمہ نے وہ روایات عمرۃ سے خود اخذ کی تھیں[۳] ۔ جوزف ہورووتس کہتے ہیں کہ "عبداللہ نے غزوات نبوی کی فہرست ، تاریخی ترتیب کے ساتھ تیار کی تھی ، جو ابن اسحٰق نے اپنی کتاب میں درج کی ہے ۔ انھوں نے لکھی ہوئی کتابوں اور دستاویزوں کی طرف بھی توجہ دی ۔ مثلاً وہ خط جو رسول اللہ نے ملوک حمیر کو بھیجا تھا ، یا وہ دستاویز جو آنحضرت نے ان کے پردادا حضرت عمر بن حزم کو ساتھ رکھنے کے لیے اس وقت دی تھی جب انہیں اہل نجران کو اسلامی

۱۔ سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس ۔ اردو ترجمہ ، ص ۵۶ ۔

2. The Life of Muhammad : A Guillaume (Introduction, p. 19)
3. Ibid. p. 16.

تعلیمات سکھانے کے لیے روانہ کیا تھا ۔"[1]

عبداللہ بن ابو بکر ، ابنِ اسحٰق کے اہم شیوخ میں سے ہیں ، جن سے استفادہ کر کے انھوں نے اپنی "کتاب المغازی" میں بہت سی روایات درج کی ہیں ۔ فنِ تدوینِ مغازی میں اُن کی اہمیت صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ انھوں نے بس اخبار جمع کیے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اسے تاریخی ترتیب کے ساتھ مدون کرنے کی کوشش کی[2] ۔

ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن

ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل متوفی (۱۳۱ھ یا ۱۳۷ھ) نے بھی ایک "کتاب المغازی" اپنی یادگار چھوڑی ہے ، جس میں عروۃ بن زبیر کی احادیث نقل کی گئی ہیں ۔ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن کا ذکر جے ۔ فوک نے اپنی کتاب "محمد ابن اسحٰق" میں کیا ہے[3] اور الفریڈ گیام نے ابن اسحٰق کی "سیرتِ رسول اللہ" کے انگریزی ترجمے "لائف آف محمد؟" کے دیباچے میں فوک (Fuck) کے حوالے سے ہی ابوالاسود کی "کتاب المغازی" کا تذکرہ کیا ہے ۔

موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ بن ربیعہ بن ابی عیاش الاسدی (۵۵ھ - ۱۴۱ھ) خاندانِ زبیر بن العوام کے موالی (آزاد کردہ غلام) تھے ۔ آپ مدینہ میں پیدا ہوئے یہیں تعلیمی مراحل طے کئے اور ایک صحابیہ سے ملاقات کر کے تابعی کہلائے[4] ۔ واقدی کی روایت ہے کہ عقبہ کے تینوں بیٹے ، ابراہیم ، موسیٰ اور محمد ، مسجد نبوی ؐ میں اپنا اپنا حلقہ درس رکھتے تھے اور سب فقہ و حدیث کے عالم تھے ، مگر موسیٰ سے فتویٰ لیا جاتا تھا[5] ۔ فقہ و

---

۱ ، ۲- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس - اردو ترجمہ ص ۵۷ ، ۵۸ -

3 Muhammad ibn Ishaq : J Fuck, p. 11

۴- شذرات الذہب : ابن العماد - ج ۱ ، ص ۲۰۹ ، ۲۱۰ -
۵- تہذیب التہذیب : ابن حجر - ج ۱۰ ، ص ۳۶۲ -

حدیث کے علاوہ موسیٰ کو مغازی سے بھی دلچسپی تھی۔ جس کا ثبوت ان کی کتاب المغازی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کا اصل نسخہ تو معدوم ہو چکا ہے لیکن اس مسودے سے جو احادیث منتخب کر کے ایک نیا مجموعہ مرتب کیا گیا تھا وہ اب بھی مل جاتا ہے[۱]۔ اس کتاب کا اصل نسخہ پروشین سٹیٹ لائبریری میں موجود ہے جسے جرمن ترجمے کے ساتھ سخاؤ نے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا تھا[۲]۔ موسیٰ بن عقبہ کی "کتاب المغازی" کوئی ضخیم کتاب نہیں تھی لیکن اس کے مصنف کی ثقاہت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ امام مالک بن انس ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ، تینوں بزرگوں کی رائے ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب اپنے موضوع پر اہم ترین اور قابل اعتماد تصنیف ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ موسیٰ بن عقبہ سے مغازی کا علم حاصل کرو کیونکہ وہ بھروسے کے قابل ہیں[۳]۔ امام احمد بن حنبل ان کی روایتوں کو ثقہ مانتے تھے اور کہتے تھے کہ موسیٰ کی مغازی لے لو کیونکہ وہ قابل اور ثقہ ہے[۴]۔ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کی روایت ان کے بھتیجے اسمٰعیل بن ابراہیم بن عقبہ (متوفی ۱۵۸ھ) نے کی ہے۔ اس کتاب سے "تاریخ الخمیس" کے مؤلف دیار بکری نے بھی استفادہ کیا ہے ، جنہوں نے اپنی کتاب ۹۴۰ھ میں مکمل کی اور ان کی مغازی کو یاقوت حموی نے ابو نعیم کے "مختصر" میں بھی استعمال کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کے فن مغازی میں حریف محمد ابن اسحٰق نے اپنی کتاب میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے اپنی بیشتر روایات اخذ کی ہیں جس سے گمان گذرتا ہے کہ موسیٰ ان کے شاگرد رہے ہوں گے۔ ان کے اولین راوی اور پیش رو ان کے نانا ابو حبیبہ ہیں جن کے حوالے سے انہوں نے ۹۱ھ تک کے بعض واقعات درج کیے ہیں۔ موسیٰ نے ایک موقع پر

۱۔ الاعلام : خیر الدین الزرکلی۔ ج ۸ ، ص ۲۷۶۔
۲۔ سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس۔ اردو ترجمہ۔ ۱۰۵۔
۳۔ تہذیب التہذیب : ابن حجر۔ ج ۱۰ ، ص ۳۶۱۔
۴۔ تذکرۃ الحفاظ : ذہبی۔ ج ۱ ، ص ۱۴۸۔

عبداللہ بن عباس رض کے صحائف سے استفادہ کا ذکر کیا ہے ۔ علاوہ ازیں اُن کے پاس کچھ اصل دستاویزات بھی موجود تھیں ۔ مثلاً آنحضرت ص نے منذر بن ساوی کو جو خط بھیجا تھا اُسے موسیٰ نے لفظ بلفظ نقل کیا ہے[1] ۔ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے ابن سعد ، واقدی ، طبری ، البلاذری اور ابن سید الناس نے خاص طور پر فائدہ حاصل کیا ہے ۔ مثلاً ابن سعد نے طبقات کی تیسری اور چوتھی جلد میں موسیٰ کی کتاب سے وہ اقتباسات نقل کیے ہیں جن میں حجرتِ حبشہ کے شرکاء ، عقبہ کی دونوں بیعتوں کے شرکاء اور جنگِ بدر کے مسلمان شرکاء کی فہرستیں تھیں ۔ ابن سعد کے استاد واقدی نے اگرچہ موسیٰ کی کتاب سے مختلف احادیث اخذ کی ہیں لیکن انھوں نے اس ضمن میں "کتاب المغازی" کا حوالہ نہیں دیا البتہ واقدی کے ذریعے سے ابن سعد نے موسیٰ کی روایات کثرت سے نقل کی ہیں ۔ یہی حال طبری کا ہے ، جو اپنی تاریخ میں موسیٰ بن عقبہ کی کثیر روایات نقل کرتے ہیں ، جن کا تعلق عہدِ نبوی کے واقعات کے علاوہ خلفائے راشدین کے عہد سے بھی ہے[2] ۔

ڈاکٹر محمود الحسن کہتے ہیں کہ "موسیٰ کی مغازی کے چیدہ چیدہ ٹکڑے جو سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں ، ان کے مطالعے سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ وہ سیرتِ نبوی ص کا ایک مکمل نقشہ اپنے ذہن میں رکھتا تھا ۔ اسی نقشے کے تحت اس نے نبی اکرم ص کی پوری زندگی کے حالات قلم بند کیے ہیں ۔ ان روایات سے موسیٰ کے تحقیقی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے ۔ چنانچہ غزوات اور جنگوں میں شریک اشخاص کی جو فہرست اس نے اپنے مغازی میں فراہم کی ہے وہ اس کی عالمانہ شان اور محققانہ اندازِ فکر کا پتہ دیتی ہے"[3] ۔

۱- فتوح البلدان : بلاذری ۔ ص ۸۰ ۔
۲- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس ، اردو ترجمہ ، ص ۱۰۶ ، ۱۰۷ ۔
۳- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ، ص ۶۹ ۔

معمر بن راشد

ابوعروۃ معمر بن راشد الاَزدی (۹۶ھ - ۱۵۰ھ یا ۱۵۳ھ) قبیلہ ازد کی شاخ بنو حدّان کے مولٰی (آزاد کردہ غلام) تھے اور عہدِ جوانی میں انھوں نے مشہور محدث قتادہ بن دعامہ (متوفی ۱۱۸ھ) سے احادیث سنی تھیں - بصرہ میں ہی انھوں نے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم میں شہرت پائی - وہ زہری کے شاگرد تھے اور انھیں بھی اپنے استاد کی طرح مغازی سے دلچسپی تھی ؛ چنانچہ ابن الندیم کی ''الفہرست'' سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے دیگر کتابوں کے علاوہ ایک ''کتاب المغازی'' بھی مرتب کی تھی[1] لیکن بدقسمتی سے یہ کتاب بھی محفوظ نہ رہ سکی اور اس کے صرف چند اجزاء ہی ہم تک پہنچ پائے ہیں - یہ ٹکڑے واقدی اور ابن سعد کی کتابوں میں نسبتاً زیادہ اور البلاذری اور طبری کی کتابوں میں نسبتاً کم درج ہوئے ہیں - خیال کیا جاتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ابن العماد نے ''الجامع المشہور فی السیر'' کے نام سے کیا ہے[2] - معمر بن راشد ، ہشام بن عروۃ کے بھی شاگرد تھے؛ چنانچہ ان کے ذریعے سے معمر کی رسائی عروۃ بن زبیر کی مغازی تک بھی ہوئی ہوگی ، جس سے انھوں نے اپنی کتاب کی تالیف میں فائدہ اٹھایا ہوگا - معمر کی ''کتاب المغازی'' کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے اس استفادہ کا پتہ لگانا مشکل ہوگیا ہے - بہرحال اس کتاب کے بچے کھچے ٹکڑوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بقول ڈاکٹر محمود الحسن ''معمر نے اپنی کتاب میں عام نمونے کی پیروی کرتے ہوئے صرف غزوات سے متعلق ہی روایات قلم بند نہیں کی ہوں گی بلکہ سیرت نبوی کے تمام پہلوؤں پر مواد کو اپنی کتاب میں جگہ دی تھی''[3] - اس کا ثبوت تاریخِ طبری میں موجود معمر بن راشد کی کتاب المغازی سے منقول ان اقتباسات سے ملتا ہے جن کا تعلق قبلِ رسالت کے بعض واقعات سے ہے - علاوہ ازیں طبری نے

۱- الفہرست : ابن الندیم - ص ۱۴۳ - اردو ترجمہ : مولانا محمد اسحٰق بھٹی ، ص ۲۲۹ -

۲- شذرات الذہب : ابن العماد - ج ۱ ، ص ۲۳۵ -

۳- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن - ص ۶۵ -

فترة وحی[1] ، اسعد ابن ذرارۃ کا واقعہ[2] ، بنی نضیر کا معاملہ[3] اور صلح حدیبیہ کے سلسلے میں بعض ٹکڑے[4] معمر کی مغازی سے ہی نقل کیے ہیں - اس خیال کی تائید جوزف ہورووتس نے بھی کی ہے - وہ کہتے ہیں کہ ''معمر نے مغازی کو محدود معنوں میں نہیں رکھا ہے بلکہ قدیم انبیاء اور اہل کتاب کی تاریخ کی طرف بھی توجہ دی ہے اور الطبری نے اس حصے سے اپنی کتاب میں خاصا اخذ کیا ہے - اسی طرح انہوں نے رسول اللہ کی ہجرت سے پہلے کی تاریخ پر مواد فراہم کیا ہے - مزید برآں ابن سعد اور الطبری کی تاریخوں میں معمر کے حوالے سے عہد عثمانؓ و معاویہؓ کے اہم واقعات نقل ہوئے ہیں''[5]

معمر بن راشد ان راویوں میں سے ایک ہیں ، جن سے واقدی نے بکثرت روایات اخذ کی ہیں - ابن سعد نے ان کے اخبار ، عبدالرزاق بن ہمام (متوفی ۲۱۱ھ) کے حوالے سے درج کتاب کیے ہیں - ''الفہرست'' سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام نے بھی ایک ''کتاب المغازی'' تالیف کی تھی - عبدالرزاق چونکہ معمر کے شاگرد تھے ، اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ یہ کتاب معمر کی '' کتاب المغازی'' سے ہی ماخوذ ہوگی یا اس کی نقل ہوگی - اس خیال کی تائید یا تردید بھی اب ممکن نہیں کیونکہ نہ استاد کی کتاب محفوظ ہے نہ شاگرد کی -

مختصراً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ معمر بن راشد بھی فن مغازی کے ثقہ مؤلفین میں سے ہیں - اسی لیے آن کے بعد آنے والے سیرت نگاروں نے آن کی کتاب سے بے تکلف واقعات نقل کیے ہیں - غالباً اسی لیے ابن معین نے مالک اور یونس کے ساتھ معمر کو بھی الزہری کے ثقہ ترین راویوں میں شمار کیا ہے[6] -

---

۱ تا ۴- تاریخ الامم و الملوک : ابن جریر طبری - ج ۲ ، ص ۱۱۵۵ ، ۱۲۶۰ ، ۱۳۵۱ ، ۱۵۳۹ تا ۱۵۵۱ (بالترتیب) -

۵- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس - اردو ترجمہ - ص ۱۰۹ -

۶- ایضاً -

محمد بن اسحٰق

محمد بن اسحٰق بن یسار بن خیار (۸۵ھ — ۱۵۱ھ) پہلے سیرت نگار ہیں جن کی "کتاب المغازی" کا بیشتر حصہ اپنی صحیح ، مرتب اور مدون شکل میں ہم تک پہنچا ہے اور اسی لیے اُن کی شہرت کے آگے اُن کے پیشرؤں اور معاصرین کے چراغ گل ہو گئے - ابن اسحق کی کتاب ، "کتاب المغازی و السیر" اور "کتاب السیرۃ و المبتدا و المغازی" اور "کتاب المغازی" تینوں ناموں سے معروف ہے اور اس کا بیشتر حصہ ابن ہشام نے اپنی "سیرت رسول اللہ" میں محفوظ کر دیا ہے - محمد بن اسحٰق بھی الزہری کے دوسرے نامور مغازی نگاروں ، موسیٰ بن عقبہ اور معمر بن راشد کی طرح موالی گھرانے میں پیدا ہوئے - اُن کے والد اسحٰق بن یسار اور چچا موسیٰ بن یسار بھی حدیث سے دلچسپی رکھتے تھے- اسحٰق چونکہ عروۃ بن زبیر کے شاگرد تھے ، اس لیے محمد بن اسحٰق کو اپنے باپ سے اُن احادیث اور مغازی کی روایات کے اخذ و استفادہ کا موقع مل گیا ، جو عروۃ سے حاصل کی گئی تھیں - خود اسحٰق بھی ایک ثقہ راوی تھے، چنانچہ ابن اسحٰق نے اپنی کتاب میں اُن کی روایات بھی نقل کی ہیں - محمد بن اسحٰق نے مدینہ کے نامور تابعین ، عاصم بن عمر ، عبداللہ بن ابی بکر اور ابن شہاب زہری سے رابطہ قائم رکھا ؛ چنانچہ ابن اسحٰق کی کتاب المغازی میں ان تین حضرات کی احادیث سب سے زیادہ ہیں - ابن اسحٰق نے ۱۱۳ اساتذہ سے استفادہ کیا ، جن میں سے ایک سو تو صرف مدینہ کے تھے - اسی طرح اُن کے شاگردوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ ہے جن میں پندرہ شاگردوں نے اُن کی سیرت کی کتاب روایت کی ہے - ان میں مستند ترین روایت سلمۃ بن الفضل کی ہے -

کہا جاتا ہے کہ ابن اسحٰق نے "کتاب المغازی" خلیفہ ابو جعفر المنصور عباسی کی فرمائش پر لکھی لیکن ایک اور روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابن اسحٰق نے خلیفہ منصور کی ملاقات سے پہلے مدینہ میں اس کتاب کو مکمل کر لیا تھا اور اس کا ایک نسخہ سلمۃ بن الفضل کے حوالے کیا تھا[1] -

---

[1]. تاریخ بغداد : ابن الخطیب - ج ۱ ، ص ۲۲۱ -

محمد بن اسحٰق کی کتاب تین اجزاء پر مشتمل ہے - (۱) المبتدأ (۲) المبعث (۳) المغازی - پہلے حصے "المبتدأ" (یا "مبدأ" یا مبتدأ الخلق) میں کائنات کی ابتداء سے لے کر رسول اللہ؀ کے قریبی اجداد اور اہل مکہ کے عقائد و رسوم کا ذکر کیا گیا ہے - اس حصہ میں سابقہ انبیاء اور عہد جاہلیت میں یمن کی تاریخ بھی موجود تھی ، جس کا بیشتر سواد ابن ہشام نے اپنی "سیرت رسول اللہ" میں حذف کر دیا ہے ، لیکن ازرقی اور طبری نے اپنی کتابوں میں اسے برقرار رکھا ہے - دوسرے حصے "المبعث" میں رسول اللہ؀ کی مکی زندگی ، ہجرت مدینہ اور جنگ بدر سے پہلے تک کے حالات موجود تھے - ابن ہشام نے اس کا خلاصہ اپنی کتاب میں شامل کیا ہے اور واقدی ، ابن سعد ، طبری ، ابن الاثیر اور ابن سید الناس نے بھی اس حصے کو اپنی اپنی کتابوں کا جزو بنایا ہے - اس کے بعد "المغازی" کتاب کا تیسرا حصہ ہے ، جس میں جنگ بدر سے لے کر آنحضرت؀ کی وفات تک کے حالات کا تذکرہ ہے - ابن اسحٰق نے ان تینوں حصوں کی تدوین کے دوران بعض تحریری مسودات سے بھی استفادہ کیا ، مثلاً رسول اللہ کے اس معاہدے کو انھوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے ، جو آپ نے مدنی قبائل سے کیا تھا - ابن اسحٰق نے بعض اہم فہرستیں بھی شامل کتاب کی ہیں مثلاً غزوۂ بدر ، احد ، خندق ، خیبر ، موتہ اور طائف کے شرکاء کے نام مغازی کے باب میں درج ہیں[1] -

کہا جاتا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے سیرۃ و مغازی کے علاوہ تاریخ الخلفاء کے موضوع میں بھی دلچسپی لی تھی اور اس موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی ، چنانچہ ابن الندیم ، "الفہرست" میں ابن اسحٰق کی "السیرۃ و المبتدأ و المغازی" کے علاوہ "کتاب الخلفأ" کا بھی ذکر کرتا ہے[2] لیکن کتاب المغازی کی طرح اس کتاب کا اصل نسخہ بھی ناپید ہو چکا ہے ، البتہ طبری نے اپنی تاریخ میں کہیں کہیں اس کے اجزاء نقل کیے ہیں[3] - ابن اسحٰق کی اصل تصنیف "کتاب المغازی" کے بکھرے

۱- سیرت ابن ہشام : ابن ہشام - ج ۱ ، ص ۳۹ ، ۵۰ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ -
۲- الفہرست : ابن الندیم - ص ۱۳۲ - اردو ترجمہ ، ص ۲۲۶ -
۳- تاریخ الامم و الملوک : طبری - ج ۳ ، ص ۱۸۲۳ -

ہونے اجزاء ابن ہشام کے علاوہ درج ذیل مصنفین کی کتابوں سے حاصل کیے جا سکتے ہیں : واقدی ، ازرق ، ابن سعد ، ابن قتیبہ ، بلاذری ، طبری ، سیرافی ، ماوردی ، ابن اثیر ، ابن الزیات ، ابن کثیر ، ابن حجر وغیرہ -

ابن اسحٰق نے بڑی سلیقہ مندی سے اپنے اساتذہ سے حاصل کردہ روایتوں میں مزید روائتیں اور اقوال شامل کرکے "کتاب المغازی" کو اس موضوع پر اولین اہم کتاب بنا دیا ہے - بقول جوزف ہورووتس "اس نے رسول اللہ کی حیات طیبہ کے مختلف ادوار کو نہ صرف ایک تناسب کے ساتھ اپنی تالیف میں پیش کیا ہے بلکہ انبیاء سابقین کے حالات شامل کرکے سیرۃ کے موضوع میں وسعت پیدا کر دی اور اسے تاریخِ رسالت بنا دیا"[1] -

ابن ہشام

ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری (متوفی ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "سیرۃ رسول اللہ" کی وجہ سے رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے ، کیونکہ اولین کتبِ سیرت میں ان کی کتاب کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ پوری کی پوری ہم تک پہنچی ہے - یہ کتاب دراصل محمد بن اسحٰق کی "کتاب المغازی" کی ایک بہتر اور توسیعی شکل ہے - ابن ہشام نے اس قدر فن کارانہ مہارات اور سلیقے سے ابن اسحٰق کی کتاب کی تہذیب و اصلاح کی ہے کہ اب اس کتاب کی موجودگی میں ابن اسحٰق کی "کتاب المغازی" کے ناپید ہونے کا افسوس نہیں رہتا - بعض مستشرقین (مثلاً سر ولیم میور اور الفریڈ گیام) نے ابن اسحٰق کی بعض روایات اپنی کتاب میں شامل نہ کرنے پر اُن کی ثقاہت کے بارے میں اعتراضات کیے ہیں ، لیکن بیشتر قدیم علماء ابن ہشام کو نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مؤرخ تسلیم کرتے ہیں - ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں ، ابوالقاسم السہیلی (جو سیرت ابن ہشام کی شرح "الروض الانف" کے مصنف ہیں) کے حوالے سے بتایا ہے کہ ابن ہشام مختلف علوم میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے اور

۱- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس - اردو ترجمہ - ص ۱۲۹ -

خاص طور پر علم الانساب اور قواعد زبان کے ماہر تھے - انھوں نے حمیری سلاطین کی تاریخ بھی لکھی ہے اور ایک کتاب میں ابن اسحٰق کی "کتاب السیرۃ و المغازی" میں شامل مشکل شعری ٹکڑوں کی شرح بھی لکھی - علاوہ ازیں انھوں نے سیرت کے مشکل الفاظ کی وضاحت بھی کی[1] - السہیلی نے ان احادیث کا بھی ذکر کیا ہے ، جو ابن اسحٰق کی کتاب کی تنقیح کرتے وقت ابن ہشام نے حذف کر دیں یا جن کے بارے میں وہ لاعلم تھے[2] - یہ ایک حقیقت ہے کہ ابن ہشام نے ابن اسحٰق کی روایت میں کہیں کہیں حک و اضافہ سے کام لیا ہے ، لیکن ایسے تمام مواقع پر انھوں نے اپنے اقدامات کی وضاحت بھی کر دی ہے - پھر انھوں نے جہاں جہاں ابن اسحٰق سے اختلاف کیا ہے ، وہاں صرف وضاحت پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ اپنے مؤقف کے حق میں ٹھوس دلائل بھی دیئے ہیں - یہ بھی درست ہے کہ ابن ہشام نے اپنی کتاب مرتب کرتے وقت ایسی تمام ضعیف روایات کو حذف کر دیا ہے ، جو رسول اللہ کی سیرت سے لگا نہیں کھاتی تھیں - مثلاً واقعہ غرانیق کا ذکر ابن اسحٰق نے کیا تھا ، جیسا کہ واقدی نے اپنی کتاب میں صراحت کی ہے ، لیکن ابن ہشام نے اسے اپنی کتاب سے نکال دیا - اسی طرح انھوں نے غیر ضروری عربی اشعار ، جن سے ابن اسحٰق کی کتاب بھری پڑی تھی ، خارج کر دے اور اس کے مشکل مقامات اور مبہم اصطلاحات کی وضاحت کی[3] - یوں مناسب ترمیم و تنسیخ ، تشریح و توضیح اور حک و اضافے کے ساتھ ابن اسحٰق کی کتاب کو ایک نئے پیرہن میں پیش کیا - سیرت ابن ہشام کا سب سے بڑا وصف اس کی حسنِ ترتیب اور جامعیت ہے - بقول پروفیسر شیخ سعید اختر "آنحضرتؐ کی ولادت ، رضاعت ، طفولیت کے حالات ، عنفوان شباب ، حضرت خدیجہ سے نکاح ، نبوت کے منصب پر سرافرازی ، تحریک اسلامی کے مخالفین کا ردعمل

---

1. The Life of Muhammad : Sir William Muir (Introduction, p. 79) -
2. The Life of Muhammad : A. Guillaume (Introduction, p. 41) -

۳- سیرۃ الرسول : محمد حسین ہیکل - اردو ترجمہ (مقدمہ : شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی - ص ۲۷) -

ہجرت مدینہ ، یہودیوں سے عہد نامہ ، سلسلۂ سواخات کا قیام ، بدر ، احد اور حنین و احزاب کے معرکے ، بلکہ متعدد غیر معروف غزوات و سرایا کی تفاصیل ، فتح مکہ ، حضور کی علالت و وفات، آنحضورؐ کی ازواج مطہرات کے سوانح ، الغرض سیرت نبوی کا کون سا پہلو ہے جس پر فاضل مصنف نے قلم نہ اٹھایا ہو اور اس پر مستند و معتبر مواد نہ پیش کیا ہو"[۱] -

ابو معشر السندی

ابومعشر السندی (متوفی ۱۷۰ھ) کا اصل نام عبدالرحمٰن بن الولید بن ہلال تھا اور وہ بنی ہاشم کے سوالی تھے - جب انھیں سرقہ کرکے مدینہ میں بیچا گیا تو ان کے مالکوں نے ان کا نام نجیح رکھا[۲]- کہا جاتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد سندھی تھے اور نقل مکانی کرکے عرب پہنچے تھے - اس نسبت سے انھیں السندی کہا گیا - مدینہ میں کافی عرصہ قیام کی وجہ سے انھیں ابو معشر مدنی بھی کہا جاتا ہے - وہ محمد ابن اسحٰق کے معاصر تھے اور مدینہ میں انھوں نے موسیٰ بن یسار (ابن اسحٰق کے چچا) اور محمد بن کعب القرظی سے روایت کی ہے - ابو معشر کو اپنے نامور معاصرین کی طرح حدیث و سیر و مغازی و تاریخ سے گہری دلچسپی تھی - چنانچہ ابن ندیم نے "الفہرست" میں بتایا ہے کہ ابو معشر نے دوسری کتابوں کے علاوہ کتاب المغازی بھی تالیف کی تھی[۳] - اس کتاب کے اقتباسات واقدی کی "کتاب المغازی" اور ابن سعد کی "طبقات" میں موجود ہیں ، لیکن اصل کتاب ناپید ہو چکی ہے - واقدی نے ان سے بطور خاص استفادہ کیا ہے - یہی وجہ ہے کہ جب بھی وہ کسی فصل کی ابتداء میں اپنے راویوں کے نام لیتا ہے تو ابو معشر کا حوالہ دینا نہیں بھولتا - ابن سعد کی کتاب میں بھی ابو معشر کی کتاب المغازی کے اقتباسات خاصی تعداد میں موجود ہیں اور انھیں دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ابو معشر نے اپنی کتاب میں

۱- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر : ص ۵ -
۲- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہوروونس - اردو ترجمہ - ص ۱۳۹ -
۳- الفہرست : ابن الندیم - ص ۱۳۲ - اردو ترجمہ ، ص ۲۲۷ -

حضورؐ کی مکمل زندگی کے متعلق روایات جمع کی ہوں گی[1] - ابن سعد نے اپنے ناسور شیوخ کی فہرست میں ان کا نام بھی لیا ہے - رسول اللہؐ کی ابتدائی زندگی کے واقعات بیان کرتے وقت ابن سعد کے ہاں ابو معشر کا نام اکثر ملتا ہے - طبری نے بھی توریت و انجیل سے متعلق تاریخ ، نبی کریم کی حیات مبارکہ اور تاریخی وقائع کے بارے میں معلومات میں ابو معشر سے استفادہ کیا ہے[2] - اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغازی کی روایات میں واقدی ، ابن سعد اور طبری انھیں ثقہ مانتے ہیں -

ابو معشر کو تاریخ اور مغازی کی روایات میں تو بالا تفاق قابل اعتماد تسلیم کیا گیا ہے ، لیکن محدث کی حیثیت سے آن کی شہرت اچھی نہیں - شاید اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب میں سند کی پابندی نہیں کرتے - گو امام بخاری ، ابن سعد ، ابن ابی حاتم الرازی ، ابن حجر اور الخاطی نے انھیں حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد بن حنبل انھیں مغازی میں بصیرت رکھنے والا تسلیم کرتے ہیں (کان بصیراً بالمغازی)[3] - چونکہ مغازی میں سند کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کیا جاتا ، اس لیے ابن سعد نے (ابو معشر کو ضعیف سمجھنے کے باوجود) "طبقات" میں ان کی کتاب سے استفادہ کیا ہے -

معتمر سلیمان بن طرخان

معتمر سلیمان بن طر خان ابی المعتمر التیمی (۱۰۶ھ — ۱۸۷ھ) آن محدثین اور سیرت نگاروں میں سے ایک ہیں ، جنھوں نے مدینہ سے باہر اپنے موضوع پر تحقیقی کام کیا - وہ یمن کے رہنے والے تھے لیکن علم حدیث کے حصول کے لیے بصرہ چلے آئے - اس فن میں آن کی ثقاہت کا یہ عالم تھا کہ

۱- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس - اردو ترجمہ - ص ۱۴۰ -

۲- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق - ترجمہ : شاہد حسین رزاق - ص ۲۳۸ -

۳- تہذیب التہذیب : ابن حجر - ج - ۱ ، ص ۴۱۹ ، ۴۲۱ اور الجرح و التعدیل : ابن ابی حاتم الرازی - ج ۴ ، ق ۱ ، ص ۴۹۴ -

انھیں بصرہ کا محدث کہا جاتا تھا ۔ ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل کا نام بھی شامل ہے[1] ۔ کہا جاتا ہے کہ معتمر سلیمان نے مغازی پر بھی ایک کتاب مرتب کی تھی[2] ۔ وان کریمر نے جب واقدی کی "کتاب المغازی" کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس کا آخری حصہ ، معتمر کی مغازی سے نقل کیا گیا ہے ۔ یہ ٹکڑا صرف غزوات نبوی سے متعلق ہے اور اس سے یہ پتہ چلانا دشوار ہے کہ معتمر نے اپنی کتاب المغازی میں حضورؐ کے نام و نسب ، آپ کی مکی زندگی ، بعثت و نبوت ، اور ہجرت کے بعد کے واقعات اور کارناموں کے بارے میں بھی معلومات جمع کی تھیں یا نہیں[3] ۔ طبری نے اپنی تاریخ میں معتمر سے دو روایتیں نقل کی ہیں ، جن میں سے ایک کا تعلق تخلیق آدم کے واقعہ[4] سے ہے اور دوسری کا حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکے جانے سے ہے[5] ۔ اس کے بعد انہوں نے معتمر کی سند سے حضرت عثمانؓ کے دور کے چند المناک واقعات درج کیے ہیں جن کا تعلق فتنہ[6] سے ہے ۔ ڈاکٹر محمود الحسن کہتے ہیں کہ "ان واقعات کی موجودگی میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس نے (معتمر) سیرت نبوی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہوگی اور ان سے متعلق واقعات قلم بند کیے ہوں گے ، کیونکہ جتنے مؤلفین کتب سیرت گذرے ہیں ، ان سب کی کتابوں کا نہج بھی یہی تھا"[7] ۔

۱۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن - ص ۱۰۷ -

۲۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التوریخ : السخاوی - ص ۱۵۹ -

۳۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن - ص ۶۳ -

۴۔ تاریخ الامم و الملوک : طبری - ج ۱ ، ص ۹۱ ، ۲۶۶ -

۵۔ ایضاً - ج ۶ - ص ۲۹۶۳ -

۶۔ تاریخ الامم والملوک : طبری ج ۶ - ص ۲۹۶۳ -

۷۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء: ڈاکٹر محمود الحسن - ص ۶۴ -

واقدی

ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ھ — ۲۰۷ھ) اپنے دادا ، واقد کی نسبت سے واقدی اور قبیلہ نبی اسلم کے عبداللہ بن ابی بریدہ سے نسبتِ ولایت کی وجہ سے الاسلمی کہلاتے ہیں ۔ انہوں نے مدینہ کے مشہور محدثین مالک بن انس ، معمر بن راشد ، ابو معشر السندی اور ابن جریج وغیرہ سے استفادہ کیا تھا ۔ انھیں حدیث کے علاوہ فقہ ، سیرت و مغازی اور تاریخ سے بھی دلچسپی تھی ۔ "الفہرست" (ابن ندیم) اور "معجم الادبا" (یاقوت حموی) میں واقدی کی ۲۸ تصانیف کے نام ملتے ہیں[1] ۔ ان میں درج ذیل چار کتابوں کا تعلق سیرتِ نبوی یا اس سے متعلقہ موضوعات سے ہے (۱) التاریخ و المغازی و المبعث (۲) ازواج النبی ؐ (۳) وفات النبی ؐ اور (۴) السیرۃ ۔ باقی کتابیں رسول اللہ کے بعد کے تاریخی واقعات پر مشتمل ہیں ۔ جن میں (۱) التاریخ الکبیر اور (۲) کتاب الطبقات کے نام زیادہ اہم ہیں ۔ ایک اور کتاب "طعم النبی ؐ" بھی واقدی سے منسوب ہے جس کا موضوع وہ محاصل ہیں جو خیبر کی جاگیر سے رسول اللہ ؐ کی ازواج مطہرات کو دیئے جاتے تھے[2] ۔ تاریخی اعتبار سے اگرچہ "التاریخ الکبیر" (جس میں ۱۷۹ھ تک کے واقعات درج ہیں) اور "کتاب الطبقات" (جو سیرت نبوی ؐ اور صحابہ و تابعین کی تاریخ پر مشتمل ہے) بھی اہم ہیں لیکن واقدی کی شہرت کا تمام تر انحصار اُن کی کتاب "التاریخ و المغازی و المبعث" پر ہے ۔ جو عام طور پر "کتاب المغازی" کے نام سے معروف ہے اور اپنی مکمل شکل میں ہم تک پہنچی ہے ۔ فن مغازی پر واقدی کی یہ کتاب خاصی ضخیم ہے ۔ اس کا ایک اعلیٰ نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے ۔ الفریڈ فان کریمر نے دمشق سے اس کا ایک ناقص مخطوطہ حاصل کرکے کلکتہ سے ۱۸۵۶ء میں شائع کیا ۔ لیکن یہ اصل کتاب کا صرف ایک تہائی جزو ہے ۔ ویل ہاؤزن نے جرمن زبان میں "محمد مدینہ میں" کے عنوان سے "کتاب المغازی" کا خلاصہ شائع کیا ہے[3] ۔ ڈاکٹر مارسڈن جونس نے

۱- الفہرست : ابن ندیم ۔ ص ۹۸ اور معجم الادبا : یاقوت حموی ۔ ج ۷ ، ص ۵۸ ۔

۲ ، ۳- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہوروو تس ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۱۶۹ ، ۱۷۱ (بالترتیب) ۔

۱۹۶۶ء میں 'کتاب المغازی' کا ایک اچھا عربی نسخہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ، لندن سے شائع کیا ۔

واقدی نے ''کتاب المغازی'' کا مواد مدینہ میں رہ کر اپنے اساتذہ سے حاصل کیا تھا ۔ اس کتاب کا موضوع اگرچہ غزوات نبوی کا بیان ہے ، لیکن اس میں مکہ اور مدینہ کی ابتدائی تاریخ بھی محفوظ ہو گئی ہے اور آنحضرتؐ کی وفات اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت وغیرہ کا ذکر بھی آ گیا ہے ۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب آنحضرتؐ کی مدنی زندگی سے متعلق ہے ۔ ''کتاب المغازی'' کے شروع میں واقدی نے اپنے ۲۵ راویوں کی فہرست درج کی ہے ، جن میں سے گیارہ کے بارے میں ابن سعد کی رائے ہے کہ وہ ثقہ ہیں ۔ ان میں زہری ، معمر بن راشد ، ابو معشر اور موسیٰ بن عقبہ کے نام نمایاں ہیں ۔ واقدی نے اپنی کتاب میں ابن اسحٰق کا کوئی حوالہ نہیں دیا ، حالانکہ اپنے ایک اور بیان میں انھوں نے ابن اسحٰق کی یہ کہہ کر تعریف کی ہے کہ ''وہ مغازی رسول اللہ اور عربوں کے ایام ، انساب اور اخبار کا علم رکھنے والوں میں سے تھے''[1] ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ واقدی نے ابن اسحٰق کا حوالہ دیے بغیر ان کی ''کتاب المغازی'' سے بھر پور استفادہ کیا ہے ۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اپنے متقدمین میں سے واقدی نے سب سے زیادہ مواد ابن اسحٰق کی کتاب سے ہی اخذ کیا ہے ۔ علاوہ ازیں انھوں نے ان تمام مصادر سے استفادہ کیا ہے ، جن تک ان کی رسائی تھی - یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے بارے میں واقدی کی کتاب ، ابن اسحٰق کی کتاب المغازی سے کہیں زیادہ مفصل ، مکمل اور جامع ہے -

واقدی نے اپنی کتاب میں رسول اللہؐ کے بعض احکام اور معاہدے بھی درج کیے ہیں ۔ جہاں تک ان کے لیے ممکن ہے ، وہ بنیادی مسودات ، وثائق اور دستاویزات سے فائدہ اٹھاتے ہیں[2] ۔ واقدی ، واقعات کے قلم بند کرنے میں ایک خاص طریق کار اختیار کرتے ہیں ، جو کسی اور مصنف نے ان سے پہلے استعمال نہیں کیا ۔ مثلاً وہ سب سے پہلے فوجوں کی روانگی اور

۱- تاریخ الامم والملوک : طبری - ج ۳ ، ص ۲۰ -

۲- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن - ص ۸۸ -

واپسی کی تاریخیں ترتیب کے ساتھ فراہم کرتے ہیں[1] ۔ اس کے بعد وہ پورا واقعہ از سرِ نو بیان کرتے ہیں[2] اور یوں واقعہ کی تصویر اپنی جزئیات سمیت روشن ہو کر سامنے آ جاتی ہے ۔ علاوہ ازیں واقدی جا بجا قرآنِ مجید سے بھی ایسی آیات بطورِ شہادت نقل کرتے ہیں جن کا زیرِ بحث واقعہ سے خاص تعلق ہو[3] ۔

واقدی سیرت و مغازی اور تاریخ میں اگرچہ درجۂ استناد رکھتے ہیں لیکن محدثین کے نزدیک ثقہ نہیں ہیں[4]۔ امام بخاری ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور امام نسائی نے ان کے خلاف بڑے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے ۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ کذاب ہے جو حدیث کو پلٹ دیتا ہے ۔ امام شافعی کے نزدیک واقدی کی روایتیں سب کی سب جھوٹی ہیں ، کیونکہ وہ اسناد گھڑ کر بیان کرنے کا عادی تھا ۔ امام نسائی کی رائے میں واقدی ایسے کذابوں میں سے تھا جن کے جھوٹ کا سب کو علم ہے ۔ ان آراء کے برعکس مؤرخین انہیں "سیرت و مغازی کا امام تسلیم کرتے ہیں ۔ خطیب بغدادی کے نزدیک واقدی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے آوازۂ شہرت سے مشرق و مغرب گونج رہے ہیں ۔ ابن العماد انہیں علم کا ظرف اور ابن خلکان امام ، عالم اور کثیر التصانیف بزرگ قرار دیتے ہیں ۔ ابنِ سعد کی رائے میں واقدی ، مغازی ، سیرت ، فتوحات ، احکام اور احادیث سب کے متبحر عالم تھے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ واقدی حدیث میں چاہے ضعیف ہوں ، لیکن سیر و مغازی میں ان کی احادیث مصنفین نے قبول کی ہیں ۔

محمد بن سعد

محمد بن سعد بن منیع الزہری (۱۶۸ھ - ۲۳۰ھ) کو بھی حدیث ، سیرت اور تاریخ سے گہری دلچسپی تھی ۔ یہ واقدی کے سیکرٹری تھے ، اس

---

۱ تا ۳- کتاب المغازی : واقدی ۔ ص ۲۰۷ اور ص ۱۱ اور ص ۱۱ اور ص ۳۳ ، ۱۲۹ ، ۱۳۳ - (بالترتیب)

۴- تہذیب التہذیب : ابنِ حجر - ج ۹ ، ص ۳۶۳ - اور معجم الادباء : یاقوت حموی - ج ۷ ، ص ۵۵ -

لے انھیں "کاتب الواقدی" کہا جاتا ہے ۔ واقدی کے بارے میں محدثین کی رائے اچھی نہیں لیکن ابن سعد کو وہ ثقہ مانتے ہیں ۔ خطیب بغدادی کی رائے ہے کہ "محمد ابن سعد کی بیان کردہ حدیثیں ہی اُس کی سچائی کی دلیل ہیں ، کیوں کہ وہ ان کے اخذ و انتخاب میں بڑی چھان پھٹک کرتے تھے ۔"[۱] ابن خلکان کہتے ہیں کہ "ابن سعد نے پندرہ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ، صحابہ و تابعین کے طبقات اور خلفاء کی تاریخ کے بارے میں تحریر کی تھی ، جس میں اُن کے اپنے زمانے تک کے حالات درج تھے ۔ (طبقات الکبیر) ۔ پھر انھوں نے اس کا خلاصہ تیار کیا (طبقات الصغیر) ۔ بطور ایک ثقہ مؤرخ ، ان کی شہرت آفاقی ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ واقدی کی تمام تصانیف صرف چار آدمیوں کی تحویل میں تھیں اور ان چاروں میں کاتب الواقدی ، ابن سعد کا نام سرِ فہرست ہے ۔"[۲]

محمد ابن سعد بصرہ میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم پائی ۔ مدینہ میں کچھ عرصہ رہ کر یہاں کے اکابر محدثین سے استفادہ کیا ۔ پھر بغداد میں و قدی سے تعلقات استوار ہوئے اور ابن ندیم (مؤلف الفہرست) کے بقول یہاں انھوں نے واقدی کی تصانیف سے اپنی کتابوں کے لیے مواد جمع کیا ۔ یہیں انھوں نے اپنے استاد واقدی کی بیشتر کتابوں کی تلخیص کی اور انھیں مرتب کیا ، اور یہی سبب اُن کے محفوظ رہ جانے کا ہے[۳] ۔ ابن سعد کی اپنی تصانیف یہ ہیں (۱) طبقات الکبیر (۲) طبقات الصغیر (۳) تاریخ اسلام (۴) غرائب الحدیث والفقہ ۔ ابن ندیم نے ابن سعد کی تصانیف میں سے صرف "کتاب اخبارالنبیؐ" کا ذکر کیا ہے[۴] ۔ اور ڈاکٹر محمود الحسن کہتے ہیں کہ "اس کتاب کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ اس کا طرزِ تحریر اور انداز کیسا تھا ، کیونکہ یہ کتاب موجود نہیں ہے اور نہ ہی سیرت و

۱۔ تاریخ بغداد : ابن الخطیب ۔

۲۔ وفیات الاعیان : ابن خلکان ۔ ج ۳ ، ص ۴۸۳ ۔

۳۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ۔ ص ۱۱۷ ۔

۴۔ الفہرست : ابن ندیم ۔ ص ۔ ۱۵۱ ۔

تاریخ کی دیگر کتابوں میں اس کے ٹکڑے موجود ہیں ۔[۱] جب کہ جوزف ہورووٹس اس کے الٹ رائے دیتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد نے صرف یہی کتاب اس شکل میں تالیف کی تھی ، جس میں یہ زمانہ مابعد میں شائع ہوئی ۔ یہ اس نے اپنے شاگردوں کو روایت کی تھی تاکہ وہ اس کی روایت دوسروں سے کر سکیں ۔ مگر "طبقات" اپنی موجودہ صورت میں سب سے پہلے الحسین بن فہم (۲۱۱ھ - ۲۸۹ھ) نے محفوظ کی ، پھر ۳۰۰ھ کے لگ بھگ ابن معروف نے ان دونوں کتابوں کو یکجا کر دیا اور "کتاب اخبار النبی" کو طبقات کا پہلا جزو بنا دیا ۔"[۲] احسان عباس ، ابن سعد کی "الطبقات الکبریٰ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "ابن سعد کی مؤلفہ کتابیں "الطبقات الکبیر" اور اور "الطبقات الصغیر" ہیں ۔ ان میں ثانی الذکر ، اول الذکر سے ماخوذ ہے ۔ ان کے علاوہ "کتاب اخبار النبیؐ" ہے ۔ یہ ابن سعد کی واحد کتاب ہے جس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے ۔ یہ تینوں کتابیں حقیقت میں ایک ہی کتاب کے مختلف اجزاء ہیں ۔"[۳]

"کتاب اخبار النبیؐ" دو جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد کے دو اجزاء ہیں ۔ جلد اول کے پہلے جزو میں سابقہ انبیاء کی تاریخ اور رسول اللہؐ کے آبا و اجداد کا ذکر ہے ۔ اس کے بعد آپؐ کے ایام طفولیت سے زمانہ بعثت تک کا حال بیان کیا گیا ہے ۔ یہیں دو ابواب میں وحیٔ اول سے پہلے اور بعد کی علامات نبوت بیان ہوئی ہیں ۔ پھر آپؐ کی طرف سے اسلام کی اولین دعوت و تبلیغ سے لے کر ہجرت مدینہ تک کے واقعات تحریر کیے گئے ہیں ۔ جلد اول کے دوسرے جزو میں آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے واقعات ہیں ، جن میں ابن سعد نے رسول اللہؐ کے فرامین ، عرب قبائل کے وفود ، آپؐ کے شمائل ، طرز زندگی اور اثاث البیت کا ذکر کیا ہے ۔ کتاب کی دوسری جلد کا پہلا جزو ، غزوات

۱- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود احسن ۔ ص ۹۲ ۔

۲- سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووٹس ۔ ص ۔ ۱۲۸ ۔

۳- الطبقات الکبریٰ : ابن سعد ج ۱ (مقدمہ : محمد بن سعد و کتاب الطبقات : احسان عباس ۔ ص ۶) ۔

نبوی کے لیے وقف ہے اور دوسرا جزو آپؐ کے مرض الموت ، انتقال ، تدفین اور میراث کے ذکر پر مشتمل ہے ۔ اس جزو میں وہ تمام اہم مرثیے بھی درج کیے گئے ہیں جو مختلف اصحاب نے آپؐ کے سانحۂ ارتحال پر رقم کیے ۔ اس کے آخر میں ایک ضمیمہ ہے جس کا عنوان "آخر اخبار النبی" خود بتاتا ہے کہ اب جو کچھ یہاں بیان ہوگا ، وہ سیرت النبیؐ سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہاں سے گویا طبقات کا عملاً آغاز ہو رہا ہے ۔[1]

پروفیسر جوزف ہورووتس ، بحوالہ اٹو لوث کہتے ہیں کہ "ابن اسحٰق کے بعد ، ابن سعد ہی وہ اولین مؤلف سمجھا جاتا ہے جس کی لکھی ہوئی سیرت مکمل حالت ہیں ہم تک پہنچی ہے اور چونکہ الواقدی کی "کتاب المغازی" کے سوا ہمارے پاس سیرت پر کوئی مکمل کتاب نہیں ہے ، اس لیے اس کو ہی پہلا مؤلف کہا جا سکتا ہے ۔ ابن سعد نے بعض مواقع پر ابن اسحٰق سے زیادہ تفصیلات دی ہیں ۔ مثلاً ان فصلوں میں جو رسول اللہؐ کے اخلاق و عادات سے متعلق ہیں یا آپ کے رسائل و سفارات سے بحث کرتی ہیں ۔ خصوصاً وہ حصے ، جو مرض اور وفات بارے میں ہیں —— جب کہ بعض دوسرے امور میں وہ سرسری گذر جاتا ہے ، جن سے ابن اسحٰق نے مفصل بحث کی ہے ، جیسے عربوں کی تاریخ جس کا رسول اللہ کے اجداد سے براہ راست تعلق نہیں ہے ۔ ابن سعد کے یہاں مواد کی باضابطہ تنظیم کار کا رجحان بھی ملتا ہے ۔ وہ غالباً پہلا مؤلف ہے جس نے "علامات نبوۃ" کو یکجا کیا ہے ۔ اس سے زمانۂ مابعد میں "دلائل النبوۃ" جیسی کتابوں کی تالیف کی گئی ۔ اسی طرح اس نے اپنی کتاب کی فصل "صفتہ اخلاق رسول اللہؐ" لکھ کر شمائل کے موضوع پر تصانیف کا راستہ ہموار کر دیا ۔"[2]

ابن سعد نے تاریخی مواد کی فراہمی کے سلسلے میں واقدی پر سب سے زیادہ انحصار کیا ہے ۔ بالخصوص آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے واقعات

۱۔ سیرت نبویؐ کی ابتدائی کتابیں : جوزف ہورووتس ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۱۷۸ ، ۱۷۹ ۔

۲۔ ایضاً ۔ ص ۱۷۹ ، ۱۸۰ (بحوالہ ۔ اٹولوث OTTOLOTH : طبقات ابن سعد (مطبوعہ ۔ لیپزگ ۱۸۶۹ء) ص ۲۵ و مابعد ۔

میں ان کا مرجع واقدی ہی ہے ۔ گو ابن سعد نے بعض دیگر روایات جمع کر کے حضور کی مدنی زندگی کے حوادث و احوال کو زیادہ وقیع اور جامع بنا دیا ہے ۔ واقدی کے علاوہ ابن سعد نے زعیم بن یزید سے ابن اسحٰق کی ، حسین بن محمد سے ابو معشر کی اور اسماعیل بن عبداللہ سے موسیٰ بن عقبہ کی روایات اخذ کی ہیں ۔ ابن اسحٰق کے بارے میں ابن سعد کا رویہ واقدی کے مقابلے میں زیادہ دیانت دارانہ اور محققانہ ہے کیونکہ واقدی نے کہیں ابن اسحٰق کا نام نہیں لیا اور ابن سعد نے کہیں ابن اسحٰق کا نام حذف نہیں کیا ۔ ابن سعد تو مغازی کی روایات کے بیان میں کہیں یہ حقیقت بھی نہیں چھپاتا کہ اس کا اہم ترین ماخذ خود واقدی ہے ، جبکہ واقدی ، ابن اسحٰق کی "کتاب المغازی" سے بیشتر مواد اخذ کرنے کے باوجود اصل ماخذ کے اعتراف میں بخل سے کام لیتا ہے ۔ ابن سعد کی "طبقات کبیر" کی باقی جلدیں صحابہ کرام اور تابعین کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں اور ان کی حیثیت سیرۃ النبی ؐ کے تکملہ کی سی ہے ۔ یہاں صحابہ کرام کے تذکرے میں ان کی زبانی روایت کردہ رسول اکرم ؐ کے احوال و اقوال موجود ہیں اور ان سے بھی سیرت رسول اللہ ؐ کے نقوش اجاگر کرنے میں مدد ملتی ہے ۔ طبقات ابن سعد اب آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے ۔

متقدمین کی کتب سیرت

مغازی و سیرت کی ان مشہور کتابوں اور ان کے نامور مؤلفین کے علاوہ بھی بے شمار علمائے سیر و مغازی کے نام کتابوں میں محفوظ ہیں جن کی کتابیں اگرچہ ناپید ہو چکی ہیں ، لیکن اُن کے حوالے کثرت سے بعد کی کتابوں میں آئے ہیں ۔ شبلی نعمانی نے "تہذیب التہذیب" (ابن حجر) سے ان مصنفین کی ایک فہرست مرتب کی ہے ، جو ان کی سیرت النبی کے مقدمے کی زینت ہے ۔ اس فہرست میں سے یہاں صرف ان علمائے سیرت اور مؤلفین مغازی کا ذکر کیا جاتا ہے ، جن کا تفصیلی تذکرہ "کتب مغازی و سیر" میں اوپر نہیں کیا جا سکا[1] اور جو متقدمین میں شمار ہوتے ہیں ۔

محدث شعبی (متوفی ۱۰۹ھ) کو فن مغازی و سیر میں اتنی واقفیت

۱- سیرت النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ ، ص ۲۸ تا ۳۵ (مقدمہ) ۔

تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ گو میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا ، مگر یہ مجھ سے زیادہ اُن حالات کو جانتے ہیں ۔ فقیہہِ مدینہ یعقوب بن عتبہ بن الاخنس (متوفی ۱۳۸ھ) بھی سیرت نبوی کے عالم تھے ۔ عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الاوسی (متوفی ۱۶۲ھ) فنِ سیرت کے عالم اور امام زہری کے شاگرد تھے ۔ ابن سعد نے اُن کے متعلق لکھا ہے ، کان عالماً بالسیرۃ (وہ سیرت کے عالم تھے) محمد بن صالح بن دینار (متوفی ۱۶۸ھ) زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد تھے ۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے ۔ محدث ابو الزناد کہتے ہیں کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو ۔ عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن المخزومی (متوفی ۱۷۰ھ) سیرت نبوی کے اکابر علماء میں سے تھے ۔ ابن سعد نے اُن کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں : "من رجال اہل المدینہ علماً بالمغازی" (وہ مدینہ کے علماء مغازی میں سے تھے) علی بن مجاہد الرازی الکندی (متوفی بعد ۱۸۰ھ) ابو معشر نجیع کے شاگردوں میں سے تھے اور مغازی کے جامع اور مصنف تھے ۔ زیاد بن عبداللہ ابن الطفیل البکائی (متوفی ۱۸۳ھ) ابن اسحٰق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے اور ابن اسحٰق کی کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی تھے ۔ اسی طرح سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری (متوفی ۱۹۱ھ) بھی ابن اسحٰق کے شاگرد اور ان کی سیرت کے راوی تھے ابن معین ، جو ماہر اسماء الرجال ہیں ، ان کی سیرت کو بہترین سیرت ہائے نبوی میں شمار کرتے ہیں ۔ ابو محمد یحیٰی بن سعید ابن ابان الاموی (متوفی ۱۹۴ھ) کا نام بھی صاحب کشف الظنون نے مصنفین مغازی میں لیا ہے ۔ ولید بن مسلم القرشی (متوفی ۱۹۵ھ) کے بارے میں "الفہرست" میں درج ہے کہ ان کی ایک تصنیف "کتاب المغازی" بھی تھی ۔ یونس بن بکیر (متوفی ۱۹۹ھ) کا ذکر علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صاحب المغازی کی حیثیت سے کیا ہے ۔ انہوں نے مغازی ابن اسحٰق کا ذیل لکھا یعقوب بن ابراہیم الزہری (متوفی ۲۰۸ھ) کا بھی مغازی میں بڑا مقام تھا ؛ چنانچہ ابن معین نے اُن سے اس فن کی تحصیل کی ہے ۔ عبدالرزاق بن ہمام النافع الحمیری (متوفی ۲۱۱ھ) کی بھی فن مغازی میں ایک تالیف کا ذکر کتابوں میں موجود ہے ۔ ابراہیم بن اسحٰق بن ابراہیم (متوفی ۲۸۵ھ) کی تالیف "مسند صحابہ" کے آخر میں کتاب المغازی شامل ہے ۔ محمد بن عائذ

دمشقی کی مغازی بھی بہت معتبر خیال کی جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہیں -

سیرت کے موضوع پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کے نام "کشف الظنون" (۲ : عمود ۱۰۱۲ تا ۱۰۱۶) میں درج ہیں مگر ناموں کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ پتہ چلتا ہے کہ آیا ان میں سے کوئی کتاب اب دنیا میں موجود ہے یا نہیں ، اس لیے ان کا تذکرہ بے سود ہے - تاہم قدما کی تصانیف کے بعد لکھی جانے والی متاخرین کی کتبِ سیرت یقیناً اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کا ذکر ہو ، چاہے وہ کتنا ہی سرسری کیوں نہ ہو - اس کی وجہ یہ ہے کہ متاخرین کی کتبِ سیرت ، متقدمین کی تصانیف کی شرح و توضیح کے طور پر لکھی گئی ہیں اور ان میں اصل کتابوں کے مقابلے میں معلومات بھی زیادہ ہیں ، اس لیے انھیں مستقل تصانیف کی صف میں یقیناً رکھا جا سکتا ہے[1] مزید برآں یہ کتابیں چونکہ اردو کتبِ سیرت کا ایک اہم ماخذ بھی ہیں اس لیے ان کا تعارف ضروری ہے -

متاخرین کی کتبِ سیرت

شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی کا یہ کہنا درست ہے کہ "سیرت ابنِ ہشام کے بعد جو بکثرت سوانح عمریاں عربی زبان میں لکھی گئیں ، وہ بنیادی کتابیں نہیں تھیں بلکہ متقدمین کی کتابوں سے مضامین لے کر نئی کتابیں مرتب کی گئی تھیں ، یا متقدمین کی کتابوں کی شرحیں تھیں ، یا اُن کے خلاصے تھے - غرض جو کچھ بھی لکھا تھا وہ متقدمین کی کتب سے اخذ و انتخاب کر کے لکھا تھا ، اس لیے ہم ان کو سیرۃ نبوی کا ماخذ نہیں کہہ سکتے اور نہ کسی پہلے مؤرخ نے ان کو ماخذ تسلیم کیا ہے -"[2] تاہم ان کتابوں کی یہ اہمیت ضرور ہے کہ مختلف کتابوں کا خلاصہ یا ان کی تفصیل ہونے کی وجہ سے قاری کو بہت سی کتابیں پڑھنے سے نجات مل

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانشگاہ پنجاب - ج ۱/۱۴ - ص ۱۸۰ -
۲- سیرۃ الرسول : محمد حسین ہیکل - اردو ترجمہ (مقدمہ : شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی - ص ۳۱) -

جاتی ہے - پھر ان کے مصنفین نے بڑی محنت و کاوش سے نئی معلومات کا اضافہ کر کے انھیں زیادہ سے زیادہ جامع بنانے کی کوشش کی ہے ، اس لیے اُن کی اپنی مستقل اہمیت ہے - علاوہ ازیں اردو کی بیشتر کتبِ تاریخ و سیرت انھیں سے ماخوذ ہیں ، اس لیے ان کا تذکرہ ناگزیر ہے - متاخرین کی چند اہم کتبِ سیرت یہ ہیں -

شرف المصطفٰی

حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری (م ۴۰۶ھ) کی آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل سیرتِ رسولؐ ہے - حافظ ابنِ حجر نے "اصابہ" میں اس کے بکثرت حوالے دیے ہیں ، جن کے تحقیقی جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ بعض روائتیں بہت لغو اور مہمل ہیں - یوں لگتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس ، سب کچھ اکٹھا کر دیا ہے اور ثقہ اور غیر ثقہ روایات میں تمیز نہیں کی[1] -

سیرت ابنِ عبدالبر

اندلس کے مشہور محدث اور امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) کی سیرت پر معروف کتاب کا نام "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" ہے اس کتاب کے بعد کی کتابوں میں بکثرت حوالے ملتے ہیں[2] -

الروض الانف

اس کتاب کے مصنف ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی (م ۵۸۱ھ) ہیں اور یہ کتاب دو جلدوں میں سیرتِ ابنِ ہشام کی شرح ہے - مصنف نے اسے ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے تحریر کیا ہے - محدث ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اس کا مختصر تیار کیا اور علاء الدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) نے "الروض الانف" کو بنیاد بنا کر "الزہر الباسم" لکھی - اس میں جو منقطع احادیث تھیں ، اُن کی حافظ ابن حجر عسقلانی نے تخریج کی ہے[3] - یہ کتاب اتنی اہم

۱- سیرۃ النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ - ص ۳۶ (دیباچہ) -
۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب لاہور - ج ۱۱ ، ص ۵۰۸
۳- ایضاً - ج ۱/۱۳ - ص ۱۸۰ اور الاعلان بالتوبیخ : السخاوی - اردو ترجمہ - ص ۱۸۷ ، ۱۸۸ -

ہے کہ بعد کے تمام سیرت نگار اسی کتاب کے خوشہ چین ہیں ۔ سیرت ابن ہشام اور الروض الانف ایک ساتھ شائع ہو چکی ہیں ۔

شرف المصطفٰی

حافظ عبدالرحمٰن ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) کی سیرت پر مشہور تصنیف ہے[1] ۔

سیرت ابن ابی طے

یحیٰی بن حمیدۃ (م ۶۳۰ھ) کی تین جلدوں میں معروف سیرت رسول ؐ ہے[2] ۔

سیرت گازرونی

شیخ ظہیر الدین علی بن محمد بن مسعود گازرونی (م ۶۹۴ھ) کی تصنیف ہے جس کا مخطوط کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں موجود ہے[3] ۔ اس کا نام المنتقٰی فی سیرۃ المصطفٰی ہے ۔

خلاصۃ السیر

سیرت نبوی کی بارہ مختلف تصنیفات کا خلاصہ اور انتخاب ہے ۔ اس کے مؤلف محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری (متوفی ۶۹۶ھ) ہیں ۔[4]

سیرت دمیاطی

حافظ عبدالمومن الدمیاطی (م ۷۰۵ھ) کی تصنیف کا اصل نام "المختصر فی سیرۃسیدالبشر" ہے اور تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب

۱- سیرت النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ ، ص ۳۶ -
۲- ایضاً - ص ۳۶ -
۳- ایضاً - ص ۳۶ اور حلیتہ النبی ؐ : سید احمد قادری - ص ۱۰۳ -
۴- لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ پشاور : مولوی عبدالرحیم - ص ۲۷۲ -

کے بھی بکثرت حوالے بعد کی کتب سیرت میں نظر آتے ہیں[1] ۔ کتب خانہ بانکی پور میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے ۔

سیرت خلاطی

علاءالدین علی بن محمد الخلاطی الحنفی (م ۷۰۸ھ) کی تصنیف ہے[2] ۔

عیون الاثر

ابو الفتح محمد بن محمد جو ابن سید الناس اندلسی (م ۷۳۴ھ) کے نام سے مشہور ہیں ، کی کتاب کا نام "عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر" ہے — اور اپنے فن پر متین ، جامع اور معتبر کتاب ہے ۔ مصنف نے معیاری کتب سیرت کو ماخذ مان کر جہاں سے جو کچھ نقل کیا ہے ، وہیں اس کی سند بھی دی ہے ۔ اس کے قلمی نسخے کلکتہ کے کتب خانہ ، حلب کے کتب خانۂ بہائیہ اور مکتبہ الاوقاف احمدیہ میں بھی موجود ہیں ۔ یہ کتاب مصر سے ۱۳۵۶ھ میں شائع ہو چکی ہے[3] ۔ عیون الاثر بہت مستند مانی جاتی ہے لیکن ابن القولج (م ۷۳۸ھ) کہتے ہیں کہ مصنف نے مجھے یہ کتاب دکھائی تو میں نے اس میں سے سو ایسی جگہوں پر نشان لگائے جن میں شک کی گنجائش تھی[4] ۔

زاد المعاد

علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن بکر بن ایوب سعد زرعی دمشقی المعروف بہ ابن قیم جوزیہ (متوفی ۷۵۱ھ) کی کتاب "زاد المعاد فی ھدی خیرالعباد" چار جلدوں پر مشتمل ہے اور سیرت ، بالخصوص اخلاق نبوی ؐ کے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس میں مصنف نے حضور سرور کائنات ؐ کی سیرت و صورت ، خصائل و شمائل ، عادات و

۱۔ سیرۃ النبی : شبلی نعمانی ۔ ج ۱ ، ص ۳۵ ۔
۲۔ ایضاً ۔ ص ۳۶ ۔
۳۔ تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ ۔ اردو ترجمہ ۔ ج ۲ ، ص ۳۰۹ ۔
۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۱/۱۴ ۔ ص ۱۸۱

اخلاق اور رفتار و گفتار کے متعلق ایک ایک بات محفوظ کر دی ہے ۔ ہر روایت کونقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور تمام رواۃ و اسناد پر تحقیقی نظر ڈالی ہے ۔ افعالِ نبوت سے متعلق جا بجا محققانہ بحثیں کی ہیں ۔ بقولِ رئیس احمد جعفری "علامہ ابنِ قیم نے یہ کتاب در حقیقت ان لوگوں کے لیے لکھی ہے جو سیرتِ رسالت مآبؐ کا تحقیقی اور تاریخی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ۔ اس کتاب میں قرآن کی تفسیر بھی ہے اور حدیث کی تشریح بھی ۔ ضمناً اور بھی بہت سے متعلق وغیر متعلق مباحث آ گئے ہیں ۔"[1] یہ کتاب اپنی معنویت ، افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے واقعی زاد المعاد یعنی توشۂ آخرت ہے ۔ ابنِ قیم ، امام ابنِ تیمیہ کے شاگرد تھے ، چنانچہ انھوں نے بھی اس کتاب میں اپنے استاد کی طرح حبِ رسولؐ کو جذبۂ توحید سے متصادم نہیں ہونے دیا ۔

نور النبراس

حافظ ابراہیم بن محمد البرہان الحلبی المعروف بہ سبط ابن العجمی (م ۸۴۱ھ) نے نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس" کے نام سے "عیون الاثر" کی نہایت محققانہ شرح لکھی ہے ۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور مفید معلومات کا ایک خزانہ ہے[2] ۔ شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے ۔

السیرۃ النبویہ

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی چار جلدوں پر مشتمل کتاب ہے[3] ۔

سیرۃ مغلطائی

علاؤالدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) کی مشہور کتاب ہے اور مصر میں شائع ہو چکی ہے ۔ علامہ بدر الدین عینی (م ۸۵۵ھ) نے "کشف اللثام" کے

۱۔ زادالمعاد : حافظ ابن قیم ۔ مترجم ۔ رئیس احمد جعفری ۔ ج ۱ ، ص ۲۰ ۔

۲۔ الاعلان بالتوبیخ : السخاوی ۔ ص ۱۹۰ (اردو ترجمہ) ۔

۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۱۱ ، ص ۵۰۸ ۔

عنوان نے اس کے ایک حصے کی شرح لکھی ہے[1] -

الشہاب

احمد بن اسمٰعیل الا بشیطی الشافعی الواعظ (م ۸۳۵ھ) کی ایک جامع کتاب سیرت پر موجود ہے جس کے انھوں نے تیس جزء لکھے ہیں - یہ سیرت ابن اسحٰق (مع تعلیقات ، جو السہیلی اور دوسروں نے اس پر لکھی ہیں) کے علاوہ ابن کثیر کی البدایہ ، واقدی کی مغازی اور دیگر کتب سیرت کی جامع ہے - اس میں جو الفاظ آئے ہیں ان کا صحیح صحیح اعراب بھی مرتب نے درج کر دیا ہے[2] -

بہجتہ المحافل

سیرت النبی کی متوسط ضخامت کی قابل قدر تصنیف ہے - اس کے مصنف شیخ یحیٰی بن ابی بکر العامری (متوفی ۸۹۳ھ) ہیں - اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۰۲۴ھ کا لکھا ہوا موجود ہے[3] -

المواہب اللدنیہ

شیخ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی سیرت پر مشہور کتاب "المواہب اللدنیہ" ہے جس کا پورا نام "المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ فی السیرۃ النبویہ" ہے - یہ ۸۹۹ھ میں لکھی گئی اور متاخرین کا ماخذ ہے - یہ کتاب خاصی مفصل ہے لیکن اس میں موضوع ، ضعیف اور غلط احادیث بکثرت ہیں - شبلی کے خیال میں ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے -[4] یہ کتاب قاہرہ سے دو جلدوں میں ۱۲۸۱ھ میں شائع ہوئی اور اردو میں بھی دو جلدوں میں ہی "سیرۃ محمدیہ" کے نام سے مولانا محمد

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب - ج ۱۳/۱ - ص ۱۸۰
۲- الاعلان با لتوبیخ : السخاوی - اردو ترجمہ - ص ۱۹۱ -
۳- لباب المعارف : مولوی عبدالرحیم - ص ۲۷۲ اور حلیۃ النبی : سید احمد قادری - ص ۱۰۳ -
۴- سیرۃ النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ ، ص ۳۷ (مقدمہ) اور فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ : شاہ عبدالعزیز - شرح - عبدالحلیم چشتی - ص - ۱۵۳ -

عبدالجبار خان آصفی نظامی نے اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ حکیم محمد وحید الدین عالی حیدر آبادی کہتے ہیں کہ "مواہب اللدنیہ کتبِ سیرت میں نہایت درجہ کی دقیق کتاب ہے۔ سبب یہ ہے کہ احادیث کے معرکہ آرا مباحث اس میں التزاماً ہیں اور جرح و تعدیل سے بہت کچھ کام لیا گیا ہے۔"[1] حاجی خلیفہ بھی کشف الظنون میں سے اسے بلند پایہ، مفید اور اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب قرار دیتے ہیں۔

السیرت الشامیہ

محدث محمد بن یوسف الشامی (م ۹۴۲ھ) کی سات ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب کا نام "سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیرالعباد" ہے اور اس کتاب کے صحیح روایات کے التزام کی وجہ سے، بعد کی کتبِ سیرت میں اکثر حوالے نظر آتے ہیں[2]۔ یہ سیرت کے موضوع پر سب سے مستند اور مبسوط کتاب ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں حضورؐ کے فضائل، علاماتِ نبوت افعال اور احوال شروع سے آخر تک سب تحریر کیے ہیں اور اس کی تالیف میں تین سو سے زائد کتب سے استفادہ کیا ہے۔

سیرت حلبیہ

متاخرین میں علامہ نورالدین علی بن برہان الدین الحلبی (م ۱۰۴۴ھ) کی کتاب کا نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین الماموں" ہے اور عموماً "السیرۃ الحلبیہ" کے نام سے مشہور ہے[3]۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے بہت مشہور و متداول ہے اور مصر میں متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ بعض اوقات یہ سیرت دحلانیہ کے ساتھ بھی طبع ہوئی ہے جو ۱۲۷۸ھ کی تالیف ہے اور جس کے مصنف سید احمد زینی دحلان شافعی ہیں۔

۱- سیرۃ محمدیہ (اردو ترجمہ المواہب اللدنیہ) : قسطلانی - ج ۱، ص ۳۴ -

۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب - ج ۱۱ - ص ۵۰۸، فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص ۱۵۱، ۱۵۲ -

۳- تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ - ج ۲، ص ۳۱۰ -

شرح المواهب اللدنیہ

محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) کی آٹھ جلدوں پر مشتمل "مواہب المدنیہ" (قسطلانی) کی شرح ہے جو السہیلی کی "الروض الانف" کے بعد سب سے زیادہ جامع ، مستند اور محققانہ تصنیف تصور ہوتی ہے اور ۱۳۲۸ھ میں مصر میں چھپ چکی ہے[1] ۔ بتایا جاتا ہے کہ عربی میں اس سے زیادہ محققانہ کتاب سیرت پر آج تک شائع نہیں ہوئی ۔ مصنف نے ہر ایک بات کے متعلق جتنی حدیثیں مروی ہیں وہ سب ایک جگہ لکھ دی ہیں ۔

سیرتِ دحلانیہ

علامہ سید احمد الدحلانی المکی (م ۱۳۰۴ھ) کی کتاب "السیرۃ الدحلانیہ" کے نام سے مشہور ہے اور بقول راغب الطباخ "یہ آخری مفصل کتاب ہے جو سیرت نبویہ میں تالیف کی گئی ہے ۔" سیرت دحلانیہ اور سیرتِ حلبیہ دونوں کتابیں متعدد بار مصر میں ایک ساتھ بھی طبع ہوئی ہیں اور علیٰحدہ علیٰحدہ بھی شائع ہوئی ہیں[2] ۔

منظوم کتبِ سیرت

کئی سیرت نگاروں نے عربی میں حضور اکرمؐ کی زندگی کے واقعات منظوم کیے ہیں اور بعض مصنفین نے ہزاروں اشعار پر مشتمل باقاعدہ کتبِ سیرت ترتیب دی ہیں ۔ ان میں سے درج ذیل زیادہ اہم ہیں ۔

۱۔ محمد بن ابراہیم المعروف بہ فتح الدین بن الشہید (م ۷۹۳ھ) نے دس ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل حضور اکرم کی ایک خوبصورت سیرت لکھی[3] ۔

۲۔ حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ) نے جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاد تھے ، نظم میں ایک کتاب سیرت لکھی ، جس کا نام "الفیہ" (ہزار اشعار) ہے ۔ اس کا مواد انہوں نے علاؤ الدین مغلطائی کی مختصر

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۱۴/۱ ۔ ص ۱۸۱ ۔
۲۔ تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ ۔ ج ۲ ، ص ۳۱۰ ۔
۳۔ الاعلان بالتوبیخ : السخاوی (اردو) ص ۱۹۲ ۔

کتابِ سیرت سے اخذ کیا ہے ۔ عراقی کی نظم کی شرح الشہاب بن رسلان (م ۸۴۴ھ) نے کی ۔ حافظ ابنِ حجر نے بھی "الفیہ" کے شروع کے چند اشعار کی شرح لکھی تھی ، جسے بعد ازاں السخاوی نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا[1] ۔

۳۔ الشمس الباعونی الدمشقی (م ۸۷۱ھ) نے بھی سیرتِ مغلطائی کو ہزار ابیات سے زائد میں نظم کیا ہے اور اس کا نام "منحة اللبیب فی سیرة الحبیب" رکھا ہے[2] ۔

خصوصی پہلوؤں پر کتبِ سیرت

بعض مصنفین نے سیرتِ رسول کے مختلف پہلوؤں پر باقاعدہ الگ الگ کتابیں تحریر کی ہیں ۔ مثلاً بعض علما نے آنحضرت کے مولد کو مستقل موضوع بنایا ۔ اس سلسلے میں ابو القاسم السبتی کی "الدر المنظم فی المولد المعظم" بہت مشہور کتاب ہے ۔ بعض حضرات نے رسول اکرمؐ کے اسلاف پر کتابیں لکھیں اور بعض نے آپ کے اسماء پر ۔ (اسماء کی مجموعی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ ہے) "دلائل النبوة" سیرت نگاروں کا ایک اور پسندیدہ موضوع ہے اور کتبِ دلائل میں متعدد کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں ، جن میں مشہور محدث ابو بکر بیہقی (م ۴۳۰ھ) کی کتاب جامع ترین ہے ۔ بہت سے علماء نے اعلام النبوة (یعنی نبوت کی علامات) کو موضوع بنا کر کتابوں کے ڈھیر لگا دیے ۔ شمائل نبوی پر کتابوں کا الگ سلسلہ ہے جن پر "کتبِ شمائل" کے حصے میں بحث موجود ہے ۔ یہاں بطورِ مثال امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی "کتاب الشمائل" کا نام لیا جا سکتا ہے ۔ آنحضرت کے نعلینِ مبارک پر ابوالیمین عبدالصمد بن عبدالوہاب (م ۶۸۶ھ) کی کتاب موجود ہے اور اخلاقِ نبویؐ پر حافظ ابنِ قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) کی "زادالمعاد" ہے ، جو اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے ۔ "الاعلان بالتوبیخ" کے مؤلف السخاوی نے متعدد ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو سیرت نگاروں نے طب نبویؐ اور خصائص نبویؐ کے موضوع پر تحریر کیں ۔ نبی اکرمؐ کے خطبات پر ابو احمد العسال اور ابو الشیخ

۱۔ الاعلان بالتوبیخ (اردو ترجمہ) السخاوی ۔ ص ۱۹۲ ۔

۲۔ ایضاً ۔ ص ۱۹۲ ۔

ابن حبان کی باقاعدہ تصانیف موجود ہیں - یہی حال نسب النبیؐ کا ہے جس پر الطبرانی اور ابو عبداللہ بن مندہ (م ۳۹۵ھ) نے کتابیں لکھیں - آپؐ کے مکاتیات پر عمارہ بن زید کی تصنیف کا نام لیا جا سکتا ہے - کچھ علماء نے وفات نبویؐ اور کچھ نے آپؐ پر درود و سلام بھیجنے کو اپنا موضوع بنایا ہے - حضور اکرمؐ کی ازواج مطہرات کے ذکر مبارک سے دمیاطی نے اپنی کتاب کو زینت دی ہے اور عبداللہ بن علی بن احمد بن جدیدہ نے اپنی کتاب "المصباح المضئی فی کتاب النبیؐ" میں آنحضرت کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) اور کاتبوں کے حالات جمع کیے ہیں - ان کے علاوہ سیرت رسولؐ کے دیگر پہلوؤں پر بھی متعدد کتابیں مرتب کی گئیں ، جن کے نام "الاعلان بالتوبیخ" میں دیکھے جا سکتے ہیں[1] -

---

۱- الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التوریخ : السخاوی - اردو ترجمہ ، ص ۱۹۶ تا ۱۹۸ -

(۲)

کتبِ تاریخ

سیرۃ رسولؐ کا ایک اور اہم ماخذ قدما کی لکھی ہوئی اسلامی کتبِ تاریخ ہیں ۔ بنیادی طور پر یہ سیرت کی کتابیں نہیں ہیں بلکہ اسلامی دنیا کے حکمرانوں ، اہم شخصیتوں اور مسلمان ممالک کے احوال و وقائع بیان کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن اسلام کی ابتداء کے مبارک تذکرے میں وہ بانی اسلامؐ کی زندگی اور کارناموں کو بھی اپنا موضوع بناتی ہیں ۔ تاریخ کی ان کتابوں میں کہیں آنحضرتؐ کے سوانح حیات مختصراً اور کہیں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں ۔ ہماری قدیم کتبِ تاریخ میں اکثر روایات تو وہی ہیں جو حدیث اور مغازی و سیر کی مشہور کتابوں میں محفوظ ہیں لیکن ابتدائی دور کی تاریخی کتابوں میں ایسی روائتیں بھی خاصی تعداد میں مل جاتی ہیں جو صرف انہیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں ۔ اس لحاظ سے یہ کتبِ تاریخ ، سیرۃ رسولؐ کے ایک ضروری منبع کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ یوں تو اسلامی تاریخ پر متقدمین ، متوسطین اور متاخرین نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں ، لیکن سیرۃ رسولؐ کے حوالے سے صرف وہی کتابیں قابل ذکر ہیں جن میں اس مقدس ہستی کا بطورِ خاص تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ نیا مواد پیش کیا گیا ہے ۔ ان تمام کتابوں کا احاطہ کرنا تو مشکل ہے تاہم نمونے کے طور پر متقدمین کی چند مشہور تواریخ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

۱۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التوریخ : السخاوی ۔ اردو ترجمہ ۔ صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۸ ۔

جن لوگوں نے تاریخ کے موضوع پر پہلے پہل باقاعدہ کتابیں لکھیں اُن میں ابو معشر السندھی (متوفی ۱۷۰ھ) واقدی (متوفی ۲۰۷ھ) اور مدائینی (متوفی ۲۲۵ھ) کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں - ابو معشر کو سیرت و مغازی کے علاوہ تاریخ اسلام سے بھی گہری دلچسپی تھی اور اس فن پر انہوں نے ایک کتاب بھی مرتب کی تھی جس میں انھوں نے اپنی وفات (۱۷۰ھ) سے کچھ پہلے تک کے حالات قلم بند کیے تھے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُن کی یہ کتاب بھی ان کی دیگر کتابوں کی طرح معدوم ہو گئی - تاہم یہ بھی غنیمت ہے کہ اس کتاب کے چند اجزاء ابن جریر طبری نے اپنی کتاب میں محفوظ کر لیے ہیں اور کئی واقعات کو ان سے اخذ کر کے باقاعدہ حوالہ دیا ہے[1] -

ابن ندیم نے "الفہرست" میں واقدی کی جن ۲۸ تصانیف کا ذکر کیا ہے ان میں کئی کتابیں تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہیں مگر ایک کتاب "التاریخ الکبیر" سب سے زیادہ اہم ہے - اس کتاب میں تقریباً ۱۷۹ھ تک کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں - یہ کتاب بھی معدوم ہو چکی ہے لیکن اس کے کئی ٹکڑے طبری نے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں[2] - اس کے علاوہ واقدی کی ایک اور اہم تصنیف "کتاب الطبقات" ہے جو سیرت النبوی ، صحابہ اور تابعین کی تاریخ پر مشتمل تھی - یہ کتاب بھی اب ناپید ہو چکی ہے ، لیکن اس کا ایک بڑا حصہ محمد بن سعد نے اپنی "طبقات الکبیر" میں شامل کر کے محفوظ کر دیا ہے - یہ کتاب نہ صرف طبقات ابن سعد کی پیش رو تھی بلکہ اس کے فاضل مرتب کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ کا درجہ بھی رکھتی تھی -

ابو معشر اور واقدی کے بعد مدائینی (۱۳۵ھ تا ۲۲۵ھ) نامور مورخ ہے جس نے سیرت و مغازی سے لے کر عباسیوں کی تاریخ تک قلم اٹھایا ہے - ابن ندیم نے بتایا ہے کہ مدائینی کی کتابوں کی تعداد ۲۳۵

۱- تاریخ الامم و الملوک ؛ طبری - ج - ۱ ، ص ۵۸۹ -

۲- ایضاً - ص ۶۳۹ -

تک پہنچتی ہے[1]۔ وہ بھی آنحضرتؐ پر ایک مبسوط کتاب کے مؤلف ہیں[2]۔ جس میں بقول ابن ندیم متنوع عنوان ہیں ۔

محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) کی تصانیف میں طبقات کبیر و صغیر کے علاوہ تاریخ اسلام کا نام بھی آتا ہے لیکن یہ کتاب اب نہیں ملتی ۔ "طبقات الکبیر" یا "طبقات الکبریٰ" البتہ موجود ہے ۔ یہ معتبر اور مبسوط کتاب اگرچہ بنیادی طور پر کتب رجال کی صف میں آتی ہے اور وہیں اس کا مفصل ذکر بھی ہوگا لیکن رسول کریمؐ ، صحابہ کرام اور تابعین کے مستند اور مفصل حالات شامل ہونے کی وجہ سے اس کا شمار کتب تاریخ میں کیا گیا ہے ۔ "طبقات الکبریٰ" کی پہلی جلدیں خاص طور پر آنحضرتؐ کی سوانح پر مشتمل ہیں ۔ باقی جلدوں میں صحابہ اور تابعین کا تذکرہ ہے ؛ کیونکہ صحابہ کرام کے حالات میں آنحضرتؐ کا ذکر اکثر آتا ہے اس لیے ان جلدوں میں بھی سیرت نبویؐ کا ایک بڑا سرمایہ موجود ہے — ابن خلکان ، طبقات کی پندرہ جلدوں کا نام لیتے ہیں جب کہ شبلی کے نزدیک طبقات بارہ جلدوں میں ہے[3] ۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن آٹھ جلدوں میں چھپا ہے ۔

کتب تاریخ میں امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) کی تاریخ صغیر و کبیر کا ذکر بھی ناگزیر ہے ۔ بنیادی طور پر یہ کتابیں کتب رجال کے دائرے میں آتی ہیں لیکن اپنے مستند مواد کی وجہ سے انھیں تاریخی کتابوں میں بھی شمار کیا گیا ہے ۔ اسی لیے شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ "سیرت کے سلسلے میں الگ تاریخی تصنیفات ہیں ۔ ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روائتیں بہ سند مذکور ہیں ، ان میں آنحضرتؐ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرۃ النبویؐ ہے ۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں ۔ "تاریخ الصغیر" چھپ گئی ہے مگر اس میں سیرت نبوی کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف پندرہ صفحے ہیں اور ان میں بھی کوئی

۱- الفہرست : ابن ندیم ۔ ص ۱۰۰ تا ۱۰۲ ۔
۲- سیرت النبی : شبلی نعمانی ۔ ج ۱ ، ص ۳۴ (مقدمہ) ۔
۳- وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۲، ص ۸۳ ۔ اور سیرۃالنبی (جلد اول): شبلی نعمانی (مقدمہ ص ۲۵) ۔

ترتیب نہیں ۔ "تاریخ الکبیر" البتہ بڑی ہے، لیکن سوانح نبوی اس میں بھی بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں[1] ۔ "التاریخ الکبیر" اور "التاریخ الصغیر" کے علاوہ امام بخاری کی ایک کتاب "التاریخ الاوسط" کا پتہ بھی لگایا گیا ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے اور اس کا قلمی نسخہ (برلن ، مغربی جرمنی) کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہے[2] ۔ یہ تینوں کتابیں چونکہ کتب اسماء الرجال کی صف میں آتی ہیں اس لیے ان کا مفصل ذکر وہیں کیا جائے گا ۔

محدث ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری (۲۱۳ھ - ۲۷۰ھ یا ۲۷۶ھ) کی "کتاب المعارف" جسے مشہور مستشرق وسٹنفلٹ (Wusten Fled) نے لیڈن سے ۱۸۵۰ء میں شائع کیا[3] ، ایک قسم کی تاریخی دائرۃالمعارف ہے جو مختلف علوم و فنون پر محیط ہے اور حقیقت میں "کتابچہ' تعلیقات" ہے[4] ۔ ڈاکٹر محمودالحسن کہتے ہیں کہ "یہ کتاب تخلیق کائنات کے مضمون سے شروع ہوتی ہے ۔ پھر تاریخ الانبیاء کا مواد ہے یعنی ہر ہر پیغمبر کا زمانہ ، اس کی عمر اور اولاد وغیرہ ۔ اس کے بعد عربوں کا عام نسب نامہ ہے ۔ پھر آنحضرتؐ کا شجرۂ نسب درج ہے ۔ آنحضرتؐ کی زندگی کے اہم حالات ، واقعات اور جنگیں بیان کی گئی ہیں اور آپؐ کی وفات کا حال درج ہے ۔ پھر عشرۂ مبشرہ ، مشہور صحابہ اور امیر معاویہؓ سے لےکر مستعین باللہ کے عہد تک کے واقعات درج ہیں[5] ۔ سیرت النبی کے سلسلے میں مصنف کا ماخذ ابن اسحٰق اور واقدی کی "کتاب المغازی"

۱۔ سیرۃ النبی : شبلی نعمانی ۔ ج ۱ ، مقدمہ ص ۲۶ ، ۲۷ ۔

۲۔ سیرۃ البخاری : عبدالسلام مبارک پوری حصہ اول ۔ ص ۱۶۸ ۔

۳۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ۔ ص ۱۹۷ ۔

۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۲ ، ص ۵۵ (مقالہ : تاریخ)

۵۔ عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ص ۱۷۵ ۔

اور ابن الکلبی کے بعض رسائل ہیں[1] ۔

ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدینوری (متوفی ۲۸۲ھ) کی "اخبار الطوال" بھی علم تاریخ کے موضوع پر ایک اعلیٰ پائے کی کتاب ہے جو تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے ۔ دوسرے عرب مؤرخین کی طرح ابو حنیفہ دینوری نے بھی حضرت آدم کے زمانے سے لے کر آنحضرتؐ کے عہد تک کا احاطہ کیا ہے ۔ یہاں سیرتِ نبوی کا ذکر اجمالی ہے البتہ خلافتِ راشدہ کے دورِ حکومت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے[2] ۔ یہ کتاب معتصم باللہ کے زمانہ (۲۱۸ھ) کے واقعات پر آ کر اختتام پذیر ہوتی ہے ۔

تاریخِ یعقوبی

احمد بن ابی یعقوب بن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۸۴ھ) کی تاریخ پر مشہور کتاب کا نام یاقوت الحموی نے "کتاب التاریخ الکبیر" بتایا ہے[3] ۔ ابو حنیفہ دینوری کی کتاب کا نقطۂ اختتام (۲۱۸ھ) معتصم باللہ کا زمانہ ہے لیکن یعقوبی کی کتاب اس سے آگے بڑھ کر ۲۵۹ھ تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے ۔ "کتاب التاریخ الکبیر" دو اجزاء پر مشتمل ہے جزو اول حضرت آدم سے لے کر حضرتِ عیسیٰ تک کے حالات سے شروع ہوتا ہے اور شام بابل ، روم ، ہندوستان ، یونان اور فارس کے حکمرانوں کے حالات قلم بند کرتا ہے نیز ترک ، چینی ، مصری ، بر بر ، حبشی اقوام کی تاریخ لکھتا ہے ۔ آخر میں حضرت اسماعیلؑ کی اولاد پر پچاس صفحے لکھے گئے ہیں جن میں عربوں کے عقائد ، رسوم ، تجارتی منڈیوں اور معاشرتی زندگی کی صحیح تصویر نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے[4] ۔ اس جزو کا اختتام ما قبل اسلام عرب تاریخ پر ہوتا ہے ۔ جزو ثانی (جو جزو اول سے ضخامت میں دو گنا ہے) کا آغاز آنحضرتؐ کی پیدائش سے ہوتا ہے اور آپؐ کی حیات اور عہد کے چیدہ

۱- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ۔ ص ۱۷۶ ۔
۲- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر ۔ ص ۱۵ ۔ (ابو حنیفہ دینوری) ۔
۳- ارشاد الاریب : یاقوت الحموی ۔ ج ۱ ص ۱۵۷ ۔
۴- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر ۔ ص ۲۵ ، ۲۶ (یعقوبی) ۔

چیدہ واقعات کا ذکر کرتے ہوئے خلفائے راشدین ، نبوامیہ اور بنو عباس کی عہد بہ عہد تاریخ بیان کرتے کرتے بالآخر عباسی خلیفہ احمد المعتمد کے زمانہ (۲۵۹ھ) پر ختم ہو جاتا ہے - جزو ثانی میں (خصوصاً اس کے دیباچے میں) یعقوبی نے اپنی اسناد اور حوالے درج کیے ہیں جن میں اسحٰق بن سلیمان ، ابو بکر بختری ، ابان ابنِ عثمان ، واقدی ، ابن ہشام ، حاتم بن عدی اور محمد بن موسیٰ خوارزمی کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں[1] - یعقوبی کی "تاریخ الکبیر" وہ پہلی قدیم ترین اسلامی تاریخ ہے جو اپنی مکمل شکل میں ہم تک پہنچی ہے - یہ بعد کی کتبِ تاریخ کے مقابلے میں خاصی مختصر ہے لیکن اس کے باوجود یہ قدیم عربی تاریخوں میں بڑی وقیع تصنیف ہے -

تاریخِ طبری

ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۵ھ - ۳۱۰ھ) جتنے بڑے مفسر ہیں اتنے ہی بڑے مؤرخ ہیں - بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ان کی مشہور تاریخ تین ناموں سے معروف ہے "تاریخ الامم والملوک" "تاریخ الرسل والملوک" اور "اخبار الرسل و الملوک"- یہ کتاب آٹھ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد لکھی گئی- یاقوت حموی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ طبری کی اصل کتاب متداول کتاب سے کہیں زیادہ ضخیم تھی لیکن شاگردوں کی پست ہمتی دیکھ کر تیس ہزار صفحات سے گھٹا کر تین ہزار صفحات میں سمیٹ دی گئی - الفاظ کے معمولی رد و بدل کے ساتھ یہی روایت تفسیرِ طبری کے بارے میں بھی نقل کی جاتی ہے - بہر حال اپنی موجودہ صورت میں بھی یہ کتاب خاصی مبسوط ہے - شبلی نعمانی بھی شہادت دیتے ہیں کہ "تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے[2] -"

"تاریخ الامم و الملوک" کا آغاز تخلیق کائنات اور تخلیقِ آدم سے ہوتا ہے جس کے بعد تاریخ الانبیاء ، قدیم بادشاہوں اور قوموں کے حالات ہیں - اس کے بعد فارس ، یونان اور روم کی تاریخ ہے اور بعد ازاں سیرت النبی کا حصہ ہے - ڈاکٹر محمود الحسن کی رائے میں "یہ حصہ خاصا طویل ہے

۱- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر - ص ۲۶ (یعقوبی) -
۲- سیرت النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ ، ص ۲۷ (مقدمہ) -

اور مصنف نے بڑی تفصیل سے آنحضرتؐ کے نسب سے لے کر وفات تک کے چھوٹے بڑے تمام واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ اس حصے کا بیشتر ماخذ سیرت و مغازی کی وہ کتابیں ہیں جو پہلی صدی ہجری میں تصنیف کی گئی تھیں۔ اس سلسلے میں عروۃ بن زبیر ، ابن شہاب الزہری ، محمد بن اسحٰق معمر بن راشد ، واقدی اور محمد بن سعد جیسے جلیل القدر مؤرخین کی کتابوں اور روایات کو اس نے اپنا ماخذ بنایا ہے۔ در حقیقت یہ اس کی قابل تعریف کوششوں کا نتیجہ ہے کہ بہت سی نایاب کتابوں کے ٹکڑے زمانے کے دست برد سے محفوظ رہ سکے۔ یہ ایسا گراں قدر کارنامہ ہے کو عرب تاریخ نگاری کبھی فراموش نہیں کر سکتی[1]۔

سیرت نبوی والے حصے کے بعد خلفائے راشدین ، خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کا ذکر آتا ہے اور ۳۰۲ھ تک کے واقعات اس میں سمیٹ لیے گئے ہیں۔ گویا طبری نے اپنی وفات کے آٹھ سال پہلے تک کے واقعات کا مکمل احاطہ کر لیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مصنف نے ۲۹۵ھ تک کے واقعات کو خاصی تفصیل سے لکھا ہے لیکن جہاں سے اس کا اپنا دور شروع ہوتا ہے وہاں اختصار سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کتاب کی آخری جلد میں اگرچہ ۷۳ سال کے وقائع درج ہیں لیکن ان کے لیے ۶۵۵ صفحات وقف کیے گئے ہیں[2]۔

تاریخ طبری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آنحضرت اور خلفائے راشدین کے حالات ایسے مواد پر مشتمل ہیں جو براہ راست قدیم ترین ماخذ سے حاصل کیا گیا ہے ، اسی لیے طبری کے بعد کے مؤرخین مثلاً ابن اثیر ، ابن خلدون اور ابو الفدا وغیرہ نے اسی کتاب کو اپنی تصانیف کا ماخذ بنایا ہے۔

تاریخ ابن ابی خثیمہ

احمد بن ابی خثیمہ بن حرب بن شداد بغدادی (۲۰۵ھ - ۲۹۹ھ) نے بھی فن تاریخ پر ایک مبسوط کتاب "تاریخ کبیر" تالیف کی تھی جس میں

۱- عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ص ۱۸۷ -
۲- ایضاً - ص ۱۸۸ -

تخلیق کائنات سے لے کر اپنے عہد تک کے حالات قلمبند کیے تھے - اس کتاب کا ایک حصہ آنحضرتؐ کے سوانح حیات پر مشتمل ہے[1] - معلومات کے قیمتی ، صحیح اور براہ راست ہونے کی وجہ سے بعد کے مؤرخین نے اس کتاب کی بے حد تعریف کی ہے -

"تنبیہہ و اشراف" المسعودی

ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) کی تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل تاریخ "التنبیہہ والا شراف" کا ایک تہائی سے کچھ زائد حصہ سیرت النبی سے متعلق ہے اس کتاب میں آنحضرت کی ولادت باسعادت سے لے کر عباسی خلیفہ المطیع باللہ کے عہد حکمرانی (۳۴۴ھ) تک کے حالات درج ہیں - یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ سیرۃ النبی ، دوسرا حصہ خلفائے راشدین ، تیسرا حصہ بنی امیہ اور چوتھا حصہ بنوعباس کے خلیفہ المطیع تک کے حالات کے لیے وقف ہے - پہلے حصے میں جو عہد نبوت ومابعد کے حالات کا احاطہ کرتا ہے ، ابتداً مختصر طور پر آنحضرتؐ کا سلسلۂ نسب درج کیا گیا ہے ، پھر حضور کی ولادت ، رضاعت ، مدینہ میں آغاز طفولیت ، ناصیۂ نبوت ، بعثت ، ہجرت اور بعد از ہجرت تا وفات تمام اہم واقعات ، غزوات اور اشاعت اسلام کی کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے ، اس حصے کا خاتمہ حضور کی وفات اور کاتبان وحی کے ذکر پر ہوتا ہے - خلافت راشدہ ، واقعات بنی عباس (تا ۳۴۴ھ) اجمالاً بیان کیے گئے ہیں[2] -

یہ کتاب اختصار اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے - خود فاضل مؤلف فرماتے ہیں کہ "اس کتاب سے اتنی غرض ہے کہ تاریخی امور پر تھوڑی سی روشنی پڑ سکے - تشریح و توضیح مقصود نہیں" بتایا جاتا ہے کہ یہ کتاب درحقیقت مسعودی کی دو تاریخی کتابوں (۱) فنون المعارف و ماجری فی الاہور السوالف اور (۲) کتاب الاستذکار لماجری فی سوالف الاعصار کا ایک طرح کا خلاصہ ہے[3] - انھیں مصنف کے مختصر تاریخی نوٹس

۱- عربوں میں تاریخ نگاری کا ارتقاء : ڈاکٹر محمود الحسن ، ص ۱۷۹ ، ۱۸۰ اور سیرۃ النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ ، ص ۳۵ - (مقدمہ) -

۲- تنبیہہ و اشراف : المسعودی - ترجمہ عبداللہ الہادی ، ص ۱ تا ۲۹۴ (تلخیص) -

۳- ایضاً - دیباچہ ، ص ۱۲ -

تصور کرنا چاہیے - تاہم اس تالیف کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس مختصر کتاب میں بعض ایسے تاریخی مباحث موجود ہیں جو تاریخ کی دوسری ضخیم کتابوں میں بھی نہیں ملتے - مسعودی کی دوسری اہم کتاب "مروج الذہب و معادن الجواہر" ہے جو ان کی کتابوں "اخبار الزمان" اور "الاوصاف" کا خلاصہ ہے - اس کی پہلی جلد میں قدیم انبیاء اور پرانی اقوام کے حالات بیان کرنے کے بعد آنحضرت سے لے کر شہادت عثمانؓ تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں اور دوسری جلد حضرت علیؓ کی خلافت سے لے کر عباسی خلیفہ مطیع باللہ کے عہدِ حکومت تک کے واقعات (۳۳۶ھ) کا احاطہ کرتی ہے -

المنتظم ، ابن جوزی

ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ) نے دس جلدوں پر مشتمل تاریخ کی ایک ضخیم کتاب تحریر کی ہے ، جس کا نام "المنتظم فی تاریخ الملوک والامم" ہے - اس کتاب میں ابن جوزی نے ابتدائے آفرینش سے لے کر آنحضرتؐ کے زمانے تک کے واقعات درج کیے ہیں - سیرتِ نبوی کا حصہ اس میں خاصا مفصل اور وقیع ہے اور اسے فاضل مصنف نے بڑے عام فہم انداز میں مرتب کیا ہے - عہدِ رسالت مآب کے بعد کے واقعات سن وار درج کیے گئے ہیں جن کا سلسلہ ۵۷۴ھ تک دراز ہے - اس کتاب میں نامور علمائے کرام اور محدثین کرام کے حالات بھی تفصیلاً دیئے گئے ہیں - پروفیسر شیخ سعید اختر کہتے ہیں کہ "اگر غور سے دیکھا جائے تو "المنتظم" تاریخ و سوانح دونوں کا انوکھا اور اچھوتا مرکب ہے ، جس میں ہر دس سال کے تاریخی واقعات کے بیان کے بعد اس زمانے کے مشاہیر کے مفصل حالاتِ زندگی حیطۂ تحریر میں لائے گئے ہیں - اس منفرد اندازِ تحریر سے مختلف ادوار کی سیاسی ، معاشرتی اور علمی حالت کا واضح و جامع نقشہ بیک وقت قاری کے سامنے آ جاتا ہے - بعد کے مؤرخین اور سوانح نویسوں نے اس تصنیف سے بھرپور استفادہ کیا ہے ، جس سے اس

تالیف کی حقیقی افادیت اور صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے''[1] -

اب ''المنتظم'' کے دس کے دس اجزاء حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکے ہیں - (دائرۃ المعارف اسلامیہ ، ۱۳۵۵ھ تا ۱۳۵۹ھ)[2] - ابتدائی مطبوعہ چھ اجزا میں پہلا جزو فی الحقیقت اصل کتاب کا پانچواں جزو تھا جو ۲۵۷ھ سے شروع ہوتا ہے اور آخری مطبوعہ جزو ، اصل کتاب کا دسواں جزو تھا جو ۵۷۴ھ پر ختم ہوتا ہے اور یہ اس تاریخی کتاب کا آخری حصہ ہے - باقی ماندہ چار اجزاء بھی مختلف کتب خانوں سے تلاش کر کے دائرۂ معارف اسلامیہ حیدر آباد دکن نے ایک ایک کر کے شائع کر دیئے ہیں -

علامہ راغب الطباخ جنھیں معلوم نہیں کہ چار اجزاء بھی چھپ چکے ہیں کہتے ہیں کہ ''بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی (چار) اجزاء اب تک حاصل نہیں کیے جا سکے ہیں لیکن دمشق کے کتب خانہ' ظاہریہ میں اس کا ایک جزو ہے جس پر پانچواں (جزو) مکتوب ہے اور اس کی ابتداء واقعہ' یرموک سے ہوئی ہے اور ۳۵ھ کے اواخر تک کے واقعات اس میں ہیں - یہ جزو ۱۶۷ اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا سن کتابت ۶۳۹ھ ہے''[3] -

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار ، احمد آتش کہتے ہیں : ''المنتظم فی تاریخ الملوک والامم'' ایک عام تاریخ کی کتاب ہے - اس کے ابتدائی ابواب میں ابن جریر الطبری کی ''تاریخ الرسل و الملوک'' سے اختصار کیا گیا ہے اور آخر کے حصے ، جن میں ۵۷۳ھ/۱۱۷۷ء تک کے واقعات ہیں ، ابن الجوزی کے زمانے کے متعلق اصلی ماخذ میں شمار ہو سکتے ہیں

۱- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر ، ص ۵۷ (ابن جوزی) -

۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب - ج ۱ ، ص ۴۷۰ (مقالہ ابن الجوزی از احمد آتش)

۳- تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ - ترجمہ : افتخار احمد بلخی - ج ۲ ، ص ۳۱۲ (ذیلی حاشیہ)

اور ان میں بالخصوص سلجوقیانِ خراسان کے احوال اور عباسی خلفاء کے ساتھ ان کے روابط کے بارے میں معلومات ملتی ہیں ۔ تاہم یہاں یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ اس کتاب میں سیاسی اور عسکری واقعات سے بہت زیادہ تراجمِ احوال پر توجہ دی گئی ہے ؛ چنانچہ سال بہ سال بغداد میں جو واقعات رونما ہوئے ، انھیں مجملاً طور پر نقل کر کے ان لوگوں کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں جنھوں نے ان سالوں میں وفات پائی ، خصوصاً محدثین اور علماء کے ۔ اس طرح یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ "المنتظم" ایک حقیقی کتابِ تاریخ کی نسبت ۔ یعنی جس معنی میں مؤرخینِ اسلام تاریخ کو سمجھتے تھے ۔ تراجمِ احوال کی ایک ایسی کتاب سے نزدیک تر ہے جسے سالوں کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہو"[۱] ۔

تاریخ الکامل ، ابن اثیر

عزّ الدین علی بن محمد الجزری (۵۵۵ھ - ۶۳۰ھ) جو ابن الاثیر کے نام سے مشہور ہیں ، تاریخ کی مشہور و معروف کتاب "الکامل فی التاریخ" یا "کامل التواریخ" کے مصنف ہیں ۔ یہ کتاب بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور ابتدائے عالم سے لے کر ۶۲۸ھ تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے[۲] ۔ ابن الاثیر نے اگرچہ رجال کی ایک کتاب "أسد الغابہ فی معرفة الصحابہ" بھی لکھی (جس کا تفصیلی ذکر "کتب اسماء الرجال" میں آئے گا) اور سمعانی کی "کتاب الانساب" کا خلاصہ "اللباب فی معرفة الانساب کے نام سے بھی کیا لیکن اُن کی تمام کتابوں میں سے زیادہ اہم اُن کی تاریخ کی کتاب "الکامل فی لتاریخ" ہی ہے ۔

ابن الاثیر نے اپنی کتاب کی ابتدائی سات جلدوں میں اسلامی تاریخ کی پہلی تین صدیوں کے حالات اکثر و بیشتر تاریخ طبری سے نقل کیے ہیں لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی پیش رو تاریخی کتابوں پر تنقیدی نظر ڈالی اور واقعات کی تکرار کے عیب کو دور کرکے اپنی تصنیف

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ ؛ دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۱ ، ص ۳۶۹ ، ۳۷۰ (مقالہ ابن الجوزی از احمد آتش) ۔

۲- ایضاً ۔ ج ۱ ، ص ۱۸م (مقالہ ابن الاثیر)

کی طرح ڈالی ۔ آخری تین صدیوں کے حالات کے لیے انھوں نے دوسرے مؤرخین کا سہارا لیا اور غزنوی اور غوری خاندان کے عہدِ حکومت پر خاص توجہ دی ۔ انھوں نے تاریخی واقعات کی چھان بین اور تنقیح و تہذیب میں اتنی محنت سے کام لیا کہ اُن کی کتاب کے بعد تاریخ طبری سے لوگ بے نیاز ہو گئے ۔ فرانسسکو گیبریلی اپنے مضمون ''عربی فن تاریخ'' میں لکھتے ہیں :
مغرب، ابن الاثیر کی "الکامل فی التاریخ" جیسی عالمی تاریخ سے "تاریخ طبری" سے بھی پہلے آشنا ہوا حالانکہ اول الذکر نے اپنی تاریخ کے ابتدائی حصے ثانی الذکر سے نقل کیے ۔ الطبری کی واقفیت سے پہلے اس کتاب کو مغرب میں ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی لیکن تاریخ طبری کی اشاعت کے بعد اسے اپنے اصل مقام سے بھی نیچے گرا دیا گیا ، کیونکہ طبری کے ذریعے ابتدائے اسلام کے پورے دور کے بارے میں نسبتاً زیادہ قدیم اور زیادہ صحیح مواد فراہم ہو گیا تھا ۔ مانا کہ ابن الاثیر نے اپنا مواد طبری سے مستعار لیا لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے تجزیاتی طریق کار کی وجہ سے بھی ممتاز ہیں اور اپنے قابلِ تقلید نمونے (تاریخِ طبری) کے بعد کے حالات کا احاطہ کرنے کی وجہ سے بھی اہم ہیں ۔ خصوصاً جب ہم طبری کے غیر تنقیدی طریقِ تدوینِ تاریخ کے ساتھ ان کا موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن الاثیر تاریخ لکھنے کی بہتر صلاحیت رکھتے ہیں ۔ ان کا افق طبری سے زیادہ پھیلا ہوا ہے اور انھوں نے اپنی تاریخ کا ایک بڑا حصہ مغرب میں اسلام کی تاریخ کے لیے وقف کیا ہے"[1] ۔

ابن الاثیر نے آنحضرتؐ کے حالات بھی بہت تفصیل سے لکھے ہیں جن کے حوالے بعد کے سیرت نگاروں اور تاریخ نویسوں نے کثرت سے دیئے ہیں چنانچہ ابو الفدا ، سیوطی اور ابن خلدون کی تصانیف کا ایک ماخذ ابن الاثیر کی کتاب بھی ہے ۔

تاریخِ ابو الفدا

عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل بن علی (۶۷۲ھ — ۷۳۲ھ) کی تاریخ پر مشہور کتاب کا نام "المختصر فی اخبار البشر" ہے یہ عربوں کی عمومی

---

1. 'Islamic Studies' Quarterly, Summer 1979 (Article : Arabic Historiography'' by Francesco Gabrieli) P. 90, 91.

تاریخ ہے اور عہد قبل اسلام سے لے ۷۲۹ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے[1] بیچ میں حضور اکرمؐ کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں ۔ تاریخ ابو الفدا کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قدیم اقوام کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد ظہور اسلام سے لے کر مصنف کی وفات سے تین سال پہلے تک مسلمانوں کے سیاسی و تمدنی واقعات کا سن وار ذکر کیا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ابو الفدا نے اس کتاب کی تالیف میں بیس سے زائد مستند کتب تاریخ سے فائدہ اٹھایا ہے اور اُن کے وقائع کو بطور خلاصہ مرتب کر دیا ہے[2]۔ اسی سلسلہ میں ابو الفدا نے کوشش کی ہے کہ اپنے پیش مؤرخین سے تمام اہم معلومات اخذ کر لی جائیں اور کوئی غیر ضروری واقعہ شامل نہ ہونے پائے ۔ یہی وجہ ہے کہ "تاریخ ابو الفدا" سابقہ کتب تاریخ کا نچوڑ سمجھی جاتی ہے ۔ اس کتاب کے ابتدائی حصے زیادہ تر ابن الاثیر سے ماخوذ ہیں لیکن باقی کتاب میں دوسرے نامور مؤرخین میں سب سے زیادہ ابن جریرطبری سے استفادہ کیا گیا ہے ۔

تاریخ ابوالفدا کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کا ذیل لکھنے والوں میں ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ) ابن حبیب الدمشقی اور ابن الشحنہ الحلبی جیسے نامور بزرگ شامل ہیں ۔ علامہ ابن الوردی نے اس کا جو حاشیہ لکھا ہے اس میں انھوں نے اگلے بیس سال کے واقعات کا اضافہ کر دیا ہے[3]۔ بتایا جاتا ہے کہ اس اہم کتاب کا مکمل متن پہلی بار استنبول سے دو جلدوں میں ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء — ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا ۔ بعد ازاں مصر سے یہی کتاب چار جلدوں میں شائع ہوئی ۔ ۱۸۳۶ء میں مولوی کریم بخش نے اس کا اردو ترجمہ کرنا شروع کیا

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۱ ، ص ۸۷۹ (مقالہ : ابوالفدا) ۔

۲- تاریخ ادب عربی : احمد حسن زیات ۔ ترجمہ : عبدالرحمٰن طاہر سورتی ۔ ص ۵۰۰ ۔

۳- تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ ۔ اردو ترجمہ ۔ ج ۲ ، ص ۳۱۲ ۔

لیکن یہ مکمل نہ ہو سکا[1] -

تاریخ الاسلام ذہبی

شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد المعروف بہ علامہ ذہبی (۶۷۳ھ — ۷۴۸ھ) کی تصانیف میں سب سے بڑی کتاب "تاریخ الاسلام" ہے جو مصر میں ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء — ۱۹۴۸ء میں مصنف کی دوسری کتاب "طبقات المشاہیر و الاعلام" کے ساتھ شائع ہوئی - یہ اسلام کی ایک ضخیم و مبسوط کتاب ہے جو آنحضرتؐ کے نسب نامے سے شروع ہو کر ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء — ۱۳۰۱ء تک کے واقعات پر اختتام پذیر ہوتی ہے - اس کا انداز ابن جوزی کی "المنتظم فی تاریخ الامم" سے ملتا جلتا ہے یعنی اس میں مختلف تاریخی ادوار قائم کرکے واقعات کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی وفات کا بھی ذکر ہے جنھوں نے زیر بحث سالوں میں وفات پائی - ساتھ ہی مختصر سوانح بھی دیئے گئے ہیں - سات صدیوں کی اس تاریخ میں پہلی تین صدیوں کے واقعات مختصر ہیں اور تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں البتہ آخری چار صدیوں کے حالات مفصل ہیں اور یہاں ان واقعات کو بھی سمیٹ لیا گیا ہے جنھیں ابن الاثیر نے "الکامل فی التاریخ" میں نظر انداز کردیا تھا یعنی اولاً ساجوقیوں ، ایوبیوں اور مغلوں کے حملوں کی تاریخ ، ثانیاً ، اسلام کی اندرونی نشوونما ، خاص کر باطنی اور شیعی فرقوں کی تفصیل اور ثانیاً ، مغرب میں اسلام کی حالت - علامہ ذہبی حدیث ، فقہ اور تاریخ میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں اور اختصار نویسی کا اسلوب ان کی ضخیم تاریخ اسلام کی جان ہے - اس کتاب کی ضخامت کے پیش نظر ذہبی نے خود ہی اس کے تین خلاصے بھی تیار کیے -

البدایہ و النہایہ ابن کثیر

اسمٰعیل بن عمر عماد الدین ابو الفدا ابن کثیر (۷۰۱ھ — ۷۷۴ھ) نے دس جلدوں میں ایک عالمی تاریخ "البدایہ و النہایہ فی التاریخ" کے نام سے لکھی ، جو ابتدائے آفرنش سے ان کے اپنے زمانے (۷۶۸ھ) تک کے

۱- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر - ص ۶۷ (ابو الفدا)

واقعات پر مشتمل ہے[1] - اس کتاب میں بھی حضور اکرم ؐ کے حالات نہایت تحقیق کرکے لکھے گئے ہیں ، خصوصاً ہجرتِ نبوی سے لے کر آنحضرت ؐ کی وفات تک کے حالات کا تذکرہ مربوط اور سن وار ہے[2] - صاحبِ کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ کتاب صحیح اور غلط روایات میں امتیاز کرنے میں اپنی مثال آپ ہے - "البدایہ و النہایہ" کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سابقہ ابنیاء اور قدیم اقوام کے حالات مختصراً بیان ہوئے ہیں ، گو یہاں سنین درج کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا مگر جونہی ہجرت کا آغاز ہوتا ہے ، اس کے بعد کے واقعات سنین وار بیان کیے گئے ہیں - اس سلسلے میں تمام تاریخی وقائع انتہائی محنت اور دیانت سے جمع کیے گئے ہیں - حافظ ابن کثیر کا یہ بھی کارنامہ ہے کہ انھوں نے فنِ درائت کو تاریخ نویسی کی بنیاد بنایا[3] اور تاریخی روایات کی تنقیح و تہذیب کے اس جدید اسلوب کی طرح ڈالی جسے بعد ازاں ابنِ خلدون نے نقطۂ عروج تک پہنچایا - برا کلمان کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کے ۷۳۸ھ تک کے واقعات البرزالی کی تاریخ سے ماخوذ ہیں[4] -

تاریخِ ابنِ خلدون

ابو زید عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون المغربی (۷۳۲ھ — ۸۰۸ھ) کی شہرۂ آفاق تاریخ کا نام "کتاب العبرو دیوان المبتدأ و الخبر فی ایام العرب و العجم و البربر و من عاصرِ ہم من ذوی السلطان الاکبر" ہے - یہ کتاب جو مختصراً "کتاب العبر" کہلاتی ہے ، قاہرہ سے ۱۲۸۴ھ میں ۷ جلدوں میں شائع ہوئی - اس کتاب کے مختلف حصے قدر و قیمت کے

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہِ پنجاب - ج ۱ ، ص ۶۵۴ (مقالہ : ابن کثیر)

۲- ہفت روزہ توحید ، لاہور - شمارہ ۱۴ جنوری ۱۹۶۶ء (مقالہ : عربی سیرت نگاری کا ارتقا : صلاح الدین قاضی قسط نمبر ۳ ، ص ۸) -

۳- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر - ص ۸۰ ، ۸۱ (ابن کثیر) -

۴- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہِ پنجاب - ج ۱ ، ص ۶۵۴ (مقالہ : ابن کثیر از برا کلمان) -

اعتبار سے یکساں نہیں ہیں لیکن بحیثیت مجموعی یہ اپنے زمانے کی ایک شاندار تصنیف ہے ۔ بالخصوص اس کا مقدمہ ، جس میں عربی علوم اور تہذیب کے تمام شعبوں سے بحث کی گئی ہے ، خیالات کی گہرائی ، بیان کی وضاحت اور رائے کی اصابت کے اعتبار سے اصل کتاب سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ مصنف نے یہ مقدمہ ۷۷۵ھ میں ختم کیا[1] ۔

تاریخ ابن خلدون کی اگرچہ سات جلدیں ہیں لیکن مصنف نے اپنی کتاب کو از خود تین حصوں (کتاب الاول ، کتاب الثانی اور کتاب الثالث) میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلا حصہ ، مقدمہ ابن خلدون ہے جس میں انسانی معاشرے کے اجتماعی ، تمدنی ، جغرافیائی ، اقتصادی ، علمی ، مذہبی اور ادبی پہلوؤں پر فلسفیانہ بحث کی گئی ہے ۔ دوسرا حصہ عرب کے اخبار و روایات پر مشتمل ہے یعنی عربوں کے عہدِ قدیم سے لے کر مصنف کے عہد تک کی سلطنتوں کا بیان ہے ۔ اس کے علاوہ دنیا کی دوسری متمدن اقوام کی تاریخ بھی ساتھ ہی ساتھ قلم بند کی گئی ہے ۔ تیسرا حصہ اقوامِ بربر کے لیے وقف ہے اور اس میں شمالی افریقہ کی حکومتوں کی تاریخ درج کی گئی ہے ۔

وسعت اور پھیلاؤ کے اعتبار سے تاریخ ابن خلدون اپنی پیش رو تصانیف سے بازی لے گئی ہے ؛ چنانچہ جہاں طبری کی "تاریخ الامم" ۳۰۲ھ تک کے واقعات پیش کرتی ہے ، مسعودی کی "مروج الذہب" میں ۳۳۶ھ تک کے حالات کا بیان ہے ، ابن مسکویہ کی "تجارب الامم" ۳۶۹ھ تک کے تاریخی وقائع پر مشتمل ہے ، ابو الفدا کی "اخبار البشر" میں ۷۲۹ھ تک کی اسلامی تاریخ تحریر کی گئی ہے ، وہاں ابن خلدون کی "کتاب العبر" ، اسلام کی آٹھ صدیوں کی تاریخ پر محیط ہے ۔ الفریڈ بیل کے بقول "یہ کتاب پچاس سال کے براہِ راست مشاہدے اور متعدد کتابوں ، وقائع اور اپنے زمانے کی سفارتی اور سرکاری دستاویزوں کے گہرے مطالعے کا ثمرہ ہے"[2] مصنف

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہِ پنجاب ۔ ج ۱ ، ص ۵۰۶ (مقالہ ۔ ابن خلدون از الفریڈ بیل) ۔

۲۔ ایضاً ۔

نے اس کتاب کا آغاز حضرت نوح کے ذکر سے کیا اور اپنے زمانہ (۷۹۷ھ) تک آ کر ختم کیا ۔

تاریخ ابن خلدون کی ایک جلد رسولؐ اور خلفائے رسولؐ کے حالات کے لیے وقف ہے ۔ آنحضرتؐ کے سوانح اگرچہ بہت زیادہ مفصل نہیں ، لیکن تمام ضروری واقعات اس میں آ گئے ہیں ۔ ولادتِ نبوی ، بچپن ، ابتدائی زندگی ، جوانی ، سفرِ شام ، پہلی شادی ، بعثت ، معراج ، تبلیغِ اسلام ، ہجرت حبشہ اول و دوم ، مدینہ میں ابتدائی مسلمان ، ہجرت مدینہ ، غزوات ، عام الوفود ، فتنۂ ارتداد ، حجتہ الوداع اور وفات کا اجمالی تذکرہ ہے[1] ۔ سیرت نبویؐ کا یہ حصہ مختصر ہونے کے باوجود اہم ہے کیونکہ یہ بعد کی تواریخ و سیر کی کتابوں کا ماخذ ہے ۔

امتاع الاسماع ، مقریزی

احمد بن علی تقی الدین المقریزی (۷۶۶ھ — ۸۴۵ھ) کی کئی تاریخی کتب مشہور ہیں ۔ مثلاً ”المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط و الآثار“ اور ”تاریخِ سلوک“ ۔ لیکن اُن کی تین کتابیں ایسی ہیں جنہیں اگر یکے بعد دیگرے ملا کر پڑھا جائے تو ابتدائے آفرینش سے عباسی خلافت کے اختتام تک تمام دنیا کی تاریخ نظروں کے سامنے آ جاتی ہے (۱) ”الخبر عن البشر“ جو تخلیقِ آدم سے شروع ہوتی ہے اور عربوں کے دور جاہلیت تک پہنچتی ہے ۔ (۲) ”امتاع الاسماع“ جو سیرتِ نبوی کے واقعات پر مشتمل ہے اور (۳) ”الدررا المضیۂ فی تاریخ دولۃ الاسلامیہ“ جو حضرت عثمان کی شہادت سے لے کر خلافت عباسیہ کے تاریخی حالات پر محیط ہے[2] ۔

دیگر اہم کتب تاریخ

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی بعض کتابیں ایسی ہیں جو تاریخ کی

۱- تاریخ ابن خلدون ۔ حصہ اول (رسولؐ اور خلفائے رسولؐ) ترجمہ : حکیم احمد حسین الہ آبادی ۔

۲- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر ۔ ص ۹۶ (المقریزی) ۔

کسی نہ کسی شاخ کے ضمن میں آتی ہیں اور ان میں جزواً آنحضرتؐ کا تذکرہ بھی آتا ہے ۔ ان میں سے چند کتابوں کا بطورِ نمونہ ذکر کیا جاتا ہے ۔

ابو جعفر محمد بن حبیب ، المعروف بہ ابن حبیب (متوفی ۲۴۵ھ) نے دیگر کتابوں کے علاوہ "کتاب المحبّر" بھی لکھی جو اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے خیال میں ان کی غالباً بہترین کتاب ہے[1] ۔ یہ کتاب (المحبّر) ۔ سیرتِ رسولؐ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے اور ۱۹۴۲ء میں حیدر آباد دکن سے چھپ چکی ہے[2] ۔

احمد بن جابر بن یحییٰ بن داؤد البلاذری (۲۰۳ھ-۲۷۹ھ) کی دو تصانیف "فتوح البلدان" اور "انساب الاشراف" زمانے کے دست برد سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں ۔ "فتوح البلدان" کے بارے میں دائرہ معارفِ اسلامیہ کے دونوں مقالہ نگار (بیکر اور روزن تھال) لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ، اسی موضوع پر ایک زیادہ مبسوط کتاب کا اختصار ہے اور درحقیقت مسلم فتوحات کی تاریخ ہے ۔ اس کتاب کا آغاز غزواتِ نبویؐ سے ہوتا ہے اور اس کے بعد تاریخ ردہ ، شام ، الجزیرہ ، آرمینیہ ، مصر اور المغرب کی فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں عراق اور ایران پر قبضہ و تصرف کے حالات ہیں[3] ۔ یہ کتاب درجۂ اسناد کے اعتبار سے طبری کی "کتاب الامم و الملوک" اور ابن سعد کی طبقات الکبریٰ ہم رتبہ تصور کی جاتی ہے ۔ یہ کتاب خلیفہ المستعین کے زمانے میں مرتب ہونا شروع ہوئی اور خلیفہ المعتز کے عہد میں مکمل ہوئی ۔

البلاذری کی دوسری کتاب "انساب الاشراف" بھی ایک ضخیم کتاب

۱۔ ادارہ دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۱ ، ص ۴۷۸ (مقالہ : ابن حبیب) ۔
۲۔ ہفت روزہ توحید ، لاہور ۔ شمارہ ۷ جنوری ۱۹۶۶ء (مقالہ : عربی سیرت نگاری کا ارتقاء : صلاح الدین قاضی ۔ ص ۶) قسط دوم ۔
۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۴ ، ص ۷۲۴ (مقالہ البلاذری) ۔

ہے لیکن وہ مکمل نہیں ہو سکی ۔ اس کی ترتیب انساب وار کی گئی ہے اور اس کا آغاز آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ اور اور آپ کے اعزہ و اقارب کے حالات زندگی سے ہوتا ہے ۔ اس کے بعد علوی اور عباسی آتے ہیں ۔ بنو ہاشم ، بنو امیہ وغیرہ قریش کے مختلف قبائل اور بنو مضر کے دیگر قبائل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار بیکر اور روزن تھال کہتے ہیں کہ گو اپنی ظاہری شکل و صورت میں کتاب الانساب شجروں کا مجموعہ ہے لیکن انساب دراصل ابن سعد کے انداز کے طبقات ہیں ، جنھیں نسب کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے ۔ اس کتاب کی پہلی جلد ، جو سیرت النبیؐ پر مشتمل ہے ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دارالمعارف مصر سے ۱۹۵۹ء میں شائع کی[1] ۔

"فتوح البلدان" اور "انساب الاشراف" کا موازنہ کرتے ہوئے دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ "فتوح البلدان" میں البلاذری نے تاریخی سوانح کو مختلف حصوں میں منقسم کر دینے اور انھیں مختلف مقاموں پر پیش کرنے کا قدیم اصول جاری رکھا ہے اور اس کے برعکس "انساب الاشراف" میں اس نے طبقات ابن سعد کے انداز کی کتابوں ، نیز قدیم تر تاریخوں (ابن اسحٰق ، ابو مخنف ، المدائینی) کے مواد کو ایک تیسری قسم کے اسلوب ، یعنی انساب کی طرز کی ادبیات (ابن الکلبی) کے ساتھ ملا دیا ہے[2] ۔ ان دونوں تاریخی کتابوں کو دیکھتے ہوئے مارگولیتھ نے رائے دی ہے کہ البلاذری ، علم مغازی لکھنے والوں کا سرتاج ہے ۔

ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم (۳۸۵ھ-۴۵۶ھ) المعروف بہ علامہ ابن حزم اندلسی کی چار سو تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اسی ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی تھیں ، لیکن زمانہ کی دستبرد سے صرف چند ایک ہی بچ سکیں ۔ انھیں کتابوں میں سے ایک مختصر کتاب "جوامع السیرۃ"

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۴ ، ص ۲۳ ے (مقالہ البلاذری) ۔

۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانش گاہ پنجاب ۔ ج ۴ ، ص ۵ ے (مقالہ البلاذری)

ہے - جو تقریباً سوا دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں سیرتِ رسول کے علاوہ صحابہ ، خلفائے راشدین اور اموی و عباسی خلفاء کا بھی ذکر کیا گیا ہے - یہ کتاب انھوں نے جس جذبۂ عقیدت کے تحت مرتب کی اس کا اندازہ ان کے اپنے لکھے ہوئے اس اقتباس سے بخوبی ہو سکتا ہے : "رسول اکرمؐ کی سیرت کا جو شخص بغور مطالعہ کرے گا آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق پر مجبور ہو جائے گا کیونکہ آنحضرتؐ کی سیرتِ طیبہ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ آپؐ اللہ کے سچے پیغمبر تھے - اس (سیرۃ مبارکہ) کے سوا اگر رسالت مآبؐ کے پاس اور کوئی بھی معجزہ نہ ہوتا تب بھی سیرت بطور معجزہ کے آپ کے لیے کافی تھی[1] جوامع السیرۃ کو مصر کے مشہور عالم احمد محمد شاکر نے مرتب کر کے حال ہی میں دارالمعارف مصر سے شائع کیا ہے -

اس کتاب کے علاوہ ان کی دو تاریخی کتب "جمہرۃ انساب العرب" اور "نقطہ العروس فی تاریخ الخلفاء" ہیں جن میں سے اول الذکر میں بنو امیہ اور بنو عباس کا تفصیلی ذکر اور موازنہ ہے - ان دونوں کتابوں میں چونکہ سیرت النبی کا ذکر نہیں ہے اس لیے ان کے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں -

حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی (متوفی ۶۳۴ھ) نے بھی آنحضرتؐ کے مغازی اور خلفائے ثلاثہ کی فتوحات کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "الاکتفا فی مغازی المصطفیٰ و الثلاثۃ الخلفاء" ہے - چونکہ حضرت علیؓ کے زمانے میں خارجی فتوحات نہیں ہوئیں اس لیے ان کا ذکر نہیں کیا گیا - اس کتاب میں غزواتِ نبوی کے مقابلے میں فتوحاتِ خلفاء والا حصہ بہتر ہے کیونکہ مغازی کے بیان میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور فتوحات والے حصے میں خاصی تفصیل ہے - علامہ راغب الطباخ بتاتے ہیں کہ اس کتاب کا ایک حصہ الجزائر میں شائع ہوا ہے اور حلب کے کتب خانہ احمدیہ میں اس کا ایک نفیس قلمی نسخہ موجود

۱- مسلمان تاریخ نویس : شیخ سعید اختر - ص ۴۴ (مقالہ ابن حزم)

ہے جس کا نمبر ۲۵۲ ہے اور فہرست میں بسلسلہ' کتب حدیث درج ہے[1]۔

قاضی حسین بن محمد دیار بکری مالکی (متوفی ۹۶۶ھ/۱۵۵۸ء) کی "تاریخ الخمیس" جس کا پورا نام "التاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس" ہے ، دو جلدوں پر مشتمل عربی کی بہت معتبر اور جامع تاریخ ہے ۔ مصنف نے آنحضرتؐ کی مفصل سیرت لکھنے کے علاوہ خلفاء اربعہ ، امراء بنو امیہ ، سلاطین عباسیہ اور دوسرے سلاطین کا مختصر حال سلطان مراد ثالث کے عہد تک لکھا ہے ۔ مصنف کا ارادہ تھا کہ ایک مبسوط تاریخ اسلام لکھے اور اس کے متعلق حالات اور معلومات فراہم کرنے کے لیے سینکڑوں کتبِ تاریخ سے مواد بھی جمع کیا تھا ، لیکن جب تاریخ لکھنی شروع کی تو سیرۃ نبوی اور صدر اول کے حالات ہی اتنے پھیل گئے کہ خلفاء اور ملوک کا حال لکھنے میں اختصار سے کام لینا پڑا ۔ مصنف "تاریخ الخمیس" نے روایات کی تنقید و تنقیح میں ہر ممکن کوشش کی ہے ، اسی لیے یہ کتاب بہت وقیع سمجھی جاتی ہے[2] ۔ یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے ۔

۱- تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ ۔ اردو ترجمہ ۔ ج ۲ ، ص ۳۱۰ ۔

۲- لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ پشاور : مولوی عبدالرحیم ۔ ص ۲۷۳ ، ۲۷۴ ۔

(۵)

کتبِ تفاسیر

سیرتِ رسول ؐ کا ایک اور اہم ماخذ وہ کتبِ تفاسیر میں جو قرآن مجید کے معانی و مطالب کی وضاحت کے لیے قدما نے تحریر کیں ۔ حضور اکرم ؐ کے حالات دریافت کرنے کا سب سے مستند ذریعہ کلام الٰہی ہے ؛ چنانچہ جب قرآن مجید کی آیات کی تشریح و توضیح کی جاتی ہے تو سیرتِ رسول ؐ کی نسبت سے وہ مقامات زیادہ اہم ہوجاتے ہیں جہاں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ؐ کو مخاطب کیا ہے یا ان کی زندگی کے مختلف واقعات کی طرف اجمالی اشارے کیے ہیں ۔ یہ تفاسیر اس وقت بھی معلومات کا ایک قیمتی خزانہ ثابت ہوتی ہیں جب یہ معلوم کرنا ہو کہ آیاتِ قرآنی کے نزول کے اوقات ، اسباب اور مقامات کون کون سے تھے ؟ اور ان کا آنحضرت ؐ کی ذاتِ مبارکہ سے کیا تعلق تھا ؟ اسی لیے کتبِ تفاسیر ، سیرت النبی ؐ کا ایک اہم سرچشمہ قرار دی گئی ہیں ۔

تفسیر کے لغوی معنی ظاہر کرنا ، کھول کر بیان کرنا یا بے حجاب کرنا ہے اور اصطلاحی معانی ، ایسا علم ہے جس کی مدد سے قرآن حکیم کے معانی و مطالب معلوم کیے جاتے ہیں اور اس میں موجود احکام و مسائل اور اسرار و حکم سے بحث کی جاتی ہے ۔ قرآنِ مجید کے اولین مفسر خود آنحضرت ؐ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ ؐ کو اس کتاب کا مفسر و ترجمان قرار دیا ہے ۔

و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم[1] ۔

ترجمہ : اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں کے لیے واضح کریں ۔

۱۔ قرآنِ مجید ، سورۃ النحل ۴۴ ۔

اسی لیے قرآن مجید کی آیات کی توضیح کے لیے ایک اہم ذریعہ وہ تفسیری روایات بھی ہیں جو مختلف کتبِ حدیث میں درج کی گئی ہیں اور جنھیں امام بخاری نے یکجا کر کے "کتاب تفسیر القرآن" کے نام سے صحیح بخاری میں ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے[1] ۔

تفسیر قرآن کا سلسلہ صحابہ کرام کے زمانہ ہی میں شروع ہو گیا تھا ، مفسرین صحابہ کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن آن کی تفسیری روایات کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے وہی کچھ بیان کیا ہے ، جو انھوں نے رسول اکرمؐ سے بالواسطہ یا بلا واسطہ سنا یا جس آیت کے سببِ نزول سے وہ خود واقف تھے، یا اجتہاد و استنباط کے ذریعے وہ جس نتیجہ پر پہنچے ۔

امام جلال الدین سیوطی "الاتقان" میں لکھتے ہیں : "صحابہ کرام کے گروہ میں سے دس صحابہ مفسر مشہور ہوئے ہیں یعنی خلفائے اربعہ (حضرت ابو بکرؓ ، حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ، حضرت ابی بن کعبؓ ، حضرت زید بن ثابتؓ ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۔

خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ روائتیں تفسیر قرآن کے متعلق حضرت علی بن ابی طالب سے منقول ہیں اور باقی تینوں خلفاء سے بہت ہی کم روایتیں اس بارے میں آئی ہیں اور ان سے قلیل روایتیں آنے کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے بہت پہلے وفات پائی اور حضرت ابوبکرؓ سے روایتِ حدیث کی قلت کا بھی سبب یہی ہے ۔ مجھے تفسیرِ قرآن کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کے بہت ہی کم آثار (اقوال) یاد ہیں ، جو تعداد میں قریب قریب دس سے بھی زیادہ نہ ہوں گے مگر حضرت علی سے بکثرت آثار (اقوال) تفسیر کے بارے میں مروی ہیں"[2] ۔

۱- تاریخ تفسیر و مفسرین : غلام احمد حریری ، ص ۳ ، ۴ ۔

۲- الاتقان فی علوم القرآن : علامہ جلال الدین سیوطی ۔ ترجمہ : محمد حلیم انصاری ۔ ج ۲ ، ص ۵۹۵ ۔

ان کے علاوہ بعض اور صحابہ سے بھی تفسیری روایات مروی ہیں ، اگرچہ ان کی تعداد نسبۃً کم ہے ۔ اس سلسلے میں درج ذیل کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں ۔ (۱) حضرت انس بن مالکؓ (۲) حضرت ابوہریرہ (۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (٦) حضرت عائشہ صدیقہؓ[1]، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نام بھی اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے جو حضرت عائشہؓ کی طرح قرآن مجید کے معارف و مطالب اور تفسیر بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں[2] ۔ ان صحابہ کرام میں اگرچہ چار صحابہ کرام (حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ) سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں لیکن صرف دو صحابیوں (حضرت ابی بن کعبؓ) کے اقوالِ تفسیر قرآن باقاعدہ منضبط ہوئے ۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی کچھ تفسیری روایات منقول ہیں ، جن کا تعلق قصص ، فتنوں کی خبر اور اخبار آخرت سے ہے ۔

عہدِ صحابہ کی تفاسیر

صحابہ کرام کے عہد کی سب سے مشہور تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ٦۸ھ) کی "تنویرالمقیاس فی تفسیر ابن عباس" ہے جو عام طور پر "تفسیر ابن عباس" کے نام سے معروف ہے ۔ صاحبِ کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے اور ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی (متوفی ۸۱۷ھ) کی مرتب کردہ ہے"[3] جو "القاموس المحیط" کے مصنف بھی ہیں ۔ یہ ضخیم تفسیر مصر میں چھپ چکی ہے ۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے جو اقوالِ تفسیر اس کتاب میں درج ہیں ان کی روایات کے متعدد طریقے ہیں ۔ ان میں سب سے اعلیٰ طریقہ وہ ہے جس میں علی ابن ابی طلحہ (متوفی ۱۴۳ھ) حضرت

۱۔ تاریخ تفسیر و مفسرین : غلام احمد حریری ۔ ص ٦۵ ۔
۲۔ سیرت الرسول : محمد حسین ہیکل ۔ ترجمہ محمد وارث کامل (مقدمہ : شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ۔ ص ۳۴) ۔
۳۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ ۔

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور سب سے ناقص وہ طریقہ ہے جس میں محمد بن السائب الکلبی (متوفی ١٤٦ھ) ابو صالح سے اور ابو صالح حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان السدی الصغیر (متوفی ١٨٦ھ) کی روایت بھی شامل ہو جائے تو اسے "سلسلة الکذب" سمجھنا چاہیے[1] - اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سی روایات جو حضرت ابن عباسؓ سے منسوب کی گئی ہیں وہ وضع کردہ ہیں - امام سیوطی نے "الاتقان" میں "فضائل امام شافعی (محمد بن احمد بن شاکر القطان) کے حوالے سے ابن عبدالحکم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے تفسیر کے متعلق ایک سو سے زیادہ روایتیں ثابت نہیں ہوئی ہیں"[2] -

عہدِ صحابہ کی دوسری اہم تفسیر حضرت ابی بن کعب انصاریؓ (متوفی ١٩ھ) سے منسوب ہے - امام سیوطی "الاتقان" میں لکھتے ہیں کہ "ابی بن کعبؓ سے روایتِ حدیث کا ایک بڑا نسخہ (کتاب) ثابت ہے جس کو ابو جعفر رازی نے بواسطہ ربیع بن انس (متوفی ١٣٩ھ) عن ابی العالیہ خود حضرت ابی سے روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے - ابن جریر طبری (نے تفسیر میں) اور ابن ابی حاتم نے اس نسخہ سے بہت سی روایتیں بیان کی ہیں اور اسی طرح امام حاکم نے اپنے "مستدرک" میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں بھی اس نسخہ کی روایتیں درج کی ہیں[3] - حضرت ابی بن کعب کے تفسیری اقوال قابلِ اعتماد ہیں کیونکہ وہ قرآن مجید کے عالم ، حافظ اور کاتبِ وحی تھے - علاوہ ازیں وہ قدیم آسمانی صحائف کے اسرار و رموز سے بھی بخوبی واقف تھے اور کاتبِ وحی ہونے کی وجہ سے آیاتِ قرآنی کے اسبابِ نزول ، ناسخ و منسوخ اور تقدیم و تاخیر سے گہری واقفیت رکھتے تھے - مولانا محمد عبدالحلیم چشتی تو ان کی

١- تاریخِ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ - ترجمہ : افتخار احمد بلخی - ج ١ ، ص ٢٣٥ ، ٢٣٦ -

٢- الاتقان فی علوم القرآن : جلال الدین سیوطی - ترجمہ : محمد حلیم انصاری - ج ٢ ، ص ٦٠٣ -

٣- ایضاً - ص ٦٠٣ -

تفسیر کو عہد صحابہ میں قرآن کی سب سے پہلی تفسیر قرار دیتے ہیں[1] اور حضرت عبداللہ بن عباس رض کی تفسیر کو اس کے بعد کی تالیف بتاتے ہیں ۔

دور صحابہ میں مکمل قرآن مجید کی تفسیر کسی نے بھی نہیں لکھی اور نہ ہی اس عہد میں تدوین تفسیر ہوئی ۔ اس کام کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا ۔ تفسیری اقوال بھی دور صحابہ میں الگ منضبط نہیں ہوئے بلکہ وہ احادیث کے ساتھ ملے جلے ملتے ہیں اور احادیث کا جزو ہی متصور ہوتے ہیں ۔

عہد تابعین کی تفاسیر

عہد صحابہ کے بعد عہد تابعین آتا ہے یعنی ان بزرگوں کا زمانہ جنھوں نے صحابہ کرام سے فیض اٹھایا ۔ تابعین کے عہد میں تفسیر کا منبع قرآن ، احادیث ، اقوال صحابہ ، سابقہ کتب سماوی اور تابعین کا اپنا اجتہاد تھا ۔ اس عہد میں قرآن فہمی کے سلسلے میں تین مدارس نے خصوصی شہرت پائی، جہاں تابعین نے اس عہد کے مشہور مفسرین صحابہ سے کسب فیض کیا ۔ ان میں سے ایک مکہ میں ، دوسرا مدینہ میں اور تیسرا کوفہ میں تھا ۔ علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب "اصول التفسیر" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں : "سب سے زیادہ تفسیر کے جاننے والے اہل مکہ ہیں کیونکہ وہ ابن عباس کے تلامذہ ہیں مثلاً مجاہد (متوفی ۱۰۳ھ) ، عطا بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ) عکرمہ ، مولٰی ابن عباس (متوفی ۱۰۵ھ) ، طاؤس بن کیسان (متوفی ۱۰۶ھ) ، ابو الشعثا (جابر بن زیدازدی متوفی ۹۳ھ اور بقول بعض ۱۰۰ھ اور سعید بن جبیر (شہادت ۹۵ھ) وغیرهم اور اسی طرح ابن ابی رباح اور عکرمہ مولٰی ابن عباس کے تلامذہ ۔ اسی طرح اہل کوفہ میں عبداللہ ابن مسعود کے تلامذہ (مثلاً علقمہ بن قیس متوفی ۱۰۲ھ ، اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ ، ابراہیم النخعی ، متوفی ۷۵ھ ، اور شعبی متوفی ۱۰۵ھ — بحوالہ کشف الظنون) کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے ۔ یہی حال اہل

۱- الاتقان فی علوم القرآن : جلال الدین سیوطی ۔ ترجمہ : محمد حلیم انصاری (مقدمہ : علوم قرآن اور الاتقان: محمد عبدالحلیم چشتی) ج ۱ - ص ۵۸ -

مدینہ کے علمائے تفسیر کا ہے جیسے زید بن اسلم (متوفی ۱۳۶ھ) ، جن سے امام مالک نے تفسیری روائتیں لی ہیں - نیز آن(زید بن اسلم) کے لڑکے عبدالرحمٰن متوفی ۱۸۲ھ) اور عبداللہ بن وہب (متوفی ۱۹۹ھ) نے آن سے تفسیری روائتیں لی ہیں[1] -

امام سیوطی نے "الاتقان" کی نوع نمبر ۸۰ (طبقاتِ مفسرین) میں لکھا ہے کہ "سفیانِ ثوری فرمایا کرتے کہ تفسیر چار شخصوں سے حاصل کرو ، سعید بن جبیر سے ، مجاہد سے ، عکرمہ سے اور ضحاک سے — اور قتادہ (متوفی ۱۱۷ھ) کا قول ہے کہ تابعین میں سب سے زیادہ اہلِ علم چار ہیں - عطا بن ابی رباح ، مناسک حج کے بہت بڑے عالم تھے - سعید بن جبیر کو تفسیر میں سب سے بلند مقام حاصل تھا - عکرمہ ، سیر کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) حلال و حرام کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھتے تھے"[2] - ان کے علاوہ درج ذیل تابعین نے بھی تفسیرِ قرآن میں شہرت پائی (۱) عطا بن ابی مسلم الخراسانی (۲) ابوالعالیہ (۳) محمد بن کعب القرظی (۴) قتادہ (۵) عطیہ العوفی (۶) زید بن اسلم (۷) مرۃ الہمدانی (۸) ابو مالک - ان جید علمائے تفسیر کے بعد دوسرے درجے کے لوگوں میں ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نام آتے ہیں[3] -

امام سیوطی کہتے ہیں کہ یہ لوگ جن کے نام اوپر درج ہوئے ہیں ، قدمائے مفسرین ہیں اور ان کے بیشتر اقوال اس قسم کے ہیں کہ انھوں نے اقوال کو صحابہ سے سنا اور حاصل کیا ہے - پھر اس طبقہ کے بعد ایسی تفسیریں تالیف ہوئیں جو کہ صحابہ اور تابعین دونوں کے اقوال کی جامع ہیں - جیسے سفیان بن عینیہ ، وکیع بن الجراح ، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون ، عبدالرزاق ، آدم بن ابی ایاس ، اسحٰق بن راہویہ ، روح بن عبادہ ، عبد بن

۱- اصول التفسیر : امام ابن تیمیہ - مقدمہ ، ص ۱۵ -
۲- الاتقان : سیوطی - اردو ترجمہ ج ۲ ، ص ۶۰۴ -
۳- تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ ، اردو ترجمہ : ج ۱ ، ص ۲۴۱ -

حمید ، سعید ، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بہت سے دوسرے بزرگوں کی تفسیریں"[1] -

دور تابعین کی تفاسیر کی خصوصیات یہ ہیں کہ اب ان میں یہود و نصاریٰ کے وقائع بغیر کسی تنقید و تبصرہ سے شامل ہونے لگے کیونکہ اہل کتاب مشرب بہ اسلام ہونے کے بعد اپنی قومی اور مذہبی روایات ، قصے کہانیاں اور احوال و واقعات ساتھ لیتے آئے - علاوہ ازیں ان تفاسیر پر بھی نقل و روایت کی خصوصی چھاپ قائم رہی اور ہر شہر کے رہنے والے مفسرین اپنے شہر کے علماء کے اقوال کو زیادہ قابل اعتناء سمجھتے تھے - یہی وہ دور ہے جب تفاسیر میں مذہبی اختلافات کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں ، اگرچہ یہ تفسیری اختلاف متاخرین کے مقابلے میں بہت کم تھا[2] -

عہد تبع تابعین کی تفاسیر

تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور آتا ہے یعنی ان بزرگوں کا زمانہ ، جنہوں نے تابعین سے کسب فیض کیا - ان علما نے تفسیر کی باضابطہ کتابیں تصنیف کیں اور اپنی کتب تفاسیر میں انہوں نے صحابہ اور تابعین کے اقوال کو بنیاد بنایا مثلاً سفیان بن عینیہ (متوفی ۱۹۸ھ) وکیع بن الجراح (متوفی ۱۹۷ھ) شعبہ بن الحجاج (متوفی ۱٦۰ھ) یزید بن ہارون (متوفی ۱۱۷ھ) عبدالرزاق (متوفی ۲۱۱ھ) آدم بن ابی ایاس (متوفی ۲۲۰ھ) اسحٰق بن راہویہ (متوفی ۲۳۸) روح بن عبادہ (متوفی ۲۸۵ھ) عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ) ابوبکر بن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۸ھ) اور بہت سے دوسرے بزرگوں کی تفسیریں[3] -

پھر درجہ دوم کے مفسرین ہیں جن کی کتب تفاسیر نے شہرت پائی مثلاً ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ) ابن ماجہ

۱- الاتقان : سیوطی ، اردو ترجمہ - ج ۲ ، ص ٦۰۵ -
۲- تاریخ تفسیر و مفسرین : غلام احمد حریری - ص ۱۲۴ -
۳- الاتقان فی علوم القرآن : جلال الدین سیوطی - اردو ترجمہ - ج ۲ ، ص ٦۰۵ -

(متوفی ۴۲۵ھ) حاکم (متوفی ۴۰۵ھ)، ابن مردویہ (متوفی ۴۱۰ھ) ابو الشیخ ابن الحبان (متوفی ۳۶۹ھ) اور ان سب کے بعد ابن منذر ۔ ان کی تفاسیر ، صحابہ ، تابعین اور تبع تابعین ہی کی طرف مستند ہیں ۔

راغب الطباخ لکھتے ہیں کہ "ان کے بعد ایک اور طبقہ تفاسیر تصنیف کرنے کھڑا ہوا جس نے کچھ فوائد کا اضافہ کیا اور اسانید کو حذف کر دیا ۔ جیسے ابو اسحٰق الزجاج (متوفی ۳۱۰ھ) ابو علی الفارسی (متوفی ۳۷۷ھ) ابوبکر النقاش (متوفی ۳۵۱ھ) ابو جعفر النحاس (متوفی ۳۳۸ھ)، مکی بن ابی طالب (متوفی ۴۳۷ھ) اور ابو العباس المہدوی (متوفی ۴۰۳ھ)"[1] ۔

متاخرین کی تفاسیر

تبعِ تابعین کا دور ، درحقیقت تدوینِ کتبِ تفاسیر کا دور ہے کیونکہ اسی عہد میں صحیح معنوں میں تفسیر نگاری کی بنیاد پڑی ۔ یہ دور اموی خلافت کے اواخر سے لے کر خلافتِ عباسیہ کے ابتدائی زمانے تک محیط ہے ۔ اس عہد سے پہلے تفسیری روایات ، احادیثِ نبوی سے الگ نہیں تھیں ، کیونکہ احادیث کے مجموعے مختلف ابواب پر مشتمل ہوتے تھے اور ان میں ایک باب تفسیری روایات پر مشتمل ہوتا تھا ، لیکن تبع تابعین کے دور میں تفسیر نہ صرف حدیث سے الگ ہوئی بلکہ اس نے ایک جداگانہ فن کا درجہ حاصل کر لیا ۔ اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر آیت اور ہر سورت کی تفسیر لکھی جانے لگی ۔

متاخرین کا دور تبعِ تابعین کے بعد کا دور ہے اور یہ سب سے طویل دور ہے جو عباسی خلافت کی ابتداء سے شروع ہو کر عصر حاضر تک پھیلا ہوا ہے بقول غلام احمد حریری "قبل ازیں تفسیر کا انحصار منقول روایات پر تھا ۔ اس دور میں عقل و نقل میں امتزاج و اختلاط کا آغاز ہوا صرف و نحو اور عربیت سے متعلق علوم مدون ہوئے ۔ فقہی مسالک منظرِ عام پر آئے اور کلامی مسائل نے سر نکالا ۔ مختلف اسلامی فرقے اپنے مخصوص افکار و عقائد کی دعوت دینے لگے ۔ منطق و فلسفہ سے متعلق

۱۔ تاریخ افکار و علوم اسلامی : راغب الطباخ ۔ اردو ترجمہ ج ۱ ، ص ۲۴۲ ۔

کتب کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ سب علوم تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے ۔ جو شخص کسی علم و فن میں کمال رکھتا تھا اس کی تفسیر اسی علم تک محدود رہ گئی''[1] ۔

امام سیوطی نے ''الاتقان'' میں اس قسم کی تفاسیر کے کئی حوالے دیئے ہیں ۔ انھوں نے بتایا ہے کہ نحوی علما نے اپنی تفاسیر کو نحوی مسائل سے بھر دیا ہے مثلاً زجاج اور واحدی نے ''کتاب بسیط'' اور ابو حیان نے ''کتاب البحر و النہر'' میں نحوی مہارت کا ثبوت دیا ہے ۔ علوم عقلیہ سے دلچسپی رکھنے والے مفسرین نے اپنی کتب تفاسیر کو فلاسفہ کے اقوال کی کھتونی بنا دیا ۔ مثلاً امام فخر الدین رازی (متوفی ٦٠٦ھ) کی تفسیر ''مفاتیح الغیب'' المعروف بہ ''تفسیر کبیر'' اسی قسم کی ہے ۔ یہی حال مخصوص مسلک رکھنے والے مفسرین کا ہے ۔ معتزلہ ، اثنا عشری ، مؤرخین اور صوفیاء نے بھی تفاسیر لکھیں جو ان کے مخصوص عقائد ، میلانات نظریات اور فقہی اختراعات کا آئینہ تھیں ۔ قصہ مختصر ، جو مفسر بھی کسی خاص فن یا مسلک میں نمایاں تھا اس نے قرآن مجید کو بھی اسی کو سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ۔

چند مشہور تفاسیر

ان کتب تفاسیر کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جو عربی کے علاوہ بعض دیگر زبانوں میں بھی لکھی گئیں اور جن میں سے بعض بیس بیس اور تیس تیس جلدوں پر محیط ہیں ''کشف الظنون'' اور ''الفہرست'' ابن ندیم میں ان تفاسیر کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے ۔ ''تبیان الراسخ'' (علامہ صارم الازہری) ''التفسیر و المفسرون'' (علامہ محمد حسین الذہبی) ''تاریخ افکار و علوم اسلامی'' (راغب الطباخ) ''دیباچہ تفسیر ماجدی'' (عبدالماجد دریا بادی) ''الاتقان'' (علامہ سیوطی) ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' ، لیڈن اور ''دائرۂ معارف اسلامیہ'' ، دانش گاہ پنجاب میں ان کتب تفاسیر کا مفصل تعارف کرایا گیا ہے ۔ ان میں تفسیر طبری ، تفسیر کبیر رازی ، تفسیر بیضاوی ، تفسیر ابن کثیر ، تفسیر جلالین ، تفسیر فتح القدیر شوکانی اور تفسیر روح المعانی آلوسی زیادہ مشہور ہیں ۔

١۔ تاریخ تفسیر و مفسرین : غلام احمد حریری ۔ ص ٩ ۔

(٦)

کتبِ اسماء الرجال

سیرتِ رسولؐ کا ایک اور ماخذ کتبِ اسماء الرجال ہیں ، جو سینکڑوں کی تعداد میں قدیم محدثین اور مصنفین نے بڑی محنت و کاوش کے بعد مرتب کیں ۔ رسول اکرمؐ کے حالاتِ زندگی چونکہ صحابہ نے روایت کیے اور اُن سے تابعین نے سنے اور نوٹ کیے اور اُن سے آگے تبعِ تابعین نے سن کر محفوظ کیے، اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ بقولِ شبلی نعمانی "یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے ، کون لوگ تھے ؟ کیسے تھے ؟ کیا مشاغل تھے ؟ چال چلن کیسا تھا ؟ حافظہ کیسا تھا ؟ سمجھ کیسی تھی ؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین ؟ عالم تھے یا جاہل ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ سینکڑوں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں ، ایک ایک شہر میں گئے ، راویوں سے ملے ، اُن کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے ، جو لوگ اُن کے زمانہ میں موجود نہ تھے اُن کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے ۔ ان تحقیقات کے ذریعے سے "اسماء الرجال" (بیو گرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہو گیا جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر کے حسنِ ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے"[1] ۔

یہ حالات جن کتابوں میں جمع کیے گئے انہیں "کتبِ اسماء الرجال" کہا جاتا ہے ۔ یہ کتابیں اس لحاظ سے بڑی مفید ہیں کہ صحابہؓ کرام کے حالات و کوائف منضبط کرتے وقت ضمناً آنحضرتؐ کے واقعات بھی ان میں

۱- سیرت النبی : شبلی نعمانی - ج ۱ ، ص ۳۸ ، ۳۹ (مقدمہ) ۔

محفوظ ہو گئے ہیں کیونکہ صحابہ نے حضور اکرمؐ سے جو کچھ سنا، سیکھا یا آپؐ کا جو بھی واقعہ اُن کی نظر سے گذرا ، وہ سب کچھ صحابہ نے اپنے راویوں کے سامنے بیان کیا ۔ یوں صحابہ کرام کے حالات سے بالواسطہ ہمیں آنحضرتؐ کے واقعات زندگی بھی معلوم ہوتے گئے۔ علاوہ ازیں بعض کتابوں کی ابتدا میں صحابہ اور تابعین کے تذکرے کے ساتھ ساتھ حضور اکرمؐ کا بھی مختصراً ذکر کیا گیا ہے ۔ سیرت رسولؐ کے لیے کتب اسماء الرجال کا یہ عظیم الشان سرمایہ انتہائی قابل قدر ہے ۔

کتب اسماء الرجال کا تعلق فن حدیث کے دو علوم "رجال الحدیث" اور "جرح و تعدیل" سے ہے ۔ اول الذکر میں حدیث و سیرت کے راویوں کے حالات زندگی کا ذکر کیا جاتا ہے اور ثانی الذکر میں بحیثیت راوی اُن کی خوبیوں اور خامیوں سے بحث کی جاتی ہے ۔ کتب اسماء الرجال میں راویوں کے حالات سے پہلے صحابہ کرام کا تذکرہ ہوتا ہے اس لیے بے شمار راویوں کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے حالات بھی کتب اسماء الرجال کا جزو بن گئے ، تاہم بعض کتابیں خاص طور پر صحابہ کے حالات کے لیے وقف ہیں اور ان میں بعد کے راویوں پر تنقید و جرح شامل نہیں ہے ۔

علم جرح و تعدیل کے ماہرین میں ابن عباس (متوفی ۶۹ھ) اور انس بن مالکؓ (متوفی ۹۳ھ) جیسے صحابہ کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے ۔ اُن کے بعد تابعین میں شعبی (م ۱۰۴ھ) اور ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) کے نام معروف ہیں ۔ تابعین کے عصر آخر میں اعمش (م ۱۴۸ھ) ، شعبہ بن حجاج (م ۱۶۰ھ) ، امام مالک (م ۱۷۹ھ) اور اُن کے قریبی طبقہ کے لوگ مثلاً ابن مبارک (م ۱۸۱ھ) ، ابن عینہ (م ۱۹۷ھ) اور عبدالرحمٰن بن مہدی (م ۱۹۸ھ) کو اس فن کے علماء میں شمار کیا جا سکتا ہے ۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ فن یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) اور احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کے دور میں اپنے عروج تک پہنچ گیا[1] ۔

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں کہ "وہ پہلے بزرگ جنھوں نے اس فن کی ابتدا کی اور اس کے قواعد و ضوابط منضبط کیے ۔ شعبہ بن

۱- علوم الحدیث : صبحی صالح ۔ ترجمہ ۔ ص ۱۴۴ ۔

حجاج (م ۱٦۰ھ) تھے اور جس فاضل نے سب سے پہلے اس فن پر کتاب لکھی اُن کا اسم گرامی "یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) تھا[۱] -

شبلی نعمانی کی بھی یہی رائے ہے جو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح و تعدیل میں یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی[۲] - ایسی ہی رائے کا اظہار راغب الطباخ نے بھی کیا ہے جو کہتے ہیں کہ "سب سے پہلے جنھوں نے اس علم کی باضابطہ جمع و تدوین کی وہ حافظ یحییٰ بن سعید القطان ہیں - پھر اُن کے شاگردوں مثلاً یحییٰ بن معین، علی بن المدینی ، امام احمد بن حنبل اور عمرو بن علی الفلاس وغیرھم کا یہ علم جولانگاہ بنا اور پھر اُن کے شاگردوں نے اس کو چار چاند لگائے ، مثلاً ابو زرعہ ، ابو حاتم ، امام بخاری ، امام مسلم اور ابو اسحٰق الجوز جانی وغیرھم اور ان کے بعد والوں نے اُن کی پیروی کی، مثلاً نسائی، ابن خزیمہ ، ترمذی ، دولابی اور عقیلی وغیرھم - - - غرض جرح و تعدیل سے متعلق تالیف کردہ کتابوں میں سے چند ایک حسبِ ذیل ہیں - کتاب ابوحاتم بن حبان ، کتاب احمد بن عدی ، جو اس علم میں کامل ترین اور جلیل القدر کتاب ہے اور یہ کامل لابن عدی کے نام سے معروف ہے ، کتاب ابو الفتح آزدی اور کتاب ابو محمد بن ابی حاتم نیز دارقطنی اور حاکم کی بھی ضعیف راویوں سے متعلق کتابیں ہیں[۳]" -

ان میں سے بیشتر کتابیں اب ناپید ہیں لیکن بعد کی تصانیف چونکہ انھیں سے ماخوذ ہیں ، اس لیے ان کا تذکرہ ناگزیر ہے ، البتہ شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن سعید کے بعد جن مصنفین کی کتابوں نے اس فن میں شہرت پائی اُن میں چند ایک کا ذکر حسبِ ذیل ہے -

طبقات ابن سعد

"طبقات الکبریٰ" لابن سعد کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے - بارہ جلدوں

۱- سیرت الرسول : ہیکل - ترجمہ - مقدمہ : اسمٰعیل پانی پتی ص ۴۴ -
۲- سیرت النبی : شبلی ج ۱ ، ص ۳۹ (مقدمہ) -
۳- تاریخِ افکار و علومِ اسلامی : راغب الطباخ - ترجمہ - ج ۱ ، ص ۲۴۴ -

"اور بقول ابن خلکان پندرہ جلدوں" پر مشتمل ابن سعد (م ۲۳۰ھ) کی اس کتاب کی پہلی دو جلدیں تو کلیۃً آنحضرتؐ کے لیے وقف ہیں لیکن باقی جلدوں میں بھی صحابہ اور تابعین کے تذکرے میں جا بجا حضورؐ کا ذکر آیا ہے، جو سیرت کے لیے قیمتی مواد ہے۔ طبقات ابن سعد میں ان محدثین، مؤرخین اور ماہر انساب علماء کے حالات رقم کیے گئے ہیں جو عہد رسالت و صحابہ و تابعین اور خود مصنف کے اپنے زمانہ میں موجود تھے[1]۔

تواریخ امام بخاری

امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے فن اسماء الرجال میں تین کتابیں تالیف کیں (۱) التاریخ الکبیر (۲) التاریخ الاوسط (۳) التاریخ الصغیر۔ "التاریخ الکبیر" امام بخاری نے اٹھارہ برس کی عمر میں مرتب کی اور اس میں صحابہ اور تابعین کے ساتھ ساتھ آنحضرتؐ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ "التاریخ الصغیر" میں آنحضرتؐ کے لیے پندرہ صفحات وقف ہیں اور باقی کتاب میں مہاجرین و انصار، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے انتقال کے سنوں، نسب اور کنیت وغیرہ کی بحث ہے۔ امام صاحب نے طریق کار یہ اختیار کیا ہے کہ ایک سن میں جن جن اصحاب نے انتقال کیا تھا، ان سب کا ایک جگہ تذکرہ کیا ہے اور پھر اگلے سن میں وفات پانے والوں کا سلسلہ وار ذکر ہے[2]۔ "التاریخ الاوسط" بھی اس فن کی ایک مفید کتاب ہے۔

کتاب الجرح و التعدیل

یہ علامہ احمد بن عبداللہ العجلی (م ۲۶۱ھ) کی کتاب کا نام ہے اور اپنے فن کی ایک اہم کتاب ہے۔ اسی نام کی ایک کتاب امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) کی بھی ہے۔ عقیلی نے بھی رجال پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جو خاص ضعیف الراویہ لوگوں کے احوال پر مشتمل ہے۔ امام دار قطنی کی کتاب بھی ضعیف الروایہ اشخاص کے حال میں ہے۔ "کتاب الکامل فی معرفتہ الضعفأ و المتروکین" بھی اسی قسم کی کتاب ہے

۱۔ علوم الحدیث : صبحی صالح - ترجمہ، ص ۳۳۶، ۳۳۷ -

۲۔ سیرت البخاری : عبدالسلام مبارک پوری، ص ۱۶۸ -

جو ابو احمد عبداللہ بن محمد ابن عدی کی تالیف ہے اور فن اسماء الرجال کی سب سے مشہور کتاب ہے ۔ تمام محدثین اور متاخرین نے اسے اپنا ماخذ قرار دیا ہے ۔ یہ سب کتابیں مشہور ہونے کے باوجود اب تقریباً ناپید ہیں[1] البتہ اب جن کتابوں کا ذکر آ رہا ہے ، وہ موجود ہیں اور شائع ہوچکی ہیں ۔

استیعاب فی معرفۃ الاصحاب

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبدالبر اندلسی (م ۴۶۳ھ) کی دو جلدوں پر مشتمل مشہور کتاب ہے ۔ یہ پہلے حیدر آباد دکن میں اور پھر مصر میں شائع ہوئی ۔

الکمال فی معرفۃ الرجال

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۰۰ھ) کی تصنیف ہے ۔

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

علامہ ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) کی مشہور تصنیف ہے اور مصر میں پانچ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس کتاب میں ساڑھے سات ہزار صحابہ کا ذکر ہے جو حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہے ۔

تہذیب الکمال فی معرفۃ الرجال

حافظ جمال الدین یوسف المزی (م ۷۴۲ھ) کی کتاب ہے اور فنِ جرح و تعدیل پر بے نظیر کتاب ہے ۔ علامہ علاؤالدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) نے ۱۳ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا ۔

میزان الاعتدال فی نقد الرجال

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے اور تین جلدوں میں ہے ۔ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اس پر اضافہ کرکے "لسان المیزان" نام رکھا ۔ علاوہ ازیں ذہبی کی ایک کتاب "الاصابہ فی تجرید اسماء الصحابہ" ہے جس

۱۔ سیرت النبی : شبلی ۔ ج ۱ ، ص ۳۹ ، ۴۰ (مقدمہ) ۔

میں صحابہ کے ناموں کی فہرست حروفِ تہجی کے اعتبار سے دی گئی ہے ۔
اس کی بنیاد زیادہ تر ابن اثیر کی "اسد الغابہ" پر ہے

تہذیب التہذیب

ابنِ حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی بارہ جلدوں پر مشتمل مشہور تصنیف ہے جو آٹھ سالوں میں مکمل ہوئی ۔ انھیں کی ایک اور کتاب "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" ہے ، جس میں ابنِ حجر نے "طبقاتِ ابنِ سعد" "الاستعاب" اور "اسد الغابہ" کا نہ صرف سواد جمع کیا ہے بلکہ اس میں مفید اضافے بھی کیے ہیں ۔ "الاصابہ" مصر میں پہلے آٹھ جلدوں میں اب چار جلدوں میں شائع ہوتی ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں معلومات کا لاجواب خزانہ ہے اس کتاب کے بے شمار حوالے کتبِ سیرت میں آئے ہیں ۔

ان کتابوں میں استیعاب ، اسد الغابہ اور اصابہ خاص طور پر صحابہ کرام کے تذکرے کے لیے وقف ہیں لیکن ان میں بالواسطہ طور پر آنحضرتؐ کے حالات و واقعات بھی کافی تعداد میں شامل ہیں جو سیرت کی کتابوں کا ایک اہم ماخذ ہیں ۔

(۷)

کتبِ شمائل

سیرتِ رسولؐ کا ایک اور ماخذ وہ کتبِ شمائل ہیں ، جن میں آنحضرتؐ کے حلیۂ مبارک ، عادات و خصائل اور فضائل و معمولاتِ زندگی کا تذکرہ ہے ۔ یوں تو کتبِ احادیث میں بھی شمائلِ نبوی کا ذکر ہوتا ہے ، مثلاً صحاحِ ستہ کی بعض کتابوں میں شمائل کا جداگانہ باب موجود ہے اور تمام مسانید ، معاجم و مؤطات میں بھی سیرتِ رسولؐ کے اس خاص پہلو سے متعلق احادیث موجود ہیں[1] ، لیکن بعض کتابوں میں صرف شمائل کو ہی موضوع بنایا گیا ہے ؛ چنانچہ امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) کی "کتاب الشمائل" اس فن کی سب سے پہلی اور مشہور تالیف ہے ۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے جیّد علماء نے اس کی بیسیوں شرحیں لکھیں ۔ شمائل نبوی پر سب سے بڑی کتاب قاضی عیاض اندلسی (متوفی ۵۴۴ھ) کی "کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" ہے جس کی شرح شہاب الدین خفا جی نے "نسیم الریاض" کے نام سے لکھی ۔ اس فن کی دوسری کتابیں ابو العباس مستغفری (متوفی ۴۳۲ھ) کی "شمائل النبی" ، ابن المقری غرناطی (متوفی ۵۵۲ھ) کی "شمائل النور" اور مجد الدین فیروز آبادی (متوفی ۸۱۷ھ) کی "سفر السعادۃ" ہیں[2] ۔ شمائل کا موضوع سیرت نگاروں کے لیے اتنا پرکشش رہا ہے کہ اوائل سے لے کر اب تک اس پر طبع آزمائی ہو رہی ہے ۔ مثلاً "شیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی (متوفی ۱۳۵۰ھ) نے "وسائل الوصول الی شمائل الرسول" کے عنوان

۱- الخصائص الکبریٰ : امام سیوطی ۔ ترجمہ : غلام معین الدین نعیمی ۔ ج ۱ ، ص ز (دیباچہ)

۲- خطباتِ مدراس : سید سلیمان ندوی ۔ ص ۶۲ ۔

سے ایک بڑی عمدہ کتاب لکھی ہے - جس کا اردو ترجمہ محمد میاں صدیقی نے "شمائل رسول" کے نام سے کیا ہے -

شمائل ترمذی

کتبِ شمائل میں اولیت کا شرف بہرحال "شمائلِ ترمذی" کو حاصل ہے جس کا اصل نام "الشمائل النبویہ و الخصائل المصطفویہ" (یا کتاب الشمائل) ہے - یہی وہ کتاب ہے جس نے بعد کی کتبِ سیرت و شمائل کے مندرجات کو ایک نئی سمت عطا کی ہے - امام ترمذی نے چار سو احادیث کی مدد سے "الشمائل" مرتب کی اور ان کو ۵۶ بابوں میں تقسیم کیا[1] - اس کتاب میں حضور اکرمؐ کے حلیۂ مبارک ، لباس ، آلاتِ حرب ، نشست و برخاست ، خورد و نوش، عادات و خصائل، معمولات و عبادات ، اسماء و عمر شریف ، گزر اوقات ، وصال اور میراث کا تفصیلی ذکر ہے - شمائلِ ترمذی کی ایک خصوصیت اس کی جزئیات نگاری ہے ؛ چنانچہ آنحضرتؐ کے بارے میں ایسی احادیث بھی ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں جن میں بظاہر چھوٹی سے چھوٹی بات تھی مثلاً حضورؐ کے حلیۂ مبارک کے ضمن میں آپؐ کے قد ، رنگ ، بال ، بدن ، سر ، ناک ، ہاتھ ، پاؤں ، چہرہ ، دہانہ ، چشم و ابرو ، مژگاں ، چال ، مہر نبوت ، مانگ ، ڈاڑھی ، رخسار ، دانت ، گردن وغیرہ کی واضح تفصیلات فراہم کی گئی ہیں - اسی طرح آپ کے پہناوے میں لباس ، انگوٹھی ، نعلین مبارک ، عمامہ ، لنگی ، پاجامہ وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے - خورد و نوش میں آنحضرتؐ کے مرغوب سالن ، پھلوں ، سبزیوں ، جانوروں اور پرندوں کے گوشت کا بیان ہے اور پسندیدہ مشروبات کا بھی ذکر کیا گیا ہے - حضورؐ کی حسِ مزاح ، سونے اور جاگنے کے معمولات ، شاعری اور قصہ گوئی سے دلچسپی اور نماز ، روزہ اور عبادات سے شغف کا دلآویز بیان ہے - "کتاب الشمائل" سے ہی آنحضرتؐ کے عادات و خصائل ، حلم و تواضع ، مساوات ، شفقت ، ملازموں سے برتاؤ ، شرم و حیا ، فقر و استغنا وغیرہ کا پتہ چلتا ہے - یوں یہ کتاب آنحضرتؐ کے بشری احوال کی تفصیلات کا ایک قیمتی اور مستند ریکارڈ ہے -

---

۱- شمائل ترمذی : امام ترمذی - ترجمہ : مولانا محمد زکریا - ص ، ۱۱ -

کتاب الشفا

یہی حال قاضی عیاض اندلسی (متوفی ۵۴۴ھ) کی "کتاب الشفا" کا ہے۔ جو چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اُن قرآنی آیات پر محیط ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت کی تعظیم و توقیر کی ہے۔ اس ضمن میں آپ کی پیدائش، سراپا، اخلاق، مناقب، فضائل، معجزات اور نشانیوں کا بطورِ خاص تذکرہ ہے۔ دوسرا حصہ اُن حقوق کے بیان کے لیے وقف ہے، جن کی بجا آوری امت پر فرض کر دی گئی ہے۔ اس ضمن میں آپ پر ایمان لانا، آپ کی اطاعت کرنا، آپ کی سنت کا اتباع کرنا، آپ کی محبت دل میں رکھنا اور آپ پر درود و سلام بھیجنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ ان امور پر مشتمل ہے جو حضور کے لیے جائز یا ممنوع ہیں یا وہ امور بشریہ جن کی نسبت آپ کی طرف کرنا صحیح ہے۔ اس کے دو ابواب ہیں۔ باب اوّل میں وہ امور دینی مذکور ہیں جن سے عصمت رسول اللہ ثابت ہوتی ہے اور باب دوم میں حضور کے دنیوی حالات کا بیان ہے، جو بشریت کی وجہ سے آپ پر واقع ہوتے رہے۔ چوتھا حصہ ان احکام کی وجوہات کے بیان کے لیے مخصوص ہے، جو (معاذ اللہ) سبّ و تنقیص کر کے آنحضرت کی شانِ ارفع و اعلیٰ کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی وہ امور جن کی نسبت اگر حضور کی طرف کر دی جائے تو وہ سبّ و نقص ہیں، خواہ وہ اشارۃً ہوں یا صراحۃً۔ اسی حصے میں آپ کے شاتم (گالی دینے والا) موذی اور تنقیص کرنے والے کی سزا کا حکم ہے[1]۔

"کتاب الشفا" کے پہلے حصے میں قاضی عیاض نے شمائلِ نبوی پر خاص طور پر توجہ دی ہے۔ آپ کی سراپا نگاری میں اُن تمام احادیث کا حوالہ دیا ہے جو اس خاص موضوع پر کتبِ احادیث میں موجود ہیں؛ چنانچہ آنحضرت کا رنگ، چہرہ، آنکھیں، دندان مبارک، ناک، پیشانی، ابرو، بال، ریش مبارک، شکم و سینہ، بازو، کلائیاں، پنڈلیاں، ہتھیلیاں، ہاتھ پاؤں اور قدوقامت وغیرہ اس تفصیل سے احادیث کی مدد سے واضح کیے گئے ہیں کہ لفظوں ہی لفظوں میں آپ کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ کر

۱- نعیم العطا (ترجمہ کتاب الشفا): قاضی عیاض - ترجمہ: غلام معین الدین نعیمی - حصہ اول، ص ۱۴ تا ۱۷۔

رکھ دی ہے ۔ پھر آپؐ کے اخلاق و عادات کے ضمن میں آپ کی طہارت و پاکیزگی ، فہم و ذکا ، فصاحت و بلاغت ، کھانے پینے ، سونے جاگنے ، ازدواجی تعلقات ، شفقت و محبت ، عدل و انصاف ، سخاوت و حلم و بردباری ، شجاعت و دلیری ، شرم و حیا ، ایفائے عہد ، تواضع ، دیانت و امانت ، صداقت ، مروت ، زہد و ریاضت اور خشیت اللہی وغیرہ کا ذکر کیا ہے ۔ یوں یہ کتاب سراپائے اقدس ، اخلاقِ نبوی اور منصبِ نبوت جیسے پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے اور کتبِ شمائل میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔

(۸)

کتبِ دلائل

سیرتِ رسولؐ کا ایک اور ماخذ کتبِ دلائلِ نبوت ہیں ، جن میں آنحضرتؐ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا ذکر ہے - سید سلیمان ندوی نے "خطباتِ مدراس" میں ایسی کئی کتابوں کے نام گنوائے ہیں جو آنحضرتؐ کی حیات کے اس خاص پہلو کے بیان کے لیے وقف ہیں ، مثلاً ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) کی "دلائل النبوۃ" ، ابو اسحٰق حربی (متوفی ۲۵۵ھ) کی "دلائل النبوۃ" ، امام ابو بکر بیہقی (متوفی ۴۳۰ھ) کی "دلائل النبوۃ" ، ابونعیم اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ) کی "دلائل النبوۃ" ، امام مستغفری (متوفی ۴۳۲ھ) کی "دلائل النبوۃ" ، ابو القاسم اسمٰعیل اصفہانی (متوفی ۵۳۵ھ) کی "دلائل النبوۃ" اور امام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی "خصائص الکبریٰ" جو اس فن میں سب سے زیادہ مبسوط کتاب ہے[۱] - غلام معین الدین نعیمی کے بقول "چند اہلِ قلم حضرات نے معجزاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سیرت نگاری کا موضوع بنایا ، اُن میں حضرت جلال الدین سیوطی کے اُستاد محترم علامہ جلال الدین بلقینی (متوفی ۸۲۴ھ) کو دنیا اُن کی تصنیف "معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے باعث نہیں بھول سکتی"[۲] اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ معجزاتِ نبی الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اُٹھانے والوں میں علامہ سیوطی منفرد نہیں کیونکہ آپؒ کے معاصرین اور پیش رو حضرات نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے ؛ چنانچہ

۱- خطباتِ مدراس : سید سلیمان ندوی - ص ۶۲ -

۲- الخصائص الکبریٰ : امام سیوطی - ترجمہ : غلام معین الدین نعیمی - ج ۱ ، ص ز (دیباچہ)

اس سلسلے میں علامہ سراج الدین عمر بن علی الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) قطب خضیری ، یوسف بن موسیٰ الجذامی اور مشہور زمانہ محدث ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے بھی خصائص نبوت میں کتب تالیف کی ہیں لیکن ان کی رائے میں بڑی جامعیت کا شرف صرف "الخصائص الکبریٰ" کو حاصل ہے[1] - جس کا پورا نام "الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیرالوریٰ" ہے - "الخصائص الکبریٰ" میں آنحضرتؐ کے ایک ہزار سے زائد معجزات جمع کیے گئے ہیں - امام سیوطی نے ہر معجزے کی صراحت کے لیے احادیث نبوی کے عظیم الشان ذخیرے کو کھنگالا ہے اور آپ کو جتنی بھی احادیث اس سلسلے میں دستیاب ہوئی ہیں ، ان سب کو بلا تبصرہ راویوں کے حوالے کے ساتھ پیش کیا ہے - تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل اس کتاب کی تالیف میں امام سیوطی نے اپنی عمر عزیز کے بیس سال صرف کیے - یہ درست ہے کہ "الخصائص الکبریٰ" میں ضعیف احادیث بھی شامل ہو گئی ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہاں واقعات کی ترتیب میں تسلسل نہیں ہے ، لیکن اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ خصائص نبوت پر اس سے بہتر کوئی کتاب موجود نہیں - اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے صدہا کتب کی ورق گردانی کے بعد اس نعتیہ کلام کا انتخاب کیا ہے جس کا بیشتر حصہ شعرائے قبل اسلام کا ہے ، جن میں ہاشمی اور غیر ہاشمی سبھی شامل ہیں -

جلال الدین سیوطی کا اسی موضوع پر ایک رسالہ "الخصائص الصغریٰ" بھی مجلہ "تحقیق" لاہور میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے ۱۲ صفحات کے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ چھپ گیا ہے - "الخصائص الصغریٰ" کا متن ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ دو ابواب میں منقسم ہے - ہر باب کی چار چار فصلیں ہیں[2] - اس رسالہ میں بھی معجزات اور خصائص نبویہ ، احادیث نبویؐ کے حوالہ سے درج ہیں -

---

۱- الخصائص الکبریٰ : امام سیوطی - ترجمہ ، غلام معین الدین نعیمی ، جلد ۱ ، ص : ص (دیباچہ) -

۲- الخصائص الصغریٰ : امام سیوطی ، مجلہ تحقیق ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ، جلد ۲ ، شمارہ نمبر ۳ ، ص ۶۳ تا ۱۱۲ -

(۹)

کتبِ آثار و اخبار

سیرتِ رسولؐ کا ایک اور ماخذ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات کے بارے میں لکھی گئی ہیں ۔ ان کتابوں میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ حضور اکرمؐ کے حالات زندگی اور ان مقاماتِ مقدسہ کے نام و نشان ہیں جن کا حضورؐ سے کوئی تعلق رہا ہے ۔ کتبِ سیرت کے لیے آثار و اخبار کی یہ تصانیف پس منظر کا کام دیتی ہیں ، کیونکہ ان کے مصنفین نے مکہ اور مدینہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ان دونوں شہروں کے ماضی کو کریدا ہے اور یوں ہمارے لیے تاریخی معلومات کا ایسا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے جو کہیں اور نہیں ملتا ۔ ان کتابوں کے مؤلفین کی محنت کی داد دینی چاہیے کہ انھوں نے ہزاروں سالوں پر محیط یہاں آباد ہونے والے قبائل کی تہذیبی و تمدنی زندگی کی تفصیلات ہمارے لیے فراہم کی ہیں اور ان کا رشتہ سیرتِ رسولؐ سے یوں قائم کیا ہے کہ آپؐ کی بعثت ایک فطری عمل محسوس ہوتی ہے ۔ ان کتابوں کو اصل میں کتبِ تاریخ کی صف میں جگہ ملنی چاہیے، لیکن آنحضرتؐ کی سوانح حیات کی فراہمی کے سلسلے میں ان کتابوں کی منفرد حیثیت ہے ، اس لیے انھیں علیحدہ عنوان کے تحت موضوع بحث بنایا گیا ہے ۔

اس موضوع پر سب سے قدیم کتاب علامہ ازرقی (متوفی ۲۲۳ھ) کی "اخبار مکہ" ہے جسے انتہائی مستند ماخذ کی حیثیت حاصل ہے ۔ سید سلیمان ندوی نے "خطباتِ مدراس" میں عمر بن شبہ (متوفی ۲۶۲ھ) کی "اخبار مدینہ" ، فاکہی کی "اخبار مکہ" اور ابن زبالہ کی "اخبار مدینہ" کا بھی ذکر کیا ہے ، جو اس سلسلے کی اہم کتابیں ہیں[1] ۔ محمد عبدالمعبود نے اپنی

۱- خطباتِ مدراس : سید سلیمان ندوی ۔ ص ۶۳ ۔

کتاب ''تاریخ المکۃ المکرمۃ'' میں بعد کی چند اور کتابوں کا حوالہ دیا ہے:
چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''امام تقی الدین فاسی (متوفی ۸۳۲ھ) نے ''عقدالثمین'' کے نام سے آٹھ ضخیم جلدیں مدون فرمائی ہیں ۔ علامہ قطب الدین (متوفی ۹۸۶ھ) کی شہرۂ آفاق تالیف ''اعلام الاعلام'' میں مکہ کے معاشی ، معاشرتی اور انتظامی امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔ شیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا مصری کی نادرۂ روزگار تصنیف ''مراۃ الحرمین'' چھ جلدوں پر محیط ہے جس میں مصنف نے مکہ معظمہ کے بہت سے مقامات کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کو اجاگر کیا ہے اور اہل مکہ کی تعلیمی، تمدنی اور اخلاق قدروں کو بڑی وضاحت و صراحت سے ارقام فرمایا ہے ۔ محقق دوراں علامہ محمد طاہر کردی نے چار ضخیم جلدوں (تاریخ القویم) میں اہالیان مکہ کی تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کے ایسے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو اب تک تشنۂ تکمیل تھے اور جن پر ماضی کے کسی مؤرخ نے خامہ فرسائی نہیں کی تھی ۔ علاوہ ازیں ایسی متعدد مبسوط اور مستند کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے''[۱]
ان میں شیخ نور الدین علی بن احمد سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) کی ''خلاصۃ الوفا فی اخبار دارالمصطفیٰ'' ایک اہم کتاب ہے ۔ مصنف نے مدینہ منورہ کی ایک نہایت مبسوط اور ضخیم تاریخ لکھی تھی جس کا مسودہ ۸۸۶ھ کی مسجد نبوی کی مشہور آتشزدگی میں جل کر راکھ ہو گیا تھا ۔ خوش قسمتی سے انھوں نے کتاب مذکور کا انتخاب ''وفا الوفا'' کے نام سے کیا تھا جس کا مسودہ وہ صاف کرنے کے لیے اپنے ساتھ مدینہ سے مکہ مکرمہ لے گئے تھے ۔ یہ حج کا زمانہ تھا اور یوں یہ مسودہ بچ گیا ۔ اس انتخاب کا انھوں نے پھر ایک خلاصہ کیا جو اب ''خلاصۃ الوفا'' کے نام سے متداول ہے[۲]۔ اسی طرح شیخ تقی الدین محمد بن احمد الفارسی کی ''العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین'' بھی عربی میں مکہ معظمہ کی تاریخ ہے ۔ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے جس میں مکہ کے امراء اور اوراعیان کا حال بھی حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے[۳]۔

۱- تاریخ المکۃ المکرمۃ : محمد عبدالمعبود ص ۱۰ ، ۱۱ ۔
۲- لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ پشاور : مولوی عبدالرحیم مطبع آگرہ اخبار آگرہ ۔ سن اشاعت ندارد ۔ ص ۲۷۱ ۔
۳- ایضاً ، ص ۲۷۵ ۔

(۱۰)

معاصرانہ شاعری

سیرتِ رسولؐ کا ایک اور ماخذ آنحضرتؐ کے زمانہ کی وہ عربی شاعری ہے جو آپؐ کی ذات کے حوالہ سے کی گئی ہے۔ سر ولیم میور اگرچہ سیرت رسولؐ کے بنیادی منابع صرف دو ہی تسلیم کرتا ہے، یعنی قرآن اور حدیث، لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ اس سے نیچے دو سرچشمے اور بھی ہیں، یعنی ہم عصر دستاویزات اور عربی شاعری۔ ان دونوں نچلے درجے کے ماخذوں کے لیے بھی ہم احادیث کے ممنونِ احسان ہیں جن میں ان کا ایک بڑا حصہ محفوظ ہو گیا ہے[1] یا پھر ہمیں کتبِ سیر و مغازی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جہاں جا بجا ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔
آنحضرتؐ کے ہم عصر شعراء میں ابو طالب، اعشیٰ، کعب بن زہیرؓ، حسان بن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، عبداللہ بن زبعریؓ، کعب بن مالکؓ، فضالہ لیثیؓ اور عباس بن مرداسؓ کے نام اہم ہیں۔ یوں تو ابو زید القرشی نے جمہرہ میں المفصل الضبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے حضورؐ کی شان میں شعر نہ کہا ہو اور اس کو موقع پر پڑھ کر سنایا نہ ہو" اور اس کی تائید خلفائے راشدینؓ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے کہے ہوئے ان تعزیتی اشعار سے ہوتی ہے جو اکا دکا مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں اور ان اشعار سے بھی جو آنحضرتؐ کے قریبی اعزا، حضرت عباسؓ، حضرت فاطمہ زہرہؓ، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب، حضرت عبداللہ بن عباس

---

1. Life of Mohammad : Sir William Muir, Introduction, p. 14.

اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب سے منسوب ہیں اور جن میں آنحضرتؐ کے وصال پر اظہار غم کیا گیا ہے ، تاہم سیرتِ رسول کے تائیدی حوالہ جات کے لیے جن شعراء کے کلام کی خصوصی اہمیت ہے ، وہ وہی ہیں جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور جن کی تھوڑی سی وضاحت یہاں بے محل نہ ہوگی -

ابو طالب

آنحضرتؐ کی مدح میں سب سے پہلے زبان کھولنے والے بزرگ آپؐ کے شفیق چچا ابو طالب ہیں ، جنھوں نے ایک نظم میں نبی کریم کی پُر جوش تعریف کی اور اپنے خاندان بنو ہاشم کی خصوصیات کا ذکر کیا - سیرت ابن ہشام میں اس نعتیہ قصیدہ کے سات اشعار نقل ہوئے ہیں[1] - اس کے علاوہ ۹۵ اشعار پر مشتمل ابو طالب کے ایک اور طویل قصیدہ کا ذکر ملتا ہے جس کے اشعار ابن ہشام نے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں[2] - حضور کے یہ چچا باقاعدہ شاعر نہیں تھے - لیکن بیشتر عرب سرداروں کی طرح وہ صنفِ شعر سے نا آشنا نہیں تھے - یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع پر انہوں نے جو قصیدے کہے ، انھیں کتبِ سیر و مغازی ہیں نقل کر لیا گیا -

اعشیٰ

اعشیٰ "سبعہ معلقہ" کے شعراء میں سے ایک شاعر ہے اور اُس نے بھی آنحضرتؐ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا جو عربی ادب کی تمام جامع کتابوں اور دیوان اعشیٰ میں محفوظ ہے ، البتہ کتبِ سیرت کے مؤلفین نے اسے نقل نہیں کیا ، کیونکہ وہ حضور پر ایمان نہیں لایا تھا - ذکی مبارک اپنی کتاب "المدائح النبویہ فی الادب العربی" میں اعشیٰ کے قصیدہ کو آنحضرتؐ کی پہلی نعت قرار دیتے ہیں لیکن ان کی رائے درست نہیں ہے

۱- سیرت النبی : ابن ہشام - ج ۱ ، ص ۱۵۶ -

۲- ایضاً ، ص ۲۰۱ -

کیونکہ یہ شرف ابوطالب کو حاصل ہے[1]۔

کعب بن زہیر رضؓ

حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی (متوفی ۲۴ھ) کا نعتیہ قصیدہ "قصیدۂ بردہ" کے نام سے بھی مشہور ہے اور "بانت سعاد" کے نام سے بھی — یہی وہ قصیدہ ہے جسے سن کر حضور نے خوش ہو کر اپنی چادر مبارک شاعر کو عطا کر دی تھی ۔ "بانت سعاد" قصیدہ کے ابتدائی الفاظ ہیں[2] ۔ ابن اسحٰق نے اپنی کتاب سیر و مغازی میں اس قصیدہ کے ۵۱ اشعار نقل کیے تھے اور ابن ہشام نے تلاش کر کے اس میں سات اشعار کا اضافہ کر دیا ۔ ۵۸ اشعار کے اس قصیدہ میں اگرچہ ایک ہی شعر خالص نعت کا ہے لیکن وہ شعر پورے قصیدے کا حاصل ہے ، تاہم بارہ اشعار کے متفرق مضامین میں بھی آنحضرتؐ کے حلم و عفو اور عطیہ قرآن مجید کا ذکر آ گیا ہے اور شاعر نے اس کے حوالے سے اپنی بے گناہی کا اظہار کیا ہے ۔

حسان بن ثابتؓ

حضرت حسان بن ثابتؓ (متوفی ۵۴ھ) کا نام مدح رسول کی وجہ سے لافانی ہو چکا ہے اور وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اسلام اور بانی اسلام کا دفاع اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ کیا ۔ صرف انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ آنحضورؐ نے ان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا جس پر بیٹھ کر وہ شعر پڑھتے تھے ۔ ڈاکٹر ڈبلیو عرفات (جنھوں نے لندن یونیورسٹی کے لیے دیوان حسان بن ثابت پر مقالہ لکھا ہے) کی تحقیق کے مطابق سیرت ابن اسحٰق میں حسان بن ثابتؓ کی ۸۷ نظمیں موجود ہیں ، جن میں سے پندرہ مشکوک ہیں[3]، البتہ ان کی جو نظمیں مستند ہیں وہ سیرت رسولؐ کے

۱- عربی میں نعتیہ کلام : ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ۔ ص ۵۴ ۔
۲- صحابہ کرام کی نعت گوئی : ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین ("صریر خامہ" نعت نمبر ، ۱۹۷۸ء) ص ۱۰ ، ۱۱ ۔
3. Life of Muhammad : A Guillaume, Introduction, p. 28, 29.

ایک قیمتی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ انھوں نے دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کا جواب نہ صرف شعر کی زبان میں دیا بلکہ حضور کی مدح بھی بڑے خلوص اور جذبۂ ایمانی کے ساتھ کی ۔ حسان بن ثابتؓ کی شاعری کی تاریخی اہمیت ہے کیونکہ انھوں نے غزوات میں فتح حاصل کرنے ، شہداء کا مرثیہ لکھنے اور اسلام کی برتری ظاہر کرنے کے لیے فنِ شعر کا سہارا لیا ہے[1] ۔ اُن کے نعتیہ قصائد میں مشہور ترین قصیدہ وہ ہے جو انھوں نے فتح مکہ سے پہلے ابو سفیان کی ہجو کے جواب میں کہا تھا ۔ اس قصیدہ میں انھوں نے بڑے پُرجوش انداز میں آنحضرتؐ کی مدح کی ہے اور آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کے گن گائے ہیں[2] ۔ نعت میں اُن کے دو اور قصائد اور چند اشعار کا ذکر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنی کتاب "عربی میں نعتیہ کلام" میں کیا ہے ۔ ان میں سے ایک قصیدہ کے صرف چھ شعر دیوانِ حسان بن ثابتؓ میں درج ہیں ۔ جبکہ "زاد المعاد" (ابن قیم) میں اس کے ۱۷ شعروں کا ذکر کیا گیا ہے ، جو حضرت عائشہؓ کے حوالے سے "اسد الغابہ" میں درج تھے اور جہاں سے حاصل کرکے انھیں دیوانِ حسان میں شامل کیا گیا[3] ۔

یوں بقول ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی "اعداد و شمار کے لحاظ سے (آپ کے) خالص نعتیہ قصیدوں کی تعداد صرف تین ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر وہ دو شعر بھی شامل کر لیے جائیں جو حضرت عائشہؓ نے دہرائے تھے تو چار قصیدے ہو جائیں گے ۔ ایک یائیہ قصیدہ وہ بھی شمار کر لیجیے جو ایک طرح مختصر سیرت آسان لفظوں میں بچوں کو زبانی یاد کرانے والی نظموں کے انداز کا ہے ۔ ان نعتوں کے ساتھ یقیناً اُن مرثیوں کو بھی شمار کرنا چاہیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے متاثر ہو کر حضرت حسان نے کہے تھے ۔ ان مرثیوں کی تعداد چار ہے ۔ ان کے علاوہ دو شعر اور بھی نقل کیے گئے ہیں جو قلبی تاثرات کے لحاظ سے تمام مراثی کا نچوڑ

۱۔ عربی میں نعتیہ کلام : ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ۔ ص ۷۳ ۔
۲۔ ایضاً ، ص‌ص ۷۵ ، ۷۶ ۔
۳۔ ایضاً ، ص‌ص ۷۷ تا ۸۲ ۔

ہیں"[1] تاہم یہ رائے مبنی بر صداقت ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ کا سارا کلام ہی رسولِ کریمؐ سے متعلق ہے ، کیونکہ اگر کسی کی ہجو ہے تو وہ آپ ہی کی مدافعت میں ہے ، اگر صحابہ کرام کا مرثیہ ہے ، غزوات کا ذکر ہے یا حضرت عثمانؓ کا مرثیہ اور اُن کے قاتلوں کی مذمت ہے تو بھی ان سب کا محور آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی ہے[2] ۔

عبداللہ بن رواحہؓ

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے بعد سب سے زیادہ اشعار عبداللہ بن رواحہؓ (متوفی ۸ ھ) کے نقل کیے گئے ہیں لیکن ان میں خالص نعتیہ اشعار کم ہیں اور جو ہیں وہ زیادہ تر اسلام کی عظمت کے بیان پر مشتمل ہیں ، یا پھر اُن کے وہ قصائد ہیں جو انھوں نے کفار اور یہود کی ہجو میں کہے ہیں ۔ ان کے رجزیہ اشعار بھی مشہور ہیں جن میں سے بعض علامہ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ" میں درج کیے ہیں ، خصوصاً وہ رجزیہ شعر جو آپ نے اُس وقت پڑھے جب حضور اکرمؐ عمرۃ القضاء کا طواف کر رہے تھے ۔ آپ کے نعتیہ اشعار بھی کتابوں میں محفوظ ہیں ، مثلاً ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں ایک جگہ آپ کے تین نعتیہ اشعار نقل کیے ہیں اور دوسری جگہ پھر اتنی تعداد میں نئے نعتیہ اشعار درج کیے ہیں ۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے بھی آپ کے تین نعتیہ اشعار اپنی کتاب "عربی میں نعتیہ کلام" میں شامل کیے ہیں ۔ یوں ان کے نعتیہ اشعار کچھ زیادہ نہیں ہیں لیکن جتنے بھی ہیں ، شاعر کے 'پرخلوص اور 'پرجوش احساسات کے ترجمان ہیں ۔ حسان بن ثابت کی طرح اُن کی ہجویہ نظمیں بھی بالواسطہ سیرتِ رسولؐ کا جزو ہیں ۔ البتہ ڈاکٹر شوقی ضیف کے بقول "حضرت حسان اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی ہجو میں فرق یہ ہے کہ حضرت حسان ، مشرکینِ مکہ کے انساب پر حملہ کرتے تھے اور اُن کی تاریخ کے کمزور پہلوؤں کو اجاگر کرتے تھے جنھیں سن کر وہ تلملا تلملا کر رہ جاتے اور سمجھتے تھے کہ یہ باتیں حسان کو حضرت ابوبکرؓ کے

---

۱ ، ۲ ، ۳- عربی میں نعتیہ کلام : ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ۔ ص ۸۳ اور صص ۸۲ ، ۸۳ (بالترتیب) ۔

ذریعے معلوم ہوئی ہوں گی ، مگر عبداللہ بن رواحہؓ بد زبان کفار کی ہجو دوسرے انداز سے فرماتے تھے ۔ وہ کفر و شرک ، گمراہی اور بے دینی کا طعنہ دیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد جو لوگ سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے جیسے ابوسفیان ، ہندہ اور وحشی وغیرہ ، ان کو عبداللہ بن رواحہؓ کی کہی ہوئی ہجو زیادہ بری لگتی تھی ، کیونکہ وقت گذرنے کے بعد سب باتیں بھولی بسری ہو جاتی ہیں ، مگر جن باتوں کو کسی کامیاب شاعر نے اپنی نظموں میں کہہ دیا ہے وہ ختم نہیں ہوتیں اور لوگ اس کو دہرایا کرتے ہیں''[1] ۔

عبداللہ بن زبعریٰؓ

حضرت عبداللہ بن زبعریٰ حالتِ کفر میں حضرت حسان بن ثابت کا شاعری میں مقابلہ ، کفار قریش کی طرف سے کیا کرتے تھے اور ذاتِ گرامی' رسولؐ کے بارے میں اپنے بغض کا اظہار کرتے تھے لیکن جب وہ اسلام لے آئے تو انھوں نے اپنی شعری صلاحیتوں کو دینِ اسلام کی خدمت اور آنحضرتؐ کی مدح کے لیے وقف کر دیا[2] ۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اُن کے پانچ اشعار اپنی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' میں نقل کیے ہیں جن میں انھوں نے اپنی حالتِ کفر پر ندامت کا اظہار کیا ہے اور حضور سے مخاطب ہو کر دینِ اسلام کی صداقت و حقانیت کی گواہی دی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے لفظوں میں گویا یہ اشعار اُن کے منظوم توبہ ناموں کی حیثیت رکھتے ہیں[3] ۔ انھوں نے ''جمھرۃ اشعار العرب فی الجاھلیتہ و الاسلام'' سے آپ کے مزید پانچ اور ''طبقات فحول الشعراء'' سے مزید تین نعتیہ اشعار نقل کیے ہیں ۔ یوں اُن کے نعتیہ اشعار کی تعداد کچھ زیادہ نہیں بنتی لیکن جذب و تاثیر میں کسی سے کم بھی نہیں ہے ۔

۱۔ دراسات فی الشعر الاسلامی : ڈاکٹر شوقی ضیف ۔ ج ۳ ، ص ١٧٥ ۔

۲۔ صحابہ کرام کی نعت گوئی : ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین (صریرِ خامہ ، نعت نمبر ١٩٧٨ء) ص ص ١٤ ، ١٥ ۔

۳۔ عربی میں نعتیہ کلام : ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ۔ ص ٩٤ ۔

کعب بن مالکؓ

حضرت کعب بن مالک ، مدینہ منورہ کے ان پانچ نامور شعراء میں سے ایک ہیں جن کا "جمھرۃ اشعار العرب" کے مؤلف نے بطورِ خاص ذکر کیا ہے - آپ غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے اُن تین صحابہ میں سے ہیں جن کی توبہ قبول کیے جانے کا قرآن میں حوالہ آیا ہے - سیرتِ ابن ہشام میں آپ کے متفرق نعتیہ قصائد کے اشعار درج ہیں - ان میں ایک قصیدہ آنحضرتؐ کی موجودگی میں آپ نے پڑھا تھا ، جب آپؐ نے غزوۂ حنین کے بعد طائف جانے کا ارادہ کیا تھا - یہ قصیدہ سن کر حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اے کعب ! اللہ نے تمھارے اس قول کی قدر دانی فرمائی"[1] غزوہ احد کے موقع پر بھی کعب بن مالک نے ایک قصیدہ کہا تھا اور نبیِ کریم کی وفات پر انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار ایک مرثیہ کی شکل میں کیا تھا - غزوۂ احد والے اشعار ابنِ ہشام نے اپنی سیرت النبی میں ابنِ اسحٰق کے حوالے سے نقل کیے ہیں[2]- کعب بن مالک کے مرثیہ میں آنحضرتؐ کی بلند کرداری ، زہد و ریاضت ، سخاوت اور بنی نوعِ انسان پر آپ کے احسانات کا عقیدت مندانہ اظہار ہے - آپ کا نعتیہ کلام بھی کمیت میں کم لیکن کیفیت میں اعلیٰ درجہ کا ہے -

عباس بن مرداسؓ

حضرت عباس بن مرداس ، عرب کی مشہور مرثیہ گو شاعرہ خنسا کے صاحبزادے اور فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ پہلے ایمان لانے والے صحابی ہیں - مختلف کتابوں میں آپ کے نعتیہ قصائد کا ذکر اور نمونۂ کلام ملتا ہے[3] - ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنی کتاب میں ان کے چار مدحیہ اشعار درج کرکے کہا ہے کہ "ان اشعار میں توحید کی وہ روح جھلکتی ہے جس کی

۱- الروض الانف : عبدالرحمٰن السہیلی - ج ۲ ، ص ۸۲ -
۲- سیرۃ النبی : ابنِ ہشام - ج ۳ ، ۴ - ص ۱۷۰ ، ۳۲۰ -
۳- شرح شواہدلغنی : ص ۲۴ ، سیرت ابن ہشام - ج ۲ ، ص ۶۰ اور تہذیب ابن عساکر ج ۲ ، ص ۲۵۵ -

دعوت دینے کے لیے نبی کریم دنیا میں تشریف لائے تھے - کسی پیغمبر کی سب سے بڑی مدح یہی ہے کہ اس کی تعلیمات کو سراہا جائے اور اس کی حقیقت کو بیان کیا جائے"[۱] -

مذکورہ بالا شعراء کی نعتیہ شاعری میں آنحضرتؐ کے اخلاقِ حسنہ ، مثلاً عدل و انصاف ، شفقت و رحمدلی ، تدبر و حکمت ، حلم و بردباری ، غریبوں اور یتیموں کے ساتھ آپ کے اعلیٰ سلوک کا خصوصی تذکرہ ہے - علاوہ ازیں آپ کے عالی حسب و نسب اور خاندان کی مدح بھی کی گئی ہے اور حضورؐ کے سراپا کا چشم دید بیان بھی ہے - یہی وہ شعراء تھے جنھوں نے حضور اکرم کی زندگی میں آپ کے روبرو اپنے عقیدت مندانہ جذبات و احساسات کا اظہار بغیر کسی مبالغہ کے کیا اور لفظوں کے ذریعے آنحضرتؐ کے شمائل اور اخلاق و عادات کی ایسی منہ بولتی تصویر کھینچ گئے جس سے بہتر مثال کہیں اور ملنی محال ہے - ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے صحابہ کرام اور متاخرین نعت گو شعراء کی شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے درست لکھا ہے کہ "اس دور میں شعراء نے رسول کریمؐ کے معنوی اوصاف کے بیان کے علاوہ آپ کے حسنِ صورت کا نقشہ بھی پیش کیا ہے لیکن اوصاف حسنہ کا بیان جس قدر واضح اور حقیقی طور پر اس زمانے کے کلام میں پایا جاتا ہے ، وہ متاخرین کے یہاں نہیں ملتا - ظاہر ہے کہ جمالِ محمدی کا مشاہدہ اصحابِ رسولؐ نے اپنی آنکھوں سے کیا تھا اور یہ سعادت متاخرین کو نصیب نہ ہو سکی چنانچہ سراپے کے بیان میں انھوں نے زیادہ تر تخیل سے کام لیا"[۲] -

آنحضرتؐ کی معاصرانہ شاعری کی قدر و قیمت اور سیرتِ رسولؐ کے سلسلے میں اس کی افادی حیثیت کے متعلق سر ولیم میور کا تبصرہ جزوی صداقت کا حامل ہونے کے باوجود قابلِ ذکر ہے - وہ کہتے ہیں کہ "وصالِ نبوی کے بعد جو شعراء زندہ رہے ، ان کے نعتیہ اشعار کے بارے میں یہ تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ انھیں شعراء کے ہیں جن سے وہ منسوب ہیں لیکن قطعیت سے یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اپنی موجودہ

۱- عربی میں نعتیہ کلام : ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی - ص ۱۰۶ -

۲- اردو میں نعتیہ شاعری : ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق - ص ۷۱ -

شکل میں ہی رسول اللہؐ کی زندگی میں موزوں کیے گئے تھے - تاہم آنحضرتؐ کے معاصرین کا کارنامہ ہونے کی وجہ سے ان کی بڑی قدر و قیمت ہے - ان اشعار میں مذکور تاریخی واقعات اسی موضوع کی حامل احادیث کی تصدیق و تائید کے لیے بڑی افادیت کے حامل ہیں - یہ اشعار چاہے زبانی روایت ہوئے ہوں یا وہ باقاعدہ ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہوں ، یہ طے ہے کہ ان کی شعری حیثیت نے انھیں ترمیم و تنسیخ اور حک و اضافہ سے بچائے رکھا - مثال کے طور پر حسان بن ثابتؓ کے وہ قصائد پیش کیے جا سکتے ہیں جو انھوں نے غزوہ احزاب اور فتح مکہ کے موقع پر موزوں کیے یا کعب بن مالک کی وہ نظم جو مدنی نو مسلموں کی بیعتِ عقبہ ثانی کے تذکرے میں ان بارہ لیڈروں کے ناموں سے آگاہ کرتی ہے ، جنھیں پیغمبر نے خود منتخب فرمایا - مخصوص حقائق کے بیان کے علاوہ بھی یہ شاعری اس لحاظ سے افادی پہلو رکھتی ہے کہ اس کے ذریعے ہمیں اولین مسلمانوں کے ان حقیقی جذبات کا پتہ چلتا ہے جو وہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کے متعلق رکھتے تھے اور اس کیٹلی طنز کا بھی جو انھوں نے دشمنانِ اسلام کے خلاف استعمال کی -

یہ شعر پارے آن بہت سے حقائق کی تصدیق کرتے ہیں ، جن سے ہم پہلے ہی واقف ہیں ، لیکن ان میں ایسے نئے حقائق بہرحال موجود نہیں ہیں جو ہمیں صرف انھیں کے ذریعے معلوم ہو سکیں - یہ اشعار اس لحاظ سے تو قیمتی اور توجہ طلب ہیں کہ وہ احادیث کی تصدیق کرتے ہیں اور اس عہدِ زریں کے اولین ادبی تبرکات ہیں جو اپنے اندر عظیم الشان واقعات سمیٹے ہوئے تھا ، لیکن تاریخ یا سیرتِ رسولؐ کے بارے میں جہاں تک نئی معلومات فراہم کرنے کا تعلق ہے ، وہ ہماری بصیرت میں شاذ ہی اضافہ کرتے ہیں"[1] -

---

1. Life of Mohammad : Sir William Muir, (Introduction) p. 74, 75.

تیسرا باب

آردو نثر میں سیرتِ رسولؐ کے ابتدائی نمونے

(ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک)

پس منظر
(۱)

برصغیر پاک و ہند میں مسلمان فاتحین کی آمد کا ذکر عام طور پر محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ (۹۳ھ/۷۱۲ء) کے ساتھ کیا جاتا ہے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہند پر عربوں کا پہلا حملہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت (۱۳ھ/۶۳۴ء تا ۲۳ھ/۶۴۴ء) میں حکم بن عمر تغلبی کی زیر قیادت ۲۳ھ/۶۴۴ء میں ہوا جنہوں نے سندھ کے راجہ راسل کو شکست دے کر مکران پر قبضہ کر لیا ۔ اسی سال عربوں نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر بحری حملے بھی کیے ، لیکن حضرت عمر کے حکم پر حملوں کا یہ سلسلہ بند کر دیا گیا ۔ ان کی وفات کے فوراً بعد مکرانیوں نے بغاوت کر دی ، چنانچہ نئے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے حکم پر عثمان بن عاص نے اسی سال (۲۳ھ) پہلے تھانہ (جو بمبئی کے قریب ایک بندرگاہ تھی) اور پھر دیبل پر بحری حملہ کیا اور مکرانیوں کی بغاوت کچل دی ۔ سندھ پر ان حملوں کے سیاسی نتائج تو کچھ دیرپا نہ نکلے ، لیکن اسلامی لشکروں کے ساتھ آنے والے صحابہ کی ایک محدود تعداد ہندوستان میں تبلیغِ اسلام کے لیے آباد ہو گئی - یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جنہوں نے ہندوستان میں پہلے پہل شجرِ اسلام کی آبیاری کی ۔

فاروقیؓ اور عثمانیؓ عہد سے پہلے بھی عربوں اور ہندیوں کے آپس میں تجارتی تعلقات تھے- مؤرخین نے بتایا ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کی تجارتی کشتیاں ، ہندوستان کے جنوبی ساحل پر آتی جاتی رہتی تھیں اور یہی حال ہندیوں کا تھا ، جو سامانِ تجارت لے کر عرب جایا کرتے تھے- تاریخی کتابوں میں عرب تاجروں کے مالابار ، کارومنڈل، ٹراونکور ، گجرات ، لکادیپ، سراندیپ اور مالدیپ وغیرہ علاقوں میں جانے کا عام ذکر ملتا ہے ۔ ظہور اسلام کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور مسلمان تجّار میں سے بعض

نے جنوبی ہندوستان کے ساحلی مقامات پر اپنی نوآبادیاں بنا کر رہنا شروع کر دیا ۔ جنوبی ہند کے ان مسلمان تاجروں کی زندگی تبلیغِ دین کے لیے وقف تھی ، چنانچہ تجارت کو ذریعہء معاش بنا کر انھوں نے اپنا بیشتر وقت دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں صرف کیا ۔ ان تجّار کی کوششوں سے جنوبی ہند میں اسلام تیزی سے پھیلنا شروع ہوا ۔

۹۳ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور اپنی فتوحات کا دائرہ ملتان تک بڑھایا ۔ اس کے ساتھ عرب مبلغین بھی موجود تھے ، جو دیبل سے ملتان تک تمام اہم شہروں میں پھیل گئے اور جگہ جگہ نو آبادیاں قائم کر کے رہنے لگے ۔ ان عربوں نے تجارت کو بطور پیشہ اختیار کیا اور اسلام کے فروغ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ۔

آبادکاروں کے علاوہ عرب سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد نے بھی سندھ میں مستقل قیام کیا ۔ چچ نامہ کے مطابق محمد بن قاسم نے صرف ملتان میں پچاس ہزار سواروں پر مشتمل فوج کے رہنے کا انتظام کیا ۔ ملتان کے بعد منصورہ اور الور وغیرہ میں کئی فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں ، جہاں عربوں کی ایک مستقل فوج علاقے کی حفاظت کے لیے رکھی گئی[1] ۔

مسلمانوں کے اس مستقل قیام اور ان کی انتھک تبلیغی کوششوں سے ہندوستان کے غیر مسلموں نے سرعت کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کیا ۔ چنانچہ لین پول کا کہنا ہے کہ اس زمانے میں ہر سال پچاس ہزار ہندو اسلام قبول کرتے تھے[2] ۔

سندھ میں اسلامی سلطنت کے قیام اور عربوں کے وہاں پر بس جانے کی وجہ سے منصورہ ، ملتان ، دیبل ، سندان ، خضدار اور قندابیل ، اسلامی علوم کی اشاعت کے بڑے مراکز بن گئے ۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق نے ان تمام

۱- چچ نامہ : علی بن حامد انگریزی ترجمہ از مرزا قلیچ بیگ فریدوں بیگ ، کراچی - ۱۹۰۰ء ، ص ۱۹۲ -

2. Medieval India Under Muhammad Rule : S. Lane Poole, London, 1926, p. 41.

علماء کا تفصیلی ذکر کیا ہے ، جنھوں نے ہندوستان میں اسلامی علوم بالخصوص علم حدیث و مغازی و سیر کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ۔ موسلی بن یعقوب الثقفی ، یزید ابن ابی کبشا الدمشقی (م/۹۷ھ) المفضل بن المہلب بن ابی صفرہ (م/۱۰۲ھ) ابو موسلی اسرائیل بن موسلی البصری معروف بہ نزیلِ ہند (م/۱۵۵ھ) کا بطور خاص تعارف کروانے کے بعد محدثینِ دیبل ، منصورہ اور خضدار کا الگ الگ ذکر کیا ہے[1] ۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ جو صحابہ اسلامی لشکروں کے ساتھ ہندوستان آئے تھے ، وہ اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت نہ کر سکے کیونکہ یہاں اُن کا قیام بہت مختصر رہا ، یا اُنھیں ایسے مسلمان نہ مل سکے ، جو یہاں مستقل سکونت کا ارادہ کر کے اُن سے علم حدیث سیکھ سکتے ۔ البتہ پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں جب سندھ پر مسلمانوں کی حکومت مستحکم ہوگئی ، تو پھر اشاعتِ حدیث و مغازی و سیر کا کام پوری توجہ سے سرانجام دیا جانے لگا ۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام مشہور تابعی حضرت ربیع بن صبیح السعدی البصری (متوفی/۱۶۰ھ) کا ہے جو ۹۳ھ/۷۱۱ء) میں ہندوستان میں تشریف لائے اور جنھوں نے احادیث کے منتشر اوراق جمع کیے ۔ صاحب "کشف الظنون" کے بیان کے مطابق یہ تابعی بزرگ ، ہند میں علم حدیث کے ان اولین علمبرداروں میں سے ہیں ، جنھوں نے دوسری صدی ہجری میں جمع و تدوین حدیث کا کارنامہ سرانجام دیا[2] ۔ "مآثر الکرام" کے مصنف غلام علی آزاد بلگرامی بھی بحوالہ کشف الظنون کہتے ہیں کہ ربیع بن صبیح تابعی نے سب سے پہلے اسلام پر کتاب تصنیف کی ۔ سندھ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ حضرت ربیع کا مدفن ہے[3] ۔

اُن کے بعد حضرت حباب بن فضالہ اور اسرائیل بن موسلی (ملقب بہ نزیلِ ہند) کا نام لیا جاتا ہے جو علم حدیث کے فروغ کے لیے ہندوستان آئے ۔ یہ دوسرے بزرگ امام حسن بصری کے شاگرد تھے ، جبکہ حضرت

۱- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ترجمہ شاہد حسن رزاقی ، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ، ۱۹۷۷ء ، ص ص ۴۷ تا ۶۱ ۔

۲- کشف الظنون : حاجی خلیفہ ص ص ۸۰ - ۸۱

۳- ماثر الکرام : میر غلام علی آزاد بلگرامی ، ص ۸ ۔

حباب ، مالک بن انس؁ کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔

دوسری صدی ہجری کے آئمہ حدیث و سیر میں سب سے اہم شخصیت ابو معشر نجیح السندھی (م/۱۷۰ھ) کی ہے جنھیں فن مغازی و سیر میں اولیت کا درجہ حاصل ہے ۔ ابن ندیم نے "الفہرست" میں آن کی "کتاب المغازی" کا ذکر کیا ہے جو خود ناپید ہو چکی ہے لیکن آس کے اجزاء واقدی کی "کتاب المغازی" اور ابن سعد کی "طبقات" میں محفوظ ہیں ۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نبی کریم؁ کے خطوط جمع کرنے کا کام بھی سب سے پہلے سندھ میں ہوا ، چنانچہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں ابو جعفر الدیبلی نے "مکاتیب النبی؁" کتاب لکھی ، جس کا واحد نسخہ فاس (مراکش) میں موجود ہے ۔

چوتھی صدی ہجری کے ایک نو مسلم رجا السندھی (م/۳۲۱ھ) ہیں ۔ جنھیں بعض بزرگوں نے رکن من ارکان الحدیث لکھا ہے[1] ۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کے صاحبزادے بھی باپ کی طرح نامور محدث تھے اور بغداد میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے ۔

اگلی چند صدیوں میں برصغیر پاک و ہند میں علم الحدیث کے فروغ کے لیے کچھ قابلِ ذکر کام نہیں ہوا ، حالانکہ تیسری صدی ہجری کے نصفِ آخر تک ملتان اور منصورہ میں مسلمانوں کی دو خود مختار ریاستیں موجود تھیں ۔ چوتھی صدی ہجری کے نصفِ آخر میں ان ریاستوں پر اسماعیلیوں کا قبضہ ہوگیا جن کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے علمِ حدیث کی اشاعت میں رکاوٹ پڑی ۔ بالآخر سلطان محمود غزنوی (۳۸۸ھ/۹۹۸ء تا ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے ہندوستان پر پے در پے حملے کر کے ملتان اور سندھ کے اسماعیلی امیروں کی حکومت ختم کی ، ہندو راجاؤں کو باج گزار بنایا اور پنجاب کا علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ۔ ڈاکٹر شمس الدین صدیقی لکھتے ہیں کہ "محمود نے علاقہ پنجاب کا الحاق سلطنتِ غزنی سے کر لیا تھا ، اس لیے گیارھویں صدی عیسوی کے شروع ہی سے

۱۔ آبِ کوثر : شیخ محمد اکرام ۔ ص ۳۶ اور ہندوستان میں اہلِ حدیث کی علمی خدمات : ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ۔ ص ۱۱ ۔

لاہور ، اسلامی تمدن و ثقافت کا مرکز بننے لگا ، جہاں نہ صرف مسلمان علماء و فضلاء ، شعراء و ادباء بلکہ صوفیاء و مشائخ اور دینی رہنما پہنچنے لگے اور اسلام کی اشاعت ہونے لگی"[1] ۔

عربوں اور دوسرے مسلمان فاتحین کے برصغیر پاک و ہند پر حملوں ، ان میں سے کچھ کے مستقل قیام اور نومسلموں کی روز افزوں تعداد نے نہ صرف اسلامی علوم کے فروغ میں مدد دی ، بلکہ ایک نئی زبان کی داغ بیل بھی ڈالی ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کہتی ہیں کہ "ان نومسلموں اور بیرونی مسلمانوں کی آپس میں بول چال کا ذریعہ عربی فارسی آمیز مقامی زبان ہوا کرتی ہوگی ، جس کو انھوں نے ایک عام نام "ہندی" یعنی اہلِ ہند کی زبان سے موسوم کیا تھا ، نو وارد مسلمان بھی جن کی مادری زبان عربی یا فارسی تھی ، جب اہلِ ہند سے معاملہ کرتے تھے تو ان ہی کی زبان اختیار کرنے پر مجبور تھے ۔ اس کا ثبوت اس زمانے کے بعض عرب اور ایرانی سیاحوں کے بیانات سے ملتا ہے جو ۱۰۰ھ سے لے کر ۴۰۰ھ تک ہندوستان میں آئے ۔ ان میں شہریار بن بزرگ ، ابن حوقل بشاری ، اصطخری اور مؤرخ مسعودی قابلِ ذکر ہیں"[2] ۔

شہریار بن بزرگ جو ۳۰۰ھ میں ہندوستان آیا تھا ، اپنی تصنیف "عجائب الہند" میں لکھتا ہے : "ایک عرب نے الورا کے راجہ مہارک کی شان میں ہندی میں قصیدہ لکھا تھا ، اس سے راجہ اتنا خوش ہوا کہ اسے دربار میں طلب کرکے انعام و اکرام دیا ۔ نیز یہ کہ بادشاہ کی فرمائش پر اس نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی ہندی میں کیا"[3] ۔

۱- تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند : چھٹی جلد ۔ اردو ادب (اول) مقالہ : سیاسی ، فکری ، معاشرتی اور تہذیبی پس منظر ، ص ۲ ۔

۲- اردو نثر کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، ص ۲ ۔

۳- عجائب الہند : شہر یار بن بزرگ ، مطبوعہ : لیڈن ، ص : ۳ بحوالہ نقوشِ سلیمانی : سید سلیمان ندوی ص ۳۲ ، ۳۳ اور ص ۲۵۴ ، ۲۵۵ اور عرب و ہند کے تعلقات : سید سلیمان ندوی ۔ کریم سنز پبلشرز ۔ کراچی ۔ طبع ۱۹۷۶ء ، ص ۳۵ ۔

اسی طرح ابن حوقل ، جس نے ۳۵۸ھ میں سندھ اور ملتان کا سفر کیا تھا ، لکھتا ہے :

"منصورہ ، ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے"[۱] -

اس کی تائید اصطخری کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ملتان اور منصورہ کے باشندے فارسی اور سندھی دونوں زبانیں بولتے تھے[۲] -

یہ عربی آمیز سندھی وہی زبان تھی ، جس کے متعلق مسعودی نے ۳۰۳ھ میں اپنی کتاب "مروج الذہب" میں لکھا : "یہ جملے سندھ اور ہند کی تاریخ کے متعلق ہیں ، اور سندھ کی زبان بقیہ ہند کی زبان سے مختلف ہے"[۳] -

ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ اب بول چال کی ایک نئی زبان عالمِ وجود میں آ رہی تھی جس کی نشو و نما کی رفتار سلطان محمود غزنوی اور سلطان محمد غوری کے ہندوستان پر حملوں کے بعد تیز ہو گئی تھی - کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں محمود غزنوی کے لشکریوں اور مقامی تاجروں کے درمیان گفتگو کا ذریعہ بھی یہی نوزائیدہ زبان تھی -

ڈاکٹر سینتی کمار چٹر جی، البیرونی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ "محمود ہندوستانیوں سے اُن کی زبان کے ذریعے قریب ہونا چاہتا تھا ، چنانچہ اُس نے اپنے نقرئی سکے درہم پر ہجری سن میں درج ذیل عبارت کندہ کروائی تھی جو مخلوط تھی ، یعنی سنسکرت لفظوں کے ساتھ عربی ، فارسی الفاظ بھی تھے: ایا کتم ایکم محمدؐ اوتار نرپتی محمود پور ایام تنکو محمود گھٹے ہتو جنبانا سمیت (قابل تعریف صرف (اللہ کی) ایک ذات ہے - محمدؐ اُس کے

۱- سفر نامہ : ابن حوقل ، مطبوعہ لیڈن ، ص ۲۳۲ - بحوالہ نقوشِ سلیمانی : سلیمان ندوی ص ۳۲ ، ۳۳ اور ص ۲۵۴ ، ۲۵۵ -
۲- سفر نامہ : اصطخری ، مطبوعہ لیڈن ، ص ۱۷۷ - بحوالہ نقوش سلیمانی : سید سلیمان ندوی ص ۳۲ ، ۳۳ اور ص ۲۵۴ ، ۲۵۵ -
۳- مروج الذہب : مسعودی ، مطبوعہ لیڈن ، ص ۳۸۱ -

اوتار رسول ہیں ۔ محمود اُس کے بندوں کا رکھوالا راجہ ہے ۔ یہ سکہ محمود پور میں ڈھلا ۔ سنہ ہجرت نبوی)[1] ۔

سلطان محمود غزنوی کے انتقال کے بعد تقریباً سوا سو سال تک اقتدار اُس کے جانشینوں کے پاس رہا ، تاآنکہ ۱۱۸۶ء میں شہاب الدین محمد غوری نے غزنویوں سے پنجاب چھین لیا اور ۱۱۹۲ء میں دہلی بھی فتح کر لی ۔ اُس نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو ہندوستان میں نائب السلطنت مقرر کیا اور خود غزنی واپس چلا گیا ۔ قطب الدین ایبک نے ارد گرد کے علاقوں کو فتح کرکے پہلے لاہور اور پھر دہلی کو دارالحکومت بنایا اور خاندانِ غلاماں کی حکومت کی بنیاد رکھی ۔ پنجاب ، ملتان اور سندھ تو پہلی یلغار میں ہی زیر نگین آ چکے تھے ، اب محمد غوری کے ایک اولوالعزم سپہ سالار محمد بن بختیار خلجی نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ بہار اور بنگال بھی فتح کر لیے ۔ یوں شمالی ہندوستان کا ایک بڑا حصہ قطب الدین ایبک کے قبضے میں آ گیا جس پر آیندہ کئی صدیوں تک مسلمانوں نے حکومت کی ۔

ہندوستان کا تخت و تاج یکے بعد دیگرے خاندانِ غلاماں ، خاندانِ خلجی ، خاندانِ تغلق ، خاندانِ سادات اور خاندانِ لودھی کے سلاطین کے حصے میں آتا رہا ۔ ان سلاطینِ دہلی میں سے اگر کوئی بادشاہ طاقتور ہوتا تو نئے علاقے فتح کرکے اپنی سلطنت کی حدود وسیع کر لیتا اور اگر کمزور ہوتا تو وہ مقبوضہ علاقے کھو بیٹھتا ۔ خاندانِ غلاماں کے تین بادشاہوں قطب الدین ایبک (۱۲۰۶ء — ۱۲۱۰ء) ، التتمش (۱۲۱۰ء — ۱۲۳۶ء) اور غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء — ۱۲۸۷ء) نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں شمالی ہند کی اس مسلمان سلطنت کو مستحکم کیا اور خاندانِ خلجی کے نامور فرزند سلطان علاءالدین خلجی نے دکن تک اس کی حدود وسیع کر دیں ۔ خاندانِ تغلق کے سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء میں دہلی کی جگہ دولت آباد کو دارالحکومت بنایا تاکہ جنوبی علاقوں پر تسلط قائم رکھا جا سکے ۔ انتقالِ دارالحکومت کے ساتھ انتقال آبادی عمل میں آئی اور یوں مسلمانوں کا ایک کثیر گروہ دکن میں جا آباد ہوا ۔ بقول ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، "مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے کچھ عرصے کے اندر اندر ہی سارے شمالی ہند میں اور علاءالدین خلجی کے زمانے میں

۱- انڈو آرین اینڈ ہندی : ڈاکٹر سینتی کمار چڑجی ، ص ۱۶۹ ۔

دکن ہند آریائی بولیوں کا ملاپ ہوتا دکھائی دیتا ہے ، اور ایک بولی جو مسلمانوں نے اختیار کی تھی ، اُس کے آثار مختلف بولیوں کے علاقوں میں تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ ملنے لگتے ہیں"[1] ۔

ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں اگرچہ اُردو نثری تصانیف کا کوئی سراغ نہیں ملتا ، لیکن اُس دور میں اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے فارسی ملفوظات میں موجود اُردو کے بعض جملے لسانی تبرکات کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اس زمانے میں ایرانی ادب تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا اور ہندوستان آنے والے صوفی بزرگ جب تبلیغِ دین کے لیے ہندوستان کے مختلف حصوں میں پھیلے تو سلوک و معرفت کی یہ دولت اپنے ساتھ لیتے گئے۔ تو مسلموں کو دینی مسائل سمجھانے کے لیے جس عام فہم زبان کی ضرورت تھی ، وہ اُردو کے علاوہ کوئی اور نہ تھی اور مذہبی حقائق سے آشنا کرنے کے لیے جس علامتی اندازِ بیان کا سہارا مقصود تھا ، وہ طریقت کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتا تھا ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کہتی ہیں کہ "اس زمانے میں جتنے علماء ہندوستان آئے ، اُنھوں نے تصوف ہی کی اصطلاحوں میں مذہبِ اسلام کو پیش کیا ، تاکہ محبت اور پریم کی مفاہمت کے ذریعے نئے تصورات رکھنے والے عوام کے درمیان زیادہ مستحکم تعلقات پیدا ہو سکیں ۔ ان بزرگوں کے بہت سے سلسلے تھے ، جیسے چشتی ، قادری ، نقش بندی ، سہروردی وغیرہ ۔ اُن میں سے کوئی عرب سے ، کوئی ایران سے ، کوئی افغانستان سے آئے تھے ۔ اُن کی اپنی زبانیں بھی مختلف تھیں ، لیکن اُنھوں نے یہاں کے لوگوں کو اُن کی زبان میں ، جس کو وہ ہند کی مناسبت سے "ہندی" کہتے تھے ۔ مخاطب کیا تاکہ اُن کا پیغام گھر گھر پہنچ سکے"[2] ۔

اُن بزرگانِ دین کی مذہبی زبان عربی اور بول چال کی زبان فارسی تھی ، لیکن عوام الناس سے بات چیت کے وقت مقامی زبان بھی استعمال کر لیتے تھے ۔ ان کے اکا دکا جملے فارسی ملفوظات میں محفوظ ہو گئے ہیں ، جن سے اُس عہد کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے اور اُس نئی بولی کی ہمہ گیر

۱۔ اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر رفیعہ سلطان ، ص ۱۰ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۲۳ ۔

مقبولیت کا بھی جو آگے چل کر تصنیف و تالیف کی زبان بننے والی تھی - ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے "اردو کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" میں ایسے سب نمونے جمع کر دیئے ہیں - یہاں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان بزرگوں کی تصنیف و تالیف کی زبان اب بھی عربی اور فارسی ہی تھی ، البتہ بعد کے صوفیائے کرام نے اردو زبان کو تصانیف کے لیے بھی استعمال کیا -

سلطان محمد تغلق (۱۳۲۰ء — ۱۳۵۱ء) کا ابتدائی دورِ حکومت تو کامیاب رہا ، لیکن آخری زمانے میں جا بجا بغاوتیں پھوٹ پڑیں ، جن کے نتیجے میں دکن اور بنگال آزاد ہو گئے - دکن کے صوبیدار علاءالدین بہمن شاہ نے ۱۳۴۷ء میں ایک خود مختار بہمنی سلطنت قائم کی جو ایک صدی تک برقرار رہ کر بالآخر پانچ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی یعنی گولکنڈہ ، بیجا پور ، احمد نگر ، بیدر اور برار - اُن میں سے آخری دو تو جلد ہی ختم ہو گئیں لیکن گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت (۱۵۱۸ء — ۱۶۸۷ء) ، بیجا پور کی عادل شاہی سلطنت (۱۴۹۰ء — ۱۶۸۶ء) اور احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت (۱۴۹۰ء — ۱۶۳۳ء) ایک عرصہ تک قائم رہیں ، حتیٰ کہ مغلوں نے انھیں فتح کرکے اپنی وسیع و عریض سلطنت میں ضم کر لیا -

ساتویں صدی ہجری کی علمی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حدیث کی ایک ایسی کتاب لکھی گئی جس نے شہرت و مقبولیت میں باقی تمام تصانیف کو پیچھے چھوڑ دیا - یہ امام حسن صنعانی لاہوری (م ۶۵۰ھ/ ۱۲۵۲ء) کی "مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ" ہے[۱] -

۱- امام حسن کے والد صنعان سے ہجرت کرکے لاہور آ گئے تھے اور آپ یہیں ۵۷۷ھ/۱۱۷۳ء میں پیدا ہوئے - ۶۱۵ھ/۱۲۳۹ء میں آپ بغداد گئے اور دو سال بعد عباسی خلیفہ نے آپ کو التتمش کے دربار میں سفیر بنا کر دہلی بھیج دیا ، جہاں آپ نے سات سال گزارے اور بغداد واپس جانے کے کچھ عرصہ بعد پھر اس خدمت پر مامور کرکے دہلی بھیج دیئے گئے - بالآخر ۶۵۰ھ میں بغداد میں آپ کا انتقال ہوا - بعض محققین نے آن کو بدایونی لکھا ہے (مثلاً پروفیسر ضیاء احمد : مسائل و مباحث) -

شیخ محمد اکرام "بزمِ مملوکیہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "ایک عرصہ تک ہندوستان میں علمِ حدیث میں فقط یہی کتاب رائج تھی اور عالمِ اسلام کے ممتاز علماء نے ڈھائی ہزار سے زیادہ اس کے شروح و حواشی لکھے"[۱] اس کتاب کو نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہندوستان بھی بہت شہرت حاصل ہوئی ۔ امام صنعانی کی "مشارق الانوار" کی خصوصیت یہ ہے کہ بقول ڈاکٹر زبید احمد "صنعانی نے اس کتاب میں ان احادیث کو نئے طریق سے مرتب کیا ہے جو صحیحین میں سے کسی ایک یا دونوں میں شامل کی گئی ہیں ۔ اس ترتیب و تہذیب میں احادیث ابتدائی الفاظ کے اعتبار سے باقاعدہ طور پر منقسم اور مرتب کی گئی ہیں ۔ یہ کتاب بارہ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے اور ہر باب کئی فصلوں میں منقسم ہے"[۲] ۔

آٹھویں صدی ہجری میں امیر کبیر سید علی ہمدانی (۷۱۴ھ/۱۳۱۴ء تا ۷۸۶ھ/۱۳۸۵ء) نے جن کی کوششوں سے کشمیر میں ۳۷ ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ، کئی دینی کتابیں لکھیں ، جن میں "مجمع الاحادیث" کے علاوہ "السبعین فی فضائل امیرالمومنین" (فضیلتِ اہلِ بیت کے متعلق ۷۰ احادیث کا مجموعہ) اور "اربعین امیریہ" (حضرت انس بن مالک سے مروی چالیس احادیث کا مجموعہ) جیسے رسائل قابلِ ذکر ہیں ۔ ان کے ایک مختصر رسالہ ، "اسنادِ حلیہؑ حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر نے اپنی کتاب "امیر کبیر سید علی ہمدانی" میں کیا ہے ۔ وہ لکھتی ہیں کہ "اس ایک ورق کے رسالہ میں شاہِ ہمدان نے حضور ختمی المرسلین سید الانبیاء سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حلیہ مبارک اور اسناد قلم بند کی ہیں"[۳] ۔ ڈاکٹر صاحبہ نے نہ صرف پورا حلیہ مبارک نقل کیا ہے بلکہ آس کے فضائل بھی بیان

۱- آبِ کوثر : شیخ محمد اکرام ۔ ص ۸۲ ۔
۲- عربی ادبیات میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر زبید احمد ۔ ترجمہ شاہد حسین رزاقی ۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ، لاہور ۱۹۷۳ء ۔ ص ۷۱ ۔
۳- امیر کبیر سید علی ہمدانی : ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر ۔ ندوۃ المصنفین لاہور ۔ ۱۹۷۲ء ۔ ص ۲۵۳ ۔

کیے ہیں ۔ انھوں نے بتایا ہے کہ یہ رسالہ تاشقند اور برٹش میوزیم میں موجود ہے ۔

اسی صدی میں حضرت نور قطب عالم (م ۱۴۱۵ء) نے "انیس الغربا" کے نام سے ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ تحریر کیا ، جس میں رسولِ اکرمؐ کی بعض احادیث ، ان کا ترجمہ اور صوفیانہ رنگ میں ان کی تشریح ہے[1] ۔

آٹھویں صدی ہجری اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں عربی اور فارسی تصانیف کے پہلو بہ پہلو قدیم دکنی اردو میں بھی تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو جاتا ہے ۔ اس ضمن میں سب سے پہلا نام عین الدین گنج العلم (۷۰۶ھ/۱۳۰۹ء تا ۷۹۵ھ/۱۳۹۲ء) کا لیا جاتا ہے ، جن کے ۷۲۵ھ میں تالیف کردہ تین اردو رسائل کا ذکر شمس اللہ قادری نے "اردوئے قدیم" میں کیا ہے ، لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک ان کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں[2] ۔ اردو کی پہلی نثری تصنیف کا سراغ لگانے کے لیے ہمارے محققین نے بڑی کد و کاوش سے کام لیا ہے ، لیکن تاحال ان کی کوششیں کسی مثبت نتیجہ تک نہیں پہنچ سکیں ۔ اگر محمد حسین آزاد "آبِ حیات" میں فضلی کی "کربل کتھا" ("دہ مجلس") کو جو ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۳ء کی تصنیف ہے ، اردو نثر کی پہلی تصنیف قرار دیتے ہیں تو مولوی عبدالحق یہ اعزاز خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) کی "معراج العاشقین" کو عطا کرتے ہیں ۔ حکیم شمس اللہ قادری کے نزدیک شیخ عین الدین گنج العلم (م ۷۹۵ھ/۱۳۹۲ء) کے رسائل اردو نثر کا پہلا کارنامہ ہیں تو پروفیسر حامد حسن قادری نے "داستانِ تاریخِ اردو" میں اشرف جہانگیر سمنانی کے ایک رسالہ تصوف

۱

۱۔ آبِ کوثر : شیخ محمد اکرام ۔ ص ۳۱۰ ۔

۲۔ تاریخِ ادبِ اردو : ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ ج ۱ ، ص ۱۵۹ ۔

کو جو ۸۰۷ھ کی تالیف ہے - اُردو کی پہلی کتاب قرار دیا ہے[1] - ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اُردو کی پہلی نثری تصنیف کا پتہ لگانے کے لیے اور بھی پیچھے گئی ہیں - اُنھوں نے بیجاپور کے سرکاری عجائب خانہ میں سے محمدو خاں کا ایک اردو رسالہ "جنونیہ" ڈھونڈ نکالا ہے جس کے ترقیمہ میں ایک مقام پر کاتب نے اس کا سن ۵۰۰ھ درج کیا ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رسالہ ۵۰۰ھ سے بھی پہلے کا تالیف کردہ ہوگا — لیکن ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے تحقیق کرکے بتایا ہے کہ یہ سن معتبر نہیں - اُن کی رائے میں یہ رسالہ ۷۸۲ھ کے بعد کسی وقت تالیف ہوا ہوگا[2] -

اس عہد کے سب سے اہم مصنف حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء تا ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) ہیں جن کی تصانیف کی تعداد ۱۰۵ بتائی جاتی ہے[3] - جب کہ "سیر محمدی" میں (جو گیسو دراز کے مرید شاہ محمد علی سامانی ، کی تالیف ہے) مصنف نے بندہ نواز کی ۳۷ تصانیف کا ذکر کیا ہے - ان میں عربی ، فارسی اور اردو ، تینوں زبانوں کی کتب شامل ہیں - خواجہ بندہ نواز کی حدیث سے متعلق تصانیف یہ ہیں - (۱) شرح مشارق الانوار - (اس کی خصوصیت یہ ہے کہ حدیث کی تاویل تصوف کے نقطۂ نظر سے کی گئی ہے) ، (۲) ترجمان مشارق الانوار - (یہ کتاب مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے) - (۳) کتاب اربعین (چالیس احادیث کا انتخاب ، جس میں ہر حدیث کے ساتھ صحابہ ، تابعین اور مشائخ کے

۱- ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اپنے ایک خط (بنام ڈاکٹر وحید قریشی محررہ مورخہ ۱۰- مارچ ۱۹۸۳ء) میں لکھتے ہیں کہ "سید اشرف جہانگیر سمنانی کے اردو رسالۂ تصوف کا کہیں کوئی وجود نہ تھا اور نہ ہے - درد کاکوروی مرحوم کی یہ فرضی روایت ہے - مرحوم سے میری خط و کتابت بھی اس سلسلے ہیں ہوئی تھی اور وہ کوئی جواب معقول نہیں دے سکے تھے -" (خط مخزونہ انور محمود خالد)

۲- اردو نثر کا آغاز و ارتقا : ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، ص ۵۱ -

۳- سیرت بندہ نواز : عطا حسین - نظام پریس ، چھتہ بازار ، حیدر آباد دکن ، ص ۱۷ -

ہم معنی اقوال بھی درج ہیں) اور (۴) رسالۂ سیرت النبیؐ[1]۔ مؤخرالذکر رسالہ سیرت النبی کا ذکر شیخ محمد اکرام نے آبِ کوثر میں (ص ۳۷۱) اور اقبال الدین احمد نے "تذکرۂ خواجہ گیسو دراز" میں تصانیف کے ضمن میں کیا ہے[2]، لیکن دونوں جگہ وضاحت نہیں کہ یہ عربی میں ہے، فارسی میں یا اردو میں؟ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اسے فارسی تصانیف کے تحت درج کیا ہے، لیکن ایک تو اس کا نام — "مشارق الانوار" (سیرت النبی صلعم) لکھا ہے اور دوسرے اسے سلوک و تصوف سے متعلق کتابوں کے تحت درج کیا ہے۔ یہ دونوں باتیں مغالطہ انگیز ہیں۔ "مشارق الانوار" خواجہ بندہ نواز کی نہیں بلکہ امام حسن صنعانی کی حدیث کی کتاب ہے اور خواجہ بندہ نواز نے اُس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر رفیعہ سطانہ کے ذہن میں غالباً ترجمانِ "مشارق الانوار" تھی، جس میں حدیث کی تاویل تصوف کے نقطۂ نظر سے کی گئی ہے۔ اقبال الدین احمد نے خواجہ بندہ نواز کی تصانیف میں شرحِ مشارق (در سلوک)، ترجمۂ مشارق اور سیرۃ النبیؐ کو الگ الگ درج کیا ہے، جس سے انداز ہوتا ہے کہ سیرۃ النبیؐ پر اُن کی یہ ایک الگ کتاب تھی، لیکن نام کے علاوہ چونکہ اس کے بارے میں مزید معلومات ناپید ہیں، اس لیے یقین سے یہ کہنا مشکل ہے کہ خواجہ بندہ نواز کا رسالہ "سیرت النبیؐ" اردو نثر میں سیرت کی پہلی کتاب ہے۔ یہ رسالہ بھی خواجہ صاحب کی دیگر بہت سی کتابوں کی طرح اب دستیاب نہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس کا حوالہ سب لوگوں نے عبدالحئیؒ حسنی کی "نزہتہ الخواطر" سے نقل کیا ہے، جس کی جلد سوم میں اس کا نام درج ہے[3]۔

نویں صدی ہجری میں فنِ مغازی و سیر و حدیث کی کوئی قابل ذکر کتاب سامنے نہیں آتی، البتہ دسویں صدی ہجری میں عربی اور فارسی کے علاوہ

۱۔ علمِ حدیث میں پاک و ہند کا حصہ: ڈاکٹر محمد اسحٰق، ص ۸۶، ۸۷۔

۲۔ تذکرہ خواجہ گیسو دراز: اقبال الدین احمد، اقبال پبلشرز، کراچی ۱۹۶٦ء، ص ٦۹۔

۳۔ نزہتہ الخواطر: مولٰینا سید عبدالحئیؒ حسنی۔ ج ۳، ص ۱۸۷۔

بنگلہ زبان میں ایسی کئی کتابیں لکھی گئیں، جو سیرت رسولؐ سے متعلق ہیں - دسویں صدی ہجری میں سب سے پہلے ابوبکر بن محمد بھروچی (م ۹۱۵ھ/ ۱۵۰۹ء) کا نام سامنے آتا ہے - انھوں نے الجزری کی "حصن حصین" کا فارسی ترجمہ تشریح کے ساتھ کیا ہے اور ان احادیث کا خاص طور سے حوالہ دیا ہے جو آنحضرتؐ کی دعاؤں سے متعلق ہیں - ابوبکر نے یہ کتاب شاہ گجرات سلطان محمود اول کے لیے مرتب کی اور یہ ۹۱۰ھ/۱۵۰۵ء میں مکمل ہوئی - اس کے علاوہ انھوں نے قاضی عیاض اندلسی کی مشہور کتاب "الشفا" کا فارسی میں ترجمہ "عین الوفا ترجمہ شفاء" کے نام سے کیا ہے[1] - بنگال میں سید سلطان نے اکبر اعظم کی تخت نشینی کے زمانے میں (۱۵۵۴ء) بنگلہ زبان میں "وفاتِ رسولؐ" لکھی - انھوں نے کتاب کی ابتدا میں واضح کر دیا ہے کہ بنگالی مسلمان چونکہ عربی فارسی نہیں جانتے اور بنگالی زبان میں اسلامی موضوعات پر کتابیں نہیں ہیں ، اس لیے وہ یہ کتاب لکھ رہے ہیں - شیخ محمد اکرام کہتے ہیں کہ "سید سلطان اہلِ علم میں سے تھے ، لیکن ان کتابوں میں مقامی اثرات کافی ہیں - انھوں نے رسول اکرمؐ کے جو واقعات لکھے ہیں . ان میں ایسے قصے درج ہیں ، جو کرشن اور وشنو کے متعلق ہیں ، بلکہ انھوں نے تو نبی کریمؐ کو اوتار کہا ہے"[2] - سید سلطان نے "وفاتِ رسولؐ" کے علاوہ بنگلہ زبان میں "رسول وجے" اور "شبِ معراج" بھی لکھیں -

میر سید عبدالاول حسینی زید پوری (م ۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء) نے فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کی کتاب "سفر السعادۃ" میں سے وہ احادیث چن لیں ، جو ذاتِ نبویؐ سے متعلق ہیں اور ان کا "منتخب کتاب سفر السعادۃ" کے عنوان سے فارسی میں ترجمہ کیا - یہ کتاب ۹۴۱ھ/۱۵۳۴ء میں لکھی گئی اور دس ابواب پر مشتمل ہے[3] - علی متقی برہان پوری (۸۸۵ھ/

۱- علمِ حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۵۱ -
۲- رودِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۵۰۱ -
۳- علمِ حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۵۲ -

۱۴۸۱ء تا ۹۷۵ھ/۱۵۶۸ء) کی بھی یوں تو کئی کتابیں متفرق دینی موضوعات پر ہیں لیکن "شرح شمائل النبیؐ" (جو امام ترمذی کی "شمائل النبیؐ" کی شرح ہے) زیادہ قابل ذکر ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق نے "علمِ حدیث میں پاک و ہند کا حصہ" میں بتایا ہے کہ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ دارالعلوم پشاور میں موجود ہے۔

دسویں صدی ہجری کی ایک اور اہم کتاب محمد بن طاہر پٹنی (۹۱۴ھ/۱۵۰۸ء تا ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء) کی "مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار" ہے، جو غرائب، یعنی قرآن اور حدیث کے مشکل اور غیر معمولی الفاظ کی لغت ہے۔ یہ خاصی ضخیم کتاب ہے اور ۱۶۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق کہتے ہیں کہ "یہ تصنیف اصل کتاب، خاتمہ اور تکملہ پر مشتمل ہے۔ اصل کتاب تین حصوں میں منقسم ہے، جس میں مصنف نے قرآن، صحاح ستہ اور مشکٰوۃ المصابیح کے تقریباً تمام غرائب درج کر دیئے ہیں اور جو کچھ باقی بچ گئے، وہ تکملہ میں درج کر دیئے گئے۔ الفاظ حروفِ تہجی اور ان کے مصادر کے لحاظ سے مرتب کیے گئے ہیں۔ ہر ایک مصدر کے ذیل میں اس کے تمام مشتقات مع متعلقہ قرآنی آیات و احادیث اور آن کی تاویلات کے قلم بند کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف بتاتے ہیں کہ اگرچہ اس لغت کا بنیادی ماخذ ابن اثیر کی النہایہ ہے، تاہم طاہر پٹنی نے دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے جن میں القسطلانی اور کرمانی کی شرح البخاری، النووی کی شرحِ مسلم، الطیبی کی شرحِ مشکٰوۃ، ابن اثیر کی شرحِ جامع الاصول، زرکشی کی حاشیۃ البخاری اور ناظر عین الغریبین، مفاتیح شرح المصابیح، مدارک التنزیل، تفسیر البیضاوی وغیرہ شامل ہیں۔ جہاں تک خاتمہ کا تعلق ہے، وہ طاہر پٹنی نے علم حدیث پر بحث کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس میں فنِ حدیث، وضاع اور موضوع احادیث کے بارے میں اپنی کتاب "تذکرہ" سے اور مشبہ ناموں کی صحیح قرأت یعنی ضبط کے متعلق اپنی ایک کتاب "المغنی" سے اقتباسات درج کیے ہیں۔ اس کے بعد رسولِ کریمؐ کی زندگی کے اہم واقعات اور آخر میں کئی راویانِ حدیث کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ مختصر یہ کہ "مجمع بحار الانوار" کو بجا طور پر قرآن مجید اور صحاحِ ستہ کی مختصر شرح اور علم حدیث کی

کلید کہا جا سکتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ طاہر پٹنی کی یہ کتاب سات برسوں میں جا کر مکمل ہوئی ۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے اور فرہنگِ حدیث کی سب کتابوں سے زیادہ مقبول ہے[1] ۔

مغل بادشاہ اکبر اعظم کے درباری عالم مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری (م/۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) کی سیرت پر ایک کتاب کا حوالہ شیخ محمد اکرام نے "رودِ کوثر" میں دیا ہے ، لیکن نہ تو کتاب کا نام بتایا ہے اور نہ یہ واضح کیا ہے کہ یہ کس زبان میں لکھی گئی ہے ، البتہ ڈاکٹر محمد اسحٰق نے مخدوم الملک کی "شرح علی الشمائل النبی ؐ" کا ذکر کیا ہے جو امام ترمذی کی شمائل النبی ؐ کی شرح ہے ۔ غالباً شیخ محمد اکرام اسی شرح کو مخدوم الملک کی طبع زاد کتابِ سیرت ؐ قرار دے رہے ہیں[2] ۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی کے اُستادِ حدیث شیخ یعقوب بن حسن صرفی (۹۰۸ھ/۱۵۰۲ء تا ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۵ء) کے سیرت النبی ؐ پر ایک منظوم رسالہ "مغازی النبوۃ" کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے (مثلاً نزہۃ الخواطر میں) ، مگر یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا وہ اب بھی موجود ہے یا معدوم ہو چکا ہے ۔

گیارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن فضل اللہ برہان پوری (۱۵۴۵ء - ۱۶۲۰ء) نے اپنے عشق رسول ؐ کا ثبوت "التحفۃ المرسلہ الی النبی ؐ" نامی کتاب لکھ کر دیا ہے ، جو اُن کا شاہکار گنی جاتی ہے ۔ اپنی اس کتاب کی شرح انھوں نے "الحقیقت الموافق الشریعت" کے نام سے لکھی ، جس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔ شیخ محمد اکرام کہتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں آپ کی محبتِ نبوی ؐ مقبول ہوئی اور آپ کی "التحفۃ المرسلہ الی النبی" نے بڑی شہرت پائی ۔ اس کی کم از کم تین شرحیں لکھی گئیں[3] اور انڈونیشیا میں اس کا

۱۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ۔ ص ۱۵۶ ، ۱۵۷ ، عربی ادبیات میں بر عظیم پاک و ہند کا حصہ از ڈاکٹر زبید احمد ، ص ۴۷ ۔

۲۔ رودِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۹۴ اور علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ، ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۶۱ ۔

۳۔ رودِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۳۹۶ ، ۳۹۷ ۔

بہت چرچا تھا ۔ ملائی زبان کے ایک اہلِ قلم نور الدین رایزی نے اس کا ترجمہ ملائی زبان میں کیا ہے[1] ۔

اس عہد میں حضرت مجدد الف ثانی (۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء تا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) نے ''اثبات النبوۃ'' اور ''تہلیلیہ'' کے نام سے عربی میں دو رسائل لکھے[2] ۔ رسالہ ''اثبات النبوۃ'' ، ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے ، اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ، آنحضرتؐ کی نبوت کے اثبات میں لکھا گیا ہے ۔ اس میں دو امور پر بحث ہے یعنی نبوت اور معجزہ کے بارے میں[3] ۔ رسالہ ''تہلیلیہ'' بیس صفحات کا مختصر رسالہ ہے جس میں کلمہ طیبہ کی تشریح تصوف کے رنگ میں کی گئی ہے ۔ کلمۂ طیبہ کے جزو ثانی کا تعلق چونکہ رسالتِ محمدیہؐ سے ہے اس لیے اس کی وضاحت میں آنحضرتؐ کے فضائل ، معجزات

۱- 'رودِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۳۹۶ ، ۳۹۷ ۔

۲- علمائے ہند کا شاندار ماضی : سید محمد میاں ، مکتبہ محمودیہ ، لاہور ، ۱۹۷۷ء ، جلد اول ، ص ۲۱۹ ۔

۳- مولانا سید زوار حسین شاہ اپنی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی'' (مطبوعہ کراچی ، طبع دوم ۱۹۷۵ء) میں رسالہ ''اثبات النبوۃ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ' نے نبوت کے معنی کی تحقیق ، منکرین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ، معجزہ کے معنی اور اس کے شرائط، اثباتِ نبوتِ حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ السلام اور اعجازِ قرآن وغیرہ جیسے اہم مضامین پر مشتمل اس رسالہ کو مرتب فرمایا ۔ اندازہ ہے کہ یہ رسالہ (اثبات النبوۃ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ' کی پہلی تصنیف ہے جو ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں آگرہ کے دورانِ قیام میں مرتب ہوئی ۔ اعلیٰ کتب خانہ (ادارہ مجددیہ) ناظم آباد کراچی سے ۱۳۸۳ھ میں پہلی مرتبہ اس رسالہ کا اصل عربی متن مع اردو ترجمہ شائع ہوا ''۔ (ص ۶۷۶ ، ۶۷۷) ۔ ''اثبات النبوۃ'' دراصل ابوالفضل کے انکار نبوت کے جواب میں ہے ، جیسا کہ اس کے مقدمے میں ذکر ہے ۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رائے میں ابوالفضل اور فیضی ، دونوں بھائیوں اور ان کے ہم نواؤں کی بے راہ روی کی مزاحمت کے لیے حضرت مجدد نے یہ رسالہ لکھا (سیرتِ مجدد الف ثانی : پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی - ۱۹۸۳ء - ص ۲۸۰) ۔

اور اخلاق و اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے[1] -

حاجی محمد کشمیری (م/۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷ء) نے امام ترمذی کی "شمائل النبیؐ" کی شرح فارسی زبان میں "شرح شمائل النبیؐ" کے نام سے لکھی ہے جو مصنف نے ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء میں مکمل کی - یہ کتاب خانقاہ علی ہمدانی کشمیر میں موجود ہے ، اور اس کا ایک خطی نسخہ بانکی پور میں بھی محفوظ ہے[2] -

اسی صدی میں عبدالقادر العیدروسی احمد آبادی (۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء تا ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) نے "النور السافرعن اخبار القرن العاشر" کے نام سے ایک کتاب لکھی ، جس میں دسویں صدی میں پیش آنے والے واقعات کا تاریخ وار تذکرہ ہے لیکن اصل کتاب کی ابتدا میں مصنف نے حصول ثواب کی خاطر آنحضرتؐ کے مختصر حالات بھی قلم بند کیے ہیں[3] - اسی طرح محمد صدیق لاہوری نے "سلک الدرر" کے نام سے ۱۰۳۰ھ/۱۶۲۰ء میں غیر منقوطہ "سیرت النبیؐ" لکھی ، لیکن بدقسمتی سے اس کا کوئی

۱- مولانا سید زوار حسین شاہ اپنی کتاب "حضرت مجدد الف ثانی" (طبع دوم ۱۹۷۵ء - کراچی) میں رسالہ "تہلیلیہ" کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ "یہ رسالہ عربی زبان میں کلمہ طیبہ سے متعلق تحقیقات پر مشتمل ہے - اس رسالے کے بعض مضامین کا ان عنوانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے - لفظ اللہ کی تحقیق ، لفظ اللہ کے لطائف ، دلیل توحید ، کلمہ طیبہ کے فضائل ، توحید کے مراتب اور اسلامی و فلسفیانہ دلائل ، وجود باری تعالیٰ کی حقیقت ، فلاسفہ اور صوفیا کی متفقہ رائے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور آپ کی نبوت کے دلائل ، معجزۂ قرآن کریم ، معجزۂ نبوت کی دلیل ہے ، وغیرہ - حضرت مجدد الف ثانی نے یہ رسالہ ۱۰۱۰ھ میں مرتب فرمایا - اس رسالہ کا عربی متن مع اردو ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۳۸۳ھ میں ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے شائع کیا" (ص ۶۷۸ ، ۶۷۹) -

۲- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۶۱ -

۳- عربی ادبیات میں بر عظیم پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر زبید احمد ، ص ۱۸۰ ، ۱۸۱ -

نسخہ محفوظ نہیں رہا ۔ اس کتاب کا مصنف بقول صاحب "حدائق الحنفیہ" فیضی سے زیادہ تعریف کا مستحق ہے جس نے بے نقطہ تفسیر "سواطع الالہام" لکھی تھی[1] ۔ اسی طرح شیخ حسین ہروی (م/۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء) کی "شرح شمائل النبیؐ" ہے ، جو فارسی زبان میں ترمذی کی شمائل کی شرح ہے ۔ اسی کتاب کی ایک اور فارسی شرح "نظم الشمائل" کے نام سے انھوں نے لکھی ۔ حکیم عبدالحئی حسنی (نزہۃ الخواطر) کی نظر سے یہ دونوں کتابیں گزری ہیں اور انھوں نے اپنی کتاب میں ان کی بہت تعریف کی ہے ۔

گیارہوی صدی ہجری کی سب سے اہم کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء تا ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کی شہرۂ آفاق "مدارج النبوۃ" ہے جو فارسی زبان میں ہے اور بارہ سو سے زاید صفحات پر مشتمل ہے ۔ آنحضرتؐ کی سوانحِ حیات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اس کتاب کے مصنف نے روشنی نہ ڈالی ہو ۔ یہ کتاب نہ صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بلکہ اس صدی کا شاہکار ہے ۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں مسلمانوں نے جو مذہبی لٹریچر پیدا کیا ہے ، اس میں "مدارج النبوۃ" کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے ۔ اس سے پہلے کسی ہندی مسلمان نے رسولِ پاکؐ کی اتنی جامع ، مفصل اور مکمل سوانح حیات مرتب نہیں کی تھی"[2] ۔ پوری کتاب کو مصنف نے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلے حصے میں آنحضرتؐ کے فضائل و کمالات اور اخلاق و صفات کا تذکرہ ہے ۔ دوسرے حصے میں ولادت سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک کے حالات ہیں ۔ تیسرے حصے میں ہجرت سے وفات تک کے واقعات قلم بند ہوئے ہیں ۔ چوتھا حصہ آنحضرتؐ کے مرض ، وفات اور غسل و تکفین کے تذکرے پر مشتمل ہے اور پانچویں حصے میں آپؐ کی اولاد ،

۱- عربی ادبیات میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر زبید احمد ، ص ۲۲۳ ۔

۲- حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی : خلیق احمد نظامی ، مکتبہ رحمانیہ لاہور ، ص ۱۹۳ ۔

ازواج ، قریبی اعزا اور خدام وغیرہ کی تفصیلات شامل ہیں[1] - اکبری عہد میں کتاب و سنت سے لوگوں کی بے اعتنائی بڑھ گئی تھی ، چنانچہ شیخ عبدالحق نے آنحضرت^ص کی حیات مبارکہ کے سب گوشے منور کر کے لوگوں کو پھر اسلام کی حقیقت اور بانی[ؐ] اسلام کی سیرت کی طرف متوجہ کیا -

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کثیر التصانیف بزرگ تھے - انہوں نے حدیث ، تصوف ، تاریخ اور سوانح پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں - ان کی حدیث پر دس کتابوں کا تعارف ڈاکٹر محمد اسحٰق نے اپنی کتاب ''علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ'' میں کرایا ہے - ان کی ایک اور اہم کتاب ''جذب القلوب اِلی دیار المحبوب'' فارسی زبان میں مدینہ کی تاریخ ہے ، جس کی تالیف میں انہوں نے سید نور الدین علی کی کتاب ''وفا الوفا باخبار دارالمصطفٰی'' سے مدد لی ہے - یہ کتاب مصنف نے بڑے والہانہ انداز میں لکھی ہے ، چنانچہ جب وہ مدینہ کی تاریخ کے خاتمے پر پہنچتے ہیں تو آنحضرت^ص کے جسمِ اطہر کے ایک ایک عضو پر درود بھیجتے ہیں[2] - مولوی رحمٰن علی نے ''تذکرۂ علمائے ہند'' (ص ۲۷۷) میں ان کے ایک رسالہ ''حلیہ سید المرسلین^ص'' کا بھی ذکر کیا ہے -

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے شیخ نور الحق (۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء تا ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء) بھی اپنے زمانے کے نامور محدث ، فقیہہ اور مؤرخ ہیں - انہوں نے ''تیسیر القاری فی شرح صحیح البخاری'' کے نام سے فارسی زبان میں صحیح بخاری کی ایک مبسوط شرح لکھی جو پانچ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے - اس کے علاوہ انہوں نے امام ترمذی کی شمائل کی شرح بھی ''شرح شمائل النبی^ص'' کے نام سے لکھی ہے[3] - شیخ سیف اللہ نے بھی جو شیخ نور الحق کے پوتے تھے ، اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں ''شمائل النبی^ص'' کی ایک شرح ''اشرف الوسائل فی شرح الشمائل'' کے نام سے لکھی - اس کتاب کا سنِ تالیف

۱- مدارج النبوۃ : شیخ عبدالحق محدث دہلوی : ترجمہ غلام معین الدین نعیمی ، کراچی ، جلد اول ، ص ۹ ، ۱۰ -

۲- جذب القلوب الی دیار المحبوب : شیخ عبدالحق محدث دہلوی : اردو ترجمہ : سید حکیم عرفان علی پیلی بھیت - ص ۲۶۰ تا ۲۸۲ -

۳- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۷۷ ، ۱۷۸ اور رودِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۳۸۸ -

۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء ہے[1] ۔ اوحد الدین مرزا جان برکی (م/۱۱۰۰) نے "نظم الدرر و المرجان" کے نام سے عربی میں آنحضرتؐ کی منظوم سیرت لکھی جس میں سوانحی حالات ، معجزات اور آپؐ کے امتیازی اوصاف ، احادیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں ۔ یہ کتاب ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء کو پایہ‌ٔ تکمیل تک پہنچی ۔ اس کا ایک نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے[2] ۔ "تذکرۂ علمائے ہند" کے مطابق سید شاہ علیم اللہ جالندھری (م/۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء نے "نثر الجواہر" کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے[3] ۔

بارہویں صدی ہجری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء تا ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کی عظیم شخصیت سامنے آتی ہے جنھوں نے ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء میں قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا اور مؤطا امام مالک کی شرح عربی میں بھی لکھی اور فارسی میں بھی ۔ عربی شرح کا نام "مسوّیٰ" ہے جو ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء میں لکھی گئی اور فارسی شرح کا نام "المصفّیٰ" ہے جو دو جلدوں میں شائع ہوئی ۔ ان شروح کے علاوہ انھوں نے "اربعین" میں چالیس ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ‌ٗ سے مروی ہیں ۔ "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامینؐ" میں انھوں نے ایسی چالیس احادیث جمع کی ہیں جو شاہ ولی اللہ اور ان کے شیوخ نے خواب کے عالم میں خود آنحضرتؐ سے سنیں ۔ آپ کی ایک اور کتاب "وثیقۃ الآخرت" ، "چہل حدیث" کے نام سے معروف ہے ۔ یہ النووی کی "اربعین" کی فارسی شرح ہے ۔ شاہ ولی اللہ نے ایک اور کتاب "النوادر من الحدیث" میں ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے ، جو غیر معمولی نوعیت کی ہیں ۔ علاوہ ازیں ان کی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں بھی جو ، اسرار دین کی نقاب کشائی کرتی ہے ، قرآنی آیات اور احادیث کے بکثرت حوالے موجود ہیں ۔ اسی طرح علم حدیث میں ان کے اور بھی کئی رسالے ہیں جن کی تفصیلات ڈاکٹر محمد اسحٰق کی کتاب

---

۱ ، ۲- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۸۱ ، ۱۹۱ ، ۱۹۲ (بالترتیب) ۔

۳- تذکرۂ علمائے ہند : مولوی رحمٰن علی ، مرتبہ محمد ایوب قادری ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ، ۱۹۶۱ء ، ص ۳۵۰ ۔

میں دیکھی جا سکتی ہیں ۔ شاہ ولی اللہ نے آنحضرت ؐ کی سیرت پر بھی فارسی میں ایک مختصر رسالہ "سرور المحزون" لکھا ہے ، جس کا خلیفہ محمد عاقل نے "سیرۃ الرسول" کے نام سے اور عزیز ملک نے "سید المرسلین" کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ ان سے پہلے محمد عبدالرزاق نے "گوہر محزون" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا[1] ۔ "سرور المحزون" ، ابن سیدالناس کی کتاب "نور العیون فی تلخیص سیرالامین الماموں" سے ماخوذ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے رسالہ کی ابتدا میں خود بتایا ہے کہ اُن سے اُن کے بعض مخلص احباب (مثلاً مرزا مظہر جان جاناں) نے فرمائش کی کہ ابن سید الناس کی "نور العیون" کا فارسی میں ترجمہ کر دیں ، چنانچہ اُنھوں نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور ترجمہ کرتے وقت جہاں کہیں مصنف نے ضعیف روایات کا سہارا لیا تھا ، وہاں اصلاح کر دی ۔ شاہ ولی اللہ نے اُس کا نام "سرور المحزون فی ترجمۃ نور العیون" رکھا تھا جس سے اُس کے ماخذ کا پتہ چل جاتا ہے ۔ خلیفہ محمد عاقل کا اردو ترجمہ ، کراچی سے اور عزیز ملک کا لاہور سے شائع ہوا ہے اور اول الذکر ۸۰ صفحات اور ثانی الذکر ۷۶ صفحات پر مشتمل ہے[2] ۔

اس صدی کی ایک اور شخصیت ، میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ھ/۱۷۰۰ء تا ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) ہیں ، جن کی وجہِ شہرت ویسے تو اُن کی دو کتابیں مآثر الکرام (فارسی) اور "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" (عربی) ہیں ، لیکن اُنھوں نے "شمامۃ العنبر فی ماورد فی الہند من سید البشر ؐ" نامی رسالہ میں آنحضرت ؐ کی ایسی تمام احادیث ، کتبِ احادیث و تفاسیر میں سے چُن کر جمع کر دی ہیں ، جن میں ہند کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ اسی طرح انھوں نے "ضوٴ الدراری شرح صحیح البخاری"

۱۔ تحریکِ آزادی میں اردو کا حصہ : ڈاکٹر معین الدین عقیل ، انجمن ترقی اردو ، کراچی ، ۱۹۷۶ء ، ص ۲۴۷ ۔

۲۔ سیرت الرسول ؐ : (اردو ترجمہ سرور المحزون) شاہ ولی اللہ ، دارالاشاعت کراچی : ترجمہ خلیفہ محمد عاقل ، ص ۱۲ ، ۱۳ اور سید المرسلین (اردو ترجمہ ، سرور المحزون) شاہ ولی اللہ ، ترجمہ عزیز ملک ۔ ادبستان پبلشرز ، لاہور ، ۱۹۷۶ء ۔

کے نام سے صحیح بخاری کی شرح "کتابِ اول" سے لے کر "کتاب الزکٰوۃ" تک کی ہے ، جو قسطلانی کی "ارشاد الساری" پر مبنی ہے - "سبحة المرجان" کی پہلی فصل بھی احادیث و تفاسیر میں ہندوستان کے ذکر سے متعلق ہے اور شمامة العنبر سے ماخوذ ہے - آزاد بلگرامی اپنے عہد کے نامور محدث ، مؤرخ ، سوانح نگار اور فارسی شاعری کے نقاد تھے[۱] -

تیرہویں صدی ہجری کے خادمانِ حدیث و سیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۱۴۵ھ/۱۷۳۳ء تا ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) کا نام قابلِ ذکر ہے ، جنھوں نے شمس الدین صالحی (م/۹۴۲ھ) کی تصنیف "سبل الهدیٰ و الرشاد" کی تیسری جلد کا فارسی ترجمہ "اللباب" کے نام سے کیا - یہ کام قاضی ثناء اللہ نے اپنے مرشد مرزا مظہر جان جاناں کی فرمائش پر کیا - اس میں آنحضرت ؐ کے اوصاف عالیہ ، معاملات اور معمولات کا تذکرہ ہے اور آپ ؐ کی کچھ دعائیں ، احکام اور فیصلے بھی اس میں شامل ہیں - قاضی ثناء اللہ کی "تفسیر مظہری" میں بھی بکثرت احادیث کے حوالے موجود ہیں - علم حدیث میں ان کے تبحر کی بناء پر شاہ عبدالعزیز دہلوی نے انھیں "بیہقیٔ وقت" قرار دیا تھا[۲] - اس دور میں شیخ سلام اللہ محدث رامپوری (م/۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) خانوادۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے آخری نامور عالم دین تھے - انھوں نے شمائل ترمذی کا فارسی میں ترجمہ "شمائل النبی ؐ" کے نام سے کیا - "المحلیٰ باسرار المؤطا" کے نام سے مؤطا امام مالک کی عربی میں شرح لکھی - صحیح البخاری کا فارسی ترجمہ کیا اور "رسالہ فی اصول الحدیث" عربی زبان میں لکھا[۳] -

اسی صدی میں سراج احمد مجددی (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء تا ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) نے "رسالہ در ذکر طعام و شراب" میں جو فارسی میں ہے ، ان اشیائے خورد و نوش کا ذکر کیا ہے جو معتبر احادیث کے مطابق آنحضرت ؐ کو

۱- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۸۳ - اور مآثر الکرام میر غلام علی آزاد بلگرامی (تعارفی مقالہ : آزاد بلگرامی از عبدالرزاق قریشی ، ص ۳۰ ، ۳۷) -

۲- علمِ حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۹۷ ، ۱۹۸ -

۳- ایضاً ، ص ۱۸۰ ، ۱۸۱ -

پسند تھیں ، اور جن کو آپؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں استعمال فرمایا۔ اس کے علاوہ انھوں نے جامع ترمذی کی فارسی میں مختصر شرح "شرح فارسی علی جامع الترمذی" اور "ترجمہ فارسی صحیح مسلم" بھی تحریر فرمائیں[1] ۔

برصغیر میں قرآن مجید کی اردو تفسیروں کا آغاز دسویں صدی ہجری سے اور خالص اردو تراجم کا آغاز تیرہویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اپنے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مقالہ میں ان تمام تراجم و تفاسیر کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اردو میں قرآن مجید کا سب سے قدیم ترجمہ عبدالعلی باگراوی کا ہے جو ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۵ء میں مکمل ہوا ۔ اس کے تین سال بعد (۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء میں) شاہ رفیع الدین دہلوی نے اور پانچ سال بعد (۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں) شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے اپنے اردو تراجم مکمل کیے[2] ۔ شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ کا تاریخی نام "موضح قرآن" ہے ۔ حامد حسن قادری کہتے ہیں کہ شاہ رفیع الدین نے اردو کا ترجمہ ۱۲۰۰ھ/۱۷۷۶ء کے قریب قریب مکمل کیا[3] جبکہ احسن مارہروی کے نزدیک اس کی تکمیل ۱۲۰۳ھ/ ۱۷۸۸ء میں ہوئی ۔ سن کے بارے میں ثانی الذکر کی تحقیق درست ہے اور اس کی تائید ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے کی ہے ۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے سن میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے ۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ لفظی اور بے محاورہ ہے ، جبکہ شاہ عبدالقادر نے مفہوم کی ترجمانی اور وضاحتِ مطالب کو ترجیح دی ہے ، اس لیے ثانی الذکر کا ترجمہ رواں ، بامحاورہ اور صاف ہے اور عوام الناس میں زیادہ مقبول ہے ۔ شاہ رفیع الدین (۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء تا ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) شاہ عبدالقادر

۱۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۶۸ ، ۱۶۹ ۔

۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند ، جلد اول ، ص ۱۵۸ (مقالہ : اردو کا دینی ادب ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں) ۔

۳۔ داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۶۳ ۔

(۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء تا ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے ہیں ۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے تراجم قرآن کے ذریعے دین کی خدمت کی ، جبکہ شاہ عبدالعزیز نے علم حدیث کی اشاعت و ترقی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ۔ اُن کی دو کتابیں "بستان المحدثین" اور "عجالۂ نافعہ" مشہور ہیں ۔ "بستان المحدثین" فارسی میں ہے اور اس میں عربی کی اہم کتبِ احادیث اور محدثین پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ کتاب کو مؤطا امام مالک سے شروع کر کے مصابیح البغوی پر ختم کیا گیا ہے ۔ "عجالۂ نافعہ" اصولِ حدیث پر ایک مختصر فارسی رسالہ ہے ، جس میں کتبِ احادیث کی انواع و اقسام کی بحث اور فقہا اور محدثین کا مختصر تذکرہ ہے[1] ۔ دونوں کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے ۔

برصغیر پاک و ہند میں قرآن مجید کی عربی تفسیروں کے سلسلے میں بھی خاصا وقیع کام ہوا ہے ۔ ڈاکٹر سالم قدوائی نے اپنی کتاب "ہندوستانی مفسرین اور اُن کی عربی تفسیریں" (جو اُن کا پی ۔ ایچ ۔ ڈی کا مقالہ ہے) میں اس کی تفصیلات فراہم کی ہیں ۔ اُنھوں نے ہندوستان میں لکھی جانے والی ۱۵۶ عربی تفاسیر کا پتہ لگایا ہے ، جن میں سے ۹۳ کتابوں تک اُن کی رسائی ہوئی اور ۶۳ کتابیں دستیاب نہیں ہو سکیں[2] ۔ دستیاب شدہ تفاسیر میں قرآن مجید کی مکمل تفاسیر بھی ہیں اور نامکمل بھی ۔ مکمل تفاسیر میں اُنھوں نے محمد بن احمد شریعی کی "کاشف الحقائق و قاموس الدقائق" ، خواجہ بندہ نواز ، گیسو دراز (۷۲۱ھ تا ۸۲۵ھ) کی "تفسیر ملتقط" ، شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمی (۷۷۶ھ تا ۸۳۵ھ) کی "تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" ، عبدالوہاب بخاری (۸۶۹ھ تا ۹۳۲ھ) کی "تفسیر القرآن" ، حسن محمد بن میاں جیو (۹۲۳ھ تا ۹۸۲ھ) کی "تفسیرِ محمدی" ؛ شیخ مبارک ناگوری (۹۱۱ھ تا ۱۰۰۱ھ) کی "منبع عیون المعانی

۱- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر محمد اسحٰق ، ص ۱۹۹ ، ۲۰۰ ۔

۲- ہندوستانی مفسرین اور اُن کی عربی تفسیریں : ڈاکٹر سالم قدوائی ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ، ۱۹۷۳ء ، ص ۱۳ ۔

و مطلع شموس المثانی" ، ابو الفیض فیضی (۹۵۴ھ تا ۱۰۰۴ھ) کی "سواطع الالہام" ، عیسٰی بن قاسم سندھی (۹۶۲ھ - ۱۰۳۱ھ) کی "انوار الاسرار فی حقائق القرآن" معین الدین بن خاوند محمود کشمیری (متوفی ۱۰۸۵ھ) کی "زبدۃ التفاسیر" ، شیخ الاسلام بن قاضی عبدالوہاب گجراتی (متوفی ۱۱۰۹ھ) کی "زبدۃ التفاسیر للقدما المشاہیر" مُلا علی اصغر بن عبدالصمد قنوجی (متوفی ۱۱۴۰ھ) کی "ثواقب التنزیل فی انارۃ التاویل" ، شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (۱۰۶۰ھ تا ۱۱۴۱ھ) کی "قرآن القرآن بالبیان" ، امیر عبداللہ محمد بن علی اصغر قنوجی (متوفی ۱۱۷۸ھ) کی "تفسیر صغیر" اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ) کی "تفسیر مظہری" کا مفصل تعارف کروایا ہے[1] ۔ اس کے علاوہ انیس نامکمل عربی تفاسیرِ قرآن کا ذکر کیا ہے ، اور پھر قدما کی تفسیروں کے ان حواشی اور شروح کا تذکرہ ہے ، جو ہندوستانی مصنفین نے لکھیں ۔ اس کے بعد متعلقاتِ قرآن مجید کا بیان ہے ، یعنی ان کتابوں کا جو قرآن مجید سے متعلق ہیں (مثلاً ناسخ و منسوخ ، تخریجِ آیات ، مفرداتِ قرآن ، فضائلِ قرآن اور احکامِ قرآن وغیرہ) ڈاکٹر زبید احمد کی کتاب "عربی ادبیات میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ" ، میں بھی ان کی تفصیل موجود ہے[2] ۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں نے اپنے مضمون "مسلمانوں کا علم و ادب برصغیر میں" — میں بھی ہندوستانی مفسرین کی عربی تفاسیر اور قدما کی تفاسیر پر لکھے گئے ہندوستانی مصنفین کے حواشی اور شروح کا ذکر کیا ہے[3] ۔ ان سب پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے علما نے فنِ حدیث اور فنِ مغازی و سیَر کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تفاسیر کے سلسلے میں بھی کتنی گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں ۔

یہ ہے ہندوستان کا وہ سیاسی ، معاشرتی ، دینی ، علمی اور لسانی ماحول ، جس کی آغوش میں اردو سیرت نگاری نے آنکھ کھولی ۔

۱۔ "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں" : ڈاکٹر سالم قدوائی ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ، ۱۹۷۳ء ، ص ۲۴ تا ۱۰۷ ۔

۲۔ عربی ادبیات میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ : ڈاکٹر زبید احمد ، ص ۳۳ تا ۶۴ و ص ۲۶۱ تا ۲۷۷ ۔

۳۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ، جلد اول ، ص ۱۳۳ ، ۱۳۴ ۔

اُردو نثر کے ارتقائی سفر میں کتبِ سیرتِ رسولؐ خاصی تاخیر سے شامل ہوتی ہیں ۔ اردو میں اگرچہ منظوم کتبِ سیرت کا آغاز گیارہویں صدی ہجری سے ہو چکا تھا ، لیکن نثر میں اُن کی ابتدا تیرہویں صدی ہجری سے ہوئی ۔ اس سلسلے میں پیش قدمی کا شرف بھی دکن کو حاصل ہوا ۔ یوں بھی جنوبی ہند کا سیاسی ، معاشرتی ، مذہبی ، اخلاقی ، لسانی ، علمی اور ادبی ماحول اس کے لیے خاصا سازگار تھا ۔ دکن میں سلطنتِ بہمنی کا قیام ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء سے ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء تک رہا ۔ اس کے بعد یہ سلطنت پانچ خود مختار ریاستوں میں بٹ گئی ، (گولکنڈہ ، بیجا پور ، احمد نگر ، برار اور بیدر) ، جن میں گولکنڈہ اور بیجا پور کی ریاستوں نے علم و ادب کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ بیجا پور کی عادل شاہی حکومت ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء سے ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء تک اور گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء سے ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۷ء تک برقرار رہیں ۔ اس کے بعد سلطنتِ مغلیہ کے بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے انھیں اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ۔ مغلوں کی سلطنت ہندوستان میں ۱۵۲۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک قائم رہی ۔ گویا سلطنتِ بہمنیہ کا سقوط اور سلطنتِ مغلیہ کا آغاز ایک ساتھ ہوا ۔

حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ "یہ بات قابلِ غور ہے کہ دہلی اور تمام شمالی ہند میں اُردو زبان کی ابتدا یعنی گیارہویں صدی عیسوی سے لےکر اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز تک کسی مستقل و مکمل تصنیفِ نثر یا نظم ، مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ، موجود یا مفقود کا پتہ نہیں چلتا ، بجز سید اشرف جہانگیر سمنانی کے رسالۂ نثر اور افضل جھنجھانوی کی مثنوی کے ۔ یہ کتابیں تبرکاتِ ادبی سے زیادہ کچھ نہیں ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ اردو زبان کی ایجاد اور شاعری و تصنیف کا طرہ شمالی ہند کے سر ہے ، لیکن یہ کارنامے امتیاز و اعزاز سے بڑھ کر کوئی وقعت نہیں

رکھتے - برخلاف دکن کے ، کہ اردو زبان کے رواج میں دکن ، شمالی ہند سے بہت پیچھے ہے ، اس پر بھی دکن نے اردو کی اتنی قدر کی کہ چودھویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی تک نظم و نثر کی صدہا کتابیں تیار کر دیں ، جن میں شعر و سخن اور علم و فن کی مختلف اصناف شامل ہیں"[۱] -

اس کی وجہ یہ ہے کہ شمالی ہند میں دفتری زبان فارسی تھی - اردو اگرچہ بول چال کی زبان بن چکی تھی ، لیکن اسے شاہی سرپرستی نصیب نہ ہوئی تھی ، اس لیے تصنیف و تالیف کا سارا کام فارسی میں ہوتا رہا ، یا پھر عربی میں ، جو مسلمانوں کی مذہبی زبان تھی - اس کے مقابلے میں سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ نے اپنی سلطنت قائم ہوتے ہی دفتری زبان کے لیے فارسی کی بجائے ہندی زبان کو پسند کیا اور یوں اردو کی ترقی کے لیے راستہ ہموار کر دیا - دکن میں ، اردو کی شاہی سرپرستی نے بے شک اس بول چال کی زبان کو تصنیف و تالیف کی زبان بنانے میں اہم رول ادا کیا ؛ چنانچہ گول کنڈہ ، بیجا پور اور احمد نگر کے درباروں سے وابستہ شعرا ، ادبا اور علماء نے مضامین نو کے انبار لگا دیئے ، لیکن صحیح معنوں میں دکن میں اردو زبان کا فروغ ، علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا مرہون منت ہے ، جنھوں نے اسے تعلیم و تبلیغ کا ذریعہ بنایا - صوفیائے کرام نے اپنے مریدوں اور نو مسلموں کو نہ صرف اس مقبول عام زبان میں مخاطب کیا ، بلکہ ان کے تزکیۂ نفس اور دینی تعلیم کے لیے تصنیف و تالیف میں بھی اسی زبان کو استعمال کیا - اسی لیے اس عہد میں جو بھی نثری نمونے دستیاب ہیں ، وہ بیشتر مذہبی موضوعات پر ہیں - خواجہ بندہ نواز ، گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) شمس العشاق شاہ میراں جی (متوفی ۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء) ، شاہ برہان الدین جانم (متوفی ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) ، شاہ امین الدین اعلیٰ (متوفی ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء) ، شاہ میراں جی خدا نما (متوفی ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء) ، مولینا عبداللہ (متوفی ۱۰۳۲ھ/۱۶۲۲ء) اور میراں یعقوب (متوفی بعد از ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء) کی کتابیں تصوف ، شریعت اور اخلاق کے موضوع پر ہیں اور بیشتر عربی اور فارسی زبان سے ماخوذ یا ترجمہ ہیں - ان میں شرعی عقائد اور مسائل

۱- داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۳۶ ، ۳۷ -

تصوف کو قرآن و احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے ۔ شریعت و تصوف سے ہٹ کر ، اگر کوئی قابلِ ذکر کتاب لکھی گئی ہے تو وہ مثلاً وجہی کی علامتی داستان "سب رس" (۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء) ہے ، جس میں بقول ڈاکٹر جمیل جالبی "وجہی نے پہلی بار اردو نثر کو فارسی نثر کی سطح پر لانے کے لیے شعوری کوشش کی تھی اور دوسرے یہ کہ اس عمل سے اردو نثر کو ایک ادبی اسلوب بھی دیا تھا"[1] ۔ دکن پر مغلوں کے قبضے (۱۰۹۸ھ/۱۶۸۷ء) کے بعد بھی وہاں اردو نظم و نثر میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا ، لیکن اس عہد میں بھی (ہر عہد کی طرح) نظم کے مقابلے میں نثری تصانیف کی تعداد کم رہی ۔ بس سید شاہ محمد قادری ، شاہ ولی اللہ قادری (متوفی ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء) اور سید شاہ میر وغیرہ کے تصوف پر چند نثری رسائل ملتے ہیں ، جن میں کچھ طبع زاد اور باقی فارسی سے ترجمہ ہیں یا پھر افسانوی ادب میں چند طوطی ناموں کے تراجم ہوئے ، جن کے مترجمین کے نام بھی معلوم نہیں ہیں[2] ۔ البتہ مغلوں کے دورِ زوال میں دکن میں فقہ و عقائد کے ساتھ ساتھ نثر میں کتبِ سیرت لکھنے کا آغاز ہو جاتا ہے ۔ اس سلسلے میں محمد باقر آگاہ (متوفی ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء) ، مولٰینا محمد غوث (متوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء) اور قاضی بدرالدولہ (متوفی ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) کے نام لیے جا سکتے ہیں ، جنھوں نے تفسیر ، حدیث ، فقہ ، سوانح اور سیرت پر کتابیں لکھنے کی طرح ڈالی ۔ مولٰینا محمد غوث نے تو کیدانی فقہ حنفی کا اردو ترجمہ کیا لیکن محمد باقر آگاہ نے آنحضرتؐ کی سیرت پر "ریاض السیر" اور قاضی بدر الدولہ نے "فوائد بدریہ" لکھیں ۔ ثانی الذکر نے سیرتِ نبی کریمؐ کے علاوہ قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ، کتبِ احادیث کو تراجم و حواشی سے مزین کیا ، فقہ شافعی پر ایک کتاب تالیف کی اور سیرتِ صدیق اکبرؓ اور سیرتِ شیخ عبدالقادر جیلانی ، سپردِ قلم کیں ۔ حامد حسن قادری ، محمد باقر آگاہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اس زمانے میں شمالی ہند (دہلی ، آگرہ وغیرہ) میں اُردو شاعری اور تصانیفِ نظم کا سلسلہ جاری ہے لیکن اردو نثر کی کوئی مستقل تصنیف نہیں پائی جاتی ۔ فضلی کی "دہ مجلس" کا شمالی

۱۔ تاریخِ ادب اُردو : ڈاکٹر جمیل جالبی ، ج ۱ ، ص ۴۹۹ ۔

۲۔ داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۴۸ تا ۵۳ ۔

ہند کی ملکیت ہونا مشتبہ ہے اور مرزا سودا دہلوی کا دیباچہ دیوان، متفرقات میں شامل ہے۔ مولٰینا شاہ رفیع الدین صاحب اور مولٰینا شاہ عبدالقادر صاحب کے تراجم قرآن مجید بعد کی چیزیں ہیں"[1]۔ تاہم وہ تسلیم کرتے ہیں کہ محمد باقر آگاہ کے بعد دہلی وغیرہ میں تصانیف نثر کا عام رواج شروع ہو جاتا ہے اور تھوڑے عرصے میں اس کثرت سے اور اس قدر اعلیٰ تصانیف پیدا ہو جاتی ہیں کہ اس کے ساتھ دکن کی تصانیف کا پلہ جھک جاتا ہے[2]۔

شمالی ہند (یعنی دہلی اور موجودہ یو، پی) میں اردو نثری تصانیف کی ابتدا حقیقی معنوں میں عہد محمد شاہی (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) سے ہوتی ہے، جبکہ فضل علی فضلی نے "کربل کتھا" کے نام سے ملّا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب "روضۃ الشہدا" کا ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں اردو ترجمہ کیا اور بعد ازاں ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں اس پر نظر ثانی کی۔ یہ کتاب واقعات کربلا کے بارے میں ہے لیکن مصنف و مترجم نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے پہلے وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، وفات حضرت فاطمہؓ، شہادت حضرت علیؓ اور شہادت امام حسنؓ کے لیے ایک ایک باب وقف کیا ہے[3]۔ اس کے بعد مرزا رفیع سودا دہلوی (متوفی ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) کے دیوان مراثی کا اردو نثر میں دیباچہ ہے، جو مقفیٰ و مسجع عبارت میں ہے۔ اس دور میں سب سے اہم کام مولٰینا شاہ رفیع الدین اور مولٰینا شاہ عبدالقادر نے قرآن مجید کے اردو تراجم کی شکل میں کیا[4]۔ شاہ رفیع الدین (متوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) نے اپنا ترجمہ ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء میں اور شاہ عبدالقادر (متوفی ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء)

۱، ۲- داستان تاریخ اردو: حامد حسن قادری، ص ۵۴۔

۳- کربل کتھا: فضل علی فضلی، مرتبہ مالک رام، مختار الدین احمد، پٹنہ، ۱۹۶۵ء ص ۵۸ تا ۱۰۳۔

۴- شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے لیے تو یہ تک کہا گیا ہے کہ "اگر قرآن پاک اردو میں نازل ہوتا تو شاہ عبدالقادر کے الفاظ میں ہوتا" (ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات: ابویحییٰ امام خاں نوشہروی ص ۱۸)۔

نے اپنا ترجمہ قرآن ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں مکمل کیا ۔ اس کے بعد میر عطا حسین تحسین کی داستان "نو طرز مرصع" (قصہ چہار درویش) سامنے آتی ہے ، جس کا سنِ تالیف مولینا محمد حسین آزاد اور حامد حسن قادری نے ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء لکھا ہے جبکہ کتب خانہ انڈیا آفس کے اردو مخطوطات کی فہرست میں بلوم ہارٹ نے ۱۷۸۰ء اور ڈاکٹر سید سجاد نے تحقیق کر کے ۱۷۶۸ء لکھا ہے ۔ اگر یہ آخری سن درست مانا جائے ، تو "نو طرز مرصع" کا زمانۂ تالیف شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے تراجم قرآن سے پہلے اور فضل علی فضلی کی "کربل کتھا" کے بعد بنتا ہے ۔ تحسین کی "نو طرز مرصع" بھی بہت گنجلک اور دقیق زبان میں لکھی گئی ہے بلکہ بقول حامد حسن قادری "نو طرز مرصع میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب اور تشبیہات و استعارات کی اتنی کثرت ہے کہ بعض فقرے دشوار فہم ہونے کے علاوہ مذاقِ سلیم کے لیے نہایت ثقیل و مکروہ ہیں"[1]۔

مغلوں کے دورِ عروج میں انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی (۱۶۰۰ء) اور بادشاہ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں ۱۶۰۸ء میں کپتان ہاکنس (Hawkins) نے اور ۱۶۱۵ء میں سر تھامس رو (Sir Thomas Roe) نے ہندوستان میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت حاصل کی ، جو انھیں مل گئی ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدے داروں نے آہستہ آہستہ برصغیر کے مشرقی ساحل پر بالا سور کی کوٹھی اور ہگلی کی نو آبادی قائم کر لی ۔ بعد ازاں پٹنہ ، قاسم بازار اور وزیگا پٹم میں مزید تجارتی کوٹھیاں بنائیں ۔ مغلوں کے دورِ زوال میں کمپنی نے پر پرزے نکالے اور ہندوستان کی خانہ جنگی ، مرکزی حکومت کی کمزوری اور دیسی ریاستوں کی رقابت سے فائدہ اٹھا کر بتدریج مختلف علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا ۔ ہندوستان میں اس نے اپنی حریف یورپی قوموں ہالینڈ ، فرانس اور پرتگال کو شکست دے کر ان کے مقبوضہ علاقے چھین لیے اور شاہانِ مغلیہ کی کمزور حیثیت سے حوصلہ پا کر شمالی ہند کے بڑے حصے پر قابض ہو گئی ۔ اب ہندوستان کے اصل حکمران انگریز تھے اور مغل بادشاہ محض نام کے بادشاہ تھے ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور

۱۔ داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۶۷ ، ۶۸ ۔

گورنر جنرل وارن ہیسٹنگ کے ذریعے تمام ہندوستانی مقبوضات پر حکمرانی کرنے لگی ، اس وقت تک بنگال ، مدراس اور بمبئی اس کے زیر تسلط آ چکے تھے اور دہلی کی مغل حکومت اپنی بقا کے لیے اس کی محتاج تھی -

بنگال پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد انگریزوں نے اردو زبان کی رفتار ترقی دیکھتے ہوئے اس کی طرف خاص توجہ کی - ان سے پہلے ہالینڈ اور پرتگال والے اردو صرف و نحو پر کتابیں لکھ چکے تھے - ان کی دیکھا دیکھی انگریزوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں گرامر اور لغت کی کتابیں مرتب کیں - انیسویں صدی عیسوی میں انگریز مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مذہبی کتابیں اردو میں لکھیں اور شائع کیں - اخبارات و رسائل کا اجرا عمل میں آیا اور کمپنی نے اپنے انگریز ملازمین کے لیے اردو زبان سیکھنا اور اس کا امتحان پاس کرنا لازمی قرار دے دیا - ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا - اس زبان میں قانونی کتب لکھی گئیں - تراجم کرائے گئے اور یوں تصنیف و تالیف کی راہ ہموار کی گئی - ۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تو اس کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اردو ترجمہ و تالیف کا شعبہ قائم کیا - ڈاکٹر گلکرسٹ نے خود بھی اردو میں لغات ، قواعد زبان اور تاریخ پر کتابیں تصنیف کیں اور ہندوستان بھر سے قابل مصنفین جمع کر کے بہت سی کتابیں ترجمہ کروائیں یا از سر نو لکھوائیں - فورٹ ولیم کالج کی طرف سے بیس سال کے عرصہ میں لغات ، قواعد زبان اور تاریخ کے علاوہ داستان ، ڈراما ، اخلاق ، تذکرہ ، مذہب وغیرہ کے موضوعات پر پچاس سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف و ترجمہ کرائی گئیں - اس دور میں خالصتاً مذہبی موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ، ان میں اردو ترجمہ "ہدایت الاسلام" اور اردو ترجمہ قرآن مجید (از مولوی امانت اللہ شیدا) ، اخلاق النبیؐ (از غلام اشرف) اور اردو ترجمہ انجیل مقدس قابل ذکر ہیں - بقول مؤلف ارباب نثر اردو "قرآن مجید کا یہ نیا ترجمہ ڈاکٹر گلکرسٹ کے حکم پر شیدا نے میر بہادر علی حسینی کے ساتھ مل کر کرنا شروع کیا ، لیکن ۱۸۰۴ء میں ڈاکٹر صاحب کے بوجہ علالت انگلستان

چلے جانے کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکا ۔"[1] کیونکہ اُن کے جانشین کیپٹن جیمز مونٹ نے اس میں کوئی دلچسپی نہ لی ۔ مولوی امانت اللہ کے اس ترجمہ کا ایک مخطوطہ (بروایت نصیر الدین ہاشمی) سالار جنگ میوزیم (حیدر آباد) میں محفوظ ہے اور یہ ترجمۂ قرآن شائع بھی ہو چکا ہے[2] ۔ بائیبل کا پہلا اردو ترجمہ نصف صدی قبل ۱۷۴۸ء میں کیا جا چکا تھا اور اُس کے مترجم پادری بنجمن شلز تھے ۔ انجیل کے نئے ہندوستانی ترجمے کے لیے فورٹ ولیم کالج کی طرف سے مرزا محمد فطرت لکھنوی کا تقرر کیا گیا ۔

فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے علاوہ بھی بہت سے یورپین مصنفین نے اردو زبان کی ترقی کے لیے کتابیں لکھیں ، جن کے نام حامد حسن قادری نے "داستان تاریخ اردو" میں (ص ۸۲ تا ۹۳) درج کیے ہیں اور اُن کی تالیفات کا ذکر بھی کیا ہے ۔ ان میں فرانسیسی عالم گارساں دناسی (Garcin De Tacci) بہت مشہور آدمی ہے جس نے پیرس میں بیٹھ کر اُردو زبان کی خدمت کی ۔ بقول حامد حسن قادری "اس شخص نے فارسی، عربی ، سنسکرت ، اردو ، ہندی کی خدمت کی ہے اور مذہب ، فلسفہ ،

۱۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا یہ اردو ترجمہ گلکرسٹ کے زمانے میں ہی مکمل ہو چکا تھا بلکہ اس کی طباعت کا کام بھی ہندوستانی پریس میں شروع ہو چکا تھا ، لیکن محمد عتیق صدیقی کے بقول "فورٹ ولیم کالج کو قرآن کے ترجمے سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا ، بلکہ گل کرسٹ نے ہندوستانی پریس سے شائع کرنے کی نیت سے یہ ترجمہ تیار کر دیا تھا" (گل کرسٹ اور اُس کا عہد : محمد عتیق صدیقی ، انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۶۰ء ، ص ۱۷۸) علاوہ ازیں اس ترجمہ میں بہادر علی حسینی کے علاوہ کاظم علی جوان اور مولوی فضل اللہ نے بھی مولوی امانت اللہ کی مدد کی تھی ۔

۲۔ شاہ عبدالقادر ، شاہ رفیع الدین ، مولوی امانت اللہ شیدا اور حکیم شریف خاں دہلوی کے بعد اردو میں قرآن مجید کے بیس سے زاید ترجمے شائع ہو چکے ہیں ۔ (ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات" : امام خاں نوشہروی ، ص ۱۸) ۔

تصوف ، تاریخ ، سیرت ، قصص ، شاعری ، تذکرۂ شعراء وغیرہ علوم و فنون کے متعلق تصنیفات و تالیفات کی ہیں''[1] -

اس زمانہ میں عیسائی مشنریوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے بائیبل کے تراجم ہندوستان کی تمام اہم زبانوں میں کیے ، جن میں اردو بھی شامل ہے - یہ تراجم اٹھارہویں صدی عیسوی میں شروع ہو چکے تھے - انیسویں صدی عیسوی میں چھاپہ خانہ آ جانے کی وجہ سے ہندوستان میں بائیبل کی اشاعت میں تیزی آ گئی اور عیسائی پادریوں نے یہاں کی قوموں کو عیسائی بنانے کے لیے زور شور سے کام کرنا شروع کر دیا - سر سید احمد خاں نے اپنی ''تبیین الکلام'' اور گارساں دتاسی نے اپنے ''خطبات'' میں انجیل کے ان تراجم کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے - بائیبل کے اردو ترجمے کے علاوہ عیسائی پادریوں نے اپنے مذہب کی تائید اور دیگر مذاہب (بالخصوص اسلام) کے رد میں اردو کتابیں لکھیں - ''دینِ عیسویؑ کی سچائی کے ثبوت'' از لیس لی چارلس (۱۸۳۷ء) ، ''رسالہ اصل افزائش و زوالِ دینِ محمدیؐ'' از پادری جے وفس (۱۸۳۹ء) ، ''رسالہ تحقیقِ دینِ حق'' از پادری اسمتھ (۱۸۴۳ء) اور ''ابطالِ دینِ محمدی'' از پادری ایل - جے - ایچ (۱۸۵۴ء) کے نام اس ضمن میں بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں[2] - اس قلمی جنگ میں حصہ لیتے ہوئے مسلمانوں نے بھی اثباتِ اسلام ، صداقت قرآن ، دفاعِ محمدؐ اور ردِ عیسائیت میں بے شمار کتابیں لکھیں - اس سلسلے میں چند کتابوں کے نام یہ ہیں : ''التنقیع فی ولادت المسیح'' از امام الدین گجراتی (۱۲۳۲ھ) ، ''رسالہ سوال و جواب عیسائیؑ و محمدیؐ'' از مولوی محمد بادی (۱۲۴۰ھ) ، ''ردِ نصاریٰ'' از محمد ہادی (۱۲۴۲ھ) ''جواب محمدیہؐ'' از اکرام الدین شاہجہان آبادی (۱۲۴۵ھ) ، ''مناظرہ گدویں عیسائی و محمد بادی'' از عبدالقادر بیگ (۱۲۵۳ھ) ، ''سیر متقدمین'' (مذہبِ عیسوی) (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۱ء) ، ''کتاب استفسار'' از سید آلِ حسن موہانی (۱۲۵۹ھ) ''تنبیہہ المخالفین فی جواب امہات المومنین'' (۱۲۶۰ھ) ، ''بست سوال'' از الہ دین (۱۲۹۶ء) ، ''الٰہیاتِ نصاریٰ'' (۱۲۶۶ھ) ''تصدیق المسیح

۱- داستانِ تاریخِ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۸۸ -

۲- قاموس الکتب اردو : ج ۱ ، ص ۷۹۴ تا ۷۹۹ -

ورع کایم التضیح" (۱۲۶۸ھ) ، "اعجاز عیسوی" از رحمت اللہ کیرانوی (۱۲۶۹ھ)، "بروق لامعہ" از رحمت اللہ کیرانوی (۱۲۷۰ھ)، "البحث الشریف فی اثبات النسخ و التحریف کا خلاصہ" از رحمت اللہ کیرانوی و ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی (۱۲۷۰ھ) ، "معیار التحقیق" از رحمت اللہ کیرانوی (۱۲۷۰ھ) ، "تقلیب المطاعین" از رحمت اللہ کیرانوی (۱۲۷۰ھ) ، سیف المسلمین ، رد نصاریٰ" از شیخ حیدر علی قریشی (۱۲۷۰ھ) ، "طریق الحیات" (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) ، "مباحثہ مذہبی" از سید عبداللہ (۱۲۷۰ھ) ، "تشخیص المقال و تنقیح الاقوال" از ابوالمعین (۱۲۷۱ھ) اور "دفع التعلیقات" از محمد علی کان پوری (۱۲۷۲ھ)[1] -

انیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں فورٹ ولیم کالج کے مصنفین اور مناظرانہ کتابوں کے مؤلفین کے علاوہ بھی بہت سے علماء و ادباء نے دین کے بارے میں تصنیفی و تالیفی کام کیا - ان میں مولوی حافظ احمد مصنف "سراجِ ایمان" (۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء) مولوی محمد صفا مصنف "زادِ آخرت" (۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء) ، حافظ محمد علی مصنف "راہِ نجات" (۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء)، مولوی محمد حیات ، مصنف "سراج الحیات" (۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) ، مولوی عبدالقادر ، مصنف گلشنِ دین (۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء) اور مولوی ولی محمد مصنف "میخانۂ وحدت" (۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء) کے نام حامد حسن قادری نے مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی کی کتاب "یو - پی میں اردو" سے اخذ کر کے لکھے ہیں[2] -

اس عہد میں شاہ اسمٰعیل شہید (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے جو شاہ عبدالغنی کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے ، اپنے مذہبی عقائد کی توضیح کے لیے کئی کتابیں اردو زبان میں لکھیں، جن میں "تقویۃ الایمان" نے زیادہ شہرت پائی - "صراط مستقیم" اگرچہ مولانا سید احمد شہید سے منسوب ہے ، لیکن اسے مولانا عبدالحئی اور مولانا سید اسمٰعیل شہید نے مرتب کیا تھا - شیخ محمد اکرام "تقویۃ الایمان" کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر کہتے ہیں کہ "یہ انھوں نے اردو زبان میں اس وقت لکھی جب اس زبان کو ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا - حیرت ہوتی ہے کہ

۱- قاموس الکتب اردو : جلد اول ، ص ۸۰۰ تا ۸۲۸ -

۲- داستانِ تاریخِ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۱۶۳ ، ۱۶۴ -

اس زمانے میں جب اردو نثر میں گنتی کی کتابیں تھیں ، ایک صاحبِ کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا ہے اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے ۔ مولانا شہید کا ارادہ کلمہ' توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تفسیر لکھنے کا تھا ، چنانچہ آپ نے اس کی تشریح کی کہ ''ایمان کے دو جزو ہیں ۔ خدا کو جاننا اور رسولؐ کو رسول سمجھنا ، خدا کو خدا جاننا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے ۔ اس پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور دوسری کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت'' چنانچہ آپ نے اپنی کتاب کے دو باب ٹھہرائے ، پہلا بیان تو توحید اور شرک کے متعلق اور دوسرا بدعت کے خلاف اتباعِ رسولؐ کی تائید میں ۔ یہ کتاب نہ صرف مذہبی ، بلکہ ادبی نقطہ' نظر سے بھی بڑی اہم ہے ۔ اس کا طرزِ تحریر ایسا با اثر اور پُر زور ہے کہ بقول صاحبِ ''سیر المصنفین'' معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریائے ذخار امڈا چلا آتا ہے[1] ۔ ''تقویۃ الایمان'' کے علاوہ شاہ اسمعیل شہید کی کتابوں میں ''یک روزی'' جسے انھوں نے مسئلہ ''امتناع نظیر خاتم النبیین'' پر مولوی فضل حق خیر آبادی کے جواب میں صرف ایک دن میں تحریر کیا) ، ''رسالہ اصول فقہ'' ، ''منصبِ امامت'' ، ''عبقات'' ، ''ایضاح الحق الصریح الاحکام المیت الضریح'' اور ''تنویر العینین فی اثباتِ رفیع الیدین'' کے نام لیے جا سکتے ہیں ، جو سب دینی مسائل پر ہیں[2] مگر اردو زبان میں نہیں ہیں ۔

۱۸۵۷ء سے پہلے کئی اور اشخاص کے نام ملتے ہیں ، جنھوں نے اردو نثر کے ارتقاء میں حصہ لیا ، لیکن ان کے موضوعات دینی نہیں بلکہ علمی و ادبی ہیں ، مثلاً محمد حسن کلیم دہلوی ، جنھوں نے ''فصوص الحکم'' کا اردو میں پہلا ترجمہ کیا ۔ حکیم شریف خاں دہلوی (متوفی ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء) جنھوں نے قرآن مجید کا (پہلا) اردو ترجمہ ، شاہ عبدالقادر سے بھی تقریباً بیس سال پہلے کیا ، (لیکن جو آج تک قلمی و

۱- موجِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۳۸ ، ۳۹ ۔

۲- ایضاً ، ص ۳۰ ۔

گمنام ہے[1] ۔ سید انشاء اللہ خاں انشاء (متوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) جنھوں نے رانی کیتکی کی کہانی (۱۸۰۳ء) اور دریائے لطافت (۱۸۰۷ء) لکھیں ، مرزا رجب علی بیگ سرور (متوفی ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) ، جنھوں نے "فسانۂ عجائب" (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں تحریر کیں ، اور محمد بخش مہجور ، جنھوں نے داستان "نو رتن" (۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) کے علاوہ اور کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں[2] ، یہ سب لوگ اردو زبان و ادب کے محسنین ہیں ، لیکن ایک دو کو چھوڑ کر ان میں سے بیشتر کا دائرۂ کار اردو کا داستانی ادب ہے ، تاہم اُن کی کاوشوں سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ہماری زبان نے کس کس طرح ارتقائی مراحل طے کیے ، کن کن موضوعات کو اپنے اندر سمونے پر قدرت حاصل کی ، بیان کے کیسے کیسے سانچے وضع کیے اور سیرتِ رسولؐ پر قلم اُٹھانے والوں کے لیے کس قدر زمین ہموار کی ؟

۱- حامد حسن قادری لکھتے ہیں : "حکیم محمد احمد خاں دہلوی (متوفی ۱۹۲۷ء) کے پاس یہ پورا ترجمہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حکیم صاحب نے باوجود ترتیبِ لفظی کے تشریحی ترجمہ کیا ہے" (داستان تاریخ اردو : ص ۱۶۹) ۔

۲- داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۱۹۴ تا ۲۰۰ ۔

آردو میں سیرتِ رسولؐ کے منظوم نمونے

قدیم اردو میں سیرت النبیؐ کا بیشتر ذخیرہ منظوم ہے ، کیونکہ اس زمانے میں نثر سے زیادہ نظم میں دلچسپی لی جاتی تھی - جنوبی ہند میں بالخصوص اور برصغیر پاک و ہند کے دیگر علاقوں میں بالعموم ایسی نظمیں کثرت سے لکھی گئیں ، جو آنحضرتؐ کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں - حضور اکرمؐ کی زندگی کے واقعات بیان کرنے کے لیے مثنوی کی ہیئت سب سے زیادہ سوزوں تھی ، کیونکہ اس میں مسلسل واقعات کو بآسانی سمویا جا سکتا ہے - یہی وجہ ہے کہ قدیم اردو (دکنی) میں سیرۃ النبیؐ کا بڑا سرمایہ مثنوی کی شکل میں ہے - کہیں کہیں قصیدہ ، رباعی اور غزل کی ہیئت بھی استعمال کی گئی ہے ، لیکن مثنوی کے مقابلے میں یہ اصناف سخن تنگ داماں تھیں ، اس لیے سیرۃ النبیؐ کے واقعات منظوم کرنے کے لیے انھیں زیادہ اختیار نہیں کیا -

اردو میں "نامہ" کے لفظ کے ساتھ ترکیب پا کر نام حاصل کرنے والی تصانیفِ نظم و نثر ، دیگر اصناف کی طرح فارسی اثر کا نتیجہ ہیں - اس قسم کے نامے مثلاً پند نامہ ، شاہنامہ ، سیاست نامہ وغیرہ فارسی میں عام تھے - ان سے متاثر ہو کر برصغیر پاک و ہند کے شعراء نے چکی نامہ ، لوری نامہ ، پنکھا نامہ ، ڈھول نامہ ، چرخہ نامہ ، قیامت نامہ ، ماں باپ نامہ ، فقر نامہ ، عبرت نامہ ، ظفر نامہ ، وصیت نامہ ، فالنامہ ، خواب نامہ ، میلاد نامہ ، معراج نامہ ، شمائل نامہ ، وفات نامہ اور نور نامہ وغیرہ کے نام سے نظمیں لکھیں ، جن میں سے بیشتر مذہبی موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں - شمالی اور جنوبی ہند میں اس قسم کے نامے مختلف زبانوں میں کثرت سے لکھے گئے ہیں اور اردو کا دامن بھی ان سے خالی نہیں -

اردو میں میلاد نامے ، معراج نامے ، وفات نامے ، شمائل نامے اور نور نامے وغیرہ آنحضرتؐ کی حیاتِ مقدسہ اور سیرتِ طیبہ کے بعض

مخصوص پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں ، بیشتر "نامے" مثنویوں کی شکل میں ہیں ، لیکن اِکا دُکا نامے خالصتاً نثر میں ہیں ۔ بعض "ناموں" میں نثر اور نظم کا امتزاج ہے ۔

دکن میں کثرت سے میلاد نامے ، معراج نامے ، وفات نامے ، شمائل نامے اور نور نامے وغیرہ لکھنے کا رواج مذہبی عقیدت مندی کی وجہ سے ہوا ۔ نبی کریمؐ کی زندگی کے واقعات مسلمانوں کے لیے نمونۂ کامل کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اُس اسوۂ حسنہ کی تقلید میں اُن کی دنیا بھی سنورتی تھی اور آخرت بھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانے میں یہ نامے کثیر تعداد میں لکھے گئے ۔ انھیں پڑھنے کے لیے گھر گھر محفلیں منعقد ہوتی تھیں ، شرکاء محفل میں شیرینی تقسیم ہوتی تھی اور منّتیں مانی جاتی تھیں ۔ منّت پوری ہونے پر میلاد اور معراج نبویؐ کے بیان کی محفلیں شعراء کے لیے محرک کی حیثیت رکھتیں اور وہ ثواب کے حصول کی خاطر ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ۔ میلاد نامے ، معراج نامے وغیرہ لکھنے کے لیے اُن کے سامنے فارسی شاعری کی مثال موجود تھی ۔ بعض فارسی مثنویوں میں حمد و نعت کے علاوہ ولادتِ نبویؐ اور معراج نبویؐ کے مستقل عنوانات بھی ہوتے تھے ۔ قدیم اردو (دکنی) کی اکثر مثنویاں یا تو فارسی سے ترجمہ کی گئی تھیں یا اُن سے ماخوذ تھیں ، اس لیے دکنی شعراء نے نہ صرف ان کو اردو نظم میں منتقل کیا ، بلکہ باقاعدہ طبع زاد مثنویاں بھی لکھیں ، جنھیں موضوع کی مناسبت سے مولود نامہ ، معراج نامہ ، وفات نامہ ، شمائل نامہ یا نور نامہ کا نام دیا گیا ۔

مولود نامہ وہ نظم ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا حال قلم بند کیا جاتا ہے ۔ بنیادی طور پر تو یہ صنف حضور اکرمؐ کی پیدائش کے لیے وقف ہے لیکن بیشتر مولود ناموں (یا میلاد ناموں یا تولد ناموں) میں آپؐ کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں ۔ گویا مولود نامہ منظوم سیرتِ رسول اکرمؐ کا دوسرا نام ہے ۔

معراج نامہ ، وہ نظم ہے جس میں آنحضرتؐ کی زندگی کے ایک محیر العقول واقعہ ، "معراج" کا حال بیان کیا جاتا ہے ، جب آپؐ نے

راتوں رات مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا طویل سفر طے کیا اور بُراق پر سوار ہو کر حضرت جبرئیلؑ کی رہنمائی میں آسمانوں کی سیر کر کے واپس تشریف لائے ۔ اکثر معراج ناموں میں اس مہتمم بالشان واقعہ کو افسانوی شکل میں پیش کیا گیا ہے ۔

وفات نامہ ، وہ نظم ہے جس میں آنحضرتؐ کے سانحۂ ارتحال کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں ۔ آنحضرتؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کا واقعہ اتنا اندوہناک تھا ، اور آپؐ کے اہلِ خانہ اور صحابہ کرام نے اسے اتنی شدت سے محسوس کیا کہ وہ شعراء کی طبع آزمائی کے لیے ایک زبردست محرک ثابت ہوا ۔ وفات ناموں میں آنحضرتؐ کی آخری علالت ، شدتِ مرض ، وفات ، غسل اور تجہیز و تکفین کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے ۔

شمائل نامہ ، وہ نظم ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ظاہری جسم کی صفات بیان کی جاتی ہیں ۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں شامل شمائل نبویؐ کی احادیث کے علاوہ امام ترمذی کی اس موضوع پر باقاعدہ کتاب (شمائلِ ترمذی) تمام منظوم اردو شمائل ناموں کا ماخذ ہے ۔ شمائل ناموں میں حضور اکرمؐ کے حلیۂ مبارک کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں اور جسم اطہر کے ہر عضو کی تعریف کی جاتی ہے ۔ شکل و صورت کے علاوہ حضور اکرمؐ کی عادات و خصائل اور اخلاقِ عالیہ کا تذکرہ بھی شمائل ناموں کا ایک اہم جزو ہے ۔

نور نامہ وہ نظم ہے جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی تخلیق سے پہلے اپنے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نور پیدا کیا ۔ نور محمدیؐ کے بیان کے لیے عموماً احادیث و روایات کا سہارا لیا جاتا ہے اور یہ موضوع نظم و نثر دونوں میں بے حد مقبول ہے ۔ چنانچہ قدیم اردو (دکنی) میں لکھی ہوئی تمام کتبِ سیرتؐ کا آغاز کم و بیش اسی موضوع سے ہوتا ہے ۔

ذیل میں اُن مولود ناموں ، معراج ناموں ، وفات ناموں ، شمائل ناموں اور نور ناموں کی ایک مختصر فہرست دی جاتی ہے ، جو بر صغیر پاک و ہند میں ابتداً اردو میں لکھے گئے اور جو آنحضرت کی سیرتِ مقدسہ کے چند اہم پہلوؤں سے روشناس کراتے ہیں ۔ اُن میں سے اکثر نظم میں ہیں ،

چند ایک نثر میں ہیں اور بعض میں نظم و نثر کا امتزاج پایا جاتا ہے ۔

مولود نامے

مصنّف	تصنیف	سالِ تصنیف	نوع
عبدالمالک بھروچی	مولود نامہ (یا تولد نامہ)	۱۰۰۹ھ	مثنوی
عبداللطیف	مولود نامہ	۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء	,,
مختار	مولود نامہ	۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء	,,
فتاحی	مولود نامہ (یا مفید الیقین)	۱۰۹۵ھ/۱۶۸۴ء	,,
شاکر	مولود نامۂ نبیؐ	۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء	,,
امین گجراتی	تولد نامہ	۱۱۰۴ھ/۱۶۹۲ء	,,
شریف	تولد نامہ	۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء	,,
رحمت اللہ الہ آبادی	مولود نامہ	۱۱۵۲ھ/۱۷۴۰ء	,,
رؤف احمد بھوپالی	مولود محمدیہؐ (منظوم)	۱۱۷۳ھ/۱۷۶۱ء	,,
قاسم	مولود النبیؐ	نامعلوم	,,
احمد یار خاں	رسالہ مولود مسعود مولود النبیؐ (منظوم)	۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء اور ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء کے درمیان ، ۱۲۷۰ھ طبع بمبئی	نثر مثنوی
محمد کفایت علی کافی مراد آبادی	مولود شریف بہاریہ	۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء سے قبل	,,

معراج نامے

مصنف	تصنیف	سالِ تصنیف	نوع
سید بلاق	معراج نامہ	۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء	مثنوی
معظم	,, ,,	۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء	,,
مختار	,, ,,	۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء	,,

فتاحی	معراج نامہ	۱۰۹۵ھ/۱۶۸۳ء	مثنوی
امین گجراتی	,, ,,	۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء	,,
ہاشمی (سید میراں)	,, ,,	۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء	,,
اعظم	,, ,,	۱۱۲۰ھ	,,
ابوالحسن قربی	,, ,,	۱۱۳۰ھ	,,
محمد بن مجتبیٰ مہدوی	,, ,,	۱۱۸۱ھ	,,
شاہ کمال	,, ,,	م/۱۱۰۹ء/۱۶۹۷ھ	,,
کمال الدین کمال	,, ,,	۱۱۹۱ھ	,,
میر قدرت اللہ قاسم	زبدۃ الاخبار	۱۲۰۴ھ/۱۷۹۰ء	,,
شاہ رؤف احمد رافت	مرغوب القلوب فی معراج المحبوب	م/۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء	نثر
ضمیر	معراج نامہ	نامعلوم	,,
صاحب اورنگ آبادی (لچھمی نارائن)	,, ,,	نامعلوم	,,

وفات نامے

مصنف	تصنیف	سالِ تصنیف	نوع
امامی	وفات نامہ سرور کائنات ؐ	۱۱۳۰ھ سے قبل	مثنوی
عبداللطیف	وفات نامہ	۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء	,,
عالم گجراتی	,, ,,	۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء	,,
امین گجراتی	,, ,,	۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء	,,
عبدالمالک بہروچی	,, ,,	نامعلوم	,,
دریا (علی بخش)	وفات نامۂ سرورکائنات ؐ	۱۱۱۱ھ	,,
میر ولی فیاض ولی	وفات نامہ	۱۱۵۱ھ	,,
میر	وفات نامۂ پیغمبر ؐ	نامعلوم	,,
افصحی	وفات نامہ	,,	,,
نامی	وفاتِ نبی ؐ	,,	,,
نصرت علی	وفات نامہ	,,	,,
محمد محسن علمی	,, ,,	,,	,,
ذوقی	,, ,,	,,	,,

شمائل نامے

مصنف	تصنیف	سالِ تصنیف	نوع
عثمان	شمائل محمدیؐ یا شمائل نامہ	نامعلوم	مثنوی
عبدالمحمد ترین	شمائل النبیؐ یا شمائل نامہ (پشتو سے دکنی میں منظوم ترجمہ	۱۱۵۰ھ سے قبل	”

نور نامے

مصنف	تصنیف	سالِ تصنیف	نوع
مراد نابینا	نور نامہ	۱۰۵۴ھ/۱۶۴۴ء	مثنوی
امین الدین اعلیٰ	” ”	م/۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء	”
احمد	” ”	۱۰۸۹ھ	”
شاہ عنایت اللہ قادری	” ”	۱۱۱۱ھ	”
شریف	” ”	۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء	”
مختار	” ”	نامعلوم	”
ملک خوشنود	” ”	”	”
سیدی	” ”	”	”

منظوم کتبِ سیرت

مصنف	تصنیف	سالِ تصنیف	نوع
ولی ویلوری	روضۃ الانوار	۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء	مثنوی
نوازش علی شیدا	اعجاز احمدی (چار جلدیں)	۱۱۸۶ھ	”
	گلشنِ ایمان	نامعلوم	”
محمد باقر آگاہ	ہشت بہشت (آٹھ رسائل)	۱۱۸۵ھ تا ۱۲۰۶ھ	مثنوی (دیباچے نثر میں ہیں)

مخدوم حسینی	معجزاتِ رسالت	نامعلوم	مثنوی
نامی	مدینۃ الانوار	۱۲۱۳ھ	،،
غلام محمود حسرت	ریاض السیر	۱۲۳۷ھ	،،
سید امیرالدین حسین	ممتاز التفاسیر	۱۲۵۰ھ	مثنوی (نثر بھی شامل ہے)
تجلی (تجلی علی بن محمد حسین)	روضۃ الانوار	قبل ۱۲۵۰ھ	مثنوی

دیگر منظوماتِ سیرت

مصنف	تصنیف	سالِ تصنیف	نوع
سلطان محمد قلی قطب شاہ	عید میلاد النبیؐ (چھ نظمیں)	نامعلوم	نظم
	عیدِ بعثتِ نبویؐ (پانچ نظمیں)	،،	،،
	شبِ معراج (ایک نظم)	،،	،،
قدرتی	قصص الانبیاء (رسولِ اکرمؐ کے حالات میں ہجرتِ حبشہ کا ذکر)	نامعلوم	مثنوی
جنونی	معجزہ	۱۱۰۲ھ	قصیدہ
ولی	دو نعتیہ قصائد	م/۱۱۵۵ھ	قصیدہ[1]

۱- اس فہرست کی تیاری میں درج ذیل کتب و رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے:

(۱) دکھنی کے چند تحقیقی مضامین (نصیر الدین ہاشمی)

(۲) تاریخ ادب اردو : جلد اول (ڈاکٹر جمیل جالبی)

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

(۳) اردو نثر کا آغاز و ارتقاء (ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ)

(۴) جائزہ مخطوطاتِ اردو : جلد اول (مشفق خواجہ)

(۵) تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند : چھٹی جلد ، اردو ادب (اول) دانش گاہ پنجاب ۔

(۶) اردو میں نعتیہ شاعری : (ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق)

(۷) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ، پہلی جلد (مقدمہ) مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی

(۸) دکنی ادب کی تاریخ : (ڈاکٹر محی الدین قادری زور)

(۹) "صریرِ خامہ" : حیدر آباد سندھ (نعت نمبر)

اردو میں سیرتِ رسولؐ کے نثری نمونے

منظوم کتبِ سیرت کی طرح ، قدیم اردو نثر میں بھی سیرتِ رسولؐ پر اِکا دُکا کتابیں مل جاتی ہیں - نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ "دکھنی نثر میں ہم کو (سیرتؐ کی) صرف تین کتابوں کا پتہ چلا ہے ، یعنی "ریاض السیر ، ممتاز التفاسیر اور فوائد بدریہ"[1]- یہ بات بڑی حد تک درست ہے - البتہ اس مختصر فہرست میں "تجلیات الانوار" جیسی ایک آدھ کتاب کا مزید اضافہ ہو سکتا ہے - لیکن اگر ہم خود کو جنوبی ہند تک محدود نہ رکھیں اور شمالی ہند کو بھی شامل کر لیں تو اردو میں لکھی گئی کتبِ سیرت کی تعداد اتنی حوصلہ شکن نہیں رہتی - چنانچہ ابتدا سے لے کر ۱۸۵۷ء تک اردو نثر کی کتبِ سیرت میں ریاض السیر ، ممتاز التفاسیر ، فوائدِ بدریہ اور تجلیات الانوار کے علاوہ انوارِ محمدیؐ ، وسیلۃ النجات ، محافل الانوار ، مولود مسعود ، مرغوب القلوب فی معراج المحبوبؐ ، جلاء القلوب بذکر المحبوبؐ ، معراج نامہ اور وفات نامہ (حافظ دراز پشاوری) ، کسب النبیؐ (ظہورالحق)، معراج نامہ ، (جان محمد)، ریاضِ سیر ، کشف الاسرار فی خصائص سیدالابرارؐ اور چار باغِ احمدیؐ وغیرہ کے نام بھی لیے جا سکتے ہیں - یہ درست ہے کہ ان میں سے بیشتر کتابیں روائتی طرز کے نثری مولود نامے ، وفات نامے ، معراج نامے اور نور نامے ہیں ، جو محافلِ میلاد میں یا عید میلاد النبیؐ کے موقع پر پڑھنے کے لیے لکھے گئے ، لیکن ان میں چند کتابیں یقیناً ایسی نکل آتی ہیں جو عربی کی مستند کتبِ سیرت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں اور جن کے مؤلفین نے بساط بھر کوشش کی ہے کہ اردو زبان بھی آنحضرتؐ کی

۱- دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین : نصیر الدین ہاشمی ، ص ۳۵ -

حیاتِ مبارکہ اور سیرت و کردار کی جھلکیوں سے محروم نہ رہے -

تحقیق کے ذریعے اب تک جن کتابوں کا پتہ چلا ہے ، اُن میں سیرت کی مکمل اور قدیم ترین کتاب محمد باقر آگاہ کی "ریاض السیر" ہے ، جو ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء سے قبل تصنیف ہوئی - اس کتاب میں آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر انتقال تک کے واقعات درج ہیں ، لیکن ایک کتاب ایسی بھی ہے ، جو اس سے قدیم ہے اور بڑی حد تک واقعاتِ کربلا پر مشتمل ہے ، لیکن اس کی ابتدا میں حضور اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام کی رُوداد بڑے دردناک انداز میں بیان کی گئی ہے - یہ کتاب فضل علی فضلی کی "کربل کتھا" ہے ، جس کا پہلا مسودہ مصنف نے ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء - ۱۷۳۳ء میں تیار کیا اور پھر سولہ سال بعد ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء - ۱۷۴۹ء میں نظرثانی کر کے مکمل کیا[1] -

فضلی کی یہ کتاب مُلّا حسین واعظ کاشفی (م/۹۱۰ھ) کی "روضۃ الشہدا" کے کسی خلاصے کا اردو ترجمہ ہے کیونکہ "روضۃ الشہدا" کے پہلے اور دوسرے باب میں "اِبتلاء بعضے از انبیا؏" اور "جفائے قریش با حضرت رسالتؐ پناہ" اور تیسرے باب میں رحلتِ سید المرسلین کے واقعات درج تھے ، جبکہ فضلی کی "کربل کتھا" کی صرف پہلی مجلس میں وصالِ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر ہے ، جو ۱۲ صفحات میں سمیٹا گیا ہے - فضلی نے وصالِ نبویؐ کے المناک سانحہ کا ذکر کرتے وقت وہی انداز اختیار کیا ہے جو مجالسِ محرم کی عام خصوصیت ہے یعنی رقت پیدا کرنے کے لیے واقعات کا جذباتی پہلو اُبھارا گیا ہے - ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

حضرتؐ نے فاطمہ علیہا السلام کوں چھاتی سے لگا ، ایک لمحہ آنکھیں موندیں ، گویا کہ روحِ مقدس بدنِ اطہر سے جدا ہوئی - فاطمہ؏ نے کان نزدیک لے جا کر کہا ، اے بابا ! اے بابا ! کچھ جواب نہ سونی ، پھر رو کر کہی ، "اے پدر! جان میرا قربان تیرے ، کیوں

۱- کربل کتھا : فضل علی فضلی ، ادارہ تحقیقات اردو ، پٹنہ ، ۱۹۶۵ء ص ۱۶ (مقدمہ از مالک رام ، مختار الدین احمد) -

جواب نہیں دیتا ، ذرا آنکھیں کھول اور مجھ دوکھیا سے بول" حضرت نے آنکھ کھول کر کہا ، "اے فرزند ! مت رو ، کہ تیرے رونے سے حاملانِ عرش روتے اور اپنے ہاتھ سے آنسو فاطمہ کی آنکھوں سے پونچھ کہے ، "بار خدایا ! فاطمہ کوں میری خدائی میں صبر دے ۔"[1]

"کربل کتھا" کے مرتبین ، مالک رام اور مختار الدین احمد کی رائے میں فضلی نے قرآن و حدیث ، سیر اور تاریخِ اسلام کا خاصا مطالعہ کیا ہے جس کا اندازہ اس کتاب کے مواد سے بھی ہوتا ہے ۔ مصنف نے واقعات بیان کرنے وقت محض تخیل سے کام نہیں لیا ، بلکہ کوشش کی ہے کہ کتبِ سیر و تاریخ میں موجود روایات کی مدد سے آنحضرت کے مرض الموت سے وفات تک کا حال بیان کرے ۔ مثال کے طور پر درجِ ذیل عبارت ملاحظہ ہو :

"جب حضرت کوں دردِ سر شروع ہوا ۔ اپنے سر کوں عمامے سے باندھا ۔ اس روز نوبت میمونہ محل کی تھی ۔ جب آزار حضرت کی نے زیادتی کی ۔ نوویں اجمل جمع ہوئے ، تب حضرت فاطمہ فرمائی کہ حضرت کوں ہر روز ہر ایک کے گھر جانے میں تصدیعہ ہوئے گا ۔ ایک جا مقرر کرو ۔ پس سب محل عائشہ کے گھر راضی ہو ، حضرت میمونہ کے گھر سے باہر آ ، ایک ہاتھ حضرت امیر کے کاندھے پر اور ایک فضل ابن عباس کے کاندھے پر رکھ ۔ پانو مبارک زمین پر اینچتے ، عائشہ کے حجرے لگ تشریف لا ، فرشِ بیماری پر تکیہ فرمائے ۔"[2]

فضلی کی "کربل کتھا" شمالی ہند میں آردو نثر کی اولین کتابوں میں سے ایک ہے ۔ اگرچہ حامد حسن قادری نے اشرف جہانگیر سمنانی کے اخلاق و تصوف پر ایک رسالے کو (جو ۸۰۷ھ/۱۳۰۸ء میں تصنیف ہوا) اولیت کا اعزاز بخشا ہے ۔ مگر چونکہ یہ رسالہ ناپید ہے ، اس لیے اس کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے ۔ "کربل کتھا" کا نسخہ دریافت ہو چکا ہے اور شمالی ہند میں اب تک اس سے قدیم تر کوئی اور

۱- کربل کتھا : فضل علی فضلی ، ادارۂ تحقیقاتِ آردو ، پٹنہ ۱۹۶۵ء ص ، ۶۶ اور ۶۷ (مقدمہ از مالک رام ، مختار الدین احمد)
۲- ایضاً ، ص ۶۱ ، ۶۲ ۔

کتاب تا حال منظرِ عام پر نہیں آئی ، اس لیے اسے اس حیثیت سے بھی یادگار اہمیت کا حامل سمجھا جائے گا ۔ "کربل کتھا" کے مرتبین کے بقول "کربل کتھا دہلوی زبان کا اوّلین نقش ہے ۔ ابھی تک یہاں اس سے پہلے کی کوئی ترجمہ شدہ یا مستقل تصنیف نہیں ملی ۔"[1]

ریاض السیر

اُردو نثر میں سیرت کی قدیم ترین کتاب محمد باقر آگاہ (۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء - ۱۲۲۰/۱۸۰۵ء) کی "ریاض السیر" ہے ۔ اس کے دو نام اور بھی ہیں ، یعنی حقیقتِ نور محمدیؐ اور مولود شریف ۔ نصیر الدین ہاشمی بتاتے ہیں کہ اس کے تین قلمی نسخے حیدر آباد کی سنٹرل لائبریری (کتب خانۂ آصفیہ) میں موجود ہیں ۔[2]

"ریاض السیر" کی ابتدا میں نور محمدیؐ کا ذکر ہے اور اس کے بعد حضورِ اکرمؐ کی پیدائش کا حال قلم بند کیا گیا ہے ۔ مجموعی طور پر یہ کتاب آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر آپؐ کے وصال تک کا حال بیان کرتی ہے ۔ اس کا سنِ تصنیف ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء سے قبل کا ہے ۔

"ریاض السیر" کا ماخذ معروف عربی کتبِ سیرت ہیں اور یہ اسلوب میں بھی انھیں کا تتبع کرتی ہے ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی رائے درست ہے کہ اس کتاب کے جملوں کی ساخت پر عربی کا اثر غالب ہے ۔[3] بلکہ بعض جگہوں پر تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے عربی عبارت کا براہِ راست اردو ترجمہ ہو رہا ہے ۔ مثلاً آنحضرتؐ کی پیدائش کے باب میں محمد باقر آگاہ لکھتے ہیں :

"جب حمل آمنہ کا دو ماہیہ ہوا ۔ بقول مشہور وفات پائی والد ماجد آنحضرتؐ کی کہ عبداللہ نام رکھتی ہے ۔ جب گزری چھ مہینے حمل شریف حضرتؐ کی سی پھر دیکھا والدہ شریفہ حضرتؐ کی نے خواب میں فرشتہ

۱- کربل کتھا ، فضل علی فضلی ، ص ۲۴ (مقدمہ) ۔
۲- دکنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین ، نصیر الدین ہاشمی ، ص ۴۶ ۔
۳- اردو نثر کا آغاز و ارتقاء ، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، ص ۴۴۳ ۔

کو کہ کہتا ہے ، "ای آمنہ ! بشارۃ پہونچی کہ حاملہ ہوئی ساتھ ۔ امل تو اے دین خیر العالمین کے ، جب کہ وہ پیدا ہوں تو نام محمدؐ رکھیو ۔ روایت کی ہے ابو نعیم نے ابن عباس سے جب کہ نو مہینے حمل شریف کے منقطع ہوئے ، آسیہ اور مریم شب تولد حوروں کو لے کر حاضر ہوئے بارھویں تاریخ ربیع الاول کے روز دو شنبہ کا تھا ۔ وقت فجر کے یا تیسری یا آٹھویں یا دسویں ربیع الاول کے اس مہر سپہر نبوت ماہ سیما رسالہ نے مطالع فلک سعادت سی نور شہود دیکھایا اور قدوم میمنت لزوم برج حمل سے بار لا کر نور ظہور اپنی سی زمین و زمان کا شرف کیا ہے غلط کیے اگر پیدا وہ مہ پارا ہوا ، ماہ شرمندہ ہوا جلوہ کر بارا ہوا ، یہاں سامان مولود شریف کو چاہیے کہ حضرتؐ پر صلواۃ بھیجیں واسطے تعظیم سر و چمن جلالت کی یا رب اس روح معظم پر کہ انبار مدام بہ نہایت صلواۃ اور تحیات و سلام و مرحبا کہ ایسا ماہ خوش نما مطلع غیب سے طلوع ہوا اور ایسا آفتاب جہاں تاب آفق پر غیب سے شیوع ہوا ظلمات گو اور عصیان کے ساتھ شعلۂ احسان عرفان کے مشتعل ہوئے"[1] ۔

پھر ولادت کے بعد کا بیان اس طرح ہے :

"آپ نے جیسا یہاں قدم رنجہ کیا ، اپنی چہرے سی طلوع یک مہ کیا ، دفع کی ظلمت کدورت یہ کہ واہ سب کا سب پچھلائی دفتر تہیہ کیا تخت فلک الافلاک سے نقطہ مرکز خاک تک اور سطح عرش بریں سے تخت فرش تک نام تاریکی کا باقی نہ رہا کیونکہ وہ ماہ میں کب یہ نور ہے اور ہے کچھ یہ شان اور ہے کچھ ظہور ہے ، جتنے جن اور شیاطین تھے آسمان پر جانے سے باز آئے ، اور ستارے زمین سے آن سے نزدیک دکھائی دیتے تھے گویا زمین پر کوئی بالکل اتیں حرم کے روشن ہوئی اور اک اہل فارس کے ہزار برس سے جلتے تھے کرے اور اہل فارس مشک و عنبر اس میں ڈال ڈال پوجتے تھے ، بجھ گئے اور فزا شمع عرب کیا ہوئی آتش فارس وہیں مردہ ہوئے ، جس گھڑی حضرتؐ نے اس گلزار گلشن برائے عالم ارواح سے اس چار بازار اشیاح میں کدور پہلے سجدہ کیا ، بد

۱- ریاض السیر ، محمد باقر آگاہ ، مخطوطہ نمبر ۳۵ ، کتب خانہ آصفیہ ، فن سیر ، نیز مخطوطہ نمبر ۳۸۰ ۔

اس کے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف آٹھائی اور سر مبارک کو آٹھا کر فرمایا ''لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ''۔ عبدالمطلب اور ابولہب نے اس مژدۂ جاں بخش کو سن کر بہت شادی کیے ۔ ابولہب نے اس مژدۂ مانوتیہ پر نام اپنی لونسے کو کہ اس نے خبر تولد شریف حضرتؐ کے رو سے بیجا ہے آزاد کیا اوسی خوشی کا یہ سبب ہے کہ ابی لہب کو ہر دو شنبہ کو تخفیف عذاب کے ہوتی ہے اور شب ولادت حضرتؐ کی سی تا تین روز کعبہ معظمہ فرحت اور سرور قدوم میمنت لزوم حضرت کی سی ملتا رہا''[1]۔

حضورؐ کے غزوات ، حج اور عمروں کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

''مدتِ اقامت حضرتؐ کی مدینہ منورہ میں بالاتفاق دس برس ہے - اس دس برس میں غزوات ساتھ قول مشہور کے بائیس ہیں اور روایت ہے زید بن ارقم سے کہ ''غزا کیے میں نے ہمراہ حضرتؐ کے سترہ بار'' اور کہا ابن اسحاق اور ابومعشر اور موسیٰ بن عقبہ نے کہ مشہور یہ ہے کہ آپؐ بائیس غزوات میں تشریف لے گئے اور سرایا پچاس ہوئے۔ مقابلہ نہیں فرمایا آپؐ نے مگر سات میں ۔ غزوۂ بدر ، غزوۂ اُحد ، غزوۂ بنی قریظہ ، غزوۂ بنی المصطلق ، غزوۂ خیبر ، غزوۂ طائف اور بعضے لکھتے ہیں کہ غزوہ واوی السری اور غزوہ غابہ اور غزوہ بنی النصر میں بھی مقابلہ کیا اور تمام عمر شریف میں تین حج کیے ۔ دو حج آگے ہجرت کے ایک حج بعد فرض ہونے حج کے کہ سال چھٹے میں ہوا ۔ یہ حج سال دسویں میں حجۃ الوداع تھا ۔ اس حج میں سو اونٹ نحر کیے ، ساٹھ اپنےؐ ہاتھ سے اور چالیس حضرت علیؓ کو دیئے اور چار عمرے کیے، بعد ہجرت کے''[2] -

آنحضرتؐ کے غلبۂ مرض اور وفات سے پہلے کے واقعات کا ذکر یوں ہوا ہے :

۱- ریاض السیر ، محمد باقر آگاہ ، مخطوطہ نمبر ۳۵ ، کتب خانہ آصفیہ ، فنِ سیر نیز مخطوطہ نمبر ۴۰۸ ، نیز اردو نثر کا آغاز و ارتقاء ، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، ص ۴۴۴ ، ۴۴۵ -

۲- ایضاً ، نیز دکنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین ، نصیر الدین ہاشمی ، ص ۳۶ -

"چہار شنبہ کو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ پر تکیہ لگا کر مسجد میں تشریف لا کر بعد حمد و ثنا کے فرمایا : اے لوگوں ! عنقریب میں یہاں سے عالمِ بقا کو کوچ کرتا ہوں ، جس کسی کا حق میرے ذمے ہو تو بتا دو کہ ادا کروں - ایک نے عرض کیا ، یا رسول اللہ ! آپؐ نے تین اوقیہ دینے کا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا - آپؐ نے تین اوقیہ فضل بن عباسؓ سے اوس شخص کو دلوا دیئے - جمعہ کے دن پھر مسجد میں رونق افروز ہو کر خطبہ پڑھا اور بہت سے تبلیغ احکام کی تعلیم فرمائے - بعد فراغ نماز کے میمونہ کے گھر تشریف لے گئے - وہاں زیادہ تر غلبہ مرض کا ہوا - عائشہ صدیقہ فرماتے ہیں کہ ابتدا مرض کی میمونہ کے گھر میں ہوئی تھی ، وہاں سے میرے حجرے میں قدم رنجہ فرمایا"[1] -

"ریاض السیر" کے ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۱۰ھ سے قبل کی تصنیف ہونے کے باوجود[2] اس کی زبان سادہ ، رواں اور عام فہم ہے - اِکا دُکا الفاظ سے قطع نظر، یہ زبان آج کی زبان سے زیادہ دور نہیں - دراصل محمد باقر آگاہ کی "ریاض السیر" کا بالخصوص اور ان کی دیگر کتابوں کا بالعموم یہ مقصد ہے کہ نیم خواندہ مردوں اور عورتوں کو دین اور دینی شخصیات سے روشناس کرایا جائے - اپنی مشہور تصنیف "ہشت بہشت" (۱۱۸۵ھ تا ۱۲۰۶ھ) جو آٹھ حصوں پر مشتمل نظم میں "سیرت النبیؐ" ہے ، کے نثری دیباچے میں اس مقصد کو یوں بیان کیا ہے :

"بعض علماء متاخرین خلاصہ عربی کتابوں کا نکال کر فارسی میں لکھے ہیں تا وہ لوگ جو عربی پڑھ نہیں سکتے اُن سے فائدہ پاویں لیکن اکثر عورتاں اور امیاں فارسی سے بھی آشنا نہیں ہیں ، اس لیے یہ عاصی مطلب قسم اول کا بہت اختصار کے ساتھ لے کر دکھنی رسالوں میں بولا ہے[3] -

---

۱- ریاض السیر : محمد باقر آگاہ ، مخطوطہ نمبر ۳۵ ، کتب خانہ آصفیہ فنِ سیر نیز مخطوطہ نمبر ۳۸۰ ، ص ۳۷ -

۲- ایضاً ، ص ۳۶ -

۳- ہشت بہشت : محمد باقر آگاہ ، مخطوطہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن بحوالہ اردو نثر کا آغاز و ارتقاء : ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص ۳۳۵ ، ۳۳۶ -

پھر اسی بات کو شعر کی زبان میں یوں بیان کیا ہے -

دکھنی میں کہا ہوں اس لئے میں   تا ہوئے سمج عوام کے تئیں
تا سر برا میاں ہور عورات   ہونے ستی اس کے پاویں لذات[1]

محمد باقر آگاہ کی تصانیف کی تعداد تین سو سے اوپر بتائی جاتی ہے ، جن میں سے سولہ کتابیں اردو کی ہیں[2] اور ان سولہ کتابوں میں سے دو کتابیں ''ریاض السیر'' اور ''ہشت بہشت'' آنحضرت کی سیرت سے تعلق رکھتی ہیں -

ہشت بہشت

ہشت بہشت کا موضوع بھی ''ریاض السیر'' کی طرح سیرت النبی ہے ، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ''ریاض السیر'' نثر میں ہے اور ''ہشت بہشت'' (آٹھ حصوں پر مشتمل) نظم ہے - یہ حصے درج ذیل ہیں ، اور سب مثنوی کی ہیئت میں ہیں -

۱- من دیپک، (نور محمدی کا تذکرہ) سن تالیف ۱۱۸۵ھ - ص ۲۶ -
۲- من ہرن ، (نبوت کی بشارتوں کا بیان)
۳- من سوہن (آنحضرت کی پیدائش کا تذکرہ) سن تالیف : ۱۱۸۶ھ
۴- جگ سوہن (حضور اکرم کی آٹھ سال کی عمر سے وفات تک کے حالات کا بیان)
۵- آرام دل (اخلاق و شمائل نبوی کا تذکرہ)
۶- راحت جاں (آنحضرت کے خصائص کا حال)
۷- من درپن (معجزات نبوی کا بیان) سن تالیف ۱۲۰۶ھ

۱- ہشت بہشت : محمد باقر آگاہ ، مخطوطہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن بحوالہ اردو نثر کا آغاز و ارتقا : ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، ص ۴۴۵ ، ۴۴۶ -
۲- مخطوطات انجمن ترقی اردو (اردو) جلد اول مرتبہ افسر صدیقی امروہوی و سید سرفراز علی ، ص ۴۱ ، ۴۲ -

۸- من جیون (آنحضرتؐ کے آداب ، آپؐ سے محبت ، آپؐ کے روضۂ مبارک کی زیارت اور آپؐ پر درود کے فضائل کا تذکرہ)

"ہشت بہشت" کی تصنیف بقول مصنف ۱۱۸۵ھ سے ۱۲۰۶ھ کی درمیانی مدت میں ہوئی اور اس کے مخطوطات ہندوستان کے کئی کتب خانوں میں موجود ہیں - انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں بھی اس کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے - ۱۹۲۳ء میں مولانا باقر مرحوم کے نواسے سید احمد کے اہتمام سے ہشت بہشت کی اشاعت و طباعت مطبع کشن راج مدراس میں ہوئی تھی - علاوہ ازیں مطبع عزیزیہ اور مخزن الاخبار نے مشترکہ طور پر ۱۲۷۰ھ میں بھی اسے شائع کیا تھا - یہ دونوں مطبوعہ نسخے انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں موجود ہیں[1] -

"ہشت بہشت" کے شروع میں پانچ صفحات کا ایک نثری دیباچہ ہے اور پھر ہر فصل کی ابتدا میں ایک مختصر نثری دیباچہ ہے ، بطور نمونہ پہلے دیباچہ کی عبارت ملاحظہ ہو :

"ان آٹھ رسالوں میں تخمیناً آٹھ ہزار اور چھ سو اوپر پچاس بیت ہیں اور سرخیوں کے ساتھ نو ہزار بیت ہوویں گے اور ان سب رسالوں میں شاعری نئیں کیا ہوں بلکہ صاف اور سادہ کہا ہوں اور اردو کے بھاکے میں نئیں کہا ، کس واسطے کہ رہنے والے یہاں کے اس بھاکے سے واقف نہیں ہیں - ارے بھائی ! یہ رسالے دکھنی زبان میں ہیں کر کر سہل اور سرسری نہ جان ، کیا واسطے کہ بڑے معتبر کتب سے تحقیق کر کر لکھا ہوں - اگر وہ تمام کتاباں تو دیکھے گا یا کسی سے سنے تو تجھے قدر ان رسالوں کی معلوم ہوگی"[2] -

یہی حال ہر حصے کا ہے ، یعنی مصنف نے ہر رسالہ کے آغاز میں نثر میں زیر بحث موضوع کی تشریح کی ہے مثلاً پہلے رسالہ "من دیپک" کی

۱- مخطوطات انجمن ترقی اردو (اردو) جلد اول ، مرتبہ افسر صدیقی امروہوی و سید سرفراز علی ، ص ۸۵ ، ۸۶ -

۲- ہشت بہشت ، محمد باقر آگاہ ، مخطوطہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ، حیدر آباد ، دکن -

ابتدا میں نثری تعارف یوں ہے :

"رسالہ اول کا نام "تن دیپک" ہے ۔ اس رسالہ میں حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے نور مقدس کا ذکر ہے ، یعنی حق سبحانہ' اس نورِ مقدس کوں سب موجودات کے اول پیدا کیا اور اس کے طفیل سے سب علویات و سفلیات کوں ہویدا کیا اور اس نور اشرف کوں ہر پشتِ پاک سے ہر شکمِ پاک میں نقل کرتا تھا یہاں تک کہ وہ نورِ لطیف حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ میں آیا"[۱] ۔

اسی طرح تیسرے رسالہ "من موہن" کی ابتدا میں محمد باقر آگاہ نے اس کے موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

"اس رسالہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا بیان ہے یعنی جو معجزات کہ مدتِ حمل اور ولادت اور دودھ چھڑائی اور خرد سال میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے اس حدتک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ برس کی عمر ہوئی ہے"[۲] ۔

اگرچہ مصنف نے ریاض السیر اور ہشت بہشت میں اپنی زبان کو اردو کی بجائے دکنی قرار دیا ہے ، لیکن یہ زبان معمولی سے لسانی تغیر کے باوجود اردو ہی ہے ۔ اسی لیے اسے دکھنی یا قدیم اردو کہہ کر شناخت کیا جاتا ہے ۔ محمد باقر آگاہ کو خود بھی احساس تھا کہ ان کی زبان صاف اور سادہ ہے اور انھوں نے عربی کی مستند کتابوں کو اپنے پیشِ نظر رکھ کر نظم و نثر میں سیرۃ النبیؐ لکھی ہے ۔ علمی و ادبی اعتبار سے ان کی تصانیف بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کی دینی کتب میں نمایاں امتیازی اوصاف کی حامل ہیں ، اسی لیے محققین نے انھیں بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے مثلاً ڈاکٹر محی الدین قادری زور کہتے ہیں کہ " آگاہ اردو کے بڑے محسنوں میں سے ہیں ۔ انھیں نظم و نثر دونوں پر قابو تھا ۔ غزل ، قصیدہ ، مثنوی ، ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ۔

۱۔ ہشت بہشت : محمد باقر آگاہ ، مخطوطہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ، حیدر آباد ، دکن ۔

۲۔ ایضاً ۔

واقعہ یہ ہے کہ دکھنی علم و فضل اور شعر و سخن آن پر ختم ہو گیا ۔ آن کے بعد جنوبی ہند میں اتنا بڑا ادیب و شاعر پیدا نہ ہو سکا"[1] ۔

یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ محمد باقر آگاہ نے ۱۱۸۵ھ میں ایک کتاب "تحفۃ النساء" بھی لکھی جس میں ازواج و بنات رسولؐ اور دیگر برگزیدہ خواتین کے حالات و کردار اور فضائل و مناقب بھی بیان کیے ہیں[2] ۔ آنحضرتؐ کی بیویوں اور بیٹیوں کے تذکرے میں جا بجا سیرتِ رسول اکرمؐ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں ۔ یوں "تحفۃ النسأ" اس موضوع پر قدیم اردو میں اپنی طرز کی پہلی کوشش قرار دی جا سکتی ہے ۔

انوارِ محمدیؐ

۱۲۱۲ھ میں انوارِ محمدیؐ کے نام سے علی جون پوری المشہور بہ کرامت علی نے امام ترمذی کی عربی کتاب "شمائل ترمذی" کا اردو نثر میں ترجمہ کیا ، جو کتبِ شمائل میں سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے[3] ۔ کتاب کی ابتدا میں مترجم نے ایک دیباچے میں اس کی تالیف کے محرکات بیان کیے ہیں ، اور بتایا ہے کہ ہندی میں اس قسم کی کتابیں کم تھیں ، اس لیے آسے شمائل ترمذی کا ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، جن کی نظر سے یہ ترجمہ گزرا ہے ، کہتی ہیں کہ "ترجمہ اصلی عربی عبارت کے ساتھ ساتھ کیا گیا ہے ۔ اس کے لیے صفحہ کا تین چوتھائی حصہ اصلی عربی عبارت کے لیے وقف ہے اور باقی حصہ میں آس کا اردو ترجمہ لکھا گیا ہے ۔ ترجمہ تحت اللفظ ہے ۔ ساتھ ساتھ مشکل مقامات پر تشریحی نوٹ بھی لکھے گئے ہیں"[4] پروفیسر عبدالقادر سروری (مرتب فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ) نے اس کتاب کے بارے میں رائے دی ہے کہ یہ مصنف ہی کے ہاتھ کی تحریر معلوم ہوتی ہے ۔ اس کا سن ۱۲۱۲ھ ہے جو ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے ۔

۱- تذکرہ اردو مخطوطات ، جلد اول ، ص ۷۷ ۔
۲- اردو میں سوانح نگاری ، ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۱۱۳ ، ۱۱۴ ۔
۳- فہرست اردو مخطوطات ، جامعہ عثمانیہ ، ص ۲۱ ۔
۴- اردو نثر کا آغاز و ارتقاء ، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، ص ۳۰۰ ۔

"الحمد للہ کہ سنہ بارہ سو بارہ ہجری نبوی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام ، مہینے شوال ، تاریخ سولھویں میں اس کتاب کے ترجمے سے فراغت ہوئی" -

یہ ترجمہ کس طرح کا ہے ، اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے :

"سب تعریف اللہ ہی کو واسطے لائق ہے ، جس نے ہم سب کو اپنے تمام مخلوقات سے افضل کرنے کے لیے آدمی بنایا اور سب اُمتوں سے عزت دینے کے لیے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا کیا اور اس مذہب میں نجات دینے کے لیے مذہب سنت و جماعت کا عطا کیا" -

تجلیات الانوار

مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو میں ایک مخطوطہ "تجلیات الانوار" بھی ہے - افسر صدیقی امروہوی جنھوں نے ان مخطوطات کی جلد دوم مرتب کی ہے ، "تجلیات الانوار" کے بارے میں بتاتے ہیں کہ نثر کی یہ تصنیف سید عبدالغفور قاضی اشکر سمستان میسور کی تحریر کردہ ہے جو سید اسمٰعیل حسینی عرف حضرت بادشاہ قادری الملتانی کے مرید و تربیت یافتہ تھے - وہ ۱۲۰۷ھ میں بنگلور سے میسور آ گئے تھے اور یہاں میر محبوب علی خاں نقش بندی القادری کی مجلسِ علمی میں شریک ہونے کا انھیں موقع ملا - یہاں بعض رفقا کے کہنے پر اُنھوں نے بسلسلۂ ذکر جناب ولایت مآب اور عقد خاتونِ شفاعت انصاب ، صحیح و مستند روایتوں اور دلچسپ حکایتوں سے کام لے کر ۱۲۷ صفحات کا ایک رسالہ تیار کیا اور "تجلیات الانوار" نام رکھا[1] -

سید عبدالغفور کے مرشد سید اسمٰعیل حسینی کا ذکر ڈاکٹر محی الدین زور نے تذکرۂ اردو مخطوطات جلد سوم میں کیا ہے اور اُن کے ایک اور مرید مستعان علی کی کتاب "باغِ اِرم" کی تفصیل درج کی ہے ، باغِ ارم

۱- مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو ((اردو) ، جلد دوم ، مرتبہ افسر صدیقی امروہوی ، ص ۱۹۸ -

کا سنہ تصنیف ۱۲۴۴ھ ہے ، اس لیے گمانِ غالب یہی ہے کہ "تجلیات الانوار" بھی کم و بیش اسی زمانے کی ہوگی[1] ۔

افسر امروہوی لکھتے ہیں کہ "تجلیات الانوار" کو پانچ تجلیوں میں ختم کیا گیا ہے اور ہر تجلی کا نام "مجلس" رکھا ہے ۔ پہلی مجلس نورِ نبوت کی تجلی کے بیان کی ہے ۔ دوسری تجلی نورِ ولادت کی تجلی کے بیان کی ہے ۔ تیسری مجلس نورِ عصمت کی تجلی کے بیان کی ہے ۔ چوتھی مجلس میں نورِ عقد ا کرامت اور پانچویں مجلس میں نورینِ رسالت کی تجلیاں بیان کی گئی ہیں ۔ پانچویں مجلس کی تجلی کے دو جلوے ہیں ۔ پہلے جلوے میں حضرت طاہرہ کی محبت کی فرضیت اور دوسرے جلوے میں محبت کی حقیقت کا اظہار ہے اور خاتمہ میں خاتم الخلفاء کی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں"[2] ۔

"تجلیات الانوار" کا غالب حصہ آنحضرتؐ کے ذکر مبارک سے مزین ہے لیکن اس میں حمدِ باری تعالیٰ ، اہلِ بیعت کی منقبت اور خلفائے راشدین کی تعریف بھی شامل ہے ۔ نمونہٗ عبارت درج ذیل ہے :

"حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ روشن کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا ۔ مثال اس کا یہ کہ ایک محل یا ایک محراب میں قندیل ، اوس میں ایک چراغ ہے ۔ وہ چراغ بیچ قندیل کے یوں نظر آتا ہے کہ گویا ستارہ چمکتا ہے ۔ وہ چاروں جہت کو نور سے اپنے پُرنور کرتا ہے"[3] ۔

"تجلیات الانوار" کی عبارت قدیم ہونے کے باوجود نامانوس نہیں ہے ۔ اس کا اسلوب بہت سہل اور رواں ہے ۔ مصنف نے نورِ نبوت ، نورِ ولادت ، نورِ عصمت اور نورِ عقد کے بیان میں تعقید سے کام نہیں لیا بلکہ ایسی زبان استعمال کی ہے ، جو سادہ اور عام فہم ہے ۔

۱- تذکرہ اردو مخطوطات ، جلد سوم ، ص ۱۰۶ ۔
۲- مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو (اردو) ، جلد دوم ، مرتبہ افسر صدیقی امروہوی ، ص ۱۹۸ ، ۱۹۹ ۔
۳- ایضاً ، ص ۱۹۹ ۔

مولودِ مسعود

مشفق خواجہ نے "جائزہ مخطوطات اردو" (جلد اول) میں احمد یار خاں کے تحریر کردہ ، ۱۳ اوراق پر مشتمل ایک مخطوطہ کی نشان دہی کی ہے جو رسالہ "مولودِ مسعود" کے نام سے موسوم ہے ، اور سارے کا سارا رسولِ اکرمؐ کے میلاد کے بارے میں ہے۔ مشفق خواجہ کو اس کا قلمی نسخہ ڈاکٹر قاضی فضل عظیم ، ناظم آباد کراچی کے ذاتی کتب خانہ سے ملا ہے اور انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ رضا لائبریری رام پور میں اس کتاب کے تین اور نسخے موجود ہیں ۔ مولانا امتیاز علی عرشی نے اس کا نام "رسالہ احمدیؐ در بیان مناقبِ محمدیؐ" تحریر کیا ہے ۔ مصنف احمد یار خاں کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں ۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۱۹ء میں والیٔ بھوپال نواب نظر محمد خاں کے انتقال کے بعد اُن کی کمسن بیٹی سکندر بیگم اُن کی جانشین مقرر ہوئیں ، جن کی والدہ قدسیہ بیگم ، اپنی بیٹی کی مختار کی حیثیت سے ریاست کا انتظام چلاتی تھیں ۔ احمد یار خاں انہیں قدسیہ بیگم کی سرکار میں ملازم تھے ۔ مشفق خواجہ کی تحقیق کے مطابق احمد یار خاں نے یہ کتاب نواب فوجدار محمد خاں کی فرمائش پر لکھی تھی ۔ انھوں نے اس کا سنِ تالیف ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) اور ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) کے درمیان متعین کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ "ڈاکٹر سلیم حامد رضوی مرحوم نے اس رسالہ کا سال تصنیف ۱۲۵۰ھ بتایا ہے ، (بھوپال ، ص ۱۴۵) مرحوم کے پیشِ نظر سنٹرل لائبریری بھوپال کا نسخہ تھا ۔ گمان غالب ہے کہ اس نسخے کا سنِ کتابت ۱۲۵۰ھ ہوگا ۔ رام پور کا نسخہ ۱۲۴۶ھ کا مکتوبہ ہے ۔ ظاہر ہے زمانۂ تصنیف ۱۲۴۶ھ سے قبل ہوگا" ۔ ڈاکٹر فضل عظیم کے مخزونہ نسخے کے کاتب محمد علیم اللہ خاں ہیں ، جنھوں نے اسے "مولودِ مسعود نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ رضا لائبریری رام پور کے تین خطی نسخوں کے علاوہ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں بھی موجود ہے ، جو ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور فہرست میں اس رسالہ کا نام "سیرت النبیؐ" درج ہے ۔ علاوہ ازیں مولانا آزاد سنٹرل لائبریری بھوپال میں بھی اس کا ۳۴ صفحات پر مشتمل ایک خطی نسخہ محفوظ ہے جس کا نام فہرست نگار نے "مولودِ محمدؐ" لکھا ہے ۔ مشفق

خواجہ بتاتے ہیں کہ یہ کتاب "مولد شریف جدید" کے نام سے ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں کان پور سے چھپ چکی ہے ۔ اُن کی ان معلومات کا ذریعہ برٹش میوزیم کی ہندوستانی مطبوعات کی فہرست کا صفحہ نمبر ۲۳ ہے ۔

اس کتاب کا آغاز درج ذیل سطور سے ہوتا ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حمد اور شکر اُس ذاتِ واجب الوجود کو لائق ہے ، جس نے سب سے پہلے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ و سلم کو نورِ احدیت سے پیدا کیا اور ذاتِ مطلق کو اُس نور سے ہویدا اور اُسی نور سے تمام عالم کو عالم ظہور میں لایا" ۔

اور اختتامی سطور درج ذیل ہیں :

"اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو توفیق خیر کی دے ، خصوصاً اس رسالہ کو جمع کرنے والے احمد یار خاں گنہ گار کو اور سب لوگوں کہ جو اس مجلسِ متبرک میں بسبب تعظیم و تکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر ہوئے ہیں ، محبتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی اور اُن کی آل کی اور اصحاب کی اور اہلِ بیت کی دیوے اور مرادیں دینی و دنیوی حاصل کرے"[1] ۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ رسالہ میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھنے کے لیے تحریر کیا گیا تھا ، یہی وجہ ہے کہ اس کا انداز تبلیغی نوعیت کا ہے اور اس کی زبان بھی عام فہم رکھی گئی ہے تا کہ خاص و عام باسانی سمجھ سکیں ۔

مرغوب القلوب فی معراج المحبوب

مشفق خواجہ نے ہی "جائزہ مخطوطات اردو" (جلد اول) میں شاہ رؤف احمد رافت (۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء تا ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) کے ایک مخطوطہ "مرغوب القلوب فی معراج المحبوب" کا پتہ دیا ہے جو آنحضرت ؐ کے واقعۂ معراج کی تفصیلات پر مشتمل ہے ۔ اس کا سن تصنیف ۱۲۴۹ھ/

۱- جائزہ مخطوطات اردو (جلد اول) ، مشفق خواجہ ، ص ۱۹۸ تا ۱

۱۸۳۳ء ہے - اس کا ایک خطی نسخہ اور ایک مطبوعہ نسخہ (مطبع اعظم الاخبار ، رای ویلور ، تاریخ طباعت ۴ جمادی الآخر ۱۲۷۲ھ) کتب خانہ خاص ، انجمن ترقیٔ اردو ، کراچی میں موجود ہے - خطی نسخہ کے ۱۶۲ اوراق ہیں اور اس پر کاتب محمد غالب کے قلم سے تاریخ کتابت ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ (۲۳ اگست ۱۸۵۶ء) درج ہے - اس کتاب کا ۱۶۲ صفحات پر مشتمل ایک اور نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، اور دوسرا نسخہ مولانا آزاد سنٹرل لائبریری بھوپال میں محفوظ ہے - مشفق خواجہ بتاتے ہیں کہ ۱۲۷۲ھ ہجری سے پہلے بھی یہ کتاب ۱۲۶۳ھ میں شائع ہو چکی تھی -

مصنف شاہ رؤف احمد رافت کا حقیقی وطن سرہند تھا اور وہ حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے - ان کے والد چونکہ سرہند سے رام پور آ گئے تھے ، اس لیے ان کی ولادت یہیں ۱۴ نومبر ۱۲۰۲ھ (۶ نومبر ۱۷۸۶ء) کو ہوئی - رافت دہلی میں شاہ غلام علی سے بیعت ہوئے اور ان کے انتقال (۱۸۲۳ء) تک دہلی میں ہی قیام پذیر رہے - بعد ازاں وہ بھوپال چلے آئے اور بقیہ زندگی یہیں گزار دی - ۲۵ ذی قعد ۱۲۴۹ھ (۱۵ اپریل ۱۸۳۴ء) کو راہِ حرمین شریفین میں وفات پائی -

رافت متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ، اُن کے فارسی کے ایک اور اردو کے چھ دیوانوں کا پتہ چلتا ہے - ان کے علاوہ کئی مثنویاں ، ایک تفسیر اور ارکانِ اسلام اور فقہ ہندی میں نثری اور شعری کتابیں اُنھوں نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں - اُن کا ایک قلمی منظوم رسالہ مولود شریف پر بھی ہے - لیکن "مرغوب القلوب فی معراج المحبوب" اُن کی نمائندہ نثری تصنیف ہے - یہ کتاب آنحضرتؐ کی زندگی کے سب سے انوکھے واقعہ "معراج" کے بارے میں ہے ، جب خدا تعالیٰ انھیں ، اپنی قدرتِ کاملہ سے کام لے کر ، مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک راتوں رات لے گیا اور وہاں سے آسمانوں پر اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے سیر کرائی - قرآن مجید میں اس عظیم الشان واقعہ کا اجمالی اور کتبِ احادیث میں تفصیلاً ذکر آیا ہے - رافت نے اس سارے مواد سے فائدہ اُٹھایا ہے اور بڑی سادہ ، سبک اور عام فہم زبان میں واقعۂ معراج کی تفصیلات کو قلم بند کیا

ہے ۔ نمونۂ عبارت کے لیے کتاب کی درج ذیل سطور ملاحظہ ہوں ، جو قرآن مجید کی واقعۂ معراج سے متعلق آیات اور آن کی تفسیر پر مشتمل ہیں اور مرغوب القلوب فی معراج المحبوب'' کا نقطۂ آغاز ہیں ۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الیٰ المسجد الاقصی الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من آیٰتنا انہ ھو السمیع البصیر ۔ ترجمہ : پاک اور بے عیبی ہے اس کوکہ واسطے کرامت کے لے گیا بندےؐ اپنے کوکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ایک آن میں رات کی مسجدِ حرام سے طرف مسجدِ اقصیٰ کے ، وہ مسجد کہ برکت دی ہم نے گردا گرد اس کے دین کی کہ مہبطِ وحی اور معبدِ انبیا کیا اور دنیا کی کہ اشجار و انہار سے گھیر لیا اور لے گئے ہم اس بندۂ محبوبؐ مقبول اپنے کو اس واسطے تا دکھا دیں اس کو دلائل قدرت اپنی سے کہ آنِ واحد میں مکے سے لا کر بیت المقدس میں امامِ انبیاءؑ فرمایا''[۱] ۔

ممتاز التفاسیر

نصیر الدین ہاشمی نے اپنے مضمون ''قدیم اردو (دکھنی) میں سیرۃ النبیؐ کا ذخیرہ'' میں دکنی نثر میں سیرت النبیؐ کی جن تین کتابوں کا ذکر کیا ہے آن میں ایک ''ممتاز التفاسیر'' ہے (باقی دو کتابیں ''ریاض السیر'' اور ''فوائدِ بدریہ'' ہیں) نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ ''اگرچہ اس کتاب کا نام ''ممتاز التفاسیر'' ہے مگر اس میں آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارک کا تذکرہ ہے''[۲] ۔ اس کے مصنف کا نام سید امیرالدین حسین ہے اور ۵۲۶ صفحات کی یہ کتاب ۱۲۵۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے[۳] ۔ مصنف نے اسے دعوت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے تحریر کیا ہے اور متعدد ابواب میں تقسیم کیا ہے جو درج ذیل ہیں :

۱- جائزہ مخطوطات اردو ، جلد اول : مشفق خواجہ ، مرکزی اردو بورڈ لاہور ، ص ۲۰۲ تا ۲۰۶ ۔

۲- دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین : نصیر الدین ہاشمی ، ص ۳۹ ۔

۳- قاموس الکتب اردو : مرتبہ انجمن ترقی اردو ، زیر نگرانی مولوی عبدالحق ، جلد اول ، ۱۹۶۱ء ، ص ۲۲۹ ۔

(۱) بیان درود شریف (۲) نورِ محمدیؐ (۳) مولود شریف (۴) رضاعت (۵) مناقب (۶) شمائل (۷) علامتِ محبتِ رسولؐ (۸) اخبارِ رسولؐ (۹) نزولِ وحی (۱۰) معراج (۱۱) تفسیر آیتِ اول (۱۲) بیان وحیٔ آخر (۱۳) ہجرت (۱۴) شرائطِ محبت (۱۵) وفاتِ آنحضرتؐ ۔

"ممتاز التفاسیر" کا نمونۂ عبارت یہ ہے :

"عتبہ آپؐ کی مجلس سے اُوٹھا اور اپنی قوم میں گیا اور کہا "واللہ ! میں نے ایسا کلام نہیں سنا تھا ، مصلحت یہ ہے کہ اُن کی ایذا رسانی میں مبالغہ مت کرو" قوم نے کہا : "تجھ پر محمدؐ کے سحر نے اثر کیا ۔ جب کفار بہت ایذا دینے لگے ۔ آپؐ نے بعض صحابہ کے حق میں مصلحت جان کر ملک حبش کو حکمِ ہجرت فرمائے ۔ گیارہ مرد اور چار عورتیں ملک حبش کو گئیں ۔

چھٹے سال ہجرت سے حضرت حمزہ مشرف با اسلام ہوئے ۔ اس وقت عدد مسلمانوں کا اُنتالیس کو پہونچا ۔ بعد اُون کے حضرتؐ نے دعا فرمائے کہ "اے بارِ خدا ! تُو عزت دے اسلام کو ، سات عمر ابن الخطاب کے یا ابی جہل بن ہشام سے ، حضرت عمر کے حق میں دعا حضرتؐ کی قبول ہوئی ۔ ابوجہل نے اشتہار دیا کہ جو شخص محمدؐ کو قتل کرے گا ، میں سو اُونٹ سرخ اور چالیس ہزار درہم دوں گا"[1] ۔

نصیر الدین ہاشمی "ریاض السیر" ، "فوائدِ بدریہ" اور زیرِ نظر "ممتاز التفاسیر" کے اقتباسات درج کرنے اور سیرت النبیؐ کے ذخیرے کی علمی و ادبی حیثیت متعین کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ "صفحاتِ گزشتہ سے اس امر کا بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ دکھنی (قدیم اردو) شعرا اور نثر نگاروں نے آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ کے متعلق کیا کام کیا ہے اور کس طرح اردو میں سیرتِ مقدس کے لکھنے کی بنا ڈالی تھی ۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اکثر کتابوں میں صدق کے ساتھ ساتھ بہت کچھ کذب بھی شامل کر دیا ہے ۔ صحیح حدیثوں کے ساتھ غیر معتبر واقعات بھی لکھے

۱۔ ممتاز التفاسیر ، (مخطوطہ) : سید امیر الدین حسین ، ص ۸۵ ۔

گئے ہیں ، مگر اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس زمانے میں روایت کی جانچ کے لیے درایت کا طریقہ رائج نہیں تھا ۔ دوسرے یہ کہ ماحول اور فضا ایسی تھی کہ افسانہ کی صورت ہی عام طور پر مقبول تھی ، اس لیے شعرا اس کو داستان کی صورت دیا کرتے تھے"[۱] ۔

فوائد بدریہ

قاضی بدرالدولہ (۱۲۱۱ھ - ۱۲۸۰ھ) جن کا اصل نام مولوی محمد صبغۃ اللہ تھا اور جنھیں دربار ارکاٹ سے "بدرالدولہ" کا خطاب ملا تھا ، نے "فوائدِ بدریہ" کے نام سے ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں سیرت النبی ؐ پر ایک ایسی کتاب لکھی جس نے شہرت و مقبولیت میں دوسری تمام کتابوں کو (جنوبی ہند میں) پیچھے چھوڑ دیا ۔ بقول نصیرالدین ہاشمی "یہ دکھنی زبان کی سب سے آخری سیرت النبی ؐ ہے جو نثر میں لکھی گئی"[۲] ۔ یہ کتاب مدراس ، بمبئی اور بنگلور میں متعدد مرتبہ شائع ہوئی اور اب اس کا ایک اچھا ایڈیشن انجمن اصلاح العشیرہ کی طرف سے شمس المطابع مشین پریس عثمان گنج حیدر آباد دکن کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے ۔ یہ ایڈیشن ۱۳۵۰ھ میں چھپا اور جس نسخہ کو اس کا پیش رو ہونے کا اعزاز حاصل ہے ، وہ سب سے پہلے ۱۲۶۳ھ میں مطبع کشن راج ، مدراس میں نہایت اہتمام اور صفائی سے طبع ہوا ۔ ۱۲۶۳ھ کے مطبوعہ اس نسخے کا مسودہ مصنف کے ہمشیرہ زادہ سید حبیب اللہ خاں نے خود مصنف کے لیے نقل کیا تھا اور اشاعت کے وقت یہی مسودہ پیشِ نظر رکھا گیا ۔

جہاں تک "فوائدِ بدریہ" کے سنِ تالیف کا تعلق ہے ، تو اس بارے میں مصنف نے کتاب کے آخر میں خود بتایا ہے کہ "اس کتاب کے مسودے سے ہم کو شنبے کے روز پانچویں رجب کی ۱۲۵۵ھ میں فراغت ہوئی اور مبیضے سے پانچویں کو شعبان کے ۱۲۵۵ھ مذکورہ سے فراغت ملی"[۳] گویا

۱- دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین : نصیر الدین ہاشمی ، ص ۵۰ ۔
۲- ایضاً ، ص ۴۷ ۔
۳- فوائد بدریہ : قاضی بدر الدولہ ، ص ۳۰۳ ۔

نصیر الدین ہاشمی کا یہ کہنا کہ "فوائد بدریہ" ۱۲۶۱ء میں تالیف ہوئی ہے"[1] درست نہیں -

قاضی بدر الدولہ ، غلام غوث خاں والا جاہ کے عہد میں ریاست کرناٹک میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے اور وہ محمد باقر آگاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے - انھوں نے عربی ، فارسی اور اردو ، تینوں زبانوں کو اپنی تصانیف سے مالا مال کیا ہے - صرف اردو میں ان کی تصانیف کی تعداد تیرہ ہے ، جو تفسیر ، فقہ ، عقائد ، مناسک اور سیرت وغیرہ موضوعات پر ہیں - البتہ سیرتِ نبویؐ پر ان کی کتاب "فوائدِ بدریہ" نے ان کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا -

یہ کتاب عربی کی مشہور کتبِ سیرت کا نچوڑ اور خلاصہ ہے - اس کی تالیف میں اگر ایک طرف نواب اعظم جاہ کی خواہش کو دخل ہے تو دوسری طرف ، خود مصنف کے اس تاثر کا بھی ہاتھ ہے کہ عام لوگوں کی عربی اور فارسی سے ناواقفیت کی وجہ سے زبانِ ہندی میں ایک کتابِ سیرتِ رسولؐ کی اشد ضرورت ہے ، "فوائدِ بدریہ" کے دیباچے میں کس درد مندی کے ساتھ لکھتے ہیں :

"پھر دل چاہا کہ حسبِ خواہش اس غریقِ رحمت کے رسالے کو بسط کروں لیکن دیکھا کہ بازار علم کا بہت کاسد ہوگیا ہے اور علم جاننے والے دنیا سے گذر گئے - اب کوئی کتاب زبان عربی یا فارسی میں تصنیف کیے تو کچھ فائدہ اس پر مترتب نہیں - جن کو ان زبانوں کی معرفت حاصل ہے ، ان کے ایے بہت سے کتب موجود ہیں اور کسی کو خواہش بھی نہیں پایا - تب زبانِ ہندی میں یہ کتاب لکھنا شروع کیا تاکہ عوام مومنوں کو اس سے فائدہ حاصل ہووے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے واقف ہو کر ان کی پیروی خوبی کے ساتھ کریں اور اس کی تالیف کا سبب حقیقت میں نوابِ مغفور (نواب اعظم جاہ) تھے تو اللہ تعالیٰ ان کی روح کو بھی اس کا اجر پہنچاوے"[2] -

---

۱- دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین : نصیر الدین ہاشمی ، ص ۳۷ -

۲- فوائدِ بدریہ : قاضی بدر الدولہ ، ص ۲ -

اس اقتباس میں جس 'غریقِ رحمت' کی خواہش کا ذکر کیا گیا ہے ، وہ نواب محمد منور خاں اعظم جاہ ہیں ، جنھوں نے قاضی بدر الدولہ سے فرمائش کی تھی کہ آنحضرتؐ کے سیر و احوال میں فارسی زبان میں ایک کتاب تالیف کریں اور جس کی تعمیل میں قاضی صاحب نے ایک مختصر رسالہ فارسی زبان میں لکھ کر پیش کیا ۔ کتاب دیکھ کر نواب صاحب نے فرمایا کہ اس میں معجزات اور دیگر ضروری موضوعات بھی شامل کر کے اسے تفصیل سے لکھا جائے ، لیکن پیشتر اس کے کہ کتاب مکمل ہوتی ، نواب صاحب انتقال کر گئے ۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے فرزند نواب والا جاہ محمد غوث خاں ، ریاست کے حکمران بنے تو اُن کی قدردانی دیکھتے ہوئے مصنف کو پھر خیال آیا کہ اب مرحوم نواب صاحب کی خواہش کو پورا کر دینا چاہیے ۔ یہ خواہش اُنھوں نے فارسی کی بجائے اُردو میں (جسے وہ زبانِ ہندی کہتے ہیں) سیرت کی ایک مبسوط کتاب "فوائدِ بدریہ" لکھ کر پوری کی اور فارسی پر اردو زبان کو ترجیح دینے کا سبب بھی بتا دیا[1] ۔

"فوائدِ بدریہ" کی تالیف کے وقت مصنف نے سیرت کے موضوع پر لکھی ہوئی تمام اہم کتابوں کو اپنے پیشِ نظر رکھا ۔ بالخصوص "عیون الاثر" (ابن سید الناس) ، "زاد المعاد" (ابن القیم) ، "فتح الباری" (ابن حجر عسقلانی) ، "خصائص الکبریٰ" (جلال الدین سیوطی) ، "مواہب اللدنیہ" (قسطلانی) اور "مدارج النبوۃ" (عبدالحق محدث دہلوی) سے استفادہ کا اقرار بھی کیا ہے[2] ۔

"فوائد بدریہ" ۴۰۴ صفحات پر مشتمل اوسط ضخامت کی حامل کتاب ہے اور چار ابواب پر مشتمل ہے ۔ پہلے باب میں آنحضرتؐ کی پیدائش سے وفات تک کے حالات ہیں ، دوسرے باب میں حضور اکرمؐ کی صورتِ با جمال اور سیرتِ با کمال کا بیان ہے ۔ تیسرے باب میں نبوت کے دلائل اور معجزات کی تفصیل ہے اور چوتھے باب میں رسولِ اکرمؐ کے اُن آداب اور حقوق کا تذکرہ ہے ، جو اُمت پر لازم ہیں ۔

---

۱ ، ۲- فوائدِ بدریہ : قاضی بدر الدولہ ، ص ۱ تا ۲ ۔

پہلا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے - پہلی فصل آنحضرتؐ کی ابتدائی خلقت سے ہجرت تک محیط ہے اور اس میں آدم و حوّا کی پیدائش سے بھی پہلے نور محمدیؐ کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے - پھر آنحضرتؐ کا حسب نسب، والدین ، پیدائش ، جوانی ، تجارتی سفر ، شادی ، بعثت ، اولین مومنین ، ہجرتِ حبشہ ، قریش کا مقاطعہ ، سفرِ طائف ، بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ اور ہجرتِ مدینہ کا احوال ہے - دوسری فصل ہجرت سے لے کر وفات نبویؐ تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے - اس میں مسجد نبویؐ کی تعمیر ، یہودیوں سے عہد ، سلسلۂ مواخاۃ ، غزوات و سرایا ، ازواجِ مطہرات ، واقعہ افک ، بادشاہوں کے نام خطوط ، فتح مکہ ، اولاد ، وفود کی آمد ، حجۃ الوداع ، کاذب پیغمبروں کی سرکوبی اور وفاتِ نبویؐ کا تفصیلی تذکرہ ہے -

دوسرا باب ، پانچ فصلوں پر مشتمل ہے - پہلی فصل شمائل نبویؐ کے بارے میں ہے - اس میں آنحضرتؐ کے چہرے ، آنکھوں ، کانوں ، پیشانی ، ابروؤں ، ناک ، دہن ، لعاب ، آواز ، ہنسی ، فصاحت ، سر ، بالوں ، ریشِ مبارک ، گردن ، سینہ ، شکم ، پشت ، مہرِ نبوت ، دستِ مبارک ، قدموں ، قد و قامت ، رنگ اور چال وغیرہ کا خوبصورت تذکرہ ہے - اس حصے میں مصنف نے شمائل نبویؐ کا ایسا بے مثال مرقع کھینچا ہے کہ اردو کی قدیم کتبِ سیرت اس اجمال و تفصیل سے تقریباً خالی ہیں - اس باب کی دوسری فصل آنحضرتؐ کے اخلاق کے بارے میں ہے ، جس میں آپ کے حلم و عفو ، تواضع و فروتنی ، اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک ، خوش طبعی ، حیا و شرم ، خوفِ خدا ، شجاعت و قوت ، سخاوت و بخشش اور شفقت وغیرہ کا دلپذیر تذکرہ ہے - تیسری فصل ، آنحضرتؐ کے کھانے پینے ، چوتھی فصل آپؐ کے لباس اور پانچویں فصل آپؐ کے سونے وغیرہ کے بیان میں ہے -

تیسرا باب ، حضورؐ کی نبوت کے دلائل اور معجزات کے ذکر پر مشتمل ہے - اس میں دو فصلیں ہیں ، پہلی فصل میں وہ تمام دلائل درج کیے گئے ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں میں موجود تھے اور سابقہ انبیاء کی وہ تمام بشارتیں بھی نقل کی گئی ہیں ، جو انھوں نے حضورؐ کی آمد کے سلسلہ میں دی تھیں - اس حصے میں یہود و نصاریٰ کے علماء کی طرف سے

آپؐ کی رسالت کے اقرار ، کاہنوں کی طرف سے آپؐ کی آمد کی خبر اور ہاتفِ غیبی کی طرف سے آنے والی ان آوازوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے ، جو آنحضرتؐ کے ورودِ باسعود سے متعلق تھیں ۔ اس باب کی دوسری فصل میں معجزاتِ نبویؐ کی تفصیل ہے اور اس ضمن میں قرآن شریف کا بذاتِ خود معجزہ ہونا ، شق القمر ، آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکلنا ، مینہ برسنا، تھوڑے کھانے ، پانی اور دودھ کا بہت ہو جانا ، زمین سے پانی نکلنا ، جمادات اور حیوانات کا کلام کرنا ، دستِ مبارک کی برکت ، چیزوں کا روشن ہونا ، دعاؤں کا مقبول ہونا ، بیماروں کا تندرست ہونا ، شیاطین کا دفع ہونا ، غیب کی باتوں کی خبر دینا ، آئندہ واقعات کی اطلاع دینا اور دیگر معجزات کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے ۔

چوتھا باب مختصر ہے اور چار فصلوں پر مشتمل ہے ۔ پہلی فصل آدابِ نبویؐ اور دوسری حقوقِ نبویؐ کے بارے میں ہے ، یعنی وہ آداب و حقوق جو رسول اللہؐ کے سلسے میں امت پر فرض ہیں ۔ تیسری فصل آنحضرتؐ سے محبت رکھنے کے سلسلے میں ہے ، اور اس میں ضمناً دو اجزا اور بھی شامل ہیں جنھیں مصنف نے چمن کہا ہے ۔ پہلا چمن (جزو) ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور دوسرا چمن (جزو) حضورؐ کی اولاد کے بارے میں ہے ۔ اسی فصل میں صحابہ کرامؓ سے محبت رکھنے کے بارے میں احادیثِ نبویؐ درج کی گئی ہیں ۔ چوتھی فصل آنحضرتؐ پر درود بھیجنے کے بارے میں ہے اور قرآنی آیات اور امت کے چیدہ علماء کی طرف سے اس کی فضیلت پر دلائل درج کیے گئے ہیں ۔

"فوائدِ بدریہ" کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ترتیب میں عربی کی مستند کتبِ سیرت میں درج احادیث کی مدد لی گئی ہے اور یوں سیرت النبیؐ کا ایک ایسا مرقع تیار کیا گیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے ۔ اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صحیح اور مستند احادیث کا ترجمہ بڑے موزوں الفاظ میں کیا گیا ہے ۔ یوں مصنف نے اردو زبان کو اس قابل بنایا کہ وہ عربی زبان کے مطلب کو اپنے سانچے میں ڈھال سکے ۔

"فوائدِ بدریہ" تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں تحریر کی گئی ، جبکہ محمد باقر آگاہ کی "ریاض السیر" ۱۲۱۰ھ سے قبل لکھی گئی ، اور

آن کی ہشت بہشت کے پہلے چھ رسائل (مصنف کی اپنی تحریر کے مطابق) ۱۱۸۵ھ اور ۱۱۸۶ھ میں مرتب کیے گئے اور آخری دو رسائل ۱۲۰۶ھ میں لکھے گئے۔ "ہشت بہشت" کے نثری حصے اور "ریاض السیر" کی نثر کا اگر "فوائدِ بدریہ" کی نثر سے موازنہ کیا جائے تو بارہویں صدی ہجری کے اواخر سے لے کر تیرہویں صدی کے وسط تک اردو نثر کے ارتقا کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے - محمد مرتضیٰ "فوائد بدریہ" کے مقدمے میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جس طرح آگاہ کی تصانیف پر پون صدی گزر جانے کے بعد آن کی زبان نہایت پرانی معلوم ہوتی ہے ، اسی طرح "فوائدِ بدریہ" کی زبان بھی اب پون صدی گزر جانے کے بعد موجودہ اردو کی معیارِ فصاحت پر پوری نہیں اترتی - گو ہماری زبان آئندہ کیسی ہی فصیح کیوں نہ ہو جائے ، لیکن اس سے آن کی اس کوشش کی کسی طرح بے قدری نہیں کی جا سکتی اور اس زمانہ میں بھی "خطباتِ احمدیہ" سے قطع نظر اردو میں کوئی ایسی کتاب فنِ سیر میں پائی نہیں جاتی جو "فوائدِ بدریہ" سے بڑھ کر مستند سمجھی جا سکے"[۱] - اسی لیے جنوبی ہند میں اردو زبان میں لکھی گئی تمام کتبِ سیرت کے مقابلے میں "فوائد بدریہ" زیادہ مقبول ہوئی - مواد اور زبان ، دونوں اعتبار سے قاضی بدر الدولہ کی کتاب ، محمد باقر آگاہ کی تصانیف سے بہتر ہے - چنانچہ نصیر الدین ہاشمی کی اس رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ "چونکہ آپ کی زبان بلحاظ ارتقاء تدریجی محمد باقر آگاہ سے زیادہ صاف تھی ، اس لیے اب باقر آگاہ کی کتابوں کی جگہ آپ کی کتابوں نے لے لی"[۲] -

"فوائدِ بدریہ" کی زبان اور اسلوب کا اندازہ لگانے کے لیے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں -

آنحضرت ؐ کے سفرِ شام کا حال یوں بیان کیا گیا ہے :

۱- فوائدِ بدریہ : قاضی بدر الدولہ ، ص ۴ ، ۵ -

۲- دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین : نصیر الدین ہاشمی ، ص ۳۸ -

"جب سن شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس سال کی ہوئی ، تجارت واسطے شام طرف روانہ ہوئے ۔ سبب روانگی کا یہ ہوا کہ خویلد کی بیٹی خدیجہؓ چاہی کہ کسی امین پاس اپنا مال ، تجارت واسطے دیوے اور قریش میں کوئی امانت دار زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تھا اور سب حضرتؐ کو محمد الامینؐ کہا کرتے تھے ۔ خدیجہؓ نے حضرتؐ سے منّت کرنے لگی کہ تمؐ میرا مال تجارت واسطے لے جاؤ ، منافع ہووے تو تمؐ اس سے جس قدر چاہتے ہو سو لیو ۔ حضرتؐ قبول فرما کے شام طرف روانہ ہوئے ۔ خدیجہؓ اپنا ایک غلام جس کا نام مسیرہ اور اپنا ایک قرابتی جس کا نام خزیمہ تھا ، حضرتؐ کی خدمت واسطے ہمراہ کیے ۔ جب بصریٰ کو پہنچے ، ایک گیرجے کے قریب درخت کے نیچے بیٹھے ، وہ درخت خشک اور بے برگ تھا ، بمجرد حضرتؐ بیٹھنے کے سبز اور باردار ہوگیا ۔ اس گیرجے میں ایک راہب تھا ، اس کا نام نسطورا ۔ یہ حال مشاہدہ کر کے حضرتؐ پاس آیا اور کہا اس درخت کے نیچے بیٹھا سو نبی ہے اور حضرتؐ کو لات و عزیٰ کی قسم دے کے پوچھا تیرا نام کیا ہے ؟ حضرتؐ خفا ہو کے فرمائے ، میرے پاس ست آ کہ ان بتوں کا نام لینا مجھے خوش نہیں لگتا"[1] ۔

رسول اللہؐ کی ہجرت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

پھر ابوبکرؓ کے گھر کے لوگ جلدا جلدی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم واسطے توشہ تیار کر کے دیئے اور توشہ باندھنے حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی 'بی بی اسما' اپنی دامنی آدھی پھاڑ کے دیئے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ، ثور کے پہاڑ میں ، غار تھا ، سو اس میں چھپنے پنج شنبے کے روز ربیع الاول کے غرہ کو نکلے اور ابی بکر کے فرزند عبداللہ کو ، جو جوان اور ہشیار تھے ، تاکید کیے کہ مکے میں دن کے وقت رہ کے شب کو آ کے قریش کے اخبار بولا کریں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پاس پانچ ہزار درم تھے ، سو اوس کو ساتھ لیے ۔ اثنا راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پتھر اور کانٹوں سے زخمی ہوئے ۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ،

۱- فوائد بدریہ : قاضی بدر الدولہ ، ص ۲۷ ۔

حضرتؐ کو اپنے کاندھے پر بٹھا کے غار پر لے جا کے چھوڑے اور اول آپ غار میں جا کے اُس کو جھاڑے اور ایک بیش قیمت چادر اوڑھے تھے ، سو پھاڑ کے غار میں کے سوراخوں کو بند کیے ، تو ایک سوراخ کو کپڑا بس نہ آیا ، سو اُس کو اپنی ایڑی لگا کے مضبوط کر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر بلائے۔ حضرتؐ اندر جا کے ابی بکر کی مانڈی پر سر رکھ کر سوئے "[1] -

حضور اکرمؐ کے حلیہ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے :

علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرمائے ، آنکھیں حضرتؐ کے بڑے تھے اور آنکھوں میں سُرخی تھی اور حدقہ بہت سیاہ تھا ، اور ابن ابی ہالہ کہے ، جب حضرتؐ دیکھتے تو پورا دیکھتے اور آنکھیں نیچے کرتے اور زمین طرف دیکھنا بہت تھا ۔ آسمان طرف دیکھنے سے اور اکثر گوشہ چشم سے ملاحظہ فرماتے ------" علی مرتضٰی اور ابن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ بینی مبارک (ناک) ہموار ، باریک اور بیچا بیچ بلند تھی ----- ہونٹاں اور منہ کا سہر بہت ہی خوش ڈول اور لطیف تھا ، گویا یاقوت کی ڈبیا میں جواہر ہیں ۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دہن شریف حضرتؐ کا کشادہ تھا ----- سر مبارک بڑا تھا اور بال نہ بہت سیدھے نہ گھونگھر والے ، مگر کچھ پیچیدگی تھی اور سر کے بال آدھے کان تک تھے اور بعضے روایتوں میں آیا ہے کہ لو لی تک اور بعضے روایت میں مابین کان اور کاندھے کے اور بعضے روایتوں میں کاندھے تک ----[2] اکثر احوال میں حضرتؐ تبسم کیا کرتے تھے اور بعضے اوقات میں بہت ہنسے تو کونچلیاں نمود ہوتے اور کبھی قہقہہ کر کے نہیں ہنسے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں کبھی نہ دیکھی حضرتؐ کے ہنسے میں مسوڑھے دسے ہوں اور ابن ابی ہالہ کہتے ہیں ، اکثر ہنسنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم تھا اور رونا بھی ہنسی کے طور تھا ۔ آنکھ سے

۱- فوائد بدریہ : قاضی بدر الدولہ ، ص ۳۵ -

۲- ایضاً ، ص ۱۸۵ تا ۱۸۹ -

اشک جاری ہوتے ؛ بلند آواز سے نہ روتے اور اکثر قرآن پڑھتے وقت روتے اور سینۂ مبارک سے دیگ کے جوش کا آواز آتا اور حضرت جمائی کبھی نہ دیتے''[1] ۔

''ریاض السیر'' کی طرح ''فوائد بدریہ'' بھی عربی کی امہات کتبِ سیرت سے ماخوذ ہے ، اسی لیے وہ بھی اسلوبِ تحریر میں ان کتابوں کی مقلد ہے اور اس کی عبارت کی ساخت پر بھی ''ریاض السیر'' کی طرح عربی کا اثر واضح ہے۔ ''فوائد بدریہ'' میں بقول محمد مرتضیٰ مرحوم ''اس بات کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ عربی الفاظ کے لیے نہایت مناسب اردو الفاظ لکھے جائیں''[2] علاوہ ازیں ''فوائد بدریہ'' کی زبان بھی جنوبی ہند کی عام دکنی اردو کی طرح تذکیر و تانیث میں اور ''نے'' اور ''کے'' کے استعمال میں اپنا الگ نظام رکھتی ہے۔ بحیثیتِ مجموعی اس کتاب کی زبان آسان اور عام فہم ہے۔ لب و لہجہ اگرچہ دکنی ہے ، لیکن نامانوس نہیں۔ بعض الفاظ کا املا بھی موجودہ املا سے مختلف ہے اور الفاظ بھی قدیم ہیں ، لیکن عبارت میں استعمال ہونے کے بعد وہ دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

جلاء القلوب بذکر المحبوب

سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء - ۱۸۹۸ء) نے سیرتِ رسول پر اپنی مشہور کتاب ''خطباتِ احمدیہ'' سے بہت پہلے ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں ایک مختصر مولود شریف نثر میں تحریر کیا تھا۔ یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی ''سرور المحزون'' اور عبدالحق محدث دہلوی کی ، ''مدارج النبوۃ'' سے ماخوذ تھا[3] ۔ ۲۵ صفحات کے اس رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ، والدین ، آبا و اجداد ، ولادت ، رضاعت ، پرورش ، سفرِ شام ، حضرت خدیجہؓ سے نکاح ، بعثت ، پہلی وحی ، دعوت و تبلیغ ، مشکلات ،

۱- فوائدِ بدریہ : قاضی بدر الدولہ ، ص ۱۸۸ ۔
۲- ایضاً ، ص ۵ ۔
۳- مقالاتِ سر سید (حصہ ہفتم) : مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل پانی پتی ، مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور ، اکتوبر ۱۹۶۲ء (جلاء القلوب بذکر المحبوب) ص ۳۰ ۔

معراج ، ہجرتِ مدینہ ، معجزات ، غزوات و سرایا ، حج اور عمروں ، اسمائے مبارکہ ، حلیہ ، اخلاق و کردار ، عبادات ، خورد و نوش ، لباس ، خوش طبعی ، ازواجِ مطہرات ، اولاد ، خُدّام ، کاتبوں ، ایلچیوں ، سواریوں ، قریبی اصحاب ، عشرہ مبشرہ ، ہتھیاروں ، مرض الموت ، وفات ، غمِ صحابہ اور تجہیز و تکفین کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے -

سر سید احمد خاں نے یہ رسالہ اس زمانے کے عام رواج کے مطابق لکھا اور اس میں وہی روایات درج کیں جو مولود ناموں کے ذریعے مقبول ہو چکی تھیں ، گو انھیں احساس تھا کہ ایسے رسالوں میں چونکہ وضعی روایات کا زور ہوتا ہے ، اس لیے ان سے ہٹ کر ایک جدید طرز کا مولود نامہ لکھنے کی ضرورت ہے - ۳۶ سال بعد اپنے اس تاثر کا اظہار انھوں نے جون ۱۸۷۸ء میں ایک مضمون کی شکل میں کیا ، جو بطور ریویو "جلاء القلوب بذکر المحبوب" پر لکھا گیا تھا - اس مضمون کی ابتدا میں وہ کہتے ہیں :

"اسی زمانہ میں بہت سے رسالہ مولود کے دیکھے - اس وقت کے خیال کے مطابق بھی ان میں ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو ٹھیک نہ تھیں اور بجائے اس کے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان ہوں ، وہ رسالے زیادہ تر مرثیہ خوانی ، کتاب خوانی کے ، جس کا رواج محرّم کی مجلسوں میں ہے ، مشابہ تھے - اس لیے دل میں آیا تھا کہ ایک مختصر رسالہ جو بطور بیانِ حالات اور واقعات کے ہو اور جس میں نامعتبر باتیں نہ ہوں ، لکھا جاوے"[1] - مگر سر سید اپنے ہی لکھے ہوئے مولود نامہ کے بارے میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اس میں بھی بہت سی نامعتبر بلکہ لغو باتیں ہیں"[2] - نہ صرف اپنے رسالہ "جلاء القلوب" کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی بلکہ جن کتابوں کو انھوں نے اپنا ماخذ بنایا تھا ، بالخصوص "مدارج النبوۃ"

---

۱ ، ۲- مقالات سر سید (حصہ ہفتم) : مرتبہ مولینا محمد اسمٰعیل پانی پتی ، (جلاء القلوب پر ریویو) ص ۳۱ -

اُن کے بارے میں بھی اُن کا خیال تھا کہ اُن میں ہزاروں لغو اور نامعتبر کہانیاں درج ہیں ۔

دراصل جب سے سر سید پر جدیدیت کا رنگ چڑھنا شروع ہوا ، وہ مسلمہ قدیم عقائد و خیالات کے مخالف بنتے چلے گئے ۔ اس کا آغاز اس مذہبی رحجان سے ہوا ، جسے وہ خود ''وہابیت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کے زیر اثر انھوں نے مجالس مولود کے انعقاد کو بھی بدعت قرار دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ ''جلاء القلوب'' جس کے مرتب کرنے پر انھیں ایک زمانے میں فخر تھا ، کے اکثر بیانات کی اُنھوں نے بعد میں اپنے قلم سے ہی تردید کر دی ۔ اُنھوں نے 'مذہبی میلان میں پختگی' کے ساتھ ہی اس عقیدہ سے رجوع کر لیا کہ آنحضرت قیامت کے روز اپنے اُمتیوں کے گناہ بخشوا لیں گے ، وہ شق القمر اور دوسرے معجزاتِ نبوی ؐ کے بھی منکر ہو گئے ۔ ''جلاء القلوب بذکر المحبوب'' میں سر سید نے آنحضرت ؐ کی ولادت کے وقت کسریٰ کے محل کے کنگروں کے گرنے ، آتش کدہ کی آگ کے بجھنے ، ساوہ کے چشمہ کا پانی خشک ہونے ، بحیرہ راہب کا آنحضرت ؐ کو نبوت کی بشارت دینے ، درختوں اور پتھروں کا آنحضرت ؐ کو سجدہ کرنے ، آنحضرت ؐ پر فرشتوں کا اپنے پروں کے ذریعے سایہ کرنے ، جبرئیل ؑ کا آنحضرت ؐ کو تین دفعہ بغل میں لے کر بھینچنے اور جنات کا آنحضرت پر ایمان لانے کا بڑے پُرجوش الفاظ میں ذکر کیا ہے ، لیکن ۳۶ سال بعد وہ فرماتے ہیں کہ ''اُن میں سے کوئی بات بھی اُن اصول کے مطابق جو صحتِ روایات کے لیے درکار ہیں اور جن کا ذکر میں نے ''خطباتِ احمدیہ'' میں لکھا ہے صحیح نہیں ہے ۔ معراج کا بیان بھی جس طرح اس رسالہ میں لکھا ہے ، صحیح نہیں ہے ۔ جو صحیح ثابت ہوا ہے ، وہ اس کے بعد کی تصانیف میں میں مندرج ہے ۔ مُہر نبوت کا ذکر بھی صحیح نہیں ہے ، راویوں نے اس کے بیان میں غلطی کھائی ہے ، جس کی تفصیل ہماری کتابوں میں ملے گی''[۱] اسی طرح وہ قرآن مجید کی فصاحت کو معجزہ ماننے سے بھی انکاری ہیں اور اسے غلط فہمی کہہ کر ٹالتے ہیں ۔ وفاتِ نبوی ؐ کے وقت کی روایات کو بھی وہ عجیب و غریب قرار دیتے ہیں اور اُس وقت حضرتِ خضر ؑ

۱- مقالاتِ سر سید (حصہ ہفتم) : ص ۳۴ ۔

کے تشریف لانے کو بھی بے سند اور غیر ثابت روایت کہہ کر خود اپنی تردید کرتے ہیں[1] ۔ عقلیت پسندی اور فطرت پرستی کے نظریات سے مغلوب ہوکر سر سید نے اگرچہ تمام خلافِ واقعہ اور محیر العقول چیزوں کا انکار کر دیا ، جن میں معجزاتِ نبوی ؐ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ، لیکن جو واقعات خلافِ معمول نہیں تھے ، انھیں رد نہیں کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ "جلاء القلوب بذکر المحبوب" میں درج کرنے کے بعد انھوں نے اپنے صرف انہیں عقائد سے بعد میں رجوع کیا ہے ، جن کو وہ عقل اور فطرت کے خلاف تصور کرتے تھے ۔ رہے آنحضرت ؐ کی سوانح حیات سے متعلق باقی واقعات ، تو ان کی انھوں نے تردید نہیں کی ۔

"جلاء القلوب بذکر المحبوب" میں وضعی روایات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں اور جو ہیں ان کا ذکر سرسید نے خود اپنے ریویو میں کردیا ہے ۔ ان سے قطع نظر سر سید کا یہ رسالہ مولود شریف کی حیثیت سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ۔ اس میں نہ تو ان من گھڑت واقعات اور فرضی کہانیوں کی بھرمار ہے ، جو مولود ناموں کی نمایاں خصوصیت ہے اور نہ احادیثِ صحیحہ سے رُوگردانی کی گئی ہے ۔ آنحضرت ؐ کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات اس خلوص کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ قاری کے دل میں آپ ؐ کی عقیدت و محبت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے ۔ البتہ مولود ناموں کی عام روایت کے مطابق جابجا درود شریف (اللھم صل وسلم علیٰ محمد و آل محمد) کا ورد کیا گیا ہے اور بیان میں مذہبی جوش کی فراوانی ہے ۔ واقعات کو بڑی چابکدستی سے مختصر الفاظ میں سمیٹا گیا ہے اور تاثر گہرا کرنے کے لیے اجمال سے کام لیا گیا ہے ۔ ذرا یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

"اور جب آپ ؐ کا سنِ مبارک ترپن برس کا ہوا ، پیر کے دن آٹھویں ربیع الاول کو آپ ؐ نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور پیر کے دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور وہاں دس برس تشریف رکھی ، پھر اس جہان سے رحلت فرمائی اور اس عرصہ میں لوگوں کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے رواج دینے کے لیے ستائیس لڑائیاں لڑے اور کفار ناہنجار

۱۔ مقالاتِ سر سید (حصہ ہفتم) : ص ۳۵ ۔

کو مرعوب و مغلوب کیا ۔ من جملہ اُن کے دس بڑی لڑائیاں ، بدر ، اُحد ، خندق ، بنی قریظہ ، بنی المصطلق ، خیبر ، طائف ، وادی القریٰ ، غابہ ، بنی نضیر کی ہیں اور سوائے اس کے قریب پچاس جگہ کے فوج بھیجی مگر آپؐ بذاتِ مبارک وہاں تشریف نہیں لے گئے اور ہجرت سے دسویں برس حج کو تشریف لے گئے اور لوگوں کو احکام حج کے سکھائے ۔ اس حج کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت علیہ الصلٰوۃ و السلام کو پھر اتفاق حج کا نہیں ہوا ، مگر پہلے دو بار حج ادا کیا تھا اور چار عمرے کیے تھے اور سب حج اور عمرے ذیقعد کے مہینے میں ہوئے تھے[1] ۔

مولود ناموں کا ایک دل پسند موضوع آنحضرت کے شمائل کا تذکرہ ہے ، سر سید نے بھی "جلاء القلوب" میں حضورؐ کا حلیۂ مبارک بڑے سادہ اور مؤثر الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ درج ذیل عبارت میں آپؐ کی سراپا نگاری ملاحظہ فرمائیے :

جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوبصورت اور حسین تھے۔ آپؐ کا میانہ قد تھا ، سرخ و سفید رنگت تھی اور آپؐ کا سینۂ مبارک چوڑا تھا اور آپؐ کے دونوں شانوں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا اور آپؐ کے موئے مبارک کان کی لو تک پہنچتے تھے اور آپؐ کے سر اور داڑھی میں کل بیس بال سفید تھے اور آپؐ کا چہرۂ مبارک چودھویں تاریخ کے چاند سے بھی زیادہ روشن تھا اور آپؐ کا بدن متوسط تھا ۔ نہ بہت موٹا ، نہ بہت دُبلا ۔ اگر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم چُپ رہتے تو بہت ہیبت اور شان و شوکت معلوم ہوتی تھی اور اگر آپ بات کہتے تو لطافت اور نازکی ظاہر ہوتی تھی ۔ اگر کوئی آپ کو دور سے دیکھتا تو کمال حسن و جمال نظر آتا تھا اور اگر پاس سے دیکھتا تھا تو ملاحت اور شیرینی معلوم ہوتی تھی ۔ آپؐ کی باتیں بہت میٹھی میٹھی تھیں اور آپؐ کشادہ پیشانی تھے اور باریک اور لمبی بھنویں تھیں اور دونوں بھؤوں میں کچھ فاصلہ بھی تھا ، اونچی بہت خوبصورت ناک تھی ، دہانہ کشادہ تھا پر بہت

۱۔ مقالاتِ سر سید (جلد ہفتم) : ص ۱۱ ، ۱۲ ۔

خوبصورت ، دانت بہت روشن اور صاف، موتی سے بہتر اور آپؐ کے شانوں کے بیچ مہر نبوت تھی[1] ۔

"رسالہ جلاء القلوب بذکر المحبوبؐ" سر سید نے ۱۲۵۸ھ میں لکھا اور ۱۲۵۹ھ میں سید محمد خان بہادر کے چھاپہ خانہ کے لتھوگرافک پریس میں سید عبدالغفور کے زیر اہتمام دلی سے شائع ہوا ۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی کہتے ہیں کہ "خوش قسمتی سے اس اشاعت کا ایک قدیم نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں محفوظ ہے جو لیتھو میں چھپا ہوا ہے اور پرانی طرز کتابت اور قدیم اسلوب نگارش کا نہایت واضح نمونہ ہے ۔ لائبریری میں اس سوانح عمری کا نمبر U.F.II. 44 ہے[2]۔ "جلاء القلوب بذکر المحبوب" کا سن تالیف ۱۲۵۸ھ ہے۔ لیکن مولینا الطاف حسین حالی "حیات جاوید" اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے (غالباً حالی کی تقلید میں) غلطی سے ۱۲۵۵ھ لکھا ہے ۔ حالی کے الفاظ یہ ہیں :

"جلاء القلوب بذکر المحبوبؐ" مؤلفہ ۱۲۵۵ھ یہ مختصر رسالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت ، وفات ، معجزات اور دیگر حالات کے بیان میں اس لیے لکھا تھا کہ مولود کی مجلسوں میں جتنے رسالے شائع تھے ، اُن میں صحیح روایتیں بہت کم تھیں ۔ سر سید نے اُس زمانے کے خیالات کے موافق محض صحیح روایتوں پر اکتفا کیا تھا"[3] اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے "سر سید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ" میں درج ذیل الفاظ میں اس سن اور انھیں خیالات کا اعادہ کیا ہے :

"جلاء القلوب بذکر المحبوبؐ ۱۲۵۵ھ"۔ یہ آنحضرتؐ کی سیرت پر مختصر رسالہ ہے۔ مجالس مولود میں جو رسائل پڑھے جاتے ہیں اُن میں صحیح

۱۔ مقالات سر سید (جلد ہفتم) : ص ۱۳ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۴ ۔
۳۔ حیات جاوید : الطاف حسین حالی ، آئینہ ادب ، انارکلی لاہور ، ۱۹۶۶ء ، ص ۹۳ ۔

روایتیں کم ہوتی ہیں ۔ سید صاحب نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس رسالے میں "اس زمانے کے خیالات کے موافق" صحیح روایتوں کو جمع کر دیا ہے"[1] ۔

سر سید نے خود بھی "جلاء القلوب پر ریویو" میں اس رسالہ کے سببِ تالیف پر روشنی ڈالی ہے ، وہ لکھتے ہیں :

"یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی تھی جب کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی مولود کی مجلس کا دل میں بڑا شوق تھا ۔ ہر مہینے کی دوازدہم کو لوگ جمع ہوتے تھے ۔ سوا لاکھ دفعہ چھوارے کی گٹھلیوں پر درود پڑھا جاتا تھا اور ختم کے بعد شیرینی بٹتی تھی اور ہم کو لوگ بہت نیک اور محبِ رسول ؐ سمجھتے تھے ، حالانکہ اس زمانے میں ہم نے نہ رسول ؐ کو سمجھا تھا اور نہ رسول ؐ کی محبت کو"[2] یہ سر سید کا انکسارِ محض ہے ، "خطباتِ احمدیہ" تو اُن کی حُبِ رسول ؐ کا منہ بولتا ثبوت ہے ہی ، "جلاء القلوب بذکر المحبوب ؐ" میں بھی مصنف نے رسولِ خدا ؐ کا ذکر کر کے انسانی دلوں کو جلا بخشی ہے ۔ اُنھوں نے اس مختصر رسالہ کے آئینہ میں پیغمبر اسلام ؐ کی ایک چمکتی دمکتی تصویر دکھائی ہے ۔ پچیس برس کی عمر میں لکھے ہوئے اس مولود نامہ کی زبان بڑی حد تک آسان اور عام فہم ہے اور وہ اردو نثر کے بتدریج پھیلتے ہوئے آفاق کے لیے قبلہ نما ہے ۔ "جلاء القلوب" سرسید احمد خاں کی اولین تصانیف میں سے ایک تصنیف ہے اور اسلام اور بانیٔ اسلام سے اُن کی شیفتگی کی مظہر ہے ۔ بقول شیخ محمد اکرام :

"۱۸۳۹ء (اصل سن ۱۸۴۲ء) سے لے کر، جب اُنھوں نے رسول اکرم ؐ کے مختصر حالات لکھے ، ۱۸۹۸ء تک ، جب وہ اُمہات المومنین کے متعلق ایک عیسائی مصنف کے اعتراضات کا جواب لکھتے لکھتے وفات پا گئے ،

۱۔ سر سید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، مکتبہ کارواں ، لاہور ۔ ۱۹۶۰ء ، ص ۸ ۔
۲۔ مقالاتِ سر سید (حصہ ہفتم) ، ص ۳۱ ۔

برابر ساٹھ برس مذہبی مباحث میں اُن کی دلچسپی برقرار رہی"[۱] -

چار باغِ احمدیؐ

اور اب آخر میں "چار باغِ احمدیؐ" نام کی ۹۰ صفحات پر مشتمل ، شیخ حسرت کرنولی (متوفی ۱۲۷۸ھ) کی نثری تصنیف سامنے آتی ہے جس میں آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کو موضوع بنایا گیا ہے - اس کتاب کا سنِ تصنیف ۱۲۷۰ھ ہے اور اس کی ابتدا میں ۴۹ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی بھی ہے جس میں مختصراً کتاب کے موضوع کا تعارف کرایا گیا ہے ، بلکہ یوں سمجھیئے کہ اصل کتاب کا خلاصہ اس مثنوی میں پیش کر دیا گیا ہے - "مخطوطاتِ انجمن ترقیٔ اردو" (اُردو) کے مؤلفین ، افسر صدیقی امروہوی اور سید سرفراز علی رضوی نے انجمن کے کتب خانے میں موجود اس قدیم نثری نمونے کا تعارف کراتے ہوئے اس کا سببِ تالیف بھی بتایا ہے - وہ کہتے ہیں کہ "نثر سے پہلے حسرت نے بیان کیا ہے کہ اُن کے لڑکے اکثر اوقات تقاضا کرتے تھے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا احوال ہندی محاورے میں تحریر فرمائیں تاکہ ہم اُسے پڑھ کر سعادتِ دارین حاصل کریں ، اس لیے میں نے اپنے لیے بھی اسے سعادت خیال کر کے تولد آپؐ کا اور فضیلت اس کی اور جو کرشمے کہ اس نورِ مبارک سے ظاہر ہوئے ہیں ، وغیرہ احوال بعد تولد کے گزرا ، کتبِ معتبرہ سے مختصر لکھ کر "چار باغِ احمدیؐ" نام رکھا"[۲] -

پوری کتاب کو چار باغوں میں تقسیم کیا گیا ہے -

پہلے باغ میں پیدائشِ نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، اُس کی فضیلت اور کرشموں کا بیان ہے -

---

۱- ہوجِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، فیروز سنز ، لاہور ، طبع ہفتم ۱۹۶۶ء ص ۸۳ -

۲- مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو (اُردو) جلد اول : افسر صدیقی و سرفراز رضوی ، ص ۵۶ -

دوسرے باغ میں تـولدِ آنحضرتؐ کا بیان ہے ۔

تیسرے باغ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کا بیان ہے ۔

چوتھے باغ میں جبرئیل علیہ السلام کے آنحضرتؐ پر وحی لے کر نازل ہونے کا بیان ہے[1] ۔

انجمن ترقیٔ اردو کے کتب خانہ میں موجود خطی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور انھوں نے اس کا نام بھی تاریخی رکھا ہے ۔ اس کتاب کی عبارت اگرچہ سادہ ہے لیکن کہیں کہیں قافیہ پیمائی سے بھی کام لیا گیا ہے ۔ نمونۂ عبارت درج ذیل ہے :

"دل آپؐ کا اس نور سے روشنائی پاتا تھا اور سینہ صفائی پاتا تھا ، نظر روشنائی پاتی تھی ، طراوت بدن میں آتی تھی ۔ الغرض جب جلوسِ مسندِ نبوت کا دور نزدیک پہنچا اور کفر کے زوال کا وقت آیا تو آپؐ نے کوہِ حرا کے غار کو اپنی خلوت گاہ بنائی ، یعنی یاد الٰہی کے لیے اختیار کی تنہائی ۔ ہمیشہ خدا کا ذکر کرتے تھے ، دم وحدت کا بھرتے تھے"[2] ۔

"چار باغ احمدیؐ" کے آخر میں مصنف ، حسرت کرنولی نے اپنی ایک اور تصنیف کی طرف اشارہ کیا ہے ، جسے موجودہ مخطوطہ کا تکملہ کہنا چاہیے ۔ متعلقہ عبارت یہ ہے :

"جاننا چاہیے کہ یہ محرّر اوراق نے احوالِ وفات و تجہیز و تکفین آنحضرت صلعم کتاب چار چمن شہادت کے پہلے چمن میں مفصل لکھا ہے ۔ مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس واسطے اس مختصر میں مختصر بیان کیا"[3] ۔

۱- مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو (اردو) ، جلد اول ، افسر صدیقی و سرفراز رضوی ، ص ٥٦ ۔

۲- چار باغ احمدی : شیخ حسرت کرنولی ، ص ٦٠ (مخطوطہ انجمن ترقی اردو ، کراچی) ۔

۳- ایضاً ، ص ٧٤ ۔

لیکن اب یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ وہ مفصل کتاب لکھی گئی یا نہیں ؟ اور اگر لکھی گئی تو اس کا مخطوطہ کہاں موجود ہے ؟

چند اور کتب سیرت

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے اپنے مضمون "اردو کا دینی ادب ۔ ۱۸۵۷ء کے بعد" میں سیرت کی بعض ایسی کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے جو ۱۸۵۷ء سے پہلے شمالی ہند میں لکھی گئیں ۔ اس سلسلہ میں انہوں نے محمد مبین لکھنوی (م ۱۲۲۵/۱۸۱۰ء) کی "وسیلۃ النجاۃ" کا حوالہ دیا ہے ، لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ کتاب کس سال لکھی گئی ؟ البتہ میلاد ناموں کے ضمن میں حضرت شاہ احمد سعید دہلوی (م ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) کے میلاد نامہ "سعید البیان" اور مولینا عبدالمجید بدایونی (۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء تا ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) کے میلاد نامہ "محافل الانوار فی احوال سید الابرار ؐ" کا تذکرہ کیا ہے ۔ "سعید البیان" کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ یہ اسی زمانے کی تالیف ہے[۱] ۔ "تذکرہ علمائے ہند" میں مولوی عبدالمجید بدایونی کی تصانیف کے ضمن میں مولوی رحمٰن علی نے "محافل الانوار" کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن مرتب ، محمد ایوب قادری نے حاشیہ میں وضاحت کی ہے کہ "محافل الانوار فی سید الابرار" کا نام "طوالع الانوار" از مولوی انوار الحق بدایونی اور "اکمل التاریخ" میں عبدالمجید بدایونی کی تصانیف میں تحریر کیا گیا ہے[۲] "قاموس الکتب اردو" (جلد اول) میں بھی "محافل الانوار" (سیرت نبی صلعم) کے قلمی نسخہ کا ذکر موجود ہے اور اسے ۱۲۳۱ھ کی تالیف قرار دیا گیا ہے اور حوالہ کتابیات برائے ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد کا دیا گیا ہے[۳] ۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری ایک اور جگہ اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اردو زبان میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی کتاب "محافل الانوار فی احوال سید الابرار" ہے جو مولوی شیخ عبدالمجید قادری بدایونی کی تالیف ہے ۔ یہ کتاب ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء

۱۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (پہلی جلد) ، ص ۱۷۴ ، ۱۷۹ ۔

۲۔ تذکرہ علمائے ہند : مولوی رحمٰن علی ۔ ترجمہ و تالیف ، محمد ایوب قادری ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء ، ص ۳۲۴ ۔

۳۔ قاموس الکتب اردو ، جلد اول ، ص ۷۳۸ ۔

میں لکھی گئی ہے - مدرسہ قادریہ بدایوں کے کتب خانہ میں خطی صورت میں موجود و محفوظ ہے اور ہمارے زیر مطالعہ رہی ہے"[1] -

اسی زمانے میں چند مولود شریف اور بھی لکھے گئے مثلاً مولوی رحمٰن علی نے "تذکرۂ علمائے ہند" میں حافظ دراز پشاوری (م ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء) کی تصانیف میں ایک "معراج نامہ" اور ایک "وفات نامہ" کا ذکر کیا ہے - اسی کتاب میں مولوی جان محمد لاہوری (۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء تا ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء) کے ایک "معراج نامہ" اور مولوی ولی اللہ لکھنوی (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) کی تصنیف "کشف الاسرار فی خصائص سیدالابرار" کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے ، لیکن ناموں کے علاوہ اور تفصیلات ناپید ہیں[2] -

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے چند اور مختصر رسائل بھی آنحضرتؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر لکھے گئے مثلاً ظہور الحق عظیم آبادی کے ایک رسالہ "کسب النبیؐ" کا حوالہ بھی کتابوں میں آیا ہے ، جو ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں تالیف کیا گیا[3] - محمد عتیق صدیقی نے "صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات" کے صفحہ ۱۹۶ پر ایک "وفات نامہ پیغمبر " کا ذکر کیا ہے جو ۱۸۵۳ء میں مطبع مصطفائی دہلی سے شائع ہوا تھا - علاوہ ازیں عبداللطیف قادری نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں "ریاضِ سیر" ، محمد مہدی واصف نے اسی سال (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) "اخلاقِ نبی کریمؐ" اور حسین احمد ملیح آبادی (م ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء) نے وفات سے چند سال پہلے "حلیہ' نبوی" جیسے رسائل لکھے[4] -

۱۸۵۷ء تک لکھے گئے اکثر مولود ناموں کا حوالہ پچھلے صفحات میں آ چکا ہے ، لیکن چند مولود شریف ایسے بھی ہیں ، جن کے بارے میں مفصل معلومات مہیا نہیں ہو سکیں - اُن کی ایک فہرست "قاموس الکتب اردو" (جلد اول) سے اخذ کر کے یہاں درج کی جاتی ہے :

۱- حیات النبیؐ : میاں محمد سعید ، نفیس اکیڈمی ، کراچی ، ۱۹۸۲ء ، ص ۶ (مقدمہ از ڈاکٹر محمد ایوب قادری) -

۲- تذکرۂ علمائے ہند : مولوی رحمن علی ، ص ۱۸۵ ، ۱۳۵ ، ۵۳۷ -

۳- فہرست کتب خانہ آصفیہ ، حیدر آباد دکن ، جلد ۲ ، ص ۱۶۲۸ (بحوالہ قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۶۷۰ -

۴- تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ، جلد اول ، ص ۱۷۳ ، ۱۷۹ -

مولود النبی	قاسم	ص ۲۷۷	قلمی نسخہ	تالیف اوائل ۱۲۰۰ھ	
مدینۃ الانوار	غلام اعزالدین نامی	ص ۷٦	قلمی نسخہ	تالیف ۱۲۱۳ھ	
احیاءالقلوب فی مولودالمحبوب	عبدالجلیل	ص ۱۲۲		طبع ۱۲۱۷ھ	مدراس
حالات ولادت آنحضرت ؐ (بہ زبان دکنی)	کریم الدین سرمست		قلمی نسخہ	تالیف ۱۲۱۷ھ	
سرمایۂ نجات	معصوم علی بیدار	ص ۷۷		تالیف ۱۲۲۳ھ	
آفتاب عالم تاب (مولود شریف)	حکیم محمد احسن امروہوی	متوفی ۱۲۳۲ھ		طبع ۱۲۹۲ھ	دہلی
مولود منبع الحسنات	نور محمد			تالیف ۱۲۳۷ھ	
ریحان معراج	میر مظفر حسین ضمیر	ص ۱۷۱	قلمی نسخہ	تالیف ۱۲۴۷ھ	
سوانح عمری رسول مقبول	قمر الدین خان اکبر آبادی	ص ۱۰۰	قلمی نسخہ	تالیف ۱۲۴۸ھ	
رسالۃ المعراج	سید اشرف شمسی			طبع ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء	حیدرآباد دکن
ریحان معراج	فیضان شاہ	ص ۷٦	قلمی نسخہ	تالیف ۱۲۵۳ھ	
مولود شریف	شاہ سلامت اللہ لکھنوی	ص ٦۹		طبع ۱۲٦۰ھ	لکھنؤ
خلاصۃ المتقین	ایضاً	ص ٦۹		ایضاً	
مولود طاہریہ	محمد طاہر			طبع ۱۲٦۴ھ	بمبئی
مولود شریف	سلامت اللہ لطف	ص ٦۹		طبع ۱۲٦٦ھ	لکھنؤ
قمر بنی ہاشم	مولوی محمد الیاس رضوی			تالیف ۱۲٦۸ھ	
احوال النبی ؐ	مولٰینا محمد حیات			قبل ۱۲۷۴ھ	
عشق مصطفیٰ ؐ	مرزا قربان علی بیگ سالک			قبل ۱۲۷۴ھ[1]	

۱۔ قاموس الکتب (اردو) ج ۱، ص ۷۲۸ تا ۷۴٦ -

چوتھا باب

آردو سیرت نگاری کا باقاعدہ آغاز و ارتقاء

(۱۸۵۸ء تا ۱۹۰۰ء)

میلاد ناموں کی ابتدا، فروغ اور ارتقاء

۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد میں برِصغیر پاک و ہند میں مولود ناموں کی ایک مستحکم روایت ملتی ہے ۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے بیشتر مولود نامے منظوم ہیں ، گو نثری مولود نامے بھی کچھ کم نہیں — لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد ترتیب اُلٹ جاتی ہے ، اب خالصتہً منظوم مولود نامے تعداد میں کم ہوتے چلے جاتے ہیں اور نثری مولود ناموں کی تعداد بتدریج بڑھتی جاتی ہے ، البتہ نثری مولود ناموں میں جا بجا شعری ٹکڑے موجود رہتے ہیں ، جو مجالسِ مولود شریف میں گا کر پڑھنے کے لیے لکھے جاتے تھے ۔

عالمِ اسلام میں مجالسِ میلاد کا رواج کب شروع ہوا اور اولین میلاد نامہ کس نے لکھا —— اس بارے میں مختلف روایات ہیں ۔ سید سلیمان ندوی کی رائے میں "اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی (ہجری) سے ہوا ہے"[1] ۔ وہ کہتے ہیں کہ الملک المظفر شاہ اربل (۵۴۹ھ تا ۶۳۲ھ) ، جیسا کہ ابنِ خلکان نے اس کے حال میں لکھا ہے ، مولد شریف بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منایا کرتا تھا ۔ یہ جنگِ صلیبی کا زمانہ تھا ، اس کے لیے ابنِ وحیہ (م/۶۳۳ھ) نے ۶۰۴ھ میں کتاب "التنویر فی مولد السراج المنیر" تصنیف کی[2] ۔ معمولی سے اختلاف کے ساتھ یہی رائے مولوی عبدالسمیع بیدل رام پوری کی ہے ، جو کہتے ہیں کہ مجالسِ مولود کی باقاعدہ ابتدا چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ہوئی"[3] ۔ جلال الدین سیوطی کے شاگرد ، علامہ محمد بن علی یوسف دمشقی شامی نے "سیرتِ شامی" (سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد) میں لکھا ہے کہ

---

۱ - ۲- سیرة النبیؐ : سید سلیمان ندوی ، ج ۳ ، ص ۷۳۶ -
۳- انوار ساطعہ : عبدالسمیع بیدل رام پوری ، بلالی سٹیم پریس ، ص ۱۵۹ -

"سب سے پہلے عمر بن محمد موصلی نے مولود کیا تھا ، جو ایک نیک آدمی مشہور تھے اور اُن کی پیروی سلطان اربل نے کی[1] - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجالس میلاد کے اولین انعقاد کا سہرا عمر بن محمد موصلی کے سر ہے اور سلاطین میں اسے سب سے پہلے رواج دینے کا فخر سلطان اربل کو حاصل ہے - رہا عربی میں مولود شریف کی پہلی کتاب لکھنے کا شرف تو وہ ابو الخطاب عمر بن حسن وحیہ کلبی اندلسی بلنسی کے حصے آیا ، جنھوں نے پہلے تو "مستوفی" نامی کتاب میں اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کیے اور پھر مولود شریف کی پہلی کتاب لکھی ، جس کا نام ابن خلکان نے "التنویر فی مولود السراج المنیر" اور بعض مصنفین نے "التنویر فی مولود البشیر و النذیر" لکھا ہے - ابن وحیہ نے خراسان جاتے ہوئے اربل پہنچ کر ۶۰۴ھ میں سلطان مظفر شاہ کو یہ کتاب پیش کی ، کیونکہ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان کو مجلس میلاد سے عشق ہے[2] - سلطان نے خوش ہو کر مصنف کو ایک ہزار دینار یا اشرفی انعام دیا - علامہ سیوطی نے "حسن المقصد فی عمل المولد" میں اس کی پوری تفصیل درج کی ہے[3] - پس معلوم ہوا کہ مجلس میلاد کو ایجاد کرنے والے عمر بن محمد موصلی ، اس کو ابتداً مروج و مقبول بنانے والے سلطان اربل اور مولود کی اولین کتاب تحریر کرنے والے ابن وحیہ کلبی اندلسی ہیں -

اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا ، چنانچہ عربی ، فارسی ، ترکی اور اردو میں سینکڑوں کی تعداد میں مولود شریف پر کتابیں لکھی گئیں ، جن میں طویل و مختصر ہر طرح کی تصانیف شامل ہیں - مولوی عبدالسمیع اُن کی ترتیب و تدوین کے بارے میں "انوار ساطعہ" میں لکھتے ہیں : پس اسی

۱- تاریخ میلاد : حکیم عبدالشکور مرزا پوری ، دارالاشاعت ، کراچی ، ۱۹۷۸ء ، ص ۱۴ -

۲- یہ بادشاہ تین لاکھ اشرفیاں اس محفل کے خرچ میں صرف کیا کرتا تھا - (میلاد النبی : ابوالبرکات بن منشی قادر علی، ص ۱۷) -

۳- تاریخ میلاد : حکیم عبدالشکور مرزا پوری ، دارالاشاعت ، کراچی ، ۱۹۷۸ء ، ص ۲۵ ، ۲۶ -

طرح وہ روایتیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حلیۂ شریف کے بابت اور وقائع میلاد و رضاع وغیرہ کی بابت صحابہ میں متفرق منتشر تھیں ، ایک وقت آیا کہ محدثین کے دل میں آیا ، آن کو ایک جگہ جمع کر دیجیے ۔ تب محدثین نے آن کو جمع کیا ، وہ رسالے بن گئے ۔ سینکڑوں رسائل میلاد تصنیف ہو گئے ۔ ازاں جملہ مولود شریف حافظ شمس الدین محدث دمشقی کا ہے : ”مورد الصادی فی مولد الہادی“ اور لکھا محمد بن عثمان لولوی دمشقی نے ”الدر المنظم فی مولد النبی الاعظم“ اور لکھا امام القرأ والمحدثین ابن جزری نے ”عرف التعریف فی مولد الشریف“ اور لکھا مجدد الدین صاحب قاموس نے ”نفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ“ ۔ سب کا نام لکھنا طول کو پہنچانا ہے ۔ غرضیکہ علامہ سخاوی اور ابن حجر وغیرہ محدثین پر کسی نے شریک ہونا اس خیر ہیں اور جمع کر دینا اس قسم کی روایات کا الفاظ پاکیزہ اور ترکیب نفیس میں نظماً و نثراً اپنی مایۂ سعادت سمجھا اور پڑھے جانے لگے وہ رسائل محافل میں ، پھر فارسی زبان میں اور بلاد رومیہ میں ترکی زبان میں اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہو کر پڑھے جانے لگے[1] ۔

یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ علامہ ابن حجر مکی (۹۰۹ھ/۱۵۰۴ء تا ۹۷۴ھ/۱۵۶۷ء) نے دو مولود شریف لکھے ۔ ایک کا نام ”النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم“ ہے جو ۷۱ صفحات پر مشتمل ہے اور دوسرے کا نام ”تحفۃ الاخبار فی مولد المختار“ ہے ۔ اول الذکر کا ۸۷ صفحات پر مشتمل اردو ترجمہ ”نعمت کبریٰ“ کے نام سے سالک فضلی نے کیا ہے اور وہ ۱۳۹۸ھ میں سیالکوٹ میں شائع ہوا ہے ۔ ثانی الذکر کتاب ۱۲۸۳ھ میں دمشق میں چھپی ۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی (۵۱۰ھ/۱۱۱۶ء تا ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) کے مولد شریف ”مولد النبیؐ“ کا اردو ترجمہ مولٰینا عبدالحلیم شرر نے مولٰینا محمد عین القضاۃ کی فرمائش پر ”ولادت سرور عالمؐ“ کے نام سے کیا ، جو ۱۹۲۳ء میں دلگداز پریس لکھنؤ سے شائع ہوا ۔ اس کی ضخامت ۴۸ صفحات ہے ۔ ابن الجوزی کی ایک اور کتاب ”الوفا فی فضائل المصطفٰیؐ“ بھی ہے جو برا کلماں کے زیر اہتمام چھپ چکی ہے[2] ۔ اس کتاب

۱- انوار ساطعہ : عبدالسمیع بیدل رام پوری ، ص ۱۵۳ ۔

۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ : جلد ۱ ، ص ۴۶۷ تا ۴۷۲ اور ص ۴۸۲ تا ۴۸۳ ۔

کا اردو ترجمہ "الوفا باحوال المصطفیٰ" (سیرت سید الانبیاء) کے نام سے علامہ محمد اشرف سیالوی نے کیا ہے جو ۸۶۱ صفحات پر مشتمل ہے اور فرید بک سٹال لاہور کی طرف سے حال ہی میں شائع ہوا ہے -

ڈاکٹر این میری شمل (Anne Marie Schimmel) مجالس میلاد کے انعقاد اور میلاد ناموں کی ابتدا ، فروغ اور مقبولیت کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھتی ہیں :

It seems, that approximately from the twelfth century onwards a side of Muhammad-veneration became more and more popular—at least we do not yet know how long it was already in use to celebrate the *maulud*, the birthday of the Prophet, for which poets and mystics composed heartfelt hymns and which was, in some periods, a real popular festival with illuminations of the towns etc. The *mauluds* which were composed for these occasions, are still existent 122)—it is sufficient to mention the most famous example of this kind of poetry in Turkey, Suleyman Celebi's (d. 1429) *maulud-i-sharif* which is still living in the heart of almost all Turks, and which is recited not only on the birthday of the Prophet on 12 Rabi. I but also as a kind of Soul's Mass at the 40th day after death and at the anniversary of death. There are *mauluds* all over the Islamic world, and in their simple verses, their loving devotion they belong to the most touching expressions of Islamic religious life.[1]

122. The *maulid-i-serif*, by Suleyman Celebi, written in 1409/10, has been translated into English by L. McCallum.

گویا ڈاکٹر شمل کے نزدیک مولود ناموں کی روایت بارہویں صدی عیسوی میں عالم اسلام میں مقبول ہونے لگی تھی اور شعرا و صوفیا محافلِ میلاد میں پڑھنے کے لیے ایسے مولود نامے موزوں کرنے لگے تھے ، جو قوت و تاثر کے اعتبار سے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں - انھوں نے ترکی کے سلیمان شلبی کے مولود شریف کا بطور خاص ذکر کیا ہے جو اب تک ترکوں کے دلوں پر راج کرتا ہے اور عید میلاد النبی ؐ ، یوم

1. Gabriel's Wing : Anne Marie Schimmel, E.J. Brill, Leiden: 1963, page 150.

وصال النبیؐ اور آنحضرت کے چالیسویں کے مواقع پر پڑھا جاتا ہے - شمل کی رائے میں اس قسم کے مولود نامے پوری اسلامی دنیا میں بڑے جوش، عقیدت کے ساتھ لکھے اور پڑھے جاتے ہیں اور اپنی شعری سادگی کے باوجود اسلامی مذہبی زندگی کے دل چھو لینے والے مظاہر کا درجہ رکھتے ہیں -

جے سپنسر ٹری منگھم (J. Spencer Trimingham) نے اپنی تصنیف "اسلام کے صوفیانہ سلسلے (The Sufi Orders in Islam) میں میلادالنبیؐ کی مجالس کے انعقاد کی بڑی عجیب و غریب توجیہہ کی ہے - وہ کہتے ہیں :

The celebration of the Prophet's birthday seems, at least in part, to be a compensation for the suppression of 'Alid domonstration after the destruction of Shi'ite regimes. Ibn Jubair (travelled A D. 1183-5) refers to it as an establlished practice.[1] It was fairly widespread in Ibn Taimiyya's time, for it comes under his condemnation,[2] but it was not yet an aspect of the people's religion. By the time of as-Suyuti (d. A.D. 1505) the *maulud* had acquired its characteristic features.[1]

1. Ibn Jubair, Travels, 2nd edn,, 1907, pp. 114-15.
2. Ibn Taimiyya, *Majmu' fatawi*, Cairo, A.H. 1336—9, A.D. 1908—11, i. 312.
3. See as-Suyuti, *Ilusa al-maqsid fi 'amal al-mawlid*—a kind of *fatwa* on the festival which concludes that it is a *bid' a hasana*, an acceptable innovation.

یعنی ٹری منگھم کے نزدیک مجالسِ میلاد النبیؐ کا انعقاد (جزوی طور پر ہی سہی) شیعہ مملکتوں کی تباہی کے بعد علوی شورشوں کو دبانے کا بدل تھا[۲] - چنانچہ مصنف نے ابن جبیر کے سفر نامے کے حوالے سے یہ ثابت

---

1. The Sufi Orders in Islam : J. Spencer Trimingham, Clarendon Press Oxford, 1971, page 27.

۲- یہ رائے اس لیے درست نہیں کہ جنوبی ہند کی شیعہ ریاستوں (گولکنڈہ اور بیجا پور) کے حکمران خود بڑی عقیدت کے ساتھ مجالسِ مولود منعقد کرتے تھے -

کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُن کے (ابن ُجبیر) وقت تک یہ عمل ایک مستحکم روایت کی صورت اختیار کر چکا تھا ۔ سپینسر ٹری منگھم یہ بھی کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کے زمانے میں ان مجالس کو خاصا فروغ حاصل ہوچکا تھا ، اسی لیے آنھوں نے اس پر نکتہ چینی کی ہے ۔ تاہم بقول مصنف ، یہ ابھی لوگوں کے مذہب کا جزو نہیں بنا تھا ۔ البتہ سیوطی کے عہد تک پہنچتے پہنچتے مولود ناموں کے خد و خال بالکل واضح ہوگئے اور اُن کی خصوصیات متعین ہوگئیں ۔

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ :

Mawlid recitations in the Arab world had taken their characteristic form in the time of (as-Suyuti (1445-1503) and the first, Arabic *mawlid* (apart from the earlier type of memorial to the Prophet like al-Busiri's *Burda and Hamziyya*) was *Mawlid Sharaf an-Anam* by 'Abd ar-Rahman Ibn ad-Daiba' az-Zabidi (1461-1537). The popularization of these recitals is comparatively late, not becoming universal until the end of the eightienth century, and is especially characteristic of the nineteenth century orders with their stress upon the presence of the Prophet. Many of these order-founders wrote a *mawlid*, but the first to achieve renown was that of al-Barzanji (d. 1766). It was adopted by the older orders, the Qadiri in particular, and was a feature in their renewed popularity at the end of the eighteenth century. This has ever since been the most universally performed *mawlid*, most of the others being practised only within a particular order circle.[1] Nativity recitals of this kind never became universal in the Muslim world or even the Arabic-speaking world. In the Maghrib *mawlid* celebrations rather take the form of *qasida* recitals sung in honour of the Prophet by a special class of *qasa'idin*.[2]

On the occasion of the Prophet's nocturnal ascension (on the eve of 27 Rajab) and sometimes on other occasions the *mi'raj* story is recited in place of the *mawlid*. This is the legend accord-

ing to which the Prophet on the night of his miraculous flight to Jerusalem (which has for its point of departure sura xvii. 1) on a celestial steed called Buraq, ascended through the seven heavens within 'a two-bows'-length distance' from the divine throne. The legend plays an important part in the symbolism by which Sufis describe the ascent ot the soul, as, for example, in Ibn al-Arabi's *Kitab al-Isra' ila 'l-maqam al-asra*. Some *mawlid* poems, like that of Sulaiman Chelebi, also include the *mi'raj*. The most popular recitals are one composed by al-Barzanji and *Qissat al-mi'raj al-kubra* by Najm ad-din al-Ghaiti (d. 1576),[3] with the *hashiya* (marginalia) of ad-Dardir (d. 1786)[4].[1]

1. For exemple, *Simi ad-durar* (String of Pearls) generally known as *Mawlid al-Habshi* after its author Ali ibn M. al-Habshi of the 'Alawi (Hadrami) *tariqa*. The Tijani founder did not compose a *mawild*, so naturally in such a self-centred *tariqa* his followers do not recite one. However, they have an equivalent in that they hold that the Prophet comes (provided the ritual has been properly observed) during the seventh reading of *Jawharat al-kamal*; see M. 'Alwan al-Jawsqi, *As Sirr al-abhar*, p. 3, quoted above, p. 191. M. ibn al-Mukhtar (Wad al-'Aliya, d. 1882), who introduced the Tijaniyya into the Egyptian Sudan (see my *Islam in the Sudan*, pp. 237—8), did in fact write a *Mawlid Insan al-Kamil* which has been published, but I do not know if it is recited.

2. See E. Dermenghem, *Le Culte des saints dans l' Islam maghrebin*, Paris, 1954, p. 186. Maliki doctors condemned the celebration of the festival (cf. Ibn al-Hajj, *Al-Madkha'*., 1320, i. 153 ff.), but that would have made no difference had it really caught on with the people.

3. See Ibn al-'Imad, *Shadhardi adh-dhahab* (Cairo, A.M. 1351), viii. 406—7.

4. Authors of *Mi'raj* poems in Turkish include Ghani Zade Nadiri, Nayi Uthman Dede, and Nabifl.

———

1. The Sufi Orders in Islam : J. Spencer Trimingham, Clarendon Press Oxford, 1971, page 207, 208.

پھر ان مولود ناموں کی متعین ہیئت اور مشترک موضوع کے بارے میں یہی مصنف لکھتا ہے :

The *mawlid* follows a standard form. After introductory praises to God and an invocation, the poem begins with a description of an-Nur al-Muhammadi, the eternal principle of creation and prophetical succession, in which the Light manifested itself from Adam, through the Prophets, to the birth of Muhammad. The point in the recital when the Prophet descends is the most solemn part of the recital. At the words 'Our Prophet was born' (*wulida nabiyyuna*) or equivalent phrase,[1] all stand to welcome him with the words, *Marhaban, ya Mustafa*) (Hail to thou (Chosen One), or *Ya Nabi sallim alaik* (O Prophet, God's blessings be on thee). The poem then goes on to trace certain aspects of the Prophet's life, with the stress on the miraculous and his virtues (*manaqib*). The songs which are interspersed between the various sections follow a liturgical pattern, invocation and response.[1]

1. In Sulaiman Chelebi's *movlid* the solemn moment occurs at this point in Amina's recital :

> 'Came a White Bird borne upon his wings straightway.
> And with virtue stroked my back as there I lay.
> Then was born the Sultan of the Faith that stound,
> Earth and heaven shone in radious glory drowned.

Translated by E. J. W. Gibb (op. cit. i. 246), who remarks. 'It is when this couplet has been reached at the Mevlid meetings that the sherbet and sweets are brought in and handed round ; these are presented first to the chanter, then to the assembled guests.'

---

1. The Sufi Orders in Islam : J. Spencer Trimingham, Claredon Press Oxford, 1971, page 208, 209.

بہرحال مجالسِ مولود اور اُن میں پڑھے جانے والے میلاد ناموں کی مقبولیت عالم گیر حیثیت اختیار کر گئی اور کم و بیش تمام اسلامی ممالک میں اس کا رواج عام ہو گیا ۔ چنانچہ سفر نامہ ابنِ بطوطہ سے یہ امر ثابت ہے کہ ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں اندلس اور مراکش وغیرہ کے بادشاہ نہایت شان و شوکت سے مجالسِ میلاد منعقد کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ دھوم دھام سے مجلسیں بیجا پور کے عادل شاہی حکمرانوں کے یہاں ہوتی تھیں ۔ یکم ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاول تک ہر روز مجلس منعقد ہوتی تھی ۔ کل بارہ روز میں دو ، اڑھائی لاکھ روپیہ خزانۂ شاہی سے صرف ہوتا تھا ۔ عادل شاہیوں کے حریف ، گولکنڈہ کے قطب شاہی حکمران بھی مجالسِ میلاد کے انعقاد میں اُن سے پیچھے نہ تھے ۔ نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ "سلطان محمد قلی قطب شاہ اور اُس کے نواسے سلطان عبداللہ کے عہد میں عیدِ میلاد شاندار پیمانے پر منائی جاتی تھی ۔ اس کی تفصیل تاریخوں میں موجود ہے ۔ اُن سے واضح ہوتا ہے کہ عیدِ میلاد کا جشن قصرِ داد محل کے کشادہ اور وسیع میدان میں منعقد ہوتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عیدِ میلاد النبیؐ کی آمد سے بہت قبل صناع ، ہنرمند اور اُستادانِ صنعت و حرفت شاہی عمارتوں کو آراستہ کرتے ، ربیع الاول کی سترہ تاریخ کو نقاروں ، دماموں ، نفیریوں اور قرناؤں کی آواز سے میدانِ داد محل گونج اٹھتا ، تمام شہر اور اطراف کے لوگ میدان میں جمع ہو کر صنعت و حرفت کے ہنروں کا معائنہ کرتے"[1] "حدیقۃ السلاطین" کا مصنف لکھتا ہے کہ "مولود النبیؐ کے آخری دن میدانِ داد محل ، ایک طعام خانۂ عام کی صورت میں تبدیل کر دیا جاتا اور تمام لوگ خاص و عام اُن دسترخوانوں پر کھانا کھاتے تھے ۔ اُس وقت میدان میں چاروں طرف روشنی کی جاتی ، تمام میدان روشنی سے جگمگا اٹھتا ۔ دولت خانۂ شاہی کے اندر اور باہر آتش بازی چلائی جاتی ۔ تمام رات کھانے پینے ، گانے بجانے اور تماشے کا سلسلہ جاری رہتا ۔ غرض میلادالنبیؐ کی خوشی کا یہ جشن بارہ روز تک دن رات جاری رہتا تھا ، اور اس میں

۱- دکنی کلچر : محمد نصیر الدین ہاشمی ، مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور ، ۱۹۶۳ء ، ص ۳۵۶ ۔

تیس ہزار ہون خرچ ہوئے"[۱] -

مغلیہ خاندان میں شاہجہان بادشاہ کے یہاں بارہویں ربیع الاول کو مجلس میلاد منعقد ہوا کرتی تھی - یہ محفل رات کے وقت شاہ جہاں کے خاص دربار میں جمتی اور سب اُمرا ، فضلاء ، صلحا اور سادات موجود ہوتے - تخت شاہی دربار سے ہٹا دیا جاتا تھا اور بادشاہ دوسرے لوگوں کے ساتھ نہایت ادب سے فرش پر بیٹھ کو مولود شریف سنا کرتے تھے - بارہ ہزار نقد اور انواع و اقسام کے کھانے غریبوں میں تقسیم کیے جاتے تھے - اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی یہ طریقہ جاری رہا حتٰی کہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے وقت تک شاہی دربار میں دھوم دھام سے مجلس میلاد کے انعقاد کا پتہ ملتا ہے[۲] -

سیرت النبیؐ سے متعلق 'پرتخیل '، 'پرشکوہ اور مبالغہ آمیز واقعات سے لبریز اس صنف 'میلاد نامہ' نے اردو زبان میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی - چنانچہ جنوبی اور شمالی ہند میں سینکڑوں کی تعداد میں مولود شریف لکھے گئے - ۱۸۵۷ء سے پہلے ان کی تعداد اگر دہائیوں میں تھی تو ۱۸۵۷ء کے بعد وہ سینکڑوں میں تبدیل ہو جاتی ہے - قاموس الکتب اردو ، جلد اول (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ، پاکستان ، زیر نگرانی : مولوی عبدالحق) میں ۱۹۶۱ء تک دستیاب سیرت النبیؐ پر اگر ۳۰۸ کتابوں کے نام ملتے ہیں تو میلاد النبیؐ پر ۲۳۵ ، مبشرات پر ۱۸ ، آنحضرتؐ کے نسب پر ۶ ، شمائل پر ۳۰ ، خصائص و فضائل پر ۱۴ ، اخلاق النبیؐ پر ۱۶ ، معجزات پر ۴۵ اور صلٰوۃ و سلام پر ۱۳ کتابوں کے نام درج ہیں - ۲۶ نور نامے ، ۵۳ معراج نامے اور ۲۶ وفات نامے اس پر مستزاد ہیں[۳] - یہ فہرست بھی نامکمل ہے ، کیونکہ بے شمار کتابیں اس میں درج ہونے

۱- حدیقۃ السلاطین : مؤلف نظام الدین ساعدی ، مرتب : سید علی اصغر بلگرامی ، اسلامک پبلیکیشنز سوسائٹی ، حیدر آباد ، ۱۹۶۲ء ، ص ۵۶ -

۲- رسالہ میلاد النبیؐ : ابوالبرکات ن منشی قادر علی ، شیخ غلام علی ، برکت علی ، تاجران کتب لاہور ، ۱۹۲۱ء ، ص ۱۷ -

۳- قاموس الکتب اردو : جلد اول ، ص ۶۹۱ تا ۷۷۴ -

سے رہ گئی ہیں ، جن میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں شامل ہیں ۔ مولود ناموں کے روز افزوں پھیلاؤ اور ہمہ گیر مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں سر سید احمد خاں اور خواجہ الطاف حسین حالی جیسے عقلیت پسند بھی ، مولود نویسوں کے انبوہِ عظم میں دوسروں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں ۔

خصوصیات : فنِ سیرت نگاری میں اردو میلاد ناموں کی فنی اور علمی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے مروج و مقبول کتبِ میلاد شریف کا جائزہ لینا ضروری ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میلاد ناموں نے عوام الناس کی ایک اہم ضرورت کا احساس کیا اور وہ ضرورت آنحضرت ؐ کی ذاتِ مبارکہ سے اپنا روحانی اور دینی رشتہ استوار کرنے کی تھی ۔ ان مولود ناموں کا بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے نیم خواندہ عوام میں حضور اکرم ؐ کی ولادت ، حسب نسب ، خاندان ، بعثت ، ہجرت ، وفات ، معجزات ، مبشرات ، شمائل اور اخلاق و کردار کے بارے میں معلومات عام کرنے کی کوشش کی ۔ انھوں نے لوگوں کے دلوں میں عشقِ رسول ؐ کے پاکیزہ جذبے کو نمو بخشی اور وقتاً فوقتاً مجالسِ میلاد منعقد کر کے انھیں بانیٔ اسلام کی دلآویز شخصیت اور ابدی پیغام سے آگاہ کیا ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بیشتر مولود ناموں کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ان میں ضعیف بلکہ وضعی روایات کی بھرمار ہے ۔ آنحضرت ؐ کی توصیف اور مدح و ستائش کے جوش میں مولود نگار یہ نہیں دیکھتے کہ جو واقعات وہ بیان کر رہے ہیں ، ان کی حقیقت کیا ہے ؟ مولود نویسوں نے اپنے رسائل کا بیشتر مواد کتبِ دلائل سے اخذ کیا ہے اور بقول سید سلیمان ندوی :

"یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور انھیں سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے ۔ خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرفِ قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپ ؐ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے اور حق و باطل کی تمیز مشکل ہو گئی حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے کتبِ صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم خالی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کتبِ دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں بلکہ کثرت سے عجیب و غریب واقعات کا

مواد فراہم کرنا تھا ، تاکہ خاتم المرسلین ؐ کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتدبہ اضافہ ہو سکے - بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے ، مثلاً زرقانی وغیرہ ، وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے ، لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو ، جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن گئی ہو ، جو اُس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو ، اُس کے لیے صرف اس قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے ، خصوصاً اس لیے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں ، وہ تمام تر اُن ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں"[1] -

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و معجزات پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ، اُن میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں[2] ، وہ متاخرین نے عام طور پر یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے ، وہ

۱- سیرت النبی ؐ : سید سلیمان ندوی ، جلد ۳ ، ص ۴۴۲ -

۲- شاہ ولی اللہ کے نزدیک (حجۃ اللہ البالغہ ، باب طبقات کتب الحدیث) تیسرے طبقہ کی کتابیں یہ ہیں - مسند ابو یعلیٰ ، مصنف عبدالرزاق ، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ ، مسند عبد بن حمید ، مسند طیالسی ، تصانیف بیہقی ، طحاوی اور طبرانی - ان میں سچی ، جھوٹی ، اچھی بری ، قوی ، ضعیف ہر قسم کی احادیث پہلو بہ پہلو درج ہیں - چوتھے طبقہ کی کتابوں کے مصنفین نے ان روایتوں کو جمع کیا ، جو پہلے اور دوسرے طبقہ کی محدثین نے چھوڑ دی تھیں اور جن سے قصہ گو واعظین رونقِ محفل کا کام لیتے تھے - اُنھوں نے اسرائیلیات ، اقوالِ حکماء ، اشاراتِ حدیث ، قصص و حکایات اور نامعتبر روایات کو حدیث کا درجہ دے کر اپنی کتابوں میں شامل کر لیا - کتاب الضعفالا بن حبان ، کامل لابن عدی اور خطیب ، ابو نعیم ، جوزقانی ، ابن عساکر ، ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا شمار اسی چوتھے طبقہ میں ہوتا ہے - (سیرت النبی ؐ : سید سلیمان ندوی ، جلد ۳ ، ص ۴۴۳ ، ۴۴۴) -

طبری ، طبرانی ، بیہقی ، دیلمی، بزار اور ابو نعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں ۔ حافظ قسطلانی نے انہیں روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر ''مواہب لدنیہ'' میں داخل کیا اور معین فراہی نے اُن کو ''معارج النبوۃ'' میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چُھپ کر رہ گئے ۔

''مواہب لدنیہ'' اور ''معارج النبوۃ'' وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے ، وہ حسب ذیل ہیں : کتاب الطبقات لابن سعد ، سیرت ابن اسحٰق ، دلائل النبوہ ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ) ، دلائل النبوۃ ، ابو اسحٰق حربی (المتوفی ۲۵۵ھ) ، شرف المصطفیٰ ، ابوسعید عبدالرحمٰن بن حسن اصفہانی (المتوفی ۴۰۷ھ) ، تاریخ و تفسیر ابو جعفر بن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) ، مولد یحیٰی بن عائذ ، دلائل النبوۃ جعفر ابن محمد مستغفری (المتوفی ۴۳۲ھ) ، دلائل النبوۃ ابو القاسم اسمٰعیل اصفہانی (المتوفی ۵۳۵ھ) ، تاریخ دمشق ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ) —— لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں ۔ کتاب الدلائل ابو نعیم اصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) اور کتاب الدلائل امام بیہقی (المتوفی ۴۵۰ھ)''[1] ۔

امام جلال الدین سیوطی کی ''خصائص الکبریٰ'' معجزات کے موضوع پر سب سے اہم کتاب تسلیم کی جاتی ہے اور اُس کا حال یہ ہے کہ مصنف نے صحاح ستہ کے علاوہ مذکورہ بالا مصنفین کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ اُنھوں نے غیر محتاط مصنفین (مثلاً ابن ابی الدنیا ، ابن شاہین ، ابن ابی النجار ، ابن مندہ ، ابن مردویہ ، دیلمی ، حزالطی اور خطیب وغیرہ) کی روایات اخذ کرنے میں بھی جھجھک محسوس نہیں کی ۔ یہی وجہ ہے کہ ''خصائص الکبریٰ'' میں قوی اور ضعیف ، صحیح اور غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار ہے ۔ اردو مولود ناموں کے مصنفین نے اس سارے مواد سے فائدہ اُٹھایا ، اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو مواہب لدنیہ ، معارج النبوۃ اور خصائص الکبریٰ کے ناموں سے مرعوب کر کے یہ باور

۱- سیرۃ النبی : سید سلیمان ندوی ، ج ۳ ، ص ۴۴۷ تا ۴۴۵ ۔

کرانے کی کوشش کی کہ جو واقعات وہ بیان کر رہے ہیں ، وہ بے اصل نہیں ، بلکہ سیرت کی معتبر کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں ۔

سید سلیمان ندوی نے معجزات (جن پر کتبِ میلاد کی پوری عمارت کھڑی ہے) کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے سات اسباب پر بحث کی ہے جو سیرۃ النبی ؐ جلد سوم (ص ۷۴۹ تا ۷۵۸) میں دیکھے جا سکتے ہیں ۔ مختصراً ، اُن کی رائے میں ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ سیرت النبی ؐ کے واقعات بیان کرنے کا کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصہ میں آیا ، جو عموماً علم سے محروم ہوتے ہیں اور صحیح روایات تک اُن کی دسترس نہیں ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لامحالہ انھیں اپنی قوتِ اختراع پر زور دینا پڑا ۔ اُن میں سے جو قدرے محتاط تھے ، اُنھوں نے ان واقعات کو لطائفِ صوفیانہ اور مضامینِ شاعرانہ میں ادا کیا مگر سُننے والوں نے اُنھیں روایت کی حیثیت دے دی ۔ یا بعد کو اُنھی بیانات نے روایت کی صورت اختیار کر لی ۔ چنانچہ رفتہ رفتہ فضائل و مناقب ، عذاب و ثواب ، بہشت و دوزخ، وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا ایک جعلی دفتر پیدا ہو گیا ۔ پھر آنحضرت ؐ کے فضائل میں اضافہ کرنے کے لیے انبیائے سابقین کے معجزات کو بھی آنحضرت سے منسوب کر دیا گیا ۔ اُن کے مقابل ویسے ہی معجزے ایجاد کیے گئے تاکہ آپ افضل الانبیاء نظر آئیں حالانکہ آپ کا مقامِ عالی ان معجزات کا مرہونِ منت نہ تھا ۔ پھر سابقہ کتبِ آسمانی میں آنحضرت کی آمد کی پیشین گوئیاں مندرج تھیں ، وہ عموماً استعارات و کنایات کی شکل میں تھیں ، لیکن کتبِ دلائل (اور اُن کی تقلید میں کتبِ میلاد) کے مصنفین نے موضوع اور ضعیف روایتوں کے ذریعے نام ، مقام ، دن ، تاریخ اور سال وغیرہ کا تعین بھی کر دیا ۔ علاوہ ازیں آنحضرت کی ولادت کے بیان کو پہلے واعظوں اور میلاد خوانوں نے شاعرانہ انداز میں بیان کیا تھا ، مگر بعد کے میلاد خوانوں نے امرِ واقعہ سمجھ لیا ۔ اسی طرح آپ کے عہدِ رسالت میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ، اُن کا وقوع آپ کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا اور اُسے بطورِ معجزہ پیش کیا گیا ، مثلاً آپ کی ولادت پر کعبہ کے بُتوں کا سر نگوں ہونا ، قیصر و کسریٰ کے محلوں کے کنگروں کا گرنا ، آتشکدۂ فارس کا بجھنا ، نہر ساوہ کا خشک ہونا اور شام کے محلات کا روشن ہونا ،

وغیرہ ۔ پھر معجزات بڑھانے کے شوق میں آنحضرت سے منسوب تمام معمولی اور غیر معمولی واقعات کو بھی مستقل معجزات کا درجہ دیا گیا ۔ مثلاً آنحضرت کا غیر مختون پیدا ہونا اور شانۂ مبارک پر ابھرے ہوئے گوشت کو خاتمِ نبوت قرار دیا جانا وغیرہ ۔

اس کے بعد سید موصوف نے کتبِ مولود میں بیان کردہ بیشتر دلائل و معجزات کی حقیقت کو چیلنج کیا ہے اور ۳۰ ایسی مقبول عام روایات کو وضعی قرار دیا ہے ، جو کم و بیش ہر مولود شریف میں پائی جاتی ہیں ۔ (ص ۵۸۷ تا ۷۹۲) بیشک اہلِ سیر اور دیگر مصنفین نے انھیں فضائلِ نبوی میں شمار کیا ہے ، لیکن مشکوک صحت کی وجہ سے وہ ناقابلِ قبول ہیں[1] ۔

۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر پاک و ہند میں میلاد ناموں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے ۔ شاید ہی کوئی سال گزرا ہو جس میں نئے میلاد نامے نہ لکھے گئے ہوں ، یا پرانے عربی اور فارسی میلاد ناموں کا ترجمہ نہ ہوا ہو ۔ ان میلاد ناموں کی ایک مختصر فہرست یہاں درج کی جاتی ہے ۔ اس میں وہ کتابیں شامل نہیں ہیں ، جن کے مصنفین کا نام یا سنِ وفات معلوم نہیں ہو سکا یا جن کے سنِ تالیف یا سنِ طباعت کا پتہ نہیں چل سکا ۔ ایسے میلاد نامے بھی اس فہرست میں شامل نہیں کیے گئے ، جن پر مصنف کی بجائے صرف ناشر یا میلاد نامہ لکھنے کی فرمائش کرنے والے کا نام درج ہے ۔ ایسے میلاد ناموں کی ایک کثیر تعداد قاموس الکتب اردو (جلد اول) میں میلاد النبی کے زیر عنوان (ص ۲۸۷ تا ۳۶۷) دیکھی جا سکتی ہے ۔ بہرحال اس عہد میں لکھے گئے کچھ مواود ناموں کی فہرست ملاحظہ ہو :

۱- سیرت النبی : سید سلیمان ندوی ، ج ۳ ، ص ۵۸۷ تا ۷۹۲ ۔

مولود نامے (۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ء تک)

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف	مقام طباعت
انوار رسول	غفار شاہ قادری	ص ۳۰	طبع ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء	بنگلور
مولود شریف	مسکین و دستگیر		طبع ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء	مدراس
رسالہ میلاد شریف	نواب محسن الملک		تالیف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء	
خدا کی رحمت	مولوی غلام امام شہید الہ آبادی		تالیف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء	طبع مدراس ۱۸۶۰ء
مولود شریف	خواجہ الطاف حسین حالی	ص ۹۸	تالیف ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۳ء	پانی پت ۱۹۳۲ء
مولود سعیدی	مولوی محمد علی خان سعید	ص ۳۸		دہلی
زیور ایمان (زنانہ میلاد شریف)	" " " لکھنوی			
سودائے آخرت	عبدالقادر	ص ۱۸۲	تالیف ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء	
اسلامی مجالس (مذاکرۂ علمیہ)	مولوی محمد وجیہہ	ص ۲۸	تالیف ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء	کلکتہ
میلاد شریف سرور عالم	محمد صاحب علی خان مارہروی	ص ۶۳	طبع ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء	کان پور
میلاد النبی (ترجمہ مولود برزنجی)	مولوی حفاظت حسین	ص ۱۲۷	تالیف ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء	
مولود شریف	امام بخش ناسخ لکھنوی		تالیف ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء	
خیر الاذکار فی ذکر سید الاخیار	غلام محمد ـ ہادی علی خان		تالیف ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء	

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف	مقام طباعت
مولود عرض بہار	مرزا علی	ص ۶۶	طبع ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء	لکھنؤ
نظم الدرر فی سلک شک القمر	مولٰینا عبدالحلیم فرنگی محلی		متوفی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء	تالیف ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء
نور الایمان فی آثار حبیب الرحمٰن	ایضاً			
اسرار نبوت	محمد ظہیر الدین بلگرامی	ص ۱۹۲	طبع ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء	لکھنؤ
مولود شریف	ایضاً		طبع ایضاً	لکھنؤ
مولود شریف جدید	صوفی احمد خان اکبر آبادی	ص ۹۶	طبع ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء	آگرہ
نجات العاشقین	محمد ابراہیم ہاشمی		تالیف ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء	
رسالہ میلاد شریف	سید احمد علی		تالیف ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء	
سرور القلوب فی ذکر المحبوبؐ	مولوی محمد تقی خان بریلوی	ص ۲۵۸	طبع ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء	کان پور
وسیلة النجات (خلاصہ سرور القلوب)	ایضاً		تالیف ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء	
سرورالقلوب فی ذکرالمحبوب	رضا علی خان	ص ۵۸	تالیف ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء	
سہر نبوت	مردان علی شاہ		طبع ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء	لکھنؤ
فضائل میلاد	مولوی سلامت اللہ کانپوری	ص ۳۳	طبع ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء	کان پور
اذکار محمدی (میلاد شریف)	وزیر الدین	ص ۸۰	طبع ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء	آگرہ

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف	مقام طباعت
شبیہہ احمدی	محمد جمال الدین حسین	ص ۵۱	طبع ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء	لکھنؤ
توشہ عقبیٰ (آنحضرت کے اسمائے مبارکہ	محمد عباس		طبع ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء	مدراس
فیض عام	فیض الحسن	ص ۱٦۴	طبع ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء	لدھیانہ
راحت القلوب فی مولود المحبوب	عبدالسمیع	ص ۱۱۴	طبع ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء	لکھنؤ
مولود شریف شہید	مولوی غلام امام شہید الہآبادی	ص ۹٦	متوفی ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء	آگرہ ، لکھنؤ،لاہور بریلی : ۱۸۸۳ء
میلاد مصطفوی	سید وزیر حسین رضوی	ص ۱۰۴	طبع ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء	سیتا پور
میلاد شریف ، چراغ دین (دو حصے)	نواب باقر علی خاں لکھنوی	ص ۱۵۲	طبع ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء	لکھنؤ
مولود منظوم	فضل رسول		تالیف ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء	
مولود رسول اکرم	فیاض احمد خاں	ص ۱۹	۱۲۹۳ھ/۱۸۷٦ء	
میلاد شریف (معروف بہ آفتاب عالم تاب	حکیم محمد احسن امروہوی	ص ۱۳٦	طبع ۱۲۹۳ھ/۱۸۷٦ء	دہلی
مولود رسول اکرم (جزواً میلاد غلام امام شہید سے ماخوذ)	نواب نیاز احمد خاں	ص ۴۰	طبع ۱۲۹۳ھ/۱۸۷٦ء	بمبئی

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف		مقام طباعت
مقبول سرمدی معروف بہ میلاد محمدی :	محمد باقر علی ہمسر لکھنوی	ص ۷۶	طبع	۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء	لکھنؤ
اذکار محمدی	مولوی محمد امیر	ص ۷۲	طبع	۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء	آگرہ
انوار محمدی	ایضاً	ص ۷۰	طبع	۱۲۹۴ھ/۱۸۷۸ء	آگرہ
مولود شریف (مسمّٰی بہ بہار جنت)	محمد عبدالسمیع	ص ۷۲	طبع	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۹ء	میرٹھ
مولود شریف عزیز	عبدالعزیز محدث لکھنوی	ص ۶۰	طبع	۱۲۹۵ھ/۱۸۷۹ء	لکھنؤ
نور الابصار فی ذکر خیر الابرار	محمد حسن	ص ۶۰	طبع	۱۲۹۶ھ/۱۸۸۰ء	لکھنؤ
مولود شریف نبی کریم	صاحب علی خاں	ص ۳۲	طبع	۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء	الہ آباد
سرور بشر	منور حسین بشیر		طبع	۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء	اور ۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ لکھنؤ
زیور ایمان (میلاد)	انوار علی	ص ۱۲۲	طبع	۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء	لکھنؤ
نور محمدی	محمد اسمٰعیل	ص ۱۷۵	طبع	۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء	میرٹھ
شمس الضحٰی فی میلاد المصطفٰی (میلاد و سوانح عمری محمد)	مولوی عجیب اللہ لکھنوی	ص ۶۳	طبع	۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء	اور ۱۸۹۳ء/۱۳۱۰ھ لکھنؤ
ریاض الازہار	محمد وجیہہ الدین رضوی	ص ۲۳۲		۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء	

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف		مقام طباعت
مولد شریف	فخر الدین احمد الہ آبادی		متوفی	۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء	
وسیلة المعاد فی اثبات میلاد خیرالعباد	محمد عبداللہ		تالیف	۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء	
نور ظہور	سید احمد حسین مائل		تالیف	۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء	
الشامة العنبریہ من مولد خیرالبریہ	نواب صدیق حسن ترجمہ جمیل احمد	ص ۱۲۶	تالیف	۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء	طبع نو ، سیالکوٹ
نفخ الطیب فی مولدالحبیب	علی انور شاہ	ص ۸۳	طبع	۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء	کان پور
بحر ولادت		ص ۱۵۶	طبع	۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء	آگرہ
میلاد شریف	برہان الدین	ص ۴۶	طبع	۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء	حیدر آباد ، دکن
خیابان آفرینش	امیر مینائی	ص ۴۰	تالیف و طبع	۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء	حیدر آباد ، دکن
میلاد خیرالبشر (ترجمہ شمامة العنبر فی میلاد خیر البشر)	علی نواز (قلندر شاہ)		طبع	۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء	لکھنؤ
کلام المحمود فی ذکر اشرف المولود (ذکر ولادت آنحضرت ﷺ)		ص ۶۰	طبع	۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء	لکھنؤ

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف	مقام طباعت
رسالہ میلاد النبی	مولیٰنا عبدالرزاق فرنگی محلی		متوفی ١٣٠٧ھ/١٨٨٩ء	
مولود شریف پیر مصطفیٰ	مولیٰنا عبدالقادر		طبع ١٣٠٧ھ/١٨٨٩ء	دہلی
الدرر المنتظم فی بیان المحکم مولود النبی الاعظم الاعظم (اردو)	عبدالحق الہ آبادی	ص ١٣٨	طبع ١٣٠٧ھ/١٨٨٩ء	دہلی
تنشیط العشاق فی احوال النبی المشتاق	مولیٰنا عبدالرزاق فرنگی محلی		طبع ١٣٠٧ھ/١٨٨٩ء	
شمس الہدیٰ فی بیان ولادت مصطفیٰ	مولوی فیض بخش	ص ٣٨	طبع ١٣٠٨ھ/١٨٩٠ء	لکھنؤ
ذکاء الہدیٰ فی مولد محمد مصطفیٰ	نواب باقر علی خاں لکھنوی		طبع ١٣٠٨ھ/١٨٩٠ء	لکھنؤ
محامد النبی فی احوال السید الامی	حامد علی لکھنوی	ص ٣٢	طبع ١٣٠٨ھ/١٨٩٠ء	لکھنؤ
میلاد محمدی	عبداللہ مقبول احمدی	ص ٦٠	طبع ١٣٠٨ھ/١٨٩٠ء	لکھنؤ
فضائل محمدی	عبدالحفیظ	ص ٢٢٣	طبع ١٣٠٨ھ/١٨٩٠ء	لکھنؤ
ترجمہ میلاد النبی (علامہ ابن جزری)	(عربی اُردو) مترجم : محمد جان شاہ	ص ١٠٠	طبع ١٣٠٨ھ/١٨٩٠ء	لکھنؤ

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف	مقام طباعت
نالهٔ عاصم در بیان میلاد شریف)	(اردو ـ فارسی) عاصم		طبع ١٣٠٩ھ/١٨٩١ء	لکھنؤ
میلاد سرور انبیاء	قاضی سید سرور علی	ص ١٦٠	طبع ١٣١٠ھ/١٨٩٢ء	لکھنؤ
ناصراللبیب فی اسماء الحبیب	ناصر علی		طبع ١٣١٠ھ/١٨٩٢ء	دہلی ، لکھنؤ
گلزار ولادت (میلاد)	ایضاً		طبع ١٣١٠ھ/١٨٩٢ء	دہلی
میلادِ مصطفٰی			طبع ١٣١٠ھ/١٨٩٢ء	لکھنؤ
آئینهٔ شفاعت (مشہور نتیجۂ قیامت)	حکیم سید محمد علی بیدل بریاوی	ص ٢٣	طبع ١٨٩٥ء	بریلی
نور محمدی	محمد اسمٰعیل			
میلاد شریف	خلیل الرحمٰن واعظ سہانپوری	ص ٢٣	طبع ١٣١٣ھ/١٨٩٦ء	میرٹھ
نورالمظہر (معروف بہ بہارِ خلد)	شیخ عباد اللہ رخ (معروف بہ شیخ بادل)	ص ٦٨	طبع ١٣١٣ھ/١٨٩٦ء	دہلی
مولود شریف	محمد اکبر علی	ص ٨	طبع ١٣١٣ھ/١٨٩٦ء	امرتسر
انتخاب عرشی فی ذکر میلاد النبی	عزیز الرحمٰن عرشی غازی پوری	ص ٦٨	طبع دوم ١٣١٦ھ/١٨٩٨ء	لکھنؤ

کتاب	مصنف	صفحات	تالیف/طباعت/سن وفات مصنف	مقام طباعت
باغ رسول	محمود حسن جلیل بدایونی	ص ۴۸	طبع ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۸ء	بریلی
راحت العاشقین فی ذکر ولادت سید المرسلین	حکیم مولوی عاشق حسین	ص ۴۶	طبع ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء	لکھنؤ
شمع لاہوت بزم ملکوت	میاں سہدی علی پروانہ	ص ۶۸	طبع ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء	لکھنؤ
کتاب میلادالنبی (موسومہ بہ کوکب دری)	مرتبہ خجستہ اختر سہروردی		مرتبہ ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء	طبع کراچی ۱۹۳۵ء
اخبار محمدی	عبدالعزیز لکھنوی		تالیف ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء	

۱۔ اس فہرست کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں ، مقالوں اور رسالوں سے استفادہ کیا گیا ہے :

(۱) قاموس الکتب اردو ، جلد اول ۔
(۲) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ، جلد اول ، مقدمہ ۔
(۳) تحفۂ ساقیٔ کوثر (سیدہ رئیس فاطمہ) ، مقالہ ایم ۔ اے اردو ، سندھ یونیورسٹی ، حیدر آباد ۔
(۴) اردو میں میلاد نامے (ڈاکٹر قاضی شہاب الدین) مقالہ برائے پی ۔ ایچ ۔ ڈی ، ناگ پور یونیورسٹی (۱۹۶۴ء) ۔
(۵) صریر نامہ (نعت نمبر) سندھ یونیورسٹی ۔
(۶) مختلف مطبوعہ میلاد نامے ۔

مجالسِ میلاد کے انعقاد اور کتبِ میلاد کی تالیف کے کئی محرکات بیان کیے جاتے ہیں ، لیکن اُن میں بڑا اور یقینی سبب ذکرِ رسول کے ذریعے حصولِ ثواب کی خواہش ہے ۔ شاہ ولی اللہ کے رسالہ "القول الجمیل" میں کھیعص اور حمعسق کے عمل کے حوالہ سے مولوی عبدالسمیع "انوار ساطعہ" میں اس کی افادی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "پس اس طرح مولد شریف ایک عمل ہے ، واسطے حصولِ خیر و برکت وغیرہ کے ۔ چنانچہ ابو سعید بورنی و سخاوی و علی قاری وغیرہم نے اس عمل کرنے سے برکاتِ کثیرہ کا حاصل ہونا بیان کیا ہے کہ حصولِ منافع دینی و دنیوی کے لیے اس عمل کو بہت اہلِ اسلام بلادِ اسلامیہ میں کرتے ہیں"[1] ۔ "مولودِ سعیدی" کا مصنف کہتا ہے کہ "منقول ہے کہ بزرگی ، مولود شریف کی حد سے زیادہ ہے ، جہاں تک لکھی جائے ، کم ہے ۔ اہلِ عرب کا دستور ہے کہ اگر کوئی نیا مکان بنائے یا کوئی مسافر باہر سے آئے یا شادی و غمی ہو یا کوئی اور کام ہو ، تو مجلسِ میلاد شریف ضرور کرتے ہیں ۔ یہی سبب ہے کہ اُن کے کاموں میں برکت ہوتی ہے اور تجارت میں نفع"[2] تاہم اسلامی دنیا میں اس عمل کو ہنود و نصاریٰ کے اُن تہواروں سے بھی تقویت ملی ، جو اپنے مذہبی پیشواؤں کی فضیلت کے اظہار کے لیے مناتے تھے ، مثلاً ہندوؤں کے ہاں جنم اشٹمی اور عیسائیوں کے ہاں جشنِ میلادِ مسیح[ؑ] وغیرہ ۔ مسلمانوں نے بھی (جو آنحضرت کو افضل الانبیاء[ؑ] مانتے ہیں) ، یہ سوچ کر کہ وہ اپنے نبی کی مدح و ستائش میں کسی سے پیچھے کیوں رہیں ، تقریب میلاد النبی کو ایک مقدس تہوار کی شکل دے دی ۔ اس کے جواز میں مُلّا علی قاری اپنے رسالہ "مورد الردی" میں ابن جزری (متوفی ۸۳۳ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جب "نصاریٰ اپنے نبی کی پیدائش کی رات کو عیدِ اکبر مناتے ہیں تو اہلِ اسلام کو اُن سے زیادہ اپنے نبی کی تکریم و تعظیم کرنا چاہیے"[1] مجالسِ مولود میں نبی اکرم[ؐ] کی فضیلت بیان کرنے کے لیے

۱- انوار ساطعہ : مولوی عبدالسمیع بیدل رام پوری ، ص ۲۱۶ ۔

۲- مولودِ سعیدی : رتن اینڈ کو ، تاجرانِ کتب ، دریبہ کلاں ، دہلی ، ص ۵ ۔

پہلے پہل زبان سے اور پھر تحریر سے کام لیا گیا ۔ یوں کتبِ میلاد لکھنے کی ابتداء ہوئی ۔

اس دور کے اردو میلاد ناموں میں موجود روایات کا جائزہ لینے کے لیے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں :

روایت ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جنابِ باری سے پوچھا کہ "میں تیرا محبوب ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ؟" فرمایا "اے موسیٰؑ : 'تو کلیم میرا ہے اور محمد حبیب میرا ہے ، اے موسیٰؑ ! کلیم وہ ہے جو موافق مرضیٔ خدا کے کام کرے اور حبیب وہ ہے جو خدا اوس کی مرضی کے موافق کام کرے اور اے موسیٰؑ ! کلیم وہ ہے جو روزہ دار اور شب بیدار رہے اور کوہِ طور پر جا کر مناجات کرے ، اور حبیب وہ ہے کہ اپنے گھر سوتا ہو اور خدا جبرئیل کو اوس کے پاس بھیج کر بلوائے اور ایسے مقام میں پہنچاوے کہ وہاں کوئی نہ پہونچا ہو، اے موسیٰؑ ! میں نے تجھ سے کلام کیا ، 'تو کوہِ طور پر تھا ، پھر محمد سے میں نے کلام کیا ، وہ عرشِ معلیٰ پر تھا"[۲] ۔

"راوی لکھتا ہے کہ جس رات آمنہ حاملہ ہوئیں ، دو سو عورتیں ، رشک و حسد سے مر گئیں ۔ اوس رات کو ملائکۂ آسمان نے غلغلہ شادمانی کا زمین تک پہونچایا اور اہلِ زمین نے طنطنہ کامرانی کا آسمان کو سنایا ۔ جبرئیل علیہ السلام نے علمِ سبز خانۂ کعبہ پر نصب کیا ، مبارک باد دی فرشتوں نے اربابِ زمین کو ، دروازے بہشت کے مفتوح کر دیئے ۔ عالم ، عالمِ انوارِ قدس سے معمور ہو گیا ۔ ابلیس پہاڑوں میں جا چھپا ، چالیس شبانہ روز صحرا اور دریا میں سرگرداں رہا ۔ 'بت 'روئے زمین کے سر نگوں ہوئے ۔ حیوانات قریش کے بولنے لگے اور بشارت دی چرند پرند کو کہ آج آمنہ خاتون حاملہ ہوئیں ، اب زمانہ خیر البشر ، ابوالقاسم

۱- تاریخِ میلاد : حکیم عبدالشکور مرزا پوری ، ص ۳۶ ۔

۲- کلام المحمود فی ذکر اشرف المولود : طبع مطبع نامی ، لکھنؤ ۱۸۸۹ء ، ص ۶ ۔

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظہور کا نزدیک آیا"[1] ۔

حضرت آمنہ خاتون فرماتی ہیں کہ بعد ولادت سرور عالم ، تین فرشتے آسمان سے اترے ، ایک کے ہاتھ میں آفتابہ نقرئی ، دوسرے کے ہاتھ میں طشت زمردیں ، تیسرے کے ہاتھ میں جامہ سفید تھا ۔ انھوں نے حضرت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طشت میں سات بار غسل دیا ، پھر اس جامۂ سفید کو آپ کے زیب جسم اطہر کیا اور کہا "جوانب چہارگانۂ دنیا میں آپ کو اختیار فرما روائی مرحمت ہوا ہے ۔ حضرت سرور عالم نے دست مبارک وسط طشت میں رکھا ، غیب سے ندا آئی ، آپؑ نے وسط دنیا یعنی مقام بیت اللہ پسند کیا ، اس وجہ سے ہم نے اس کو مسجود خلائق فرمایا"[2] ۔

"قثم بن عباس سے روایت ہے کہ جس وقت جسد مبارک کو قبر میں سریر خاک پر لٹایا ، اور چہرۂ پر نور سے پردۂ کفن اوٹھایا ، میں نے دیکھا کہ لب ہائے مبارک کو جنبش تھی اور آہستہ آہستہ فرماتے تھے ، اپنے کانوں سے بخوبی میں نے سنا کہ قبر میں بھی یہی فرماتے ہیں : امتی ! یا رب ! امتی !"[3] ۔

صفیہ بنت عبدالمطلب سے روایت ہے کہ شب ولادت آنحضرت بجائے دائی قابلہ کے میں ، خدمت گزار تھی کہ جب آپ پیدا ہوئے ، میں نے چاہا کہ غسل دوں ، ایک نور ظاہر ہوا کہ آفتاب کو اوس نور سے کچھ نسبت نہ تھی ۔ ایک آواز بلند آئی کہ "اے صفیہ ! غسل اس مولود کو نہ دے کہ ہم نے پاک و پاکیزہ کر کے بھیجا ہے ۔ حاجت غسل کی نہیں ہے ۔ میں نے گود میں لیا تو معائنہ کیا کہ پشت مبارک

۱- انتخاب عرشی فی ذکر میلاد النبی : حافظ عزیز الرحمٰن عرشی غازی پوری ، طبع ، مطبع نامی ، لکھنؤ ، بار دوم ، ۱۸۹۸ء ، ص ۳۰ ، ۳۱ ۔

۲- شمس الضحیٰ فی میلاد المصطفیٰ : مولوی محمد مجیب اللہ لکھنوی ، طبع مطبع نامی لولکشور ، لکھنؤ ۱۸۸۳ء ، ص ۲۰ ۔

۳- مولود شریف : غلام امام شہید، طبع در مطبع ابوالعلائی ، آگرہ ، ص ۶۷ ۔

پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیہ و آلہ لکھا ہے"[1]۔

"جب سدرے سے آگے چلنے کا قصد کیا، جبرئیل نے کھڑے ہو کر کہا، بیت:

"اگر یک سرے موئے برتر پرم فروغِ تجلّی بسوزد پرم

حضرت نے فرمایا، "اے جبرئیل! ایسے مقام پر مجھ کو تنہا چھوڑے جاتے ہو۔ ندا آئی: "یا محمد دعاک الجلیل لا تنظر الی جبرئیل" وہاں سے ایک ہاتھ نکلا اور اندر حجاب کے لے گیا۔ ستّر حجاب نور و ظلمت کے اس طرح طے ہوئے۔ موٹائی ہر حجاب کے پان سو برس کے راہ اور مسافت ایک سے دوسرے کی پان سو برس کا فرق۔ وہاں پر براق رفتار سے باز رہا۔ رفرف سبز ظاہر ہوا کہ نور اوس کا آفتاب و ماہتاب پر غالب تھا۔ اس پر بیٹھ کر ستر ہزار حجاب اور طے کیے۔ ہر پردہ ستر ہزار برس کی راہ۔ رفرف نے سب پردوں سے گزرانا۔ ایک پردہ درمیان عرش اور حضرت کی باقی تھا کہ رفرف غائب ہو گیا"[2]۔

روایت ہے کہ ہجومِ محشر میں غیب سے آواز آوے گی کہ "اے میدانِ حشر کی مرد اور عورتو! اپنی اپنی آنکھیں بند کر لو۔ مقامِ ادب ہے کہ ہمارے محبوب کی بیٹی فاطمہ زہرا، علیؓ شیرِ خدا کی بی بی، حسن مجتبیٰ اور حسین شہیدِ کربلا کی والدہ اور زینب مصیبت زدہ کی مادر آتی ہے" حالانکہ عورتوں سے عورت کا پردہ کچھ ضرور نہیں، مگر وہ اس طرح سے آوے گی کہ عورتیں دیکھنے کی متحمل نہ ہوں گی۔ یہ آواز سنتے ہی سب اپنی اپنی آنکھیں بند کر لیں گے اور عمامہ مبارک حضرت شاہِ مردان علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا خون آلود دستِ راست میں لیے، اور کرتہ زہر آلود حضرت امام حسنؓ کا ایک کندھے پر ڈالے اور حضرت امام حسینؓ کا پیرہن خون آلود دوسرے شانے پر رکھے زار زار روتی

۳۔ میلاد مصطفوی : سید وزیر حسین رضوی، طبع در مطبع غالب الاخبار، سیتا پور ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء، ص ۲۸۔

۴۔ میلاد شریف سرور عالم : حاجی محمد صاحب علی خاں مارہروی، طبع شعلہ طور، کان پور، ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء، ص ۶۲۔

اور درگاہِ الٰہی میں فریاد کرتی ہوئی تشریف لائیں گی اور عرشِ پروردگار کا پایہ پکڑ کر یوں کہیں گی ''خدایا ! میرے حسینؓ کو ڈیڑھ سو خط بھیج کے بلایا ، پھر وہ وہ سلوک کیے کہ خیمہ تک جلایا اور ریگستانِ کربلا میں بھوکا پیاسا خنجر سے شہید کیا ۔ 'تو ہی انصاف کر کہ میرے بچے کا کیا قصور تھا ۔ آپؓ کے بیان سے ملائکہ آسمان کے روتے روتے بیہوش ہو جائیں گے اور پیمبر منبروں سے گر پڑیں گے[1] ۔

یہ تو چند مثالیں ہیں ، ورنہ اردو میلاد ناموں میں سینکڑوں روایات ان سے بھی زیادہ محیر العقول ہیں ، مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے نو لاکھ برس پہلے نور محمدیؐ پیدا کیا ، پھر لوح و قلم ، کرسی و عرش ، زمین و آسمان اور ارواح و ملائکہ وغیرہ اسی نور سے پیدا ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نور محمدیؐ پہلے ہزاروں برس سجدے میں پڑا رہا ۔ پھر حضرت آدمؑ کے جسم سے داخل ہوتا ہوا بالآخر حضرت عبداللہ کے ذریعے حضرت آمنہ کے پیٹ میں منتقل ہوا ، یا یہ کہ آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت مشرق و مغرب کی ساری زمین روشن ہو گئی اور اس نور میں شام کے محلات صاف نظر آنے لگے ، یا یہ روایت کہ جب حضرت آمنہ کو دردِ زہ ہوا تو آسمان کے ستارے زمین پر 'جھک گئے اور آپؐ کی ولادت کے وقت تمام گھر بقعہ' 'نور بن گیا ، اور خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھول دیئے جائیں ، عورتوں کو اولادِ نرینہ عطا ہو ، درختوں میں پھل لگیں ، آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کیے جائیں ، یا یہ کہ ولادت کے بعد ابر کا ایک ٹکڑا آیا اور آپ کو اٹھا کر لے گیا اور غیب سے آواز سنائی دی کہ محمدؐ کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ یا یہ روایت کہ جب آپ گہوارہ میں تھے تو آپ چاند سے اور چاند آپ سے باتیں کرتا تھا اور انگلی سے آپ اس کو جدھر اشارہ کرتے تھے وہ ادھر 'جھک جاتا تھا ، یا یہ کہ فرشتے آپ کا گہوارہ ہلاتے تھے اور آپ نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح گہوارے میں کلام کیا ، اور خدا کی حمد بیان کی ، پھر آنحضرت کی شیرخوارگی اور رضاعت کے زمانے کے معجزات

۱- مولود سعیدی ، ص ۱۳ ، ۱۴ ۔

کا الگ دفتر ہے ۔ بالخصوص وہ معجزات جو حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں آپؐ کے قیام کے دوران ظاہر ہوئے ۔ (مثلاً حلیمہؓ کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز و شاداب ہونا ، بکریوں کا موٹا ہونا اور زیادہ دودھ دینا ، دو برس کی عمر میں آپؐ کے سینے کا چاک ہونا ، بادلوں کا سایہ کرنا ، یہودیوں اور قیافہ شناسوں کا آپؐ میں علاماتِ نبوت دیکھ لینا وغیرہ) اسی طرح بحیرا راہب اور نسطورا راہب کا شام کے سفروں میں آپؐ پر درختوں کو جھکتے ، فرشتوں کو پروں سے ڈھانپتے اور بادلوں کو سایہ کرتے دیکھ کر بطورِ پیغمبر پہچان لینا بھی روایات کے حوالے سے مذکور ہے ۔ اسی طرح ہجرتِ مدینہ کے وقت غار ثور میں پناہ لینا اور خدا کے حکم سے غار کے منہ پر ببول کا درخت آ گنا ، ڈالیوں کا پھیلنا ، کبوتر کے جوڑے کا انڈے دینا اور مکڑی کا جالا تننا بھی اکثر بیان کیا گیا ہے ۔ آپؐ پر ایک رات میں سات لاکھ جنات کا ایمان لے آنا ، معراج کی شب عرش پر نعلین سمیت جانا ، ہُبل بُت کا اپنی زبان سے آپؐ کی رسالت کی گواہی دینا ، آنحضرت کی ولادت کی خوشی میں ابو لہب کے اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کرنے کے صلے میں دوزخ کے عذاب میں دو شنبہ کے روز کمی ہونا ، جیسی روایات بھی ان کتابوں میں درج ہیں ، جن کو تسلیم کرنے میں تامل ہوتا ہے ۔ بعض محققین نے انھیں اور ان جیسی بیسیوں دیگر روایات کو صاف طور پر من گھڑت قرار دیا ہے ۔ مثلاً حافظ عبداللہ کان پوری رسالہ "مجموعہ مولود شریف" میں لکھتے ہیں کہ مولود کی اکثر کتابوں میں جھوٹی روایتیں لکھی ہیں ۔ انھوں نے بعض وضعی روایات کی مثالیں بھی دی ہیں اور واضح طور پر کہا ہے کہ ایسی باتیں کفر میں داخل ہیں[1] ۔

کتبِ میلاد شریف کا عمومی ماخذ "کتبِ دلائل" اور "کتبِ شمائل" ہیں ، تاہم وہ حدیث ، سیرت ، تاریخ اور تفسیر کی معروف کتابوں سے بھی مواد حاصل کرتی ہیں ۔ میلاد ناموں کے مصنفین عموماً اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیتے اور نہ سند کا کوئی اہتمام کرتے ہیں ، صرف نقل ہے ---- روایت ہے ---- اہلِ سیر نے لکھا ہے ---- اربابِ تواریخ

۱- رسالہ مجموعہ مولود شریف : حافظ عبداللہ کان پوری ، ص ۷ تا ۱۳ (بحوالہ تاریخِ میلاد : عبدالشکور مرزا پوری ، ص ۱۷۲ ، ۱۷۳) ۔

لکھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مفسرین لکھتے ہیں ، وغیرہ جملوں سے آغاز کر کے روایت نقل کر دیتے ہیں ، البتہ بعض مولود نویسوں نے کہیں کہیں اپنے ماخذ کے حوالے دیتے ہیں ۔ مثلاً "شمس الضحیٰ فی میلاد المصطفیٰ" میں جن کتابوں سے روایات اخذ کی گئی ہیں ، وہ یہ ہیں : قرآن مجید ، مدارج النبوۃ ، معارج النبوۃ ، الشفاء ، مواہب اللدنیہ ، روضۃ الاحباب ، جامع ترمذی ، سنن نسائی ، تفسیر کبیر (امام رازی) ، تفسیر شاہ عبدالعزیز دہلوی ، بہجۃ النفوس ، شفأ الصدور ، تاج القصص ، کشف الاسرار اور میلاد شریف (ابن جوزی) ، اردو کے اکثر میلاد ناموں میں نہ صرف موضوعات کی تکرار ہے ، بلکہ اُن کے مصنفین روایتوں کی عبارت بھی لفظ بلفظ ایک دوسرے سے نقل کر لیتے ہیں البتہ کہیں کہیں زبان و بیان اور اسلوب کا فرق ضرور موجود ہے ۔ مثلاً بعض مولود نامے سادہ ، آسان اور عام فہم زبان میں لکھے گئے ہیں اور بعض بہت 'پرتکلف اور 'پرشکوہ زبان میں تحریر کیے گئے ہیں ۔ اکثر مولود ناموں پر عربی کے اردو تراجم ہونے کا گمان گزرتا ہے ۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اُن کے مؤلفین کے پیش نظر معروف عربی کتب میلاد تھیں ، جو اُن کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ اُن میلاد ناموں میں یقیناً ایسی روایات بھی موجود ہیں ، جو معتبر کتب سیرت میں پائی جاتی ہیں ، لیکن اُن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے ۔ زیادہ تر روایات ایسی ہیں جو غیر معتبر کتب احادیث سے نقل کی گئی ہیں ۔ یہ روایات جھوٹی اور بے سر و پا ہونے کی وجہ سے مستند کتب احادیث میں جگہ نہیں پا سکیں ، مگر "کتب دلائل" کے مؤلفین نے اُنھیں بڑھ کر سینے سے لگا لیا ۔ "کتب میلاد" کے مؤلفین کے لیے یہی کتابیں نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں ، کیونکہ اُن میں مندرج روایات کے ذریعے وہ بڑی آسانی سے عوام الناس کو متاثر کر سکتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں میں عجیب و غریب واقعات ، غیر مستند فضائل و برکات اور ان گنت معجزات کا ایسا انبار لگا لگا ہے کہ موتیوں کو خزف ریزوں سے جدا کرنا مشکل ہوگیا ہے ۔ یہ مولود نامے ، سیرت النبی کے بے پایاں دفتر کا ایک حصہ ضرور ہیں ، لیکن ایسا حصہ ، جسے بہت سوچ سمجھ کر قبول کرنے کی ضرورت ہے ۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ء تک کی درمیانی مدت میں سینکڑوں مولود نامے

لکھے گئے ۔ بعض مصنفین کے اپنے ناموں کے ساتھ اور بعض ناشرین کے ناموں کے ساتھ ۔ اُن سب کا احاطہ کرنا ممکن ہے ، نہ لازم ۔ البتہ دو ایک میلاد ناموں کا قدرے تفصیلی تذکرہ غیر مناسب نہ ہوگا ۔

مولود شریف شہید

غلام امام شہید (م/۱۸۷۶ء/۱۲۹۲ھ) کی عام شہرت اپنی نعتوں کی وجہ سے ہے اور انھیں ''مداح نبی '' اور ''عاشقِ رسول '' کے مبارک القاب بھی عطا ہوئے ہیں ، تاہم اُن کے ایک مشہور میلاد نامے کا ذکر حامد حسن قادری نے ''داستان تاریخ اردو'' میں یہ کہہ کر کیا ہے کہ ''دوسری کتاب محفلِ میلاد میں پڑھنے کے لیے تصنیف کی جو ''مولود شریف شہید'' کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی اور اتنی مرتبہ چھپی کہ اس کی اشاعتوں کا شمار دشوار ہے ۔ آج تک رائج و شائع ہے ۔ اس کے ایک ایک فقرے ، ایک ایک روایت ، ایک ایک شعر سے شہید کا عشق و ولولہ ، جوش و شوق ، سوز و درد مترشح ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس طرز اور اس مقصد کی یہ اردو میں پہلی کتاب ہے ۔ اس کو دیکھ کر لوگوں نے اس سے اخذ و اقتباس کیا ، اس کی نقلیں کیں ، اس کے ہو بہو نمونے کی کتابیں لکھیں''[1] ۔

حامد حسن قادری نے تو غلام امام شہید کے ایک ہی مولود نامے کا ذکر کیا ہے ، لیکن ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان نے اپنے مضمون ''اردو کا دینی ادب — ۱۸۵۷ء کے بعد'' میں میلادِ ناموں کے ضمن میں دو اور میلاد ناموں کو غلام امام شہید سے منسوب کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''غلام امام شہید (م/۱۲۹۶ء/۱۸۷۹ء) نے (۱) خدا کی رحمت (۲) میلاد شریف شہید اور (۳) مولود شریف بہاریہ لکھی''[2] ''خدا کی رحمت'' (۱۸۶۰ء میں) اور مولود شریف بہاریہ ، (ص : ۴۰) دونوں رحمانی پریس مدراس سے شائع ہو چکے ہیں ۔[3]

۱۔ داستانِ تاریخِ اُردو : حامد حسن قادری ، ص : ۲۶۸ ۔

۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ، (پہلی جلد) — مقدمہ : مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۸ء ، ص ۱۷۹ ۔

۳۔ قاموس الکتب اُردو — جلد اول ، ص ۶۳۹ ۔

سیدہ رئیس فاطمہ نے اپنے ایم ۔ اے کے تحقیقی مقالے "تحفۂ ساقیؐ کوثر" میں ، جو مجاسی میلاد ناموں کے موضوع پر ہے ، غلام امام شہید کے ایک ہی مولود شریف کا حوالہ دیا ہے ، جو ۱۸۸۳ء میں مطبع نولکشور میں شائع ہوا ، اور جس کے صفحات ۵۷ ہیں ۔ اس کا ذکر سعدیہ نسیم نے اپنے مضمون "اردو کے چند کمیاب میلاد نامے" میں کیا ہے ، اور بتایا ہے کہ یوں تو تمام میلاد نامہ ہی حضورؐ کے معجزات و برکات سے مرصع ہے ، لیکن معجزات کا عنوان الگ بھی قائم کیا ہے ۔ روایات میں چند ایک نئی روایات کا اضافہ بھی کیا ہے ، جیسے نبیؐ کا قبل نبوت ، غارِ حرا میں مصروفِ غور و فکر رہنا اور اس زمانے میں آپؐ جدھر سے گزرتے ، درخت اور پتھر ، "السلام علیکم یا رسول اللہ" ! کہا کرتے تھے ۔ لیکن سعدیہ نسیم نے حاشیہ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کی نظر سے جو میلاد نامہ "مولود شہید" گزرا ہے ۔ وہ شکستہ حالت میں ہے ، آخری صفحات غائب ہیں اور موجودہ صفحات ۸۵ ہیں اور اس پر سنِ تصنیف درج نہیں ۔[1]

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے بھی اپنے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مطبوعہ مقالہ "اردو میں نعتیہ شاعری" میں حامد حسن قادری کی "داستانِ تاریخ اردو" کے حوالے سے ایک ہی "مولود شریف شہید" کا ذکر کیا ہے ، اور انھوں نے بتایا ہے کہ اس نثری میلاد نامہ میں مندرجہ ذیل نعتیہ نظمیں شامل ہیں : (۱) ترجیع بند ، (متعلق تذکرۂ معراج) ، (۲) خمسہ شہید بر غزل خسرو (۳) قصہ حضرت بلالؓ (۴) غزل در وصف قدمِ شریف ، (۵) قصہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ ، (۶) روایت استن حنانہ[2] ۔ تاہم امرِ واقع یہ ہے کہ غلام امام شہید نے دو مولود نامے لکھے (۱) خدا کی رحمت (۲) مولود شریف بہاریہ ۔ ثانی الذکر ہی مولود شریف شہید کے نام سے مروج و مقبول ہے ۔

مولود شریف شہید کی زبان کہیں مرصع و مقفیٰ ، کہیں عربی و

۱۔ صریر نامہ ، نعت نمبر ، شعبہ اردو ، سندھ یونیورسٹی ، حیدر آباد سندھ ، ۱۹۷۸ء ، ص ۱۳۸ ۔

۲۔ اردو میں نعتیہ شاعری : ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ۔ ص ۲۶۸ ۔

فارسی کے الفاظ و تراکیب کی مدد سے عالمانہ اور کہیں سادہ و بے تکلف ہے، گویا اُن کے نزدیک زبان ایک ایسا سانچہ ہے، جس میں وہ اپنے مطالب ضرورت کے مطابق ڈھال لیتے ہیں ۔ حامد حسن قادری کی یہ رائے درست ہے کہ "اُن کی سادہ عبارت میں بھی عربی الفاظ بے ساختہ قلم سے نکلتے ہیں ۔"[2] یہی حال الفاظ کے در و بست کا ہے، جو تاخیر و تقدیم کے قدیم رنگ سے مملو ہے ۔ دراصل غلام امام شہید، میلاد نامے کی روایت سے بخوبی آگاہ ہیں اور یہ جانتے ہیں سامعین پر اثر ڈالنے کے لیے کس موقعہ پر کون سی زبان استعمال کرنی چاہیے ۔ اس 'ہنر مندی' کا نتیجہ تھا کہ جب شہید کسی محفل میں خود اپنا میلاد شریف پڑھتے تھے تو عجب سماں بندھ جاتا تھا اور اکثر اہل محفل پر رقت سے غش طاری ہو جاتا تھا[3] ۔ یہی کیفیت تحریر میں بھی موجود ہے ۔ مثلاً حمد و نعت کے سوقع پر زبان و بیان کا رنگ اگر یہ ہے :

"سبحان اللہ تعالیٰ شانہ' کہ ذات مستجمع صفات اُوس کی، بری ہے شرک اور زوال سے، اور الوہیت سے اور صمدیت اُوس کی پاک ہے ادراکِ وہم و خیال سے، مشابہت اعراض اور جواہر سے قطعاً مبرا اور مناسبت اوہام خواطر سے مطلقاً معرا ۔ کیسا معبود مطلق جس نے بنی آدم کے واسطے چراغ رہنمائی کا انبیاء کے ہاتھ میں دیا اور تمام عالم کو سید الانبیاء، سند الاصفیاؐ، احمدؐ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعِ جمال جہاں آرا سے روشن کیا ۔"[4]

تو نور محمدیؐ کی تخلیق کے ذکر میں عبارت کے تیور یہ ہیں :

۱- خواجہ محمد زکریا نے بھی اس کتاب کے دو اسالیب کی نشان دہی کی ہے (۱) مقفیٰ، عالمانہ اور 'پر شکوہ (۲) سادہ (تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ۔ ج ۸، ص ۱۲۳) ۔

۲- داستانِ تاریخ اُردو : حامد حسن قادری، ص ۲۶۹ ۔

۳- ایضاً، ص ۲۶۸ ۔

۴- مولود شریف : غلام امام شہید : طبع در مطبع ابوالعلائی، واقع آگرہ، سن اشاعت ندارد، ص ۲ ۔

"اے عاشقانِ روئے محمد ! و اے شیفتگانِ گیسوئے محمد ! جانو اور آگاہ ہو کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مادہ تمام موجودات اور خلاصہ جمیع کائنات کا ہے ۔ یعنی جب صانعِ باکمال کو ظاہر کرنا اپنے حسنِ بے زوال کا منظور ہوا ۔ پہلے نورِ احدیت سے نور احمدی پیدا کیا اور تمام موجودات کو اوس کے نور سے عالمِ ظہور میں لایا اور ظہور اس ذاتِ ستودہ صفات کا سب انبیاء کے بعد محض اس واسطے تھا کہ جس طرح بعد طلوعِ آفتاب کے روشنی ماہتاب اور ستاروں کی چھپ جاتی ہے ، فروغِ ملت محمدی ناسخ سب ملتوں کا ہو ، اگر وہ نور قدم پہلے سب کے جلوہ افروز ہوتا تو انبیاء رسالت اور نبوت سے محروم رہتے ۔"[1]

ان کے مقابلے میں آنحضرتؐ کے حالاتِ مبارکہ بیان کرتے وقت زبان جس طرح سادہ اور اسلوب جس طرح دل نشیں ہو جاتا ہے ، اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے :

"جب عمر شریف آٹھ برس کی ہوئی ، عبدالمطلب کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی ۔۔۔۔ دریافت کیا کہ ایام اپنی موت کے قریب آئے ، ابو طالب وغیرہ سے کہا کہ "اگرچہ موت سب کے واسطے ہے ، لیکن اس فرزندِ ہشت سالہ کی یتیمی پر کہ ابھی صغیر تر اور یتیمِ بے مادر ہے ، سخت حسرت و تاسف ہے ۔ کاش عمر میری اس کی تربیت تک وفا کرتی تو اپنے سامنے خاطر خواہ تربیت اور پرورش کرتا ۔ اب تم میں سے کون اس کی پرداخت کا متکفل ہو سکتا ہے؟" ابو لہب نے کہا : "میں بجان و دل حاضر ہوں"۔ جواب دیا کہ "تو دولت و مال بہت رکھتا ہے، لیکن سنگدل اور بے رحم ہے ۔ فرزندانِ یتیم اکثر مجروح اور شکستہ دل ، نازک مزاج ہوتے ہیں ، تھوڑے سے رنج کا تحمل نہیں کر سکتے، شاید تجھ سے کسی بات میں خاطرِ نازک اس یتیم کی آزردہ ہو جائے "۔ بعدہٗ حمزہ نے مثل ابولہب کے التماس کیا ، جواب پایا کہ "تو کوئی فرزند نہیں رکھتا ، اس دُرِ یتیم کے درد سے کیوں کر خبردار ہوگا !" پھر عباس نے کہا :

۱- مولود شریف : غلام امام شہید ۔ ص ٦ ۔

"اگر میں اس خدمت کا سزاوار ہوں تو شرط خدمت کی بجا لاؤں ؟" کہا : "تو عیال و اطفال بہت رکھتا ہے ، اپنے لڑکوں کے ہوتے یتیم بے پدر کو کب یاد رکھے گا ؟" تب ابو طالب نے کہا کہ "میں ہرچند مال اور سرمایہ کچھ نہیں رکھتا ، لیکن اگر لائق اس خدمت کے جانو ، تو بدل و جان حاضر ہوں" کہا "تو البتہ اس کام کے لائق ہے !"[1]

غلام امام شہید کا "مولود شریف" آگرہ ، لاہور اور لکھنؤ سے بار بار شائع ہو چکا ہے - لکھنؤ والا موجودہ نسخہ ۱۲۰ صفحات کا ہے اور لاہور اور آگرہ کے مطبوعہ نسخے ۹۶ ، ۹۶ صفحات پر مشتمل ہیں - دستیاب نسخوں میں سے کسی پر بھی نہ سن اشاعت درج ہے اور نہ سن تالیف ، تاہم رئیس فاطمہ کے مقالہ "تحفۂ ساقی کوثر؟" میں مذکورہ ۷۵ صفحات پر مشتمل "مولود شریف شہید" ۱۸۸۳ء میں نولکشور کے مطبع میں شائع ہوا -

مولود شریف حالی

مولٰینا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء - ۱۹۱۴ء) نے بھی ۱۸۶۴ء میں ۹۸ صفحات پر مشتمل ایک "مولود شریف" لکھا ، جسے ان کے صاحبزادے خواجہ سجاد حسین نے ۱۹۳۲ء میں اپنے مقدمہ کے ساتھ حالی پریس ، پانی پت سے شائع کیا - ڈاکٹر عبدالقیوم نے اپنی کتاب "حالی کی اردو نثر نگاری" میں اسے حالی کی پہلی تصنیف قرار دیا ہے[2] جبکہ ڈاکٹر سید عبداللہ ، "سر سید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء" میں "تریاق مسموم" کو حالی کی اولین کتاب کہتے ہیں ، جو ۱۸۶۷ء میں لکھی گئی - وہ کہتے ہیں کہ "مولانا حالی کی نثری تصانیف کا سلسلہ ۱۸۶۷ء سے شروع ہوتا ہے - سب سے پہلے انھوں نے ایک مذہبی مناظرانہ کتاب "تریاق

۱- مولود شریف : غلام امام شہید ، طبع در مطبع ابوالعلائی ، واقع آگرہ ، سن اشاعت ندارد ، ص ۳۰ -

۲- حالی کی اردو نثر نگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم ، مجلس ترقی ادب ، لاہور، دسمبر ۱۹۶۴ء ، ص ۹۱ -

مسموم[۵] اپنے ایک ہم وطن عیسائی کے جواب میں لکھی[۱] ۔ حقیقت یہ ہے کہ "مولود شریف" ہی حالی کی پہلی تصنیف ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی کے پاس جو نسخہ[۶] قلمی "میلاد شریف" کے نام سے موجود تھا اُس پر ۱۸۶۷ء کی مہر لگی ہوئی ہے ۔ خواجہ سجاد حسین اس کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ : "یہ کتاب ۱۸۶۷ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان لکھی گئی ، کیونکہ جو مسودہ برآمد ہوا ہے ، اس کے اوراق کے گوشوں پر اُبھری ہوئی مہر ۱۸۶۳ء کی لگی ہوئی ہے ۔ اگرچہ مہر ثبت ہونا تاریخِ تصنیف کی قطعی دلیل نہیں ہے ، تاہم قرائن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۷۰ء سے قبل اس کی تصنیف ہو چکی تھی ، کیونکہ نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کی وفات (۱۸۶۹ء) کے قریب ایام جب میں دہلی میں والد صاحب کے پاس گیا ، جو اُس وقت نواب شیفتہ کی سرکار میں ملازم تھے تو والدِ مرحوم نے ایک بیاض میں آنحضرت[ؐ] کا نسب نامہ اور مختصر حالات یاد کرنے کے لیے لکھوائے تھے ۔ غالباً اُن کے ذہن میں تازہ تازہ محفوظ تھا لیکن چھپنے کی نوبت نہیں آئی ۔ شاید اس سبب سے کہ بعد میں مولانا نے اُن کو مناسب نہ سمجھا ہو ، اس وجہ سے ایک دوسری مبسوط سیرت لکھنے کا اُنھیں آخر عمر تک خیال رہا ہے ، جسے مولانا شبلی نے پورا کیا ۔ یہ غالباً والدِ مرحوم کی اولین تصنیف ہے ۔ اُنھیں رسول اللہ[ؐ] سے عشق تھا اور تا دمِ مرگ یہی جذبہ موجود رہا ۔ البتہ اکثر نئے خیالات دیکھ کر لوگ چیں بہ جبیں ہوئے"[۲] ۔

اس مولود شریف کی ابتداء بھی عام مولود ناموں کی طرح حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے ۔ حالی لکھتے ہیں :

الٰہی ! کیا مجال اور کیا تاب و طاقت جو تیری نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں ۔ تو قدیم ، ہم حادث ، تو خالق ، ہم مخلوق ، تیری نعمتیں بے انتہا اور بے انتہا نعمتوں کا شکر بھی بے انتہا ، ہماری ابتداء بھی فنا

۱۔ سر سید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۹۴ ۔

۲۔ "میلاد شریف" : حالی ، حالی پریس ، پانی پت ، ۱۹۳۲ء (مقدمہ) ، ص ۱ ۔

اور انتہا بھی فنا"[1] ۔

اس کے بعد حضور اکرمؐ کی وجہ سے مسلمان قوم کو جو فضیلت حاصل ہوئی ، اُس کا ذکر کرتے ہوئے حالی کہتے ہیں :

"ہاں اے اُمتِ محمدؐ ! یہ فخر کرنے کا مقام ہے ۔ جو شرف آج تم کو حاصل ہے ، تم سے پہلے کسی کو ملا ہے تو بتا دو ! اللہ جل شانہٗ نے تم کو خیر اسم بنایا ۔ تمہارے دین کو کامل کیا ، تم پر اپنی نعمت تمام کی اور اُمتوں پر وہ فضیلت دی جو آس کی ذات کو تمام مخلوقات پر ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام کو تمہارے دیدار کا مشتاق کیا ، اور جب تمہارے دیکھنے کی آس نہ رہی تو تمہاری خواجہ تاشی کی آرزو دل میں ڈالی ۔"[2]

حالی نے اپنے "مولود شریف" میں آنحضرتؐ کے عادات و خصائل اور حسنِ سلوک کا ذکر بڑے دلپذیر انداز میں کیا ہے ، اور اس سلسلے میں آپؐ کی محبت و شفقت ، عفو و درگزر ، فقر و مسکنت ، شفاعت اور معجزات کا حوالہ دیا ہے ۔ سر سید احمد خاں کے "جلاء القلوب بذکر المحبوبؐ" کی طرح حالی نے بھی اپنے "مولود شریف" میں حضور اکرمؐ کی ولادتِ باسعادت کے تذکرے میں مذہبی جوش و جذبے سے کام لیا ہے اور تقریباً وہ تمام روایتیں نقل کی ہیں ، جو مولود ناموں میں عام پائی جاتی ہیں — سر سید احمد خاں نے بھی ابتداً اپنے مولود شریف میں اُن ضعیف روایات کو بڑے فخر سے دھرایا تھا ، لیکن بعد میں "جلاء القلوب" پر تبصرہ کرتے ہوئے اُن سے برأت کا اعلان کر دیا ۔ حالی نے اس قسم کا سجدۂ سہو نہیں کیا اور آنحضرتؐ کی ذات سے عشق کی وجہ سے اکثر اُن احادیث اور بیانات کے ذکر سے اپنے مولود شریف کو مزین کیا ، جو مولود ناموں کی خصوصیت بن چکے تھے ، چنانچہ آنحضرتؐ کی والدۂ ماجدہ کے حمل کے وقت روشنی کا ظہور ، دیگر عورتوں کا نور محمدی کا آپ کے اندر منتقل ہونے کی وجہ سے حسد کرنا ، آپ کی ولادت کے وقت دنیا

---

۱ ، ۲- میلاد شریف : حالی ; ص ۳ ، ۵ (بالترتیب) ۔

کا بقعۂ نور ہونا ، ستاروں کا زمین پر جھک آنا ، حوروں کا استقبال کرنا ، بتوں کا منہ کے بل گرنا ، ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا ، آتش کدۂ فارس بجھنا ، ابرِ رحمت کا نازل ہونا ، سب کچھ بلا جھجک بیان کیا ہے ۔ البتہ بعض جگہوں پر سوئے ادب کا گمان گزرتا ہے ، مثلاً یہ کہنا کہ ، "صحیح روایت یہ ہے کہ استقرار نطفہ ذکیہ مصطفویہ کا رحم مادر میں شب جمعہ کو واقع ہوا ۔"[1] کتاب کے آخر میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اُسوۂ حسنہ کی پیروی کریں اور پھر نثری مناجات ہے جو بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں "منظوم مناجاتوں سے زیادہ دلکش ہے ۔"[2] اور یہ وہی مناجات ہے جو "مقالاتِ حالی" حصہ اول ، مطبوعہ انجمن ترقی اُردو (۱۹۳۴ء) کے شروع میں درج ہے ۔

رسالہ "مولود شریف" اپنے موضوع کے اعتبار سے کوئی نئی چیز تو نہیں ، لیکن اس اعتبار سے اہم ضرور ہے کہ ایک تو یہ حالی کی پہلی تصنیف ہے اور دوسرے اُن کے عشقِ رسولؐ کا ترجمان ہے ۔ زبان و بیان بھی قدیم نثر کے مشابہ ہے اور اُسی کی تقلید میں عربی و فارسی کے الفاظ بڑی فراخ دلی سے استعمال کیے گئے ہیں ۔ تکرار لفظی و معنوی سے بھی کام لیا گیا ہے اور کہیں کہیں تمثیلی اندازِ بیان سے بھی بات کو مؤثر بنایا گیا ہے ۔ اس کتاب میں اہلِ کتاب کی زبور اور انجیل کے حوالے بھی موجود ہیں اور اسلوب میں جذبہ و جوش اور مذہبی عقیدت مندی کے عناصر غالب ہیں ۔ ڈاکٹر عبدالقیوم نے ٹھیک کہا ہے کہ "پاک و ہند کے مسلمانوں میں جو میلاد شریف کی کتابیں رائج ہیں ، اس کتاب کے بیشتر بیانات میں بھی کم و بیش وہی باتیں ہیں ۔"[3]

۱۔ میلاد شریف : حالی ، قلمی نسخہ مخزونہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ص ۳۹ ۔

۲۔ حالی کا ذہنی ارتقاء : ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ، مکتبہ کارروان ، لاہور ، طبع ثانی ، جولائی ۱۹۶۶ء ، ص ۱۵ ۔

۳۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند : (نویں جلد) اُردو ادب چہارم فروری ۱۹۷۲ء ، ص ۱۱۷ ۔

روائتی کتبِ سیرت

ڈاکٹر سید شاہ علی اس دور کی مذہبی سوانح عمریوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "مذہبی سوانح عمریوں میں سب سے پہلے پیغمبرؐ اسلام کی سیرتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ایک قسم ان قدیم وضع کی تصانیف کی ہے ، جو عربی ، فارسی تصانیف کے انداز پر ہیں یا ان سے ماخوذ ہیں یا ان سے ترجمہ کی گئی ہیں ۔ دوسری وہ قسم ہے جو سر سید کی مذہبی تصانیف کے رنگ پر ہے ، یعنی جو عیسائی مشنریوں کے اعتراضوں اور سائینس کے حملوں کے مدِ نظر عقلی اصولوں کے تحت لکھی گئی ہیں ، لیکن یہ کم ہیں ۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں پیغمبرؐ اسلام کی شخصیت اور کارناموں پر روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے ، جن کو تبصرہ جاتی کہا جا سکتا ہے ۔ اس قسم میں بعض ایسی تصانیف بھی ملتی ہیں ، جو خود مسلمانوں کے مشنری جذبے کے مماثل جذبے کی پیداوار ہیں ۔ پہلی یعنی قدیم وضع کی سوانح عمریوں کی مثال کے طور پر "گلزار محمدیؐ" از محمد مسلم (۱۸۸۱ء) ، "اوصاف محمدی " از سید اوصاف علی ، رئیس جلیسیر (۱۸۸۲ء) ، "تواریخ احمدی" از سراج الیقین (۱۸۸۷ء) ، "سوانح عمری محمد " از محمد شاہ خاں (۱۸۹۸ء) ---- وغیرہ کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں ۔ ان میں بعض سیرتیں طویل و بسیط بھی ہیں ۔ ان سب میں غزوات کا بیان تفصیلی ہے ، انتخابِ جزئیات کے معاملہ میں بھی قدیم روایتی اور عقیدت مندانہ انداز کارفرما نظر آتا ہے ۔ ان کے مصنفین بھی کسی غیر معمولی استعداد کے مالک نہیں معلوم ہوتے"[1] ۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے بڑی حد تک درست ہے ، کیونکہ اِکا دُکا مثالوں سے قطع نظر اس دور کی بیشتر کتبِ سیرت اظہار عقیدت کے طور پر لکھی گئی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کا محرک ایک ہے ، وہیں مواد بھی کم و بیش ایک جیسا ہے ۔ اس قسم کی تصانیف میں ڈاکٹر

۱۔ اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۴۲ ، ۲۴۳ ۔

صاحب کی مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں ، مثلاً "تواریخ حبیب اللہ" از مفتی عنایت احمد کاکوروی (۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء) ، "ضیائے نبوت" از محمد ابراہیم ضیاء (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) ، "سید الاخبار" از غلام محمد ہادی خاں (۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) ، تذکرۃ الدولتی علیہ التحیتہ و الثناء (۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) ، "تاریخ احمدی" از نواب صاحب پریاواں (۱۸۷۱ء) ، "اسرار احمدی" از محمد جان (۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) ، "انوار احمدیہ" از حکیم وکیل احمد سکندر پوری (۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء) "ضیاء الابصار" از عبدالغنی (۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) ، "تاریخ حال پیغمبر" (یا تذکرۂ رسول اکبر) از امانت علی (۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء)[1] ، "تحفۂ سروری" از غلام سرور لاہوری (۱۸۸۱ء) ، "سیرتِ نبوی صلعم" از حسن علی (۱۸۸۳ء) ، "رؤف الرحیم" از حمید اللہ ماہر دہلوی (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) ، "ریاض الازہار" از خیر الدین (۱۸۸۵ء) ، سوانح محمد صاحب (خدا کی رحمت) از مولوی سلامت اللہ (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) ، "ریاض محمدیہ" از مولوی سعید احمد مارہروی (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) ، "تاریخ محمدی" از فیروز الدین (۱۸۹۰ء) اور "سیرت محمدی" از فیروز الدین (۱۸۹۱ء) ، "سوانح عمری محمد صاحب" از سرور علی (۱۸۸۸ء) ، تحفۂ فضل" از سید فضل شاہ (۱۸۹۸ء)[2] ، "اخبار محمدی" از عبدالعزیز لکھنوی ، (۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) اور مولٰینا احمد خاں بریلوی کی ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء تا ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء کی درمیانی مدت میں لکھی ہوئی حضور اکرم کے متعلق درج ذیل گیارہ کتابیں : (۱) تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) ، (۲) اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ ، (۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) (۳) سلطنۃ المصطفٰی فی کل الوریٰ (۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) (۴) نانی الفی عمن بنورہ انارکلی شی ملقب بہ قمر التام فی نفی الظل عن سید الانام (۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء (۵) ہدی الحیران فی نفی الفی عن شمس الاکوان (۱۲۹۹ھ/

۱- اُردو کا دینی ادب ، ۱۸۵۷ء کے بعد : ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں ۔ (تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ، ج ۱ ، ص ۱۷۴) ۔

۲- اُردو کا دینی ادب ۔ ۱۸۵۷ء کے بعد : ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں (تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ، ج ۱ ، ص ۱۷۴) اور قاموس الکتب اردو : ج ۱ ، ۶۹۵ ، ۶۹۸ ، ۷۰۰ ، ۷۰۳ ، ۷۱۱ ، ۷۱۶ ، ۷۲۰ ۔

۱۸۸۱ء) ، (۶) سمع و طاعہ لاحادیث الشفاعہ (۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) (۷) تلألؤ الافلاک لجلال حدیث لولاک (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) (۸) القیام المسعود بتنسیخ المقام المحمود (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) (۹) جلال جبرئیل لجعلہ خاور المحبوب الجلیل (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء) ، (۱۰) اسماع الاربعین فی شفاعتہ سید شفاعتہ سید المحبوبین (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) (۱۱) البحث الفاحص عن طرق حدیث الخصائص[1] ، شیخ مبارک محمود پانی پتی نے "کتب سیرت رسول" میں احمد رضا خاں بریلوی کی ایک اور کتاب "الدولۃ المکیہ بالمادہ الغیبیہ" کا ذکر کیا ہے ، جس کا عربی متن اور ترجمہ (از حامد رضا قادری) ۲۳۰ صفحات کا ہے اور یہ کتاب مکتبہ رضویہ کراچی سے ۱۹۷۶ء میں چھپ چکی ہے[2] ۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں کی یہ سب کتابیں مروجہ معانی میں سیرت رسول کی کتابیں نہیں ہیں بلکہ آنحضرتؐ کے بارے میں بعض علمی مباحث پر مشتمل ہیں ۔

ان کے علاوہ حضور اکرم کی سیرت کے خصوصی پہلوؤں پر بھی الگ الگ کتابیں اس دور میں تالیف ہوئیں ، مثلاً اخلاق نبویؐ ، خصائص و فضائل نبویؐ ، شمائل نبویؐ ، غزوات نبویؐ ، معجزات نبویؐ ، مبشرات نبویؐ ، معراج نبویؐ اور نسب نامۂ نبویؐ وغیرہ پر کتابوں کا ایک الگ سلسلہ ہے ۔ چنانچہ اگر اخلاق نبوی کے ضمن میں اخلاق محمدیؐ از محمد علی یزدی (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء مطبوعہ لکھنؤ) اور "ادب و اخلاق نبی کریم " (امام غزالی کے رسالہ کا ترجمہ) مطبوعہ ۱۸۹۳ء ، لاہور کے نام ملتے ہیں ، تو "خصائص و فضائل نبوی" میں رسالہ "فضائل رسول مقبول " از عالم علی مراد آبادی (۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) "تحفۂ مقبول درفضائل رسولؐ" از حکیم رحمان علی خاں (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء)، "فضائل احمدی " از عبدالحفیظ کاکوروی (۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) اور "تحفۃ الاتقیاء فی فضائل سید الانبیاء " از عبدالواجد غازی پوری ،

۱۔ تذکرہ علمائے ہند : مولوی رحمٰن علی ، ترتیب و ترجمہ محمد ایوب قادری ، ص ۹۹ ، ۱۰۰ اور رسالہ "المیزان" ، بمبئی ۱۹۷۶ء ، ص ۳۱۸ ، ۳۱۹ ۔

۲۔ سیرت رسول (اردو کتابوں کی جامع فہرست) : مرتبہ شیخ مبارک محمود پانی پتی ، نیشنل بک سنٹر آف پاکستان ، لاہور ، ۱۹۷۳ء ، ص ۹ ۔

(۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) کے نام سامنے آتے ہیں - اسی طرح شمائل نبوی کے ضمن میں اگر ''شمائل نامہ'' از ضامن (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) ، ''سراپائے سید المرسلین'' از عبدالرزاق حلیم (۱۸۷۶ء) ، ''سراپائے حضور '' از جعفر علی بیتاب (۱۸۸۱ء) ، ''فضائل النبی'' (ترجمہ شمائل النبی ترمذی) از غلام محمد جعفر صدیقی (۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) کے نام ملتے ہیں تو غزوات نبوی کے سلسلے میں ''دافع المرام از غزوات اسلام'' از اعظم یار جنگ (۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء) کی مثال پیش کی جا سکتی ہے - معجزات نبوی پر ''بدر الدجیٰ'' از کریم بخش (۱۸۷۰ء) ، ''معجزہ ہرنی وغیرہ'' از شجاعت علی شبیر (۱۸۷۳ء) ، ''گلدستۂ معجزات'' از غلام رسول (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) ، ''فضائل رسول ربانی'' از حضور احمد سہسوانی (۱۸۷۹ء) ، ''معجزات محمدیہ '' از غلام نبی امرتسری (۱۸۸۵ء) ، ''شق القمر لمعجزہ سید البشر '' از مولوی عبداللہ (۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء) ، ''انوار الاعجاز'' از میر مہدی دہلوی (۱۸۸۷ء) اور ''نجم الہدایہ فی بیان المعجزات والبشارات'' از محمد مصطفی (۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء) جیسی کتابیں ملتی ہیں تو معراج نبوی پر ''رسالہ معراج شریف '' (۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء) اور مکاتیب نبوی پر محمد فضل حق کی ''مکتوبات مصطفوی '' (ص ۷۵) ملتی ہے جو ۱۸۷۸ء میں مطبع مصطفائی دہلی سے شائع ہوئی[1]- اور تو اور نسب نامۂ نبوی ؐ پر بھی الگ الگ کتب و رسائل موجود ہیں مثلاً ''نسب نامۂ رسول مقبول '' از کریم بخش (۱۸۸۵ء)، ''فتح القوی فی نسب النبی '' (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) اور ''نسب نامۂ رسول مقبول'' از قطب الدین (۱۸۸۷ء) - مبشرات نبوی پر ''بشریٰ'' از عنایت رسول چریا کوٹی ، ''بشارات محمدیہ '' از رحم الٰہی (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) ، ترجمہ ''بشارات احمدی '' از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) ، ترجمہ ''بشارات مہدی '' از شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) اور ترجمہ ''الدر الثمن فی مبشرات النبی الکریم'' از شاہ ولی اللہ (۱۸۹۹ء) جیسی کتابیں اسی دور میں شائع ہوئیں[2] ان میں مولوی عنایت رسول چریا کوٹی کی ''بشریٰ'' زیادہ

۱- قاموس الکتب اردو : ج ۱ ، ص ۶۸۲ -

۲- ایضاً : بعنوانات اخلاق النبی ؐ ، خصائص محمدیہ و فضائل ، شمائل ، معجزات ، معراج نامے ، نسب نامۂ آنحضرت صلعم ، مبشرات ، ص ۵۷۰ تا ۷۷۰ -

اہم ہے ۔ اس کتاب میں مصنف نے اصل عبرانی توریت و زبور سے آن پیشین گوئیوں کو جمع کیا ہے جو آنحضرت کے بارے میں ہیں ۔ یہ کتاب انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں لکھی گئی تھی اور ۱۹۳۸ء میں نواب سر مزمل اللہ خاں ، رئیس بھیکم پور کی بدولت علی گڑھ سے شائع ہوئی[1] ۔

ان سب کتابوں کا الگ الگ تجزیہ کرنا مشکل ہے ، تاہم ایک کتاب آن میں ایسی ہے ، جس کا تفصیلی تذکرہ بے حد ضروری ہے اور وہ ہے مفتی عنایت احمد کاکوروی کی "تواریخ حبیب الہ" ۔ یہ کتاب اس دور میں لکھی گئی قدیم طرز کی کتبِ سیرت کی نمائندہ تصنیف ہے ۔

تواریخِ حبیبِ الٰہ

مولانا مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸ھ — ۱۲۷۹ھ) کی سیرتِ نبویؐ پر مشہور کتاب "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" (۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء) کا نام بھی تاریخی ہے (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے اپنے مضمون ، اردو کا دینی ادب — ۱۸۵۷ء کے بعد" ، میں اس کتاب کا سنِ تالیف ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء لکھا ہے ، جو درست نہیں[2]) ، مفتی صاحب نے یہ کتاب جزائر انڈیمان میں اپنی قید کے دوران حکیم محمد امیر خاں نیٹیو ڈاکٹر کی فرمائش پر لکھی ، جیسا کہ آنھوں نے خود اپنی کتاب کی ابتداء میں بتایا ہے ۔ آن کے اصل الفاظ یہ ہیں :

"راقمِ حروف کہ نیرنگِ تقدیر سے فی الحال جزیرۂ پورٹ بلیر انڈمن میں وارد ہے اور کوئی کتاب کسی طرح کی پاس اپنے نہیں رکھتا ، بپاسِ خاطر شفیق غمگسار مصدر عنایت برحال زار حکیم محمد امیر خاں صاحب نیٹیو ڈاکٹر کے یہ رسالہ بیان تواریخِ حبیبِ الٰہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲۷۵ ہجری میں لکھتا ہے ، اور نام تاریخی اس کا تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" ہے۔"[3]

۱- تذکرہ علمائے ہند ، مولوی رحمٰن علی ، ص ۳۵۹ -
۲- تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند : جلد اول ، (مقدمہ) ص ۱۷۳
۳- "تواریخِ حبیبِ الٰہ" : مفتی عنایت احمد کتب خانہ رحیمیہ ، دیوبند، یو - پی - ۱۹۵۰ء ، ص ۲ ، ۳ -

یہ کتاب پہلے ۱۲۸۱ھ میں نظامی پریس کان پور سے شائع ہوئی اور اب ایک اچھا ایڈیشن مولوی محمد اسحٰق صدیقی مالک کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ، یو ۔ پی کے زیرِ اہتمام ، ماہِ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۰ء میں چھپا ہے جس کے ۱۷۶ صفحات ہیں ۔ کتاب تین ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے ۔ باب اول میں حالاتِ نور مبارک ، ولادتِ باسعادت ، طفولیت ، شباب اور آغازِ نبوت سے لے کر ہجرت تک کا بیان ہے ۔ باب دوم میں ہجرت سے وفات تک کے حالات ہیں ۔ باب سوم میں حلیہ شریف ، اخلاقِ کریمہ اور معجزات کا بیان ہے اور خاتمہ میں شفاعت کبریٰ کا تذکرہ ہے ۔ مصنف نے ہر باب کو مختلف فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر واقعہ کے آغاز میں لفظ حال لکھ دیا ہے ۔

پہلا باب ، چھ فصلوں پر مشتمل ہے ۔ پہلی فصل میں نورِ محمدی کا ذکر ہے اور آنحضرت کے آباد اجداد میں عبدالمطلب اور آپ کے والد عبداللہ کا مختصر تذکرہ ہے ۔ دوسری فصل میں حضور کی ولادتِ باسعادت کا حال بیان کیا گیا ہے اور ان معجزات کا بھی ، جو آپ کی پیدائش کے وقت ظہور میں آئے ۔ تیسری فصل ، آنحضرت کی رضاعت اور طفولیت سے بحث کرتی ہے ، اور یہاں بھی اُن معجزات کا بیان ہے ، جو آپ کے ایامِ رضاعت و طفولیت میں ظاہر ہوئے ، چوتھی فصل میں آپ کے حالاتِ شباب تا نبوت درج ہیں ۔ پانچویں فصل ، زمانۂ نبوت تا واقعۂ معراج کے بیان پر مشتمل ہے اور چھٹی فصل میں واقعۂ معراج کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے ۔ آخری دونوں فصلیں ، پہلی چاروں فصلوں کے مقابلے میں قدرے طویل ہیں ۔

دوسرا باب . تیس فصلوں پر مشتمل ہے اور یہ سب سے طویل باب ہے جو کتاب کے ۱۲۰ صفحات پر محیط ہے ۔ اس باب میں آنحضرت کی ہجرت سے لے کر وفات تک کے وقائع جمع کر دیئے گئے ہیں ۔ مکہ سے مدینہ کی طرف آپ کی ہجرت ، مدینہ میں آمد ، غزوۂ بدر ، حضرت فاطمہ کا نکاح ، غزوۂ احد ، غزوہ بدر ثانی ، سریہ رجیع ، قصۂ بیر معونہ ، غزوہ بنی نضیر ، غزوۂ خندق ، غزوہ بنی قریضہ ، قتل کعب بن اشرف ، قتل ابو رافع یہودی ، قصۂ افک ، حکم تیمم ، صلح حدیبیہ ، غزوہ خیبر ، عمرۃ القضا ، خالد بن ولید ، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ کا اسلام

لانا ، بادشاہوں کے نام مکتوباتِ نبوی ، سریہ ابو عبیدہ بن الجراح ، غزوۂ موتہ ، فتح مکہ ، غزوۂ حنین ، وفود کا بیان ، غزوۂ تبوک ، فرضیتِ حج اور ابوبکر صدیق رض کا امیر الحاج ہونا ، مباہلہ ، حجۃ الوداع اور حضورؐ کی وفات کا ذکر الگ الگ فصل میں کیا گیا ہے ۔

تیسرا باب ، حضور اکرم کے حلیۂ شریفہ ، اخلاق کریمہ اور معجزات کے بیان پر مشتمل ہے ۔ اس باب میں صرف تین فصلیں ہیں ۔ فصل اول حلیہ شریفہ کے بیان میں ہے ۔ فصل دوم ، آپ کے اخلاقِ کریمہ کاتذکرہ کرتی ہے اور فصل سوم ، معجزاتِ نبوی کے ذکر پر محیط ہے ۔ اس فصل میں آنحضرت کے پچاس معجزات بیان کیے گئے ہیں ۔

خاتمۂ کتاب بھی ایک مختصر سے باب کی طرح ہے اور اس میں شفاعتِ کبریٰ کا بیان ہے ۔ یہ باب صحیح بخاری اور دیگر کتبِ احادیث کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے اور اس میں روز قیامت آنحضرت کا اپنے امتیوں کے لیے خدا سے بخشش کی سفارش کا تذکرہ ہے ۔ آخر میں مصنف کہتا ہے کہ ”یہ رسالہ فقیر نے بغیر موجود ہونے کسی کتاب کے صرف ازروئے حافظہ لکھا تھا ۔ پھر بفضلہ تعالیٰ اور معاودت کے وطن میں کتبِ حدیث و سیرِ معتبرہ سے حرف بحرف مطابق کیا ، الحمد للہ ! یہ رسالہ بہت معتبر سیرِ آنحضرتؐ میں تالیف ہوا ۔ زبان اردو میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے ۔ رسائلِ میلاد بزبانِ اردو بیانِ حالاتِ آنحضرتؐ میں جو پائے جاتے ہیں ، حالاتِ صحیحہ پر مشتمل نہیں ہیں ۔ کتبِ تواریخ غیر معتبرہ کے موافق ہیں یا جہاں سے چاہا ، افسانے بے تحقیق اور غلط محض لکھ دیئے ہیں ۔ مثلاً رسالہ میلاد میں کہ فی الحال بنگالہ میں بہت مروج ہے ، ثوبیہ کا دودھ پلانا بعد حلیمہ سعدیہ کے لکھا ہے ، یا صلح حدیبیہ کے قصہ کو اس طرح لکھا ہے کہ بعد فرضیتِ حج کے آنحضرتؐ حج کو تشریف لے گئے تھے ، تب وہ قصہ واقع ہوا ۔ سو یہ باتیں یقیناً غلط ہیں اور مخالف کتبِ احادیث اور سیرِ معتبرہ کے ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ بھی رسالے اکثر اس طرح کے ہیں ۔ بیان قصۂ معراج اور وفات شریف میں بعضے کتبِ تواریخ میں بہت روایتیں نا معتبر لکھی ہیں کہ رسائل میلاد شریف میں انھیں نقل کیا ہے ۔ فقیر نے یہ حالات بیشتر موافق روایات صحیح بخاری و دیگر کتبِ معتبرہ حدیث کے لکھے ہیں ۔ سب صاحب مطالعہ

فرمانے والے اس رسالہ کے اس بات کا بھی لحاظ رکھیں اور جس طرح لوگ آردو کی کتابوں کو دل لگی کے لیے اور بھی واسطے سیکھنے زبان اردو کے سیر میں رکھتے ہیں ، اگر اس رسالہ کو بھی مطالعہ میں رکھیں ، دل لگی بھی ہے اور قصے اس میں بھی مندرج ہیں اور زبان اردو بھی مطابق روزمرہ فصیح کے اس میں ہے اور اس کے دیکھنے میں ثواب ہے اور امور دنیا کے انتظام کی بھی عقل آدمی کو حاصل ہوتی ہے ، اس واسطے کہ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ، املات و تدبیرات خوب مطابق عقل صحیح کے ہوتے تھے - پس چاہیے کہ ضرور اس رسالہ کو مطالعہ میں رکھیں ، اور اپنے اقارب اور عورتوں اور احباب کو سنائیں''[1] -

"تواریخِ حبیبِ اِلٰہ'' کا سببِ تالیف مندرجہ بالا طویل اقتباس سے بھی معلوم ہوتا ہے اور کتاب کی ابتدا میں درج ذیل عبارت سے بھی:
"پیغمبر صاحب کی اتباع اور آپ کے طریقہ پر چلنا بغیر اطلاع کے آپ کے حالات سے ممکن نہیں - پس مطلع ہونا آپؐ کے حالات پر سبب ہے بندے کے مقبول اور محبوبِ خدا ہونے کا ، اور سبب ہے گناہوں کے بخشے جانے کا''[2] -

مصنف کی یہ کوشش کہ اس نے محض حافظہ کی مدد سے ۱۷۶ صفحات کی ایک کتاب سیرت کے موضوع پر لکھ دی ، یقیناً قابلِ تحسین ہے اور پھر ازراہِ احتیاط امہات کتبِ سیرت و احادیث سے اس کا مقابلہ کر کے اسے مستند بنانا بھی قابلِ تعریف ہے ، لیکن اُس کا یہ دعویٰ کہ اردو زبان میں کوئی معتبر کتابِ سیرتِ نبوی ، اس کتاب (تواریخِ حبیبِ اِلٰہ) سے پہلے موجود نہیں ہے ، یقیناً درست نہیں ہے - "ریاض السیر'' (محمد باقر آگاہ) اور ''فوائدِ بدریہ'' (قاضی بدر الدولہ) جیسی مستند تصانیف ، "تواریخِ حبیبِ الٰہ'' سے پہلے لکھی جا چکی تھیں - "فوائدِ بدریہ'' نہ صرف زمانی اعتبار سے "تواریخِ حبیب الہ'' کی پیش رو ہے بلکہ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اس پر فوقیت رکھتی ہے - "فوائدِ بدریہ'' کی زبان کہیں

۱- تواریخِ حبیبِ اِلٰہ : مفتی عنایت احمد ، ص ۱۷۵ ، ۱۷۶ -
۲- ایضاً ، ص ۲ -

کہیں "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" سے زیادہ صاف ، سہل اور رواں ہے ۔ البتہ مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی کی رائے عام اردو میلاد ناموں کے بارے میں بالکل درست ہے ۔ واقعی رسائلِ مولود میں حقیقت پر افسانہ غالب ہے اور خیال آرائی کے شوق میں ان میلاد ناموں کے مصنفین نے ایسے ایسے واقعات گھڑ کر ان میں شامل کر دیئے ہیں ، جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے اور نہ وہ کسی ثقہ کتابِ سیرت یا کتابِ حدیث میں ملتے ہیں ۔ ان اقتباسات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کے پیشِ نظر محض میلاد نامے تھے نہ کہ اردو کتبِ سیرت اور وہ چاہتا تھا کہ اُن میلاد ناموں کے مقابلے میں ایک معیاری کتابِ سیرتِ رسول ؐ لکھی جائے جو عام میلاد ناموں کی جگہ مجالس میں پڑھی جا سکے ۔ مصنف کے اس خیال کو حکیم محمد امیر خاں نیٹیو ڈاکٹر جزیرہ پورٹ بلیئر انڈیمان کے اصرار نے تقویت دی اور یوں "تواریخِ حبیبِ الٰہ" وجود میں آئی ۔

ہر کتابِ سیرت کی طرح "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" کی تالیف کی وجہ بھی آنحضرت ؐ کے حالاتِ زندگی سے فیضیاب ہونا اور فیضیاب کرنا ہے ، کیونکہ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے کہ "اے محمد ؐ ! کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو ، تاکہ خدا تمہیں دوست رکھے اور تمہارے گناہ بخش دے ، بیشک اللہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے" ۔ اسی لیے مسلمانوں کے نزدیک رسولِ اکرم کی حیاتِ مبارکہ سے واقف ہوکر اُن کے اُسوۂ حسنہ پر چلنا ، دین و دنیا میں کامرانی کا باعث بنتا ہے ۔ "تواریخِ حبیبِ الٰہ" اپنے اس مقصد میں کامیاب ہے اور مختصر ہونے کے باوجود مؤثر ہے ۔ یہ ایک عاشقِ رسول ؐ کا نرم و نازک پھولوں سے تیار کردہ گلدستۂ عقیدت ہے ، جسے وہ بڑے عجز و نیاز کے ساتھ اپنے محبوب کے حضور پیش کر رہا ہے ۔

مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی نے واضح کر دیا ہے کہ اُس نے "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" کی تالیف کے وقت معتبر کتبِ احادیث و سیر کی روایات اپنے پیشِ نظر رکھی ہیں اور محض حافظے پر اعتماد نہیں کیا ، بلکہ بعد ازاں اصل کتابوں کو دیکھ کر عبارت کا متن بھی درست کر لیا ہے ۔ جن معتبر کتابوں سے مصنف نے استفادہ کیا ہے ، اُن میں صحاح ستہ کے علاوہ "روضۃ الاحباب" ، "مواہب اللدنیہ" اور "مدارج النبوۃ" کے نام

جانے پہچانے ہیں ۔ صحاح ستہ میں سے صحیح بخاری سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے ، تاہم صحیح مسلم ، سنن ترمذی اور سنن ابو داؤد کی روایات بھی کہیں کہیں درج کی ہیں ۔ صحیح بخاری کے بعد سب سے زیادہ حوالے مشکٰوۃ شریف کے آتے ہیں ۔ کتاب کے متن میں حاکم ، بیہقی ، قرطبی ، ابن حبان اور طبرانی کی روایات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے ۔ کئی جگہوں پر مُلّا علی قاری کی "شرح شمائل" کا ذکر بھی آیا ہے اور ایک آدھ جگہ تفسیر بیضاوی کا ۔ معجزات کے بیان میں جلال الدین سیوطی کی "خصائص کبریٰ" کا ذکر تو کیا گیا ہے ، لیکن مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ اُس کی نظر سے یہ کتاب نہیں گزری ، لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ خود اُس نے بھی ایک رسالہ "الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعالمین" کے نام سے صرف معجزات عالیہ کے بیان میں تصنیف کیا ہے اور اس میں تین سو معجزے ایسے درج کیے ہیں جو بقول مصنف "بروایات معتبرہ کتب حدیث میں وارد ہیں"[1] ۔ مفتی صاحب نے اس مقام پر یہ بتانا اپنا فرض سمجھا ہے کہ اگرچہ سیوطی کی "خصائص کبریٰ" میں آنحضرتؐ کے ایک ہزار معجزات درج ہیں لیکن علمائے محدثین کی تحقیق کے مطابق آپ سے تین ہزار معجزے صادر ہوئے ۔ مفتی عنایت احمد نے "تواریخ حبیب اِلٰہ" میں جابجا قرآنی آیات سے بھی استدلال کیا ہے ۔ بعض مقامات پر امام غزالی کی "احیاء العلوم" ، شاہ ولی اللہ کی "فیوض الحرمین" اور امام نووی کی "البیان فی آداب حملہ القرآن" کا حوالہ بھی دیا ہے ۔ دو ایک جگہوں پر "حصن حصین" کا ذکر بھی کیا ہے ۔ کتب تاریخ میں سے کسی کتاب کا نام تو نہیں لیا ، لیکن جا بجا "معتبر کتب تاریخ میں درج ہے" کہہ کر روایات درج کی ہیں ۔ اسی طرح اگرچہ کہیں کہیں مستند کتب احادیث (بخاری ، مسلم ، مشکٰوۃ) کا نام لے کر روایات نقل کی ہیں لیکن اکثر مقامات پر "حدیث صحیح میں آیا ہے" لکھ کر روایت نقل کر دی ہے ۔

"تواریخ حبیب اِلٰہ" کی زبان اور اسلوب کا اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں ۔

۱- تواریخ حبیب الٰہ : مفتی عنایت احمد ، ص ۱۶۰ -

آنحضرتؐ کی رضاعت کا بیان مفتی عنایت احمد کے الفاظ میں یوں ہے :

"سات روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ اپنی والدہ ماجدہ کا پیا ، بعد اُس کے ثوبیہ نے دودھ پلایا ۔ ثوبیہ لونڈی ابولہب کی تھی کہ ابولہب نے اُسے بوقت پہنچانے خبر ولادت شریف کے آزاد کیا تھا ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابولہب کو بعد موت کے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا ۔ اُس نے کہا کہ "عذابِ شدید میں مبتلا ہوں ، مگر ہمیشہ شبِ دو شنبہ کو درمیان انگشتِ شہادت اور وسطیٰ سے کہ اشارے سے اُن کے میں نے ثوبیہ کو بسبب پہنچانے بشارتِ ولادتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ، آزاد کیا تھا ، کچھ پانی مجھے چرسنے کو مل جاتا ہے کہ اُس سے ایک گونہ عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے ۔"" ۱

آنحضرتؐ کے ایام شباب اور تجارت کے لیے سفرِ شام کا ذکر یوں کیا گیا ہے :

"جب آپؐ جوان ہوئے ، اُن اُمور سے جو جوانوں میں خلافِ تہذیب ہوتے ہیں ، منزہ تھے اور صدق و امانت و دیانت و جملہ صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ سے موصوف تھے ۔ جب قریش آپؐ کو محافل لہو و لعب میں بلاتے ، آپؐ ہرگز نہ شریک ہوتے تھے اور سب قریش والوں کو آپؐ کے صدق و امانت کا اقرار تھا ، یہاں تک کہ آپؐ کو محمد امین کہتے تھے ۔ حال ۔ پچیس برس کی عمر میں مال بی بی خدیجہؓ کا کہ ایک عورت مال دار قریش میں تھیں ، لے کے آپؐ واسطے تجارت تشریف لے گئے ۔ اس سفر میں نسطورا راہب نے آپؐ کو پہچانا اور بیان کر دیا کہ یہ پیغمبرؐ آخر الزمان ہیں ، جن کا ذکر پچھلے انبیاء کی کتابوں میں ہے ۔ میسرہ غلام خدیجہؓ کا آپؐ کے ساتھ تھا ۔ اُس نے بہت معجزات آپؐ کے سفر میں دیکھے اور آ کر خدیجہؓ سے بیان کیے اور خود خدیجہؓ نے دیکھا ، جس وقت کہ آپؐ اس سفر سے پھرے ہوئے آتے تھے ، وہ

۱- تواریخِ حبیبِ الٰہ : مفتی عنایت احمد ، ص ۸ ۔

بالا خانہ کے غرفہ میں بیٹھی تھیں ۔ وہاں سے آپ آتے نظر پڑے ۔ آپ پر دو فرشتے سایہ کیے ہوئے تھے ۔ میسرہ نے بیان کیا کہ میں نے سارے سفر میں ایسا ہی حال دیکھا ۔ حضرت خدیجہؓ نے یہ حال سن کے خواہش نکاح کی آپؐ کے ساتھ کی ۔"[۱]

حضورؐ اکرم کی ہجرت کا واقعہ یوں لکھا گیا ہے :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ سے نکل کے ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو ساتھ لے کر پیادہ روانہ ہوئے ۔ آپؐ نے جوتا پاؤں سے نکال ڈالا تھا اور انگلیوں سے چلتے تھے ، بایں خیال کہ نشانِ قدم معلوم نہ ہوں ، آپؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے ۔ ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ کو کندھے پہ سوار کیا اور غارِ ثور تک پہنچا دیا ۔ ثور ایک پہاڑ ہے متصل مکہ کے ۔ جب متصل غار کے پہنچے ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے کہا کہ "آپؐ باہر ٹھہریں ، میں جا کے غار کو صاف کر ڈالوں کہ پہاڑوں کے غار اکثر حشرات سے خالی نہیں ہوتے ۔" پھر ابوبکر صدیقؓ غار میں گھسے اور اپنی چادر پھاڑ کے اس کے سب سوارخ بند کیے ۔ ایک سوراخ باقی رہا ۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاؤں کی ایڑی لگا دی اور آنحضرت کو غار میں بلایا ۔ آپؐ بھیتر تشریف لے گئے اور ابوبکر صدیقؓ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو رہے ۔ سانپ نے حضرت صدیقؓ کے پاؤں میں کاٹا ۔ انھوں نے جنبش نہ کی ، بایں خیال کہ آپ کی نیند میں خلل نہ پڑے ، لیکن بسبب شدتِ تکلیف کے حضرت صدیقؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور رخسارِ مبارک پر گرے ۔ آپؐ جاگ اٹھے ۔ ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ ، "مجھے سانپ نے کاٹا ۔" آپؐ نے آبِ دہنِ مبارک کاٹنے کی جگہ پر لگا دیا ۔ فوراً حضرت صدیقؓ اچھے ہو گئے ۔"[۲]

۱- تواریخِ حبیبِ الہ : ص ۱۱ ۔

۲- ایضاً : ص ۳۶ ، ۳۷ ۔

اور اب مصنف کی زبان سے نبی کریم کا حلیۂ مبارک ملاحظہ ہو :

"قدِ مبارک میانہ تھا ، نہ بہت لمبا نہ بہت ٹھگنا ۔ فی الجملہ لمبائی سے قریب تھا ، اور جس مجمع میں آپ کھڑے ہوتے ، سب سے سر بلند معلوم ہوتے ۔ رنگِ مبارک سرخ و سفید تھا ، مگر بانمکینی و ملاحت ۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ حضرت عائشہ‌رض نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ، "آپ زیادہ خوبصورت ہیں یا یوسف علیہ السلام ؟" آپ نے فرمایا : انا املح و اخی یوسف اصبح "میں ملیح ہوں یعنی گورا بانمکینی اور بھائی میرے یوسف خوب گورے تھے" ۔۔۔ سرِ مبارک بڑا تھا کہ موئے مبارک خوب سیاہ تھے ، نرم ، تھوڑے پھرے ہوئے بہت گھونگھر والے ، نہ سیدھے کھڑے ۔ کبھی دوشِ مبارک تک ہوتے ، کبھی نرمۂ گوشت تک ، اور بالوں کے بیچ میں آپ فرق کرتے تھے ، جسے مانگ کہتے ہیں ، گوشِ مبارک نہ بڑے تھے ایسے کہ بدنما ہوں نہ چھوٹے ۔ پیشانیٔ مبارک کشادہ تھی ، کھلی ہوئی ، روشن ، ابروئے مبارک باریک تھیں ، کمان کی صورت ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور واقع میں ملی نہ تھیں ، دونوں کے بیچ میں کچھ فرق تھا ۔ درمیان دونوں ابروؤں کے ایک رگ تھی کہ غصہ کے وقت پھول جاتی تھی ۔ چشمانِ مبارک بڑی تھیں اور سپیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی اور پتلیاں خوب سیاہ تھیں اور بغیر سرمہ لگائے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سرمہ لگا ہے ۔ مژگان شریف بڑی تھیں ، خوبصورت ، رخسارِ مبارک نرم تھے ۔ پُر گوشت ، لیکن نہ پھولے ہوئے اور نہ دبے ہوئے ۔ بینی مبارک (ناک) بلند تھی اور نورانی ، دہنِ مبارک بڑا تھا لیکن نہ بہت فراخ کہ بدنما ہو ۔ لب ہائے مبارک بہت خوبصورت تھے ۔ دندانِ مبارک سفید و مجلّی تھے ، بوقتِ کلام ، نور آپ‌ص کے دانتوں سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا اور بوقت تبسم کے چمک مانند بجلی کے معلوم ہوتی تھی ۔ دندانِ مبارک میں کشادگی تھی ، آگے کے دانتوں میں کھڑکی تھی ۔ چہرہ مبارک لمبا تھا نہ ایسا گول کہ بدنما ہو ۔ مانند چودھویں رات کے چاند کے درخشاں تھا ، بلکہ چودھوین رات کا چاند آپ‌ص کے چہرہ کی خوبی کو نہیں پہنچتا تھا ۔"[1]

۱۔ تواریخِ حبیبِ الہ : مفتی عنایت احمد ، ص ۱۵۳ ، ۱۵۴ ۔

تیرھویں صدی ہجری کے ربع آخر (اور انیسویں صدی عسوی کے وسط) میں لکھی ہوئی مفتی عنایت احمد کاکوروی کی کتاب "تواریخِ حبیبِ الٰہ" زبان و بیان کے اعتبار سے دورِ جدید میں داخل ہوتی نظر آتی ہے۔ جہاں "ریاض السیر" اور "فوائدِ بدریہ" پر دکنی (قدیم اردو) لب و لہجہ غالب تھا، وہاں "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" اس لب و لہجہ سے مبرا ہے اور اپنا مخصوص نثری آہنگ رکھتی ہے۔ جملوں کی ساخت، لفظوں کا استعمال اور عبارت کی شیرازہ بندی کافی ترقی یافتہ ہے۔ کہیں کہیں طرزِ بیان مشکل بھی ہے، بالخصوص ان مقامات پر جہاں مصنف نے عربی عبارت کو ہو بہو اردو میں منتقل کیا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی اس کتاب کا اسلوب صاف، سہل، رواں اور خوشگوار ہے۔ "فوائد بدریہ" کے مقابلے میں "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" میں مواد کم ہے، لیکن یہ کمی گراں نہیں گزرتی، کیونکہ مصنف نے مواد کی فراہمی میں اجمال سے کام لیا ہے اور غیر ضروری تفصیلات سے پرہیز کیا ہے۔ اسی وجہ سے مفتی عنایت احمد کا اسلوبِ بیان چست بھی ہے اور متحرک بھی۔ مفتی صاحب لفظوں کے استعمال میں کفایت کے قائل ہیں۔ اس صفت نے بھی اُن کے طرز بیان کو دلکش بنانے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس قدر اہم کتاب کے مفصل ذکر سے ہماری تنقیدی کتب تقریباً خالی ہیں۔ صرف نواب حبیب الرحمٰن شیروانی نے "استاذ العلماء" میں، سید سلیمان ندوی نے "حیاتِ شبلی" میں، پروفیسر آفتاب احمد نقوی نے "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" کے تازہ ایڈیشن (مطبوعہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ) کے سولہ صفحات پر مشتمل مقدمہ میں، شمس بریلوی نے "الخصائص الکبریٰ" کے اردو ترجمہ (مترجم غلام معین الدین نعیمی) کے مقدمے میں، سید محمد میاں نے "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جلد چہارم میں اور پروفیسر محمد ایوب قادری نے اپنے مضمون "جزائر انڈیمان ونکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات" اور کتاب "جنگِ آزادی - ۱۸۵۷ء" میں "تواریخِ حبیبِ اِلٰہ" کا سرسری ذکر کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے تو مفتی عنایت احمد کے تعارف میں صرف یہ کہا ہے کہ ---- "اور سیرت میں "تواریخِ حبیبِ الٰہ" ---- مشہور ہے[1]۔

۱- حیاتِ شبلی : سید سلیمان ندوی، ص ۳۰۰ -

محمد ایوب قادری نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ "مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی انڈیمان سے رہا ہو کر آئے تو اپنے ساتھ تین کتابیں لائے ، جن میں"تواریخِ حبیبِ الٰہ" اور "علم الصیغہ" شائع ہو کر مقبول عام ہوئیں"[1] اور اپنی کتاب "جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء" میں مفتی صاحب کے دعویٰ سے تقریباً اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اردو زبان میں سیرتِ مبارکہ پر شمالی ہند میں یہ پہلی قابلِ ذکر کتاب ہے"[2] - جناب عبدالشاہد خاں شیروانی مترجم الثورۃ الہندیہ (باغی ہندوستان) میں مفتی صاحب کی تالیف "تواریخِ حبیبِ الٰہ" اور "علم الصیغہ" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ان دونوں کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے سینے علم کے سفینے بن گئے تھے - تاریخی یادداشت ، ترتیبِ واقعات ، قواعدِ فنون ، ضوابط علوم سبھی حیرت انگیز کرشمے دکھا رہے ہیں"[3]. البتہ شمس بریلوی نے "الخصائص الکبریٰ" (اردو) جلد اول کے دیباچے میں چند سطروں میں اس کتاب کی تعریف کی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ "اسی زمانے کی ایک اور سیرت قابلِ ذکر ہے ، یعنی "تواریخِ حبیبِ الٰہ" جو قاضی صاحب (سلمان منصور پوری) اور علامہ شبلی کی تصنیف (سیرت النبیؐ) کی طرح مبسوط و ضخیم تو نہیں، لیکن اختصار کے باوجود بڑی جامعیت رکھتی ہے"[4] - پروفیسر آفتاب احمد نقوی نے اس کتاب کو مفتی عنایت احمد

۱- باغی ہندوستان : مؤلف محمد فضل حق خیر آبادی ، مترجم عبدالشاہد خاں شیروانی ، ص ۳۵ بحوالہ مضمون ، محمد ایوب قادری : جزائر انڈیمان و نکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات ، مطبوعہ سہ ماہی "اردو" کراچی - شمارہ جنوری ۱۹۶۸ء ، ص ۶۳ ، ۶۴ -

۲- جنگِ آزادی - ۱۸۵۷ء : محمد ایوب قادری ، پاک اکیڈیمی ، کراچی ۱۹۷۶ء ، ص ۴۴۷ -

۳- باغی ہندوستان : مترجم عبدالشاہد خاں شیروانی ، مکتبہ قادریہ ، لاہور ، طبع ثانی ، ۱۹۷۴ء ، ص ۱۵۳ ، ۱۵۴ -

۴- الخصائص الکبریٰ (اردو) : جلال الدین سیوطی ، ترجمہ غلام معین الدین نعیمی ، جلد اول ، (دیباچہ) شمس بریلوی ، ص س -

کا لافانی شاہکار قرار دیا ہے[1] اور مولانا سید محمد میاں نے اپنی کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" (جلد چہارم) میں مفتی عنایت احمد پر محمد ایوب کا پورا مضمون (مطبوعہ الجمیعۃ) شامل کیا ہے جس میں مضمون نگار نے "تواریخ حبیبِ الٰہ" پر مختصراً رائے دیتے ہوئے کہا ہے کہ "واقعات تفصیل سے بقیدِ تاریخ لکھے ہیں ۔ سیرت میں بہت خوب کتاب ہے"[2] ۔ نقادوں اور عالموں کی بے اعتنائی کے باوجود یہ کتاب سیرتِ رسول پر لکھی ہوئی کتابوں میں ایک اہم اضافہ ہے ۔

۱۔ تواریخ حبیبِ الٰہ یعنی سیرت سید المرسلین : مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی ، مکتبہ سہریہ رضویہ مسجد ، نور کالج روڈ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ (مقدمہ) حیات مبارکہ ، حضرت علامہ مفتی عنایت احمد کاکوروی ، ص ل (از پروفیسر آفتاب احمد نقوی) ۔

۲۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی : مولینٰا سید محمد میاں ، مکتبہ محمودیہ لاہور ، ج ۴ ، ص ۴۰۰ ۔

مغربی سیرت نگار اور اُن کی کتبِ سیرت کے اُردو تراجم

اسی دور میں انگریزی کی بعض ایسی کتابوں کے کلّی یا جزوی اُردو ترجمے ہوئے ، جو یا تو اسلام اور آنحضرتؐ کی حمایت میں لکھی گئی تھیں یا اُن کا غالب حصہ اُن کے حق میں تھا ۔ ان تراجم کا مقصد یہ تھا کہ عیسائی پادریوں کو بتایا جا سکے کہ اسلام اور بانیٔ اسلام پر وہ جو اعتراضات کرتے ہیں ، وہ مبنی بر صداقت نہیں ہیں اور خود اُن کے ہم مذہبوں کی رائے میں اسلام امن و آشتی کا علم بردار دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ و سلم خدا کے سچے پیغمبر ہیں ۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر یہ واضح کیا جا سکے کہ سبھی عیسائی متعصب نہیں ہیں ، بلکہ اُن میں ایسے منصف مزاج بھی موجود ہیں ، جو دوسرے مذاہب اور اُن کے پیشواؤں کو بغض وعناد کی نظر سے نہیں دیکھتے اور چاہتے ہیں کہ جس حد تک ممکن ہو ، حقیقت کی تہہ تک پہنچا جا سکے ۔ دراصل اٹھارہویں صدی عیسوی تک یورپین مصنفین اور مورخین کی آنکھوں پر جہالت کی پٹی بندھی رہی ۔ اُنھوں نے اسلام کے چشمۂ صافی کو ممکنہ حد تک گدلا کرنے اور حضورؐ اکرم کی شخصیت و کردار کو حتی الامکان مسخ کرنے کی کوشش کی ، تاکہ اسلام اور بانیٔ اسلام کے اثرات سے دنیائے عیسائیت کو بچایا جا سکے۔ ان کوششوں کا سلسلہ مشہورِ زمانہ صلیبی جنگوں سے شروع ہوا ، جب صلیب اور ہلال ایک دوسرے کے مد مقابل ہوئے اور مسلمانوں کے مذہب کو دیانت داری سے سمجھنے کی بجائے عیسائی پادریوں نے اپنے ہم مذہبوں کو اس سے بدظن کرنے کو ہی اپنی بقا کا سامان سمجھا ۔ صدیوں تک اسلام اور نبیٔ اکرمؐ کے بارے میں یورپ میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا رہا ، اگر آج انھیں دہرایا جائے تو ہنسی بھی

آئے گی اور افسوس بھی ہوگا ۔ فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری لکھتا ہے کہ : "وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرون وسطیٰ میں رائج تھے ، ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان اُن کو سن کر کیا کہیں گے ؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں ، مسلمانوں کے مذہب کی نا واقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں ۔ جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ، اُن کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں ۔ ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا اور حسبِ ترتیبِ درجات اُن کے تین خدا تسلیم کیے جاتے تھے ۔ ماہوم یا ماہون (Mahoun) یا ماہومیڈ (یعنی محامڈ) اور اپلین اور تیسرا ٹرماگن[1] ۔ اُن کا خیال تھا کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد ، دعوئِ الوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمدؐ (وہ محمدؐ جو بت شکن اور دشمنِ اصنام تھا) ، لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا ۔"[2]

عیسائیوں میں مسلمانوں کی بت پرستی کی یہ جھوٹی روایت اتنی مقبول تھی کہ اُن کے ہاں مومت (Mawmet) کا لفظ 'بت' کے معنی میں استعمال ہوتا تھا ۔ قرون وسطیٰ کی انگریزی روایات میں ماہون (Mahoun) کو مسلمانوں کی پرستش کا ایک مظہر قرار دیا گیا ہے اور اسے مسلمہ امر سمجھا گیا ہے کہ ترکوں اور مسلمانوں کے ہاں اس کی باقاعدہ پوجا کی جاتی تھی ۔ "مومت" کی طرح قرآن کو بھی اُن جہلاء نے الکرون ، (Alkaron) کا نام دے کر مسلمانوں کا ایک بت بنا ڈالا جس کے آگے لوبان جلایا اور نرسنگھا پھونکا جاتا ہے ۔ اسی طرح سورج (Apollo) کو اُن کا ایک اور دیوتا قرار دیا گیا ، جس کے بارے میں ایک فرانسیسی مصنف کہتا ہے کہ جب ۷۷۸ھ میں شارلی مین نے مسلمانوں کو شکست دی تو انھوں نے اپنا غصہ

---

1. Mahound, Apolyn (Apollyon), Termagant) (see song of Roland Ed. J. Crossland, P. 130, 131, 154, 164) ; And Rise and Progress of Mahometanism with the Life of Mahomet : Dr Henry Stubbe. Lahore. 1975. P. 217.

۲- سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی ، ج ۱ ، ص ۸۷ ، (مقدمہ) ۔ بحوالہ کتاب ہنری دی کاستری بہ زبان عربی مطبوعہ مراز ، ص ۸ تا ۱۰ ۔

اس دیوتا پر نکالا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے - ملکہ الزبیتھ اول کے دور کا نامور مصنف فرانسس بیکن (Francis Bacon) (۱۵۶۰ء تا ۱۶۲۶ء) نہ صرف آنحضرت ؐ کو (نعوذ باللہ) عطائی ـــ (Mounte Bank) قرار دیتا ہے ، بلکہ ۱۶۲۵ء میں تحریر کردہ اپنے مقالہ ، "ہمت و استقلال" (Of Boldness) میں درج ذیل مضحکہ خیز روایت نقل کرتا ہے :

"محمد ؐ نے لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ ایک پہاڑی کو بلائیں گے اور وہ اُن کے پاس چلی آئے گی - لوگ جمع ہوئے - محمد ؐ نے پہاڑی کو اپنے پاس آنے کو کہا - وہ بار بار پکارتے رہے اور جب پہاڑی اپنی جگہ کھڑی رہی تو وہ ذرا بھی نہ شرمائے ، انھوں نے کہا ـــ "اگر پہاڑی محمد ؐ کے پاس نہیں آ سکتی تو محمد ؐ تو پہاڑی تک جا سکتے ہیں -"[1]

قرونِ وسطیٰ کے یورپین مصنفین نہ صرف یہ کہ آنحضرت ؐ کے صحیح نام سے نا واقف تھے[2] ، بلکہ آپ ؐ کی زندگی ، سیرت و کردار اور منصبِ

1- Works of Francis Bacon. (vol II) London, 1829. page . 274 and Essays : Francis Bacon. Collins clear-type press London page 107.

۲- پروفیسر فلپ کے حتی اپنی کتاب 'Islam and the West' کے چوتھے باب 'Islam in the Western Literature' میں لکھتے ہیں کہ لفظ Mohomet خود محمد ؐ کی بگڑی ہوئی صورت ہے - آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں اس کی ۱۸ شکلیں بتائی گئی ہیں - اسی طرح Mahound کی ۱۷ شکلیں ، Mohammad کی پانچ اور Muhammad کو لے کر ایک ہی نام کی اُنتالیس شکلیں" - وحید الدین خاں ، جنھوں نے اس باب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ، حتی کے بیان پر اضافہ کرتے ہوئے (حاشیہ میں) لکھتے ہیں کہ مصنف نے یہاں (Maumet) کو شمار نہیں کیا ، جس کی سب سے زیادہ شکلیں آکسفورڈ ڈکشنری میں بتائی گئی ہیں اور اُن کو شامل کرنے کے بعد (آنحضرت ؐ کے) ناموں کی یہ فہرست ستر سے بھی زیادہ پہنچ جاتی ہے - (اسلام اور محمد ؐ ـــ مغربی لٹریچر میں : ترجمہ وحید الدین خاں ، "محدث" لاہور رسول ؐ مقبول نمبر حصہ دوم ، ص : ۳۳۸) -

نبوت سے بھی بیگانہ تھے [1]۔ اس دور کے مصنفین کے نقطہ نظر سے (نعوذ باللہ) محمدؐ نہ صرف ایک جھوٹے نبی اور نوجوانوں کے بہکانے والے تھے ، بلکہ ایک نہایت دغا باز شخص تھے جو کمزوروں کو دنیاوی لذائذ میں پھنسا کر حق و صداقت سے منحرف کر دیتے تھے [2] ۔ اُن کے نزدیک محمدؐ پیدائشی غلام تھے ، از روئے پیدائش نصرانی تھے اور مرگی کے مرض میں مبتلا تھے ۔ ہلدی برٹ (Hildebert of Lemons) نے بارھویں صدی عیسوی میں لکھا ہے کہ "محمدؐ نے اپنی رسالت کو ایک بیل کے ذریعے ثابت کیا تھا ، جس کو محمدؐ نے پوشیدہ طریقے سے سدھایا تھا ۔ یہ بیل اُن کے حکم کا تابع تھا ۔ جب وہ کہتے ، تب اُٹھتا تھا اور جب بیٹھنے کا حکم دیتے تھے ، تب بیٹھ جاتا تھا ۔" دوسرے مصنفین نے یہ کام ایک اُونٹ سے لیا ہے ، جس کی گردن میں ایک کتاب بندھی ہوئی تھی ، لیکن آندرے ڈینڈولو وینی ـ (Andrea Dandolo Veniee) کے ہاں ہم پڑھتے ہیں کہ محمدؐ نے ایک سفید کبوتر کو اس طرح سدھایا تھا کہ وہ ان کے شانے پر

۱- حافظ محمود خاں شیرانی نے ڈاکٹر ہنری سٹب کی کتاب An Account of the Rise and Progress of Mahometanism with the Life of Mahomet کے Appendix (ص ۱۲۳) میں آنحضرتؐ کے نام محمد کی (یورپی ادب میں) مسخ شدہ شکلوں کا درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے :

As seen above, Mahound is a corrupted form of Mahomet, A familiar name known to poets, romancers, and the composers of the miracle plays and mysteries ; Through the process of contraction it has been rendered Mahoune, Mahown, Mahoun, Mahon, Macon, and Mabo. From Mahomet has also been derived Mammet or Mawmet (an, idol), Mammetry (idolatry), Maumerye (an idolatrous temple) etc.

۲- قرون وسطیٰ کے یورپین مصنفین اور بانیٔ اسلام ، ڈاکٹر برکت علی مجلہ "جامعہ" دہلی ، شمارہ ستمبر تا نومبر ۱۹۲۸ء ، ص ۸ -

آ کر بیٹھ جاتا تھا اور اُن کے کان میں سے دانے چن چن کر کھاتا تھا ۔"[1]
خدیجہ ، اُس کے بیان کے مطابق ، عرب کی ایک شہزادی تھی ، جس سے شادی کرنے کی وجہ سے محمدؐ کو دنیاوی جاہ و جلال اور مرتبہ حاصل ہو گیا تھا ۔ محمدؐ کا داستِ راست ایک راہب Sergius (بحیرا)

۱۔ ایڈورڈ پوپاک ۔ (Edward Pococke) جو ۱۶۳۶ء میں آکسفورڈ میں عربی کا اُستاد مقرر ہوا ، پہلا یورپین ہے ، جس نے (بقول پروفیسر حتی) اس مروجہ کہانی کو چیلنج کیا کہ اسلام کے بانی نے ایک سفید کبوتر کو تربیت دے رکھی تھی کہ وہ اُن کے کاندھے پر بیٹھا رہے اور کان کے اندر پڑے ہوئے دانے کو چگنے کے لیے کان میں چونچ مارتا رہے ۔ غالباً ڈینڈولو وینی اور اُس کے ہم خیال عیسائی اپنے پیرو کاروں کو یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ کبوتر کے ذریعے سے روح القدس اُن کو الہام کر رہا ہے ۔ تاہم یہ افسانہ اس قدر مشہور ہوا کہ وہ انگریزی ادب میں داخل ہو گیا ۔ چنانچہ شیکسپئیر (۱۵۶۴ء - ۱۶۱۶ء) کے ایک کردار (چارلس ۔ بعد ازاں شاہ فرانس) کی زبان سے ہم سنتے ہیں کہ

Was Mahomet inspired with a dove ?
Thou with an eagle art inspired then. (King Henry the Sixth—Part one, scene 2 lines 140. 141.

پروفیسر حتی کہتے ہیں کہ شیکسپئر سے بہت پہلے جان لڈگیٹ (John Lydgate) ، (م/۱۵۱۷ء) اس کبوتر کا رنگ تک جانتا تھا اُس کے بیان کے مطابق کتوبر کا رنگ دودھیا سفید تھا . پھر یہ یقین یہاں تک بڑھا کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک کبوتروں کے ماہر نے ایک خاص قسم کے کبوتر کا نام Maumet رکھ دیا ، جو دراصل لفظ محمد کی بگڑی ہوئی شکل تھی ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کبوتر عیسائیوں کے ہاں تو روح القدس کی علامت ہے ، (لوقا ۳ : ۲۲) مگر اسلام میں اُس کی کوئی اصل نہیں ۔
(اسلام اور محمد — مغربی لٹریچر میں : پروفیسر فلپ کے حتی ، ترجمہ ، وحید الدین خاں ، ماہنامہ "محدث" لاہور ، رسول مقبول نمبر ، حصہ دوم ، ص ۳۳۹) ۔

نامی تھا جو محمدؐ کی مدد سے کلیسا کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ Dandolo کہتا ہے کہ محمدؐ کے ایک دشمن نے اُن کو زہر دے کر مار ڈالا اور اُس کے بعد اس کا قلم اس طرح گوہر ریز ہوتا ہے :

"چونکہ محمدؐ کو یقین تھا کہ وہ تین دن کے بعد آسمان پر اُٹھا لیا جائے گا ، لہذا اُس نے اپنے متبعین اور پیروانِ اسلام کو تاکید کر دی تھی کہ اس کی لاش کو تین دن تک دفن نہ کیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی ، لیکن متوقع معجزہ ظہور پذیر نہ ہوا ۔ لہذا بارہ دن کے فضول انتظار کے بعد اس کی متعفن اور سڑی ہوئی لاش دفن کرنی پڑی ۔"[1] (نعوذ باللہ) ۔

اس قسم کی خرافات ٹامس باشندہ ٹسکنی کی Gesta Impera to rum et Pontifieum (۱۲۷۰ء) اور Prince of Beauvais کی تصنیف Speculum Historiale کے اُس حصہ میں بھی موجود ہے ، جو آنحضرتؐ کے بارے میں ہے ۔ ان دونوں کتابوں میں محمدؐ کو ایک ایسے تاجر کے روپ میں پیش کیا گیا ہے ، جس نے اپنے تجارتی سفروں کے دوران یہودیت اور نصرانیت کے متعلق سطحی معلومات حاصل کر لی تھیں ۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ محمدؐ ایک ہوشیار جادوگر تھا ، جس نے اپنے طلسم کے ذریعے خدیجہ جیسی مالدار عورت سے شادی کر لی اور اپنے آپ کو مسیح موعود مشہور کر کے بے شمار لوگوں کو اپنا پیروکار بنا لیا ۔ اس کے بعد وہی احمقانہ حکایات دہرائی گئی ہیں ، جو اُس زمانے کے یورپ میں مشہور تھیں ، یعنی اُس کبوتر کا قصہ جو محمدؐ کے کان میں بات کرتا تھا[2]

۱۔ قرون وسطی کے یورپین مصنفین اور بانیٔ اسلام : ڈاکٹر برکت علی ، ص ۱۴ ، ۱۵ ۔

۲۔ گبن نے سدھائے ہوئے کبوتر کے قصہ کا موجد گروٹیس (Grotius) کو قرار دیا ہے ۔ اپنی تصنیف Decline and Fall of the Roman Empire کی جلد پنجم کے صفحہ ۵۱۱ (نوٹ) (Bohn's Ed.) پر وہ درج ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے :

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

یا وہ سُدھی ہوئی گائے ، جس کے سینگوں کے درمیان قرآن رکھا تھا ، یا وہ گھڑا جس میں دودھ اور شہد بھرا رہتا تھا ۔ فرضی روایات ، بے معنی حکایات اور بے بنیاد افسانوں کے اُن مجموعوں میں محمدؐ کو ایک غارت گر قزاق ، قاتل اور ہر انسانی اور خدائی قانون توڑنے والا شخص ثابت کیا گیا تھا ۔

پروفیسر فلپ کے ِحتّی کے بقول بازنطینیوں میں پہلا شخص، جس نے محمدؐ کا باقاعدہ ذکر کیا اور اسلام پر گفتگو کی ، وہ مؤرخ (Theophane) ہے ، جس کا زمانہ ۷۵۸ء تا ۸۱۸ء ہے ۔ تھیوفین ، بغیر کسی حوالے کے ، محمدؐ کو مشرقی باشندوں کا حکمران اور بناوٹی رسول لکھتا ہے ۔ ڈانٹے کا ایک ہم عصر مسیحی ، جس نے بغداد کا سفر کیا تھا ، یہ عجیب و غریب نظریہ پیش کرتا ہے کہ شیطان جب خود مشرقی ممالک میں عیسائی مذہب کی ترقی کو روک نہ سکا تو اُس نے اپنی طرف سے ایک آسمانی کتاب تیار کی اور ایک ابلیس فطرت آدمی کو اپنے وسیلے کے طور پر استعمال کیا ۔ یہ آسمانی کتاب قرآن اور وسیلہ محمدؐ ہیں (نعوذ باللہ) ۔ اسی طرح عبدالمسیح ابن اسحٰق الکندی نے جو ایک مشرقی عیسائی تھا ، ایک ہسپانوی مسلمان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

The Christians, rashly enough have ascribed to Mohammed a tame pigeon that seemed to descend from heaven and whisper in his ear. As this pretended miracle was brought forward by Grotius (De Veritate Religionis Christianae), His Arab translator, the learned Pococke, inquired of him the names of his authors, and Grotius was obliged to confess that it was unknown to the Mohammedans themselves. Lest however, it should provoke their indignation and ridicule, the 'Pious Lie' was suppressed in the Arabic version, but still maintains a conspicuous place in the numerous editions of the Latin text. (An Apology for Mohammed and the Koran : John Davenport, London, 1869, p. 20.)

کی دعوتِ اسلام سے مشتعل ہو کر محمدؐ کو ایک شہوت پرست اور قاتل کی حیثیت سے پیش کیا ، قرآن کو مصنوعی الہامات کا مجموعہ قرار دیا اور اسلام کو دھوکے اور تشدد کے ذریعے نفرت پرستانہ تعلیمات پھیلانے والا مذہب بتایا ۔

اس قسم کی باتوں کے نتیجے میں عیسائی دنیا میں محمدؐ کے خلاف کچھ ایسی فضا پیدا ہوگئی تھی کہ کوئی بھی افسانہ خواہ وہ کتنا ہی عجیب ہو ، اور اس کی کوئی اصل نہ ہو ، فوراً قبول کر لیا جاتا تھا ، اور پھر بڑے فخر سے بیان کیا جاتا تھا ، جہالت کی انتہا دیکھیے کہ قرطبہ کا ایک بشپ ایولوگیس (Eulo gius) جو اپنے وقت کا ایک بڑا عالم تھا، ایک لاطینی تحریر کے حوالے سے ، جو ایک عیسائی راہب نے تیار کی تھی ، لکھتا ہے کہ "محمدؐ کی وفات کے بعد اُن کے اصحاب فرشتوں کا انتظار کر رہے تھے جو اُتریں اور اُن کے جسم کو اُوپر لے جائیں ، مگر اس کی بجائے کُتے آئے اور اُن کے جسم کو کھا گئے (نعوذ باللہ) اسی لیے مسلمان ہر سال بڑے پیمانے پر کتوں کو ہلاک کرتے ہیں" ۔ پروفیسر ہِتّی کہتے ہیں کہ : " کتے کا یہ افسانہ لاطینی زبان سے فرانسیسی میں پہنچا ، چنانچہ ایک قدیم فرانسیسی نظم میں کتے اور سؤر کو دکھایا گیا ہے کہ وہ محمد کے جسم کو کھا رہے ہیں" ۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ محمد کا تابوت زمین و آسمان کے درمیان فضا میں معلق ہے اور لوگوں نے اس پر یقین کر لیا"[1] ۔

گیارہویں صدی عیسوی میں اسلام اور آنحضرتؐ کے خلاف معاندانہ ، مناظرانہ اور مجادلانہ نوعیت کی کتابیں یورپ میں باقاعدگی سے لکھی جانے لگیں مثلاً Peter, the venerable of Cluni نے بڑی کاوش سے قرآن اور اسلامی دینیات کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی کیونکہ اُس کی رائے میں عیسائی اُس وقت تک اسلام کے خلاف اپنی مذہبی ۔ جہد جاری نہیں رکھ سکتے تھے جب تک اُن کے پاس کافی مواد موجود نہ ہو ۔

۱۔ اسلام اور محمد ۔ مغربی لٹریچر میں : فلپ کے ہِتّی ، ترجمہ وحید الدین خاں ، محدث رسولِ مقبولؐ نمبر ، ص ۳۳۶ ، ۳۳۷ ۔

چنانچہ اُس نے Robert سے ۱۱۴۳ء میں ملک فرانس میں ، لاطینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کروایا ، جو بیرونی زبانوں میں قرآن کا پہلا ترجمہ ہے[1] ، اور Robert اور Hermann کی مدد سے چار مزید عربی کتابوں کا ترجمہ شائع کیا ، جس کا دیباچہ پیٹر نے اپنے قلم سے لکھا ۔ ان چاروں کتابوں کا مواد سامنے رکھ کر رابرٹ نے اسلام کے خلاف ایک نئی زہر آلود کتاب Chronica Mendosa et ridiculsa Saracenorum ، مرتب کی ، جس میں آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی ، خلفائے اربعہ کی تاریخ اور واقعہ کربلا قلم بند کیے۔ ڈاکٹر برکت علی کہتے ہیں کہ 'Peter the Venerable' کی تصانیف کے شائع ہوتے ہی اسلام کے خلاف مجادلہ اور مناظرہ کا دروازہ کھل گیا اور وہی ایک ماخذ اور سرچشمہ ہے ، جس سے قرونِ وسطیٰ کے نصرانیوں نے اسلام کے خلاف مواد حاصل کیا اور اسلام کے متعلق رائے قائم کی[2] ۔ اُن تصانیف کے بعد سے یورپ کی تمام زبانوں میں اسلام کے خلاف

۱- ۱۶۴۹ء میں آندرے ڈو رئیر (Andre du Ryer) نے اس ترجمہ کی مدد سے پہلے تو قرآن کا فرنچ زبان میں ترجمہ کیا اور پھر اُس کو محمد کا قرآن (The Alquran of Mohomet) کے نام سے انگریزی میں منتقل کیا ۔ اس ترجمہ کی اشاعت کا مقصد بقول مترجم اُن لوگوں کو مطمئن کرنا تھا جو 'ترکی کے کھوکھلے مذہب کے جاننے کے خواہش مند تھے ۔ فرانسیسی زبان میں قرآن کا دوسرا ترجمہ ایبے مراکشی (Abbe Maracci) نے ۱۶۹۸ء میں کیا ۔ آندرے ڈورئیر کے فرانسیسی ترجمے کو سامنے رکھ کر الیگزینڈر راس (Alexander Ross) نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا ۔ یہاں یہ بتانا بھی بے محل نہ ہوگا کہ قرآن مجید کا پہلا انگریزی ترجمہ براہ راست عربی زبان سے جارج سیل (orge Sale نے ۱۷۳۴ء میں کیا جو ڈیڑھ صدی تک انگریزی دنیا پر چھایا رہا ۔

۲- حالانکہ پروفیسر فلپ کے ِحتّی کے خیال میں اس سے بہت پہلے شام کے مشہور عیسائی عالم سینٹ جان آف دمشق (م/۷۴۹) کو تمام بازنطینی روایات کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے ، وہ عربی ، سریانی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سب و شتم کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو گیا ۔ بعض مصنفین نے نبی کریمؐ اور اسلام کے خلاف نظم میں بھی طبع آزمائی کی ، مثلاً Walter of Sens نے نبی کریمؐ کے خلاف لاطینی نظم میں اور Alexander Due Pont نے فرانسیسی نظم میں گل فشانی کی ہے"[۱] ۔

اسی طرح کے اور بھی کئی مصنفین ہیں ، جنہوں نے آنحضرتؐ کے خلاف زہر آ گلا ، مثلاً ہلدی برٹ نے جس کا پیچھے ذکر آیا ہے اور جو Lemons کا پادری تھا اور ۱۱۳۳ء میں Tours کا آرچ بشپ ہو گیا تھا ، آنحضرتؐ کی سیرت پر ایک کتاب لکھی جس میں بے بنیاد حکایات کی بھرمار ہے ، (ان میں چند ایک کا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے) ۔ تاہم اس کے بعد چند ایسے مصنفین بھی سامنے آتے ہیں ، جن کی کتابوں میں کہیں کہیں صحیح واقعات بھی درج ہیں ۔ مثلاً ولیم آف ٹریپولی (William of Tripoli) نے ایک رسالہ میں ، جو اس نے ۱۲۷۰ء میں لکھا، سنجیدگی سے اسلام اور اس کے بانی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اور یونانی زبانیں جانتا تھا اور اوائل جوانی میں بنو امیہ کے دربار میں حاضر ہوا تھا ، مگر عربوں سے براہ راست واقفیت کے باوجود اس نے اپنی کتاب میں اسلام کو ایک 'بت پرست مذہب کی حیثیت سے پیش کیا ہے ، جس کے ماننے والے ایک جھوٹے رسول کی پرستش کرتے ہیں ۔ اس کے بیان کے مطابق محمدؐ نے ایک آرین راہب کی سرپرستی میں بائبل کی مدد سے اپنے مذہب کے اصول وضع کیے۔ چنانچہ اسی قسم کی خرافات سے متاثر ہو کر مشہور اطالوی شاعر ڈانٹے (Dante ، م/۱۳۲۱ء) نے اپنی "ڈیوائن کامیڈی" میں محمدؐ اور علیؓ کو (نعوذ باللہ) نویں جہنم میں دکھایا ہے ، جو تفرقہ پردازوں ، جعل سازوں اور رسوا کن اعمال کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے ۔ (اسلام اور محمد ۔ مغربی لٹریچر میں ، محدث رسول مقبول نمبر ۲ ص ۳۳۶) ۔

۱۔ قرون وسطیٰ کے یورپین مصنفین اور بانیٔ اسلام : ڈاکٹر برکت علی ، ص ۱۰ ، ۱۱ ۔

معاصرین کی طرح محمدؐ کو فریب کار اور دغا باز شخص نہیں سمجھتا اور نہ اُس نے اپنی تصنیف کو بے بنیاد الزامات اور اتہامات کا طومار بنایا ہے[1]

اسی طرح واعظ Nicoldlis of Montechristo ، جو تیرہویں صدی عیسوی کے اختتام اور چودھویں صدی کے آغاز میں زندہ تھا ، اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں قدرے غیر جانب دار اور وسیع النظر دکھائی دیتا ہے ۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سالہا سال مسلمانوں میں رہا اور اُسے قرآن ، اسلام اور محمدؐ کو سمجھنے کا بہتر موقع ملا ۔ اسی لیے اُس نے محاسنِ اسلام سے چشم پوشی نہیں کی ، بلکہ بعض معاملات میں تو وہ مسلمانوں کو بطور نمونہ پیش کرتا ہے (مثلاً ادائیگی نماز و زکٰوۃ و خمس اور توحید پرستی وغیرہ میں) ، تاہم اُس کی تصانیف میں بھی فرضی روایات موجود ہیں ۔

غیر جانب داری کی ایک اور مثال کرائسٹ چرچ آکسفورڈ کے ڈاکٹر ہنری سٹب Dr. Henry Stubbe (۱۶۳۱ء - ۱۶۷۶ء) کی تصنیف "محمدیت کا طلوع و ارتقا مع زندگانیٔ محمدؐ" The Rise and Progress of Mahometanism with the Life of Mahomet ہے ۔ یہ کتاب ۱۶۷۱ء اور ۱۶۷۶ء کی درمیانی مدت میں کسی وقت لکھی گئی ، چارلس ہارن .بی نے اس کا مسودہ ۱۷۰۵ء میں دریافت کر کے صاف کیا اور حافظ محمود شیرانی نے ۱۹۱۱ء میں اسے (اپنے مقدمہ اور ضمیمہ کے ساتھ) شائع کیا ۔ برٹش میوزیم میں اس کے کئی خطی نسخے موجود ہیں ۔ ہنری سٹب ، یہودیت ، عیسائیت اور اسلام پر قلم اُٹھانے والے ، اول تا آخر ، تمام مؤرخین سے بخوبی واقف ہے ، اور اسلام کے بارے میں اُس کا نقطۂ نظر بھی ہمدردانہ ہے ، اس لئے حافظ محمود شیرانی نے ہنری سٹب کو گبن اور کارلائل کے پائے کا مصنف قرار دیا ہے ، جس نے تعصبات کے وہ تمام

۱- پروفیسر حتّی اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ "بشپ ولیم آف ٹری پولی بھی محمدؐ کو جھوٹے رسول کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے البتہ وہ آنحضرتؐ کے حالات میں دشنام طرازی اور افسانوی حصے کو بہت کم کر کے پیش کرتا ہے" ۔ (اسلام اور مغرب)

پردے چاک کرنے کی کوشش کی ہے ، جو اُس کے پیش روؤں نے آنحضرتؐ کی شخصیت کے گرد تان رکھے تھے ۔ ہنری سٹب ، آنحضرتؐ کو (حضرت داؤد[۴] جیسا) حکمران پیغمبر قرار دیتا ہے ، جن کی زندگی میں کار سیاست بھی اتنا ہی اہم تھا ، جتنا منصبِ نبوت ۔ وہ خاص طور پر حضور اکرمؐ کی حکیمانہ قانون دانی کی تعریف کرتا ہے اور اسلام کے تلوار کے زور پر پھیلائے جانے کے الزام کی تردید کرتا ہے ۔ اس کتاب کا ایک معلومات افزا اور مفید پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں پیغمبرِ اسلام کے بارے میں نہ صرف عیسائی دنیا میں پھیلی ہوئی مفروضہ کہانیوں کا ذکر موجود ہے بلکہ اپنی کتاب کے آٹھویں باب میں اُس نے اُن فرضی قصوں کی پُرزور الفاظ میں تردید بھی کی ہے ۔ تاہم سترھویں صدی عیسوی کے دیگر یورپین مصنفین کی طرح اس کی کتاب بھی غلطیوں سے پاک نہیں ہے ۔ مثلاً اُس نے حضرت خدیجہؓ کا وطن شام بتایا ہے ، حضرت محمدؐ ، عمرؓ اور عثمانؓ کو ابوبکرؓ کی کمان میں عیسائی فوج کے سپاہیوں کی حیثیت سے لڑتے دکھایا ہے اور ابو بکرؓ کو آنحضرتؐ کا چچا قرار دیا ہے ۔ اسی طرح وہ آنحضرتؐ کے سفرِ ہسپانیہ کا بھی ذکر کرتا ہے ، جو محض اس کے تخیل کی پیداوار ہے ۔یہی حال انگریز پادری لینکلاٹ ایڈیسن (Lancelot Addison) کا ہے ، جس نے ۱۶۷۹ء میں اپنی کتاب میں اُن من گھڑت واقعات کو الگ کرنے کی کوشش کی ہے ، جو محمدؐ کے نام سے وابستہ ہوگئے تھے ۔ اُس کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے وہ کسی واقعہ کی افسانوی تصویر نقل کرتا ہے اور پھر اُس کے بعد اُس کی تاریخی حقیقت واضح کرتا ہے ۔ ایڈیسن کے ایک معاصر Dean Hamphray Prideaux نے آنحضرتؐ کی ایک مکمل سوانح عمری لکھی ہے (Life of Mahomet) ، جس میں کبوتر والی کہانی اور بعض دیگر حکایات کو یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ انھیں ماننے کے لیے کوئی واقعی بنیاد موجود نہیں ہے ۔ اس سوانح حیات کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ اسلام ایک مکارانہ مذہب (Fraudulent Religion) کا معیاری نمونہ نہیں ہے۔ پرائیڈکس (ڈین پریڈی) کی یہ کتاب ایک صدی تک مغربی دنیا میں مستند تصور کی گئی ۔ تاہم اس قسم کی رواداری کی مثالیں استثنائی ہیں ، کیونکہ ۱۸۲۹ء تک جب Rev. Charles Foster کی "Mohametanism Unveiled"

شائع ہوئی ، یورپ میں آنحضرت ؐ کی زندگی پر حکایات و قصص کا سایہ پڑتا رہا ۔ البتہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں زیادہ رواداری کا نقطۂ نظر پیدا ہوا اور انیسویں صدی کے نصف آخر میں نبی کریم ؐ کی زندگی اور اسلام کے عقائد تاریخی روشنی میں آنا شروع ہوئے ؛ جن کا باعث ویل (Weil) ، کوسن ڈی پرسیوال (Caussin de Perceval)، پرنس کائتانی (Prince Caetani) نولڈیکی (Noldeke) ، کراہل (Krehl) ، اسپرنگر Spren_er ، سر ولیم میور (S.W. Muir) اور وان کریمر (Von Kremer) جیسے فضلاء بنے[1] ۔ تاہم بعض علماء (مثلاً ولیم میور، مارکس ڈاڈز مارگولیوتھ اور ہنری لامنز وغیرہ)[2] کے ہاں پھر بھی قدیم متعصبانہ رجحانات کے آثار پائے جاتے ہیں ۔

دراصل اٹھارویں صدی کے مصنفین مثلاً ڈین پرائڈکس (Dean Prideaux) ڈی ہربی لاٹ (d' Herbelot) ، بولین ولیرز (Boulainvilliers) اور والٹیئر (Voltaire) کے ہاں بھی یہی رجحانات موجود تھے۔ چنانچہ ان مصنفین، بعد ازاں بیمپٹن لیکچررز (Bampton Lecturers) اور عربی کے یورپی پروفیسروں نے بس ایک ہی بات ثابت کرنے کی ہے کہ محمد ؐ یا تو ہیرو ہیں یا خادع ۔ ان فضلاء کی حیثیت یا تو وکیلِ استغاثہ کی ہے یا وکیلِ صفائی کی ۔ چنانچہ ہمیں اُن کی تصانیف سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ محمد ؐ کے بارے میں کیا کچھ کہا گیا ہے لیکن خود محمد ؐ کے بارے میں ہماری معلومات میں بہت کم اضافہ ہوتا ہے ۔

شبلی کہتے ہیں کہ "مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت و مغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں ، وہ ایک ایک کر کے باستثنائے چند ، اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں ، اور اُن میں اکثر کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوگیا ۔ سب سے پہلے رسک (Reiske) ، المتوفی ۱۷۷۴ء نے "تاریخ ابوالفدا" مع ترجمہ لاطینی و

۱۔ قرون وسطٰی کے یورپین مصنفین اور بانیٔ اسلام : ڈاکٹر برکت علی ، ص ۱۵ تا ۱۸ ۔

2. William Muir, Rev. Dr. Marcus Dods, Margoliouth, Henry Lammens.

حواشی پانچ جلدوں میں شائع کی - ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے این متھوس (A. N. Mathews) نے کلکتہ سے "مشکواة المصابیح" کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا - ۱۸۵۶ء میں وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ میں محمد بن عمر واقدی کی "کتاب المغازی" طبع کرائی - ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرة الرسول ؐ کی کوٹینگن (Cottingen) سے اشاعت کی - اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی "تاریخ مدینہ" اور ابن قتیبہ کی تاریخ "معارف" طبع کروائی - ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل (G. Weil) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا - ۱۸۷۷ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ "مروج الذہب" مع ترجمہ فرانسیسی پروفیسر ڈی سانیارڈ نے شائع کی - والہوسن (Well Hausen) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمد بہ مدینہ" برلن سے شائع کیا - ۱۸۸۳ء میں لیڈن سے ہاؤتسما (Houtasma) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں چھپی - ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت سے طبری کی مشہور اور نادر الوجود تاریخ بارتھ (J. Barth) اور نولڈیکی (Noldeke) وغیرہ نے شائع کی اور سب سے آخر میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (Sachuu) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود "طبقات" جس سے زیادہ مبسوط سیرتِ نبوی ؐ میں ، کوئی تصنیف نہیں ، تقریباً ۱۹۰۰ء سے گزشتہ سال تک ایک ایک جلد کر کے لیڈن سے شائع ہوتی رہی" -

شبلی کہتے ہیں کہ "ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت ، ممالکِ اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات ، مذہبی منافرت کی کمی اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام چیزوں نے یورپ میں مصنفینِ تاریخِ اسلام اور سوانح نگارانِ پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کر دیا"[۱] - •

انیسویں صدی عیسوی میں اگر ایک طرف ان مسیحی سیرت نگاروں کا روایتی گروہ ہے ، جسے تعصب نے اندھا کر رکھا تھا اور جو آنحضرت ؐ

۱- سیرة النبی ؐ : شبلی نعمانی ، ج ۱ ، ص ۹۱ ، ۹۲ (مقدمہ)

کو (نعوذ باللہ) جادوگر، مفسدہ پرداز ، رہزن ، عیاش ، ہوسناک ، ریا کار ، خادع ، دجال ، بدعتی ، دشمنِ مسیح ، منافق اور ناپاک کہتے نہیں تھکتا تھا ، تو دوسری طرف پیغمبرؐ اسلام کے وہ سوانح نگار ہیں ، جن کی آنکھوں سے جہالت کی پٹی آہستہ آہستہ اُتر رہی تھی اور وہ اسلام اور بانیٔ اسلام کے محاسن کی کہیں دبے اور کہیں کھلے لفظوں میں تعریف کر رہے تھے ۔ اس ردِ عمل کا بانی گیگنیئر (Gagnier) تھا ، جو یوں تو فرنچ نژاد تھا لیکن اُس نے انگلستان کی شہریت اختیار کر لی تھی ۔ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کا استاد تھا اور اُس نے "تاریخِ ابوالفدا" (اور احادیث) کو بنیاد بنا کر ۱۷۳۲ء میں تاریخِ محمد (Vie De Mahomet) لکھی، کیونکہ اُس وقت تک ابوالفدا کو ہی یورپ میں اولین ثقہ عربی کا مؤرخ تسلیم کیا جاتا تھا[1]۔ محمد حسین ہیکل نے اپنی "سیرۃ الرسولؐ" کے مقدمے میں انیسواں صدی کے ایسے تمام ہمدرد مؤرخین کا ذکر کیا ہے اور اُن کی تحریروں کے نمونے بھی درج کیے ہیں ۔ مثلاً اس سلسلے میں انھوں نے اینو ، فرانسیسک میٹل (۱۸۳۱ء) امیل درمنگھم، جیرو نوجن ، رودلف ولوہیم ، نکولادیس ، دقیقس ، مراقشی ، ہوتنجر ، بیلیاندر ، پریدو ، اپن پروز ایل ، قنزایل ، پاسکال ، انوسان ہشتم ، ایمون لیون، گیوم پاستل ، لرولان وزاینیہ ، کسیشش، دبرگلی ، لرنیان ، درولی اور فوستر کا ، بطور خاص ذکر کیا ہے ، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ کاؤنت بولانویہ ، شول ، کوسن دی برسوال ، ڈوزی ، سپرنگر ، بارتھلمی سینٹ ہیلئر، دی کاسٹری ، کارلائل اور دوسرے مصنفین نے ایک حد تک اسلام کے بارے میں انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور اس بارے میں، انھوں نے جو کچھ بھی تحریر کیا ہے ، دل پذیر پیرایۂ بیان میں تحریر کیا[2] ہے ۔ تاہم وہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اُن مؤرخین نے یہ مذموم روش ایسے دور میں اختیار کی ، جسے علم و تحقیق ، حریتِ فکر اور مساوات کا دور کہا جاتا ہے ،

۱۔ محمد اینڈ محمڈن ازم : آر بوسورتھ سمتھ ۔ سندھ ساگر اکیڈیمی ، لاہور ۔ ص ۲۵۷ - ۲۵۸ ۔

۲۔ سیرۃ الرسولؐ : ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ، ترجمہ ، محمد وارث کامل ، ص ۱۸ تا ۲۰ (مقدمہ) اور حیات محمد : محمد حسین ہیکل ، ترجمہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ، ص ۱۵ تا ۱۷ (مقدمہ) ۔

البتہ اس امر پر مطمئن بھی ہیں کہ چند منصف مزاج مورخین کے شیوۂ حق پسندی سے متعصب مصنفین کی دروغ بافیوں کی تلافی ہو جاتی ہے ، کیونکہ انھوں نے نبی کریم ؐ کی رسالت کو من جانب اللہ تسلیم کیا ہے ، اور آپؐ کی روحانی عظمت اور اخلاقی فضیلت کے بارے میں رطب اللسان ہیں[1] -

پروفیسر فلپ کے ہِتّی لکھتے ہیں کہ محمدؐ ، قرآن اور اسلام کے بارے میں ، مذہبی عالموں، حکایت نویسوں اور شاعروں کی نسبت مقالہ نگاروں اور مؤرخوں کا رویہ بہتر رہا - اس سلسلے میں پہلا قابل ذکر نام سائمن آکلے (Simon Ockley) کا ہے ، جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا ، اُس نے مسلمانوں کی تاریخ پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے[2] - اگرچہ کیمبرج کا یہ عالم بھی مکار (Imposter) کو محمدؐ کے ہم معنی لفظ کے طور پر استعمال کرتا ہے اور اسلام اور توہمات اُس کے یہاں مترادف الفاظ ہیں ، مگر مخصوص تاریخی واقعات کے بیان میں اُس نے راست گوئی سے کام لیا ہے - شام کی فتح کا حال بیان کرتے ہوئے ، مثال کے طور پر وہ بازنطینیوں کی غارت گری اور دغا بازی کا مقابلہ ابوبکرؓ کی فوجوں کی شجاعت اور اُن کے اعلیٰ رویہ سے کرتا ہے ، جن کو خلیفہ کی ہدایت تھی کہ کسی عورت یا بچہ کو قتل نہ کریں ، کھجوروں کے درخت نہ کاٹیں اور نہ کھیت کو نقصان پہنچائیں - آکلے کی اس کتاب نے مستند درجہ حاصل کر لیا اور گبن کے ظہور سے پہلے تک عرب تاریخ پر بنیادی ماخذ سمجھی جاتی رہی -

ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) (۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۴ء) جدید انگریزی تاریخ کا بانی ہے - اُس نے اپنی مشہور کتاب "سلطنتِ روما کا زوال" (۱۷۸۸ء) کی پانچویں جلد کے پچاسویں باب کو اس موضوع کے لیے مخصوص کیا ہے - اپنے اعتراف کے مطابق وہ مشرقی زبانوں سے مکمل

۱- سیرۃ الرسولؐ : ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ، ترجمہ ، محمد وارث کامل ص ۱۸ تا ۲۰ (مقدمہ) اور حیاتِ محمد : محمد حسین ہیکل مصری ، ترجمہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ، ص ۱۵ تا ۱۷ (مقدمہ)-

2. Ckley : History of tha Saracens; from 632-705 (1708-1718).

طور پر ناواقف تھا ، اس لیے قدرتی طور پر اس کا ماخذ وہی کتابیں تھیں ، اُس سے پہلے یورپ میں لکھی گئی تھیں اور اس بناء پر اُس کی ترجمانی بھی واقعہ کے مطابق نہ ہو سکی ، تاہم اُس نے بہت سی روایات کو غلط قرار دیا ۔ مثلاً اُس نے کہا کہ "مکار" نبی کا لقب ایک خطرناک اور ناقابلِ اعتبار (Prilons and Slippery) چیز ہے"[1] ۔

فرانس میں والٹیئر(۱۶۹۴ء-۱۷۷۸ء) پیدا ہوا جو بحیثیت مورخ زیادہ محتاط ہے مگر بحیثیت المیہ نگار (Tragedian[1]) محتاط نہیں تھا ۔ اپنی تاریخی کتاب

۱۔ باسورتھ سمتھ لکھتا ہے کہ "سیل اور سیواری کے تراجم کے بعد ، دونوں یورپی زبانوں (فرنچ اور انگریزی) میں قرآن مجید کے مزید تراجم ہوئے ۔ ان سب سے اور سیل کے مقدمہ میں موجود حقائق کے بے پایاں انبار سے ، گبن نے ، جو خود عربی کا عالم نہیں تھا ، (محمدؐ کے بارے میں) اپنے عظیم الشان باب کے لئے سواد حاصل کیا اور اپنے تین سوانحی شہ پاروں ، ایتھاناسی‌اس (Athanasius) ، جیولین (Julian) اور محمدؐ ، میں سے مؤخرالذکر کا سب سے اعلیٰ سوانحی خاکہ ، پوری فن کارانہ چابک دستی کے ساتھ کھینچا ۔ وہ مکمل توانائی کے ساتھ اپنے موضوع سے نبرد آزما ہوا ہے ، اس سے فیض یاب ہوا ہے اور ایک ایسا نقش بنانے میں کامیاب ہوا ہے ، جو اِکا دُکا غیر ضروری جلی کٹی باتوں اور مخصوص طعن آمیز کنایوں کے باوجود ، آج بھی اُن لوگوں کے لئے مسرت و مایوسی کا باعث ہے . جن کے پاس ، سپرنگر اور میور کی عنایت سے ، معلومات کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے ، مگر جس سے وہ خود محروم تھا ۔ تاہم گبن کے عیسائیت کی طرف غیر منصفانہ اور غیر حکیمانہ رویے کی وجہ سے دنیا نے اسلام کے بارے میں اُس کا منصفانہ اور دانش مندانہ نقطۂ نظر قبول نہ کر کے اُس کے ساتھ بھی نا انصافی کی ہے ، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اکثر و بیشتر انگریز ، جو پیغمبرِ عربیؐ کو سنے بغیر رد نہیں کرتے ، اب اُن سے متعلق گبن سے نہیں بلکہ کارلائل سے ، ہمدردانہ نظریات اخذ کرتے ہیں" ۔

(محمد اینڈ محمدن ازم ۔ ص ۵۸ ، ۵۹)

(۱۷۵۶ء) میں وہ محمدؐ کا ذکر روا داری کے ساتھ کرتا ہے ۔ وہ محمدؐ کا مقابلہ کرامویل (Cromwell) سے کرتا ہے ۔ اُن کے کارناموں کو انگلینڈ کے نجات دہندہ (کرامویل) سے زیادہ عظیم قرار دیتا ہے ، مگر اپنے المیہ ناٹک[1] (Tragedy) ۱۷۴۲ء میں محمدؐ کو قرونِ وسطیٰ کے لباس میں مکار ، ظالم اور عیاش بنا کر پیش کرتا ہے ۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ والٹئیر کا اسلام پر حملہ عمومی طور پر اس کے مخالفِ مذہب ہونے کا نتیجہ تھا ۔ والٹئیر کا انحصار انگریزی ماخذ پر تھا ۔ خاص طور سیل کا ترجمۂ قرآن ، کیونکہ وہ انگلینڈ میں رہا تھا اور انگریزی زبان سیکھی تھی[2] ۔

والٹئیر سے زیادہ جرمن شاعر گوئٹے (۱۷۴۹ء تا ۱۸۳۲ء) وہ شخص تھا ، جو جدید سپرٹ اور نئے بین الاقوامی نقطۂ نظر کا پیغام بر بنا ۔ گوئٹے (Goethe) نے اپنی زندگی میں محمدؐ کے حالات پر ایک نظم (نغمۂ محمدؐ)[3]

---

1. Le fanatisme uo Mahomet le Prophete.

۲- موریس بوکائیے لکھتا ہے کہ :

"At a certain period of history, hostility to Islam, in whatever shape or form, even coming from declared enemies of the church, was received with the most heartfelt approbation by high dignitaries of the catholic church. Thus Pope Benedict XIV, who is reputed to have been the greatest pontiff of the eighteenth century, unhesitatingly sent his blessing to Voltaire. This was in thanks for the dedication to him of the tragedy, "Mohammed or Fantasticism" (Mahomet Ou Le Fanatisme) 1741, A coarse satire that any clever scribbler of bad faith could have written on any subject. In spite of a bad start, the play gained sufficient prestige to be included in the repertoire of the Comedie—Francaise."

(The Bible, The Quran and Science, by Maurice Bucaille, Translation from the French by Alastair. D. Pannell and the Author, 1978, Doha, Qatar. p. 112 (Foot-Note No. 1)

3. Mohomets Gesang.

شروع کی مگر وہ اُس کو مکمل نہ کر سکا ۔ گوئٹے یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ عربی پیغمبرؐ ایک مکار شخص تھا ۔

اسلامی کلچر کے بارے میں مغربی علماؑ کا بدلا ہوا نقطۂ نظر ، جس کا آغاز انگریز اور فرانسیسی پروفیسروں نے کیا تھا اور جرمن اور دوسرے ادیبوں اور شاعروں نے جس کو تقویت دی تھی ، وہ انیسویں صدی کے وسط تک بالکل واضح ہو گیا ۔ کارلائل (Carlyle) کا محمدؐ کو پیغمبرانہ ، ہیرو کے کردار کے لیے منتخب کرنا بیک وقت نئے رجحان کی طرف اشارہ بھی تھا اور اس میں اضافہ کرنے والا بھی تھا[۱] ۔ بقول فلپ کے حتی "کارلائل کی کتاب میں مشکل سے کوئی ناخوشگوار فقرہ ہوگا ۔ درحقیقت یہ کتاب اس لیے قابلِ تنقید ہو سکتی ہے کہ وہ غیر تنقیدی ہے ۔ "——محمدؐ ایک سازشی مکار ہیں ، جھوٹ کا مجسمہ ہیں ۔ اُن کا مذہب محض عطائی نسخوں کا مجموعہ ہے — اس قسم کی باتیں کارلائل کو گوارا نہیں تھیں ، اُس کا ہیرو (محمدؐ) واقعی ایک انسان تھا ۔ سچا انسان"![۲] ۔

مولینا شبلی نعمانی نے انیسویں صدی کی ابتدا سے بیسویں صدی کی ابتدا تک ایسے مغربی مصنفین کی ایک فہرست بنائی ہے ، جنھوں نے بطورِ خاص آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی یا اسلام کے عقائد پر کتابیں لکھیں ، وہ فہرست (بعد از تصحیح) درج ذیل ہے[۳] :

---

1. "Make as large deduction as we will on the score of Carlyle's peculiar views on 'Heroes and Hero-worship', How many of us can recall the shock of surprise, the epoch in our intellectual and religious life, when we found that he chose for his 'Hero as Prophet', not Moses, or Elijah, or Isaiah, but the so called impostor Muhammad !"
(Muhammad and Muhammadanism : R. Bosworth Smith. p 59).

۲- اسلام اور محمد ، مغربی لٹریچر میں : فلپ کے حتی ۔ ترجمہ وحید الدین خان ۔ محدث لاہور۔ رسول مقبول نمبر حصہ دوم ۔ ص ۳۲۱ ، ۳۲۲ ۔

۳- شبلی نے اس فہرست کی تیاری میں باسورتھ سمتھ کی کتاب "محمد اینڈ محمڈن ازم" کے آخر میں درج کتابیات (Bibliography) کو اپنے پیش نظر رکھا ہے ۔ دیکھیئے ص ۲۵۷ تا ۲۶۴ ۔

نمبر شمار	نام مصنف	وطن	نام تصنیف/مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی .بی	انگلستان	سیرت محمدؐ خادع (نعوذ باللہ)	۱۸۱۵ء
۲	ڈاکٹر وائٹ (White) واعظ آکسفورڈ	,,	بیمپٹن سرمنز ، اسلام اور پیغمبر اسلامؐ	۱۸۰۰ء
۳	گاڈفری ہگنس (Godfrey Higgins)	,,	آپالوجی فار محمدؐ	۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے - اے موہلر (Mohler)	جرمنی	اسلامزم	۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی (Garcin De Tassy)	فرانس	اسلام و قرآن	۱۸۳۱ء اور ۱۸۷۴ء
۶	ایڈورڈ لین (Edward Lane)	انگلستان	انتخابات القرآن	۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل (Dr. Gustav Weil)	جرمنی	ترجمہ و تحشیہ سیرت ابن ہشام	۱۸۶۴ء
			کتاب محمدؐ پیغمبر (بزبان جرمن)	۱۸۴۳ء
۸	کارلائل (Carlyle)	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی پرسیوال (Caussin De Perceval)	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن ارونگ (Washington Irving)	انگلستان	سیرت محمدؐ	۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر (Dr. Sprenger)	جرمنی	سیرت محمدؐ (بزبان انگریزی)	۱۸۵۱ء
			سیرت محمدؐ (بزبان جرمن)	۱۸۵۱ - ۱۸۶۱

نمبر شمار	نام مصنف	وطن	نام تصنیف/مضمون	زمانہ تصنیف
۱۲	وان کریمر (Von Kremer)	جرمنی	ترجمہ و تحشیہ واقدی	۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار : نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمدؐ"	جولائی ۱۸۵۸ء
۱۴	ڈوزی (Dozy)	ہالینڈ	تاریخ اسلام	۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار : نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	اکتوبر ۱۸۶۰ء
۱۶	ڈی لین (Delane)		سیرت محمدؐ	۱۸۶۱ء
۱۷	سر ولیم میور (S. William Muir)	انگلستان	سیرت محمدؐ	۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء
۱۸	برتھالمی سینٹ ہلیئر (Barthelemy St. Hilaire)	فرانس	محمد و قرآن	۱۸۶۵ء
۱۹	نولڈیکی (Noldeke)	جرمنی	مضامین قرآن و اسلام	۱۸۶۹ء
۲۰	ووشیف ، مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	اکتوبر ۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار : برٹش کوارٹرلی ریویو	انگلستان	محمدؐ	جنوری ۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس شول (Julius Charles Scholl)	فرانس	تاریخ بانی اسلام	۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمدؐ اور اسلام	جون ۱۸۷۵ء
	ڈاکٹر جی - پی بیجر Dr. G.P. Badger			
۲۴	باسورتھ سمتھ (Bosworth Smith)	,,	محمدؐ اور محمدیت	۱۸۷۴ء
۲۵	سیدلو (Sedillot)	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۷۷ء

نمبر شمار	نام مصنف	وطن	نام تصنیف/مضمون	زمانۂ تصنیف
۲۶	ولہوسن (Well Hausen)	جرمنی	تبصرہ بر واقدی	۱۸۸۲ء
۲۷	اہل کراہل (Krehl)	,,	سیرتِ محمدؐ	۱۸۸۳ء
۲۸	گولڈ زہر (Gold Ziher)	,,	مطالعۂ اسلام	۱۸۹۰ء
۲۹	ریناں (Renan)	فرانس	تاریخِ مذاہب	۱۸۵۸ء/۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ گریم (H. Grimme)	ہالینڈ	سیرتِ محمدؐ	۱۸۹۳ء
۳۱	ہنری دی‌کاستری (Henri De Castere)	فرانس	اسلام پر خیالات	۱۸۹۶ء
۳۲	ایف بوہل (Buhl)	ہالینڈ	سیرتِ محمدؐ	۱۹۰۳ء
۳۳	ولاسٹن (Wallaston)	انگلستان	آدھ گھنٹہ محمدؐ کے ساتھ	۱۹۰۵ء
۳۴	مارگولیوتھ (Margoliouth)	,,	محمدؐ	۱۹۰۵ء
۳۵	کوئل (Koell)	,,	محمدؐ اور اسلام	۱۸۹۳ء
۳۶	پرنس کائتانی (Caetani)	اطالیہ	تاریخ کبیر محمد و اسلام و سلاطینِ اسلام	۱۹۰۵ء سے جاری
۳۷	میجر لیونارڈ (Leonard)	انگلستان	اسلام کا روحانی اور اخلاق پایہ	۱۹۰۹[1]

۱- سیرت النبیؐ : شبلی نعمانی ، ج ۱ ، ص ۹۳ تا ۹۵ (مقدمہ) -

اس فہرست میں کچھ نام شامل ہونے سے رہ گئے ہیں ، مثلاً سولھویں سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے مستشرقین جنھوں نے عربی زبان کی کتبِ تاریخ کا یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا یا یورپی زبانوں میں کاملاً یا ضمناً اسلام اور بانیٔ اسلام کے حالات لکھے، اُن میں بالخصوص ار پی نیوس (ARP) ایڈورڈ پوکاک (Po-Cocke) ، ہاٹنجر (Hattinjer) سر والٹر ریلے ، تھامس نیوٹن ، ہنری سمتھ اور ایڈورڈ گبن (Gibbon) قابلِ ذکر ہیں ۔ سر والٹر ریلے نے "حیات و مماتِ محمد" (۱۶۳۷ء) ، تھامس نیوٹن نے "عربوں کی قابلِ ذکر تاریخ" (۱۵۷۵ء) اور ہنری سمتھ (م ۱۵۹۱ء) نے "دہریت اور لامذہبیت کے خلاف خدا کا تیر" (جس کا ایک باب آنحضرتؐ پر ہے) جیسی کتابیں لکھیں ۔ گبن کے علاوہ باقی متذکرہ مستشرقین نے اُن عربی تاریخوں کا یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا ، جو ایسے مصنفین کی لکھی ہوئی تھیں ، جو قرونِ ماضیہ میں اسلامی ممالک کے رہنے والے تھے ۔ ایڈورڈ گبن (۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۴ء) نے اپنی مشہورِ زمانہ تاریخی کتاب (Decline and Fall of the Roman Empire) میں خاص طور پر آنحضرتؐ اور اسلام کے عروج کا ہمدردانہ ذکر کیا ہے ، اسی لیے شبلی نے گبن کو عربی زبان اور اُس کے اصل ماخذوں سے ناواقف ہونے کے باوجود (جس کا کہ وہ خود بھی اعتراف کرتا ہے) ایسا صائب الرائے اور انصاف پرست قرار دیا ہے جو راکھ کے ڈھیر میں سے سونے کے ذرے نکال لاتا ہے[۱] ۔

اُنیسویں صدی کے کچھ اور مصنفین ، جنھوں نے اسلام ، قرآن اور سیرتِ رسولؐ پر قابلِ ذکر کام کیا اور جو شبلی کی فہرست میں جگہ نہیں پا سکے ، وہ درجِ ذیل ہیں :

(۱) جے۔ لی (J. Lee) : حیاتِ محمد ۔ مشہور مشرقی خادع ،
The Life of Mahomet, The Famous Oriental Impostor.
طبع ۱۸۱۵ء ۔

(۲) گیرک (Gerock) :
Versuch Einer Darstellung Der Christologic Des Koran
طبع ۱۸۳۹ء (ہیمبرگ)

۱- سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی ، ج ۱ ، ص ۹۵ (مقدمہ)

(۳) ڈاکٹر گازے نووو (Dr. Gazenovo) : محمدن ازم ، مضمون رسالہ Christian Rememberance ، مطبوعہ جنوری ۱۸۵۵ء -

(۴) فری مین : عربوں کی تاریخ اور فتوحات پر خطبات
Lectures on the History and Conquests of the Saracens
مطبوعہ ۱۸۵۶ء

(۵) جان ڈیون پورٹ : اپالوجی فار محمدؐ اینڈ قرآن - طبع ۱۸۷۰ء -

(۶) ریورنڈ ، ٹی ، پی ، ہیوز (Rev. T. P. Hughes) : محمدن ازم پر کچھ خیالات Notes on Muhammadanism طبع ۱۸۷۵ء -

(۷) سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) : خطبات و ملفوظات محمدؐ
(The Speeches and Table talks of the Prophet Muhammad)
لندن ، طبع ۱۸۸۲ء -

(۸) جی ، ڈبلیو لائٹنر (G. W. Leitner) : محمدن ازم - طبع ۱۸۸۹ء (ووکنگ)

(۹) تھامس آرنلڈ : پریچنگ آف اسلام - طبع ۱۸۹۶ء

انگریزی تعلیم بڑھنے کی وجہ سے اب برصغیر پاک و ہند کے خواندہ طبقے کی انگریزی کتابوں اور ان کے مصنفین تک رسائی آسان ہو گئی تھی چنانچہ کچھ لوگوں نے انگریزی سے ناواقف ، اُردو دانوں کے لیے چند ایسی کتابوں کا ترجمہ کیا ، جو بعض منصف مزاج مغربی مصنفین نے تحریر کی تھیں اور جن میں اسلام اور بانیٔ اسلام کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا گیا تھا - اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم سر سید احمد خاں نے اُٹھایا ، جو قیامِ انگلستان کے دنوں میں اپنی "خطباتِ احمدیہ" کے لیے مواد تلاش کرتے ہوئے گاڈفرے ہگنس اور جان ڈیون پورٹ کی کتابوں سے متعارف ہوئے - نواب محسن الملک کے نام لکھے ہوئے خطوط میں سر سید بار بار ڈیون پورٹ اور گاڈفرے ہگنس کی کتابوں کی تعریف کرتے ہیں اور دورانِ تالیفِ "خطباتِ احمدیہ" اُن سے استفادہ کرنے کا اعتراف کرتے ہیں - خواجہ الطاف حسین حالی "حیاتِ جاوید" میں لکھتے ہیں :

"لندن ہی میں سر سید نے جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ قرآن" کو ، جو اُنھوں نے عیسائیوں کے برخلاف اسلام کی

حیات میں لکھی تھی ، خود اپنے روپے سے چھپوایا - سر سید کے خطوں سے جو سید مہدی علی خاں (نواب محسن الملک) کے نام ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ لندن کا کوئی پبلشر اس کتاب کے چھاپنے کی حامی نہیں بھرتا تھا اور خود مصنف کو اس قدر استطاعت نہ تھی کہ اپنے روپے سے اس کو چھپوا کر شائع کر دے - سر سید نے وہاں پہنچ کر جب اس کتاب کے مضامین سنے تو انھوں نے فوراً اپنے پاس سے روپے کی تدبیر کر کے وہ کتاب جھٹ پٹ چھپوا دی اور اس کی کئی سو جلدیں ہندوستان بھجوا دیں- یہاں اس کا ایک اردو ترجمہ مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب دہلوی نے اور دوسرا مولوی ابوالحسن نے کیا اور دونوں ترجمے چھپ کر شائع ہوگئے"[1] - ابو الحسن کے ترجمے کا نام "تائید محمد ؐ و القرآن" ہے اور یہ ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوا[2] جبکہ عنایت الرحمٰن خاں کے ترجمے کا نام "موئد الاسلام" ہے اور یہ ۱۸۷۰ء میں چھپا[3] -

گاڈفرے ہگنس کی کتاب "اپالوجی فار محمد ؐ" کے اچانک ملنے کی پر مسرت اطلاع بھی سر سید نے نواب محسن الملک کو انھیں خطوط میں دی ہے اور اسے ڈیون پورٹ کی کتاب سے بدرجہا بہتر قرار دے کر اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا ذکر کیا ہے ، بالخصوص انجیل میں آنحضرت ؐ کے نام (فارقلیط = احمد) کی بحث کے ضمن میں سر سید نے صاف اعتراف کیا ہے کہ "خطبات احمدیہ" میں انھوں نے سارا مواد ہگنس کی کتاب سے نقل کیا ہے ، کیونکہ وہ اس میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے تھے- مولینا حالی نے "حیات جاوید" میں اس کتاب کے اردو ترجمہ کا بھی ذکر کیا ہے ، وہ لکھتے ہیں : انگلستان کے ایک ذی وقعت مصنف گاڈفری ہگنس کی کتاب جو کسی زمانے میں مصنف مذکور نے اسلام کی تائید میں لکھی تھی ، اور اب نایاب ہوگئی تھی ، ایک جرمن کتاب فروش کی مشہور

۱- حیات جاوید : حالی ، ص ۳۷۳ -
۲- فہرست پیغام محمدی ؐ : ص ۳۱۳ (بحوالہ قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۸۰۰) -
۳- فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد ، دکن : جلد ۳، ص ۵۶۸ (بحوالہ قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۶۵۹) -

دکان سے ، جہاں پر زبان کی پرانی اور نایاب کتابیں بکتی ہیں ، سر سید نے دس گنی قیمت پر لندن میں خریدی ، اصل مطلب اس کے خریدنے سے یہ تھا کہ "خطبات احمدیہ" کی تصنیف میں اس سے مدد لی جائے ، مگر انھوں نے ہندوستان میں آ کر ان لوگوں کے لیے ، جن کو مشنریوں سے مذہبی گفتگو کرنے کا اتفاق ہوتا ہے ، پانسو روپیہ خرچ کر کے اس کا اردو ترجمہ بھی ، جو "حمایت الاسلام" کے نام سے مشہور ہے ، شائع کر دیا"[1] یہ ترجمہ ، جیسا کہ حالی نے فٹ نوٹ میں بتایا ہے ، مشہور عالم مولوی محمد احسن (پروفیسر بریلی کالج) نے کیا تھا ۔ اس کا سن اشاعت ۱۸۷۲ء ہے۔

۱۸۹۳ء میں تھامس کارلائل کی کتاب "اون ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" (On Heroes and Hero Worship) کے دوسرے لیکچر ، دی ہیرو ایز پرافٹ محمد : اسلام (The Hero as Prophet Mahomet—Islam) کا ترجمہ عبدالعزیز خاں نے "اسلام اور اس کا بانی" کے نام سے حواشی سمیت شائع کیا ۔ کارلائل کا یہ خطبہ ۸ مئی ۱۸۴۰ء کا لکھا ہوا ہے اور ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے[2]۔ اپنے پرجوش خطیبانہ انداز بیان اور (چند مقامات چھوڑ کر) نسبتاً غیر جانبدارانہ مواد کی وجہ سے یہ بڑی شہرت کا حامل ہے ۔ ہندوستانی مصنفین نے اپنی کتب سیرت میں جابجا اس کے اقتباسات درج کیے ہیں اور کارلائل کی منصف مزاجی کی داد دی ہے ۔ سر سید ، شبلی اور دیگر کئی سیرت نگاروں نے کارلائل کے رویہ کی تعریف کی ہے جس نے پیغمبروں میں آنحضرتؐ کو ایک مثالی پیغمبر کے طور پر منتخب کیا ۔ عبدالعزیز خاں کے ترجمہ کی حیثیت بقول کسے محض تبصرہ جاتی ہے اور سوائے اس کے کہ انھوں نے ایک مقبول عام انگریزی لیکچر کو اردو زبان کا جامہ پہنایا اور کوئی خوبی اس میں نہیں پائی جاتی ۔ کارلائل کے اس خطبے کے بیسویں صدی عیسوی میں کئی مزید اردو تراجم ہوئے ، مثلاً مولانا عبدالرحمٰن عاقل نے "محمد رسول اللہؐ" کے نام سے ۱۹۳۲ء میں ۹۳ صفحات پر مشتمل بمبئی سے اور مہدی حسن ناصری نے

۱- حیات جاوید : حالی ، ص ۳۷۳ ۔

2. Carlyle : On Heroes and Hero-worship : London, 1967. page 277-311.

"سرور انبیاءؐ'' کے نام سے ۹٦ صفحات پر مشتمل ۱۹۳۵ء میں اس کا ترجمہ لکھنؤ سے شائع کیا ۔ اس سے قبل اعظم خاں کا ترجمہ "سید الانبیاء" کے عنوان سے ۱۹۳۳ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا تھا ، جس کی ضخامت ۸۸ صفحات تھی ۔ (یہی ترجمہ اب نیشنل بک فاؤنڈیشن نے کراچی سے ۱۹۷٦ء میں شائع کیا ہے) ۔ کارلائل نے اپنے اس خطبہ میں آنحضرتؐ پر لگائے گئے الزامات کا ایک ایک کر کے جواب دیا ہے ۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ "محمدؐ کے متعلق ہمارا یہ قیاس بالکل بے بنیاد ہے کہ وہ دغا باز اور کذب مجسم تھے اور اُن کا مذہب محض فریب و نادانی کا ایک مجموعہ ہے ۔ کذب و اِفتراء کا وہ انبار عظیم جو ہم نے اپنے مذہب کی حمایت میں اس ہستی کے خلاف کھڑا کیا ، خود ہمارے لیے شرمناک ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس شخصؐ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ آج بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ انسانوں کے حق میں شمع ہدایت کا کام دے رہے ہیں" ۔ اسی طرح ایک اور جگہ کہتا ہے : "ہم کسی طرح محمدؐ کو حریص و منصوبہ باز اور اُس کی تعلیمات کو جہل و نادانی نہیں سمجھ سکتے ۔ وہ امیانہ پیغام جو وہ لے کر آیا تھا ، بالکل سچا تھا ۔ وہ ایک آواز بریشان تھی ، جو پردۂ غیب سے بلند ہوئی ۔ اُس شخص کے نہ اقوال جھوٹے تھے نہ افعال ۔ اس میں تنگ ظرفی اور نمائش کا شائبہ تک نہ تھا ۔ وہ زندگی کا ایک جلوۂ تاباں تھا ، جو خاص سینۂ فطرت سے ہویدا ہوا ، اور جسے خالق عالم نے کائنات کو منور کرنے کے لیے بھیجا" ۔ ان خیالات کے پہلو بہ پہلو کارلائل نے بعض ایسے افکار بھی پیش کیے ہیں جو ایک مسلمان کے لیے تسلیم کرنا مشکل ہیں ۔ مثلاً اس کا قرآن کو بے ربط اور پیچیدہ قرار دینا ، بہشت اور دوزخ کے تصور کو مادی بتانا ، اسلام پر بزور شمشیر پھیلنے کا الزام لگانا اور تعدد ازدواج کی اجازت پر معترض ہونا ۔ تاہم بقول محمد اعظم " اگر ہم اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ یہ لیکچر آج سے ڈیڑھ سو سال قبل ایک ایسے مجمع میں دیا گیا تھا ، جہاں تمام کٹر عیسائی جمع تھے اور جن کے نزدیک اسلام کا نام لینا بھی کفر تھا ، تو پھر ہم کارلائل کی غیرمعمولی اخلاقی جرأت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے"[1] ۔

۱۔ سید الانبیاء : پروفیسر محمد اعظم ، (ٹامس کارلائل کی ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" کے دوسرے لیکچر کا ترجمہ) ص ۱۱ (مقدمہ) ۔

۱۸۹۸ء میں عنایت اللہ دہلوی نے تھامس آرنلڈ کی "پریچنگ آف اسلام" کا اردو ترجمہ "دعوتِ اسلام" کے نام سے کیا - Preaching of Islam کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۶ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا - یہ کتاب بنیادی طور پر اسلام کی روحانی فتوحات سے بحث کرتی ہے ، یعنی اسلام کو ایک ایسا پُر امن تبلیغی مذہب ثابت کرتی ہے جو بہت مختصر عرصہ میں دنیا بھر میں پھیل گیا - صاحبِ قاموس الکتب اردو اس کے بارے میں لکھتے ہیں : پروفیسر آرنلڈ نے اس میں بدلائل تاریخ کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ اسلام کی اشاعت اولیائے اسلام ، علمائے کرام ، مسلمان تجار کی وجہ سے ہوئی اور خود اسلام میں کشش ہے کہ اپنی طرف غیر قوموں کو کھینچتی ہے"[1] - اس کتاب کا دوسرا باب "رسول کریمؐ بحیثیت مبلغِ اسلام" ہے ، جس کے ۴۵ صفحات میں آپؐ کی مکی اور مدنی زندگی کے ان گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے ، جن کا تعلق دعوت و تبلیغ سے تھا - سر سید کی خواہش تھی کہ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو جائے تاکہ انگریزی سے ناواقف لوگ بھی یہ جان سکیں کہ اسلام کے بارے میں ایک منصف مزاج عیسائی کے خیالات کیا ہیں - عنایت اللہ دہلوی نے سر سید کی یہ خواہش پوری کی - یہ ترجمہ ۱۸۹۸ء میں مفید عام پریس آگرہ سے چھپا - اس کے ۴۹۸ صفحات ہیں - اسی کتاب کا ایک جدید ترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے بھی "دعوتِ اسلام" کے نام سے کیا ، جو ۱۹۷۲ء میں محکمہ اوقاف پنجاب ، لاہور کی جانب سے شائع ہوا - یہ نیا ترجمہ ۴۳۲ صفحات پر مشتمل ہے -

اسی صدی کے اختتام پر (۱۹۰۰ء) مولوی عبدالعلیم احراری نے انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں شامل ولہازن (Wellhausen) کے مقالہ کا ترجمہ "سیرۃ النبیؐ اور مستشرقین" کے نام سے شائع کیا - اس کی ضخامت ۱۰۹ صفحات کے لگ بھگ ہے اور اس کا ایک نیا ایڈیشن ۱۹۲۹ء میں مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی کے زیر اہتمام چھپا ہے[2] - مولانا حسن مثنٰی ندوی اپنے مضمون

۱- قاموس الکتب اردو : ج ۱ ، ص ۶۵۹ -
۲ - قاموس الکتب اردو : ج ۱ ، ص ۷۱۱ -

"پاکستان و ہندوستان کے خادمانِ سیرت" میں کہتے ہیں کہ "مترجم نے یہ التزام کیا ہے کہ ولہازن کی بحثوں اور رایوں پر محققانہ نقد و جرح ساتھ ہی ساتھ کی ہے اور تفصیلی مدلل حاشیے لگا کر اُن کی وہیں تصحیح کی ہے"[1] ۔ موجودہ صورت میں مولانا حسن مثنٰی ندوی نے اسے سیرت پر ایک مفید کتاب قرار دیا ہے ـــ اور یہ بات درست ہے ، کیونکہ ولہازن کے متعصبانہ خیالات کی تصحیح ہو جانے کے بعد واقعی یہ مقالہ ایک اچھی کاوش کا درجہ اختیار کر گیا ہے ۔

۱- پیغمبرِ انسانیت : شاہ محمد جعفر پھلواروی (مقدمہ از حسن مثنٰی ندوی ص ۳۸) ۔

مشرقی سیرت نگار اور اُن کی کتبِ سیرت کے اُردو تراجم

اس دور میں عربی اور فارسی کی بعض مشہور کتبِ مغازی و سیر کے اردو میں تراجم بھی ہوئے ۔ مثلاً عربی سے "مغازی آنحضرت صلعم" (موسومہ بہ "شوکت اسلام") کے نام سے واقدی کی "کتاب المغازی" کا ترجمہ سیماب احمد ٹونکی نے کیا ، جس کا دفتر اول ۱۲۹۱ھ میں مطبع نظامی کان پور سے شائع ہوا اور دفتر دوم بھی ۱۲۸۹ھ میں اسی مطبع سے اشاعت پذیر ہوا[1] ۔ واقدی کی اسی کتاب کا ایک اور اردو ترجمہ مولوی بشارت علی خاں نے "مغازی الصادقہ" (ترجمہ مغازی الرسول ؐ) کے نام سے ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں کیا ، جو نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا ۔ یہ ترجمہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ، آنحضرت ؐ کے غزوات و سرایا کے بارے میں ہے ۔ ڈاکٹر سید شاہ علی کی رائے میں اس کا انداز بیان حقیقت سے زیادہ افسانے سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کی زبان بھی مغلق اور پیچیدہ ہے[2] ۔ اسی دور میں حافظ ابن قیم جوزی کی "زاد المعاد" کے چند اجزا کا ترجمہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے کیا جو لکھنؤ سے شائع ہوا ۔ اس میں

۱- فہرست پنجاب پبلک لائبریری لاہور ، ۱۹۳۶ء ، ص ۲۹ ، فہرست کتب خانہ خاص مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو کراچی ، ص ۲۹ اور قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۷۸۳ ۔

۲- فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن ، ج ۱ ، ص ۲۹۰ ، قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۷۸۰ ، مغازی الصادقہ واقدی ۔ ترجمہ بشارت علی خاں ، ص ۲ اور اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۱۵۱ ۔

احادیث کی مدد سے آنحضرتؐ کے حسب نسب ، ولادت اور نشو و نما کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں[1] - فارسی سے شاہ ولی اللہ کے مختصر رسالہ "سرور المحزون" کا اردو ترجمہ بھی پہلے پہل ۱۸۷۹ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا - ابن سید الناس نے عربی میں "عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر" کے نام سے حضور اکرمؐ کی سیرت لکھی تھی ، جس کا خلاصہ "نور العین فی تلخیص سیر الامین و المامون" کے نام سے ہوا - شاہ ولی اللہ نے اس خلاصہ کا خلاصہ "سرور المحزون" کے نام سے کیا ، جس کا اردو میں مذکورہ بالا ترجمہ کیا گیا[2] - اس رسالہ میں آنحضرتؐ کے سلسلۂ نسب ، ولادت ، رضاعت ، ایام طفلی ، شباب ، تجارتی سفر ، نکاح ، بعثت ، معراج ، ہجرت ، غزوات ، حج ، حلیۂ اقدس ، اسمائے گرامی ، اخلاقِ نبویؐ ، معمولات ، ملبوسات ، ازواج مطہرات ، اولاد ، قرابت دار ، خدام ، محافظ ، قاصد ، محررین ، مخصوص احباب ، سواریاں اور مویشی ، ہتھیار اور آلات ، ترکہ ، معجزات اور وفات کا اجمالی تذکرہ ہے - اسی دور میں علامہ سید جمال حسینی (عطاء اللہ بن فضل اللہ) نیشا پوری کی مشہور فارسی تصنیف "روضۃ الاحباب" کا اردو میں ترجمہ ہوا ، جو ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا - "روضۃ الاحباب" میں آنحضرتؐ ، خلفائے اربعہ اور آئمہ اثنا عشریہ کے حالاتِ زندگی لکھے تھے[3] - یہ کتاب ۸۸۰ھ میں تالیف ہوئی تھی اور ہندوستان میں اپنی اصل صورت میں ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں بڑے سائز کے ایک ہزار سے زائد صفحات پر شائع ہوئی - اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ بھی اسی سال شائع کیا گیا - اس کے مستند ہونے کی دلیل یہ ہے کہ "مرقاۃ" میں ملا علی قاری نے نہایت فخر سے جگہ جگہ اس کا حوالہ دیا ہے اور بطور دلیل پیش کیا ہے[4] -

---

۱- خطبات گارساں دتاسی : ص ۹۳، قاموس الکتب اردو، ج ۱، ص ۲۳۷ -
۲- فہرست کتب خانہ انجمن ترقیٔ اردو ، جامع مسجد دہلی ، ص ۲۶ ، قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۲۷۷ -
۳- قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۲۸۱ -
۴- سیرتِ مبارکہ رسالتمآبؐ : علامہ سید جمال حسینی ، ترجمہ مفتی عزیز الرحمٰن ، مدنی دارالتالیف ، بجنور ، یو - پی بھارت ۱۹۷۶ء ، حصہ اول ، ص ۴ (مقدمہ از مترجم)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "عجالہ نافعہ" میں لکھتے ہیں کہ "سیرت کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور فی الوقت اگر میر جمال الدین محدث حسینی کی کتاب "روضۃ الاحباب" کا نسخۂ صحیحہ مل جائے جو الحاق اور تحریف سے پاک ہو تو اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب ہے"[۱] - مولٰنا محمد عبدالحلیم چشتی (شارح عجالۂ نافعہ) نے وضاحت کی ہے کہ سید جمال الدین حسینی کی کتاب "روضۃ الاحباب فی سیرالنبیؐ و الآل والاصحاب" شاہ صاحب (عبدالعزیز محدث دہلوی) کے انہیں تعریفی جملوں کی وجہ سے ہندوستان میں کئی مرتبہ چھپی ، سید تیغ بہادر خاں کے مطبع "انوارِ محمدیؐ" لکھنؤ سے دو مرتبہ شائع ہوئی - دوسری مرتبہ ۱۳۱۰ھ میں چھپی تھی ، لیکن یہ کتاب کبھی پوری شائع نہیں ہوئی - اس کی صرف دو جلدیں شائع ہوئی ہیں ، جو مقصد دوم پر ختم ہو جاتی ہیں - مقصد سوم شائع نہیں ہوا ہے - یہ کتاب مطبع نولکشور لکھنؤ سے بھی (۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں) چھپی ہے ، مگر اتنی ہی[۲] - شاہ عبدالعزیز نے الحاق سے پاک ہونے کی جو شرط لگائی تھی ، وہ بالکل درست ہے ، کیونکہ "روضۃ الاحباب" کے مروجہ نسخوں میں بعض باتیں مسلمات کے خلاف ہیں ، جیسا کہ مصحح کتاب مولانا محمد صادق علی نے حواشی میں بعض مقامات پر وضاحت کی ہے - کتاب کی اشاعت کے بعد شاہ عبدالعزیز کے شاگرد، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے ۱۲۶۳ھ میں پوچھا گیا کہ اس کتاب کی حیثیت کیا ہے اور اس کے مصنف کا مسلک کیا ہے ؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ "روضۃ الاحباب" کا مصنف مُلّا عطاء اللہ سنی مررخ ہے - "روضۃ الاحباب" دوسری تاریخ کی کتابوں کی طرح رطب و یابس سے پُر ہے اور تاریخ کی کتابوں کی طرح رطب و یابس سے پُر ہے اور تاریخ کی کتابوں کی طرح یہ بھی معتبر ہے - یہ بات نہیں کہ اس کو مذہب اور دین کا مدار قرار دے لیں - اس کا ہر قول جو صحیح حدیثوں کے مطابق ہو، لائقِ عمل اور قابلِ قبول

۱- فوائدِ جامعہ بر عجالۂ نافعہ : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ، اردو ترجمہ ، ص ۴۸ -

۲- فوائدِ جامعہ بر عجالۂ نافعہ : شاہ عبدالعزیز ، ترجمہ و حواشی : محمد عبدالحلیم چشتی ، ص ۱۰۹ -

ہے ، ورنہ ضعیف اقوال کا حکم رکھتا ہے''[1] - یہ غلط فہمی اس لیے بھی پیدا ہوئی کہ قاضی نور اللہ شوستری (مشہور شیعہ عالم) نے ''مجالس المومنین'' مطبوعہ (تہران ۱۲۹۹ھ) میں علامہ جمال حسینی کو شیعہ قرار دیا ہے جبکہ ایک اور شیعی مؤرخ مُلا محمد باقر موسوی خوانساری ، نور اللہ شوستری کے بیان کو درست تسلیم نہیں کرتا - اس نے ''روضة الجنات فی احوال العلماء و السادات'' (طبع تہران) میں محدث جمال الدین عطا اللہ کو علماء اہل سنت میں سے شمار کیا ہے - بہرحال ترجمہ ''روضة الاحباب'' اصل کتاب کے پہلے دو حصوں پر مبنی ہے ، جس میں آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت ، عجائبات ولادت ، ایام رضاعت ، واقعہ شق صدر ، جوانی ، حضرت خدیجہؓ سے عقد ، نصب حجر اسود ، بعثت نبویؐ ، ابتدائے وحی ، دعوت و تبلیغ ، ہجرت حبشہ ، عام الحزن ، ہجرت مدینہ ، غزوات ، صلح حدیبیہ ، بادشاہوں کے نام مکتوبات ، عام الوفود ، کاذب نبیوں کا ظہور اور ان کی سرکوبی اور آپؐ کی وفات تک کے واقعات سن وار درج ہیں - اس کے علاوہ ازواج مطہرات ، اولاد اطہار ، فضائل النبیؐ ، بشارات صحف سماوی ، معجزات ، اخلاق و عادات ، عبادات ، فرائض ، لباس و طعام وغیرہ کی تفصیلات بھی موجود ہیں - اس کتاب کے دو حصوں کا ایک نیا اردو ترجمہ ۶۷۲ صفحات میں مفتی عزیز الرحمٰن نے کیا ہے ، جو مدنی دارالتالیف بجنور ، یو - پی بھارت کے زیر اہتمام ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا ہے - مترجم نے جا بجا حواشی دے کر اسے مفید تر بنایا ہے - ''روضة الاحباب'' کے مصنف نے کتاب کی تالیف میں قرآن مجید ، معتبر کتب احادیث ، کتب سیرت ، کتب تاریخ ، کتب تفاسیر اور بعض دیگر متعلقہ کتب سے استفادہ کیا ہے ، اور یوں اسے حتی الامکان مفید اور مستند بنانے کی کوشش کی ہے -

اسی دور میں فارسی کی ایک اور مہتم بالشان کتاب ''مدارج النبوة'' (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کا اردو ترجمہ ''منہاج النبوة'' کے نام سے خواجہ عبدالمجید نے کیا ، جو دو جلدوں میں (۷۳۶ صفحات پر مشتمل)

۱- فتاویٰ قیام الملة والدین : مرتبہ محمد قیام الدین عبدالباری : طبع لکھنؤ، ۱۳۳۵ھ ، ص ۲۵۷ (بحوالہ فوائد جامعہ ، ص ۱۴۹/۱۵۰)-

۱۸۸۹ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا[1] ۔ اصل کتاب "مدارج النبوۃ" بھی دو ضخیم جلدوں میں ہے اور پہلی مرتبہ ۱۹۲۹ھ میں فخر المطابع دہلی سے اور پھر ۱۲۷۱ھ تا ۱۲۷۴ھ میں مظہرالعجائب پریس سے شائع ہوئی ۔ اس کے بعد لکھنؤ سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے[2] ۔ "مدارج النبوۃ" کا اصل ماخذ قسطلانی کی "مواہب اللدنیہ" ہے ۔ تاہم مصنف نے بہت سی دیگر کتابوں (مثلاً صحاح ستہ ، کتب احادیث ، سفر السعادت ، روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ) سے بھی فائدہ اٹھایا ہے ۔ اپنے موضوع پر یہ ایک بے نظیر کتاب ہے ۔ اردو میں اس کے دو اور اچھے ترجمے ہوئے ہیں ۔ (۱) اُردو ترجمہ "مدارج النبوۃ" از مولوی شمس الحسن شمس بریلوی (مطبوعہ ۱۹٦۸ء ، سعید اینڈ کمپنی ، کراچی) اور (۲) اردو ترجمہ "مدارج النبوۃ" (دو حصے) از مفتی غلام معین الدین نعیمی ، تالیف ۱۹٦۷ء ، مدینہ پبلشنگ کمپنی ، کراچی ، طبع ۱۹۷۲ء) ۔

۱- فہرست پنجاب پبلک لائبریری لاہور ، ۱۹۳٦ء ، ص ۳٦ ، قاموس الکتب اردو ، ج ۱ ، ص ۲۱۳ ۔

۲- فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ : شاہ عبدالعزیز ، اردو ترجمہ ، ص ۱۵۱ ۔

آردو سیرت نگاری کا باقاعدہ آغاز اور اس کے محرکات

اس دور میں ہندوستان میں بعض ایسی کتابیں بھی منظر عام پر آئیں، جو بالواسطہ طور پر سیرتِ رسولؐ سے متعلق تھیں ۔ یہ ایک طرح کی مناظرانہ کتب تھیں ، جو مخالفین اسلام کی تحریروں کے رد میں لکھی گئیں ۔ اسلام اور بانیٔ اسلام پر رکیک حملے کرنے والوں میں عیسائی پادری پیش پیش تھے جو اپنے مذہب کی برتری اور حقانیت ثابت کرنے کے لیے ضروری سمجھتے تھے کہ اسلام اور آنحضرتؐ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ہندی مسلمانوں کو تبدیلِ مذہب پر آمادہ کیا جائے ۔ ان عیسائی پادریوں اور مشنریوں کو انگریزی حکومت کی حمایت اور پشت پناہی بھی حاصل تھی ، جو چاہتی تھی کہ بر صغیر پاک و ہند پر نہ صرف سیاسی تسلط قائم رکھا جائے بلکہ یہاں کے لوگوں کو عیسائی بنا کر مذہبی اعانت بھی حاصل کی جائے تاکہ ایک مضبوط ، مستحکم اور پائیدار نظامِ حکومت کی بنیادیں رکھی جا سکیں ۔

ان دنوں پادری عمادالدین (۱۸۳۰ء-۱۹۰۰ء) نے جو اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو گیا تھا اور مولانا الطاف حسین حالی کا ہم وطن تھا ، دینِ عیسوی کی حمایت میں چالیس کے قریب کتابیں لکھیں ، فرانسیسی مستشرق گارسن دتاسی (۱۸۲۱ء-۱۸۷۷ء) نے "تاریخِ ادبِ ہندی و ہندوستانی" جلد دوم میں اس شخص کے حالاتِ زندگی تحریر کیے ہیں ۔ پادری عماد الدین نے "تحقیق الایمان" ، "ہدایت المسلمین" اور "تاریخِ محمدیؐ" وغیرہ کئی کتابیں اسلام کی تردید اور عیسائیت کی حمایت میں لکھیں ۔ ان میں "تاریخ محمدیؐ" میں پادری عماد الدین نے خاص طور پر آنحضرتؐ کی ذات کو نشانہ بنایا اور آپ کی ذاتِ اقدس پر ناپاک الزامات لگائے ۔ یہ دیکھ

کر مسلمان علماء کی دینی غیرت جوش میں آئی اور انھوں نے پادری عماد الدین کی کتابوں کی تردید میں کتب و رسائل تحریر کیے۔ حالی نے "تریاق مسموم" اور "تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے" اور مولوی چراغ علی نے "تعلیقات" جیسے مناظرانہ رسائل لکھے ، جن میں پادری عماد الدین کے الزامات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

مناظرانہ کتب سیرت

تریاقِ مسموم ، مولانا الطاف حسین حالی کا تحریر کردہ ایک مختصر رسالہ ہے جو انھوں نے پادری عماد الدین کی کتاب "تحقیق الایمان" کے رد میں ۱۸۶۷ء/۱۲۸۰ھ میں تحریر کیا۔ حامد حسن قادری "داستانِ تاریخِ اردو" میں اسے حالی کی سب سے پہلی تصنیف قرار دیتے ہیں اور اسے ناپید بتاتے ہیں[1]۔ یہ دونوں بیانات درست نہیں۔ پہلی تصنیف والی بات تو یوں درست نہیں کہ درحقیقت "مولود شریف" مصنف کی پہلی تصنیف ہونے کا شرف رکھتی ہے، جو ۱۸۶۴ء میں تالیف ہوئی اور "تریاق مسموم" کے ناپید ہونے کا خیال یوں نادرست ہے کہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی نے اس کے ایک قلمی نسخہ کی ملکیت کا ، اور ڈاکٹر عبدالقیوم نے اسے خود دیکھنے کا ذکر کیا ہے[2]۔ البتہ یہ بات بحث طلب ہے کہ رسالہ "تریاقِ مسموم" پادری عماد الدین کی "تحقیق الایمان" کے رد میں لکھا گیا ہے یا "ہدایت المسلمین" کے جواب میں ؟ ڈاکٹر عبدالقیوم نے اپنی کتاب "حالی کی اردو نثر نگاری" میں اس کا سیر حاصل جواب دیا ہے۔ خود مولانا الطاف حسین حالی نے "تریاقِ مسموم" کے دیباچے میں بتایا ہے کہ اس رسالہ کے ذریعے "تحقیق الایمان" کا جواب دینا مقصود ہے۔ اسی اسناد کی بدولت شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے بھی "تذکرۂ حالی" میں اسے "تحقیق الایمان" کا رد بتایا ہے[3]۔ اس کے برعکس سید محمد فاروق "حیات حالی" میں اور ڈاکٹر

۱۔ داستانِ تاریخِ اردو : حامد حسن قادری ، اردو اکیڈیمی سندھ ، کراچی ، طبع سوم ۱۹۶۶ء ، ص ۶۳۲ ، ۶۳۳ ۔
۲۔ حالی کی اردو نثرنگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم ، ص ۲۵ ، ۶۴ ۔
۳۔ تذکرۂ حالی : شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، حالی بک ڈپو ، پانی پت ، ص ۱۱۹ ۔

غلام مصطفےٰ خان ''حالی کا ذہنی ارتقاء'' (ص ۱۷) میں ''ہدایت المسلمین'' کا نام لیتے ہیں ۔ گارسن دتاسی نے اور بھی الجھن ڈال دی ہے ۔ وہ ''تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی'' جلد اول (ص ۲۱۳) میں ''تحقیق الایمان'' کو مختلف مذاہب کی تحقیق سے متعلق قرار دیتے ہیں اور اسی کتاب کی جلد دوم میں (ص ۳۶) ''تریاق مسموم'' کو ''تحقیق الایمان'' اور ''تاریخ محمدی'' کا رد لکھتے ہیں اور ''ہدایت المسلمین'' کو قرآن کریم کی زبان و بیان کی اغلاط کی نشان دہی کرنے والی تصنیف بتاتے ہیں ۔[1] گارسن دتاسی کے بیان میں صرف اتنی بات درست ہے کہ ''تریاق مسموم'' پادری عماد الدین کی ''تحقیق الایمان'' کے جواب میں لکھا ہوا رسالہ ہے ۔ اسے مصنف نے جہانگیر آباد کے قیام کے زمانہ میں مرتب کیا[2] ۔

مولانا حالی نے اس رسالہ کے دیباچہ میں سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ''پادری صاحب نے اس کتاب میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے ہیں ۔ مقدمہ میں تحریف کی بحث ہے ۔ پہلے باب میں آنحضرتؐ کی نبوت کا ذکر ہے ۔ دوسرے باب میں دین عیسوی کی حقیقت کا بیان ہے ۔ اگرچہ مولوی محمد ہاشم صاحب پرچہ ''خیر المواعظ'' میں ان کے اکثر مطالب کا جواب لکھ چکے ہیں مگر تفصیلی نہیں ۔ لٰہذا ہم ایک ایک بات کا جواب لکھتے ہیں اور آغاز میں مؤلف کتاب سے سوال کرتے ہیں ۔ سوال دوسرے باب کے جواب کا کام دے گا اور اس رسالے کا نام ''تریاق مسموم'' رکھتے ہیں''۔ اس تمہید سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''تریاق مسموم'' مناظرانہ رنگ کی حامل ایک کتاب ہے لیکن اس کتاب میں اور اس عہد کی دیگر مناظرانہ تصانیف میں یہ فرق ہے کہ یہ کتاب بڑے ٹھنڈے دل کے ساتھ لکھی گئی ہے اور مخاطب کو زور بیان کے بجائے زور استدلال سے قائل کرتی نظر آتی ہے ۔ حالی کی بعد کی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی جوش و جذبہ اور غم و غصہ کی بجائے ناصحانہ انداز میں لکھی گئی ہے ۔ حالی نے اوپر خود بتایا ہے کہ انھوں نے پہلے تمہیدی سوالات کیے ہیں اور پھر پادری عماد الدین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے ۔ پہلا باب شرائط مناظرہ کی

۱- حالی کی اردو نثر نگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم ، ص ۶۴ ، ۶۵ ۔

۲- حالی کا ذہنی ارتقاء : ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان ، ص ۱۷ ۔

بحث پر مشتمل ہے اور بقول ڈاکٹر عبدالقیوم "یہاں ایک معتدل انداز کے ساتھ ساتھ عقیدت نمایاں ہے"[1] اور ساتھ ہی تحریف کے معاملہ کو بھی موضوع بنایا گیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ جن بنیادوں پر آج عیسائیت قائم ہے وہ اصل سے بہت بگڑی ہوئی ہیں - یہ باب سیرتِ رسولؐ سے متعلق نہیں ، البتہ دوسرے باب میں مصنف نے عیسائیوں کے اس دعویٰ کا جواب دیا ہے کہ آنحضرتؐ سے معجزات سرزد نہیں ہوئے - یہاں حالی نے باقاعدہ حوالہ جات کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے ہاں معجزات کی نشانی تھی -

"تریاقِ مسموم" ایک ادھوری کتاب ہے ، جسے اس کا مصنف بوجوہ مکمل نہ کر سکا - اس کی شہادت شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے رسالہ "خیر المواعظ" کے حوالے سے اپنی کتاب "تذکرۂ حالی" (ص ۱۱۹) میں دی ہے - وہ لکھتے ہیں کہ "کتاب نامکمل ہے اور ابتدا میں رسالہ "خیر المواعظ" دہلی میں (۱۸۶۸ء میں) باقساط چھپی - اس کا نمونۂ عبارت درج ذیل ہے -

"رہے معجزے ، جن کا ذکر روایاتِ اناجیل میں ملتا ہے ، وہ قابلِ قبول نہیں ، کیونکہ سمعیات جب تک حدِ تواتر کو نہ پہنچیں ، مفید نہیں ہوتیں اور تواتر کی شرطیں روایاتِ معجزاتِ مصطفویہ کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتیں ، کیوں کہ ہمارے یہاں ایک معجزہ دس دس اور پندرہ پندرہ طریق سے ثابت ہے - آنحضرتؐ سے لے کر مؤلفِ کتاب تک ان سے کبھی کذب صادر نہیں ہوا اور یہ شہادت سے ثابت ہے - مزید ہم اپنے دعوے کو ماہرینِ احوالِ رجال کی بھی شہادت سے ثابت کریں گے اور تم اپنے حواریوں کی مدد سے جن کے متعلق کذب کا شک کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ خود مسیحی علماء کا قول ہے کہ بائیبل کی اکثر روایتوں سے ثابت ہے کہ انبیاء سے اعیاذاً باللہ اکثر مواقع پر کذب صادر ہوا ہے"[2] -

تاریخِ محمدیؐ پر منصفانہ رائے : پادری عماد الدین نے ۱۸۷۲ء/ ۱۲۸۹ھ میں آنحضرتؐ کی سوانح حیات "تاریخِ محمدیؐ" کے نام سے

۱- حالی کی اردو نثر نگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم ، ص ۶۸ -
۲- ایضاً ، ص ۶۹ -

کرسچن نالج سوسائٹی کے زیر اہتمام آفتاب پنجاب پریس امرتسر سے شائع کی؟ حالانکہ درحقیقت اس کتاب کا سال تصنیف ۱۸۷۱ء ہے اور یہ ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ مولانا امداد صابری نے بھی اپنی کتاب "فرنگیوں کا جال" (مطبوعہ دہلی) میں پادری عمادالدین کی کتابوں کی فہرست میں اس کا سن تالیف ۱۸۷۱ء ہی بتایا ہے اور اس کا نام "تلخیص الاجابت" یا "تاریخ محمدیؐ" تحریر کیا ہے ۔ مولانا الطاف حسین حالی نے ۱۸۷۲ء میں اس کتاب کا جواب "تاریخ محمدیؐ پر منصفانہ رائے" کے عنوان سے دیا ۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کے پاس اس رسالہ کا ایک قلمی مسودہ موجود تھا ، جس کا دیباچہ بھی انھوں نے خود لکھا ، اس میں وہ کہتے ہیں کہ "تریاق مسموم" مولانا حالی نے ۱۸۶۸ء میں شائع کی تھی ۔ اس کے تین سال بعد ۱۸۷۱ء میں اسی پادری عماد الدین نے آنحضرتؐ کی لائف کے متعلق "تاریخ محمدیؐ" کے نام سے ایک نہایت ناپاک کتاب ۳۱۲ صفحات کی شائع کی اور اس میں حضورؐ کی ذات اقدس پر نہایت رکیک الزامات لگائے ۔ مولانا اس کو دیکھ کر بہت متاسف ہوئے اور فوراً اس کا معقول جواب لکھا" ۔

۱۸۷۲ء میں لکھی ہوئی حالی کی یہ مختصر کتاب صرف ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے اور ۳۱۲ صفحات کی ایک ضخیم کتاب کا بھرپور رد نہیں ہے ، بلکہ اس پر محض تبصرے کی حیثیت رکھتی ہے ۔ شاید اسی لیے نہ تو اسے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور نہ عنوانات قائم کرنے کی زحمت گوارا کی گئی ہے ۔ ڈاکٹر عبدالقیوم لکھتے ہیں کہ "اس کی ابتدا میں شرائط تذکرہ نگاری کا بیان ہے ، پھر تصنیف و تالیف میں احتیاط کی اہمیت بتائی گئی ہے ، کیونکہ پادری صاحب نے جو مذموم اور ناپسندیدہ طریقہ اختیار کیا ہے ، وہ کسی بھی مصنف و مؤلف کے لیے باعث ننگ ہے ۔ انھوں نے تعصب اور نفرت کا شکار ہو کر بہت سے من گھڑت افسانوں کو جگہ دی ہے اور اس طرح اعتراضات کا طومار کھڑا کیا ہے ۔ مولانا حالی نے ان اعتراضات کو نقل کرکے غلط ثابت کیا ہے اور اپنی بحث کو حوالوں اور دلیلوں سے بہت زوردار بنایا ہے ۔ آپ نے ان تمام مصنفین کا بھی حوالہ دیا ہے جنھوں نے آنحضرتؐ کی منصفانہ لائف لکھی ہے"[۲] ۔

۱۔ حالی کی اردو نثر نگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم ، ص ۸۷ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۹۷ ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نزدیک بھی اس کا سن تالیف ۱۸۷۲ء ہے (حالی کا ذہنی ارتقا" مطبوعہ رسالہ اردو ، جولائی ۱۹۷۲ء ۔ حالی نمبر) ۔

حالی کو پادری عماد الدین کی "تاریخِ محمدی" پر درج ذیل اعتراضات ہیں :

۱- مؤلف نے راست بازی نہیں دکھائی - ۲- ماخذ واجب التسلیم نہیں - ۳- نقل اور ترجمہ کرنے میں خیانت برتی ہے - ۴- جن اعتراضات کے جوابات علمائے اسلام بار بار لکھ چکے ہیں ان کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور حوالوں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے - ۵- اس کے اکثر اعتراضات بعید احتمالات سے ملتے ہیں جن کی بنا پر یہودی حضرات حضرت عیسیٰ پر بے ہودہ الزامات لگاتے ہیں[1] -

حالی نے نہ صرف ان اعتراضات کا مختصراً جواب دینے کی کوشش کی ہے بلکہ وہ آراء بھی درج کی ہیں جو بعض عیسائیوں نے ازراہِ انصاف "تاریخِ محمدی" کے خلاف اور مسلمانوں کے حق میں دی ہیں - مصنف نے آخر میں یہ التجا بھی کی ہے کہ جواب دیتے وقت مسلمانوں کو انصاف اور راستی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے- یہ فرشتہ خصلت حالی کے طرزِ زیست اور طرزِ تحریر کے عین مطابق بات ہے اور یہی وہ شائستہ طریقہ ہے جس کے ذریعے مخالف کو موافق بنایا جا سکتا ہے -

حالی کی یہ مختصر کتاب بھی ان کی دیگر تصانیف کی طرح تحقیقی انداز میں لکھی گئی ہے اور مخاطب کو قائل کرنے کے لیے معقول دلائل فراہم کرتی ہے - آراء کے اثبات کے لیے جابجا حوالہ جات سے بھی کام لیا گیا ہے اور صرف منطقی الٹ پھیر کا سہارا نہیں لیا گیا - "تاریخِ محمدی پر منصفانہ رائے" کا نمونۂ عبارت درج ذیل ہے :

"کیا یہ بات خیال میں آ سکتی ہے کہ جس شخص (آنحضرتؐ) نے اس نہایت ناپسند اور حقیر بُت پرستی کے بدلے جس میں اس کے ہم وطن مدت سے ڈوبے ہوئے تھے ، خدائے واحد برحق کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں ، مثلاً دختر کشی کو موقوف کیا ، نشے کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے ، منع کیا - بہتات سے کثرتِ ازدواج کا اس وقت رواج تھا ، اس کو بہت کچھ گھٹا کر محدود کیا ، غرض کہ کیا ایسے بڑے

۱- حالی کی اردو نثر نگاری : ڈاکٹر عبدالقیوم ، ص ۷۹ ، ۸۰ -

اور سرگرم مصلح کو ہم فریبی ٹھہرا سکتے ہیں ؟ اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کی تمام کارروائی مکر پر مبنی تھی ؟"[1]

تعلیقات : پادری عماد الدین کی "تاریخِ محمدیؐ" کے جواب میں مولوی چراغ علی (۱۸۴۶ء - ۱۸۹۵ء) نے بھی "تعلیقات" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۸۷۲ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی - حالی کی "تاریخِ محمدی پر منصفانہ رائے" اور مولوی چراغ علی کی "تعلیقات" دونوں کا سن اشاعت ایک ہے اور موضوع بھی ایک - اس سے ان دونوں مصنفین کی دینی غیرت اور عشقِ رسولؐ کا پتہ بھی چلتا ہے ، کیونکہ جس سال پادری عمادالدین کی شر انگیز کتاب چھپی، اُسی سال اس کا جواب دینا اور مسلمانوں کو گمراہی سے بچانا ان دونوں مصنفین نے اپنا مذہبی فریضہ سمجھا - حامد حسن قادری کہتے ہیں کہ "یہ رسالہ (تعلیقات) مولوی چراغ علی کی سب سے پہلی تالیف ہے"[2] - یوں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مولوی چراغ علی کی بیشتر تصانیف انگریزی زبان میں ہیں ، جن میں "محمدؐ پیغمبرِ برحق" بھی شامل ہے اور جو آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ پر ایک محققانہ تصنیف ہے لیکن اس کا تاحال اردو ترجمہ شائع نہیں ہوا[3] -

یہ عجیب بات ہے کہ مولوی چراغ علی کی دو اور اہم کتابوں کے انگریزی سے اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں ، یعنی "تحقیقِ جہاد" اور "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" کے نام سے جو بالترتیب "Critical Exposition of the Popular Jehad" اور Proposed Political Legal and Social Reforms under Muslim Rule کا ترجمہ ہیں ، لیکن جس اہم کتاب Muhammad, The True Prophet (محمدؐ - پیغمبرِ برحق) کا ترجمہ ہونا ضروری تھا ، وہ ترجمہ نہیں ہوئی[4]- "تحقیقِ جہاد" میں مولوی

۱- تاریخِ محمدی پر منصفانہ رائے : حالی ، قلمی نسخہ مخزونہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ص ۲۳ -

۲ ، ۳- داستانِ تاریخِ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۳۹۴ -

۴- سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۷۰ ، ۷۱ -

چراغ علی نے ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی تمام جنگیں جارحانہ نہیں، بلکہ مدافعانہ تھیں ، اور اسلام صرف مدافعت کے لیے جہاد کو جائز قرار دیتا ہے[1] ۔ جب کہ "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" میں مولوی صاحب نے ایک پادری ریورنڈ مائیکل کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ مذہب اسلام ، انسانی ترقی کا مانع ہے[2] ۔ مولوی چراغ علی کا ایک اور رسالہ "ماریہ قبطیہ" کے بارے میں ہے ، جو بالواسطہ سیرتِ رسولؐ سے متعلق ہے ۔ یہ سب ان کی بعد کی تصانیف ہیں اور اولیت کا شرف بہرحال "تعلیقات" کو ہی حاصل ہے جو مصنف کی پہلی اردو تصنیف اور ان کی غیرتِ دینی کا بیّن ثبوت ہے ۔

"تعلیقات" میں مولوی چراغ علی نے "تاریخِ محمدی" کا جواب دیتے ہوئے خاص طور پر دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی ترجیح کے اسباب بیان کیے ہیں اور "تاریخِ محمدی" کے ماخذ کو (حالی کی طرح) ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے ۔ ڈاکٹر عبید اللہ خان نے بھی اپنے ایک مضمون میں جو "تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند" (جلد نہم) میں شامل ہے (بہ عنوان "دوسرے مصنفین") مولوی چراغ علی کی "تعلیقات" کے بارے میں یہی رائے دی ہے ۔ ان کے نزدیک بھی مولوی صاحب نے "تعلیقات" کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ اسلام کو دوسرے مذاہب پر کیوں ترجیح اور فوقیت حاصل ہے اور اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا دین ہے"[3] ۔

ایک پادری عماد الدین پر کیا موقوف ہے ، اس دور میں کئی اور عیسائیوں نے بھی اردو زبان میں اسلام اور بانیٔ اسلام کی مخالفت اور مسیحیت اور مسیح[4] کی حمایت میں کتابیں لکھیں ۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اگر پادری جان ولسن نے "مسلمانی دین کا رویہ" (۱۸۳۴ء) پادری جے ونسن نے رسالہ "اصل افزائش و زوالِ دینِ محمدی" (۱۸۳۹ء) پادری اسمتھ نے

---

۱ ، ۲- موجِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۱۶۷ ۔
۳- تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند (نویں جلد) اردو ادب (چہارم) ۔ مقالہ : "دوسرے مصنفین" از ڈاکٹر عبیداللہ خاں ، ص ۲۱۵ ۔

رسالہ "دین حق" (۱۸۴۳ء) اور پادری ایل جے ایچ نے "ابطال دین محمدی بمقابلہ دین عیسوی" (۱۸۵۴ء) نامی کتابیں اسلام کے رد میں لکھیں تو ۱۸۵۷ء کے بعد اسی موضوع پر نسبتاً زیادہ معاندانہ رویے کے ساتھ پادری رجب علی نے "آئینہ اسلام"، پادری صفدر علی نے "مواعظ عقبیٰ" اور پادری سی جی فنڈر نے "میزان الحق" تحریر کیں ۔ آنحضرت کے خلاف پادری ٹھاکر داس کی "سیرت مسیح و محمد"، پادری سموئیل اور پادری رجب علی کی مشترکہ تصنیف "رسالہ النبی و براہین" (۱۸۶۹ء) اور پادری این ایم ویری کی کتاب "النبی المعصوم" (۱۸۸۰ء) وغیرہ منظر عام پر آئیں ۔

قرآن کی مخالفت میں پادری ٹی جی سکاٹ، پادری ماسٹر رام چندر ، کپتان یکمن ولیم رابنس ، پادری ٹھاکر داس اور پادری این ایم ویری نے قلم اٹھایا ۔ عیسائیت کو برتر دین ثابت کرنے کے لیے ۱۸۵۷ء سے پہلے لیس لی چارلس نے "دین عیسوی کی سچائی کے ثبوت" (۱۸۳۷ء) شائع کی تھی تو ۱۸۵۷ء کے بعد اس موضوع پر کتابوں کا سیلاب آ گیا ۔ قاموس الکتب اردو ، جلد اول کے باب "مناظرۂ نصاریٰ" میں ایسی بہت سی کتابوں کے نام موجود ہیں ۔ ان کے جواب میں مسلمانوں نے بھی اسلام اور بانی اسلام کے دفاع میں نہ صرف مغربی مصنفین کی کتابوں کے تراجم کیے ، بلکہ ہندوستان میں لکھی ہوئی ہر کتاب کا جواب بھی لکھا ۔ چنانچہ بسا اوقات ایک ایک کتاب کی تردید میں کئی کئی مصنفین نے قلم اٹھایا ۔ مثلاً پادری عماد الدین کی کتابوں کے رد میں حالی اور مولوی چراغ علی کے علاوہ فیروز الدین ڈسکوی ، محمد علی کان پوری ، اکرام اللہ اکبرآبادی اور سید محمد بھرت پوری نے باقاعدہ کتابیں لکھیں اور یوں ان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا ، جو پادری عماد الدین اور ان کے ہم مذہب مشنریوں نے پھیلانے کی کوشش کی تھی ۔ ان تمام جوابی کتابوں کا ذکر قاموس الکتب اردو جلد اول کے باب "رد مناظرۂ نصاریٰ" میں دیکھا جا سکتا ہے جو ص ۸۰۰ سے ص ۸۲۸ تک پھیلا ہوا ہے اور ۲۷۶ کتابوں پر مشتمل ہے ۔

دراصل انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد اسلام اور بانی اسلام پر تین اطراف سے حملے ہوئے ۔ پہلا حملہ عیسائی مشنریوں نے کیا ، جو اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے زیر سایہ تبلیغی سرگرمیوں میں

مشغول ہوئے - دوسرا حملہ ہندوؤں کی آریہ سماج تحریک کی طرف سے ہوا ، جس نے مسلمانوں کی سات سو سالہ غلامی کا بدلہ چکانے کے لیے ان کے قابلِ احترام پیشوا اور اس کے لائے ہوئے دین کو نشانہ بنایا اور تیسرا حملہ یورپی علوم و فنون کی شکل میں ہوا ، جن کی چکاچوند نے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی نظریں خیرہ کردیں - ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ

''اسلام کو ہندوؤں کی مذہبی یلغاروں سے کچھ زیادہ خطرہ نہ تھا - اسی طرح شاید عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں سے بھی عموماً مسلمانوں پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا مگر اسلام کے لیے سب سے زیادہ خطرناک آزمائش وہ تھی جو انیسویں صدی میں یورپ کے علمی افکار کی صورت میں ہندوستان پر نازل ہوئی - یہ علمی افکار وہ تھے جن سے مذہب یورپ میں اس سے قبل نیم جان ہو کر دم توڑ رہا تھا - یورپ میں علومِ اجتماعی کی ترقی کے ساتھ ساتھ جن کی بنیاد عقلِ محض کے علاوہ سائنس کے تجربات و مشاہدات پر رکھی گئی تھی ، مذہب کی الہامی بنیادوں پر شدید حملے ہوئے اور عیسائیت (بلکہ ہر مذہب) کو عقل اور منطق کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا - ہندوستان میں ان مغربی افکار کی اشاعت سے اسلام کو حقیقی خطرات سے دوچار ہونا ہونا پڑا''[1] -

عیسائی پادریوں کے مقابلے کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانوی ، ڈاکٹر وزیر خاں ، مولوی آلِ حسن اکبر آبادی ، مولوی سید ناصر الدین ، مولانا محمد قاسم نانوتوی ، مولوی منصور علی دہلوی ، مولانا رحم علی منگلوری ، مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی اور مولانا محمد علی مونگیری وغیرہ میدان میں نکلے اور انھوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام کے دفاع کا حق ادا کیا[2] -

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ ''کون باور کر سکتا تھا کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لیے ڈاکٹر وزیر خاں جیسا آدمی پیدا

۱- سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۲۰ -

۲- حیاتِ شبلی : سید سلیمان ندوی ، ص ۱۵ ، تاریخِ ادبیاتِ مسلمانِ پاکستان و ہند ، جلد ۹ ، ص ۳۱ -

ہوگا جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل اور عبرانی و یونانی کا ایسا واقف ہوگا جو عیسائیوں کو خود آن ہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابل شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کر دے گا"[۱]۔

پنجاب میں سوامی دیا نند (متوفی ۱۸۸۳ء) نے ہندوؤں کی عسکری اور علمی روح بیدار کرنے کے لیے "آریہ سماج" جیسی تنظیم قائم کی جس نے ہندو مت کی برتری کا نعرہ لگایا اور اس کے مقابلے میں تمام ادیان کو ہیچ ٹھہرایا ۔ اس تحریک کی زد میں اسلام بھی آیا ، کیونکہ ہندوستان کی بیشتر آبادی نے ہندو مت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا اور یہ آریہ سماجی ان مسلمانوں کو پھر اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرنے لگے ۔ انھوں نے مناظرانہ سرگرمیوں اور تصنیفی کوششوں کے ذریعے ثابت کرنا چاہا کہ دنیا کی بہترین تعلیم صرف ہندو مذہب میں موجود ہے اور اسلام کو بدیسی مذہب ہونے کی وجہ سے جلا وطن کر دینے میں ہی اہل ہندوستان کی نجات ہے ۔ آریہ سماجیوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام کی مخالفت میں جو کتابیں لکھیں ان کا تذکرہ قاموس الکتب اردو جلد اول (ص ۸۲۹ تا ۸۳۱) میں "مناظرۂ آریہ" کے عنوان سے اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی طرف سے جو کتابیں آئیں ، ان کا ذکر اس کتاب میں "رد مناظرہ آریہ" کے عنوان سے (ص ۸۳۲ تا ۸۳۸) درج ہے ۔ آریہ سماج کے بانی دیا نند سرسوتی اور ان کے چیلوں کے مقابلے کے لیے خدا نے مولانا محمد قاسم نانوتوی ، مولانا رشید احمد گنگوہی ، مولوی منصور علی دہلوی اور بعد ازاں مولانا ثناء اللہ امرتسری جیسے عالم پیدا کیے ، جنھوں نے تحریر و تقریر دونوں ذرائع کامیابی کے ساتھ استعمال کیے ۔

یورپ کے علمی افکار کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی قدرت نے ہندوستان میں ہی اسباب پیدا کیے ، لیکن دوسرے دونوں محاذوں کے مقابلے میں یہ محاذ قدرے سخت تھا ۔ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "یورپ کی نئی نئی سائنس

۱- حیات شبلی : سید سلیمان ندوی ، ص ۱۵ ۔

اور قوانینِ فطرت کے نئے نئے اسرار کے انکشاف نے جو شبہات پیدا کیے ، ان کا اصلی جواب تو وہ علماء دے سکتے تھے جو ہمارے قدیم متکلمین کی طرح ، جو قدیم فلسفہ کے ماہر تھے ، ان زمانہ کے نئے علوم اور نئی تحقیقات سے واقف ہوتے ، مگر بہرحال مالا یدرک کلہ لایترک کلہ ، کہ اگر پورا نہ مل سکے تو ادھورا ہی سہی ، کے اصول کے مطابق ان ہی لوگوں میں سے جو گو نیم عالم تھے ، لیکن انگریزوں سے دن رات ملتے تھے اور ان کے علوم و خیالات سے کچھ کچھ واقف تھے ، سر سید ، مولوی چراغ علی اور مولوی کرامت علی صاحب جون پوری وغیرہ چند ایسے اشخاص کھڑے کیے گئے ، جنھوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا چاہا اور ان سے بہتوں کو ایک معنی میں فائدہ بھی پہنچا ، لیکن چونکہ وہ باقاعدہ عالم نہ تھے اور نہ علمائے حق کی صحبتوں سے مستفید تھے انھوں نے اپنے کاموں میں جگہ جگہ غلطیاں کیں اور ایسی تاویلوں کے شکار ہوئے جو حقیقت سے بہ مراحل دور تھیں"[1] ۔

غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں ، لیکن سر سید ، مولوی چراغ علی اور مولوی کرامت علی جون پوری وغیرہ کو نیم عالم اور بے قاعدہ عالم کہنا ، سید سلیمان ندوی کو زیب نہیں دیتا ، سر سید کی "خطباتِ احمدیہ" ، مولوی چراغ علی کے رسائل اور مولوی کرامت علی جون پوری کی تصانیف ان کی علمیت اور دینی غیرت کی گواہی دیتی ہیں ۔ سر سید کے خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے ، لیکن اسلام اور بانیٔ اسلام سے ان کی محبت کا اعتراف نہ کرنا شدید نا انصافی ہوگا ۔ انھوں نے "خطباتِ احمدیہ" لکھنے کے لیے جو تکالیف اٹھائیں اور سر ولیم میور اور دیگر معترضین کے الزامات کے جس طرح مدلل ، منطقی اور علمی جواب دیئے انھیں دیکھتے ہوئے سر سید کو نیم عالم کا خطاب دینا سید سلیمان ندوی جیسے عالم ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے ۔ مولوی چراغ علی بھی ہندوستان کے فاضل ترین علماء میں سے ایک تھے ، جنھیں عربی ، فارسی ، عبری ، کالڈی ، لاطینی اور یونانی زبانوں پر عبور تھا اور انھوں نے انگریزی زبان میں اعلیٰ پائے کی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں ۔ انھوں نے "اعظم الکلام فی ارتقاء

---

[1] حیاتِ شبلی : سید سلیمان ندوی ، ص ۱۵ ۔

الاسلام“ میں ریورنڈ میلکم میکال کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اسلام مانعِ ترقی ہے ، قرآن ، حدیث ، فقہ اور تاریخ کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ اسلام روحانی ، اخلاقی اور دماغی ترقی کا حامل ہے اور ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے والا مذہب ہے ۔ انہوں نے اسلام کے تمدنی پہلوؤں پر بھی بڑی عمدہ بحث کی ہے اور اسلامی تعلیمات کو برحق ثابت کرتے ہوئے علمائے مغرب کی آراء کے تائیدی حوالے بھی دیئے ہیں ۔ انہوں نے پادری عماد الدین کی کتاب "ہدایت المسلمین" کے رد میں "بشاراتِ میثلِ موسیٰ" لکھی اور اس کی "تاریخِ محمدی" کے جواب میں "تعلیقات" پیش کی ۔ جو اُن کے عشقِ رسولِ مقبول اور دینی غیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی حقانیت پر انگریزی میں Muhammad : The True Prophet لکھی اور غزواتِ نبویؐ پر "تحقیقِ جہاد" میں سیر حاصل بحث کی ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ "ان کے مضامین بھی لسانیاتی تحقیق کے اعتبار سے بڑے محققانہ ہوتے تھے ، جن میں تحقیق ، وسعتِ نظر اور تبحر کی پوری پوری خوبیاں موجود تھیں ۔ وہ جس ہوشیاری اور قابلیت سے اسلامی ادبیات میں سے اپنے مطلب کی بات نکالتے ہیں اس کا بڑا رعب پڑتا ہے ، علی الخصوص اس لیے بھی کہ وہ یورپ کی تاریخ کے علاوہ انجیل ، تورات اور دیگر کتبِ آسمانی کے اقتباسات سے اسلام کی تائید کرتے ہیں"[۱] ۔ شیخ محمد اکرام بھی ان کی وسعتِ مطالعہ اور تبحرِ علمی کے بڑے معترف ہیں ۔ "موجِ کوثر" میں مولوی چراغ علی کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ان کتابوں میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ مولوی صاحب کی وسعتِ علمی ہے ۔ "رسائلِ چراغ علی" کی پہلی جلد کے آخر میں جو فہرستِ ماخذ شائع ہوئی ہے ، اس میں تقریباً ایک سو چونسٹھ کتابوں کے نام درج ہیں ، جن سے مولوی صاحب نے اپنے مضامین اخذ کیے ہیں اور جو بیشتر عربی میں ہیں ۔ اسی طرح "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" میں انھوں نے مغربی مصنفین کے اتنے حوالے دیئے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے کہ ہندوستان میں بیٹھ کر مولوی

---

۱ ۔ سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۶۹ ، ۷۱ ۔

صاحب کو مغربی لٹریچر اور مغربی رسائل پر اتنا عبور کس طرح حاصل ہوگیا ۔ انھوں نے اپنے دعوے کی تائید میں غالباً کوئی مفید مطلب بات نہیں چھوڑی اور آج بھی پاک و ہند میں شاید ہی کوئی ایسا عالم ہوگا جسے اس مسئلے کی تفصیلات اور باریکیوں سے اتنی واقفیت ہو جتنی مولوی صاحب مرحوم کو تھی''[۱] ۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی حملوں کے جواب میں سر سید اور ان کے رفقاء (مثلاً مولوی چراغ علی اور حالی وغیرہ) کا رویہ مدافعانہ اور معذرت خواہانہ تھا اور ان کی پوری کوشش تھی کہ اسلام کو مغربی معیاروں کے مطابق برحق ثابت کریں اور اسے تہذیب و تمدن اور شائستگی کے یورپی نظریات کی روشنی میں دیکھیں اور دکھائیں ۔ دراصل سرسید جس حد تک مسلمانوں کی مذہبی اور مجلسی خرابیوں سے واقف تھے اتنا یورپی اقوام اور ان کے مذہب ، عیسائیت کے کمزور پہلوؤں سے واقف نہ تھے ۔ انھیں یورپ کے ماضی کی تاریخ پر اتنا عبور نہیں تھا کہ وہ اس کے تاریک گوشوں کی نشان دہی کرکے اور ان کا موازنہ اسلامی تاریخ کے عہدِ زریں سے کر کے اسلام کی برتری ظاہر کر سکے ۔ اس کام کے لیے قدرت نے ایک اور شخص کا انتخاب کیا اور وہ تھے سید امیر علی ۔

سید امیر علی (۱۸۴۹ء تا ۱۹۲۸ء) کی تصانیف انگریزی میں ہیں ، تاہم ان کے اردو میں تراجم ہو چکے ہیں ۔ ان کی یوں تو سبھی تصانیف قابلِ قدر ہیں لیکن جو شہرت و مقبولیت "سپرٹ آف اسلام" (Spirit of Islam) کو حاصل ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ یہ کتاب ابتداً انھوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں لندن میں لکھی اور ۱۸۷۳ء میں شائع کی ۔ بعد میں وقتاً فوقتاً اس میں اضافے کرتے رہے ۔ اپنی وفات سے چند سال پہلے انھوں نے اسی کتاب کا ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ایک نیا ایڈیشن شائع کیا ۔ اس کا پہلا حصہ آنحضرت صلعم کی حیاتِ مقدسہ اور دوسرا حصہ آپ صلعم کی تعلیمات کے بارے میں ہے ۔

شیخ محمد اکرام نے سر سید کی "خطباتِ احمدیہ" اور سید امیر علی

۱۔ موجِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۱۶۶ ۔

کی "سپرٹ آف اسلام" کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "سید امیر علی کی کتاب کو سر سید کے انگریزی خطبات پر کئی لحاظ سے فوقیت حاصل ہے - پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ سر سید کی کتاب ناسکمل ہے اور "سپرٹ آف اسلام" ایک جامع اور مکمل کتاب ہے - اس کے علاوہ سر سید کے خطبات اردو سے انگریزی میں ترجمہ ہوئے ہیں ، اس لیے زورِ عبارت اور طرزِ تحریر کے لحاظ سے وہ "سپرٹ آف اسلام" سے کسی قدر پست ہیں ، لیکن اہم ترین فرق جو سید امیر علی کی تصنیفات کو سر سید کی تصنیفات پر فوقیت دیتا ہے ، اول الذکر کی وہ واقفیت ہے جو انھیں عیسائی ، یہودی و ہندو مذاہب اور مسیحی ممالک کی تاریخ سے تھی - اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کرتے وقت اس واقفیت کا استعمال انھوں نے بڑی قابلیت سے کیا ہے - سر سید میں قابلیت اور حمیتِ اسلامی کی کمی نہ تھی لیکن مسیحیت اور یورپ کی تاریخ ، بالخصوص اس کے ناخوشگوار پہلوؤں سے انھیں پوری واقفیت نہ تھی - (سید امیر علی) خوب جانتے تھے کہ اگر عیسائی مؤرخین اسلام پر بزورِ شمشیر پھیلانے کا غلط الزام لگاتے ہیں تو مسیحیت کی خونیں تاریخ کو بھی چھپایا نہیں جا سکتا - اسی طرح اگر رسول اکرمؐ کے چند مشہور معجزات کو خلافِ عقل کہا جا سکتا ہے تو مسیحیت کی تو بنیاد ہی ایسے عقائد پر ہے جو عقل سے بعید ہیں"[۱] -

بہرحال سید امیر علی نے اسلاف کی غلامی کے بجائے اسلام کی آزاد ترجمانی کی اور "سپرٹ آف اسلام" میں رسولِ اکرم کی حیاتِ مقدسہ کے واقعات کا چناؤ کرتے وقت صرف معتبر روایات اخذ کیں - اگرچہ بعض مقامات پر انھوں نے بھی ٹھوکر کھائی (مثلاً واقعہ غرانیق ، واقعہ معراج ، جنگِ بدر میں فرشتوں کی مدد اور ریحانہ سے آنحضرتؐ کی شادی کے سلسلے میں) لیکن انھوں نے آنحضرتؐ کی سیرت اور پیغام کے سلسلے میں قرآن کو اپنا ماخذ بنایا اور پھر اسلام کی ازلی و ابدی تعلیمات کا موازنہ عیسائیت اور دیگر مذاہب کی دعوت سے کر کے اسلام کی برتری ثابت کی - ایک انگریز مستشرق نے "سپرٹ آف اسلام" کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسلام کی اس سے بہتر تصویر کھینچنا ناممکن ہے اور

۱- موجِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۱۲۳ ، ۱۲۴ -

جو کچھ اسلام کے حق میں کہا جا سکتا ہے ، امیر علی نے کہہ دیا ہے"۔ شیخ محمد اکرام بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "یہ صحیح ہے کہ آج تک اس موضوع پر اس پائے کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور جہاں تک اسلام اور دوسرے مذاہب کے موازنے اور اسلام کے خلاف اعتراضات کے جوابات کا تعلق ہے ، اس سے زیادہ جامع اور مدلل کتاب آج تک نہ کسی عرب نے لکھی ہے ، نہ ترک نے ، نہ مصری نے اور سید امیر علی کا یہ علمی کارنامہ ایسا ہے جس پر برصغیر کے تمام مسلمان فخر کر سکتے ہیں"[1]۔ اس کتاب کی اہمیت اور ہمہ گیر مقبولیت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بقول ڈاکٹر سمتھ "اسلامی مصر میں "سپرٹ آف اسلام" سے زیادہ دورِ حاضر کی کسی مذہبی کتاب کے حوالے نہیں ملتے"[2] ۔

"دی سپرٹ آف اسلام" (روحِ اسلام) مصنف کا نقشِ ثانی ہے جبکہ نقشِ اول "حیات و تعلیماتِ محمدؐ کا تنقیدی جائزہ" (Critical Examination of the Life and Teachings of Muhammad) مطبوعہ ۱۸۷۳ء تھا جس کا اردو ترجمہ "تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام" کے عنوان سے سید ابوالحسن نے کیا اور ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ سے شائع کیا ۔ "روح اسلام" (The Spirit of Islam) دراصل "حیات و تعلیماتِ محمد" میں مسلسل ترمیم و اضافہ کے بعد وجود میں آئی اور اپنی تکمیلی صورت میں اصل سے ضخامت میں دوگنی ہوگئی ۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن The Life and Teachings of Muhammad or the Spirit of Islam کے نام سے ایلن اینڈ کمپنی نے لندن سے ۱۸۹۱ء میں شائع کیا ۔ بعد ازاں یہ "دی سپرٹ آف اسلام" کے مختصر نام سے ہی چھپتی رہی (جسے مصنف کی اہلیہ نے تجویز کیا تھا) ۔ ۱۹۲۲ء کے ایڈیشن میں مصنف نے اس میں دو ابواب کا اضافہ کیا (ایک امامت و خلافت کے بارے میں اور دوسرا تصوف کے بارے میں) اس کتاب کے عربی اور فارسی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں اور اردو میں اس کے

۱۔ موجِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۱۷۴ ، ۱۷۵ ۔

2. Modern Islam in India : W.C. Smith, Ripon Printing Press, Lahore 1647, Page 57.

پہلے حصے کا ترجمہ منصور احمد نے "سرور کائنات ؐ" کے نام سے کیا جو ۱۹۵۶ء میں قومی کتاب خانہ لاہور کے زیر اہتمام چھپا[1] - بعد ازاں ہادی حسین نے "روح اسلام" کے نام سے اس کتاب کا مکمل اردو ترجمہ کیا جسے ۱۹۷۲ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے شائع کیا - روح اسلام کی تالیف میں یورپین تصانیف کے علاوہ عربی کتابوں میں سے مصنف نے ابن ہشام کی سیرت الرسول ، ابن الاثیر کی الکامل ، طبری کی تاریخ الامم و الملوک اور الحلبی کی انسان العیون (المعروف بہ سیرت الحلبیہ) سے بطور خاص استفادہ کیا ہے -

سید سلیمان ندوی نے مولوی کرامت علی جون پوری کو بھی سر سید اور چراغ علی کے زمرے میں شمار کیا ہے اور انھیں بھی یورپی علوم و فنون سے پیدا شدہ شبہات کا ازالہ کرنے والے نیم عالموں میں سے ایک گردانا ہے - مولوی کرامت علی جون پوری (۱۸۰۰ء تا ۱۸۷۳ء) سید احمد شہید کے مرید اور اپنے زمانے کے جید عالم تھے - انھوں نے بنگال کو اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا - وہ بھی کثیر التصانیف بزرگ تھے چنانچہ مولوی رحمٰن علی نے "تذکرۂ علمائے ہند" میں ان کی ۴۸ کتابوں کے نام دیئے ہیں[2] - شیخ محمد اکرام کہتے ہیں کہ "ان کی کتابوں میں سے "رسائل کرامتیہ" اور "راہ نجات" وغیرہ ایک زمانے میں مشہور و متداول تھیں"[3] - مولوی کرامت علی کی بیشتر تصانیف مناظرانہ قسم کی ہیں اور انھوں نے ان کے ذریعے بنگالی مسلمانوں میں اسلامی عقائد پھیلانے کی بھرپور کوشش کی - بنگال میں انگریزوں نے ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے اپنے قدم جمائے اور ان کی مشنری سرگرمیوں کا اولین نشانہ بھی بنگالی بنے - مولوی کرامت اللہ نے اسلام کی حمایت اور غیر اسلام (عیسائیت اور

۱- سید امیر علی : شاہد حسین رزاقی ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ، ۱۹۷۰ء ، ص ۲۳۹ ، ۲۴۰ -

۲- تذکرۂ علمائے ہند : مولوی رحمٰن علی ، ترجمہ و تحشیہ ، محمد ایوب قادری ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، کراچی ۱۹۶۱ء ، ص ۳۹۵ ، ۳۹۶ -

۳- موج کوثر : شیخ محمد اکرام ، ص ۶۰ -

ہندو مت) کے رد میں جو کتابیں لکھیں ، ان میں سے بیشتر عربی میں ہیں - لیکن خال خال اردو میں بھی ہیں - انیسویں صدی میں احیائے اسلام کی تحریک میں دوسرے علماء کے ساتھ ساتھ مولوی کرامت علی جون پوری کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں -

مناظرانہ کتب سیرت یوں تو کئی علماء نے لکھیں اور اپنی اپنی بساط کے مطابق انھوں نے اسلام اور بانئ اسلام کا دفاع بھی خوب کیا ، لیکن یورپی مصنفین کو ان کے اپنے طرز استدلال میں جس شخص نے صحیح جواب دیا اور خود ان کے گھر میں بیٹھ کر دیا ، وہ سر سید احمد خاں تھے - ان کی کتاب "خطبات احمدیہ" اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں انھوں نے متعصب اور ان پڑھ مشنریوں کو مناظرانہ یا الزامی جوابات دینے کی بجائے ان مستشرقین سے پنجہ آزمائی کی ، جو اسلامی علوم و فنون سے بھی بخوبی واقف تھے اور جنھوں نے بڑی عیاری اور چابکدستی کے ساتھ مسلمانوں کی امہات کتب سیرت میں سے ایسے واقعات تلاش کیے جنھیں اپنے مطالبات کا جامہ پہنا کر انھوں نے آنحضرتؐ کی ذات کو نشانۂ طعن و تشنیع بنایا - سر سید نے "خطبات احمدیہ" لکھ کر ایک تاریخی تقاضہ پورا کیا ، اسی لیے یہ کتاب تفصیلی تجزیہ کی مستحق ہے -

خطبات احمدیہ

سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) کی کتاب کا پورا نام "خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ" ہے لیکن یہ "خطبات احمدیہ" کے نام سے مشہور ہے - اس کتاب کا انگریزی ترجمہ A series of Essays on the Life of Muhammad کے عنوان سے ۱۸۷۰ء میں لندن سے شائع ہوا ، اور اصل اردو کتاب ، ضروری اضافوں کے ساتھ ۱۸۸۷ء میں ہندوستان میں چھپی - "خطبات احمدیہ" ، ولیم میور کی سیرت رسولؐ پر مشہور انگریزی کتاب کے جواب میں لکھی گئی -

سر ولیم میور ، لیفٹیننٹ گورنر ممالک آگرہ و اودھ نے ایک یورپین پادری پی فنڈر (Rev. C G. Pfander. D. D.) کی فرمائش پر "لائف آف محمدؐ" کے نام سے چار جلدوں میں اپنی ضخیم کتاب ۱۸۶۱ءمیں

میں اپنی ضخیم کتاب ۱۸۶۱ء میں شائع کی تھی[1] - سر سید لکھتے ہیں کہ "جب یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہنچی ، تو لوگوں نے اس کو نہایت شوق و ذوق سے پڑھا مگر جب ان کو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرت ؐ کے حالات کی نہایت سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر اس وضع پر ڈھالا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ہی سے اس کتاب کا اس طرح لکھنا مقصود اور مرکوزِ خاطر تھا ، تو اُن کا وہ شوق بالکل ٹھنڈا ہو گیا"[2] تاہم انگلستان اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کو اس کتاب نے بہت متاثر کیا - یوں تو سر ولیم میور سے پہلے بھی عیسائی مصنفین نے رسول اکرم ؐ کے بارے میں معاندانہ تصانیف کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا لیکن ان کے اور ولیم میور کے طریقِ کار اور طرزِ استدلال میں فرق تھا - دوسرے مستشرقین تو اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق رائے دیتے وقت مسلمانوں کی دینی کتابوں کا حوالہ دینے کی بجائے محض الزامات کی بوچھاڑ کرتے تھے لیکن سر ولیم میور نے قرآن ، حدیث ، کتبِ سیرت و تاریخ اور دیگر اسلامی علوم کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد قلم اُٹھایا اور مسلمانوں کی اپنی مستند کتابوں کے حوالے دے کر اسلام اور آنحضرت ؐ کی تنقیص کی - یہ طریقِ کار سخت خطرناک تھا - سر سید کہتے ہیں کہ "میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اُسی زمانہ میں میں نے ارادہ کر لیا کہ آنحضرت ؐ کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح پر لکھی جاوے کہ جو جو

۱- اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۶ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا - ۱۹۱۲ء میں T. H. Weir نے جو گلاسگو یونیورسٹی میں عربی کے لیکچرر تھے ، اس کتاب کا ایک نیا اور Revised Edition شائع کیا جو بعد ازاں ۱۹۲۳ء میں John Grant : Edinburgh کے زیر اہتمام شائع ہوا - مؤخر الذکر ایڈیشن کی ضخامت ۵۵۶ صفحات ہے- (Introduction کے ۵۷ صفحات کے علاوہ) -

۲- مقالاتِ سر سید (حصہ یازدہم) - مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ص [illegible] ("خطباتِ احمدیہ") -

باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں اُن کو بخوبی چھان بین کر اور امتحان کر کر ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور ان کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے ، ان کو جداگانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور حمقاً کو دامِ تزویر میں پھنسانے والے لوگوں یا احمق خدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں ، اُن کو علیٰحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے اور انھی کے ساتھ اُن کے غلط اور اُن کے نامعتبر ہونے کا ثبوت اور اُن کے موضوع ہونے کی وجوہات بھی بیان کی جاویں"[1] ۔

مولانا الطاف حسین حالی بھی "حیاتِ جاوید" میں ولیم میور کی کتاب پر سر سید کے اضطراب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جب سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمدؐ" چار جلدوں میں چھپ کر ہندوستان میں پہنچی ، جس کی نسبت عیسائیوں میں مشہور تھا کہ اس نے اسلام کے استیصال میں تسمہ لگا نہیں رکھا ، اس وقت جو حال سر سید کی بے چینی اور جوش و خروش کا تھا ، وہ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے ---- وہ جب بھی اور کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھتے تھے ، اکثر سر ولیم کی کتاب کا ذکر کرتے تھے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام پر یہ حملے ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو مطلق خبر نہیں ۔ اسی وقت ہم نے یہ بھی دیکھا کہ سر سید ، جاہلیت کے اشعار جن سے اس زمانے کی بے ہودہ اور نفرت انگیز رسمیں ظاہر ہوتی ہیں اور جو "خطباتِ احمدیہ" میں بجنسہٖ نقل کئے گئے ہیں ، ایک مولوی سے انتخاب کرا رہے تھے ، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا پختہ ارادہ سر ولیم کی کتاب کا جواب لکھنے کا ہے"[2] ۔

۱۔ مقالاتِ سر سید (حصہ یازدہم) : مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ص ۲۷ (مشتمل بر "خطبات احمدیہ") ۔

۲۔ حیاتِ جاوید : حالی ، ص ۳۲۶ ۔

لیکن ہندوستان میں بیٹھ کر سر ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنا مشکل تھا کیونکہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بیشتر اسلامی کتب خانے تباہ و برباد ہوگئے تھے اور سر سید کو جن قدیم عربی کتابوں کی ضرورت تھی ، وہ یہاں دستیاب نہ تھیں ، اس لیے جب اُن کے بیٹے سید محمود کو ۱۸۶۹ء میں ولایت جانے کے لیے تعلیمی وظیفہ ملا ، تو سر سید بھی اُن کے ہمراہ روانہ ہو گئے - ہندوستان میں بھی وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے ، بلکہ جو مواد انھیں ملا ، اس کی مدد سے مختلف اوقات میں مختلف مضامین اور مسائل ، مذہبِ اسلام اور آنحضرت[ؐ] کے حالات پر لکھتے رہے ، جو "خطباتِ احمدیہ" کی تصنیف کے وقت ان کے کام آئے[۱] -

سر سید کے بعض خطوط سے ، جو انھوں نے نواب محسن الملک کے نام انگلستان سے روانہ کیے ، اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان سے روانگی کے وقت جب انھوں نے اپنے احباب پر اپنا ارادہ ظاہر کیا ، تو ان کے بعض دوستوں نے جو سرکاری عہدہ دار اور سر ولیم میور کی گورنمنٹ کے ماتحت تھے ، سر ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنے سے نہ صرف انھیں منع کیا[۲] بلکہ بعض حضرات نے اس میں عملی رکاوٹیں بھی ڈالیں - مثلاً نواب محسن الملک کے نام سر سید اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :

"مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ بعض احبابِ نالائق مثل مولوی زین العابدین نے میرا ارادہ در بابِ تحریرِ جوابِ کتاب میور صاحب جو نسبت آنحضرت صلعم کے لکھی ہے ، سست کر دیا اور بر وقتِ روانگی ، سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا"[۳] - تاہم سر سید اس سے بد دل نہیں ہوئے

۱- مقالاتِ سر سید (حصہ یازدہم) ، مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ص ۲۷ ، ۲۸ -
۲- داستانِ تاریخِ اردو : حامد حسن قادری ، ص ۳۲۷ -
۳- مکتوباتِ سر سید : مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور ، ۱۹۵۹ء ، خط نمبر ۲ ، ص ۴۳ (نوشتہ ۴ جون ۱۹۶۹ء) -

اور ولایت پہنچتے ہی اپنے کام میں مشغول ہوگئے ۔ انھیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ انگلستان میں کتاب لکھنے کی بڑی سہولتیں موجود ہیں ۔ اپنے مذکورہ بالا خط میں ہی نواب صاحب کو اطلاع دیتے ہیں کہ ''کتاب خانہ انڈیا آفس میں نے دیکھا ، ہوش جاتے رہے ۔ کتاب خانہ نہیں ہے ، کتابوں کا شہر ہے ۔ مجھے وہاں جانے کی اور پڑھنے کی جو چاہوں اور نقل کی ، سب کی اجازت ہوگئی[1] ۔

بہرحال انھوں نے انڈیا آفس کے کتب خانے سے ضروری کتابیں حاصل کیں ۔ برٹش میوزیم کی لائبریری کو کھنگالا ، عربی میں سیرتِ رسولؐ کی اہم کتابیں ، جو اب مصر ، فرانس اور جرمنی میں چھپ چکی تھیں ، بذریعہ ڈاک منگوائیں ۔ لاطینی اور انگریزی کی چند پرانی اور نایاب کتب اصل سے زائد قیمت دے کر لندن سے خریدیں ، ترجمہ کے لیے ایک انگریز عالم کی خدمات حاصل کیں ، بعض مسائل پر معلومات کے حصول کے لیے نواب محسن الملک کو خطوط لکھے اور ان کے ذریعے ضروری مواد اکٹھا کیا ۔ اس سارے ذخیرے کو جانچنے کے بعد دن رات کی لگاتار محنت سے انھوں نے بارہ مضامین لکھے اور ایک لائق انگریز سے انگریزی میں ترجمہ کروا کر لندن ہی میں ۱۸۷۰ء میں شائع کیے[2] ۔

''خطباتِ احمدیہ'' لکھتے وقت سر سید نے جس تندہی اور جوش و خروش کا ثبوت دیا ، جو مالی مشکلات انھیں درپیش ہوئیں ، جس قدر محنت و مشقت سے انھوں نے کام لیا اور جن پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا ، ان کا اندازہ

۱۔ مکتوباتِ سر سید : مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور ۔ ۱۹۵۹ء ، خط نمبر ۲ ، ص ۴۳ (نوشتہ ۴ جون ۱۸۶۹ء) ۔

۲۔ حیاتِ جاوید : حالی ، ص ۲۷۴ ۔ مزید براں ، ''A series of Essays on the Life of Muhammad'' کی لوح پر یہ عبارت بھی موجود ہے : The Original English Text of these Essays has been revised and corrected by a friend. ۳۹۴ صفحات پر مشتمل ''خطباتِ احمدیہ'' کا یہ انگریزی ترجمہ ۱۹۶۸ء میں Premier Book House لاہور سے بھی شائع ہوا ہے ۔

لگانے کے لیے اُن خطوط کو پڑھنا چاہیے جو سر سید نے اپنے عزیز دوست نواب محسن الملک مولوی سہدی علی خاں کے نام انگلستان سے لکھے ۔ ان خطوط میں سر سید نے "خطباتِ احمدیہ" کے آغازِ تصنیف سے لے کر اختتام تک ، ایک ایک بات کی تفصیل لکھی ہے ۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ سر سید کی اس کتاب کا محرک محض جذبۂ عشقِ رسول ؐ ہے ، جس کے پُرخلوص اظہار کے لیے وہ اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہیں ۔ مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں :

"ان دنوں میں ذرا قدرے دل کو شورش ہے ۔ ولیم میور صاحب نے جو کتاب آنحضرت ؐ کے حال میں لکھی ہے ، اس کو میں دیکھ رہا ہوں ۔ اس نے دل کو جلا دیا اور اس کی نا انصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کے سِیر میں جیسا کہ پہلے ارادہ تھا ، کتاب لکھ دی جاوے ۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جاوے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے ۔ قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاوے گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا ، حاضر کرو ۔ مارا تمغۂ شاہنشاہی بس است ۔

میں نے فرانس اور جرمنی اور مصر سے کتبِ سیر منگانی شروع کر دیں ۔ چٹھیات روانہ ہو گئیں ۔ سیرتِ ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خرید لیں ۔ ایک آدمی مقرر کر دیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے ۔ تین مقدمات لکھنے شروع کر دیئے ۔ اول : جغرافیۂ عرب ۔ دوم : انسابِ عرب ۔ سوم : ثبوت آنحضرت ؐ کی نسل کا حضرت ابراہیم ؑ تک ۔ سب سے مشکل کام جغرافیہ ہے اور تمام چیزوں کے متعلق اسلام و سِیر کے ثبوت کی بنیاد ہے ۔ خیر اب دعا کرو ، خدا مدد کرے اور انجام کو پہنچا دے ۔

ہر چہ باداباد من کشتی در آب انداختم

ایک نہایت عمدہ ثبوت نسلِ ابراہیم سے ہونے کا یہ ہے کہ بنی ہاشم اور دیگر اقوامِ عرب میں جو اولاد حضرت ابراہیم ؑ سے ہیں ، رسمِ ختنہ جاری تھی ۔ آپ تلاش کریں کہ کسی کتاب میں یا حدیث و سیر و تفسیر میں

کوئی ایسی قوم بھی عرب میں پائی جاتی ہے جس میں رسم۔ ختنہ نہ ہو۔ عرب میں سوائے اولاد۔ حضرت ابراہیم کے اور قومیں بھی آباد تھیں ۔ اگر یہ بھی ثابت ہو جاوے کہ ان قوموں میں رسم۔ ختنہ نہ تھی تو نہایت عمدہ بات ہے ۔ نقول۔ مقامات جو سابق میں طلب کی ہیں ، یقین ہے کہ اب تک روانہ ہو چکی ہوں گی ، بشرطیکہ حافظ جی صاحب نے مہربانی کی ہوگی ۔''[1]

ایک اور خط میں لکھتے ہیں : ''میور صاحب کی کتاب کا سامان نہیں ہونے کا ۔ اب اس کی توقع نہیں ۔ ایک انگریزی خواں اور ایک طالب علم جو مقامات۔ نشان دادہ کو کتب میں تلاش و نقل کر سکتا ، میرے ساتھ ہوتے تو ایک برس میں اس کا جواب لکھ لیتا ۔ اب نہیں ہو سکتا ۔ مگر میں اس کے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ رہا ہوں اور انھی کا نام ''مواعظ۔ احمدیہ'' رکھا ہے ۔ پہلا وعظ تیار ہو گیا ۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ مسلمانوں کی کتابوں میں معتبر و غیر معتبر اور صحیح و غلط روایتیں شامل ہیں اور وہ اس قابل نہیں کہ ان کی ہر ایک بات کو اصلی مذہب سمجھا جاوے ۔ پس جن لوگوں نے ہماری کتابوں کی روایتیں چن کر ہمارے مذہب پر یا جناب پیغمبر۔ خدا صلعم کی نسبت الزام و اتہام دیا ہے وہ حماقت ہے ، کیونکہ اول یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ روایت صحیح و معتبر بھی ہے یا نہیں ۔''[2]

ایک اور خط میں پہلے خطبہ کے مکمل ہونے ، انگریزی میں ترجمہ ہونے اور شائع ہونے کی اطلاع دیتے ہیں : '' ''مواعظ۔ احمدیہ'' کا ایک وعظ طیار ہو گیا ۔ انگریزی میں ترجمہ ہو گیا ۔ اب انگریزی میں چھاپہ شروع ہوگا ۔ اردو کتاب کے چھاپہ میں یہاں بہت لاگت لگتی ہے ۔ بعد چھاپہ چند نسخے آپ کے پاس بھیجوں گا ۔''[3]

ایک اور خط میں لکھتے ہیں : ''میں شب و روز تحریر۔ کتاب۔ سیر۔

۱- مکتوبات۔ سر سید، مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ۔ خط نمبر ۸ ۔ ص ۶۲ (نوشتہ ۲۰ ۔ اگست ۱۸۶۹ء) ۔

۲- ایضاً ۔ خط نمبر ۷ ۔ ص ۵۹ ، ۶۰ (نوشتہ ۶ اگست ۱۸۶۹ء)

۳- ایضاً ۔ خط نمبر ۶ ۔ ص ۵۶ (نوشتہ ۲۳ جولائی ۱۸۶۹ء) ۔

مصطفوی صلعم میں مصروف ہوں ۔ سب کام چھوڑ دیا ہے ۔ لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے ۔ ادھر فکرِ ترتیبِ مضامینِ کتاب ، آدھر فکرِ جوابِ اعتراضات ۔ ادھر فکرِ تنقیح و تصحیحِ روایاتِ صحیح میں مبتلا رہتا ہوں اور کسی شخص کے مددگار نہ ہونے سے یہ کام اور بھی سخت ہو گیا ہے ۔ ادھر جب حساب دیکھتا ہوں تو جان نکل جاتی ہے کہ الٰہی ! لکھنا اور چھپوانا تو شروع کر دیا ، روپیہ کہاں سے آئے گا ۔

دوسرا باب جس میں عرب کا جغرافیہ اور وہاں کی قوموں کا اور حضرت اسمٰعیل[ع] کے وہاں آ کر آباد ہونے کا ذکر ہے ، چھپ رہا ہے ۔ عرب میں سے ایک کتبہ نکلا ہے جو کہ یہاں کے برٹش میوزیم میں موجود ہے ۔ وہ کتبہ آنحضرت صلعم سے بہت پہلے کا ہے اور اس سے حضرت ہود[ع] کا عرب میں پیغمبر ہونا اور قوم عاد کے مکانات کا وجود بخوبی ثابت ہوتا ہے ، چنانچہ وہ کتبہ بعینہٖ اسی خط میں مع ترجمہ میری کتاب میں مندرج ہوگا ۔

میری دانست میں نہایت خیر خواہی اسلام کی اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ کتاب انگریزی زبان میں چھاپی جاوے ، اس لیے انگریزی چھاپنا شروع کر دیا اور اردو ابھی ملتوی ہے ۔ علاوہ اس کے انگریزی عبارت لکھنے والے عمدہ اور کم قیمت پر یعنی بہ نسبت ہندوستان کے کم قیمت پر ملے ہیں ۔ ہندوستان میں ممکن نہ تھا ۔ جو شخص کہ میری کتاب انگریزی میں لکھتا ہے ، اس کی لیاقت کا کوئی انگریز ہندوستان میں نہیں ہے ۔ پس ایسا شخص ہندوستان میں کہاں ملتا ۔ اگر میری یہ کتاب طیار ہو گئی جس میں دس باب ہیں تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر اور باعث اپنی نجات کا سمجھوں گا ۔ خدا قبول کرے ۔"[1]

اسی طویل خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں ۔ "بہرحال مجھ کو اعانت کی نہایت ضرورت ہے ۔ اول تو انتخاب و تحریر مقامات کتب و تحقیق بعض مسائل کی ، جو میں آپ کو لکھوں ، آپ اس کو بخوبی انجام دیں گے ۔

۱- مکتوباتِ سر سید : مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، خط نمبر ۹ ، ص ۶۴ ، ۶۸ (نوشتہ ۱۰ ستمبر ۱۸۶۹ء) ۔

اس میں کچھ تامل نہیں ۔ مگر اس قدر دیر نہ ہو جیسے کہ اب تک کی ہے۔ اس وقت تک حدیثیں معراج و شق ِ صدر کی نہیں پہونچیں ۔ دوسری بلاشبہ روپیہ کی ضرورت ہے ۔ کم سے کم دو ڈھائی ہزار روپیہ خرچ ہو گا ۔ آپ وہاں احباب ِ مخلصین سے چندہ کیجیے ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مہاجن سے کچھ روپیہ قرض لیا جاوے اور اس کتاب کی تیاری میں لگایا جاوے ۔ بعد طیاری کے کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ کتاب بہت بکے گی اور انگریز بہت لیں گے ۔ آج تک مسلمان کی لکھی ہوئی کتاب آنحضرت صلعم کے حال کی انگریزی میں نہیں ہے" ۔

پھر اسی خط میں بڑی خوشی کے ساتھ اطلاع دیتے ہیں کہ "چند بڑے قابل انگریز جو مسلمان ہو گئے ہیں ، ان کی لکھی ہوئی کتابیں نہایت تلاش سے بہم پہنچائی ہیں اور دس گنی رقم دے کر خریدی ہیں ۔ ان میں ایک کتاب ہاتھ آئی ہے جس میں اس انگریز نے نہایت خوبی سے "یاتی من بعدی اسمہ احمد" کے فقرہ کو درست ثابت کیا ہے کہ ویسی دلیلیں کسی مسلمان مولوی کے خیال میں بھی نہیں گزر سکتیں ۔ علاوہ اس کے میں کیا بتاؤں کہ میں نے کیا کیا ہے ؟ اگر تم یہاں ہوتے تو شاید پھولے نہ سماتے" ۔

ایک اور خط میں نواب محسن الملک سے معجزات ِ نبوی پر مواد بھیجنے کی درخواست کرتے ہیں :

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل معجزات منتخب کر کر ایک فہرست مع مختصر حال کے بنائیے ۔ ان میں سے جس قدر کہ غیر ثابت ہیں ان کے اوپر تو لفظ غیر ثابت لکھ دیجئے اور جس قدر کہ آپ کے نزدیک ثابت ہیں ، ان کا ثبوت لکھیے اور جن کتابوں پر استدلال کیجیے، ان کی عبارت کی نقل کیجیے اور جن لوگوں نے اس کے برخلاف رائے دی ہو ، اس کا رد بتائیے اور ایسی وجوہات بھی لکھیے جو غیر مذہب والوں پر حجت ہوں اور یہ سب چیزیں میرے پاس بھیج دیجئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کتبے کھدوانے ہیں ۔ نقشہ جات جو استدلالات ِ کتاب میں داخل ہوں گے ، بنوانے ہیں ۔ صرف پنسل سے اس نقشہ کی بنوائی جس میں سفر موسیٰ اور وادی الطحیٰ اور بیابان ِ فاران کا بیان ہے، ۴۸ روپے دینے ہیں

اور اب وہ چھپنے کو جاتا ہے"[1] -

اپنے ایک اور خط میں نواب محسن الملک کو لکھتے ہیں : "مواعظِ احمدیہ کے لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں - جانا آنا ، ملنا جلنا ، سب بند ہے - آنحضرت صلعم کی بارہ برس کی عمر تک کا حال لکھ چکا اور سر ولیم میور صاحب اور اور مصنفوں نے یہاں تک کے حال پر جو کچھ لکھا ہے ، سب کے ایک ایک حرف کا جواب لکھا ہے - مگر ایسا جواب نہیں ہے کہ جیسا تمہارے ہاں کے ملاں مشرکین فی صفات النبوۃ دیتے ہیں - نہائت محققانہ جواب ہیں اور یہ شرط ہے کہ کسی شخص کے آگے ڈال دو ، کیسا ہی بے دین کیوں نہ ہو ، اگر وہ کہے کہ ہاں نہایت سچ اور انصاف کا جواب ہے تو تو میرا نام ، ورنہ میرا نام ہی نہیں - اپنی تحریر کو آپ ہی دیکھتا ہوں اور ایسا خوش ہوتا ہوں کہ بیان سے باہر ہے -

دوسرا خطبہ ، جغرافیہ عرب کا ، قریب الاختتام ہے - نہائت عمدہ طور سے ثابت ہوا ہے کہ فاران وہی میدان اور پہاڑ ہیں جہاں کعبہ واقع ہے - معلوم نہیں کہ آپ فاران کے لفظ سے واقف ہیں یا نہیں ، کیونکہ یہ بہت بڑا رکن مباحثہ کا ہے - جس قدر لکھا ہے ، وہ انگریزی ہو گیا اور چھپ رہا ہے - اس وقت میرے سامنے دوسرے خطبے کے ۲۴ ورق چھپے ہوئے رکھے ہیں - پہلا خطبہ جو تیار رکھا ہے ، ایک نسخہ اس کا آپ کے پاس بھیجتا ہوں اور جب دوسرا ختم ہوجائے گا ، اس وقت وہ بھی بھیجوں گا اور علیٰ ہذا القیاس - مگر اس بات کی احتیاط رہے کہ اس کتاب کی تصنیف کی شہرت نہ ہو اور جب تک کہ پوری نہ ہو لے اور چھپ نہ لے ، اس وقت تک کسی کو نہ معلوم ہو کہ ولیم میور صاحب کی کتاب کا جواب لکھا جاتا ہے - پس اغیار سے اس کو مخفی رکھنا چاہیئے ، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ قبلِ اتمامِ کتاب جناب سر ولیم میور صاحب کو اس کا حال معلوم ہو - بعدِ اتمام انشا اللہ تعالیٰ میں خود اپنے ہاتھ سے نذر دوں گا" -

---

۱- مکتوباتِ سر سید ، مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، خط نمبر ۱۰ ، ص ۷۲ (نوشتہ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۹ء)-

اسی خط میں آگے لکھتے ہیں کہ "اب بجز روپیہ کے اور کسی چیز کی فکر نہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس خط کے پہونچنے کے بعد میر ظہور حسین صاحب کے پاس جائیے اور میری یہ درخواست ہے کہ دونوں صاحب مل کر کسی مہاجن سے میرے نے ہزار روپیہ قرض لیجئے ۔ سود اور روپیہ میں ادا کروں گا مگر چونکہ میں یہاں ہوں ، اس لیے کچھ بند و بست نہیں کر سکتا ۔ ہزار روپیہ بھیجنے کے لیے دلی لکھا ہے اور میں نے لکھا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ ظروف مسی تک فروخت کر کر ہزار روپیہ بھیج دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔کیا کہیئے، اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہوگیا ہے"[۱] ۔

نواب صاحب کو ایک اور خط میں سر سید نے اپنی کتاب کے مزید دو ابواب کی تکمیل کا مژدہ سنایا ہے ۔ ڈیون پورٹ کی کتاب کے ترجمے کے بارے میں استفسار کیا ہے اور گاڈفرے ہگنز کی کتاب تلاش کر لینے کی اطلاع دی ہے اور ان سے معجزات کے بارے میں مواد بھیجنے کی پھر التماس کی ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں : "میں نہایت خوشی سے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ دو باب میری کتاب کے اور ختم ہوگئے ۔ ایک بشاراتِ آنحضرت صلعم میں توریت و انجیل سے اور ایک حقیقتِ معراج و شقِ صدر میں ۔ مگر جب دیکھئے گا کہ کیا لکھا ہے تو معلوم کیجیے گا ۔

مسٹر ڈیون پورٹ کی کتاب کا ترجمہ کر ڈالا ؟ جب تک میں نہ آؤں ، اس کے چھاپنے کی فکر مت کرو ۔ نہایت مشکل سے میں نے ایک اور کتاب مسٹر ہگنز کی تلاش کی ہے ۔ وہ صرف ایک دفعہ چند نسخے چھاپہ ہوئے تھے ۔ وہ کتاب ایسی عمدہ ہے کہ مسٹر ڈیون پورٹ کی کتاب اس کے آگے آفتاب و ستارہ کی نسبت رکھتی ہے ۔

معجزات کا انتخاب اور اہل کلام نے جو تعریف معجزہ کی بیان کی ہے اور جو بحث اس پر کی ہے اور منکرینِ معجزات کا جو رد لکھا ہے ، اس کا انتخاب جلد بھیجو ، اس لیے کہ بالفعل میں نسبت نسب آنحضرت[ؐ] کے

۱- مکتوباتِ سر سید : مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، خط نمبر ۱۱ ، ص ۷۳ تا ۷۵ (نوشتہ یکم اکتوبر ۱۸۶۹ء) ۔

لکھ رہا ہوں ۔ پھر نسبت روایات کے لکھوں گا ۔ پھر نسبت قرآن کے ، پھر نسبت رسومِ جاہلیت کے اور یہ سب باب ایک مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں ختم ہو جاویں گے ۔ پھر بحثِ معجزات ہوگی"[1] ۔

ایک اور خط میں سر سید نے نواب محسن الملک سے کتاب کے نام کے بارے میں مشورہ طلب کیا ہے اور یہ اطلاع بھی دی ہے کہ اب اس کی پہلی جلد کے بارہ خطبے لکھے جا چکے ہیں ۔ خط کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو :

"اب اس کتاب کا حال سنیئے جو تصنیف ہو رہی ہے ۔ جس کا نام آپ تجویز کر دیجئے ۔ انگریزی میں اس کا نام ہے "اے سیریز آف ایسیز آن دی لیف آف محمد" اور عربی میں اس کا نام میں رکھنا چاہتا ہوں "خطبات احمدیہ علی سیرۃ محمدیہ" ۔ میں نہیں جانتا کہ ناموں پر الف لام لانا جائز و صحیح ہے یا غلط ، یعنی اگر بجائے نام مذکورہ بالا کے یہ نام رکھا جاوے تو دل کو اچھا معلوم ہوتا ہے ۔ "خطبات الاحمدیہ علی السیرۃ المحمدیہ" اور یہ نام بھی ہو سکتا ہے "خطبات احمدیہ علی سیرۃ سیدنا محمد رسول اللہ" ۔ "خطبات الاحمدیہ علی العرب و السیرۃ المحمدیہ" ۔ یہ آخر کا نام بموجب قواعد نحویہ کے صحیح ہو تو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے ۔ بہرحال آپ تجویز کر کر جلد بھیج دیں ، کیونکہ اس خط کا جواب آنے تک اس کی پہلی جلد انشاء اللہ تعالیٰ ضرور چھپ جاوے گی ۔ مگر خیال رہے کہ نام میں لفظ خطبات کا ضرور ہو ، اس لیے کہ میں نے ہر ایک حصہ کو بلفظ خطبہ تعبیر کیا ہے ۔ پہلی جلد میں بارہ (۱۲) خطبے ہیں جو مرتب ہوچکے ۔ برابر چھپ رہے ہیں ۔

خطبۂ اول : جغرافیہ عرب کا مخلوط تاریخِ عرب سے ، جس میں کمال عقیق سے ثابت کیا ہے کہ فاران ، مکہ کے پہاڑ ہیں ، جہاں سے پیغمبر ہونے کی توریت میں بشارت تھی ۔

خطبۂ دویم : رسم و رواج و عادات عربوں کے زمانۂ جاہلیت میں ،

۱۔ مکتوباتِ سر سید : مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ۔ خط نمبر ۱۲ ، ص ۸۷ ، ۹۷ (نوشتہ ۲۶ نومبر ۱۸۶۹ء) ۔

جس میں دکھایا گیا ہے کہ اسلام نے کس قدر ان کو آراستہ کیا -

خطبۂ سویم : عرب میں کس قدر مذاہب قبل اسلام کے جاری تھے اور ان میں سے اسلام کس سے مناسبت رکھتا ہے اور اس نسبت سے اسلام کا بھی خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہوتا ہے یا صرف ایک بنایا ہوا مذہب فقط -

خطبۂ چہارم : یہودی اور عیسائی مذہب کو اسلام سے فائدہ ہوا یا نقصان ہوا -

خطبۂ پنجم : اوپر بیان حالت کتب اسلامی کے -

خطبۂ ششم : مذہبی روایتوں اور ان کے اعتبار و عدم اعتبار کا حال -

خطبۂ ہفتم : قرآن مجید پر - اس میں نہائت عمدہ عمدہ بحثیں ہیں -

خطبۂ ہشتم : تاریخِ مکہ و تاریخِ بزرگانِ آنحضرت صلعم -

خطبۂ نہم : نسب نامۂ آنحضرتؐ اور جواب ان تمام بحثوں کا جو آنحضرتؐ کے نسب نامہ کی نسبت کی ہیں -

خطبۂ دہم : بیان بشارات آنحضرت صلعم از توریت و زبور -

خطبۂ یازدہم : حقیقت شقِ صدر و معراج -

خطبۂ دوازدہم : حالات آنحضرت صلعم پیدائش سے بارہ برس کی عمر تک کے"[۱] -

ایک اور خط میں لکھتے ہیں : "میں اپنا حال آپ کو کیا لکھوں - سکتہ سا ہو گیا ہے - دن رات کی محنت و مشقت سے اور اس طرح طرح کی تکلیف سے جو میرا دل ہی خوب جانتا ہے ، جلد اول خطبات الاحمدیہ کی تصنیف تمام ہوئی اور اسی مہینہ میں چھاپہ بھی تمام ہو جاوے گا - اب جو اندازہ اس کے یعنی ایک جلد کے چھاپہ کی لاگت کا کیا گیا تو ڈھائی ہزار روپیہ سے زیادہ کا معلوم ہوتا ہے - ہوش جاتے رہے ہیں اور جان میں جان نہیں

۱- مکتوبات سر سید : مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، خط نمبر ۱۳ ص ۸۱ ، ۸۲ (نوشتہ ۱۴ دسمبر ۱۸۶۹ء) -

ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری جلد کے چھاپہ شروع کرنے کی بابت نہایت تردد ہے ۔ بہرحال اس خط کا جواب آنے تک جو آخر فروری میں آ جائے گا ، اس کا چھاپہ شروع نہیں ہو سکتا ۔ پس جو آپ کی رائے اس باب میں ہو ، وہ بھی ارقام فرمائیے"[1] ۔

اس سے اگلے خط میں تحریر کرتے ہیں : "انگریزی مصنفوں اور جناب میور صاحب نے ایسا کچھ لکھا ہے کہ ممکن نہیں ہے کہ ان کی چار جلدوں کا جواب چار جلد سے کم میں آوے ۔ جلد اول میری کتاب کی ، بالکل جواب ہے ان کی پہلی جلد کا اور اور مصنفوں کا جنہوں نے اس قدر مضمون پر لکھا ہے ۔ میرے ہم قوم اس محنت کی جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے قدر نہیں کرنے کے ، بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کفر مرتد بتلاویں گے ، کیونکہ میں پابندِ تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے ۔ پس ہمارے شفیق تمام چیز کو چھوڑ کر انہیں مسئلوں کی بدولت فتوئ کفر دیں گے ۔

خطبۂ بشارات کا پروف آپ کے پاس بھیجتا ہوں ۔ اس کو پڑھو اور انصاف کرو کہ میں نے کیا لکھا ہے اور میں فخر سے کہتا ہوں کہ جناب حضرت مولوی امداد العلی صاحب بھی ایسا نہ لکھ سکیں گے"[2] ۔

نواب محسن الملک کے نام بعض دوسرے خطوط میں سر سید نے حجرِ اسود ، قصۂ باغِ ارم ، قصۂ عاد و ثمود ، حدیثِ غرانیق اور سدِ سکندری کے بارے میں اپنی تحقیق کے نتائج درج کیے ہیں اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ انہوں نے (سر سید نے) حضرات علمائے مسلمین کی تاریخیں آلٹ ڈالی ہیں (خط نمبر ۱۶ ، ۱۸) ۔ انہیں خطوط میں ایک جگہ انہوں نے گاڈفرے ہگنز کی تحقیق سے مکمل استفادہ کا اور ساتھ ہی بعض مسائل میں اپنی نادر تحقیق کا ذکر کیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"آیت "یاتی من بعدی اسمہ احمد" کا نہایت عمدہ بیان مسٹر

۱- مکتوباتِ سر سید ، مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، خط نمبر ۱۴ ، ص ۸۳ ، ۸۴ (نوشتہ ۱۰ جنوری ۱۸۷۰ء) ۔

۲- ایضاً ، خط نمبر ۱۵ ، ص ۸۵ ، ۸۶ (نوشتہ ۲۱ جنوری ۱۸۷۰ء) ۔

ہگنز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور بخوبی بجنسہ اس آیت کا موجود ہونا انجیل یوحنا میں ثابت کیا ہے اور وہ وہی مشہور لفظ فارقلیط کا ہے مگر جس طرح پر کہ اس کو مسٹر ہگنز نے ثابت کیا ہے اس کو پڑھ کر مسلمان متعصب مولویوں کو غیرت کرنی چاہیے کہ جو کام ان کے کرنے کا تھا اس کو ایک غیر مذہب کے منصف شخص نے کیا ۔ میں نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا ، بعینہ مسٹر ہگنز کی تحریر نقل کر دی ہے ۔ مگر ایک اور عمدہ بات "میں نے یہ ثابت کی ہے کہ نام آنحضرتؐ کا محمدؐ توریت میں موجود ہے ۔ چنانچہ عبری توریت میں وہ لفظ اور نشان شمائل آنحضرتؐ کے بجنسہ نکالے ہیں ۔ مگر افسوس ہے کہ اس پر بھی میں کافر ہوں اور یارانِ باد فروش واعظ گو مسلمان"[1] ۔

اسی طویل خط کے آخری حصے میں "خطباتِ احمدیہ" کے دیباچے کے مندرجات سے مکتوب الیہ کو ان الفاظ میں آگاہ کرتے ہیں : "میں نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں ان انگریزوں کی تصنیف کا حال جنھوں نے آنحضرتؐ پر اعتراض کیے ہیں ، لکھا ہے اور ان انگریزوں کا جنھوں نے نہایت انصاف سے مذہبِ اسلام کی حمایت کی ہے شکر کیا ہے اور ان کے اقوال اور رائیں بھی جا بجا نقل کی ہیں ۔ من جملہ ان کے دو شخصوں کی رایوں کے دو پرچے اس عریضہ میں ملفوف کرتا ہوں ۔ ان کے ترجمے صحیح صحیح لکھیے اور دیکھیے کہ کیا چیز ہیں اور میرے حق میں دعائے خیر کیجیے کہ میں نے کس کس محنت سے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں ۔ ہزاروں باتیں کہنے کو ہیں ، کہاں تک لکھتا جاؤں" ۔

نواب محسن الملک کے نام سرسید کے ان خطوط سے "خطباتِ احمدیہ" کے بارے میں درج ذیل اہم حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں :

۱۔ کتاب کا نام پہلے "مواعظِ احمدیہ" رکھا گیا تھا لیکن بعد میں تبدیل کر کے "خطبات الاحمدیہ" کے نام سے اسے موسوم کیا گیا ۔

۲۔ انگریزی میں اس کا نام "اے سیریز آف ایسیز آن دی لائف آف

۱۔ مکتوباتِ سر سید : مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، خط نمبر ۱۸ ، ص ۹۲ ، ۹۳ (نوشتہ ۱۶ مارچ ۱۸۷۰ء) ۔

محمدؐ" تجویز کیا گیا ۔

۳۔ سر سید نے سر ولیم میور کی "لائف آف محمد"ؐ کے جواب میں کتاب لکھنے کا ارادہ ہندوستان میں کیا تھا لیکن اس کی تکمیل انگلستان میں ہوئی ۔

۴۔ "خطباتِ احمدیہ" پوری "لائف آف محمدؐ" کا نہیں بلکہ صرف اس کی پہلی جلد کے اعتراضات کا جواب ہے ۔

۵۔ "خطباتِ احمدیہ" میں پہلے دس مضامین لکھے گئے تھے ، بعد ازاں دو مضامین اور ایک دیباچہ کا اضافہ کیا گیا ۔

۶۔ یہ کتاب اگست ۱۸۶۹ء میں شروع ہوئی اور دسمبر ۱۸۶۹ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی ۔

۷۔ اس کے انگریزی ترجمہ اور اشاعت کا کام ساتھ ساتھ ہوا ۔ ایک ایک جُز کا انگریزی ترجمہ ، اُردو مضامین کے لکھنے کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا اور چھپتا رہا ۔ پہلی جلد کی تکمیل جنوری ۱۸۷۰ء کے اختتام تک ہو چکی تھی (البتہ اس کی اشاعت مارچ ۱۸۷۰ء کے بعد ہوئی)[1] ۔

۸۔ سر سید ، ولیم میور کی کتاب کی چار جلدوں کا جواب چار جلدوں میں ہی دینا چاہتے تھے ، لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے پہلی جلد سے آگے نہ بڑھ پائے ۔ پہلی جلد میں ولیم میور کے علاوہ دیگر غیر مسلم مصنفین کے آنحضرتؐ پر مختلف اعتراضات کا بھی جواب دے دیا گیا ہے ۔

۹۔ سر سید نے بعض مسلمان انگریزوں کی کتابیں تلاش کر کے شائع کروائیں ، ان کا اردو ترجمہ کروایا اور اپنی کتاب "خطباتِ احمدیہ" میں ان سے استفادہ کیا ۔

۱۰۔ "خطباتِ احمدیہ" (کا انگریزی ترجمہ) کسی ہندوستانی مسلمان کی انگریزی میں سیرتِ رسولؐ پر پہلی کتاب ہے ۔

۱۔ "خطباتِ احمدیہ" کے انگریزی ترجمہ کا دیباچہ سر سید نے مارچ ۱۸۷۰ء میں تحریر کیا ۔

۱۱- اس کتاب کی تالیف کے وقت سر سید سے نواب محسن الملک اور بعض دیگر احباب نے قلمی تعاون کیا -

۱۲- "خطبات احمدیہ" میں سرسید نے جمہور مسلمین سے صرف دو تین مسائل میں اختلاف کیا ہے اور یوں اپنی کتاب کو متنازع فیہ ہونے سے بچایا ہے -

۱۳- "خطبات احمدیہ" میں مصنف نے روایت کو زیادہ اہمیت دی ہے اور عقلی دلائل کے پہلو بہ پہلو قرآن و حدیث کو بھی بطور سند پیش کیا ہے -

۱۴- اس کتاب میں آنحضرتؐ کی بارہ برس کی عمر تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں -

یوں لگتا ہے کہ سر سید کے نزدیک "خطبات احمدیہ" کی تالیف کسی مذہبی فریضے سے کم نہ تھی - یہی وجہ ہے کہ جب وہ اس کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو انہیں اپنے اس کارنامے پر بے حد خوشی ہوئی - انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ نواب محسن الملک کو بتایا تھا کہ اگر ان کی یہ کتاب حسب خواہش تیار ہوگئی تو وہ لندن آنے کو دس حج کے برابر سمجھیں گے - اسی طرح ایک اور خط میں نواب صاحب کو بتایا کہ "میری کتاب خطبات احمدیہ ایک مسلمان عالم متبحر نے پڑھی ، جو قسطنطنیہ سے یہاں آیا ہے - جو الفاظ کہ اس نے کہے اور مجھے لکھے اور جس طرح میرے ہاتھ چومے ، اس کی لذت میں ہی جانتا ہوں"[1] -

اس کتاب کے بارے میں بعض انگریزوں کی آراء بھی قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ کتاب انہیں کے ہم مذہب سر ولیم میور کے خیالات کی تردید کے لیے لکھی گئی تھی - ریورنڈ ہوپر پرنسپل ڈیونٹی کالج لاہور نے حالی کے ایک دہلوی دوست سے جن سے وہ اردو پڑھتے تھے ، کہا کہ "مسلمانوں سے نہایت تعجب ہے کہ وہ سید احمد خاں کو کافر ، ملحد اور بد مذہب سمجھتے ہیں - ہمارے نزدیک جو کام سید احمد خاں نے اسلام کی حمایت کا کیا ہے ، وہ آج تک کسی مسلمان سے بن نہیں آیا ، جبکہ مسلمان اسلام کے

۱- مکتوبات سر سید : مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، خط نمبر ۲۱ ، ص ۱۱۰ (نوشتہ ۱۰ مئی ۱۸۷۰ء) -

سوا سب مذہبوں کو باطل یا غلط سمجھتے ہیں اور اسلام کا ماننا تمام بنی آدم پر فرض جانتے ہیں تو ان کا فرض تھا کہ جن کو وہ گمراہ سمجھتے تھے ان پر اسلام کی حقیقت اور اس کی خوبی ظاہر کرتے ، ان کے ملکوں میں جا کر انہیں کی زبان میں اسلام کی حمائت پر کتابیں لکھتے - میں نہیں جانتا کہ تیرہ سو برس میں سید احمد خاں سے پہلے کسی ایک مسلمان نے بھی ایسا کیا ہو''[1] -

اسی طرح مسٹر آرنلڈ مصنف ''دعوتِ اسلام'' کا بیان ہے کہ ''ایسی مثالیں تو پائی جاتی ہیں کہ کسی مسلمان نے بمقابلہ عیسائیوں کے اپنی زبان میں اپنے ہی ملک میں بیٹھ کر اسلام کی حمایت پر کوئی کتاب لکھی ہو اور اس کا ترجمہ کسی یورپ کی زبان میں ہو گیا ، لیکن مجھے کوئی ایسی مثال معلوم نہیں کہ کسی مسلمان نے یورپ میں جا کر یورپ ہی کی کسی زبان میں اس مضمون پر کتاب لکھ کر شائع کی ہو''[2] -

حالی کی روایت کے مطابق ''سر سید کہتے تھے کہ ۱۸۷۰ء میں جب ''خطباتِ احمدیہ'' چھپ کر لندن میں شائع ہوئی تو اس پر لندن کے ایک اخبار میں ایک انگریز نے لکھا کہ عیسائیوں کو ہوشیار ہونا چاہیے کہ ہندوستان کے ایک مسلمان نے انہیں کے ملک میں بیٹھ کر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے دکھایا ہے کہ اسلام ان تمام داغوں اور دھبوں سے پاک ہے جو عیسائی اس کے خوش نما چہرے پر لگاتے ہیں''[3] -

کرنل گراہم جنھوں نے ۱۸۸۵ء میں انگریزی میں ''لائف اینڈ ورک آف سر سید احمد خاں'' کے عنوان سے ۴۱۲ صفحات پر مشتمل سوانح عمری لکھی تھی[4] ، ''خطباتِ احمدیہ'' کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اس کتاب سے مصنف کا غیر معمولی تعمقِ نظر ، غیر مذہبوں سے بے تعصبی اور اصلی عیسائیت کے سچے اصول کا ادب ظاہر ہوتا ہے''- پھر عیسائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ ''جو لوگ مذہبی باتوں سے دلچسپی رکھتے ہیں ، ان کو چاہیے کہ اس کتاب کو

---

۱ ، ۲ ، ۳- حیاتِ جاوید : حالی ، ص ۳۳۰ ، ۳۳۱ -

۴- کرنل گراہم (بعد ازاں میجر جنرل جی ، ایف ، آئی گراہم) کی اس کتاب کا ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ایک نیا ایڈیشن آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ، کراچی سے شائع ہوا جس کی اشاعتِ ثانی ۱۹۷۹ء میں ہوئی -

غور سے پڑھیں - دینِ محمدی فی زمانہ انگریزوں کے نزدیک بالکل ایک غیر معقول اور سخت متہم دین ہے اور وہ اس کو ایک روحانی آفت خیال کرتے تھے - وہ (اسلام) عموماً ایک تلوار کا مذہب خیال کیا جاتا ہے اور ہر ایک چیز تعصب ، مغائرت اور تنگ دلی کی اس میں خیال کی جاتی ہے لیکن ہمارے ناظرینِ کتاب جو اس غلطی میں مبتلا ہیں ، جب سید احمد خاں کی اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ بالکل دوسرے خیالات لے کر اٹھیں گے- ہمارے مصنف (سر سید) نے اپنے دلی دوست سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمدؐ" کی تحریروں کی مخالفت کی ہے اور خوب چٹکیاں لی ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ بے تعصب اور نکتہ سنج ناظرینِ کتاب بہت سی باتوں میں سر ولیم میور کے خلاف فیصلہ دینے میں اتفاق کریں گے"[1] -

سرسید سے پہلے بھی اسلام اور بانیٔ اسلامؐ پر علمائے کرام نے کتابیں لکھی تھیں اور عیسائیت کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کی حتی المقدور کوشش کی تھی لیکن سر سید کی "خطباتِ احمدیہ" کئی امور میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے - حالی نے "حیاتِ جاوید" میں چار ایسی وجوہ گنوائی ہیں ، جن کی وجہ سے "خطباتِ احمدیہ" کو اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتابوں پر ترجیح دی جا سکتی ہے - حالی کا خیال ہے کہ "یہ وجوہات فی الواقع ایسی ہیں ، جن کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ سر سید سے پہلے کسی مسلمان سے اسلام کی ایسی خدمت بن نہیں آئی -

۱- سر سید سے پہلے دنیا کے کسی مسلمان نے بھی یورپ کا سفر محض اس غرض سے نہیں کیا تھا کہ وہاں جا کر اسلام کی حمایت کے لیے بڑے بڑے کتب خانوں سے میٹریل جمع کرے ، وہیں بیٹھ کر عیسائیوں کی تردید اور اسلام کی تائید میں کتاب لکھے ، یورپ ہی کی کسی زبان میں جو تمام بر اعظم میں عموماً بولی اور سمجھی جاتی ہو ، اس کا ترجمہ کرائے اور وہیں اس کو شائع بھی کرے - یوں اسلام کی خوبیاں ان قوموں کے کان تک پہنچائے جنھوں نے تیرہ سو برس سے کبھی اسلام کی

---

1. The Life and Work of Sir Syed Ahmad Khan : Major-General G.F.I. Graham. Cxford University Press, Karachi, second impression, 1979, Page 70, 71.

بابت لڑائی کے سوا کوئی بات نہ سنی ہو ۔

۲۔ سر سید نے اس کتاب میں مناظرے کے مخاصمانہ طریقے کی بجائے ، جو مخالف کے دل میں نفرت اور ضد پیدا کرتا ہے ، ایک ایسا دوستانہ اور غیر متعصبانہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے جو کسی کو ناگوار نہیں گزرتا ۔

۳۔ "خطباتِ احمدیہ" میں الزامی جوابوں کی بجائے ، جو علمائے اسلام کا عام چلن تھا ، ہر ایک اعتراض کا ٹھنڈے دل سے محققانہ جواب دیا گیا ہے ۔ جوابی الزام تراشی سے شاید عام مسلمانوں کی تسلی ہو جاتی ہو اور بعض عیسائی بھی خاموش ہو جاتے ہوں لیکن اس طریقِ کار سے ان لوگوں کی زبان بند نہیں ہو سکتی ، جو اسلام اور عیسائیت دونوں مذاہب کو حجت تسلیم نہیں کرتے یا مذہب کی قید سے بالکل آزاد ہیں ۔

۴۔ سر ولیم میور نے عیسائی مشنریوں کا وہ قدیم اور فرسودہ طریقہ ترک کر دیا تھا ، جس کے مطابق وہ اسلام پر نکتہ چینی کرتے تھے اور جس کی وجہ سے انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی ۔ اس کی بجائے سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں نکتہ چینی کا ایک ایسا طریقہ اختیار کیا تھا ، جو تعلیم یافتہ لوگوں پر ، خواہ وہ مسلمان ہوں ، خواہ ہندو اور خواہ عیسائی ، بہت زیادہ اثر کرنے والا تھا ۔ مثلاً قدیم مشنری ، مسلمانوں کی کتبِ سیر و احادیث پر اعتراض کرتے تھے کہ وہ مثل انجیلوں کے الہام سے نہیں لکھی گئیں اور جن روایتوں سے آنحضرتؐ کے معجزات اور پیش گویاں ثابت کی جاتی ہیں ، وہ اعتبار کے لائق نہیں ہیں ، مگر ولیم میور نے ان کے برخلاف تمام روایتوں کو جو مسلمانوں کی حدیثوں ، تفسیروں اور سیر کی کتابوں میں مندرج ہیں ، صحیح تسلیم کر کے آنحضرتؐ کی تعلیم اور اخلاق وغیرہ پر نکتہ چینی کی تھی ۔ یا مثلاً پادری فانڈر وغیرہ اسلام کے برخلاف عقلی دلیلیں پیش کرتے تھے اور اس کی تعلیم کو انبیاء کی روحانی تعلیم کے منافی بیان کرتے تھے مگر سر ولیم میور نے بجائے عقلی دلیلوں کے تاریخی شہادتیں پیش کی تھیں اور بجائے اس کے کہ اسلام کی تعلیم کو روحانیت کے برخلاف ثابت کریں اس کو زمانۂ حال کی شائستگی اور تمدن و حسنِ معاشرت کے برخلاف

ظاہر کیا تھا ۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی اور تنزل کو اسلام کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیا تھا اور مسلمان بادشاہوں کی عیاشی ، سفاکی اور خون ریزی کا جواب دہ اسلام کو ٹھہرایا تھا ۔ یہ باتیں بے شک غلط تھیں لیکن انہیں اس خوبصورت طریقے سے پیش کیا گیا تھا کہ انہوں نے جدید تعلیم یافتہ طبقے پر جادو کا اثر کیا ۔ سر سید نے "خطبات احمدیہ" میں ان تمام مغالطوں کو نہایت مدلل اور دل نشیں دلائل سے رفع کیا ۔ انہوں نے دو طویل خطبوں میں صرف مسلمانوں کی مذہبی کتابوں اور ان روایتوں کا ، جو ان کتابوں میں درج ہیں ، مفصل حال بیان کیا ہے جو انصاف پسند طبائع کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ان خطبوں میں روایات کی جانچ پڑتال کے بعد جو اصول و قواعد محدثین نے مقرر کیے ہیں اور معتبر و غیر معتبر روایتوں کی پرکھ کے لیے جو معیار قائم کیا ہے ، اس کی تشریح اس شرح و بسط کے ساتھ کی ہے کہ وہ روایات بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہیں ، جن کی بنا پر سر ولیم میور نے اسلام کی تعلیم اور آنحضرتؐ کے اخلاق کو نشانۂ تنقید بنایا تھا ۔ سر سید نے ثابت کیا ہے کہ اسلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو زمانۂ حال کی تہذیب و شائستگی کے خلاف اور دنیوی ترقی میں رکاوٹ ہو ۔ رہے مسلمانوں کے اعمال و کردار ، تو اس کے لیے وہ خود جواب دہ ہیں"[1] ۔

"خطبات احمدیہ" ایک تمہید (دیباچہ) اور بارہ مقالات پر مشتمل ۸۰۳ صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے[2] ۔ ہر مقالہ کو خطبہ کا نام دیا گیا ہے ۔ کتاب کے نام کی طرح ہر مقالے کا عنوان بھی عربی میں ہے ، جس کی تفصیل اور ترجمہ درج ذیل ہے ۔

۱- الخطبة اولٰی فی جغرافیہ جزیرة العربیہ و امم العرب العاربہ والمستعربہ (یعنی ملک عرب کا جغرافیہ اور اس کی قوموں کا حال) ۔

۱- حیات جاوید : حالی ، ص ۴۳۰ تا ۴۳۲ ۔

۲- مقالات سر سید (حصہ یازدہم) : مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۶۳ء ، تمام تر "خطبات احمدیہ" پر مشتمل ہے ۔

۲- الخطبة الثانیہ فی مراسم العرب و عاداتھم قبل الاسلام (یعنی اسلام سے قبل عربوں کی رسمیں اور اُن کی عادتیں) ۔

۳- الخطبة الثالثہ فی الادیان المختلفہ التی کانت فی العرب قبل الاسلام (یعنی اسلام سے پہلے عرب کے مختلف مذاہب اور ادیان کا ذکر) ۔

۴- الخطبة الرابعہ فی ان الاسلام رحمة للانسان و جنّة لادیان الانبیاءؑ با وضح البرہان (یعنی اسلام انسان کے لیے رحمت ہے اور تمام انبیاءؑ کے مذاہب کی پشت پناہ) ۔

۵- الخطبة الخامسہ فی حالات کتب المسلمین (یعنی مسلمانوں کی مذہبی کتابوں ۔ کتبِ حدیث ،کتبِ سیر ، کتبِ تفسیر اور کتبِ فقہ ۔ کے بیان میں) ۔

۶- الخطبة الساد سہ فی الروایات فی الاسلام (یعنی مذہبِ اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور ان کے رواج کی ابتدا) ۔

۷- الخطبة السابعہ فی القرآن و ہو الہدیٰ و الفرقان (یعنی قرآن کریم آنحضرتؐ پر کس طرح نازل ہوا) ۔

۸- الخطبة الثامنہ احوال بیت اللہ الحرام و السوانح اللتی مضت فیھا قبل الاسلام (یعنی خانہ کعبہ اور اس کے گزشتہ حالات اسلام سے قبل) ۔

۹- الخطبة التاسعہ فی حسبہ و نسبہ علیہ الصلٰوة والسلام (یعنی آنحضرتؐ کے نسب نامہ کے بیان میں) ۔

۱۰- الخطبة العاشرہ فی البشارة المذکورة فی التوراة و الانجیل (یعنی آنحضرتؐ کی بشارات کے بیان میں جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں) ۔

۱۱- الخطبة الحادی عشر فی حقیقة شق الصدر و ماھئیة المعراج (یعنی شقِ صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان میں) ۔

۱۲- الخطبة الثانی عشر فی ولادتہ و طفولیتہ علیہ الصلٰوة والسلام (یعنی آنحضرتؐ کی پیدائش اور حضورؐ کے بچپن کے حالات ۔ ۱۲ برس کی

عمر تک ۔)'

تمہید میں سر سید نے سب سے پہلے مذہب کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور سچے مذہب کو پرکھنے کا واحد اصول اس کا قدرت یا قانونِ قدرت کے مطابق ہونا قرار دیا ہے اور اسلام کو قانونِ قدرت کی پاسداری کرنے کی وجہ سے دنیا کا سچا مذہب ثابت کیا ہے ۔ اس کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کی تحریر کردہ کتبِ سیرت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے ۔ پہلے تو انہوں نے محدثین کے کارناموں کے سلسلے میں امام ابوعیسیٰ ترمذی کی "شمائلِ ترمذی" کا حوالہ دیا ہے ، جو ان کے خیال میں آنحضرت ؐ کی زندگی کے حالات پر پہلی مکمل کتاب ہے ۔ پھر انہوں نے کتبِ احادیث میں موجود روایات کو پرکھنے کے وہ اصول و قواعد گنوائے ہیں جو پیشِ نظر ہوں تو آنحضرت ؐ کی سوانحِ حیات کے صحیح واقعات تک رسائی ہوتی ہے ۔ کتبِ سیر میں انہوں نے ابنِ اسحٰق ، ابنِ ہشام ، واقدی ، طبری ، الشامی ، ابوالفدا ، مسعودی اور قسطلانی کی کتابوں کا نام لیا ہے جو خاص آنحضرت ؐ کے حالات کے لیے لکھی گئی ہیں ۔ ان کے علاوہ عربی اور فارسی کی اور کتبِ سیرت بھی موجود ہیں لیکن ان کا ماخذ یہی کتابیں ہیں ۔ سر سید کی رائے میں یہ سب کتابیں سچی اور جھوٹی روایتوں کا مجموعہ ہیں ، جن میں صحیح اور غلط کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جو کتابیں ان میں زیادہ قدیم ہیں (مثلاً ابن اسحٰق ، ابن ہشام ، واقدی اور طبری کی کتابیں) ان میں اس قسم کا اختلاط نسبتاً زیادہ ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سیرت نگاروں نے روایات جمع کرنے پر زیادہ توجہ دی لیکن ان کی چھان بین کا کام آئندہ نسلوں پر چھوڑ دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ اب فنِ سیر کی تمام کتابوں میں صحیح و موضوع ، جھوٹی اور سچی ، سند اور بے سند ، ضعیف و قوی اور مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں ۔

اس کے بعد سر ولیم میور کے اس قول پر تبصرہ کیا ہے کہ "آنحضرت ؐ کے حالاتِ زندگی کی تین کتابیں ہشامی، واقدی ، طبری ایسی ہیں

۱۔ مقالاتِ سرسید (حصہ یازدہم) : مرتبہ محمد اسمٰعیل پانی پتی (مشتمل بر "خطباتِ احمدیہ") ، ص ۲ تا ۴ ۔

کہ جو شخص دانش مندی سے آنحضرت ؐ کے حالات لکھے گا ، تو وہ اپنی تحریر کے لیے انہیں کتابوں کو سند گردانے گا" ۔ سر سید کو ان کتابوں کی ہر روایت کے مستند ہونے سے انکار ہے کیونکہ وہ روایت و درایت کے اسلامی معیار پر پوری نہیں اترتیں ۔ پھر انہوں نے ڈاکٹر اسپرنگر اور سر ولیم میور کے پسندیدہ سیرت نگار واقدی پر نکتہ چینی کی ہے ، جو ان دونوں کی کتبِ سیرت کا بڑا ماخذ ہے ، حالانکہ علمائے اسلام کے نزدیک وہ کچھ ایسا معتبر نہیں ۔ البتہ ابوالفدا کی کتاب کی سر سید نے تعریف کی ہے اور اسے بڑی حد تک اعتبار کے لائق گردانا ہے ، تاہم اس سے بھی انہیں یہ شکایت ہے کہ اس نے تحقیق و تنقیح کا راستہ اختیار نہیں کیا ۔

اس کے بعد سر سید ان عیسائی مؤرخین کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام کے بارے میں قلم اٹھایا ۔ وہ بڑے افسوس سے اقرار کرتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ کے مصنفین مثلاً ڈینیل (Daniel) لوتھر (Luther) ملانک تھن (Melancthon) ، سپان ہیم (Spanheim) ، ڈی ہربی لاٹ (De Herbelot) وغیرہ کی کتابیں انہیں دستیاب نہیں ہو سکیں ، تاہم جو کچھ ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں ، ان سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کتابوں میں بجز سخت کلامی ، اور بد زبانی کے اور کچھ نہیں ہے ۔ پھر مراکسی (Maracci) کا ذکر کیا ہے ، جو سخت متعصب مصنف ہے اور جس کا دل بغض و کینہ اور زبان طعن و تشنیع سے بھری ہوئی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ڈین پریڈی (Dean Prideaux) پر بھی مذہب اسلام بہت شاق گزرتا ہے اور اگر اس کی کتاب پڑھی جائے تو مذہبِ اسلام سے اس کی ناواقفیت پر ہنسی آتی ہے ۔ ان مؤرخوں کے علاوہ ہاٹنجر (Hottinger) ، گیگنیئر (Gagnier) ، ری لنڈ (Reland) ، اوکلی (Ockley) نے بھی اسلام اور بانیٔ اسلام کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں ، جن تک سر سید کی رسائی نہیں ہو سکی ۔ پھر انہوں نے گوئٹے (Goethe) ، اماری (Amari) ، نولڈیکی (Noldike) ، اور ڈوزی (Dozy) کا ذکر کیا ہے اور "کوارٹرلی ریویو" میں چھپے ہوئے ایک مضمون کے حوالہ سے اسلام سے ان کی ہمدردی کی تعریف کی ہے ۔ اس کے بعد مشہور عیسائی مؤرخ ڈاکٹر اسپرنگر (Dr. Sprenger) کی انگریزی اور جرمنی زبان میں لکھی ہوئی کتبِ سیرت پر گرفت کی ہے ۔ ڈاکٹر اسپرنگر کی انگریزی تصنیف ۱۸۵۱ء

میں الہ آباد سے شائع ہوئی جسے سر سید نے یہ کہہ کر ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے کہ ایک تو اس میں غلطیوں کی بھرمار ہے اور دوسرے طرزِ بیان بے حد مبالغہ آمیز ہے ، جس کی آنچ یک طرفہ آراء اور تعصبات نے اور تیز کر دی ہے ۔ اپنی رائے کی تائید میں سر سید نے سر ولیم میور کا قول پیش کیا ہے ، جس کے مطابق اسپرنگر نے آنحضرتؐ کے ما قبل زمانہ کے عرب کا ، خود آنحضرتؐ کا اور ان کی سیرت و کردار کا جو حال لکھا ہے ، وہ سب غلط آراء پر مبنی ہے ۔ پھر سر سید نے ڈاکٹر اسپرنگر کی جرمن زبان میں چھ جلدوں میں لکھی آنحضرتؐ کی سیرت کا ذکر کیا ہے ، جس سے وہ زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھا سکے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ اس کے مصنف نے بھی ابن اسحٰق اور واقدی سے زیادہ تر مطالب اخذ کیے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کتاب بھی دیگر عیسائی مؤرخین کی کتابوں کی طرح تحقیق و تلاش سے معریٰ ہوگی ۔

اس کے بعد سر سید ، سر ولیم میور کی چار ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب ''لائف آف محمد'' کا محاکمہ کرتے ہیں ۔ اس کتاب کے بارے میں رائے دیتے وقت انہوں نے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ، چنانچہ جہاں وہ ولیم میور کی کتاب کو عیسائی مصنفوں میں سب سے عمدہ قرار دیتے ہیں ، جو ان کے خیال میں نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھ لکھی گئی ہے اور جس کے مصنف کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ وہ مشرق اور مغربی علوم سے پوری طرح واقف ہے اور اسی لیے یہ کتاب یورپ کے پڑھے لکھے لوگوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے ، وہیں وہ کتاب کے اس نقص کی نشان دہی کرنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس کی بنیاد بھی واقدی کی روایات پر ہے ، جو مسلمانوں میں درجۂ اعتبار نہیں رکھتا اور اس لیے اس کی روایات ناقابلِ قبول ہیں ۔ پھر انہوں نے دوسرا بڑا نقص یہ بتایا ہے کہ جس منشاء اور مطلب سے سر ولیم میور نے یہ کتاب لکھی ہے ، وہ واقعات کی تہہ تک پہنچنے والا نہیں ہے اور اسی لیے ناپسندیدہ ہے ۔ انہوں نے سر ولیم میور کے اس اعتراف پر بھی گرفت کی ہے کہ ''اس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اول اس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب (Rev. C. G. Pfander) نے جو اس بات میں مشہور ہیں کہ انہوں

نے مسلمانوں سے مباحثہ میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی ، اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اس کے پیروؤں کے پڑھنے کے لیے مناسب ہو ، ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کی جاوے ، جس کو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہیں ، چنانچہ میں نے اسی منشاء سے مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کو پڑھا اور اس کتاب کو لکھا'' ۔ گویا سر ولیم میور کا محرکِ تصنیف صداقت کی تلاش اور آنحضرتؐ کی عقیدت نہ تھا ، بلکہ عیسائیت کے فروغ کے لیے ایک ایسا ہتھیار فراہم کرنا تھا ، جو وہ مسلمانوں پر استعمال کرنا چاہتے تھے ۔ یوں ولیم میور کی ذہنی سطح بھی اس عہد کے عیسائی پادریوں سے بلند نہ ہو سکی اور سر سید ان کی طبعی نیکی اور قابلِ ستائش لیاقت کی تعریف کرنے کے باوجود یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ''ان کی طبیعت پر اس غرض و منشا' سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسا اثر پیدا ہوا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی ان کو 'بری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہ اثر ان کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اس کے سبب سے ان کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں ان کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ اس حدِ اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھو دیا اور وہ مطلب حاصل نہ ہوا جس کے لیے پادری پی فنڈر صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی'' ۔

آخر میں سر سید نے بعض ایسے منصف مزاج عیسائی مؤرخین کا ذکر کیا ہے جنھوں نے بغیر تعصب کے اسلام اور آنحضرتؐ کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے اور تنگ نظر مخالفین کے مقابلہ میں اسلام کی حمایت کی ہے ان میں ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) ، گاڈفری ہگنز (Godfrey Higgins) ، ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) ، اور جان ڈیون پورٹ (John Davenport) کی انھوں نے بطورِ خاص تعریف کی ہے اور ان کی تحریروں کے اقتباسات نقل کیے ہیں جن میں اسلام اور اس کے بانی کا بڑے شریفانہ لب و لہجہ میں ذکر کیا گیا ہے اور ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے ، جو متعصب عیسائیوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے پیدا کر رکھی تھیں ۔ سر سید تسلیم کرتے ہیں کہ بعض

مقامات پر ان منصف مزاج مؤرخین نے بھی کچھ سقم اور نقصان بیان کیے ہیں ، لیکن اس کا سبب (سر سید کے خیال میں) ان کا تعصب نہیں بلکہ عدم واقفیت ہے جس کی وجہ سے وہ یا تو حقیقت کو سمجھے نہیں یا پھر غلط سمجھ گئے -

تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے ، جو بارہ مقالات پر مشتمل ہے ، ہر مقالہ کو خطبہ کا نام دیا گیا ہے -

پہلا خطبہ : یہ خطبہ کتاب کا سب سے طویل مقالہ ہے جو ۱۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور طوالت و جامعیت کے اعتبار سے بجائے خود ایک کتاب ہے - اس میں مصنف نے ملک عرب کا مفصل تاریخی جغرافیہ درج کیا ہے تاکہ ان مسلمات کو ثابت کیا جا سکے ، جن کا سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں انکار کیا تھا - چنانچہ سب سے پہلے عرب کی وجہ تسمیہ ، حدود اربعہ ، بناوٹ اور اس میں بسنے والی اقوام کا ذکر کیا گیا ہے ، جنہیں عرب البائدہ (صحرائی عرب) عرب العاربہ (قدیمی عرب) اور عرب المستعربہ (پردیسی عرب) کے تحت تقسیم کیا گیا ہے - پھر حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیل کے مکہ میں آباد ہونے ، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر ، حضرت اسماعیل کی بجائے حضرت اسحٰق کے ذبیح ہونے ، حضرت اسماعیل کی بیویوں اور بارہ بیٹوں کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کا تذکرہ ہے - پھر اقوام عاد و ثمود کا عرب میں ہونا اور حضرت ہود اور حضرت صالح کا ان میں مبعوث ہونا ، تاریخی شواہد سے ثابت کیا گیا ہے - بعد ازاں عرب کے بادشاہوں اور ان کی حکومتوں کی تفصیل ہے - پھر جبل فاران کے بارے میں تحقیق کر کے بتایا گیا ہے کہ یہ شام میں نہیں (جیسا کہ ولیم میور کا خیال ہے) بلکہ مکہ کے پہاڑ کا نام ہے ، جس کے حوالے سے آنحضرت ؐ کی بعثت کی بشارت ملتی ہے ، کیونکہ توریت میں اسی پہاڑ کا ذکر کیا گیا ہے - اس کے بعد آنحضرت ؐ کا اولادِ اسماعیل سے ہونا ثابت کیا گیا ہے ، جس سے سر ولیم میور نے انکار کیا تھا - پھر انگریزی لفظ "سراسین" کی تحقیق ہے جو ازراہِ حقارت عربوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے - مقالہ کے آخر میں مولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی کے نتائجِ فکر سے بھرپور استفادہ کیا گیا

ہے ، جنھوں نے یہودیوں کی کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت حاجرہ لونڈی نہیں بلکہ بادشاہِ مصر کی بیٹی تھیں ، جنھیں باپ نے خود حضرت ابراہیم کے نکاح میں دیا تھا ۔ سر سید نے اپنے خیالات کی تائید اور عیسائی مصنفین کی غلط بیانیوں کی تردید کے لیے قرآن مجید ، بائیبل ،کتبِ احادیث کتبِ تاریخ ، کتبِ جغرافیہ ، کتبِ تفاسیر اور دیگر علمی کتابوں کے جا بجا حوالے دئیے ہیں ۔

دوسرا خطبہ : ۴۲ صفحات کے اس مختصر سے خطبہ میں اسلام سے قبل عربی اقوام کی عادات و خصائل ، رسم و رواج اور عقائد و اوہام پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ عہدِ جاہلیت کے اخلاق کا صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے آ سکے ۔ یہاں تفصیل سے جاہلی شعرأ کے کلام سے مثالیں پیش کی گئی ہیں ، جن میں امرأ القیس ، لبید ، طرفہ ، نابغہ ، عمرو ، حاتم طائی ، باہلی ، ہذلی ، بکری ، زبیدی ، حسن ، عوص اور حارث وغیرہ کے اشعار قابلِ ذکر ہیں ۔ پھر ان مشہور بتوں کا ذکر ہے جن کی عرب پرستش کرتے تھے ، مثلاً ہبل ، ود ، سواع ، یغوث ، یعوق ، نسر ، عزیٰ ، لات ، منات ، دوار ، اساف ، نائلہ اور عب عب وغیرہ ۔ اس کے بعد خانہ کعبہ اور دو مزید معابد کا ذکر ہے اور حج کی رسم کا بیان ہے ، جو حضرت ابراہیم کے وقت سے جاری تھی۔ بعد ازاں عربوں کی عام اخلاق، ازدواجی اور معاشرتی حالت اور زندگی اور موت کی مروجہ رسومات کا تذکرہ ہے ۔ یہ مقالہ اس لیے لکھا گیا ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی کیا حالت تھی اور اسلام کے بعد ان کے اخلاق و عادات اور عقائد و افکار میں کیا انقلاب برپا ہوا ۔

تیسرا خطبہ : یہ خطبہ بھی مختصر ہے اور صرف ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں ان مذاہب کا حال بیان کیا گیا ہے جو اسلام سے پہلے عرب میں موجود تھے ۔ مصنف نے ان میں اور اسلام میں اشترا ک و اختلاف کے پہلو تلاش کیے ہیں اور بتایا ہے کہ اسلام سے قبل اہلِ عرب چار فرقوں میں منقسم تھے (۱) بت پرست (۲) خدا پرست (۳) لامذہب اور (۴) معتقدینِ مذہبِ الہامی ۔ ان میں سے پہلے تین مذاہب کا ذکر کرنے کے بعد عرب کے ان چار الہامی مذاہب کی تفصیل بیان کی ہے :

(۱) مذہبِ صابئی (۲) مذہبِ ابراہیمی اور دیگر انبیاء عرب یعنی حضرت اسماعیل ، حضرت ہود ، حضرت صالح اور حضرت شعیب کا مذہب (۳) مذہبِ یہود (۴) مذہبِ عیسوی ۔ مصنف نے ثابت کیا ہے کہ اسلام نے سابقہ الہامی مذاہب کی تصدیق کی ہے اور یہی چیز اس کی صداقت کی دلیل ہے ۔

چوتھا خطبہ : یہ خطبہ خاصا طویل ہے اور ۹۳ صفحات پر محیط ہے ۔ اس میں مصنف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام دنیا میں رحمت کا باعث ہے اور اس نے تمام انبیاء کے مذاہب کی پشت پناہی کی ہے ، بالخصوص یہودیت اور عیسائیت کو اس سے بہت فوائد پہنچے ہیں ۔ مصنف نے اس خطبہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلے حصے میں وہ فائدے بیان کیے گئے ہیں جو مذہب سے عموماً انسان کی معاشرت کو پہنچے ہیں ۔ اس کے ثبوت میں ان عیسائی مصنفین کے اقوال درج کیے ہیں ، جنھوں نے بنی نوع انسان کے لئے اسلام کے مفید ہونے کا اقرار کیا ہے ۔ مثلاً سر ولیم میور ، ایڈورڈ گبن ، جان ڈیون پورٹ اور ٹامس کارلائل وغیرہ ۔ توہماتِ باطلہ کو کالعدم کرنا ، بت پرستی کا موقوف کرنا ، وحدانیت کا اقرار اور رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا وہ خوبیاں ہیں ، جن کا تعلق عقائد سے ہے ۔ اخوت و مساوات کی تلقین ، یتیموں سے حسنِ سلوک ، غلاموں پر شفقت ، نشہ آور اشیا سے پرہیز کا تعلق معاشرتی فوائد سے ہے ۔ ان احسانات کا اعتراف ولیم میور نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور سر سید نے ان کے حوالہ سے اسلام کے بعض اور فوائد بھی گنوائے ہیں ۔ اسی طرح گبن کی "تاریخِ سقوط و زوالِ روما" سے ، جان ڈیون پورٹ کی "اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن" سے ، ٹامس کارلائل کی "لیکچرز آن ہیروز" سے اور "چیمبرز انسائیکلوپیڈیا" کے ایک مقالے سے ، سر سید نے متعدد اقتباسات نقل کر کے ، جن میں اسلام اور بانیٔ اسلام کے احسانات کا ذکر کیا گیا ہے ، یہ بات ثابت کی ہے کہ اسلام ہی دنیا کے حق میں رحمت کا پیغام ہے ۔

اس خطبہ کے دوسرے حصے میں سر سید نے ان عیسائی مصنفین کی رائے کی تردید کی ہے ، جنھوں نے اسلام کو بنی نوع انسان کی معاشرت

کے حق میں نقصان دہ ثابت کیا ہے ۔ مثلاً سر ولیم میور نے "لائف آف محمد" میں مذہب اسلام سے پیدا ہونے والی تین خرابیوں کا ذکر کیا ۔ (۱) اسلام نے تعددِ ازدواج اور طلاق کی اجازت دی ہے اور غلامی کو مستحکم کیا ۔ (۲) اسلام نے مذہبی آزادی میں رکاوٹ ڈالی اور تحمل کا تو اس میں نام و نشان نہیں ملتا ۔ (۳) اسلام نے عیسائیت کے فروغ اور اسے قبول کرنے میں مزاحمت کی ۔ سر سید نے ان تینوں اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے اور اپنے خیالات کی تائید کے لیے گاڈفری ہگنز اور جان ڈیون پورٹ کی کتاب سے مانٹسکو (Montesquieu) کی آراء نقل کی ہیں ، جنہوں نے تعددِ ازدواج کی نہ صرف تائید کی ہے بلکہ گرم ممالک میں اس کا جواز بھی فراہم کیا ہے ۔ اسی طرح جان ملٹن کا قول بھی درج کیا ہے ، جو ایک سے زیادہ شادیوں کا حامی ہے ۔ پھر طلاق کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے اور موسوی اور عیسوی تعلیمات سے اس کا موازنہ کر کے اسلامی احکامات کو باعثِ خیر و برکت قرار دیا ہے ۔ اسلامی تعلیمات کی وضاحت کے لیے قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی ؐ نقل کی گئی ہیں ۔ ان کے بعد انسدادِ غلامی کے سلسلے میں اسلام کی کوششوں کی تائید میں گاڈفرے ہگنز کی کتاب کے طویل اقتباسات دئے گئے ہیں اور بعد ازاں اس کی توثیق احادیثِ نبوی کے ذریعے کی گئی ہے ۔ سر سید نے اسلام چھوڑنے اور عیسائیت قبول کرنے میں رکاوٹ بننے والے الزام کی بھی اچھی طرح خبر لی ہے اور مذہبی آزادی کے اس تصور کو مبہم بتایا ہے ، جس کا ذکر سر ولیم میور نے اپنے اعتراض میں کیا تھا ۔ مذہبی جبر کے اعتراض کی تردید کے لیے جان ڈیون پورٹ ، گاڈفری ہگنز اور گبن کی کتابوں سے حوالے دئے گئے ہیں ، جو مسلمانوں کی مذہبی رواداری ، بے تعصبی اور انصاف پسندی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں ۔

خطبہ کے تیسرے حصے میں وہ فائدے بیان کیے گئے ہیں جو یہودیت اور عیسائیت کو اسلام کی بدولت حاصل ہوئے ہیں ۔ سر سید کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے پیغمبروں اور پاک شخصوں سے بد اخلاق کے ایسے ایسے افعال منسوب کیے تھے جو کسی بھی شریف انسان کے لیے باعثِ ننگ و عار ہیں ۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے ان خدا پرست بزرگوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کی تہمتوں سے بچایا اور

دنیا کے سامنے ان کی صحیح سیرت پیش کی ۔ اسلام نے تمام انبیاء کے معصوم اور بے گناہ ہونے کا اعلان کیا اور علمائے اسلام نے توریت کو غور سے پڑھ کر یہودیوں اور عیسائیوں کی غلطیوں کو ظاہر کیا ۔ اگر اسلام نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم ، حضرت لوط اور ان کی بیٹیوں ، حضرت اسحٰق ، حضرت یہودا ، حضرت یعقوب کی بیویوں اور بیٹیوں ، حضرت ہارون ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان پر توریت میں یہودیوں کے لگائے ہوئے الزامات کبھی رفع نہ ہوتے ۔ خطبہ کے چوتھے حصے میں سر سید نے وہ فائدے گنوائے ہیں جو اسلام کی بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ہیں ۔ سر سید کہتے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد دو عظیم شخصیات (حضرت یحییٰ[ؑ] اور حضرت عیسیٰ[ؑ]) کی تعلیمات پر ہے اور دنیا میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے ان دونوں کی بزرگی کا اعتراف کر کے عیسائیت کو تقویت پہنچائی ۔ اسلام نے حضرت یحییٰ کو خدا کا برگزیدہ پیغمبر اور حضرت عیسیٰ کو عبداللہ ، کلمۃ اللہ اور روح اللہ تسلیم کیا ۔ پھر اسلام نے عیسائیت کے مروجہ عقیدے ، تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کی غلطی ظاہر کر کے عیسائیوں کو حضرت مسیح[ؑ] کی اصل تعلیمات کی طرف متوجہ کیا اور انہیں وہی سچا مذہب (توحید) قبول کرنے کی استدعا کی جس کی دعوت حضرت عیسیٰ[ؑ] نے دی تھی ۔ اسی وجہ سے بعض عیسائیوں کی آنکھیں اسلام کی روشنی میں کھل گئیں اور انہوں نے عقیدۂ تثلیث کو غلط سمجھتے ہوئے خدا کو وحدہٗ لاشریک اور عیسیٰ مسیح[ؑ] کو خدا کا بندہ تسلیم کیا ۔ عیسائیوں کا یہ فرقہ یونی ٹیرین (موحدین) کہلاتا ہے ۔ علاوہ ازیں اسلام نے ہی عیسائیوں کو پوپ کے بے انتہا ناجائز اختیارات سے نجات دلائی ، چنانچہ مقدس لوتھر پر ، جس نے پاپائیت کے خلاف آواز اٹھائی اور پروٹسٹنٹ فرقے کا بانی ہوا ، اس کے مخالف اعلانیہ الزام لگاتے تھے کہ وہ دل سے مسلمان تھا ۔ مراکسی (Maracci) کی بھی یہ رائے ہے کہ اسلام میں اور لوتھر کے عقیدے میں کچھ بہت فرق نہیں ہے ، کیونکہ دونوں بت پرستی کے خلاف ہیں ۔ مارٹینس الفانسس ووالڈس (Martinus Alphansus Vivaldus) کی رائے میں تیرہ نشانیاں یہ ثابت کرنے کے لیے موجود ہیں کہ اسلام اور لوتھر کے مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

پانچواں خطبہ : اس خطبہ میں مسلمانوں کی دینی کتابوں یعنی کتبِ احادیث ، کتبِ سیر ، کتبِ تفاسیر اور کتبِ فقہ کی تالیف و ترتیب کا منشاء ، غرض اور ڈھنگ بیان کیا گیا ہے تاکہ ان کتابوں کی طرزِ تصنیف سے واقف ہو کر غیر مسلم محققین آئندہ گمراہ نہ ہوں اور جب کبھی اسلام پر قلم اٹھائیں تو ان کے لیے ایک سیدھا راستہ موجود ہو ۔ ۲۲ صفحات کے اس مختصر سے خطبہ میں سرسید نے پہلے تو کتبِ حدیث میں موجود روایات کی پرکھ کے لیے ان اصول و قواعد پر روشنی ڈالی ہے جو محدثین نے بڑی کاوش سے مرتب کیے تھے اور جن کے ذریعے معتبر اور غیر معتبر روایات میں تمیز کی جا سکتی ہے ۔ پھر صحاح ستہ کا ذکر کیا ہے جنہیں دیگر کتبِ احادیث کے مقابلے میں زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنا ضروری سمجھا ہے کہ ان میں بھی مشتبہ اور موضوع احادیث کے ہونے کا احتمال ہے ۔ کتبِ سیرت پر بحث کرتے ہوئے سرسید نے ان میں غیر مستند روایات کی موجودگی کا امکان کتبِ احادیث کی نسبت زیادہ ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں کے جملہ علوم میں علمِ سیرت سب سے زیادہ غور اور تحقیق کا محتاج ہے ۔ اسی لیے وہ تاریخِ محمد اسماعیل بخاری ، تاریخِ طبری ، طبقات ابن سعد اور دیگر معروف کتبِ سیرت مثلاً مدارج النبوۃ ، قصص الانبیاء ، معراج نامہ ، شہادت نامہ ، مولود نامہ وغیرہ سب کتابوں کو یکساں حالت کی حامل قرار دیتے ہوئے ان کی سب روایات کو مستند ماننے سے انکار کرتے ہیں ۔ کتبِ تفسیر اور کتبِ فقہ کے بارے میں بھی سر سید کی رائے کم و بیش وہی ہے ، جو کتبِ حدیث اور کتبِ سیرت کے متعلق ظاہر کی گئی ہے ۔

چھٹا خطبہ : یہ خطبہ مذہبِ اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور ان کی ترویج و اشاعت کے بارے میں لکھا گیا ہے ۔ ۸۳ صفحات پر مشتمل اس طویل مقالہ میں مصنف نے روایات کی اصلیت اور ان کی ترویج و اشاعت ، اختلافِ روایات کے مختلف اسباب اور احادیثِ موضوعہ سے بحث کر کے ڈاکٹر اسپرنگر اور ولیم میور کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو انہوں نے اس قسم کی روایات سے استدلال کر کے بانیٔ اسلام اور اسلام پر کیے تھے ۔ خطبہ کے نصفِ آخر میں ڈاکٹر اسپرنگر اور سر ولیم میور کے غلط طرزِ استدلال کی جھلک دکھانے کے لیے سرسید ، قصۂ غرانیق ، آنحضرتؐ کے خضاب لگانے اور آپ کی مہر کی مثالیں پیش کرتے ہیں اور روایات اور

سے انکار کیا ہے اور آپؐ کے نسب نامہ کے بارے میں شبہات ظاہر کیے ہیں ۔ سر سید نے اس خطبہ میں یورپ کے عیسائی محققوں اور جغرافیہ دانوں کی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد عرب میں آباد تھی ۔ اس کے بعد توریت کی شہادتوں سے اس امر کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ حجر اسود ، قربانی کی رسم اور کعبہ کا بیت اللہ نام ہونا ، سب حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد سے متعلق ہیں ، کیونکہ اسی قسم کی رسومات کا ذکر حضرت ابراہیم ، حضرت اسحٰق ، حضرت یعقوب اور حضرت موسٰی کے حالات میں ملتا ہے ۔ سر سید نے بڑی محنت سے سر ولیم میور کے اعتراضات کا پردہ چاک کیا ہے ۔ آخر میں مصنف نے مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ کی مختصر تاریخ بھی بیان کی ہے اور عمال کعبہ کا ذکر کرنے کے بعد واقعہ اصحاب فیل پر اسے ختم کیا ہے ، کیونکہ آنحضرتؐ اسی سال پیدا ہوئے تھے ۔

نواں خطبہ : یہ خطبہ آنحضرتؐ کے حسب و نسب کی تحقیق پر ہے اور صرف ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں آنحضرتؐ کے بنی اسمٰعیل ہونے سے یہ کہہ کر انکار کیا تھا کہ "غالباً یہ کوشش کہ وہ (آنحضرتؐ) اسمٰعیل کی نسل سے ثابت کیے جائیں، ان کی حین حیات میں پیدا ہو گئی تھی اور اس پر محمدؐ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچے میں ڈھالے گئے تھے"۔ دراصل ولیم میور کو آنحضرت کے حسب و نسب پر اعتراض کرنے کا موقع اس لیے ملا کہ آنحضرتؐ کا نسب کتب تفسیر میں متفق طور پر صرف عدنان تک مسلسل بیان ہوا ہے مگر عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک اہل سیر نے جتنی پشتیں درج کی ہیں ، ان میں اختلافات موجود ہیں ۔ چنانچہ سر سید نے ولیم میور کے اعتراض کا جواب دینے کے لیے خطبہ کا آغاز ، علم الانساب میں عربوں کی کامل مہارت سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ عربوں کو اپنے حافظہ پر بہت ناز تھا جو اپنے اپنے قبیلے کی تمام پشتیں یاد رکھتے تھے اور اپنے حسب پر فخر کرتے تھے اور حریفوں کے حسب نسب میں عیب نکالتے تھے ۔ کتابت کے بغیر کسی قبیلے کی پشتوں کو بہ ترتیب یاد رکھنا چونکہ مشکل تھا اس لیے مشہور اشخاص کے نام

تو یاد رہتے تھے لیکن دوسروں کے نام بھول جاتے تھے ۔ اسی لیے بعض اوقات درمیانی کڑیاں گم ہو جایا کرتی تھیں ۔ پھر ایک ہی نام کے کئی کئی اشخاص نسب ناموں میں ہوا کرتے تھے یا ایک ہی شخص کے کئی کئی نام ہوتے تھے ، چنانچہ جب آنحضرتؐ کا نسب نامہ سلسلہ وار لکھنے کی ضرورت پیش آئی ، تو یہی دقتیں سامنے آئیں ۔ بہرحال ناموں کے اختلاف کے باوجود آنحضرتؐ کا سلسلۂ نسب حضرت اسمٰعیل تک ہی پہنچتا ہے اور اگر آنحضرتؐ کا نسب نامہ عدنان تک خاص عرب کی ملکی روایتوں سے اور عدنان سے آگے یہودیوں سے لیا گیا ہے تو اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں کیونکہ بنی اسمٰعیل ، بنی اسرائیل کے قرابت دار تھے اور اپنے پڑھے لکھے بھائیوں کی مدد لینے میں پوری طرح آزاد تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ آنحضرتؐ نے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت دی تھی ۔ اس ساری بحث کے بعد تائید کے لیے سر سید نے ابوالفداء، گبن اور ریورنڈ چارلس فاسٹر (Rev. Charles Foster) جیسے مؤرخین کی آراء نقل کی ہیں اور آخر میں آنحضرتؐ کا نسب نامہ ، جیسا کہ انہوں نے خود تحقیق کیا درج کیا ہے اور اپنا نسب نامہ بھی اس میں شامل کر دیا ہے کیونکہ وہ حضورؐ کی نسل میں سے ہیں ۔

دسواں خطبہ : اس خطبہ میں جو ۴۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ، مصنف نے وہ بشارتیں درج کی ہیں ، جو آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں توریت اور انجیل میں موجود ہیں ۔ اس مقالہ کے آغاز میں سر سید نے قرآن کی وہ آیات نقل کی ہیں ، جن میں بتایا گیا ہے کہ توریت اور انجیل میں بھی آپؐ کی نبوت کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ان کے بعد وہ وجوہات بیان کی ہیں جن کی وجہ سے قدیم مسلمان علماء نے سابقہ آسمانی صحائف میں ان بشارتوں کی تلاش نہیں کی ۔ پھر ان محققوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے توریت اور انجیل کے وہ مقامات دریافت کیے جہاں حضورؐ کے نبی ہونے کی خوشخبری موجود تھی لیکن انہوں نے ان کتابوں کے ابواب اور آیات کے حوالے نہیں دئیے تھے ۔ پھر اپنی کاوش کا ذکر کیا ہے اور وہ بشارتیں نقل کی ہیں ، جن کا اطلاق آنحضرتؐ پر ہوتا ہے ۔ آنحضرتؐ کے سلسلے کی بشارات درج کرنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان بشارتوں کا ذکر کیا ہے جو عہد نامۂ عتیق میں موجود تھیں تاکہ پتہ چل سکے کہ ان کا انداز اور طریقۂ تعبیر کیا تھا ۔ پھر آنحضرتؐ کے بارے میں چھ بشارتیں عہد نامۂ عتیق سے اور تین بشارتیں

عہد نامہ جدید سے نقل کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی بشارات کے مقابلے میں یہ بشارتیں زیادہ صاف ، روشن اور واضح ہیں - انجیل کی بشارتوں میں "فارقلیط" (احمد) نام کے پیغمبر کے آنے کی بشارت بالخصوص قابلِ ذکر ہے جس کے ضمن میں سر سید نے بڑی دلچسپ بحث کی ہے -

گیارھواں خطبہ : اس خطبہ میں ، جو ۵۵ صفحات کا ہے ، سر سید نے آنحضرت کے سینہ مبارک کے شق کرنے کی حقیقت اور واقعہ معراج کی ماہیئت بیان کی ہے - انہوں نے اس سلسلے میں کتبِ حدیث میں سے وہ تمام روایات درج کی ہیں ، جو ان دو عجیب و غریب واقعات کے بارے میں ہیں اور ان کا باہمی اختلاف اور تناقض دکھایا ہے - سر سید شقِ صدر کی بجائے شرحِ صدر کے قائل ہیں اور واقعہ معراج کو صرف قرآن کے حوالے سے مانتے ہیں - رہا احادیث میں معراج کا ذکر ، تو وہ اسے محض رویا قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے کی تمام روایات کو متعارض اور متناقض ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے - وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے کبھی ان باتوں کے درحقیقت واقع ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ، چنانچہ "قرآن مجید سے اور نیز ان روایتوں سے جو راویوں نے معراج کی نسبت بیان کی ہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ مکہ سے بیت المقدس گئے ہیں اور اگر اس روایت کو جس میں شقِ صدر کا بھی ذکر ہے صحیح مانا جاوے تو یہ بھی آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کا سینہ چاک کر کے ان کا دل پانی سے دھویا گیا ہے اور اسی خواب میں آنحضرت نے اور بھی کچھ خدا کی نشانیاں دیکھیں جن کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں" - شقِ صدر اور واقعہ معراج کے بارے میں عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب بھی سر سید نے دلیے ہیں اور خود عیسائیوں کو ملامت کی ہے کہ وہ ان سے بھی زیادہ محیر العقول واقعات پر ایمان رکھتے ہیں ، جو بائیبل میں درج ہیں ، مثلاً حضرت الیاس کا ایک آتشیں گاڑی پر بیٹھ کر زندہ آسمان پر چلے جانا اور حضرت عیسیٰ مسیح کا مر کر جی اٹھنا ، آسمان پر جانا اور خدا کے دائیں ہاتھ جا کر بیٹھ جانا وغیرہ - گویا اس مقالہ میں سر سید نے الزامی اور تحقیقی ہر دو طرح سے عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب

دیئے ہیں ۔

بارھواں خطبہ : اس آخری خطبہ میں ، جو ۳۸ صفحات پر محیط ہے ، سر سید نے آنحضرتؐ کی ولادت سے بارہ برس تک کی عمر کے واقعات معتبر اور صحیح روایتوں کی مدد سے بیان کیے ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ان بے شمار روایات کی تردید بھی کرتے چلے گئے ہیں ، جو سیرت کی کتابوں میں بھری ہوئی ہیں ، لیکن ان کی حقیقت مشتبہ ہے ۔ خطبہ کا آغاز آنحضرتؐ کے والد حضرت عبداللہ کی آمنہ بنت وہب کے ساتھ شادی سے ہوتا ہے اور مختصر سے بیان کے بعد ان کی وفات اور آنحضورؐ کی پیدائش کا تذکرہ ہے ۔ بقول مصنف ، آنحضرتؐ عام الفیل کے پہلے برس بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور عیسوی تقویم کے مطابق آپؐ کا سن پیدائش ۵۷۰ء بنتا ہے ۔ پھر حضورؐ کی پیدائش کے متعلق عجیب و غریب روایات کا حوالہ دیا ہے (کسریٰ کے محل میں زلزلہ آنا ، اس کے چودہ کنگورے گرنا ، فارس کے آتش کدے کا بجھنا ، موبدوں کا عجیب عجیب خواب دیکھنا ، چشمۂ ساوہ کا دفعتاً خشک ہونا وغیرہ) اور ان سب کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے ۔ پھر آنحضرتؐ کی رضاعت ، والدہ اور دادا کی وفات ، چچا ابو طالب کی کفالت ، سفر شام میں ان کی ہمراہی (جو سر سید کے نزدیک ثابت نہیں) اور زمانۂ طفولیت میں حضورؐ کے خصائل کا ذکر کیا ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ وہ سر ولیم میور کے اعتراضوں کے جواب بھی دیتے گئے ہیں ۔ سر ولیم میور نے عبدالمطلب کے اپنے پوتے کے لیے دعا مانگنے کی روایت کو مشتبہ ٹھہرایا ہے اور بارہ برس کی عمر تک آنحضرتؐ کے بعض واقعات تعریضاً بیان کیے ہیں ، مثلاً مدینہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ آپؐ کا کھیل کود میں مصروف رہنا ، اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو اڑا دینا ، رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا اور مدینہ سے حدیبیہ کو جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر رونا ۔ سر سید کہتے ہیں کہ "اگرچہ ان باتوں کی کوئی معتبر سند نہیں ہے لیکن اگر یہ سب باتیں تسلیم بھی کر لی جائیں تو یہ ایسی باتیں ہیں جو ایام طفولیت میں انسانی فطرت کے موافق ہوا کرتی ہیں" ۔ پھر ولیم میور نے آنحضرتؐ کے مختون پیدا ہونے کے بارے میں جن روایات پر اعتراض کیا ہے ، اس کا جواب سر سید نے دیا ہے اور مہر نبوت کی حقیقت بیان کی ہے ۔ فرشتے کے حکم پر آنحضرتؐ کا احمد

نام رکھا جاتا تاکہ انجیل میں "فارقلیط" نام رکھنے والے پیغمبر کی آمد کی پیش گوئی کا آپ پر انطباق ہو سکے ، یہ روایت بھی سر ولیم میور کے نزدیک درست نہیں اور سر سید نے اس کا بھی شافی جواب دیا ہے - پھر آنحضرتؐ کے شق صدر کے واقعہ کی وجہ سے حضورؐ کو صرع (مرگی) کے مرض میں مبتلا بتانا بھی ولیم میور کا الزام تھا ، جس کا سر سید نے اپنے رنگ میں تحقیقی جواب دیا ہے اور اس الزام کی تردید میں گبن کا قول نقل کیا ہے جو کہتا ہے کہ یہ یونانیوں کا ایک نامعقول اتہام ہے[1] - آخر میں آنحضرتؐ کی بچپن میں ہی عالی شخصیت اور اعلیٰ خیالات کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ آپ مادر زاد پیغمبر برحق تھے -

"خطبات احمدیہ" کا محرک تو سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" ہی ہے جس کا جواب دینے کے لیے سر سید احمد خاں نے انگلستان کی اہم لائبریریاں کھنگالیں اور سارا ضروری مواد اکٹھا کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں سب سے زیادہ حوالے (چاہے وہ تردید میں ہوں یا تائید میں) ولیم میور کی کتاب کے ہی آتے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی سر سید نے اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ، ان کی تعداد خاصی ہے - "خطبات احمدیہ" میں جن عربی اور فارسی کتابوں کے بار بار اقتباسات آتے ہیں ، ان میں سے چند ایک یہ ہیں : قرآن مجید ، صحیح بخاری، صحیح مسلم ، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ ، سنن نسائی ، جامع ترمذی ، مشکوٰۃ ، مسند احمد بن حنبل ، سیرت ابن ہشام ، کتاب المغازی (واقدی) تاریخ ابو الفداء ، معجم البلدان ، مروج الذہب ، طبقات ابن سعد ، تاریخ حمزہ اصفہانی ، تاریخ طبری ، کتاب الشفا ، مواہب اللدنیہ ، مدارج النبوۃ ، تفسیر بیضاوی ، تفسیر کشاف ، نزہۃ المشتاق (شریف

---

1 "His (Mohammeds') epileptic fits, an absurd calumny of the Greeks would be an object of pity rather than abhorrence" (Gibbon). In another place be remarks : "The epilepsy, or falling sickness, of Mohammed is asserted by THEOPHANES –ZONARAS, and the rest of the Greeks, and is greedily swallowed by the gross bigotry of HOTTINGER, PRIDEAUX, and MARACCI."

الادریسی)، تفسیر رازی ، المعارف ابن قتیبہ ، حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ) اور اخبارِ مکہ (ازرقی) وغیرہ ۔ اسی طرح ''خطباتِ احمدیہ'' میں بہت سی انگریزی اور کچھ فرانسیسی ، جرمن ، عبرانی اور لاطینی کتابوں کے حوالے بھی آئے ہیں جنہیں مصنف نے بعض خیالات کی تائید یا تردید کے لیے استعمال کیا ہے ۔ ان میں سے چند ایک کتابوں کے نام یہ ہیں : بائیبل ، چیمبرز انسائیکلوپیڈیا، بائیبل انسائیکلوپیڈیا ، جغرافیہ عرب (ریورنڈ فاسٹر)، عبرانی ڈکشنری ، سقوط و زوالِ روما (ایڈورڈ گبن) ، لیکچرز آن ہیروز (تھامس کارلائل) ، ترجمہ قرآن مجید (جارج سیل) ، تاریخِ دینِ مسیحی (ولیم میور) ، اپالوجی فار محمد (گاڈفرے ہگنز) ، اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن (جان ڈیون پورٹ) ، لائف آف محمد (پریڈو) ، لاطینی ترجمہ تاریخِ ابوالفدا (از ڈاکٹر ریورنڈ پوکاک) ، ڈائی کرائیکن ڈراسٹ مکہ ، بائیوگرافی آف محمد (اسپرنگر) اور ایکلیز یاسٹکل ہسٹری (موشیم) وغیرہ ۔ اس فہرست پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ سر سید نے ''خطباتِ احمدیہ'' کی تالیف میں کس قدر محنت سے کام لیا ہے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ سر سید نے از خود اعلیٰ تحقیقات کا دعویٰ نہیں کیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بساط بھر علمی تحقیق میں کمی بھی نہیں کی ۔ یہ بھی درست ہے کہ ''خطباتِ احمدیہ'' باقاعدہ سوانح عمری کی بجائے بارہ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے (اسی لیے مصنف نے اس کا نام سیرت کی بجائے خطبات رکھا) لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سر سید نے سیرتِ رسول ؐ کا پس منظر بیان کرنے کے بعد بارہ سال کی عمر تک آنحضرت ؐ کے حالات لکھ کر ایک نئی طرح ضرور ڈال دی اور بعد ازاں کوشش کی کہ اس کمی کو اپنی دوسری تصانیف میں دور کریں ۔ یہی وجہ ہے انہوں نے اپنی تفسیر القرآن میں سورۃ انفال کی تفسیر لکھتے وقت تمام غزوات اور سرایا کو اکٹھا کر کے ان پر جامع بحث کی ہے ۔ پھر اپنے انتقال سے چند روز پہلے انہوں نے ''ازواجِ مطہراتِ رسولِ خدا'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ، جو ان کی وفات کی وجہ سے ادھورا رہ گیا ۔ یہ مضمون ''مقالاتِ سر سید'' جلد چہارم میں شامل ہے اور ایک لحاظ سے ''خطباتِ احمدیہ'' کے موضوع کا حصہ ہے ۔

''خطباتِ احمدیہ'' پر کئی اعتراضات بھی کیے گئے ہیں اور اس کی

بعض کوتاہیوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے ۔ مثلاً محمد اسمٰعیل ندوی
نے اپنے مضمون ''علامہ شبلی'' میں سر سید کی اس کوشش کو سراہا ہے کہ
انہوں نے ''خطباتِ احمدیہ'' کے ذریعے دشمنانِ اسلام سے دین و ملت کی
مداوفت کی کوشش کی لیکن ساتھ ہی یہ کہہ کر نکتہ چینی بھی کی کہ
''سر سید میں دو بڑی کمیاں تھیں ، جس نے ان کے پورے علمِ کلام اور
اسلامی لٹریچر کی دینی و علمی قدر و قیمت میں بہت کمی پیدا کر دی ۔
ایک تو ان کی اسلامی علوم میں بے بضاعتی اور قلتِ مطالعہ ، دوسری
یہ کہ خود مغربی علوم سے ان کی براہ راست ناواقفیت اور سنی سنائی باتوں
پر پورا اعتماد اور بھروسہ ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے مستشرقین کی
مدافعت میں جو دلیلیں دیں وہ علمی اعتبار سے اتنی پھسپھسی ثابت ہوئیں
کہ موجودہ زمانے میں اہلِ نظر انہیں دیکھ کر ہنس پڑیں ۔ مثلاً تدوینِ
حدیث کے بارے میں ''خطباتِ احمدیہ'' میں یہ تحریر کرنا کہ امام بخاری
کے دور تک عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا ، للہذا کتابتِ حدیث
کا باقاعدہ آغاز دوسری صدی ہجری کے بعد ہوا ، حالانکہ موجودہ زمانہ
کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ خود دورِ نبویؐ ہی میں اس کی ابتدا
ہو چکی تھی''[1] ۔ سر سید پر اسلامی علوم میں بے بضاعتی اور قلتِ مطالعہ
کا الزام تو سراسر زیادتی ہے ، کیونکہ انہوں نے اوائلِ جوانی میں اسلامی
علوم کی باقاعدہ تحصیل کی اور تا دمِ مرگ اس دلچسپی کو برقرار رکھا
اور قلتِ مطالعہ کی تردید کے لیے اس فہرستِ کتب کو دیکھ لینا کافی
ہے ، جن سے انہوں نے ''خطباتِ احمدیہ'' کی تدوین کے دوران میں استفادہ
کیا ۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ (مستشرقین کی مدافعت میں نہیں ،
بلکہ) دینِ اسلام کی حمایت میں ان کا رویہ بعض اوقات معذرت خواہانہ
ہوجاتا ہے اور وہ اسلامی عقائد کو یورپ کے جدید معیارِ اخلاق کے مطابق
ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ جہاں تک دوسرے الزام کا تعلق ہے ،
اس میں بھی جزوی صداقت موجود ہے ۔ سر سید سنی سنائی باتوں پر
بھروسہ نہیں کرتے ، بلکہ ہر بات کی چھان بین کر کے اس کی تہ تک

۱۔ ''البصیر'' چنیوٹ ، شبلی نمبر ، شمارہ جون تا دسمبر ۱۹۵۷ء ، ص
۔ ۸۸

پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ البتہ یہ درست ہے کہ وہ مغربی علوم سے براہِ راست واقفیت نہیں رکھتے تھے ، مگر اس کمی کو انہوں نے قابلِ اعتماد مترجمین کی مدد سے دور کرنے کی کوشش کی ہے ۔ "خطباتِ احمدیہ" میں ولیم میور اور دوسرے مصنفین کی کتابوں کے جو جو اقتباسات درج کیے گئے ہیں ، اگر ان کا موازنہ اصل انگریزی عبارات سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بڑے لائق مترجم کی خدمات حاصل کی تھیں ۔ ویسے اگر مغربی علوم سے براہِ راست ناواقفیت جرم ہے ، تو ہمارے سب سے بڑے سیرت نگار شبلی نعمانی بھی اس میں برابر کے شریک ہیں ، جن کے بارے میں محمد اسماعیل ندوی صاحب نے اسی مضمون میں واضح کیا ہے کہ "موصوف نہ کسی مغربی زبان سے اچھی طرح واقف تھے اور نہ انہوں نے مغربی علوم کا براہِ راست مطالعہ کیا تھا" ۔ براہِ راست واقفیت کا یقیناً کوئی بدل نہیں ، لیکن اگر کوئی شخص دنیا کی سب اہم زبانوں پر عبور نہیں رکھتا اور ان کے علوم براہِ راست اس کی دسترس میں نہیں تو اس کوتاہی کو کسی حد تک تراجم کی مدد سے پورا کیا جا سکتا ہے ۔ ویسے شبلی کو فرنچ سے اور سر سید کو عبرانی سے تھوڑی بہت براہِ راست واقفیت تھی ۔ شبلی نے فرنچ ، سر تھامس آرنلڈ سے اور سر سید نے عبرانی ایک استاد سے باقاعدہ پڑھی تھی ، جس کا ثبوت ان کی سیرت پر لکھی ہوئی کتابوں میں ملتا ہے ۔ سر سید نے "خطباتِ احمدیہ" میں عبرانی بائیبل کے حوالے اسی زبان کے حروف میں پیش کیے ہیں اور پھر رومن تلفظ کے ساتھ ان حوالوں کے ترجمے بھی درج کر دئے ہیں[1] ۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے "خطباتِ احمدیہ" کو اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود ناتمام اور تشنہ قرار دیا ہے[2] اور یہ بات بالکل درست ہے ۔ خود سر سید کو اس کا احساس تھا کہ وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے ولیم میور کی کتاب کی صرف ایک جلد کا جواب ہی لکھ سکے ۔ اسی طرح ڈاکٹر

۱- پاکستان و ہندوستان کے خادمان سیرت : حسن مثنٰی ندوی (مقدمہ پیغمبرِ انسانیت : شاہ محمد جعفر پھلواروی ، ص ۱۵ ۔

۲- اردو میں سیرت نگاری : سید ابوالخیر کشفی (نقشِ سیرت ، مرتبہ ، نثار احمد) ، ص ٦٦ ۔

سید شاہ علی کا یہ تاثر بھی درست ہے کہ "سوانحی جزئیات (پیغمبر اسلام کی ولادت اور تعلیم و تربیت ، فصاحت و بلاغت ، مہرِ نبوت ، شقِ صدر وغیرہ) کی اس درایت (اصلیت اور ماخذ کا وقیع عقلی دلائل کی مدد سے سراغ لگانے کی کوشش) کے باوجود اس کے اندازِ تحریر میں ایک عیسائی مشنری کا سا جذبہ پایا جاتا ہے ، جس کا مقصد ، بیان سے زیادہ استحکام حقائق اور تردیدِ الزامات ہے - یہ جذبہ اصولِ سوانح نگاری کے خلاف سمجھا جاتا ہے - اس کے علاوہ اس کتاب میں حسنِ ترتیب کی بھی کمی ہے ، جو سوانح عمری کے لیے خواہ وہ مکمل ہو یا جزئی ، ضروری ہے - ضرورت سے زیادہ تنقید سوانحی پہلو پر گراں بار ہوتی ہے"[1] تاہم ڈاکٹر صاحب موصوف سر سید کو فنِ سیرت کے اماموں میں تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج بھی ان کی بلند پروازی کے آگے مصلحت اندیشی کے پر جلتے ہیں -

ڈاکٹر سید عبداللہ بھی "خطباتِ احمدیہ" کی علمی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس میں سیرت (آنحضرت ؐ کی حیاتِ پاک) کے اصول سے عالمانہ بحث ہے - جدید زمانے میں باقاعدہ طور پر شاید سب سے پہلے سر سید ہی نے سیرت کے اصول اور مبادی پر نظر ڈالی ہے - یہ بھی اردو میں ان کی اولیات میں سے ہے - سر سید نے "خطباتِ احمدیہ" لکھ کر جن علمی اصولوں کی بنیاد رکھی یا جن رجحانات کو ترقی دی ہے ، وہ یہ ہیں : (۱) سیرت کے ماخذ کی تنقید اور چھان بین (۲) تحقیقِ علمی میں مغربی مصنفوں کی کتابوں سے فائدہ اٹھانا (۳) انجیل وغیرہ سے قرآن کی صداقت کے ثبوت پیش کرنا (۴) عرب کے جغرافیائی حالات اور نسلی معلومات کی تحقیق (۵) اسلام کی تمدنی حیثیت کا مطالعہ[2] -

ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ رائے درست ہے کہ "خطباتِ احمدیہ" کے ذریعے سر سید نے علم کے دائرے میں مشرق اور مغرب کے فاصلے کو

۱- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۱۲۹ -

۲- سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۲۸ ، ۲۹ -

کم کیا ، اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب پر بھی ہمدردانہ نظر ڈالنے کی دعوت دی اور حقائق تک پہنچنے کے لیے عقل اور مشاہدہ کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی - پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سر سید کی اس کتاب کی بنیاد محض روایتی مذہبی علوم اور فلسفہ پر نہیں تھی بلکہ اس میں اپنے عہد کے جدید علوم کو بھی اہمیت دی گئی تھی - بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی "یہ کتاب مناظرے کی نیت سے نہیں لکھی گئی تھی بلکہ اس میں مغربی عوام کے لیے اسلام کی قدروں کو بیان کرنے کی مخلصانہ کوشش کی گئی تھی - سر سید احمد خاں کا زاویۂ نگاہ علمی اور عقلی تھا اور انہوں نے انگریزی میں اسلام پر لکھنے والے مصنفین کے لیے ایک خاص وضع قائم کر دی"[۱] -

"خطبات احمدیہ" موضوع اور اسلوب ، ہر دو اعتبار سے اپنی پیشرو کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے - سر سید سے پہلے کسی مسلمان مصنف نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی کہ مغربی دنیا اسلام اور بانیٔ اسلام کے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتی ہے اور اگر وہ گمراہ ہے تو اسے کیسے سیدھا راستہ دکھایا جا سکتا ہے ؟ سر سید نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا اور "خطبات احمدیہ" کے ذریعے اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر مغرب کے سامنے پیش کی - یہ درست ہے کہ سر سید سے پہلے مولوی رحمت اللہ کیرانوی ، مولوی آل حسن اکبر آبادی ، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی ، مولوی سید ناصر الدین اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نے متعدد ایسی کتابیں لکھیں جو عیسائیت کا رد تھیں یا انہوں نے عیسائیوں سے مناظرے کر کے دین اسلام کی برتری ظاہر کی ، لیکن ان کی ان کوششوں کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود رہا اور عیسائیوں میں جو غلط فہمیاں صدیوں سے پھیل چکی تھیں ، ان کا ازالہ نہ ہو سکا - مناظرانہ کتب میں فریق مخالف پر غالب آنے کی خواہش اور اپنی بات پر اڑے رہنے کی وجہ سے دیانت دارانہ تحقیق کا حق ادا نہیں

۱- بر عظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ : ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ، ترجمہ ہلال احمد زبیری ، کراچی یونیورسٹی ، کراچی ، ۱۹۶۷ء - ص ۳۱۰ -

ہوتا ۔ سر سید اس روش سے واقف تھے ، اس لیے انھوں نے اس سے ہٹ کر ایک نیا راستہ بنایا ۔ انھوں نے انگریزوں میں بیٹھ کر ، انھیں کی زبان میں (بذریعہ ترجمہ انگریزی) اور انھیں کے طرز استدلال میں "خطبات احمدیہ" لکھی اور مغربی دنیا کو مغربی مصنفین ہی کے دلائل سے قائل کیا ۔ سر الفریڈ لائل اس کتاب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "متعصبانہ نفرت و حقارت اور گالیوں کی بوچھاڑ کے بجائے اب ہمارے سامنے ایک معقول ادبی استدلال ہے ، جس سے عقلائی تنقید کی شروعات ہوتی ہے"[1] ۔

اسلوب تحریر کے اعتبار سے بھی "خطبات احمدیہ" اپنی معاصر تصانیف سے کوسوں آگے ہے ۔ سادگی ، بے تکلفی ، بے ساختگی اور مدعا نویسی ، سر سید کے انداز تحریر کی عام خصوصیات ہیں اور "خطبات احمدیہ" بھی ان اوصاف سے بہرہ ور ہے ۔ سر سید عبارت آرائی ، آرائش و زیبائش اور صنائع لفظی کی بجائے سلاست ، روانی اور سادگی کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور موضوع کے مطابق اسلوب بیان کا سانچہ وضع کرتے ہیں ۔ انھوں نے ایسی زبان استعمال کی ہے ، جو ان کے خیالات کا مناسب ترین ذریعہ اظہار ہے اور اس میں جوش و جذبہ اور اثر پذیری کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں ۔ حالی نے "حیات جاوید" میں ان کے اسلوب کے بارے میں کہا ہے کہ "(سر سید کے ہاں) ہر مقام کے مقتضا کے موافق تحریر کا رنگ خود بخود بدل جاتا ہے ۔ اگر ان کے علمی اور تاریخی مضامین میں دریا کے بہاؤ کی سی روانی ہے تو مذہبی اور پولیٹیکل تحریروں میں چڑھاؤ کی تیرائی کا سا زور ہے ۔ اعتراضات کے جواب میں متانت اور سنجیدگی ہے اور بے دلیل دعووں کے مقابلے میں ظرافت و خوش طبعی ، نصیحتیں ، نشتر سے زیادہ دل خراش اور مرہم سے زیادہ تسکین بخش ہیں"[2] ۔ سر سید اپنی تحریروں کو مؤثر بنانے کے لیے مشکل الفاظ ، بے جا تراکیب اور مغلق عبارت سے اپنا دامن بچاتے ہیں اور آیات قرآنی ، احادیث نبوی ،

---

1. Asiatic Studies, Religious and Social : Sir Alfred C. Lyall Loodon, 1882, Page 245.

۲۔ حیات جاوید : حالی ، ص ۶۳۰ ۔

عربی اقوال اور ضرب الامثال بکثرت استعمال کرتے ہیں ۔ ان کے فقروں کی قامت کہیں طویل اور کہیں مختصر ہوتی ہے اور ان کے پیراگراف اپنی "رعب انگیز عظمت" سے قاری کو مرعوب کر لیتے ہیں ۔ حسبِ موقع و ضرورت وہ اثر آفرینی کے وسائل سے بھی استفادہ کرتے ہیں ، اسی لیے ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ "صنائع بدائع سے انھیں ضرور چڑ تھی مگر قدرتی صنعت کاری کے آثار ان کے بیان میں موجود ہوتے ہیں ۔ انھوں نے تشبیہہ ، استعارہ اور تمثیل سے خاصا کام لیا ہے"[۱] ۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کو یہ شکایت ہے کہ "ان کی تحریروں میں لطافت اور نفاست کا عنصر بہت کم ہے" ۔ سر سید کی دیگر کتابوں (بالخصوص مضامین) کی حد تک تو یہ بات درست ہے ، لیکن "خطباتِ احمدیہ" اس عیب سے پاک ہے ۔ یہاں لطافت و نفاست کا اہتمام بھی ہے اور شائستگی و سنجیدگی کا بھی ۔ سر سید نے سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مؤرخین کے اعتراضات کا جواب دیتے وقت مناظرانہ ، معاندانہ یا مخاصمانہ انداز اپنانے کی بجائے انتہائی شائستہ ، عالمانہ اور سنجیدہ لب و لہجہ اختیار کیا ہے ۔ انھوں نے جوابی الزامات یا الزامی جوابات سے بھی گریز کیا ہے کیونکہ اس سے مخاطب قائل ہونے کی بجائے چڑ جاتا ہے ۔ اگر کہیں الزامی جواب کی ضرورت پڑی ہے تو نہایت نرم ، مشفقانہ اور مہذب زبان استعمال کی ہے اور جواب بھی تحقیق کرنے کے بعد دیا ہے ۔ یوں اپنے دوستانہ ، بے تکلفانہ اور بے تعصبانہ طریقِ استدلال سے وہ مخالف کا دل جیت لیتے ہیں ۔ "خطباتِ احمدیہ" بظاہر ایک سیرت کی کتاب ہے ، لیکن اس کی تالیف میں تاریخ ، جغرافیہ ، سوانح ، مذہب اور عربی شاعری کی بیسیوں کتابوں سے مدد لی گئی ہے اور کہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ سرسید اظہار میں لفظی یا معنوی لکنت کا شکار ہوئے ہیں ۔ وہ ہر موضوع پر بے تکلف اور بے تکان لکھنے پر قادر ہیں اور قدرتِ بیان کی یہی صفت ہے جو سر سید کو دیگر مصنفین پر فوقیت بخشتی ہے ۔ حالی کہتے ہیں کہ "مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مطلب کو اس طرح سلجھا کر ادا کر جانا کہ جو مضمون لفظوں میں سماتا نظر نہ آتا

۱- سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۵۲ ۔

ہو ، وہ ایسی خوبی سے ادا ہو جائے جیسے انگوٹھی پر نگیں جڑ دینا ۔ اس لحاظ سے جو قدرت سر سید کے قلم میں دیکھی گئی ہے وہ فی الواقع نادر الوجود تھی"[1] ۔

سر سید کی تحریر کا ایک بنیادی وصف ، بقول ڈاکٹر سید عبداللہ ، اس کا منطقی اعتبار سے مربوط اور مضبوط ہونا ہے ۔ استدلال کا رنگ ان کے فقروں اور 'پاروں' کی عمدہ تنظیم کرتا ہے ، مگر ڈاکٹر صاحب ، شبلی اور سر سید کے استدلالی نظام کو ایک دوسرے سے مختلف قرار دیتے ہیں ۔ ان کے خیال میں سر سید تمام دلائل کو ایک ہی سلسلے میں پرو کر اور باہم منسلک کر کے پیش کرتے ہیں مگر شبلی دلائل کے سلسلے کو ایک ایک کر کے ، الگ الگ کر کے پیش کرتے ہیں ۔ انہوں نے شبلی کے انداز کو مدرسانہ اور سر سید کے انداز کو مناظرانہ قرار دیا ہے اور موازنہ کے لیے "خطبات احمدیہ" اور "الکلام" کی عبارات کا حوالہ دیا ہے ، جو ان کی رائے میں ایک دوسرے کی عین ضد ہیں ۔ پھر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سر سید اپنے استدلال کے ذریعہ بیان میں زور اور قوت پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر شبلی ایک مدرس کی طرح اپنے دعویٰ کو واضح ، صاف اور روشن کرنا چاہتے ہیں ۔ ان کے خیال میں سر سید کی مذہبی تحریریں پر زور تو ہیں ، مگر شبلی کی تحریروں کی طرح واضح نہیں[2] ۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب سر سید کی تحریر کو منطقی اعتبار سے مربوط ، تنظیمی اعتبار سے عمدہ اور زور اور قوت سے 'پر بتاتے ہیں اور دوسری طرف اس پر غیر واضح ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں ۔ بھلا غیر واضح تحریر ، 'پر زور اور 'پر قوت کیسے ہو سکتی ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ سر سید کی مذہبی تحریروں (بالخصوص "خطبات احمدیہ") میں زور اور قوت ، ان کے مرتب اور منطقی ذہن کی پیداوار ہے ۔ انہوں نے جو طرز استدلال اختیار کیا ہے وہ محققانہ اور عالمانہ ہے اور جو لب و لہجہ اپنایا ہے ، اس میں متانت اور سنجیدگی ہے ۔ انہیں اوصاف نے ان کی

۱۔ حیات جاوید : حالی ، ص ۶۳۱ ۔

۲۔ سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۵۴ ۔

تحریروں کو قبولِ عام اور شہرتِ دوام کا تاج پہنایا ہے ۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے یہ کہہ کر "خطباتِ احمدیہ" کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ "قدیم وضع کے میلاد ناموں کو چھوڑ کر جدید طرز کے کلامی پہلو کو لیے ہوئے سب سے پہلے کون سی کتاب کس ہندوستانی مسلمان کے قلم سے وجود میں آئی ہے ؟ وہ باتفاق سر سید احمد خاں کی "خطباتِ احمدیہ" ہے ۔ اس کے جو دلائل و شواہد فرنگیوں کے مقابلہ میں اثباتِ رسالت میں پیش کیے گئے ہیں ، خصوصاً بشاراتِ توریت و انجیل کے ذیل میں ، ان پر اضافہ آج تک شاید ہی کچھ ہو سکا ہو"[1] ۔

۱۔ تذکرۂ سر سید ، محمد امین زبیری ، ص ۲۶۷ ۔

پانچواں باب

آردو سیرت نگاری کا عہدِ زرّیں

(۱)

(۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء)

اردو میلاد ناموں کی روایت

بیسویں صدی عیسوی میں اُردو میلاد ناموں کی روایت بدستور مستحکم و توانا نظر آتی ہے - اس دور میں بھی سینکڑوں مولود نامے لکھے گئے اور اُن کی ترکیب و ترتیب بھی کم و بیش وہی ہے ، جو پچھلی صدی کے مولود ناموں کی تھی - نثری مولود شریفوں میں نظم کی ویسی ہی پیوند کاری ہے ، جیسی اُن کے پیش روؤں میں تھی اور روایات کے ضعف کا حال بھی پہلے مولودوں سے مختلف نہیں - زبان اور طرزِ بیان میں بھی کسی انقلابی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے اور ساخت کے سانچے بھی کم و بیش ایک جیسے ہیں - آپ کسی بھی مولود نامے کو اُٹھا کر دیکھ لیں ، آغاز میں وہی نورِ محمدیؐ کا بیان ، وہی آدابِ محفلِ میلاد اور فضائلِ میلاد کا تذکرہ ، آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت کے وہی ان گنت محیر العقول واقعات کی تکرار ، ایامِ شیرخوارگی کے وہی معجزات . شقِ صدر کی وہی روایات ، شمائلِ نبویؐ کی وہی تفصیلات ، نسب نامۂ رسولِ مقبولؐ کی وہی کڑیاں ، معجزات کی وہی ریل پیل ، واقعۂ معراج کی وہی جزئیات اور آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کی وہی حکایات درج ہیں ، جو سابقہ مولود ناموں کا جزوِ لاینفک بن چکی تھیں - یہ ٹھیک ہے کہ حسبِ سابق ان مولود ناموں میں بھی مؤلفین نے اپنے عشقِ رسولؐ کا بڑھ چڑھ کر اظہار کیا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کتابوں کے ذریعے نیم خواندہ عوام کے روحانی جذبات کی تسکین کا وافر سامان بھی فراہم کیا گیا ہے ، لیکن اُن کا سب سے بڑا نقص وہی وضعی روایات کی بھرمار ہے ، جس کا پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے - آنحضرتؐ کے فضائل و مناقب میں اضافہ کرنے کے شوق میں اس صدی کے مؤلفینِ مولود شریف نے بھی غیر مستند روایات کو بلا جھجک نقل کیا ہے اور یہ سوچنا گوارا نہیں کیا کہ معجزات کے ان فرضی واقعات سے حضور اکرمؐ کی شان میں کیا

اضافہ ہو سکتا ہے ؟ معجزات کے علاوہ ان مولود شریفوں میں بڑی عجیب و غریب بحثیں موجود ہیں - مثلاً ۱۹۴۰ء میں چھپے ہوئے "میلادِ اکبر" (خواجہ محمد اکبر وارثی) میں آنحضرتؐ کے اسم مبارک کی بحث میں پہلے تو مصنف نے کلمہ' طیبہ کے دو جملوں (لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ) کی تقدیم و تاخیر پر گفتگو کی ہے ، یعنی یہ کہ لا الٰہ الا اللہ پہلے کیوں ہے اور محمد رسول اللہ بعد میں کیوں ؟ پھر اللہ اور محمدؐ کے غیرمنقوطہ حروف پر بحث کی ہے اور بعد ازاں آنحضرتؐ کے اسمِ مبارک کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :

"محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نامِ پاک میں نکات ملاحظہ ہوں - میم سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نبوت کا خاتمہ آپؐ کی ذات پر ہوا - قدرتی دلیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح مخزن میم کا لب ہیں اور لب خاتمہ حروف کا ہے ، یعنی اب سے پہلے حرکت میم کی ظاہر ہوتی ہے ، اس سے پہلے کسی حرف سے یہ حرکت ابتدائی سوائے میم کے ظاہر نہیں ہوتی - دوسرے یہ کہ میم کے چالیس عدد ہیں - اس سے ظاہر ہوا کہ آپؐ کو نبوت چالیسویں برس ہوگی - ہائے کیا پیارا نام ہے جس کا ہر حرف ذوق و شوق والوں کو مزہ دیتا ہے - - - اور یہ کہ جس طرح لفظ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا میم سے ہے اور میم ابتدائی مخزنِ حروف ہے ، اسی طرح حضورؐ کی ذاتِ اقدس سے ابتدائی آفرینش ہے اور لفظ اللہ جل جلالہ' کے آخر میں "ہ" ہے اور ہائے ہوّز انتہائی مخرجِ حروف ہے ، لہٰذا ہر شے کی انتہا ذات وحدہ' لاشریک ہے - - - چونکہ ابتدا سے انتہا جدا نہیں ہوتی ہے ، یہ فرق اعتباری ہے ، اس لیے یہ مضمون آنا احمد بلا میم ہے ، ذوق بخشِ عرفان ہے -

بشر کی شکل میں آیا تکلف کی ضرورت تھی
احد سے ہوگیا احمدؐ جو باندھا میم کا پٹکا

اب 'میم' محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور 'لام' اللہ کے عدد لیجئے تو ستر ہوتے ہیں ، جس سے اشارہ ہے کہ چہرۂ محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ محبوب ہے ، اس لیے ستر ہزار پردے ڈال کر دنیا میں بھیجا ، ورنہ بے پردہ حسنِ محمدیؐ کا سوائے خدائے پاک کے کوئی نظارہ

نہیں کر سکتا ۔ تمام عالم پر موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ غشی ہو جاتی اور عالم فنا ہو جاتا ۔ اسی سبب سے ستر ہزار حجاب ڈال کر معشوق کی اصل پھبن دنیا کو دکھائی ۔ قربان ہو جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔

پھر 'ح' محمدیؐ اور 'ل' اللہ کا لو اور ان کے عدد ملاؤ ۔ ۳۸ ہوں گے ، جس کا مطلب یہ ہے کہ سات طبق آسمان اور سات دوزخ اور آٹھ بہشت اور تین کرۂ آگ ، ہوا ، پانی اور کرسی و عرش ، ملائکہ ، جنات ، انسان ، حیوانات ، یہ ۳۸ موجودات علوی و سفلی ، سب نورِ محمدیؐ سے پیدا ہوئے ۔ ایسا نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا ، چنانچہ یہی لام اللہ کا لولاک الما خلقت الافلاک کے سر تاج بن کر چمک رہا ہے ۔ پھر 'میم' محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم اور 'ہ' اللہ جل شانہٗ کے اعداد ملاؤ تو ۴۵ ہوں گے ۔ اس لیے یہ دلیل روشن ہے کہ بموجب قاعدہ خلقت کے خلقت کی انتہائی مدت تکمیلِ صورتِ انسان ۴۵ یوم ہیں ۔ یہی عدد کمالِ صورتِ انسانی کا باعث اور خاتمہ حروف اللہ جلّ شانہٗ اور آغاز حروف محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں اور میم کے چالیس عدد ہیں اور ہر طریقت طلبِ حقیقت و معرفت کو جب ایک اربعین یعنی چلّہ پورا کرتا ہے ، تب کمالِ انسانی اس میں پیدا ہوتا ہے ۔ پھر اللہ پاک نے مخلوق کو محمد کی صورت میں پیدا کیا ہے اور اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کروٹ پر سر کے اور رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر لیٹتا ہے ۔ اس کی ہئیت کذائی سے لفظ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم عیاں ہوتا ہے ، ورنہ اس میں نہاں رہتا ہے اور یہ کہ میم برائے علم طبائع الحروف کے آتشی ہے اور دال خاکی ، پس ابتدائی حرف محمد صلی اللہ علیہ وسلّم آتشی ہے اور انتہائی خاکی ہے ، چنانچہ آگ کا شعلہ مائلِ عروج رہتا ہے اور خاک کی خاصیت یہ ہے کہ حضیض کی طرف مائل ہوتی ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ وہ بحرِ اعظمِ قدرت ہیں کہ جزر و مد کی ہر دو شاخیں آپؐ میں موجود ہیں ۔ ۔ ۔ ۔"[1] ۔

۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں لکھے ہوئے رسالہ "دافع الاوہام فی محفل

۱۔ میلادِ اکبر : خواجہ محمد اکبر وارثی ، رتن اینڈ کو ، تاجرانِ کتب دریبہ کلاں ، دہلی ، ۱۹۳۰ء ، ص ۲۰ تا ۲۲ ۔

خیرالانامؐ'' میں قیامِ تعظیمی کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے :

''بعض اہلِ کشف قیام کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ حاضر ہوتی ہے اُس محفل میں روح نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی اور ہم تعظیم دیتے ہیں اُس کی ۔ مؤلف کہتا ہے کہ ہم یہ دعویٰ زبان پر نہیں لا سکتے ، اس لیے کہ ہم اربابِ کشف و شہود میں نہیں جو مشاہدہ کر کے بیان کریں ۔ ہاں البتہ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے رسالہ ''انتباہ الاذکیا' فی حیات الانبیاء'' مطبوعہ مطبع جالی کے صفحہ نمبر ۷۷ میں لکھا ہے : ''نظر کرنا اعمالِ اُمت میں اور اُمت کی برائیوں کے واسطے استغفار کرنا اور بلیّات دور ہونے کی دعا کرنا اور اطرافِ زمین میں آمد و رفت کرنا برکت کے ساتھ اور جو کوئی نیک بندہ اُمتی مر جاوے ، اُس کے جنازے میں آنا ، یہ حضرتؐ کے شغل ہیں ، عالمِ برزخ میں منجملہ اور اشغال کے ، چنانچہ اس میں حدیثیں اور آثار وارد ہیں انتہیٰ اور اسی رسالہ کے صفحہ ۳ پر ہے کہ ''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم زندہ ہیں اور خوش ہوتے ہیں ، اُمت کی عبادات سے اور غمگین ہوتے ہیں ، نافرمانیوں سے اور اسی صفحہ میں ہے کہ انبیاء کا مر جانا صرف اتنا ہے کہ وہ ہماری نظر سے چھپ گئے اور وہ واقع میں زندہ موجود ہیں ، مثل فرشتوں کے کہ وہ موجود ہیں اور نظر نہیں آتے مگر جس ولی اللہ کو بطورِ کرامت خداوندکریم دکھلاوے وہ دیکھ لیتے ہیں ۔ انتہیٰ کلام اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اہلِ کشف حضرتؐ کی روحِ مبارک کو اس محفل میں دیکھ لے ، کچھ عجب نہیں ، لیکن بعض وہ آدمی جو لیاقت مشاہدے کی نہیں رکھتے ، وہ بھی ان اہلِ کشف کی پیروی اور اتباع میں اپنا عقیدہ ایسا ہی رکھتے ہیں ۔ سو یہ عقیدہ بھی جس کسی کا ہے ، اُس کا نام شرک نہیں رکھ سکتے''[۱] ۔

۱۹۲۲ء کے ایک مولود نامہ ''حیاتِ ذاکر'' (شاہ محمد جمیل الرحمٰن بریلوی) میں قیامت کے روز آنحضرتؐ کی شفاعت کے طفیل بلا حساب کتاب

۱۔ دافع الاوہام فی محفل خیرالانامؐ : طبع مطبع نامی ، لکھنؤ ، ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء ، ص ۲۳ ، ۲۴ ۔

جنت میں داخل ہونے والوں کا احوال یوں درج ہے :

"بعض صوفیاء نقل کرتے ہیں کہ اُمتِ محمدیؐ کا ایک گروہ پردار اونٹوں پر سوار ہو کر بہشت کی دیواروں پر آترے گا ۔ فرشتے کہیں گے کہ "کیا تمہارا حساب ہوگیا ؟ کیا تمہارے اعمال تُل گئے ؟ کیا تم نے اپنے نامے پڑھ لیے؟" جواب دیں گے "ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اُمت ہیں ۔ نہ ہمارا حساب ہوا اور نہ ہمارے عمل تُلے ، نہ ہم نے اپنے نامے پڑھے" —— فرشتے کہیں گے ، "لوٹو ، لوٹو ، ابھی سب کام باقی ہیں"۔ وہ کہیں گے، "تم نے ہمیں کیا دیا تھا ، جس کا ہم سے حساب چاہتے ہو" ؟ اس وقت منادی پکارے گا : "یہ سچ کہتے ہیں ۔ ما علی المحسنین من سبیل ۔ نیکی کرنے والوں پر کوئی راہ مواخذہ کی نہیں" ۔ عزیزو ! یہ سب طفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ہے ، ورنہ وہ دن ایسی سختی کا ہے کہ انبیاءؑ و مرسلین بھی نفسی نفسی کہتے ہوں گے اور سوائے ہمارے مولا کے کسی کو بھی مجال شفاعت کی نہ ہوگی"[1] ۔

اُن مولود ناموں میں غیر مستند روایات کی بھی وہی ریل پیل ہے ۔ مثلاً ۱۹۲۱ء میں تصنیف شدہ ایک رسالہ "میلادالنبیؐ" کا مصنف ابوالبرکات لکھتا ہے :

"روایت ہے کہ اسرافیلؑ آپؐ کے ہمراہ رہا کرتے تھے اور جب آپؐ کی عمر شریف گیارہ برس کی ہوئی تو گیارہ برس کے بعد جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپؐ کے ہمراہ رہا کریں ۔ آنحضرت صلعم جب کبھی دھوپ میں کہیں تشریف لے جاتے تو ایک ابر کا ٹکڑا آپؐ کے اوپر سایہ کیے ہوئے رہتا تھا اور آپؐ کا سایہ یعنی پرچھائی نہ تھی ۔ دنیا میں سب آدمیوں اور سب مخلوق کے سایہ و پرچھائی ہوتی ہے لیکن اس نور کے پُتلے کے صدقے کہ آپؐ کی پرچھائی نہ تھی اور کیونکر ہوتی ، آپؐ تو سر سے

۱- حیاتِ ذاکر (حصہ اول) : حاجی شاہ محمد جمیل الرحمٰن بریلوی ، مطبوعہ لیتھو برقی پریس ، نئی سڑک کان پور ، ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء ، ص ۵۳ ۔

پا تک نور کے پتلے تھے"[1] -

اسی طرح "مولود طیش" میں یہ روایت نقل کی گئی ہے :

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دسترخوان تھا کہ جس میں حضورؐ نے بعد فراغت کھانے کے ہاتھ اور منہ پونچھا تھا - جب وہ دسترخوان میلا ہوتا تھا ، آگ میں چھوڑ دیتے تھے - برعکس جلنے کے وہ دسترخوان سفید اور شفاف ہو جاتا تھا - ایک دفعہ انس بن مالک نے اپنی قوم کو دعوت دی اور لونڈی سے دسترخوان طلب کیا - جب لونڈی دسترخوان لائی تو میلا پایا - پس آپ نے سب کے سامنے اس کو تنور کی آتش شعلہ زن میں ڈال دیا"[2] -

اور "میلاد گوہر" (گوہر رامپوری) میں درج ذیل روایت دیکھیے :

حضرت بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ حمل کے شروع سے چھ مہینے تک مجھ کو کوئی علامت ایسی ظاہر نہ ہوئی جو اکثر عورتوں کو اس حالت میں ہوتی ہے ، یعنی بوجھ معلوم ہوتا ہے ، بلکہ جس قدر ولادت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا ، اتنے ہی آثار بہتر سرور و فرحت بڑھتے جاتے تھے اور طبیعت کو انبساط اور خوشی ہوتی تھی ، کیونکہ پہلے مہینے میں حضرت آدمؑ تشریف لائے اور فرمایا ، اے آمنہ ! خوش ہو کہ تمہارے شکم میں وہ صاحب عزت و توقیر ہیں کہ جن کے واسطے زمین و آسمان پیدا کیے - دوسرے مہینے میں حضرت نوحؑ تشریف لائے اور فرمایا ، اے آمنہ ! تمہارے شکم میں وہ فرزند ہے جو صاحب آخرت و فتوح ہوگا - تیسرے مہینے میں حضرت ادریسؑ اور چوتھے میں حضرت ابراہیمؑ اور پانچویں میں حضرت اسمٰعیلؑ اور چھٹے میں حضرت موسٰیؑ اور ساتویں میں حضرت داؤدؑ اور آٹھویں میں حضرت سلیمانؑ اور نویں میں حضرت عیسٰی

۱- رسالہ میلاد النبیؐ : ابو البرکات بن منشی قادر علی ، شیخ غلام علی ، برکت علی ، تاجران کتب لاہور ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء ، ص ۹۱ ، ۹۲ -

۲- مولود طیش (حصہ اول) : شیخ برکت علی اینڈ سنز ، تاجران کتب لاہور ، ۱۹۲۸ء ، ص ۱۰ ، ۱۱ -

علیہم السلام تشریف لائے اور سب نے طرح طرح کے فضائل اور خوش خبریاں سنائیں ۔ آپؐ کی والدہ فرماتی ہیں کہ "جب پیدائش کا زمانہ قریب آیا تو حضرت آسیہ اور حضرت بی بی مریم حاضر ہوئیں اور بہت سی حوریں جنت کی اُن کے ساتھ تھیں ، جن سے سارا گھر بھر گیا ۔ دریافت کرنے پر کہا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی خدمت کے واسطے بھیجا ہے"[1] ۔

یہ اور اس طرح کی سینکڑوں دیگر روایات ان مولود ناموں میں بغیر کسی سند اور بغیر کسی حوالہ کے درج کی گئی ہیں - بیسویں صدی کے مولود ناموں کے ماخذ کا سراغ لگانے ، سیرتِ رسولؐ سے اُن کا تعلق واضح کرنے ، اُن کی زبان و اسلوب پر بحث کرنے اور چند نمائندہ مولود ناموں کا تجزیہ کرنے سے پہلے اُن کی ایک اجمالی فہرست ملاحظہ ہو :

۱- میلادِ گوہر : گوہر رام پوری ، محب علی خاں قادری پبلشر ، رام پور ، یو - پی ، ص ۱۳ ، ۱۴ -

مشہور مولود نامے (۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء)

کتاب	مصنف	صفحات	سن تالیف/اشاعت/ سن وفات مصنف	مطبع و مقام طباعت/حوالہ
مجموعہ ہشت جنت			مطبوعہ ۱۹۰۱ء	مطبع مجتبائی ، دہلی
مجلس ذکر خیر			،، ۱۹۰۱ء	،، ،، ،،
مولود مظہر اسلام	مظہر الاسلام		،، ۱۹۰۱ء	،، ،، ،،
دافع الاوہام فی محفل خیر الانام ؐ		۳۰	،، ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء	مطبع نامی لکھنؤ
سعید البیان فی مولد سید انس و الجان	محمد معصوم شاہ		،، ۱۹۰۵ء	،، مجتبائی ، دہلی
			،، ۱۹۰۵ء	،، مجتبائی ، دہلی
مولود بہار ولادت			،، ۱۹۰۵ء	،، ،، ، ،،
میلاد محمدی ؐ			،، ۱۹۰۵ء	،، ،، ، ،،
انوار احمدی ؐ	انور اللہ خاں	۳۵۳	،، ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء	اعظم سٹیم پریس حیدرآباد دکن
اخلاق انسانیہ	عبدالغنی وارثی		۱۹۰۶ء	
مراد المشتاقین فی فضائل سید المرسلین	محمد یوسف	۳۶	مطبوعہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء	مطبع گلزار حسنی ، بمبئی
احسن المیلاد	احسن علی خاں احسن	۷۴	،، ۱۹۰۰ء	،، سلیمانی ، بنارس

کتاب	مصنف	صفحات	سنِ تالیف/اشاعت/ سنِ وفاتِ مصنف	مطبع و مقامِ طباعت/حوالہ
میلادِ مجیدی	مولوی مجید الدین	۸۰	مطبوعہ ۱۹۱۰ء	،، اکبری، آگرہ
جنان السیر احوالِ سید البشر ؐ	سید شاہ محمد عبدالحئی بنکلوری		۱۹۱۲ء/۱۳۳۰ھ	فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن، ج: ۳ ص ۳۱۰
میلاد النبی ؐ مع طریقہ مولد شریف	اشرف علی تھانوی	۴۷ + ۱۱	۱۹۱۳ء/۱۳۳۱ھ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
میلاد النبی ؐ (۹ مواعظ)	اشرف علی تھانوی مرتبہ منشی عبدالرحمٰن خاں	۸۰۰	تالیف ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۵ھ طبع ۱۹۵۹ء	مکتبہ اشرف المعارف ملتان
سکینہ فی اخبار المدینہ	غلام شبیر بدایونی	۱۵۱	۱۹۱۲ء/۱۳۳۰ھ	اقبال پریس، بدایوں
مرقعِ رسول ؐ	مشتاق احمد حسنی		۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ	فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن، ج ۳، ص ۲۹۰
تذکرۃ الحق	عبدالوحید	۳۲۴	مطبوعہ ۱۹۱۵ء	دہلی
سچا میلاد شریف	سید ابوالبیان	۶۳	،، ۱۹۱۶ء	آگرہ اخبار پریس، آگرہ
مولود سلطان الانبیاء ؐ، اشرف المسلمین ؐ	محمد حبیب اللہ	۳۶	۱۹۱۶ء/۱۳۳۴ھ	عثمانی پریس، حیدر آباد دکن

کتاب	مصنف	صفحات	سن تالیف/اشاعت/ سن وفات مصنف		مطبع و مقام طباعت/حوالہ
آفتاب نبوتؐ	سید ایوب احمد صبر شاہجہان پوری	۱۱۸	مطبوعہ	۱۹۱۷ء	رحمٰن برادرس تاجران کتب کراچی
ذکر مبارک	میمونہ سلطانہ شاہ بالو	۱۳۱	مطبوعہ	۱۹۱۸ء	مفید عام پریس ، آگرہ
میلاد حبیبؐ	حبیب حسین	۵۳	"	۱۹۲۰ء	ہندوستانی پریس ، لکھنؤ
میلاد مہدیؐ	خواجہ محمد حافظ علی	۶۳		۱۹۲۰ء	مرتضائی پریس ، آگرہ
ذخیرہ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد المصطفیٰ	مولٰینا گل محمد خان				مفید عام پریس ، آگرہ
تذکرۂ رسول اکبرؐ			مطبوعہ	۱۹۲۱ء	مطبع نولکشور ، لکھنؤ
میلاد نامہ جدید	عبدالرزاق		"	۱۹۲۱ء	لکھنؤ
احیاء القلوب فی میلاد المحبوبؐ			"	۱۹۲۲ء	مطبع نولکشور ، لکھنؤ
میلاد نامہ اور رسول نبیؐ	خواجہ حسن نظامی		"	۱۹۲۲ء	حلقہ نظام المشائخ ، دہلی
تحفۂ عثمانیہ (نور کا ظہور)	محمد عظیم	۶۳	"	۱۹۲۲ء	مطبع مرتضائی ، آگرہ
رسالہ میلادالنبیؐ	ابوالبرکات بن منشی قادر علی	۹۸	"	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء	شیخ غلام علی برکت علی لاہور
معراج معلّٰی (معراج نامہ کلاں)	خواجہ محمد اکبر خان اکبر وارثی میرٹھی	۲۴	بار پنجم	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء	شیخ احمد حسن و ذکر الرحمٰن تاجران کتب دہلی

کتاب	مصنف	صفحات	سن تالیف/اشاعت/ سن وفات مصنف	مطبع و مقام طباعت/حوالہ
حیات ذاکر	حاجی شاہ محمد جمیل الرحمٰن خان بریلوی	۸۰	مطبوعہ/تالیف ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء	رضوی کتب خانہ ، دہلی
ذکر میلاد مولد النبیؐ القاسمؐ	تجمل حسین		,, ۱۹۲۳ء	رسالہ اردو ، انجمن ترقیٔ اردو/شمارہ جنوری ۱۹۲۳ء
طریقۂ حسنہ	رحمٰن علی خان		,, ۱۹۲۳ء	نولکشور ، لکھنؤ
ولادت سرور عالم (علامہ ابن جوزی)	ترجمہ ، عبدالحلیم شرر	۶۴	,, ۱۹۲۳ء	دلگداز پریس ، لکھنؤ
مجموعہ میلاد مصطفیٰؐ			,, ۱۹۲۳ء	نولکشور ، لکھنؤ
مظہر المیلادؐ			,, ۱۹۲۳ء	,, ، ,,
میلاد سرور انبیاءؐ			,, ۱۹۲۳ء	,, ، ,,
ذکریٰ (مقالہ)	ابوالکلام آزاد	۸۳	,, ۱۹۲۵ء	شرکت ادبیہ ، علی گڑھ
ذکر میلاد	,, ,,	۹۳	,, ۱۹۲۵ء	,, ,, ,,
نور ہدایت (بچوں کے لیے)	ایم ۔ اسلم	۳۲	,, ۱۹۲۵ء	جہانگیر بک کلب لاہور
میلاد سرفرازی		۱۶۰	,, ۱۹۲۵ء	دفتر القاسم ، دیوبند
خدا کی رحمت	شاہ محمد سلامت اللہ کشفی ، بدایونی	۳۸	مطبوعہ ۱۹۲۶ء	مطبع ابوالعلائی ، آگرہ

کتاب	مصنف	صفحات		سن تالیف/اشاعت/ سن وفات مصنف	مطبع و مقام طباعت/حوالہ
سبحان المولود	شیخ الخطیب محمد مدنی	۳۸	مطبوعہ	۱۹۲۷ء	سلطان حسین اینڈ سنز، کراچی
سرور عالم (میلاد نامہ)	مولینا عبدالمجید	۶۲	"	۱۹۲۷ء	دارالتصانیف، کپور تھلہ
تحفۂ عنبریہ (مختصر سیرت نبویہ)	عبدالشکور لکھنوی			۱۹۲۷ء	دفتر النجم، لکھنؤ
البیان فی سیرت النبی آخر الزمانؐ	حاجی محمد بن سعید عبداللہ			۱۹۲۹ء/۱۳۴۷ھ	نامی پریس لکھنؤ
میلاد رسولؐ	سراج الدین اکبر آبادی	۶۳	مطبوعہ	۱۹۳۰ء	مطبع مرتضائی، آگرہ
آمنہ کا لالؐ (مولود شریف)	راشد الخیری	۱۰۳	"	۱۹۳۰ء	عصمت بکڈپو، دہلی
منہاج القبول فی ادب رسولؐ	محمد صالح		"	۱۹۳۱/۱۳۴۸ھ	حمایت اسلام پریس لاہور
ظہور خاتم الانبیاء والمرسلین (بشارة النبیینؐ)	محمد ادریس کاندھلوی		"	۱۹۳۳ء/۱۳۵۰ھ	نولکشور، لکھنؤ
تاریخ مولد النبیؐ	علی بن شبیر حیدر آبادی	۵۲	"	۱۹۳۳ء/۱۳۵۱ھ	دکن لا رپورٹ حیدر آباد دکن
یادگار عاصم	سعید الدین عاصی	۹۹	"	۱۹۳۵ء/۱۳۵۲ھ	عباسی کتب خانہ کراچی

کتاب	مصنف	صفحات	سنِ تالیف/اشاعت/ سنِ وفاتِ مصنف	مطبع و مقامِ طباعت/حوالہ
میلادِ قمر فی ذکرِ خیرالبشرؐ	انتظام اللہ شہابی	۹۶ مطبوعہ	۱۹۳۵ء	مرتضائی پریس ، آگرہ
زنانہ میلاد	سیاب اکبر آبادی	۳۶ ,,	۱۹۳۶ء	شاعر ، آگرہ نمبر ۱۹۳۶ء
زنانہ میلاد	حبیب حسن	۳۲ ,,	۱۹۳۸ء	فہرست صدیق بکڈپو لکھنؤ
مولود طیش (دو حصے)	سید چراغ علی طیش گورکھپوری	۸۰ ,,	۱۹۳۸ء	شیخ برکت علی اینڈ سنز ، لاہور
میلاد شریف اکبر	خواجہ محمد اکبر خاں وارثی میرٹھی	۱۲۰ ,,	۱۹۳۰ء	مطبع مجدی بمبئی/رتن اینڈ کو ، دہلی
تحفۂ ربیع الاول	بدرالدین خاں	۱۳۳ ,,	۱۹۳۰ء	نزہت پریس ، دربنگاہ
ذکرِ کرم	حفیظ الرحمٰن	۱۷۶ ,,	۱۹۳۰ء/۱۳۵۰ھ	فاروقی پریس ، دہلی
نیا میلاد	الیاس احمد مجیبی	۸۰	۱۹۳۳ء	بچوں کا بکڈپو دہلی
ظہورِ نو یا نیا میلاد نامہ	مناظر احسن گیلانی			اسلامک سوسائٹی پبلیکیشنز حیدر آباد
مولود شریف جدید		۴۲		شیخ غلام علی، برکت علی، تاجران کتب لاہور
رحمة الرحیم		۵۳		مطبع ابوالعلائی ، آگرہ

کتاب	مصنف	صفحات	سن تالیف/اشاعت/ سن وفات مصنف	مطبع و مقام طباعت/حوالہ
مدینہ کا چاند	منشی گوہر علی خاں گوہر رام پوری		مطبوعہ	ناظم پریس ، رام پور
میلاد گوہر	منشی گوہر علی خاں گوہر رام پوری	۹۶	"	ناظم پریس ، رام پور
سید الاذکار، یعنی میلادِ احمدِ مختار	حکیم محمد بدرالحسن حسنی	۷۶	"	مطبع بدرالمعین ، دہلی
بہارِ خلد		۷۸	"	جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز ، لاہور
مولودِ دلپذیر	منشی محمد فضل الکریم فضل	۶۳	"	ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور
نزولِ رحمت (معروف بہ میلاد شریف	خواجہ محمد شفیع دہلوی			مٹیا محل ، دہلی
محمدؐ کی سرکار	خواجہ حسن نظامی		"	بحوالہ سیرة النبی ، ص ۱۴۳
محمدؐ درشن	" " "			" " " " "
اسلامی رسولؐ	" " "			" " " " "
سیرِ مصطفٰی (سیرت پر لیکچر)	شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال		"	فہرست صدیق بکڈپو ، لکھنؤ ، ص ۲۳۰
گلزار نقی کلاں (دو حصے)	حافظ فیض اللہ بیگ	۸۰ + ۷۸	مطبوعہ	بمبئی پریس ، آگرہ

یہ ایک اجمالی فہرست ہے ، ورنہ بیسویں صدی کے نصف اول میں لکھے گئے مولود ناموں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے ، تاہم موضوع اور زبان و اسلوب میں بہت کم فرق ہونے کی وجہ سے ان سب کا تذکرہ لا حاصل ہے ۔ مختصراً ، اس دور کے جو مولود نامے دستیاب ہیں ، ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں اور انیسویں صدی کے نصف آخر میں لکھے گئے مولود ناموں میں بس انیس ، بیس کا فرق ہے ۔ بے شمار میلاد نامے ایسے ہیں ، جن پر مصنف کی بجائے ناشر کا نام درج ہے ۔ ایک کثیر تعداد ان میلاد ناموں کی ہے، جن پر نہ سن اشاعت درج ہے اور نہ سن تالیف ۔ اکا دکا رسائل عربی یا فارسی سے ترجمہ کیے گئے ہیں اور جو طبع زاد ہیں ، ان کا مواد بھی عربی اور فارسی کے مقبول عام میلاد ناموں یا کتب دلائل سے اخذ کیا گیا ہے ۔ آپ کسی بھی مولود نامہ کو اٹھا کر دیکھ لیں ، ایک جیسی روایات ، ایک جیسی حکایات آپ کے سامنے آئیں گی ۔ نقل در نقل کا ایک سلسلہ ہے جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا ہے ۔ اسی لیے بیشتر مولود نویس اپنے مآخذ کا حوالہ نہیں دیتے ۔ بس ، روایت ہے ، نقل ہے ، حدیث شریف میں آیا ہے ، اہل سیر نے لکھا ہے ، وغیرہ جملوں سے آغاز کر کے اپنے من گھڑت بیانات درج دیتے ہیں ۔ البتہ اکا دکا مولود ناموں میں حوالے دیئے گئے ہیں ، مثلاً "میلاد اکبر" (خواجہ محمد اکبر وارثی ، میرٹھی) میں علامہ برزنجی اور ابن جوزی کے مولود ناموں کے اقتباسات موجود ہیں ۔ "میلاد گوہر" (گوہر رام پوری) میں مدارج النبوة (شیخ عبدالحق) ، جامع الجوامع (امام سیوطی) ، جواہر التفاسیر اور تفسیر قادری کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ "حیات ذاکر" (شاہ محمد جمیل الرحمٰن بریلوی) میں مدارج النبوة ، شواہد النبوة (عبدالرحمٰن جامی) اور "زاد المعاد" (ابن قیم) کی روایات نقل کی گئی ہیں ۔ "سید الاذکار یعنی میلاد احمد مختار" (حکیم محمد بدرالحسن حسنی) کی بنیاد حضرت غوث الاعظم کے رسالہ "سید الاذکار ، میلاد احمد مختارؐ" پر ہے اور مولود طیش ، (سید چراغ علی طیش گورکھ پوری) میں معارج النبوة ، (مُلا معین ہروی) ، "روضتہ الاحباب" (جمال حسینی) "تفسیر بحرالدر اور شرائف الاوقات" کی روایات نقل کی گئی ہیں ۔ "رسالہ میلاد النبیؐ" (ابوالبرکات بن منشی قادر علی) میں نبی آخر الزمان کے دنیا میں تشریف لانے کی خبریں ، توریت ، انجیل ، زبور اور وید سے

ثابت کی گئی ہیں ۔ مصنف نے قرآن اور حدیث کی کتابوں (ترمذی اور مشکٰوۃ شریف) کے علاوہ سب سے زیادہ استفادہ تفسیر مواہب الرحمٰن اور "خلاصۃ التفسیر" سے کیا ہے ۔ علاوہ ازیں جا بجا حافظ ابن کثیر، خطیب ، قرطبی ، محمد ابن اسحٰق ، اور علامہ جزری کے حوالے اس میں موجود ہیں ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس رسالے میں جارج سیل کے انگریزی ترجمۂ قرآن (مطبوعہ ۱۷۳۴ء) پادری ارسکان ارمنی کے ارمنی زبان میں ترجمہ شدہ صحیفۂ اسقیا (۱۶۶۶ء) ڈیون پورٹ اور گاڈفرے ہگنز کی کتابوں سے بھی دلائل اخذ کیے گئے ہیں ، جو سر سید کی 'خطبات احمدیہ' کے اثرات کا نتیجہ ہیں ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب (آفتاب نبوت از صبر شاہجہاں پوری کو چھوڑ کر) ایک منفرد مولود نامہ ہے ، جس کا مصنف روایتی تصانیف پر انحصار کرنے کی بجائے نئی کتابوں اور نئے دلائل سے فائدہ اٹھانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا ۔ "رسالہ میلاد النبیؐ" کا سن تالیف ۱۹۲۱ء ہے اور "آفتاب نبوت" کا ۱۹۱۷ء ۔ یوں "آفتاب نبوت" کو "رسالہ میلادالنبیؐ" پر زمانی تقدم کا شرف حاصل ہے ۔ بہرحال ان ایک دو میلاد ناموں کو چھوڑ کر (جو جدید و قدیم کا سنگھم ہیں) باقی سب رسائل مولود ، روایتی موضوع ، روایتی ہئیت ، روایتی زبان اور روایتی بیان کے حامل ہیں ، حتیٰ کہ علامہ راشد الخیری کا مشہور مولود نامہ "آمنہ کا لالؐ" (۱۹۳۰ء) بھی زبان کی سلاست اور بیان کی دلآویزی کے باوجود قدیم مولود ناموں کی صف میں شمار ہوتا ہے ۔ اس عہد کے روایت پرست مؤلفین مولود کو قطعاً معلوم نہیں کہ آن کے گرد و پیش کیا ہو رہا ہے اور دنیا میں اسلامؐ اور بانی اسلام کے بارے میں کیا کہا سنا جا رہا ہے؟ آن کے مولود نامے پڑھ کر یہ باور کرنا مشکل ہے کہ آیا ہم بیسویں صدی عیسوی میں سانس لے رہے ہیں یا اٹھارہویں صدی عیسوی میں؟ انہیں کچھ پتہ نہیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے اور اسلام اور آنحضرتؐ پر کس کس طرف سے اور کیسے کیسے حملے ہو رہے ہیں؟

روایتی مولود ناموں کے صحرا میں "آفتاب نبوت" کی حیثیت ایک نخلستان کی سی ہے ، اس لیے اس کا تعارف ضروری ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ "آمنہ کا لالؐ" چونکہ ایک نئے رجحان کا حامل مولود نامہ ہے، اس لیے اسے

بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

آفتابِ نبوت

۱۹۱۷ء میں مولانا سید ایوب احمد صبر شاہجہاں پوری (متوفی ۱۹۷۳ء)[1] نے نئی طرز کا ایک میلاد نامہ لکھا ۔ اُنھوں نے محسوس کیا کہ عربی زبان میں اگرچہ بہت ضخیم کتبِ سیر و تاریخ موجود ہیں ، جن میں آنحضرتؐ کی پاکیزہ زندگی کا ایک دفترِ بے پایاں محفوظ ہے لیکن عام مسلمان اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے اُن تصانیف سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا ۔ اُن کے خیال میں قدیم تعلیم یافتہ مسلمان اگر یہود و نصاریٰ کے ذریعے اسلام میں داخل ہونے والی غیر مستند روایات کے اسیر تھے تو جدید تعلیم یافتہ حضرات سر ولیم میور جیسے عصبیت مآب شخص کو اپنا رہنما بنائے ہوئے تھے ۔ باوجود اس کے کہ آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی اور اوصافِ حمیدہ کسی ایک کتاب کے دامن میں سمیٹنا مشکل تھے ، مصنف نے محسوس کیا کہ ایسی کتابوں کی بہرحال ضرورت ہے جن میں آپؐ کے صحیح حالاتِ زندگی اور مکارم الاخلاق و شمائل مختصر طور پر مذکور ہوں تاکہ وہ "میلاد شریف کی مجالس میں بجائے پا در ہوا بیانات کے پڑھے جائیں اور غرباء جو گراں مایہ کتب کے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے ، ان کتب سے فائدہ اُٹھائیں"[2] ۔ مجالسِ میلاد کا انعقاد بجا سہی لیکن ان مجالس میں ہونے والی تقاریر کا اثر محدود ہونے کی وجہ سے مصنف کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی کتاب تصنیف کی جائے ، جو محافلِ میلاد میں پڑھنے کے قابل بھی ہو اور اس میں تحقیق و تدقیق سے کام لے کر آنحضرتؐ کے سچے واقعات درج کیے گئے ہوں ۔ "آفتابِ نبوت" مصنف کی اسی مبارک خواہش کی تکمیل ہے ۔

۱۲۸ صفحات پر مشتمل ، صبر شاہجہاں پوری کی یہ کتاب ، روایتی مولود ناموں کے انبار میں ایک الگ مقام کی حامل ہے ۔ مصنف نے کوشش

۱۔ کاروانِ رفتہ : ڈاکٹر محمد ایوب قادری ۔ مکتبہ اسلوب کراچی ۔ ۱۹۸۳ء ، ص ۱۹۳ ۔

۲۔ آفتابِ نبوت : صبر شاہجہاں پوری ، رحمٰن برادرس تاجران کتب ، کراچی ، ص ۱۰ ، ۱۱ (تعارف ۔ از محمد عمر نعمانی)

کی ہے کہ اس مختصر سوانح عمری میں آنحضرت ؐ کے دلچسپ اور صحیح
حالات بھی جمع ہو جائیں اور آپ ؐ کے اخلاقِ حسنہ کی پُرکشش تصویر
بھی کھنچ جائے تاکہ "اگر ایک جانب اسلام کے نام لیوا اس سے مستفید
ہوں تو دوسری طرف غیر مذاہب و ادیان کے پیرو بھی سمجھ سکیں کہ
سرورِ عالم ؐ کی زندگی صحیح معنوں میں رحمۃ للعالمین کی مصداق تھی"[1] -
مصنف نے عام مولود ناموں کی ٹکنیک کے برعکس (جہاں اصل مقصد تاثر
اور دلچسپی پیدا کرنا ہوتا ہے ، چاہے واقعات و روایات کی صحت کتنی
ہی مشکوک کیوں نہ ہو جائے) جو واقعہ جس مستند کتاب سے اخذ کیا
ہے ، اس کا حوالہ بھی ساتھ ہی دیا ہے اور آنحضرت ؐ کے آبا و اجداد
کے حالات سے لے کر فتحِ مکہ تک کے صحیح صحیح حالات اجمالاً قلم بند
کرنے کے علاوہ آپ ؐ کے نبیٔ صادق ہونے کے ثبوت میں غیر مذاہب کے
مشاہیر کے اقوال بھی پیش کیے ہیں - مصنف کہتا ہے کہ چونکہ "حضور ؐ
نے تمام عالم کی تاریکیوں کو مٹا دیا اور اپنی نورانی شعاعوں سے تمام
جہاں کو چمکا دیا ، اس لیے ہم نے اس کتاب کا نام بھی ''آفتابِ نبوت''
تجویز کیا''[2] -

اس مختصر کتاب میں آنحضرت ؐ کا نسب نامہ ، آپ ؐ کے آبا و اجداد
کے حالات ، علمائے عصر کی پیشین گوئیاں اور روایات ، رسالت سے پہلے کی
زندگی ، نبوت و بعثت ، نزولِ وحی ، قریش کی دشمنی اور ایذاء رسانی ،
ابتدائی مسلمانوں کی تکالیف ، تحویلِ قبلہ ، ہجرتِ حبشہ ، حضرت حمزہ اور
حضرت عمر کا قبولِ اسلام ، ابو طالب اور حضرت خدیجہ رض کا انتقال ،
مکہ میں آپ ؐ کے قتل کی سازشیں ، ہجرتِ مدینہ ، آپ ؐ کی نبوت کی صداقت
اور اسلام کی تعریف میں غیر مسلم مشاہیر کے اقوال ، مدنی زندگی ، تعمیرِ
مسجدِ نبوی ؐ ، غزوات ، واقعۂ حدیبیہ ، بادشاہوں کے نام آپ ؐ کے
خطوط، فتح مکہ اور حضور ؐ کی شانِ نبوت اور اخلاق و عادات وغیرہ کا
دل پذیر تذکرہ ہے - مصنف بڑے دعویٰ سے کہتا ہے کہ "اس مضمون پر
جو کتبِ میلاد شریف آج کل اس ملک میں رائج ہیں، ان کے متعلق نئی روشنی

۲- آفتابِ نبوت : صبر شاہجہانپوری ، رحمٰن برادرس تاجرانِ کتب
کراچی ، ص ۱۳ (دیباچہ - از مصنف)

والوں کو یہ شکایت ہے کہ اُن میں محض عبارت آرائی کو مدِّ نظر رکھ کر بعض واقعات کو مبالغہ سے لکھا گیا ہے یا کہیں کہیں ضعیف روایات کو (جن کی تائید میں کوئی مستند کتاب نہیں پیش کی جا سکتی) جگہ دی گئی ہے ، رفع ہو جائے گی"[1] ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر شاہجہانپوری نے پرانی کتبِ میلاد کی خامیاں دور کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود وہ مروجہ روایات سے دامن نہیں چھڑا سکے ۔ مثلاً آنحضرت کے والدِ محترم جنابِ عبداللہ کے حسن و جمال کے تذکرے میں جہاں نورِ محمدیؐ کی یہ خوبصورت تاویل کی گئی ہے کہ "خوبصورتی اور ملاحت میں آپ مثلِ یوسفؑ معلوم ہوتے تھے ۔ آپ کی روشن اور چمکتی ہوئی پیشانی سے نورِ محمدیؐ ظاہر ہوتا تھا"[2] ، وہاں اُس وقت کے عالموں کی پیشین گوئیوں اور روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اُس زمانہ کے احبار سے اور حجاز کے کاہنوں سے یہ سنا جاتا تھا کہ نبیٔ آخر الزمانؐ اُسی نوجوان کے صُلب سے پیدا ہوں گے ، کیونکہ ہماری کتبِ دینیہ میں لکھا ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کے اُس خون آلود سفید اُونی چغے سے جو یہودیوں کے پاس ہے ، تازہ خون کے قطرے ٹپکیں گے ، تو اس وقت نبیٔ آخر الزمانؐ کے والد ظہور پذیر ہوں گے ، چنانچہ اب اُس خشک چغے سے سرخ خون ٹپک رہا ہے ، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے کہ جس کی پشت سے نبی آخر الزمانؐ ظہور پذیر ہوں گے"[3] ۔ اسی طرح ابر کے ٹکڑے کا آنحضرتؐ کو پیدائش کے وقت اُٹھا کر لے جانے کا قصہ اپنی تفصیلات سمیت یہاں بھی موجود ہے ۔ چنانچہ مصنف لکھتا ہے : "بی بی آمنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے بطن سے جدا ہو کر دنیا میں تشریف لائے تو آپؐ کے ساتھ ایک نور ظاہر ہوا ۔ اُس نور کی روشنی میں تمام مشرق و مغرب کی چیزیں روشن و منور ہو گئیں ۔ جب آپؐ زمین پر آئے تو دونوں ہاتھوں کا سہارا لیے ہوئے تھے ۔ آپؐ نے خاک کی مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اُٹھا

۱- آفتابِ نبوتؐ : صبر شاہجہاں پوری ، رحمٰن برادرس ، تاجرانِ کتب کراچی ، ص ۱۴ ، ۱۵ ۔
۲ ، ۳- ایضاً ، ص ۱۹ ، ۲۰ ۔

کر دیکھا - بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کے وقت میں نے آسمان سے ایک ابر کے سفید ٹکڑے کو آترتے دیکھا - اس ابر کے سفید ٹکڑے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آغوش میں آٹھا لیا اور میری نظروں سے غائب ہوگیا - اس میں سے مجھے یہ آواز سنائی دیتی تھی کہ ان کو دریا ، جنگل ، مشرق و مغرب کی حدود میں پھراؤ ، تاکہ یہ سب چیزیں پہچان لیں اور آن کی صفات و صورت سے واقف ہو جائیں"[1] - اسی طرح سفرِ شام میں بصریٰ کے مقام پر بحیرا راہب سے اور ایک سفر میں نسطورا راہب سے آپؐ کی ملاقات کا حال ایسے ہی بیان کیا گیا ہے ، جیسے دیگر کتبِ مولود میں مندرج ہے ، تاہم واقعات کے بیان میں مبالغہ سے احتراز کیا ہے - یہ چند مقامات چھوڑ کر باقی کتاب میں سادگی کے ساتھ آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں اور بعض واقعات کا ذکر خاصا مؤثر ہے ، مثلاً بی بی حلیمہ کا آنحضرتؐ کو مکہ سے لانا اور اپنے قبیلے میں لوٹ کر پرورش کے وقت آپؐ کی یتیمی کا خیال کر کے غیر معمولی محبت و شفقت کا مظاہرہ کرنا ، نبوت کے اعلان کے بعد قریش مکہ کا آپؐ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچانا ، اولین صحابہ کرام کو قبول اسلام کی پاداش میں سزائیں ملنا وغیرہ - پھر آپؐ کی شانِ نبوتؐ کا تذکرہ بھی اپنے اندر دلآویزی رکھتا ہے - آپؐ کی ذات میں تمام برگزیدہ پیغمبروں کے اوصاف مجتمع دکھائے گئے ہیں ، چنانچہ حضرتِ مسیحؑ ، حضرتِ ایوبؑ ، حضرتِ نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرتِ داؤدؑ ، حضرتِ یونسؑ ، حضرت موسٰیؑ ، حضرتِ سلیمانؑ ، حضرتِ یوسفؑ ، حضرت ہارونؑ ، حضرت یعقوبؑ ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرتِ زکریاؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں سے آپؐ کی سیرت کا موازنہ کر کے آپؐ کو ان سب کا جامع ثابت کیا گیا ہے - اسی طرح آپ کے اخلاقِ حسنہ کے بیان میں بڑے جوش و خروش اور بڑے والہانہ پن کا مظاہرہ کیا گیا ہے - مثلاً مصنف لکھتا ہے :

"جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات و کمالات کا

۱- آفتابِ نبوت : صبر شاہجہانپوری ، رحمٰن برادرس ، تاجرانِ کتب ، کراچی ، ص ۲۳ -

مجموعہ ہیں ۔ عالم ایسے کہ کسی کا علم اُن کے علم کو نہیں پہنچتا ۔ فصیح و بلیغ ایسے ہیں کہ بڑے بڑے فقہا نے اُن کے سامنے سر ٹیک دیا ہے ۔ مقنن ایسے کہ ہر قوم ، ہر فرقہ اور ہر زمانے کے لیے اُن کا قانون ایک اچھا دستور العمل ہے ۔ حلیم اور صاحبِ خلق ایسے کہ خود خداوند جل و علا ارشاد فرماتا ہے : انک لعلٰی خلق عظیم ۔ جری ایسے کہ ضرورت کے وقت میدانِ کارزار میں دشمنوں کے لیے ایک مستعد اور بہادر سپاہی ۔ فقیر ایسے کہ بیت الشرف میں کئی کئی دن تک چولہے سے دھواں نہیں نکلتا ۔ اتنا بھی نہیں ہے کہ مکان میں چراغ بھی جلے ۔ امیر ایسے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں روپیہ ایک لمحہ میں ختم کر دیتے ہیں اور اپنی محتاجی کا بھی کچھ خیال نہیں آتا ۔ چٹائی بچھاتے ہیں ، کمبل پہنتے ہیں مگر بڑے بڑے عالی جاہ بادشاہوں کی بھی پروا نہیں کرتے"[1] ۔

"آفتابِ نبوت" کو جو چیز عام مولود ناموں سے ممتاز کرتی ہے وہ حوالہ جات کا اہتمام ہے ۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ کوئی واقعہ یا کوئی قول بے سند نہ رہے ۔ چنانچہ اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے مواد اخذ کیا گیا ہے ، اُن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں : قرآن مجید ، صحیح بخاری ، سیرتِ ابنِ ہشام ، مواہب اللدنیہ ، الشمامہ ، سیرتِ حلبیہ ، معارج النبوۃ ، زاد المعاد ، شرح مواہب اللدنیہ (زرقانی) ، عجائب القصص اور نشر الطیب وغیرہ ۔ ان کے علاوہ سیوطی اور طبری کی کتابوں کے اقتباسات بھی درج کیے گئے ہیں ۔ بائیبل کے عہد نامۂ جدید کی عبارات بھی نقل کی گئی ہیں اور حضرت مسیحؑ اور آنحضرتؐ کے دورِ رسالت کی تکالیف کا موازنہ کر کے آپؐ کی اخلاقی برتری دکھائی گئی ہے ۔ پھر غیر مسلموں میں سے کاؤنٹ دی بلین وایرز ، ڈاکٹر ویل ، ڈبلیو آئرلینڈ ڈاکٹر وائٹ ، گاڈفرے ہگنز ، جان ڈیون پورٹ اور ایڈورڈ گبن کے مختصر اقوال پیش کر کے آنحضرتؐ کی نبوت کی صداقت پر شہادت لائی گئی ہے ۔ ایک جگہ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کی عبارت اور دوسری جگہ قصیدۂ بردہ کے اشعار بھی تائیداً درج کیے ہیں ۔ مثلاً چیمبرز انسائیکلوپیڈیا ، جلد ششم میں سے مصنف نے اذان کے بارے میں درج ذیل دلکش تاثر نقل کر کے شعائر

۱- آفتابِ نبوت : صبر شاہجہان پوری ، ص ۱۱۵ ، ۱۱۶ ۔

اسلامی کی برتری ظاہر کی ہے :

''مؤذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین و دلکش ہوتی ہے ، گو کہ شہروں میں بوجہ شور و غوغا کے کم سنائی دیتی ہے ، لیکن کتنی سریلی اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے ۔ رات کی خاموشی میں جب کہ چہار جانب سناٹا چھایا ہوا ہوتا ہے ، اس کا اثر عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے ، یہاں تک کہ بہت سے اہلِ یورپ نے بھی اس امر پر مبارک باد دی ہے کہ اذان کی آواز ناقوس اور گھنٹے سے بڑھ کر ہے ۔ فی الحقیقت جب کہ کل پرند اپنے اپنے آشیانوں میں بسیرا لے رہے ہوں اور چوپائے دن بھر کی دوڑ دھوپ سے عاجز ہو کر آرام کر رہے ہوں ، عالم پر سکون و سکوت چھایا ہوا ہو ، انسان نے اپنے آرام کو اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت کے لیے چھوڑ رکھا ہو اور اپنے ہم جنسوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ''اللہ اکبر ، اللہ اکبر'' کہتا ہو ــــ یہ کتنا مؤثر اور دلکش طریقہ ہے''[1] ۔

مغربی مصنفین اور ان کی کتابوں کے اس طرح کے حوالے ظاہر کرتے ہیں کہ ''آفتابِ نبوت'' ایک مختلف قسم کا مولود نامہ ہے ، جس کا مصنف بسم اللہ کے گنبد میں بند نہیں اور نہ وہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا ہے ۔ وہ گرد و پیش میں رونما ہونے والی فکری تبدیلیوں کو آنکھ کھول کر دیکھتا ہے ، اسی لیے اپنے مولود نامے کو اس نے ایک نئی ہیئت ، ایک نیا اسلوب دیا ہے ۔ ''آفتابِ نبوت'' اپنے مواد اور زبان و بیان کے اعتبار سے جدید کتبِ سیرت کی سرحد میں قدم دھرتا نظر آتا ہے ۔ موضوع کے لحاظ سے یوں کہ مصنف نے صرف مستند روایات سے اپنی کتاب کو مزین کیا ہے اور فرضی معجزات کے ذریعے حضورؐ کی شانِ نبوت بڑھانے کی بجائے آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کے حقیقی ذکر سے آپؐ کی عظمت واضح کی ہے ۔ زبان و بیان کے لحاظ سے یوں کہ اس کتاب کے مصنف کی عبارت عام کتبِ مولود کی طرح مرصع و رنگین نہیں ہے ۔ مصنف کو خود بھی اس کا احساس تھا ، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''اس کتاب میں آنحضرتؐ کے سادہ حالاتِ زندگی کے مطابق زیادہ عبارت آرائی سے کام نہیں لیا گیا

---

۱ - آفتابِ نبوتؐ : صبر شاہجہان پوری ، ص ۸۶ ، ۸۷ ۔

ہے ، بلکہ مختصر حالاتِ زندگی کے سلیس اور دلچسپ اُردو میں قلم بند کر دیئے گئے ہیں اور یہ دکھایا گیا ہے کہ حضور اکرمؐ کو عرب جیسے جاہل ، تند خو اور بے رحم ملک میں اسلام پھیلانے میں کتنی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں اور اُن مصائب و نوائب کے مقابلہ میں حضور صلعم کس درجہ مستقل مزاج و ثابت قدم و رحم دل تھے اور حضورؐ کا اخلاق کس درجہ وسیع اور غیر معمولی تھا" ۔ اس دور میں زبان کا سانچہ کس طرح بدل رہا تھا ، اُس کا اندازہ اس کتاب میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ سے بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً ایک اقتباس ملاحظہ ہو : "چنانچہ کفارِ مکہ نے ایک کمیٹی اس سکیم کے سوچنے کے لیے بٹھائی ، جس کا نام دارالندوہ رکھا گیا ۔ اس کمیٹی میں مختلف تجاویز اور ریزولیوشن پاس ہوئے[1]"۔ یہاں کمیٹی ، اسکیم اور ریزولیوشن جیسے انگریزی الفاظ بلا تکلف تحریر میں استعمال کیے گئے ہیں ۔ قدیم اصطلاحوں کے لیے اس طرح کے جدید الفاظ استعمال کرنا اور آنحضرتؐ کی صداقت میں غیر مسلموں کی شہادتیں پیش کرنا بھی سر سید کے براہ راست اثرات کا نتیجہ ہے ۔ "آفتابِ نبوت" جیسے مولود ناموں کی موجودگی میں شمیم احمد کی یہ رائے بے جواز ٹھہرتی ہے کہ "ٹیکنیک کے لحاظ سے میلاد کی کتابیں تاریخ و سیرت کی کتابوں سے بالکل جدا ہوتی ہیں"[2] ۔

آمنہ کا لالؐ

"آفتابِ نبوت" کے بعد بیسویں صدی عیسوی کا ایک اور قابلِ ذکر مولود نامہ علامہ راشدالخیری (۱۸۷۰ء-۱۹۳۶ء) کا آمنہ کا لالؐ ہے، جو اسلوب کے اعتبار سے روایتی ، لیکن مواد کے لحاظ سے جدید طرزِ احساس کا حامل ہے ۔ جہاں دیگر مولود نامے مردانہ محافلِ میلاد میں پڑھے جانے کے

۱- آفتابِ نبوت : صبر شاہجہاں پوری ، ص ۶۷ ۔
۲- ادبِ نبویؐ : سید شمیم احمد (سیرتِ پاک : "ماہ نو" کی خصوصی اشاعتوں کا انتخاب ، ادارۂ مطبوعات پاکستان ، کراچی ۱۹۶۶ء ، ص ۹۱) ۔

لیے لکھے گئے، وہاں "آمنہ کا لال" خاص طور پر زنانہ مجالس میں پڑھنے کے لیے تالیف کیا گیا ہے - ۱۰۴ صفحات کا یہ میلاد نامہ پہلی بار ۱۹۳۰ء میں دہلی سے شائع ہوا اور اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں - علامہ راشد الخیری کتاب کی ابتدا میں "آمنہ کے لال کی خصوصیت" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ "مولود شریف کی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں مگر میری رائے میں مسلمان لڑکیوں کے واسطے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو رطب و یابس سے بالکل پاک ہو اور نہ صرف ان ہی کو مطمئن کر سکے بلکہ وہ اپنی مجلسوں میں غیر مسلموں کے سامنے بھی اپنے رسول کو پیش کر سکیں - یہی وجہ ہے کہ تمام کتاب میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں، جس کے یقین میں قیاس تامل کر سکے اور ہی حقیقت بھی ہے - استعارہ اور تشبیہہ مصنف کا جائز حق ہے - اس کو مبالغہ سمجھنا غلطی ہوگی"[1] -

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب رطب و یابس سے پاک ہے اور زنانہ مجلس میلاد میں پڑھنے کے لیے موزوں ہے، لیکن جہاں تک تشبیہات و استعارات کے استعمال کا تعلق ہے، اس میں مصنف نے اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا - ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے ایک مضمون "اردو میں سیرت نگاری" میں اس کتاب کو سر سید اور حالی کے مولود ناموں کی صف میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "سر سید احمد خاں اور حالی نے اپنے وقت کی اہم ضرورت سمجھا کہ میلاد کی مجلسوں کے لیے سیرت کی ایسی مختصر کتابیں لکھی جائیں جن میں ثابت شدہ روایات ہوں اور موضوعی روایات و احادیث سے دامن بچایا جائے - "سر سید کی "جلاء القلوب بذکر المحبوب" اور حالی کے "مولود شریف" سے اس سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے - بعد میں اسی نمونہ پر مولانا راشد الخیری نے "آمنہ کا لال" اور سیاب اکبر آبادی نے "زنانہ میلاد" لکھا"[2] - ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے اس

۱- آمنہ کا لال : علامہ راشدالخیری، عصمت بک ڈپو دہلی، ۱۹۳۰ء ص ۱ -

۲- اردو میں سیرت نگاری : ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی (نقوش سیرت، مرتبہ نثار احمد، ص ۶۴) -

حد تک تو درست ہے کہ اس مولود نامے میں وضعی روایات سے احتراز کیا گیا ہے لیکن یہ ماننا مشکل ہے کہ یہ مولود نامہ سر سید اور حالی کے سلسلہ کی توسیع ہے۔ سر سید اور حالی کے مولود ناموں کی نمایاں خصوصیت زبان و بیان کی سادگی ہے لیکن ''آمنہ کا لال ؐ'' میں مصنف نے تشبیہات و استعارات پر اپنا جائز حق سمجھتے ہوئے اُن کا بے دریغ استعمال کیا ہے۔ خیال آرائی اور اسلوب کی رنگینی کے اعتبار سے علامہ راشد الخیری کا دامن (سر سید اور حالی کی بجائے) محمد حسین آزاد کے دامن سے بندھا ہوا ہے۔ ''آمنہ کا لال ؐ'' کے مصنف کو شاعر ہونے کا دعویٰ نہیں لیکن کتاب میں موجود اشعار اُس نے خود موزوں کیے ہیں اور شعوری کوشش کی ہے کہ کسی دوسرے کا ایک مصرع بھی شامل نہ ہونے پائے، چاہے اُس کے اپنے اشعار بقول خود ''کتنے ہی غلط سلط اور ٹوٹے پھوٹے ہوں''۔ یہ الگ بات ہے کہ اُن اشعار کو مصنف نے اپنے جذبات کی عکاسی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اُن کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں، تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ راشد الخیری نے اپنی شاعری کے معاملے میں تو کسرنفسی سے کام لیا ہے لیکن شاعرانہ نثر کے سلسلے میں کسی قسم کے انکسار کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

''آمنہ کا لال ؐ'' میں آنحضرت ؐ کے لیے حضرت ابراہیم ؑ کی دعا سے آغاز کر کے عرب کی حالت، حضور ؐ کی ولادت، خاندان، شیرخوارگی، دائی حلیمہ کے ہاں پرورش، والدہ اور دادا کی وفات، ابوطالب کی کفالت، لڑکپن، جوانی، بی بی خدیجہ کی ملازمت، سفرِ شام، شادی، غارِ حرا میں عبادت، پہلی وحی کا نزول، ورقہ بن نوفل کی بشارتِ نبوت، ابتدائی مسلمان، بی بی خدیجہ رض اور ابو طالب کا انتقال، مدینہ میں پہلے پہل اشاعتِ اسلام، ہجرتِ مدینہ کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رض کی وفات اور حضرت علی رض کی قربانی، سراقہ کی دشمنی، مدنی زندگی، یروشلم کے یہودیوں کی طرف سے آپ ؐ کی نبوت کا اعتراف، آپ ؐ کی صداقت پر قریشِ مکہ کی گواہی، سرورِ کائنات ؐ کے متعدد نکاح اور غیر مسلموں کے اعتراضوں کے جوابات، آنحضرت ؐ کا خلقِ عظیم اور اسلام کا عورتوں کے حقوق کی حمایت کا اعلان، جیسے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ ''ایک بڑی حد تک وہ تمام باتیں جو ذکرِ ولادت

سے تعلق رکھتی ہیں ، میں نے اس کتاب میں لانے کی سعی کی ہے ۔ "آمنہ کا لال ؐ" چونکہ سیرت نہیں ہے اس لیے معراج اور لڑائیوں کے حالات میں نے چھوڑ دیئے ہیں"[1] ۔

مصنف کے کتاب لکھنے کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمان لڑکیوں کو عیدِ میلاد اور مجالسِ میلاد کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں اور وہ ڈنکے کی چوٹ وہ واقعات بیان کر سکیں جو سامع کے دل پر پورا پورا اثر کر سکیں ـــــ اپنے اس مقصد میں مصنف کامیاب ہے ، مگر اس کا یہ دعویٰ کہ "وہ (خواتین) اسے اپنی مجالس میں غیر مسلموں کے سامنے بھی پیش کر سکتی ہیں" ، محلِ نظر ہے ۔ مصنف کے اس اعتراف کے باوجود کہ "حضورِ اکرم ؐ کے خلاف مغرب نے جو زہر اُگلا ، اس کا بڑا حصہ مولود شریف کی کتابوں اور مولود خوان حضرات کی عنایت کا ممنون ہے اور ولیم میور کی تصنیف "لائف آف محمد ؐ" ایسا آئینہ ہے جس میں ہر مسلمان اپنا چہرہ آسانی سے دیکھ سکتا ہے"[2] خود اس کی یہ کتاب بھی ٹکنیک اور زبان و بیان کے اعتبار سے روایتی مولود ناموں کی سطح سے بلند نہیں ہو پائی اور نہ ان اعتراضات سے بری ہے ، جن کا ذکر علامہ راشد الخیری نے مولود شریف کی دیگر کتابوں کے ضمن میں کیا ہے ۔ "آمنہ کا لال ؐ" کے مصنف نے واقعات اور روایات کے سلسلے میں بے شک مبالغہ سے کام نہیں لیا ، لیکن خیال آفرینی کے شوق میں عبارت آرائی سے پرہیز بھی نہیں کیا ۔ آنحضرت ؐ کے اس دنیا میں تشریف لانے کا نقشہ درجِ ذیل الفاظ میں کھینچا گیا ہے :

"دنیا خوابِ غفلت میں پڑی سو رہی تھی اور علم نہ تھا کہ اس مہینے کا چاند اپنے ساتھ کیا لاتا ہے ۔ رات کے تارے اور دن کا آفتاب ، کائنات کو کیا پیام دے رہے ہیں اور آسمان و زمین ایک ایسے بچے کی پیدائش کا نقارہ بجا رہے ہیں جو عرب کے ساتھ تمام دنیا کی کایا پلٹ دے گا ۔ چھٹی صدی عیسوی نے اپنی ستر منزلیں طے کر لی تھیں ۔ ۵۷۱ء کا موسمِ بہار

۱۔ آمنہ کا لال ؐ : علامہ راشد الخیری ، ص ۱ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۵ ۔

شروع ہو چکا تھا ۔ ربیع اول کی آٹھویں اور اپریل کی چودھویں رات سرزمینِ عرب پر چھائی ہوئی تھی کہ عبدالمطلب کے کانوں میں بہو کے دردِ زہ کی خبر پہنچی اور آناً فاناً گھر اور اس کی چار دیواری عورتوں سے بھر گئی ۔ چلنے والے قدم ، آنے والی بیبیوں اور جمع ہونے والی عورتوں کو کیا معلوم کہ ان کے دل کس بچہ کا استقبال کر رہے ہیں ۔ یہ بچہ جو باپ کی شفقت سے محروم ہو چکا ، قدرت کی محبوب ترین مخلوق ہوگا اور ہم اس پر سو جان سے قربان ہوں گے''[1] ۔

اسی طرح آپؐ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی کا حال یوں بیان کیا گیا ہے :

''قریشی دولہا ظاہری زیبائش سے محروم ہے ۔ سہرا ہے نہ بدھی ، کنٹھا ہے نہ طرّہ ۔ ماں جو بچے کو دولہا دیکھ کر نہال نہال ہوتی ، قبر میں پہنچ گئی اور باپ جو کلیجہ کے ٹکڑے کو نوشہ دیکھ کر باغ باغ ہوتا ، ابدی نیند سو گیا ۔ دادا جس نے بیٹے کی امانت کو کلیجے سے لگا کر رکھا ، رخصت ہو چکا ۔ اب لے دے کر جو کچھ تھا ، ایک چچا کا دم تھا ، لیکن زینتِ ظاہری کے علاوہ اس شادی میں کچھ اور بھی تھا ۔ ابراہیمی دعا کے ساتھ نبیوں کی بہت سی مقدس روحیں ہمرکاب اور مخلوقِ آسمانی کی نظریں ہمراہ تھیں''[2] ۔

یہ طرزِ بیان سیرت و تاریخ سے زیادہ افسانہ و ناول کے لیے موزوں ہے ، کیوں کہ یہاں واقعات روایت بہ روایت بیان کرنے کی بجائے چشمِ تصور سے چودہ صدیاں پہلے کا زمانہ اور ماحول دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ علامہ راشد الخیری کے اپنے ہی لفظوں میں ''عشقِ رسولؐ کے یہ مدعی کاش اتنا اور سمجھتے کہ جس کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں ، جس سے محبت کا دعویٰ فرما رہے ہیں ، یہ قیس کی لیلٰی نہیں ، رحمة للعالمین ہیں ۔ مخلوق کا نہیں ، خالق کا محبوب ہے اور یہ وہ درگاہ ہے ، جہاں ملا۔

۱- آمنہ کا لالؐ : علامہ راشد الخیری ، ص ۲۱ ۔
۲- ایضاً ، ص ٦۲ ۔

اعلیٰ کی آبادی سر بسجود ہے ۔ جلیل القدر ملائکہ دست بستہ ہیں اور جبرئیل جیسے مقتدر فرشتہ کے اس حضور میں پر جل رہے ہیں"[1] ۔ شاید اسی لیے مصنف نے "آمنہ کا لال ؐ" میں معراج اور غزوات کے حالات حذف کرتے ہوئے اس کتاب کو باقاعدہ کتبِ سیرت کی صف میں شامل کرنے سے احتراز کیا ہے ۔ تاہم جہاں تک احساس کی شدت ، جذبہ کی تاثیر اور طرزِ اظہار کے لطف کا تعلق ہے ، یہ کتاب ، کتبِ مولود کی مجلس میں صدر نشیں بننے کی مستحق ہے ۔ مصورِ غم ، علامہ راشد الخیری ، حقوقِ نسواں کے بہت بڑے علمبردار ہیں اور انہوں نے اپنی ساری تصنیفی عمر ، عورت کی مظلومیت کا اظہار کرتے گزاری ہے ۔ ان کا یہ مخصوص رجحان موجودہ مولود نامہ کی سطر سطر سے عیاں ہے ۔ مثلاً کتاب کی ابتدا میں آنحضرت ؐ کی ولادت سے پہلے عرب کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"عورت ! ہائے عورت ! ! کیا مٹی پلید ہے کہ خدا دشمن کی بھی نہ کرے ۔ لونڈی ہے ، جانور ہے ، ذلیل ہے ، حقیر ہے ۔ کیسی عزت ، کہاں کی وقعت ، کس کا ترکہ ، کدھر کا ورثہ ؟ مشورہ نہ صلاح ، نکاح نہ بیاہ ۔ مار پیٹ جائز اور ظلم و ستم مباح ۔ یعقوب ؑ و یوسف ؑ کی بسنے والی زمین پر جہاں خلوص و صداقت کے پھول مہک چکے تھے ، اب مکر و دغا کی نہریں جاری ہیں اور جبر و ریا کے کانٹوں سے انسانیت کا گلشن ایسا پٹا پڑا ہے کہ بادِ صبا بھی قدم دھرتی کانپتی ہے ۔ ایمان کے قمقمے گل ہوئے ، انصاف کی ہوائیں ختم ہوئیں اور مظلوم عورت کی رگ رگ سے مرد کے ستم کی فریادیں بلند ہونے لگیں ۔ معصوم بچیاں ، جیتی جاگتی اور ہنستی بولتی ، زمین کا پیوند ہو رہی ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ ان زندہ روحوں کی خون ریزی پر اُف بھی کر سکے ۔ اندھے کنوئیں اور گہرے گڑھے ان بدنصیب بچیوں کی زندہ ہڈیاں گود میں لیے ان کی بیکسی و لاچاری کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں ۔ جوان عورتیں ، جن کی عصمت کوئی وقعت نہیں رکھتی ، بے پناہ ہیں ۔ بڑھیاں نوکروں اور ماماؤں کی خدمت انجام دے رہی ہیں اور اس سرے سے اس سرے تک تمام عربستان مصائب کی پوٹ اور آفات کا

۱۔ آمنہ کا لال ؐ : علامہ راشد الخیری ، ص ۵ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۵ ۔

میدان بنا ہوا ہے"[1] اور کتاب کا اختتام ان الفاظ میں کرتے ہیں : "یہ وہ زمانہ ہے کہ عورت کے واسطے انصاف کا دروازہ بند ہے ۔ دنیا کا ہر مذہب اس کو دھتکار چکا ۔ وہ کسی جگہ لونڈی سے بدتر ہے اور کہیں جانور سے ۔ کنواری پر باپ اور بیاہی ہوئی پر شوہر پوری طرح حکومت کر رہا ہے کہ دفعتاً اس ظلم انگیز فضا میں یہ الفاظ آمنہ کے لال کی زبان سے نکل کر سیاہ و تاریک فضا میں گونجتے ہیں : "عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں اور ان کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرو ۔ شوہر کو مناسب نہیں کہ آپ عمدہ کھائے اور گھر والوں کو نہ دے ۔ عورت کی عزت وہ کرتے ہیں جو شریف ہیں اور ان کی توہین پاجی کرتے ہیں ۔ شوہر اپنی خوبصورتی پر فخر نہ کرے اور بیوی کی بدصورتی پر معترض نہ ہو"[2] ۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ "آمنہ کا لال" ایک نئی وضع اور نئے رجحان کا حامل مولود نامہ ہے اور اسی میں اس کی مقبولیت کا راز پوشیدہ ہے ۔

۱- آمنہ کا لال : علامہ راشد الخیری ، ص ۱۱ ۔
۲- ایضاً ، ص ۱۰۲ ۔

غیر مسلم (ہندو اور سکھ) سیرت نگار اور اُن کی کتبِ سیرت

بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں بعض غیر مسلم مصنفین نے بھی سیرتِ رسولؐ پر قلم اٹھایا ۔ ان میں ایک طرف تو وہ اربابِ قلم ہیں ، جنھوں نے آریہ سماج کے اٹھائے ہوئے طوفان کی رو میں بہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انتہائی دل آزار کتابیں لکھیں اور دوسری طرف وہ سوانح نگار ہیں ، جنھوں نے روا داری اور ہمدردی کے جذبے کے تحت غیر متعصبانہ ، بے غرضانہ اور عالمانہ کتبِ سیرت تصنیف کیں ۔ اول الذکر کی مثال "رنگیلا رسول" ہے ، جسے ۱۹۲۴ء میں لاہور کے ایک آریہ سماجی ناشر راجپال نے شائع کیا اور اگرچہ اس کتاب کے مصنف کا نام مخفی رکھا گیا تھا ، لیکن خیال یہی تھا کہ اسے "پرتاب" کے ایڈیٹر مہاشہ کرشن نے تحریر کیا تھا[1] ۔ ۹۶ صفحات پر مشتمل اس ناپاک کتاب نے (جس کا سواد گو مسلمانوں کی معروف مذہبی کتابوں سے اخذ کیا گیا تھا ، لیکن سیاق و سباق سے الگ کرکے اور نہایت توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا) پورے برصغیر میں آگ لگا دی ۔ بالآخر لاہور کے ایک نوجوان علم الدین شہید نے راجپال کو قتل کر کے اس آگ کو ٹھنڈا کیا[2] ۔ ہندوستان میں حضور اکرمؐ کے خلاف سوقیانہ تحریروں کا سلسلہ اگرچہ پچھلی صدی سے شروع ہو چکا تھا اور پادری عماد الدین

۱- آہنگِ بازگشت : محمد سعید ، ۹ ڈی سیٹیلائٹ ٹاؤن ، راولپنڈی ، ۱۹۷۹ء ، ص ۶۳ ۔

۲- علمی سطح پر اس کا جواب مولینا ثناء اللہ امرتسری نے "مقدس رسولؐ" لکھ کر دیا ۔

پانی پتی کی "تواریخ احمدی" (۱۸۷۰ء) ، پنڈت دیا نند سرسوتی (م۱۸۸۳ء) کی "سیتارتھ پرکاش" (چودھواں باب[1]) اور پنڈت لیکھ رام (م/۱۸۹۷ء) کی متعدد تصانیف اس کی مثال ہیں ، جن میں آنحضرتؐ کے متعلق انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی گئی تھی اور آپؐ کی ذاتِ اقدس پر بے بنیاد الزامات عائد کیے گئے تھے ۔ بیسویں صدی بھی ایسی رکیک کتابوں سے محفوظ نہ رہی ، تاہم یہ امر خوش آیند ہے کہ فرقہ وارانہ تعصب اور مذہبی بغض و عناد کے اس ماحول میں چند ہندو اور سکھ اربابِ قلم ایسے بھی تھے جنھوں نے بر بنائے عقیدت یا بر بنائے مصلحت آنحضرت کی ایسی سوانح عمریاں لکھیں ، جو نہ صرف یہ کہ دلآزار نہ تھیں ، بلکہ اپنے منصفانہ نقطۂ نظر کی وجہ سے ہندوستان کے مذہبی گروہوں کو اتحاد کے رشتے میں پرونے والی تھیں ۔ ان میں سے بعض کتبِ سیرت اتنے ہمدردانہ ، مخلصانہ اور والہانہ انداز میں تحریر کی گئی تھیں کہ ان پر مسلمانوں کی تصانیف ہونے کا گمان گزرتا تھا ۔ ہندی غیرمسلموں کی طرف سے آنحضرتؐ کی حمایت میں خود کتبِ سیرت لکھنے یا دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ابتدا بھی انیسویں صدی کے آخر میں ہوئی ، جس کی ایک مثال لالہ رلیا رام گولاٹی کی "سوانح عمری محمد" (۱۸۹۲ء) ہے[2] ، لیکن بیسویں صدی میں ان کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہو گیا ۔ اس قسم کی کتبِ سیرت ہیں "حضرت محمد صاحب ، بانئ اسلام" از شردھے پرکاش جی (۱۹۰۷ء) ، "رسولِ عربی" از جی ۔ ایس ۔ دارا (م ۱۹۰۹ء) ، "عرب کا چاند" از سوامی لکشمن پرشاد (۱۹۳۲ء) ، "حضرت محمدؐ اور اسلام" از پنڈت سندر لال "حضرت محمد صلعم اور اسلام" از بابو کنج لال ایم ۔ اے ، "پیغمبرؐ اسلام" از رگھو ناتھ سہائے "چار مینار" از گوبند رام سیٹھی شاد (۱۹۴۳ء) اور "حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری" از پروفیسر لاجپت رائے نیر وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں ۔ ویسے تو اس دور میں ہندوؤں اور سکھوں نے اخبارات و رسائل میں بھی بیشمار مضامین لکھے ،

---

۱ ۔ اس کا جواب مولٰینا ثناء اللہ امرتسری نے "حق پرکاش" کی شکل میں لکھا ۔

۲ ۔ یہ کتاب واشنگٹن ارونگ کی کتاب (Life of Mahomet) کا اردو ترجمہ ہے ۔ (ارمغانِ حق : سید افتخار حسین شاہ ، جلد اول ، ص ۹) ۔

جن میں آنحضرتؐ کی سوانح حیات اور سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی اور ایسے مضامین بعد ازاں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے ، جن سے اندازہ ہوتا ہے یہ غیر مسلم حضرات رسول مقبولؐ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کے بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھتے تھے ۔ مثلاً بشیر احمد سید کی کتاب "سرورِ کونینؐ ۔۔ اغیار کی نظر میں" ، ایسے ہی مضامین پر مشتمل ہے ۔ اس میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" از مالک رام ، "مہا پُرش محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" از پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر : "بھارت سماچار" بمبئی) ، "ملکِ عرب کا سب سے بڑا ریفارمر" از ماسٹر شنکر داس گیانی ، "وحدانیت کا متوالا" از ڈاکٹر یدہ ویر سنگھ ، "حضرت محمدؐ کے عالمِ انسانیت پر عظیم احسانات" از لالہ رام لال ورما ، "بانیٔ اسلام کی رحمدلی" از بی ۔ ایس رندھاوا ، "مسلمان اور ان کے نبیؐ کی تعلیم" از سردار رام سنگھ گیانی ، "رسول اللہ کی تعلیمِ اخوت و ایمان" از موتی لال ماتھر ، "ساری کائنات اور جملہ مخلوق الٰہی کے لیے رسول اللہ کی رحمت و شفقت" از سوامی برج نرائن سنیاسی ، "پیغمبرِ اسلام کا رہن سہن" از پنڈت سندر لال ، "رسول اللہ کی مکمل زندگی کے اخلاقِ حسنہ" از بھگوان داس بھگوان ، "پیغمبر اسلام کی شادیاں" از پنڈت سندر لال ، "حضرت محمد کی زندگی سے سبق سیکھئے" از شری لالہ دیش بندھو جی ، (ڈائرکٹر اخبار "تیج" دہلی) ، "رسول اللہ کا نظامِ سیاست" از رانا بھگوان داس بھگوان ، "رسول اللہؐ کی بہترین سیاست" از رانا بھگوان داس بھگوان اور "حضرت محمدؐ اور انسدادِ غلامی" از لالہ شیام ناتھ ایم ۔ اے وغیرہ مضامین شامل ہیں ، جن سے اس غیر معمولی ارادت و محبت کا اظہار ہوتا ہے جو ان شریف النفس غیر مسلموں کو آنحضرتؐ کی ذاتِ با برکات سے تھی ۔ بلکہ بقول بشیر احمد سید (مرتب کتاب) ، "بعض مقامات ایسے ہیں کہ خود ہمیں غیر مسلم حضرات کے مطالعہ کی گہرائی اور فہم کے خلوص پر تعجب ہوتا ہے"[۱] بہرحال ایسے ہی مضامین ، اقتباسات اور اشعار پر مشتمل کئی اور مجموعے (مثلاً "پیغمبر اسلامؐ ، غیر مسلموں کی نظر میں" از

۱- سرورِ کونینؐ ۔ اغیار کی نظر میں : مرتبہ بشیر احمد سید ، کتاب مرکز ، گوجرانوالہ ، ص ۶ ۔

ظلِ عباس عباسی اور "محمد رسول اللہ ، غیر مسلموں کی نظر میں" از محمد حنیف یزدانی) بھی بعد ازاں شائع ہوئے ۔ یہ درست ہے کہ ان مضامین کے بعض مقامات ایسے ہیں ، جن سے پوری طرح اتفاق کرنا مشکل ہے، کیونکہ وہ ہمارے عقاید کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے ، تاہم یہاں اختلاف رائے بر بنائے عناد نہیں ، اس لیے انہیں نظر انداز کر دینا چاہیئے ۔ مضامین کے مقابلے میں البتہ آنحضرت کی سیرت پر لکھی ہوئی غیر مسلموں کی باقاعدہ کتابیں بڑی حد تک ان عیوب سے پاک ہیں اور وہ ان کے جوشِ عقیدت کی اس حد تک ترجمانی کرتی ہیں کہ بقول مولانا عبدالماجد دریا بادی ، "اکثر مقامات پر ایک مسلمان کو بھی اس خلوصِ نیاز پر رشک آنے لگتا ہے"[1] ۔ ان کتبِ سیرت میں غیرمسلموں نے نہ صرف آنحضرت کی زندگی کو ایک مثالی نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے بلکہ آن پر لگائے گئے متعدد الزامات کی تردید بھی کی ہے ، خصوصاً وہ الزمات جو آن کے ہم مذہب آنحضرت پر عام طور پر لگاتے تھے ، یعنی قتل و غارتگری ، شہوت پرستی اور جبری اشاعتِ اسلام وغیرہ ۔ آنھوں نے حقیقی واقعات کی روشنی میں آنحضرت کے بارے میں پھیلائے گئے من گھڑت قصوں کی بھی خوب قلعی کھولی ہے اور یوں حق گوئی و صداقت پسندی کی ایک عمدہ مثال قائم کی ہے ۔

یوں تو آن میں سے کوئی کتاب بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ، لیکن تین کتابیں ایسی ہیں ، جو خصوصی توجہ کی مستحق ہیں (۱) "حضرت محمد صاحب بانی اسلام" از شردھے پرکاش جی (۲) "رسولِ عربی" از جی ۔ ایس ۔ دارا اور (۳) "عرب کا چاند" از سوامی لکشمن پرشاد ۔ ان کے علاوہ "پیغمبر اسلام" از رگھو ناتھ سہائے ایک اور وجہ سے قابلِ ذکر ہے ، جس کی تفصیل آگے آتی ہے ۔

۱۔ رسولِ عربی : جی ۔ ایس ۔ دارا ، مجلسِ اردو لاہور ، ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱ (ریویو اخبار 'ہمدرد' ، دہلی از مولینا عبدالماجد دریا بادی) ۔

حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام

۱۹۰۷ء میں برامہو دھرم کے پرچارک شردھے پرکاش دیو نے اردو زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دلچسپ سوانح عمری ، "حضرت محمد صاحبؐ بانیٔ اسلامؐ" کے نام سے لکھی اور شائع کی ۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے[1] اور یہ ہندوستان کے تمام مذاہب کے لوگوں میں خاصی مقبول ہوئی ۔ اس کی وجہ مصنف کا وہ عقیدت مندانہ (لیکن مبنی بر انصاف) نقطۂ نظر تھا ، جو اس زمانے میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور تھا ۔ شردھے پرکاش دیو نے سیدھے سادے ، عام فہم انداز میں ۱۳۴ صفحات میں سرورِ کائناتؐ کی زندگی کے واقعات قلم بند کیے تھے اور آنحضرتؐ پر لگائے گئے متعدد الزامات کا جواب بڑے مدلل انداز میں دیا تھا ۔ ایک ہندو کی طرف سے آنحضرتؐ کو یہ شاندار خراجِ تحسین حیرت انگیز بلکہ مسرت خیز تھا ، چنانچہ مولانا الطاف حسین حالی نے اس سوانح عمری کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا کہ

"اس کتاب کی نسبت جو کچھ میں نے اخباروں میں دیکھا اور لوگوں سے زبانی سنا تھا ، اس سے بہت زیادہ اس کو تعریف کے لائق پایا۔ معزز مصنف نے یہ کتاب لکھ کر سچائی اور حق پسندی کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے ، جس کی ہم سب ہندوستانیوں کو تقلید کرنی چاہیے ۔ اب تک ہمارے تمام ہم وطن عام طور سے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان ، اس خیالِ خام میں مبتلا رہے ہیں کہ غیر مذہب کی خوبیوں پر جہاں تک ممکن ہو ، پردہ ڈالیں اور چن چن کر اس کی برائیاں ظاہر کریں ۔ جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے ، تمام اہلِ مذہب اس غلطی پر پڑے ہوئے ہیں کہ غیر مذہب کے کسی اعتراض کو تسلیم کر لینا یا اس کی کسی خوبی کا اقرار کرنا اپنے مذہب کے دائرے سے نکل جانے کے برابر ہے ۔ اگرچہ

۱۔ تازہ ترین ایڈیشن "شردھے پرکاش دیو کا نذرانۂ عقیدت بحضور بانیٔ اسلامؐ" کے عنوان سے مکتبہ شاہکار لاہور سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا ۔

مجھے یقین ہے کہ شردھے پرکاش دیو جی نے یہ کتاب مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض صداقت کے ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے ؛ لیکن چونکہ مسلمانوں کا خوش ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہے ، اس لیے وہ تمام مسلمانوں کی طرف سے دلی شکریے کے مستحق ہیں"[۱] -

اسی طرح مولٰینا ظفر علی خاں نے اپنے اخبار "زمیندار" میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "مسلمان اپنے پیارے نبیؐ کی سوانح عمری کو اکثر سیرتِ نبویؐ لکھا کرتے ہیں اور "حضرت محمدؐ صاحب بانیٔ اسلام" کے الفاظ بھی ان کے کانوں کو کچھ غیر مانوس معلوم نہ ہوں گے ، مگر ہم نے اس کتاب کو الف سے ی تک پڑھا ۔ آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی اردو زبان میں نہایت نیک نیتی ، دلی صفائی اور پاکبازی کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور گو مصنف صاحب معجزات اور وحی کے قائل نہیں ، مگر ان کی تحریر صاف طور پر ظاہر کر رہی ہے کہ اس کتاب کا ہیرو فی الحقیقت کامل اور اکمل بشر اور اپنے راسخ اور سچے متبعین کے لیے ذریعۂ نجات و فلاح تھا ۔ اگرچہ بوجہ مسلمان ہونے کے ہمیں اس کتاب کے مضمون پر پہلے ہی سے تھوڑا بہت عبور تھا مگر مصنف نے آنحضرتؐ کے حالات ایسے دلکش پیرایہ میں لکھے ہیں کہ اس کتاب کے پڑھتے پڑھتے ہمیں یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ہم قرونِ اولیٰ میں بیٹھے ہوئے ہیں ۔ مخالفینِ اسلام آنحضرتؐ پر دو اتہام دیا کرتے ہیں ، اول یہ کہ آپؐ کے نو حرم تھے اور دوم یہ کہ آپؐ نے مذہب کے لیے تلوار اٹھائی ، مگر اس کتاب کے پڑھنے سے نہ صرف دونوں الزام لچر و پوچ بلکہ آنحضرتؐ کے یہ دونوں افعال عین صواب ثابت ہوتے ہیں ۔ ہم نے اس کتاب کو اپنے بچوں کے پڑھنے کے قابل سمجھا اور فوراً ان کے حوالے کیا ۔ مصنف نے اردو خوان مسلمانوں پر بلکہ تمام اردو داں پبلک پر بڑا احسان کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے حالات نہایت سلیس اور عمدہ زبان میں لکھ کر انہیں ایک اہم دینی اور دنیاوی مضمون پر مطلع کیا ہے اور چونکہ یہ ایک غیرمسلم ، روشن ضمیر

۱- بانیٔ اسلام : شردھے پرکاش دیو ، مکتبہ شاہکار ، لاہور ، ۱۹۷۹ء ، ص ۲ (شاہکاریہ) -

مصنف کی تحریر ہے ، ہمیں امید ہے کہ بہت سے غیر مذہب اصحاب بھی اس سے مستفید ہوں گے"[1] ۔

شردھے پرکاش دیو کی یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے ۔ مصنف نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی پیدائش کے وقت عربوں کی حالت پر روشنی ڈالی ہے ۔ اُن کے رسوم و رواج ، عادات و اطوار اور مذہب (بت پرستی) کا ذکر کرنے کے بعد "مسدسِ حالی" کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے ، جس میں عربوں کے ملک ، آب و ہوا ، لڑائی جھگڑوں اور مزاج و خصائل کا بڑا مؤثر بیان ہے ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کے آباء و اجداد ، آپؐ کی پیدائش ، رضاعت ، والدہ اور دادا کی وفات ، بچپن کا سفرِ شام اور اس کے قلبِ محمدؐ پر اثرات ، بحیرا راہب سے ملاقات ، آنحضرتؐ کی اوائل عمری ، حرب الفجار ، جوانی ، سوداگری ، حضرت خدیجہؓ سے کاروباری رابطہ اور بعد ازاں شادی ، حلف الفضول ، تنصیبِ حجرِ اسود ، زید بن حارث کی آزادی اور حضرت زینبؓ سے نکاح ، پہلی وحی ، اولین مسلمان ، قریبی رشتہ داروں کو دعوتِ اسلام ، قریش کی طرف سے ترغیب و تحریص اور ایذا دہی ، پہلی ہجرتِ حبشہ اور نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی مؤثر تقریر ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام ، عام الحزن ، سفرِ طائف ، آنحضرتؐ کی بے بسی و بے کسی اور مطعم بن عدی سے پناہ طلبی، طفیل بن عمرو دوسی کا قبولِ اسلام. حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے شادی ، مدینہ میں اسلام کی تخم ریزی ، واقعۂ معراج ، مدینہ سے دوسرے وفد کی آمد ، ہجرتِ مدینہ ، غارِ ثور میں چھپنا ، مدینہ میں آمد ، سلسلۂ مواخاۃ ، مسجدِ نبویؐ کی تعمیر ، حضرتِ فاطمہؓ کی شادی ، یہودیوں سے معاہدہ ، عبداللہ بن اُبی کی منافقت ، جنگِ بدر ، جنگِ اُحد اور دیگر غزوات میں شرکت ، حضرت حفصہؓ اور حضرت جویریہؓ سے شادی ، واقعۂ اِفک ، یہودیوں کو ان کی شرارتوں کی سزا ، صلح حدیبیہ ، بادشاہوں کے نام خطوط ، فتحِ خیبر ، حضرت اُم حبیبہؓ سے شادی ، عمرۃ القضا ، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا

۱۔ بانیٔ اسلامؐ : شردھے پرکاش دیو ، مکتبہ شاہکار ، لاہور ، ۱۹۷۰ء ، ص ۲ (شاہکاریہ) ۔

قبولِ اسلام ، حضرت میمونہؓ سے شادی ، جنگِ موتہ ، مکہ پر چڑھائی ، فتحِ مکہ ، ابو سفیان اور دوسرے مخالفین کا قبولِ اسلام ، خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا ، مراجعتِ مدینہ ، غزوۂ حنین اور فتحِ طائف ، عام الوفود ، غزوۂ تبوک ، قبیلہ طے پر چڑھائی ، حجۃ الوداع ،کاذب پیغمبروں کا ظہور اور اُن کی سرکوبی، مرض الموت اور وفات کا احوال درج ہے ۔ مصنف نے ان تمام واقعات کو ایک کہانی کے پیرائے میں لکھا ہے ، اسی لیے اس کا اندازِ بیان دلآویز اور مؤثر ہے ۔ کہیں کہیں قرآن مجید کی متعلقہ آیات کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے ، آنحضرتؐ کی آمد کی بشارت کے سلسلے میں بائیبل کی کتاب "استثنا" کی عبارات بھی نقل کی گئی ہیں اور "مسدس حالی" اور "بوستانِ سعدی" کے اشعار سے بھی مدد لی گئی ہے ۔ روایات و واقعات کم و بیش وہی ہیں ، جو ہماری کتبِ سیر و تاریخ میں موجود ہیں ، لیکن کہیں کہیں ایسے بیانات بھی شامل ہیں جو مصنف کے اپنے قیاس کا نتیجہ ہیں ۔ مثلاً "محمدؐ کی عادت تھی کہ وہ آٹھ برس کی عمر ہی سے باہر پہاڑوں اور بیابانوں میں اکیلے پھرا کرتے اور صحیفۂ فطرت (نیچر) کا سبق پڑھتے تھے ۔ وہ ایک سنسان غار میں جو تاریخ میں 'حرا' کے نام سے مشہور ہے ، جا کر اپنے وقت کا بہت سا حصہ صرف کیا کرتے تھے"[۱] ۔ حالانکہ کتبِ سیر میں لکھا ہے کہ آپؐ نے ۳۵ سال کی عمر کے بعد غارِ حرا میں خلوت گزینی اختیار کی ۔ اسی طرح اولین وحی کے نزول کے سلسلے میں مصنف لکھتا ہے کہ "بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرشتہ کوئی نہیں آیا ، صرف اُن کے دل ہی میں یہ القا ہوا تھا اور خود بخود اُن کی زبان سے (سورۂ علق کی) یہ پانچ آیتیں نکلی تھیں"[۲] ۔ حالانکہ سبھی مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ اس موقع پر حضرت جبرئیل نے آنحضرتؐ کو یہ آیات پڑھائی تھیں ۔ مولانا ظفر علی خاں کا یہ تاثر درست ہے کہ مصنف معجزات اور وحی کا قائل نہیں ، جس کا ثبوت اور مقامات کے علاوہ درج ذیل اقتباس بھی ہے : "محمدؐ صاحب کا دل اپنے ملک کو تاریکی اور جہالت میں ڈوبا

۱۔ بانیٔ اسلام : شردھے پرکاش دیو ، ص ۵ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۸ (حاشیہ) ۔

ہوا دیکھ کر بے انتہا کڑھتا اور دکھتا تھا ۔۔۔۔۔ وہ خدا سے ہمیشہ یہ دعائیں مانگتے کہ کسی طرح اُن کا ملک چاہِ جہالت سے نکلے ۔ وہ خدا کی درگاہ میں سر بسجود روتے ۔ آخر جوئندہ یابندہ ۔ الہام الٰہی کا چشمہ اُن کے دل سے پھوٹا اور نورِ خداوندی کا چمکارا چمکا ۔ اُن کا دل اُس مبارک درجے کو پہنچ گیا کہ خداوند تعالیٰ کی مرضی معلوم کر سکے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ بس خدا نے مجھ کو اسی مطلب کے واسطے پیدا کیا ہے کہ میں اپنے ملک سے اس جہالت کو دور کروں ۔ ان کو اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ جب انسان بہت گناہ کرتے ہیں اور دینِ حق کو چھوڑ دیتے ہیں ، تو خدا اُن کو راہ راست پر لانے کے لیے ایک نہ ایک شخص کو پیدا کر دیتا ہے ، چنانچہ اب اُس نے یہ بارِ امانت میرے سر پر ڈالا ہے ، جیسا کہ اُس سے پہلے اس نے ابراہیم[ع] ، موسیٰ[ع] ، عیسیٰ[ع] وغیرہ کے سر ڈالا تھا ۔ یہ خیال اُن کا عین الیقین کے درجے تک پہنچ گیا تھا ۔ وہ اکثر غیبی آوازیں سنا کرتے اور خواب اور بیداری میں طرح طرح کے مشاہدات اور رویائے صادقہ دیکھا کرتے ۔ وہ جو خواب دیکھتے ، ہمیشہ سچ نکلتا"[1] اس کے بعد مصنف نے اگرچہ آنحضرت[ص] کو ایک شخص کے پکارنے کا ذکر کیا ہے اور اُس شخص کو فرشتہ بتایا ہے جس نے سورۂ علق پڑھ کر سنائیں ، لیکن حاشیہ میں بعض مسلمانوں کے حوالہ سے خود ہی اُس کی تردید بھی کر دی ۔ اسی طرح پوری کتاب میں کسی معجزے کا ذکر نہیں کیا گیا ۔ واقعۂ معراج کو بھی آنحضرت[ص] کا رویا (خواب) قرار دیا ہے ، چنانچہ مصنف لکھتا ہے : "اُنھیں ایام میں جبکہ مکہ حضرت[ص] کی مخالفت پر تُلا ہوا تھا اور ہر شخص اُنہیں[ص] ستاتا اور اُن کی ہر بات کو جھٹلاتا تھا ، آپ[ص] پر کشفِ الٰہی کا وہ نورانی واقعہ گزرا جسے ظاہر بینوں نے کچھ کا کچھ سمجھ کر اس میں ناحق کلام کو طول دیا ۔ کسی نے کہا کہ وہ جسمانی تھا اور حضرت[ص] اسی جسم کے ساتھ بُراق پر سوار ہو کر فلک الافلاک پر تشریف لے گئے تھے اور وہاں خدائے بزرگ سے ہم کلام ہوئے اور بہشت ، دوزخ کی کیفیت کو جسمانی آنکھوں سے دیکھا ۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں وہ رویائے روحانی تھا ، یعنی جو کچھ دیکھا ، وہ عالمِ روحانی کا پرتو تھا اور بڑی گہری حقیقت رکھتا

۱- بانیٔ اسلام : شردھے پرکاش دیو ، ص ۷ ۔

تھا ۔ قرآن مجید میں اس کا نہایت مجمل و مختصر ذکر ہے ۔۔۔۔۔ سورۃ بنی اسرائیل ، آیت ۶۲ میں اس واقعہ کو صاف الفاظ میں رویا سے تعبیر کیا ہے"[1] ۔ علاوہ ازیں بعض بیانات ایسے ہیں ، جن کی سند کتب سیر میں نہیں پائی جاتی ۔ مثلاً سفر طائف کی ناکامی کے بعد آنحضرت ؐ نے مطعم بن عدی سے پناہ طلب کی جو انہیں مل گئی ، چنانچہ مطعم اور اس کے بیٹے آپ ؐ کو تلواروں کے سائے میں مکہ لائے اور آنحضرت ؐ نے حرم کعبہ کی زیارت کی اور طواف کیا ۔ شردھے پرکاش جی لکھتے ہیں کہ طواف کعبہ کر کے آنحضرت ؐ گھر تشریف لے گئے اور جب پھر وعظ کرنے نکلے ، تو لوگوں نے ان کے ساتھ ہی مطعم کو بھی ایسی ایسی بیہودہ باتیں بکیں کہ آنحضرت ؐ کے اخلاق و ہمدردی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ مطعم کی پناہ میں رہ کر اسے بھی مطعون خلائق کرائیں ۔ دوسرے روز انہوں نے باہر آ کر پبلک میں باواز بلند کہہ دیا کہ "بھائیو ! اب میں مطعم کی پناہ میں نہیں ہوں ۔ میری جائے پناہ میرا خدا ہے ۔۔۔۔ کوئی شخص میری وجہ سے مطعم کو نہ ستائے"[2] ۔ یہ بیان بھی محل نظر ہے ، کیونکہ ایک دو دن میں حالات ایسے تبدیل نہیں ہو گئے تھے کہ آنحضرت ؐ مطعم کی پناہ کے بغیر آزادانہ تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکتے ، جبکہ اس سے پہلے آپ ؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا اور حضور ؐ نے یکے بعد دیگرے کئی آدمیوں (مثلاً اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو) سے پناہ طلب کی تھی ، جنہوں نے قریش کے ڈر سے انکار کر دیا تھا ۔ اسی طرح ابو سفیان کے اسلام قبول کر لینے پر اس کی بیوی کے رد عمل کے بارے میں درج ذیل روایت درج کی گئی ہے ۔ "ابو سفیان کی بیوی یہ سن کر کہ اس کا شوہر مسلمان ہو گیا ہے ، آگ بگولہ ہو کر دوڑی اور ابو سفیان کی ڈاڑھی پکڑ کر اسے اس قدر پیٹا کہ برا حال کر دیا اور لوگوں کو بہت شرمندہ کیا کہ "اے آل غالب ! تمہاری غیرت کہاں گئی ؟ اس بڈھے کو مارو اور ذلیل کرو ، یہ ہم لوگوں میں آ کر کیا بیہودہ باتیں بکتا ہے"[3] ۔

۱۔ بانی اسلام ؐ : شردھے پرکاش دیو ، ص ۱۴ ، ۱۵ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۱۳ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۲۹ ۔

اگرچہ ہند ِ جگر خوار کی غضب ناکی سے کچھ بھی بعید نہیں کیونکہ جو عورت اپنے ہی ایک مسلمان عزیز حضرت حمزہؓ کا ، شہادت کے بعد کلیجہ چبا سکتی ہے اور جنگ ِ اُحد کے مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ کر اپنے گلے کا ہار بنا سکتی ہے ، اس کے لیے اپنے شوہر کی توہین کرنا کوئی انوکھا یا ناقابل ِ یقین واقعہ نہیں ہو سکتا ۔ لیکن کتب ِ سیر و تاریخ بہرحال اس واقعہ سے خالی ہیں ۔ ویسے بھی فتح ِ مکہ کے موقع پر یہ ممکن نہیں تھا کہ ہند (ابو سفیان کی بیوی) ایسے اشتعال انگیز الفاظ اپنے خاوند کے بارے میں کہہ کر محفوظ رہ جاتی ۔ امر ِ واقعہ یہ ہے کہ وہ اُسی دن آنحضرتؐ کے سامنے آ کر مسلمان ہو گئی ـــــــ گو قبول ِ اسلام کے وقت بھی آنحضرتؐ سے اُس نے جو گفتگو کی ، اُس سے اُس کی درشت مزاجی پوری طرح عیاں تھی ۔

''حضرت محمدؐ صاحب ـــــ بانیٔ اسلام'' واقعی ایک نذرانۂ عقیدت ہے جو شردھے پرکاش دیو نے بحضور ِ سرور ِ کائناتؐ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے ۔ یہ کتاب عبارت کی سادگی ، الفاظ کی موزونی اور واقعات کی دلآویزی کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے ۔ مصنف نے جا بجا اُن الزامات کی تردید کی ہے ، جو غیر مسلم مؤرخین آنحضرتؐ پر ناجائز طور پر لگاتے تھے ۔ اُس نے آنحضرتؐ کی متعدد شادیوں کے سلسلے میں وہ مخصوص حالات بھی تفصیلاً بیان کیے ہیں ، جن کی وجہ سے آنحضرتؐ کو یہ شادیاں کرنا پڑیں اور اُن سیاسی ، معاشرتی اور مذہبی فوائد کا بھی تذکرہ کیا ہے ، جو ان نکاحوں سے اسلام کو حاصل ہوئے ۔ آپؐ کی ازواج ِ مطہرات کی شادی کے وقت کی عمریں بتا کر مصنف نے حضورؐ پر لگائے گئے شہوت پرستی کے الزام کی صاف تردید کی ہے ۔ اسی طرح جنگ ِ بدر کے دو قیدیوں کے قتل پر بھی مصنف نے معترضین کے الزامات کا یہ کہہ کر جواب دیا ہے کہ ''اگر یہ دونوں مجرم زندہ رہتے تو بیشمار بندگان ِ خدا کا خون بہتا''[1] بنو قریظہ کو ملنے والی کڑی سزا کے بارے میں بھی مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ''یہ سزا بظاہر بہت بیدردی کی صورت رکھتی تھی ، لیکن جن حالات میں وہ صادر کی گئی ، اُن کے لحاظ سے غیر منصفانہ نہ تھی اور اس زمانہ کی مہذب گورنمنٹ کو اگر ایسے واقعات پیش آ...

۱- بانیٔ اسلامؐ : شردھے پرکاش دیو ، ص ۱۸ ۔

تو وہ بھی ایسے مجرموں کے لیے یقیناً یہی سزا تجویز کرتے اور کچھ شک نہیں کہ دو ڈھائی سو مفسدوں کی جانوں کے مقابلے میں تمام ملک کا امن زیادہ وقعت رکھتا تھا"[1] ۔ قصہ مختصر ، شردھے پرکاش دیو جی کی یہ کتاب بے لاگ رائے اور منصفانہ رویے کی وجہ سے یقیناً اس قابل ہے کہ اسے غیر مسلم مصنفین کی لکھی ہوئی کتب سیرت میں سر فہرست رکھا جائے ۔

رسولِ عربی

"رسولِ عربی" (یا محمد کی سرکار) ایک سکھ مصنف ، پروفیسر جی ۔ ایس ، دارا (سردار گوردت سنگھ دارا) کی تصنیف ہے ، جو لاہور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ اور رسالہ "انڈیا" لندن کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں ۔ اس کتاب کی اشاعتِ اول کے بارے میں قطعیت سے کچھ کہنا مشکل ہے ۔ ایک جگہ ۱۹۲۳ء اور دوسری جگہ ۱۹۲۷ء درج ہے ، تاہم اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں چھپا ، جو ۱۹۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اب عام دستیاب ہے ۔ ۱۹۱۳ء میں سردار صاحب لاہور سے لندن آئے تو اس کتاب کا مسودۂ اول اُن کے پاس موجود تھا ، جس میں بعد ازاں وہ ترمیم و اضافہ کرتے رہے ۔ ۱۹۲۰ء میں سید سلیمان ندوی ، مولانا محمد علی جوہر کے تین رکنی خلافت ڈیلیگیشن میں شامل ہو کر لندن آئے تو سردار صاحب اُنہیں ملے اور اپنی کتاب کا مسودہ دکھایا[2] ۔ سید سلیمان ندوی ، مصنف کی بے تعصبی اور توحید پرستی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اُس کی خواہش پر اشاعتِ اول کے لیے دیباچہ بھی عطا کیا ۔ اس دیباچہ میں سید صاحب نے دل کھول کر "رسولِ عربی" کی تعریف کی ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"دارا صاحب نے پیغمبرِ اسلام کی سوانح عمری بڑی بے نفسی اور

۱۔ بانیٔ اسلام : شردھے پرکاش دیو ، ص ۲۴ ، ۲۵ ۔

۲۔ رسولِ عربی : جی ۔ ایس دارا ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور ، ۱۹۶۱ء ، ص ۱۳ ، ۱۶ (تمہید از مصنف) ۔

بے تعصبی کے رنگ میں لکھی ہے ۔کتاب کے حرف حرف سے عشق و محبت کے آب کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا قلم کس جوش و خروش کے دریا میں بہتا جا رہا ہے ۔ میں نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا اور ایک رواں کتاب کی حیثیت سے شروع سے اس کو پسند کیا ۔ ممکن تھا کہ یہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے اس سے زیادہ بلند پایہ پر لکھی جا سکتی ، لیکن یہ ناممکن تھا کہ کوئی نا مسلم اس سے زیادہ خلوص و عقیدت کی نذر دربار رسالت ؐ میں پیش کر سکتا اور یہی اس کتاب کی بہترین خصوصیت ہے ۔ اگر الفاظ اور طریقۂ تعبیر میں کہیں کہیں غلطی ہو ، تو مفہوم و معنی پر نظر اور مصنف کی حسن نیت پر گمان نیک رکھنا چاہیے"[۱] ۔

اس کتاب کا محرک ، وہ انواع و اقسام کی کہانیاں اور من گھڑت قصے ہیں، جو پیغمبر اسلام کی ذات سے متعلق مصنف کے کانوں میں پہلے پہل پڑے اور جن کی وجہ سے اسے آنحضرت ؐ کی زندگی کے بارے میں مزید جاننے کا شوق ہوا ۔ مصنف کی خواہش تھی کہ آنحضرت ؐ کے بارے میں وہ خود مطالعہ کر کے کسی نتیجے پر پہنچے ، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "پہلی مرتبہ جب میں نے اس مضمون پر ایک کتاب دیکھی تو اس کے پڑھنے سے مجھے از حد دلچسپی پیدا ہوئی ۔ جوں جوں میرا مطالعہ بڑھتا گیا ، اتنی ہی آنحضرت ؐ کی عظمت میرے دل میں بڑھتی گئی ، یہاں تک کہ میرے دل میں ایک آرزو پیدا ہوگئی کہ میں ان سب خیالات کو یک جگہ اکٹھا کروں ۔ طرح طرح کی کتابوں کے مطالعہ نے جو میں نے اس مضمون میں پڑھی تھیں ، میرے عالم خیال میں ایک پھلواری سی پیدا کردی ۔ پنجابی ، ہندی ، اردو ، فارسی ، عربی کے پھول جہاں جہاں سے مجھے دستیاب ہوئے ، میں نے اپنے گلدستہ کے لیے چن لیے اور نام اس کا "رسول عربی ؐ" رکھ کر قوم کی خدمت میں نذر کیا"[۲] ۔

۱- رسول عربی ؐ : جی - ایس دارا ، (دیباچہ از سید سلیمان ندوی) ، ص ۹ ، ۱۰ ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۵ ، ۱۶ ؛ (تمہید ۔ از مصنف) ۔

شیخ سر عبدالقادر نے اس کتاب کے محرکِ تصنیف پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے : "اُن (جی - ایس - دارا) کو جو سچی ارادت اپنے بزرگ گورو نانک جی سے ہے ، غالباً وہی اس کتاب کے لکھنے کی محرک ہوئی ہوگی - گرو نانک جی ، شمعِ توحید کے پروانے تھے اور پیغمبرؐ کے پیغام کی دل سے قدر کرتے تھے"[1] - پھر مصنف کی مذہبی رواداری کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ سکھ مذہب کے ماننے والے ہیں ، ہندوؤں کے بھی ہمدرد ہیں اور مسلمانوں کے بھی دوست ہیں - وہ چاہتے ہیں کہ ان قوموں کے باہمی تعلقات دوستانہ رہیں ، چنانچہ اُن کے اسی جذبۂ خیر سگالی نے اُنہیں مجبور کیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی لکھ کر اُس محبت کا اظہار کریں جو اُنہیں آنحضرتؐ کی ذاتِ با برکات سے ہے" - شیخ عبدالقادر مزید لکھتے ہیں کہ "اس زمانہ میں بعض کوتاہ اندیش لوگ ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں کی تعظیم کرنے کی بجائے اُن پر ناجائز حملے کرتے ہیں - اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر قوم کے دور اندیش اور وسیع خیال صاحبان دوسری قوم کے واجبِ تعظیم بزرگوں کی خوبیوں کا اعتراف کریں اور اپنے بھائیوں کو اُن سے آگاہ کریں - خود مسلمانوں کے لیے ایسی کتاب کی اشاعت اس لیے خاص دلچسپی رکھتی ہے کہ اُن کی محبت اپنے پیغمبرؐ سے اور مضبوط ہوتی ہے ، جب وہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے بھی اُن کے احسانات کو مانتے ہیں - - - - - میں بھی اپنے دوست دارا صاحب سے خوش ہوں کہ وہ "ماہِ عربؐ" کی تعریف میں ہم نوا ہیں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے بہت سے مسلمان بھائی بھی اُن کی انصاف پسندی اور عقیدت مندی کی داد دیں گے"[2] -

اس کتاب کی اشاعت سے جہاں مسلمان بجا طور پر خوش ہوئے ، وہاں مصنف کے غیر مسلم دوستوں نے (خاص طور پر اُن کے ہم مذہبوں نے) اُنہیں تنقید کا نشانہ بنایا - اُن میں بعض حضرات نے (جو انگلینڈ میں تعلیم حاصل کر کے واپس وطن چلے گئے تھے) تعریضاً مصنف کو لکھا کہ آپ

۱- رسولِ عربیؐ : ص ۲۰ (تقریب - از شیخ عبدالقادر) -
۲- رسولِ عربیؐ : جی - ایس دارا ، ص ۲۳ ، ۲۴ ، (تقریب از شیخ عبدالقادر) -

کا دین مذہب وہی ہوا کرتا ہے ، جو آپ کے حبیبوں کا ہو ۔ اکثر مسلم نوجوانوں نے آپ کے دل پر عمر بھر قابو ڈالے رکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لازم تھا کہ اُن کی محبت آپ کی طبیعت کو ایک نئے سانچہ میں ڈھال دیتی اور ایک اور ہی نمونہ دکھا دیتی ۔ ہم تو وہی نمونہ اس کتاب میں پڑھتے ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے جنابِ دارا کہ

ع بات کہنے کی نہیں ، تو بھی تو ہرجائی ہے"[۱]

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم نوجوانوں نے نہیں ، بلکہ اُن کے عظیم پیشوا نے دارا صاحب کے دل پر اپنی محبت کا سکہ بٹھایا اور اس کا نتیجہ "رسولِ عربیؐ" جیسی خوبصورت کتاب کی شکل میں نکلا ، جو ایک سکھ محبِ رسولؐ کے جذبۂ رواداری کی روشن مثال ہے ۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا بادی : "رسولِ عربی" اس مختصر و جامع رسالہ کا نام ہے . جو دارا صاحب کے تخمِ محبت کا ثمرِ اولین ہے ۔ اس میں سرورِ عالم صلعم کے حالاتِ حیاتِ مبارک شروع سے آخر تک اس انداز میں جمع کر دیئے گئے ہیں کہ اکثر مقامات پر ایک مسلمان کو بھی اس خلوصِ نیاز پر رشک آنے لگتا ہے"[۲] ۔

یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصہ متعدد ابواب میں منقسم ہے ۔ کتاب کی ابتدا میں مصنف نے "بحضور رسولِ عربیؐ" کے عنوان سے بڑے عقیدت مندانہ انداز میں سر زمینِ عرب ، ہمالیہ کی بلند چوٹیوں اور آبِ گنگا سے خطاب کیا ہے اور انہیں آنحضرتؐ کی فضیلت سے آگاہ کیا ہے ۔ اس عرضداشت کی ابتدائی سطور یہ ہیں :

"ایک صاحبِ کمال آیا ، جس نے جلوۂ حق دکھایا ۔ جس کسی نے اُسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا ، اُس کی تمنائے زندگی پوری ہو گئی ۔ جس کی نگاہِ شوق اُس پر پڑی ، اُسے منہ مانگی مراد مل گئی ۔ جس بشر کو

۱- رسولِ عربیؐ : جی ۔ ایس ۔ دارا ، ص ۱۷ (تمہید از مصنف) ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۱ ، (ریویو اخبار "ہمدرد" ، دہلی : از مولانا عبدالماجد دریا بادی) ۔

اس من موہن نے اپنا درشن دیا ، اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا - اے عرب ! کیا ہی، عجب ہوں گے تیرے بھاگ ، جو تو نے نور خدا اپنی آنکھوں سے دیکھا - کیا ہی اچھے ہوں گے تیرے بخت جو تو نے حبیب خدا[ص] کے اپنی آنکھوں درشن کیے"[۱] - اور اس کے بعد لکھا ہے :

"اے کوہ ہمالہ ! مگر سچ کہنا ، کہیں دیکھا ہے تو نے مکہ کا راج دلارا ؟ کہیں نظر پڑا ہے تجھے بھی وہ مدینہ کا پیارا ؟ اے آب گنگا ! آخر یہ تو کہہ ، کہیں اس آب زمزم والے سے بھی تری آنکھ لڑی ؟ کہیں اس مکی مدنی[ص] نے بھی تجھ سے کوئی گنگا جلی بھری ! اے تاجدار عرب[ص] ! سنتے ہیں ، تیری چھب موہنی تھی اور تیرا روپ انوپ تھا - اے دلدار عرب[ص] ! کہتے ہیں تیری پریت کی جوت جس من میں جگی ، وہ بجھائے نہ بجھی - جس آنکھ پر تیری نگاہ پڑی ، وہ پھر تیری ہی ہو رہی"[۲] -

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے - حصہ اول میں ، عرب کا مختصر حال ، آنحضرت[ص] کے والدین ، آپ[ص] کی آمد کی صحائف آسمانی میں بشارت ، رضاعت ، جوانی ، حضرت خدیجہ[رض] کی ملازمت اور ان سے شادی ، رسالت سے قبل کے اہم واقعات ، غلام زید بن حارث کو آزاد کرنا اور اپنے ہی خاندان میں شادی کرنا ، حجر اسود کی تنصیب ، معرفت و گیان کی لو ، حصہ دوم میں ، نزول وحی ، اعلان نبوت ، اولین مسلمان ، دعوت و تبلیغ کے رستے کی مشکلات ، عہد نامۂ عدم تعاون ، ہجرت حبشہ، دربار نجاشی میں حضرت جعفر[رض] کی معجز بیانی ، مشرکین مکہ کی چالبازیاں اور آپ[ص] کے قتل کے منصوبے ، مطعم کی پناہ ، حضرت عمر[رض] ، حضرت حمزہ[رض] اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام ، حضرت خدیجہ[رض] اور ابو طالب کی رحلت اور ہجرت مدینہ ، غار ثور میں پناہ ، مدینہ میں آمد اور حصہ سوم میں جنگ بدر ، جنگ اقر ، جنگ احد ، جنگ خندق، جنگ خیبر اور حصہ چہارم میں عہد نامۂ حدیبیہ ، عمرة القضا ، مکہ پر

۱- رسول عربی[ص] : جی - ایس - دارا ، ص ۲۷ -
۲- ایضاً ، ص ۲۸ -

دھاوا ، فتح مکہ ، دشمنان اسلام کا قبول اسلام ، جنگ ہوازن ، جنگ موتہ ، بادشاہوں کے نام خطوط ، الوداعی حج اور رحلت وغیرہ کے واقعات ترتیب وار درج کیے گئے ہیں - اگر شردھے پرکاش دیو کی "حضرت محمد صاحب - بانیٔ اسلام" سے "رسول عربی" کا موازنہ کیا جائے ، تو بہت کم واقعات ایسے نکلیں گے ، جن کا ثانی الذکر کتاب میں اضافہ ہو ، بلکہ بعض مقامات دیکھ کر تو محسوس ہوتا ہے کہ جی - ایس دارا کے پیش نظر شردھے پرکاش دیو جی کی کتاب ہے اور وہ قدرے مختلف طرز بیان میں انہیں واقعات کا اعادہ کر رہے ہیں ، جو پرکاش دیو اپنی کتاب میں درج کر چکے ہیں ، مثلاً عبداللہ بن اُبی کے بارے میں پہلے شردھے پرکاش دیو جی کا بیان ملاحظہ ہو :

"اُس وقت مدینہ میں ایک با رسوخ شخص عبداللہ بن اُبی تھا - اُس کو مدت سے اُمید تھی کہ مدینہ کا بادشاہ یا سردار مقرر کیا جاؤں گا ، مگر جب اُس نے دیکھا کہ پبلک کا رجوع محمد صاحب کی طرف ہے تو وہ اُن کا مخالف بن گیا اور قریش مکہ سے خط و کتابت کرنے اور اہل اسلام کی ہر ایک کارروائی کی خبر اُنہیں پہنچانے لگا - جب قریش کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں جمتے جاتے ہیں تو وہ بہت گھبرائے ، مگر عبداللہ نے اُنہیں یقین دلایا کہ اگر تم مدینہ پر چڑھائی کرو گے تو یہودی ضرور تمہارا ساتھ دیں گے"[1] -

اور اب سردار جی - ایس - دارا کا بیان پڑھیئے :

"ایک شخص عبداللہ بن اُبی مدینہ کا باشندہ جو شوق شاہی دماغ میں رکھتا تھا ، اُس کا خیال تھا کہ وہ مدینہ والوں کا بادشاہ بن جائے گا - اُس نے ایک تاج بھی اپنے لیے تیار کرا لیا تھا ، مگر آنحضرت کی تشریف آوری سے یہ تاج دھرا رہ گیا - آپ کے اقبال اور روز افزوں جلال کا حاسد ہوگیا - مکے والے تو پہلے ہی آپ کی جان کے دشمن تھے - دشمن کا دشمن دوست ہوا کرتا ہے ، اس نے اُن سے گٹھ لی اور اندر ہی اندر ساز باز کرتا رہا اور جاسوس بن بیٹھا - مکہ والوں سے اُس نے عہد و پیمان

۱- بانیٔ اسلام : شردھے پرکاش دیو ، ص ۱۷ -

کر لیا کہ اگر تم مدینہ پر حملہ آور ہو گے تو میں تم کو ہر طرح کی مدد امداد دوں گا اور مکہ والوں نے یہ اقرار کیا کہ ہم مدینہ فتح ہو جانے پر تم کو حاکمِ مدینہ بنا دیں گے"[1] ۔

علاوہ ازیں بعض ایسی بے بنیاد روایات جی ۔ ایس ۔ دارا نے ہو بہو شردھے پرکاش دیو کی کتاب سے نقل کی ہیں ، جن کا کتبِ سیر میں اتا پتا نہیں ملتا ۔ مثلاً آنحضرتؐ کا مطعم کی پناہ سے اگلے روز ہی نکل جانا[2] اور ابو سفیان کے قبولِ اسلام پر اس کی بیوی کا اپنے شوہر کو جوتیوں سے پیٹنا وغیرہ[3] ـــــ اسی طرح واقعاتی ترتیب بھی دونوں مصنفین کی ایک جیسی ہے ۔ پھر کارلائل کی "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" کا ایک اقتباس شبلی نے باقاعدہ حوالہ دے کر سیرۃ النبیؐ جلد اول میں (ص ۲۰۲) درج کیا ہے ، لیکن وہی اقتباس معمولی سے رد و بدل کے ساتھ جی ۔ ایس ۔ دارا نے اپنی کتاب میں (ص ۹۴) بلا حوالہ شامل کر لیا ہے ۔ اس طرح کے کھلے اخذ و استفادہ کی مثالیں اور بھی کتاب میں موجود ہیں ، لیکن مصنف اس لیے قابلِ مواخذہ نہیں کہ اس نے تمہید میں خود اعتراف کیا ہے کہ پنجابی ، ہندی ، اردو ، فارسی اور عربی کے پھول جہاں جہاں سے اسے دستیاب ہوئے ، اس نے گلدستہ کے لیے چن لیے ۔

"رسولِ عربی" کی اہمیت اس کے سوانحی مواد سے زیادہ اس کے شاعرانہ اسلوبِ بیان میں مضمر ہے ۔ اس کی عبارت میں عربی اور فارسی کے پہلو بہ پہلو ہندی الفاظ عجب بہار دکھاتے ہیں ۔ کہیں کہیں عبارت شعوری یا غیر شعوری طور پر مقفیٰ ہو گئی ہے ۔ مصنف نے عربی ، فارسی اور اردو کی نعتیں ، زورِ بیان بڑھانے کے لیے استعمال کی ہیں ۔ قرآن مجید کی آیات ، انجیل یوحنا کے اقتباس اور مسدسِ حالی کے بند بھی موقع و محل کے مطابق لائے گئے ہیں جو مختلف واقعات کی توضیح میں مدد دیتے ہیں ۔ بحیثیتِ مجموعی "رسولِ عربی" دلآویز اسلوبِ بیان کی حامل ایسی کتاب

۱۔ رسولِ عربیؐ : جی ۔ ایس دارا ، ص ۱۱۶ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۸۲ ، ۸۳ ۔
۳۔ ایضاً ، ص ۱۵۴ ، ۱۵۵ ۔

سیرت ہے ، جو ایک محبِ رسول ؐ ، سکھ کے مخلصانہ جذبات کی جولانگاہ ہے -

عرب کا چاند ؐ

"عرب کا چاند" ایک جوانمرگ ہندو سوامی لکشمن پرشاد (۱۹۱۳ء- ۱۹۳۹ء) کی ۳۱۴ صفحات پر مشتمل کتابِ سیرتِ رسول ؐ ہے جو اس نے ۱۹۳۳ء میں تحریر کی - سوامی لکشمن جی کے بارے میں اتنی کم معلومات دستیاب ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے ایک فرضی کردار سمجھتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "عرب کا چاند" کسی مسلمان مصنف کی لکھی ہوئی کتاب ہے ، جو اس نے تجارتی غرض سے یا تبلیغی مقصد کے لیے سوامی لکشمن کے نام منسوب کر کے شائع کر دی ہے ، بلکہ بعض اشخاص نے تو گمان کیا کہ اس کتاب کے مصنف حکیم محمد عبداللہ (حال آباد ، جہانیاں ضلع ملتان) ہیں جن کا ذکر کتاب میں مصنف نے ان الفاظ میں کیا ہے :
"مئی ۱۹۲۹ء کے ابتدائی ایام کا ذکر ہے کہ میں نے دنیا کے قابلِ تعظیم پیغمبروں کے سوانح حیات لکھنے کے لیے قلم کو جنبش میں لانے کا ارادہ کیا تھا - ان ایام میں پہلی مرتبہ میری ملاقات صوبہ پنجاب کے مشہور طبی مصنف عالی جناب حکیم مولوی محمد عبداللہ صاحب، زبدۃ الحکماء ، گولڈ میڈلسٹ، روڑی، ضلع حصار سے ہوئی - - - کسی ملاقات میں میں نے مولانا صاحب موصوف سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں عنقریب دنیا کے بلند مرتبہ اور قابلِ تعظیم پیغمبروں کے سوانح حیات لکھنے والا ہوں اور سب سے پہلے میرا خیال آپ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے قابلِ رشک واقعات پر تبصرہ کرنے کا ہے - مولانا صاحب نے اس ارادہ پر مجھے ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کیا ، خصوصاً اس لیے کہ میں غیر مسلم ہو کر مسلمانوں کے پیغمبر ؐ کی خدمت اقدس میں ہدیہ نیاز و عقیدت پیش کرنے والا تھا"[1] - حقیقتاً حکیم محمد عبداللہ کا اس کتاب کی تالیف میں

۱- عرب کا چاند : سوامی لکشمن پرشاد ، مکتبہ تعمیرِ انسانیت ، لاہور طبع سوم ، ص ۲۷ ، ۲۸ (سخن ہائے گفتنی از مصنف)

صرف اتنا حصہ ہے کہ انھوں نے اس ہندو نوجوان کا آنحضرتؐ سے شوقِ عقیدت دیکھ کر اسے عزیزوں کی طرح اپنے پاس رکھا ، اپنی لائبریری کے دروازے اس پر کھول دیئے اور اسے متعلقہ کتابوں کے مطالعے کی سہولتیں بہم پہنچائیں ۔ یہ کتاب حکیم صاحب سے پہلی ملاقات کے چار سال بعد مکمل ہوئی ، کیونکہ اس دوران میں مصنف شدید بیمار ہو کر واپس چلا گیا ۔ تاہم حکیم صاحب موصوف ، اسے خط پہ خط لکھ کر کتاب مکمل کرنے پر آمادہ کرتے رہے ، چنانچہ ۱۹۳۳ء میں یہ کتاب مکمل ہوگئی اور اور بعد ازاں اسے حکیم صاحب نے شائع کرا دیا ۔

سوامی شردھے پرکاش دیو جی کی کتاب "حضرت محمدؐ صاحب ، بانیٔ اسلام" کے برعکس (جو انتہائی سادہ و سلیس زبان میں لکھی گئی تھی) سوامی لکشمن جی کی کتاب "عرب کا چاند" خالصتاً ادبی رنگ میں تحریر کی گئی ہے اور ایک منجھے ہوئے کثیر المطالعہ شخص کی تصنیف معلوم ہوتی ہے ۔ پندرہ بیس برس کے نوجوان (اور وہ بھی ہندو نوجوان) کا اردو زبان پر اتنا عبور ، کتبِ سیرت و تاریخ کا اتنا عمیق مطالعہ اور نتائج اخذ کرنے کا اتنا سلیقہ قابلِ تعجب ہے ۔ سوامی لکشمن جی سے پہلے پرکاش دیو اور سردار جی ۔ ایس ۔ دارا کی کتبِ سیرت پر کسی نے یہ شبہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ اپنے مصنفین کی کاوشوں کا ثمر نہیں ہیں ، لیکن "عرب کا چاند" کا رچا ہوا بے مثال اسلوب چغلی کھاتا تھا کہ اس کے پس پشت کسی پختہ ادیب کا ہاتھ ہے ۔ اسی لیے حکیم محمد عبداللہ کو کہنا پڑا کہ "گو اس کتاب سے پیشتر کئی ایک ہنود اور سکھ فرقہ سے تعلق رکھنے والے غیر متعصب اور انصاف پسند حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سوانح حیات قلم بند کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے مگر لوگوں نے ان صاحبوں کی سیرت کی کتابوں پر کوئی اظہارِ تعجب نہیں کیا ، کیونکہ ان کی زبان سادہ اور ان کا انداز وہی تھا ، جو ایک غیر قوم کے چشم و چراغ کا دوسرے طبقہ کے کسی بزرگ کو قلمی ہدیۂ عقیدت پیش کرتے وقت ہونا چاہیئے ، مگر بخلاف دیگر غیر مسلم سیرت نگاروں کے "عرب کا چاند" کا مصنف کچھ اس اندازِ عاشقانہ سے عالمِ وارفتگی میں حبِ نبویؐ میں سرشار ہو کر قلم کو تھامتا ہے کہ پھر دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر سیرتِ مصطفٰیؐ کی وادی میں سرپٹ

دوڑتا چلا جاتا ہے اور سرِ راہ کوئی شے مانع نہیں رہتی ، حتیٰ کہ "معجزات" اور "جہاد" جن کے صحیح مطالب کو نہ سمجھنے کی بنا پر اکثر علامہائے دہر من قوم مسلم کے راہوار قلم بھی صحیح راہ چھوڑ کر تاویل اور پھیر کے راستے اختیار کرنے لگتے ہیں ، مگر یہ (سوامی لکشمن) عشقِ مصطفویؐ کے طفیل بڑے بڑے ٹیلوں اور خندقوں کو پھلانگ کر گزر جاتا ہے"[1] یعنی جن مسائل پر ہمارے علمائے دین بھی کھل کر اظہارِ خیال کرنے سے کتراتے ہیں ، اُن کا ذکر کرنے میں یہ ہندو نوجوان نہ صرف یہ کہ جھجک محسوس نہیں کرتا ، بلکہ انہیں جوں کا توں تسلیم کرتا ہے ۔ وہ آنحضرتؐ کے اسم گرامی کے ساتھ کم و بیش ہر جگہ "صلی اللہ علیہ وسلم" اور بعض جگہوں پر "فداہ ابی و امی و روحی الفاً الفاً" لکھتا ہے ، جس کی توفیق اکثر مسلمان اہلِ قلم کو بھی نہیں ہوتی ۔ چھبیس سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہنے والے اس ہندو نوجوان کی کتابِ سیرت کی سطر سطر عشقِ رسولؐ میں ڈوبی ہوئی ہے اور ہر مسلم اور غیر مسلم کو آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہے ۔

مصنف نے دنیا کی مایہ ناز شخصیتوں میں سب سے پہلے حضور اکرمؐ کا انتخاب کیوں کیا ؟ اس کا سبب ہندوستان اور زمانۂ جاہلیت کے عرب کی گہری مماثلت تھی اور یہ احساس بھی کہ اس دور کے ہندوستان کے سامنے جس عظیم المرتبت پیغمبرؐ کے حالات بطورِ نمونہ رکھے جا سکتے ہیں وہ صرف سید المرسلین ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ بقول مصنف : "آج سے تیرہ سو برس پہلے ایسی ہی سیاہ کاری اور ظلم و ستم کی گھنگھور گھٹائیں عرب کے مطلع پر چھائی ہوئی تھیں ، تو اس کے افق پر یثرب کا چاند طلوع ہوا ، جس نے اپنی ضیا بار کرنوں سے ایک دفعہ تو ریگستانِ عرب کے ذرہ ذرہ کو تجلی زار بنا دیا"[2] ۔

کتاب کے حصۂ اول (مکی زندگی) کا آغاز دورِ جاہلیت کے عرب کی

۱۔ عرب کا چاند : سوامی لکشمن پرشاد ، ص ۴ ، ۵ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۲۵ ۔

جغرافیائی ، سیاسی ، سماجی ، مذہبی اور اخلاقی حالت سے ہوتا ہے اور پھر مختصراً آنحضرتؐ کے خاندان کے حالات بیان کیے گئے ہیں ۔ آپؐ کے والدین کے ذکر سے پہلے مکہ پر ابرہہ الاشرم کی چڑھائی اور بعد ازاں آپؐ کی ولادت ، شیرخوارگی ، پرورش ، واقعۂ شقِ صدر ، والد اور دادا کی وفات ، ابو طالب کی کفالت ، بحیرہ راہب سے ملاقات ، جنگِ فجار میں شرکت ، جوانی ، نکاح ، اخلاق و عادات ، سنگِ اسود کی تنصیب ، خلوت گزینی ، بعثت و نبوت ، حضرت خدیجہؓ ، حضرت ابوبکر صدیقؓ ، اور حضرت علیؓ کا قبولِ اسلام ، دعوتِ توحید ، کفارِ مکہ کی مخالفت ، آنحضرتؐ کو ایذا دہی ، مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ ، نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر کی تقریر ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام ، کفار کی طرف سے بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ اور اُن کی شعبِ ابی طالب میں محصوری ، نئے مسلمانوں (مثلاً بلالؓ ، خبابؓ ابن الارتؓ ، عمار بن یاسرؓ ، صہیب رومیؓ ، افلحؓ ، ابو ذرؓ ، عامر بن فہیرہؓ ، مصعب بن عمیرؓ ، عثمانؓ بن عفان ، زبیرؓ بن العوام ، سلمٰیؓ بنت رافع ، سمیہؓ ، لبینہؓ ، نہدیہؓ ، اُم عبیسؓ اور زیزہؓ) پر کفار کے ظلم وستم ، آنحضرتؐ کا سفرِ طائف ، مکہ میں مطعم کی پناہ طلبی ، عرب کے میلوں ، جلسوں اور ایامِ حج میں دعوتِ اسلام ، ایاس بن معاذ ، ضماد بن ازدی ، طفیل بن عمرو، عداس نصرانی کا قبولِ اسلام، یثرب میں اسلام کا پہلا قدم ، بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ ، آنحضرتؐ کے قتل کے منصوبے اور ہجرتِ مدینہ کی تیاری تک کے واقعات ، بڑی پُر شکوہ زبان میں قلم بند کیے گئے ہیں ۔

کتاب کے حصۂ دوم (مدنی زندگی) کا آغاز آنحضرتؐ کی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف روانگی سے ہوتا ہے ۔ آنحضرتؐ کا مشرکینِ مکہ کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کرنا ، غارِ ثور میں پناہ لینا ، مدینہ کی سمت روانہ ہونا ، سراقہ بن مالک بن جعشم کا آپؐ کو گرفتار کرنے کے لیے تعاقب کرنا ، آپؐ کا وادیٔ قبا میں پہنچنا اور مسجدِ قبا تعمیر کرانا ، مدینہ میں پُرتپاک استقبال ہونا ، مسجدِ نبوی تعمیر کرانا ، سلسلۂ مواخاۃ قائم کرنا ، سردارانِ یہود سے

۱۔ عرب کا چاندؐ : سوامی لکشمن پرشاد ، ص ۳۰ ۔

معاہدۂ امن کرنا ، تحویلِ قبلہ ، جنگِ بدر ، جنگِ اُحد ، یہودی قبائل (بنو قینقاع ، بنو نضیر اور بنو قریظہ) کی شر انگیزیاں ، سریہ قطن ، غارکا حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو سولی پر چڑھانا ، سترمبلغین اسلام کی یک وقت شہادت ، غزوۂ ذات الرقاع ، جنگ سویق ، واقعۂ افک ، جنگِ احزاب ، صلح حدیبیہ ، فتحِ مکہ ، جنگِ خیبر، جنگِ حنین ، غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد آنحضرتؐ کی وفات کے سانحہ پر کتاب کا اختتام کیا گیا ہے ۔ اس حصہ میں جنگِ بدر ، جنگِ احد اور جنگِ احزاب کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں ۔ مصنف نے حضورؐ کی مدنی زندگی کے تذکرے میں کوئی اہم بات نظر انداز نہیں کی ۔

مصنف نے گو از راہِ انکسار اعتراف کیا ہے کہ "موجودہ صورت میں یہ کتاب نہ گلہائے ادب کا کوئی دل پذیر گلدستہ ہے اور نہ تاریخی حقائق کا کوئی بصیرت افروز مجموعہ"[1] ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ادبی اعتبار سے بھی اپنا مخصوص مقام رکھتی ہے اور تاریخی حقائق کے بیان میں بھی بالعموم اُمہات کتبِ تاریخ و سیر سے انحراف نہیں کرتی ۔ مصنف نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کتاب کے نفسِ مضمون میں نہ کسی کا شرمندۂ اصلاح ہے اور نہ شرمندۂ صلاح اور اُس نے جو کچھ لکھا ہے ، اپنی ذاتی تحقیق و تدقیق سے لکھا ہے[2] ۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ زبان میں دلآویزی اور اسلوب کی رنگ آمیزی کے باوجود مصنف نے بیشتر واقعات مستند روایات کی بنیاد پر منتخب کیے ہیں ۔ کتاب میں اگرچہ ماخذ و منابع کے حوالے کم ہیں (صرف روضۃ الاحباب ، سر ولیم میور اور کارلائل کی کتابوں کے نام لیے گئے ہیں) لیکن باشعور قاری کو احساس ہو جاتا ہے کہ کون سا واقعہ کس کتاب سے اخذ کیا گیا ہے ۔ "عرب کا چاند" لکھنے سے مصنف کا مقصد "مسلمانوں کے خوابیدہ ، افسردہ ، بے حس اور منجمد دلوں میں شعلۂ حیاتِ تازہ پھونکنا ہے"[3] اور بلا خوفِ تردید

۱- عرب کا چاندؐ : سوامی لکشمن پرشاد ، ص ۳۰ ۔
۲- عرب کا چاند : سوامی لکشمن پرشاد ، ص ۲۹ ۔
۳- ایضاً ، ص ۳۴ ۔

کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا ہے ۔ آنحضرت ؐ کی ولادت کے وقت کے واقعات جس والہانہ پن سے بیان کیے گئے ہیں ، وہ بعض اچھے مولود ناموں کی یاد تازہ کرتے ہیں ۔ نور محمدی ؐ، حضرت آمنہ کو فرشتوں کی بشارتیں ، آپ ؐ کا شکمِ مادر سے مختون پیدا ہونا ، ایامِ شیرخوارگی کے محیر العقول واقعات ، آپ ؐ کے اخلاقِ عالیہ ، پرورش کرنے والوں سے آپ ؐ کی محبت ، فنِ پیراکی میں آپ ؐ کی مہارت ، حیرت انگیز حافظہ ، معاملہ فہمی ، تدبر اور امانت و دیانت ، کامیاب ازدواجی زندگی ، حضرت خدیجہ رض کی بے مثال شیفتگی اور آپ ؐ کی ان سے وفاداری ، راہِ اسلام میں آپ ؐ کی استقامت ، استقلال، صبر و تحمل ، جوش و جذبہ اور دشمنوں پر شفقت و رحم دلی کی مثالیں دے کر ثابت کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ؐ حقیقتاً ایک سچے نبی تھے، جو اپنے نصب العین میں پوری طرح کامیاب ہوئے اور جن کی سیرتِ مبارکہ بنی نوعِ انسان کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے ۔

"عرب کا چاند" زبان کی پختگی، عبارت کی چستی ، تشبیہہ و استعارے کی فراوانی ، تخیل کی بلندی اور اسلوب کی دلآویزی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے ۔ مصنف نے جو ادبی اسلوب کتاب کے شروع میں اختیار کیا ، اسے اختتام تک نبھایا ہے اور زبان پر کہیں اپنی گرفت ڈھیلی نہیں ہونے دی ہے ۔ مثلاً آنحضرت ؐ اپنی زندگی کے پانچ سال مائی حلیمہ کے پاس گزار کر جب اپنی والدہ ماجدہ کے پاس تشریف لائے تو حضرت آمنہ کی اس وقت کی دلی کیفیت مصنف نے یوں بیان کی ہے : "حضور انور ؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے ابتدائی ایام کی پانچ بہاریں حلیمہ کے زیرِ محبت ، صحرا کی لطافت بار اور صحت بخش نسیم میں دیکھیں ۔ اس کے بعد آپ ؐ آغوشِ مادر میں آئے ۔ حضرت آمنہ کے شوہر حضرت عبداللہ آن ایام میں ہی راہ گرِ عالمِ جاودانی ہو چکے تھے ، جب حضورِ انور ؐ ابھی ان کے بطنِ مبارک میں تشریف فرما تھے ۔ یہی چاند سی صورت اب اس محبت اور مسرت کے شیریں دور کی یادگار تھی ، جو کسی وقت لافانی معلوم ہوتا تھا مگر جس کے تار پود موت ، ظالم موت نے بکھیر دیئے تھے ۔ خاوند کی فرقت کی آگ کے شعلے ، حضرت آمنہ کے وقار شعار اور فدا کار دل میں ہمیشہ بھڑکتے رہتے تھے ، لیکن لافانی محبت کی اس لافانی یادگار نے حضرت عبداللہ

کی اس تصویر پر جو حضرت آمنہ کی چشمِ تصور میں چلتی پھرتی نظر آتی تھی ، اور بھی گہرے نقش و نگار کندہ کر دیئے اور وہ خاموش آگ جو ایک ہنگامہ خاموش کی طرح اُس کے دل کی گہرائیوں میں سلگ رہی تھی ، اب پورے جوش و خروش سے روشن ہو گئی"[۱] اسی طرح آنحضرتؐ کی پاکیزہ ازدواجی زندگی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے : "آپؐ نے اُم المومنین (حضرت خدیجہؓ) کی حینِ حیات میں دوسرے نکاح کا نام تک نہیں لیا ۔ اُسی پیرانہ سال بڑھیا پر جس کا گلشنِ شباب پامالِ عمر ہو چکا تھا ، ہزار جان سے فریفتہ رہے ۔ روحانی محبت کا یہ گلشن ہے ، جس کے پھولوں میں نفسانیت کی بو نہیں پائی جاتی ۔ سن و سال کا تفاوت اُسی وقت کوئی معنی رکھتا ہے جب طرفین ایک دوسرے سے نفسانی لطف و مسرت کے خواہاں ہوں ۔ جب ازدواجی زندگی کو عیش و نشاط کی طلسمی زندگی نہیں ، بلکہ فرائض کی ایک ناقابلِ شکست زنجیر تصور کر لیا جاتا ہے تو زوجین کی روحیں فرطِ محبت سے باہم ممزوج ہو جاتی ہیں اور یہ اتصالِ قلبی لافانی ہوتا ہے ۔ پینسٹھ سال کی عمر میں خدیجۃ الکبریٰؓ اپنے بہترین شوہر کو ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے گئیں اور ایک گوشۂ زمین میں ابدی نیند جا سوئیں مگر اُن کے دل نواز شوہر کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں جو جذباتِ محبت اُن کے لیے موجود تھے ، وہ اُن کے جسم کے ساتھ مدفون نہیں ہوگئے بلکہ اُنھوں نے ہمیشہ آپؐ کے دل کو محشرستان بنائے رکھا ۔ اُن کی فدا کار محبت اور شیریں کار عشق کے نقوش آپؐ کے لوحِ دل پر مرتسم رہے ۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا انقلاب اوز زمانے کی کوئی بڑی سے بڑی گردش اُن کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکی"[۲] ۔

یہ درست ہے کہ "اردو لکھنے کی صلاحیت خاص طور پر ادبی رنگ میں پیش کرنے کی اہلیت اہلِ ہنود میں بہت کم پائی جاتی ہے"[۳] لیکن

۱- عرب کا چاند : سوامی لکشمن پرشاد ، ص ۷۶ -
۲- ایضاً ، ص ۹۲ -
۳- ایضاً ، ص ۳ (سوامی لکشمن مرحوم - از حکیم محمد عبداللہ) -

سوامی لکشمن جی نے "عرب کا چاند" لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ زبان کسی کی میراث نہیں ۔ پندرہ بیس برس کی عمر کے اس نوجوان نے اپنے بلند آہنگ فارسی آمیز اسلوب سے نہ صرف اُردو دان پبلک کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کیا ہے بلکہ سیرتِ رسول پر قلم اُٹھانے والے منصف مزاج غیر مسلموں کی صفِ اول میں اپنے لیے مستقل جگہ بنا لی ہے ۔

پیغمبرِ اسلام

یہ کتاب اگرچہ ایک ہندو، رگھو ناتھ سہائے کے نام سے شائع ہوئی ہے لیکن اس کے بارے میں یہ دلچسپ انکشاف ہوا ہے کہ یہ اُن کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان (احمد ندیم قاسمی) سے لکھوائی گئی تھی ۔ رسالہ "افکار" کراچی کے ندیم نمبر میں محمد خالد اختر نے اپنے مضمون "ایک آدمی ، احمد شاہ نامی" میں پہلی بار اس راز سے پردہ اُٹھاتے ہوئے لکھا :

"اُن دنوں میں ہی ندیم کی ایک اور کتاب ایک ہندو سہائے کے نام سے چھپی ۔ میں نے وہ کتاب نہیں دیکھی اور میں نہیں سمجھتا کہ اُس کا نسخہ اب بازار میں کہیں موجود ہے ۔ یہ رسولِ اکرمؐ کی سوانح تھی اور سہائے جی نے اس کے لکھنے کا ندیم کو تین سو روپیہ معاوضہ دیا اور پھر کتاب کو اپنے نام سے شائع کر دیا ۔ یہ غالباً ڈھائی تین سو صفحات کی پورے سائز کی کتاب تھی ، ندیم کی تین چار ماہ کی جانکاہی کا نتیجہ ۔ یہ ایک نادار ، فاقہ کش مصنف کے استحصال کی ایک دلچسپ مثال تھی اور یہ غالباً واحد مثال نہیں ! ندیم اب شاذ ہی اس کا ذکر کرتا ہے ۔ سہائے جی کی چالبازی اور کتاب کا ضیاع اسے بھول چکا ہے[1] ۔ اس کتاب

۱۔ میں نے احمد ندیم قاسمی صاحب کو (لاہور) خط لکھ کر پوچھا کہ کیا واقعی اُنھوں نے یہ کتاب لکھی تھی اور اگر یہ درست ہے تو اُن سہائے جی کا نام کیا تھا ؟ احمد ندیم قاسمی صاحب نے ۱۸

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

میں غالباً کوئی ادبی خوبی نہ تھی[1] -

اس کتاب کا ذکر "قاموس الکتب" (اردو) اور "ارمغانِ حق" میں بھی کیا گیا ہے[2] اور دونوں جگہ اس کا نام "پیغمبرِ اسلام" درج ہے -

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اپریل ۱۹۷۹ء کو میرے خط کا جواب دیا اور اس میں اعتراف کیا کہ :

"جی ہاں ! میں نے ۲۰ ، ۲۱ سال کی عمر میں حضور صلعم کی سیرتِ پاک پر ایک کتاب ایک ہندو بزرگ کی فرمائش پر لکھی تھی - یہ بزرگ حضور کے بہت عقیدت مند اور معترف تھے ، چنانچہ یہ کتاب ایک عقیدت مند ہندو کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ، شائع ہوئی اور بعد میں ناپید ہو گئی - ان بزرگ کا نام بتانا شاید بد دیانتی کے زمرے میں آئے ، مگر اس بات کو ۳۰ برس سے اوپر کا عرصہ گزر چکا ہے - کتاب میں نے چار پانچ سو صفحات کی لکھی تھی مگر ممکن ہے اس میں کانٹ چھانٹ کر لی گئی ہو اور مختصر چھپی ہو - ایک بار میں نے ایک نظر دیکھی تھی ، "بھد" نام تھا شاید - ازواجِ مطہرات کے بارے میں باب خاصی محنت سے لکھا گیا تھا ، کیونکہ ہندو حضور کی زندگی کے اس حصے پر بطورِ خاص معترض ہوتے تھے اور (مصنف) ہندو بزرگ چاہتے تھے کہ اس صورتِ حال کا منطقی اور قابلِ قبول جواز پیش کیا جائے ، سو وہ میں نے کیا اور وہ بہت خوش ہوئے - شاید ستر روپے کا معاوضہ تھا ، جس میں انہوں نے اس باب کو دیکھ کر مزید رقم کا اضافہ کر دیا تھا (نام رگھو ناتھ سہائے تھا اور "پھول" کے مقابلے میں نکلنے والے بچوں کے ایک ہفت روزہ "گلدستہ" کے بانی اور مدیر تھے-)"

۱- افکار کراچی ، ندیم نمبر ، شمارہ جنوری فروری ، ۱۹۷۵ء ، ص ۱۵۳ -

۲- قاموس الکتب اردو ، جلد اول ، ص ۳۴۷ اور "ارمغانِ حق" ، سید افتخار حسین شاہ ، جلد دوم ، ص ۹۶ -

قاموس الکتب کے مرتب نے اس کی دستیابی کا حوالہ (فہرست کتب خانہ انجمن ترقیٔ اردو جامع مسجد دہلی ، ص ۲۶) بھی دیا ہے - جبکہ "ارمغانِ حق" کے مرتب نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے یہ کتاب کہاں دیکھی - بہرحال محمد خالد اختر کے (بذریعہ مضمون) انکشاف اور ندیم صاحب کی (بذریعہ خط) وضاحت کے بعد اب اس امر میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ کتاب کس نے لکھی اور کیوں لکھوائی گئی -

آردو سیرت نگاری کا عہدِ زرّیں

سیرتِ محمدیہؐ

مرزا حیرت دہلوی نے ۱۸۹۵ء میں ''سیرتِ محمدیہؐ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ، جو عہدِ سر سید کے مناظرانہ رجحان کی نمایندہ ہے ۔ اگرچہ ڈاکٹر سید شاہ علی نے اس پر کڑی تنقید کرتے ہوئے اسے سر سید کے خلاف ردِ عمل کی مثال قرار دیا ہے[1] لیکن مرزا حیرت نے کتاب کے دیباچے میں سید امیر علی کے ساتھ نہ صرف سر سید کی تعریف کی ہے ، بلکہ اُن سے اخذ و استفادہ کا اعتراف بھی کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : ''اس کے بعد میں اپنے فخرِ قوم سید امیر علی جج ہائی کورٹ ، کلکتہ کا انتہا درجہ کا مشکور ہوں ، جن کی بیش بہا کتاب ''سپرٹ آف اسلام'' نے مجھے اس نادر الوجود کتاب کی ترتیب میں بہت مدد دی ۔ میں نے اپنے بابوں کی ترتیب میں اس کو پیشِ نظر رکھا ہے اور بہت سے مضامین اسی بیش بہا صحیفہ سے اخذ کیے ہیں ۔ پھر میں ڈاکٹر سر سید احمد خاں ریفارمرِ قوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں ، جن کی بیش قیمت کتاب نے اناجیل کی تحقیق و تفتیش میں مجھے مدد پہنچائی''[2] ۔ اسی دیباچے میں اُنھوں نے اپنی کتاب کے محرکِ تصنیف پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یورپ کے مؤرخ اور مستشرقین رسولِ اکرمؐ اور اسلام پر بے بنیاد الزام لگاتے ہیں اور اسلام کے بہ سرعت پھیل جانے کو زورِ شمشیر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں ۔

۱۔ اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید علی شاہ ، گلڈ پبلشنگ ہاؤس ، کراچی ۱۹۶۱ء ، ص ۲۳۳ ۔

۲۔ سیرتِ محمدیہؐ : مرزا حیرت ، کرزن پریس ، دہلی ۔ ۱۸۹۵ء ، (دیباچہ) ۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ دیکھ کر تہیہ کر لیا کہ ان بے بنیاد الزامات کا جواب وہ آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ سے عموماً اور ان واقعات سے خصوصاً دیں گے جن سے یہودی اور عیسائی باوجود شدید مخالفت کے انکار نہیں کر سکتے ۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ اس کے لیے انہوں نے اپنے دور کے دوسرے لکھنے والوں کی تقلید میں مناقب سے صداقت کی طرف قدم بڑھایا ہے ، رسول اکرمؐ کی عظمت ، زندگی کی سچی صفات کے ذریعے ظاہر کی ہے اور آنحضرتؐ کی سیرت و سوانح کو تاریخ کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے ۔ اسی دیباچے میں آگے چل کر لکھتے ہیں :
"اب زمانہ آ گیا ہے کہ ہم اپنے سچے نجات دہندہ کی آنکھ ، بھوؤں کی تعریف کے ورد کو بالائے طاق رکھیں اور اس کی سچی تاریخی صفات سے بحث کر کے جبراً اس کی حقیقت عالم پر ثابت کر دیں ۔ دلیلیں ایسی روشن ہوں کہ مانیں اور پھر مانیں ۔ اس نظر سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری موجودہ زمانے کے مطابق تحریر کرنے کی کوشش کر کے وہ واقعات بہم پہنچائے ہیں کہ متعصب سے متعصب شخص کو بھی قبول کرنے میں چارا نہ ہو"[1] ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا حیرت مغرب کے جدید تصورِ سوانح نگاری سے واقف تھے اور انہوں نے نئے اصولوں کی روشنی میں "سیرتِ محمدیہؐ" لکھنے کی کوشش کی ہے ۔ مرزا حیرت دہلوی طبعاً قدامت پسند ہیں ، (جس کا ثبوت ان کا مناظرانہ مزاج ہے) لیکن انہوں نے بحث و مناظرہ کے ضمن میں دلایل و شواہد سے روگردانی نہیں کی اور حتی الامکان اپنے عہد کے بدلتے ہوئے رجحانات کا ساتھ دینے کی کوشش کی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا حیرت دہلوی کی یہ کتاب ان کے وسیع مطالعہ اور سنجیدہ استدلال کی گواہی دیتی ہے ۔ وہ سر سید کے گروہ کے آدمی نہ سہی ، لیکن انہوں نے سر سید اور ان کے مکتبِ فکر کے علماء سے اخذ و استفادہ کرنے اور اس احسان کا اعتراف کرنے میں بُخل سے کام نہیں لیا ۔

۱- سیرتِ محمدیہؐ : مرزا حیرت ، کرزن پریس ، دہلی - ۱۸۹۵ء (دیباچہ) ۔

مرزا حیرت نے جہاں عیسائی مؤرخین اور مغربی سیرت نگاروں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے ، وہاں سید امیر علی کی "سپرٹ آف اسلام" کے بعض مندرجات سے اختلاف بھی کیا ہے، خصوصاً مصنف کے ان خیالات سے ، جو اہل تشیع کی مطابقت میں اس نے مسئلۂ خلافتِ عثمانؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں ظاہر کیے تھے - مرزا حیرت نے سید امیر علی کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کے خلاف مؤثر آواز ہی نہیں اٹھائی بلکہ انہیں رفع کرنے کے لیے باقاعدہ دلائل بھی دیئے ہیں - بایں ہمہ "سیرتِ محمدیہؐ" کو ، بقول الطاف فاطمہ ، "باقاعدہ سواغ حیات کہنا درست نہ ہوگا کیونکہ اس میں (مصنف نے) نہ صرف آنحضرتؐ کی سوانح عمری پر تاریخی شواہد سے اعتراضات کا جواب دیا ہے ، بلکہ تمام عالمِ اسلام کے تاریخی حالات کا جائزہ اعتراضات کی روشنی میں لے کر ترتیب وار جوابات دیئے ہیں اور اس طرح خالصتاً سوانح نگاری کے نقطۂ نظر سے یہ سوانح عمری کسی قدر ہٹی ہوئی ہے"[۱] -

سیرتِ رسولؐ

غالباً اس امر کا احساس خود مرزا حیرت دہلوی کو بھی تھا ، چنانچہ انہوں نے "سیرتِ محمدیہؐ" میں بہت سے اضافے کرکے ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۰ء تک کے درمیانی عرصہ میں ، "سیرتِ رسولؐ" کے نام سے چھ جلدوں میں ایک اور کتاب لکھی - اس کی پہلی جلد (۳۱۹ صفحات) ۱۹۰۲ء/۱۳۱۹ھ میں ، اور دوسری جلد (۱۷۶ صفحات) ۱۹۰۴ء/۱۳۲۱ھ میں کرزن پریس دہلی سے شائع ہوئی - بقیہ چار جلدیں بھی وقفے وقفے سے ۱۹۱۰ء تک چھپ گئیں - ڈاکٹر سید شاہ علی نے اس نئی تصنیف پر بھی نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس میں کھلم کھلا عقلی اصولوں کی مذمت کر کے قدیم طرز کو اپنایا گیا ہے"[۲]- مگر یہ رائے انتہا پسندانہ ہے - مرزا حیرت

۱- اُردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء : الطاف فاطمہ ، اردو اکیڈمی سندھ ، کراچی ، ۱۹۶۱ء ، ص ۱۶۷ -

۲- اُردو میں سوانح نگاری : سید شاہ علی ، ص ۲۴۴ -

کی قدامت پسندی میں کلام نہیں ، لیکن یہ کہنا کہ اُنہوں نے کھلم کھلا عقلی اصولوں کی نفی کی ہے ، یقیناً حقیقت کے خلاف ہے ۔ مرزا حیرت سر سید کے گروہ کے آدمی نہ تھے ، لیکن وہ اُن کے تصنیفی روبے سے بہرحال متاثر ہوئے ۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے آنحضرتؐ کی سوانح عمری کو آنکھ بھوں کی تعریف تک محدود نہیں رکھا ، بلکہ سیرت و سوانح کے تاریخی اصولوں کی روشنی میں آپؐ کی شخصیت کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اُس نے آنحضرتؐ کی سیرت موجودہ زمانے کے مطابق تحریر کی ہے اور اُس میں وہ واقعات درج کیے ہیں ، جن سے متعصب ترین شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا یہ دعویٰ بڑی حد تک درست ہے ۔

سیرت النبیؐ (پیارے نبیؐ کے پیارے حالات)

مرزا حیرت دہلوی کے معاصر فیروز الدین ڈسکوی نے ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ میں تین جلدوں پر مشتمل ایک کتاب "سیرت النبیؐ" (پیارے نبیؐ کے پیارے حالات) تحریر کی جس کا مقصدِ وحید سیرت کے ذریعے آنحضرتؐ کی نبوت کا ثبوت فراہم کرنا تھا ۔ مصنف نے اپنی کتاب کے دیباچے میں خود لکھا ہے کہ "زندگی' مستعار کا کچھ پتہ نہیں ۔ بہتر ہے کہ سرِ دست آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پاک زندگی کے مختصر حالات اور مقدس واقعات مختصر طور پر لکھ دوں تاکہ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ حضور علیہ السلام کی سیرت ہی آپؐ کی صداقت کا اعلیٰ ثبوت ہے"[1] مقصدِ ثانی یہ تھا کہ جو لوگ قرآن مجید کسی اُستاد کی مدد کے بغیر پڑھتے ہیں ، وہ نہ تو آیاتِ قرآنی کا سببِ نزول معلوم کر سکتے ہیں اور نہ یہ امتیاز کر پاتے ہیں کہ کون سا واقعہ مکہ میں گزرا اور کون سا مدینہ میں ، للہذا اُن کے لیے لازمی تھا کہ کوئی ایسی کتابِ سیرت ہونی چاہیے، جس کے ذریعے آنحضرتؐ کی زندگی کے اہم تاریخی واقعات اور قرآنی آیات کے درمیان ربط و تعلق قائم ہو سکے ۔ گویا فیروز الدین ڈسکوی

۱۔ سیرت النبی : فیروز الدین ڈسکوی ، رفاہِ عام پریس ، لاہور ، ۱۹۰۵ء ، جلد اول (دیباچہ)

"سیرت النبی" کے ذریعے ایک تو قارئین کو آنحضرت کی حیاتِ مبارکہ کے چیدہ چیدہ حالات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے قرآنی آیات اور حضورِ اکرم کے عہد کے واقعات کو باہمی تناظر میں دیکھنا چاہتے ہیں - الطاف فاطمہ کا خیال ہے کہ "موصوف نے اس کتاب کو خاصتاً سوانح عمری کے نقطۂ نظر سے تصنیف نہیں کیا تھا"[1] - لیکن "سیرت النبی" کی تینوں جلدیں اس رائے کی تردید کرتی ہیں - مصنف نے بڑے آسان اور سادہ لفظوں میں "پیارے نبی کے پیارے حالات" قلم بند کیے ہیں - یہ کتاب مناظرانہ ماحول اور فضا میں لکھی جانے کے باوجود اس متعصبانہ اور معاندانہ لب و لہجہ سے پاک ہے جو اس قسم کی کتابوں کا خاصہ بن چکا تھا - فیروز الدین ڈسکوی کا ہر مسلمان کی طرح ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ، مامور من اللہ اور موید من اللہ تھے اور ان اعتقادات کے اثبات کے لیے انہوں نے صحائف آسمانی کی آیات بطورِ شہادت اور سابقہ انبیاء کی بشارتیں بطورِ تائید نقل کی ہیں - مصنف نے جا بجا اسلام اور بانیٔ اسلام کے مخالفین کے اعتراضات کی قلعی کھولی ہے اور جن بشارتوں کے متعلق عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلاف ہے ، آن کے بارے میں اپنی مدلل رائے پیش کی ہے -

"سیرت النبی" سات حصوں پر مشتمل ہے - پہلے حصے میں سابقہ انبیاء کے مختصر احوال ، دوسرے میں آنحضرت کے حالات ، تیسرے میں آپ کے اخلاق و عادات، چوتھے میں آپ کے بارے میں تورات و انجیل کی بشارات ، پانچویں میں معجزات اور آیات بینات ، چھٹے میں آپ کی تعلیمات اور ساتویں حصے میں آپ کی زندگی کے مقاصد درج کیے گئے ہیں -

الطاف فاطمہ کے بقول "اس کتاب میں تذکرہ نگاری ، سیرت اور تاریخ سے مدد لی گئی ہے - اختصار اور اجمال کو حد درجہ ملحوظ رکھا ہے - وہ تمام تاریخی واقعات ، یعنی ہجرت ، غزوات اور جنگیں ، جن کو آپ کی سیرت و سوانح میں زبردست اہمیت ہے ، بہت اختصار سے بیان کر دیئے ہیں"[2] -

---

۱- اردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء : الطاف فاطمہ ، ص ۱۷۱ -
۲- ایضاً ، ص ۱۷۲ -

جہاں تک "سیرۃ النبی" کے اسلوبِ تحریر کا تعلق ہے ، مصنف نے کتاب کے دیباچہ میں خود ہی وضاحت کر دی ہے کہ "اس کتاب میں لمبی چوڑی عبارت آرائی نہیں کی گئی ، بلکہ سادہ اور صاف طور پر حضور علیہ السلام کے واقعات وغیرہ بیان کر دیئے گئے ہیں" ---- اور یہ بات درست ہے کیونکہ مصنف کے پیش نظر کم پڑھے لکھے عوام تھے جو تحریر میں سادگی ، جامعیت اور اختصار پسند کرتے ہیں اور پیچیدہ و مغلق عبارات سے انہیں الجھن ہوتی ہے ، اسی لیے اُس نے شعوری کوشش کی ہے کہ جذبات کی رو میں بہہ کر مطالب خبط نہ ہونے پائے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مصنف نے سیدھے سادے عام فہم الفاظ میں نبی اکرم ؐ کی زندگی کے حالات لکھ دیئے ہیں تا کہ بچے ، بوڑھے سب یکساں دلچسپی کے ساتھ انہیں پڑھ سکیں ۔

رحمۃ للعالمینؐ

بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (متوفی ۱۹۳۰ء) کی تصنیف "رحمۃ للعالمینؐ" کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ، وہ (شبلی و سلیمان ندوی کی "سیرۃ النبیؐ" کو چھوڑ کر) کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی ۔ تین جلدوں پر مشتمل یہ تصنیف ، روایات کی صحت، واقعات کی ترتیب ، مطالعہ کی وسعت ، نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت ، مختلف علوم سے کسبِ فیض اور حضورؐ کی ذات سے والہانہ لگاؤ کی وجہ سے اب تک اپنی کشش برقرار رکھے ہوئے ہے ۔ حکیم محمد عبداللہ صاحب جہانیاں نے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے حالات لکھتے ہوئے سید ابو الاعلیٰ مودودی کی یہ رائے نقل کی ہے کہ "اگرچہ اردو میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں ، تاہم اُن کتب میں سے چند ہی ایسی ہیں جن کے اندر واقعات کی صحتِ بیان کا کماحقہٗ لحاظ رکھا گیا ہے اور اُن چند کتب میں قاضی صاحب کی "رحمۃ للعالمینؐ" سرِ فہرست ہے"[1] ۔ سید سلیمان ندوی نے قاضی صاحب

۱۔ اصحابِ بدر : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، مکتبہ نذیریہ ، لاہور ، ۱۹۷۸ء (حالاتِ مبارکہ مصنف علیہ الرحمۃ ۔ از حکیم محمد عبداللہ ، ص ۳۵ ، ۳۶ ۔

کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مرحوم نے اسلام کے فضائل میں اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں ، مگر اُن سب میں بہتر اور جامع اُن کی تصنیف "رحمۃ للعالمینؐ" ہے ۔۔۔۔ ناظرین دیکھیں گے کہ ایک عاشقِ رسولؐ کے قلم نے عشق و محبت کے نشہ و سرور میں علم و عقل کی فرزانگی اور ہوشیاری کے ساتھ نکتہ رسی اور دیدہ وری کی کیا کیا صنعت کاریاں کی ہیں ۔۔۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک ہندوستان میں اسلام کا دریا لہریں لیتا رہے گا ، "رحمۃ للعالمینؐ" کے یہ کاغذی سفینے مسلمانوں کی سلامتیٔ ایمان کے لیے اس میں چلتے پھرتے ، تیرتے اُبھرتے رہیں گے"[1] ۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اشاعت کے بعد اسے جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن ، جامعۂ عباسیہ بہاولپور ، ندوۃ العلماء لکھنؤ ، دارالعلوم دیوبند ، انجمن حمایت اسلام لاہور کے تعلیمی اداروں اور دیگر اسلامی مدارس نے شاملِ نصاب کر لیا"[2] ۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری (جیسا کہ اُنھوں نے خود لکھا ہے) کی سالہا سال سے یہ آرزو تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تین کتابیں لکھ سکیں ۔ (۱) مختصر (۲) متوسط (۳) مُطَوّل ۔ مختصر کتاب اُنھوں نے ۱۸۹۹ء میں "مہرِ نبوت" کے نام سے لکھ کر شائع کی ، جس کا ۴۸ صفحات پر مشتمل نیا ایڈیشن سبحانی اکیڈیمی لاہور نے ۱۹۷۵ء میں[3] اور ۶۴ صفحات پر مشتمل ایڈیشن شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور نے شائع کیا ہے ۔ یہ بچوں کے لیے ایک اچھی کتاب ہے اور ۲۳ سالہ دورِ نبوت کا لبِ لباب ہے ۔ مصنف نے سیرتِ محمدیہ کے تمام پہلوؤں کو

۱۔ رحمۃ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ، جلد سوم ، مقدمہ از سید سلیمان ندوی ، ص ۸ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۱۱ ، ۱۲ (تمہید از مصنف) یہ کتاب اب اسلامی یونیورسٹی سعودی عرب کے نصاب میں بھی شامل ہے (ہفت روزہ چٹان ، لاہور ، ۷ جون ۱۹۷۶ء) ۔
۳۔ مہرِ نبوت : علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، سبحانی اکیڈیمی ، لاہور ، طبع اکتوبر ۱۹۷۵ء ۔

نہایت اختصار کے ساتھ دلکش اور سہل انداز میں سمو دیا ہے[1] ۔ متوسط کتاب کا نام انہوں نے "رحمۃ للعالمین" رکھا اور اسے تین جلدوں میں مکمل کرنے کا تہیہ کیا ، چنانچہ اس کی پہلی جلد ۱۹۱۲ء میں ، دوسری جلد ۱۹۲۱ء میں اور تیسری جلد (مصنف کے انتقال کے بعد) ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی[2] ۔ البتہ مطوّل کتاب لکھنے کی تمنا بدقسمتی سے پوری نہ ہوسکی ، کیونکہ "رحمۃ للعالمین" کی تیسری جلد کی تکمیل کے فوراً بعد وہ حج کے لیے تشریف لے گئے اور واپسی پر جہاز میں ہی ان کا انتقال ہو گیا ۔ تیسری جلد کا مسودہ قاضی صاحب نظرِ ثانی کے لیے اپنے ساتھ لے گئے تھے چنانچہ ریل اور جہاز میں اس پر کام کرتے رہے اور چند نئے ابواب کا اضافہ بھی اس میں کیا ۔ آپ کے وصال کے بعد یہ مسودہ کچھ عرصہ تک آپ کے اسباب میں بند رہا اور پھر سید سلیمان ندوی نے تلاش کر کے شائع کرایا[3] ۔ "رحمۃ للعالمین" جلد سوم کے مقدمہ میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ :

"آج سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرۃِ نبوی کی تجویز اہلِ ملت کے سامنے پیش کی تھی ۔ اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی ۔ یہ مولوی انشاء اللہ خاں مرحوم ، ایڈیٹر "وطن" لاہور کی آواز تھی ۔ انہوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان صاحب چونکہ اس کے لکھنے کا ارادہ

۱۔ قاضی صاحب نے خود لکھا ہے کہ حضور پُر نور کے حالاتِ مبارکہ کو ہماری کتاب "مہرِ نبوت" میں اور اہلِ علم کو "رحمۃ المعالمین" میں مطالعہ کرنے چاہئیں (اصحابِ بدر : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، ص ۶۵ ۔

۲۔ رحمۃ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری، جلد اول ، ص ۲۱، جلد دوم ، ص ۱۹ ، جلد سوم ، ص ۸ تا ۱۰ اور اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۳۳ ۔

۳۔ ایضاً ، جلد سوم ، ص ۱۱ (حاشیہ) ۔

کر رہے ہیں ، اس لیے مولانا شبلی کو تکلیف کی ضرورت نہیں[1]۔ اس کے بعد خاموشی سے بیس برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصنیفوں کی کئی جلدیں اربابِ شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت کی عزت پائی ۔ پھر کس کو خیال آ سکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیرباد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنا دے گا۔ خدا کے سامنے میں اُس کی دی ہوئی اس عزت پر نازاں ہوں کہ اُس نے بزرگوں کے متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصے میں رکھی ۔"[2]

"مہرِ نبوت" اور "رحمۃ للعالمین ؐ" کے علاوہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی دو کتابیں اور ہیں ، جن میں آنحضرت ؐ کے حالاتِ زندگی مختصراً بیان ہوئے ہیں ۔ (۱) بدر البدور ، المعروف اصحابِ بدر اور (۲) سید البشر (دو حصے) ۔ پہلی کتاب میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے ۳۱۳ صحابہ کرام کی سوانح عمریاں اور اس جنگ کے تفصیلی حالات درج ہیں ۔ شرکائے بدر میں سرِ فہرست چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ؐ ہیں ، اس لیے آپ ؐ کے مختصر نسب نامے سے کتاب کو زینت دی گئی ہے ۔ اس حصے کی ابتدا میں آنحضرت ؐ کی تاریخِ ولادت کا تعین دنیا کے مشہور و مروجہ سنین کے مطابق کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد عہدِ نبوت کے اہم واقعات بھی مختلف سنین اور تواریخ کے حساب سے بیان کئے گئے ہیں ، مثلاً بعثت و نبوت ، مکہ میں مدتِ تبلیغ ، معراج ، ہجرتِ مدینہ ، مدینہ میں قیام کی

۱- ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۴ء میں انہیں مولوی محمد انشاء اللہ خاں (۱۸۷۰ء-۱۹۲۸ء) نے دو جلدوں میں "سیرت الرسول ؐ" کے نام سے "سیرۃ ابن ہشام" کا اردو ترجمہ ، خلاصہ کر کے شائع کیا ، تاہم یہ محض خلاصہ نہیں ہے بلکہ مترجم نے جا بجا مفید حواشی و تشریحات سے واقعات میں اضافہ کیا ہے ۔ ترجمہ میں مدیر "وطن" نے مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی کی مدد بھی لی ۔

۲- رحمۃ للعالمین ؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد سوم ، ص ۷ (مقدمہ رحمۃ للعالمین ؐ اور اس کا مصنف مرحوم ۔ از سید سلیمان ندوی) ۔

مدت اور وفات وغیرہ کے سنوں کا تعین کرنے کے بعد حساب کر کے لکھا ہے کہ "عالمِ دنیوی میں حضورؐ نے ولادت سے لے کر وفات تک ، ۲۲۳۳۰ دن ، ۶ گھنٹے قیام فرمایا ۔ یہ چھ گھنٹے اکتیسویں دن کے تھے ۔ مذکورہ بالا ایام میں ۸۵۶۱ دن تبلیغ و رسالت و نبوت کے ہیں"[۱] ۔ پھر حضور اکرم[ؐ] کے ممتاز اسما و القاب اور قرآن مجید میں درج خطابات اور تمام غزوات کی ایک فہرست دی گئی ہے ۔ یہ تذکرہ مختصر ہونے کے باوجود معلوماتی ہے اور لگتا ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے ۔ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے حالات میں بھی آنحضرت[ؐ] کا جابجا ذکر موجود ہے ۔ یوں بقول الطاف فاطمہ "یہ تذکرہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے دوسرے تمام تذکروں سے جداگانہ ہے اور پڑھنے والا قاضی صاحب کی تحقیق و تجزیہ کا قائل ہو جاتا ہے"[۲] ۔

"سید البشر" (دو حصے) قاضی صاحب کی سیرت النبی کے موضوع پر چار تقاریر کا مجموعہ ہے ، جسے آن کے ہم وطن قاضی ابوالفضل حبیب الرحمٰن الطارق نے مرتب کر کے مصنف کی وفات کے پندرہ سال بعد (۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء میں) شائع کیا ۔ حصہ اول میں قاضی صاحب کی "پیغمبرِ اسلام" کے عنوان سے ۹۶ صفحات پر محیط ایم ۔ اے او ہائی سکول امرتسر میں کی گئی تقریر ہے ، جو بالاقساط چار روز میں ختم ہوئی[۳] اور حصہ دوم (۱۲۸ صفحات) میں قاضی صاحب کی تین تقاریر (۱) ربیع القلوب فی سیرۃ المحبوب (۲) سراجِ منیر اور (۳) آسوۂ حسنہ کے عنوان سے قلم بند کی گئی ہیں[۴] ۔ "سید البشر" کے چاروں خطبات کا مخاطب چونکہ نوجوان طبقہ ہے اس لیے آن میں بڑے سادہ اور عام فہم الفاظ میں آنحضرت[ؐ] کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات بیان ہوئے ہیں ۔ "پیغمبرِ اسلام" میں (سید سلیمان ندوی کی "رحمتِ عالم" کی طرح) بچوں کے لیے سیرتِ

۱۔ اصحابِ بدر : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، ص ۶۳ ، ۶۴ ۔
۲۔ اردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء : الطاف فاطمہ ، ص ۱۹۵ ۔
۳۔ سید البشر (حصہ اول) : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، مرتب حبیب الرحمٰن الطارق ، شیخ قمر الدین پبلشر ، لاہور ۔
۴۔ ایضاً ، (حصہ دوم) ۔

رسولؐ“ پر تمام اہم معلومات سمیٹ دی گئی ہیں اور باقی تینوں تقاریر میں بھی آنحضرتؐ کے اجمالی واقعات ، اخلاق ، عادات ، تعلیمات اور قرآن مجید کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

”مہر نبوت“ ، ”اصحاب بدر“ اور ”سید البشرؐ“ تینوں اپنی اپنی جگہ اہم سہی ، لیکن قاضی صاحب کے عشق رسولؐ کی اصل جولاں گاہ اُن کا شاہکار ”رحمة للعالمین“ ہے ، جیسے اُنہوں نے کمال دیانت داری اور مؤرخانہ احتیاط کے ساتھ لکھا ہے ۔ وہ سیرت نگاری کی نازک ذمے داری سے بخوبی آگاہ تھے لیکن اردو میں آنحضرتؐ کی سیرت پر کسی جامع و مبسوط کتاب کی کمی نے اُن کے عزم و حوصلہ کو استقامت بخشی اور وہ ”رحمة للعالمین“ کی تالیف پر آمادہ ہو گئے ۔ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ”اہل خبرت آگاہ ہیں کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا کس قدر مشکل ہے ۔ اگر ذرۂ بے مقدار ، خورشید جہاں افروز کے نور گیتی آرا کا مکیال بن سکتا ہے تو مجھ سا بے بضاعت کثیر الاشغال بھی ، جس کا اس راہ میں کوئی یار و مددگار نہیں ، درست طور پر کچھ لکھ بھی سکتا ہے ـــــ لیکن ایک فرض کا احساس ہے کہ سکوت پر غالب آ گیا ہے اور درد محبت ہے ، جس نے بے حس قلب کو تڑپا دیا ہے ، توفیق الٰہی ہے جو برابر اس کام پر مجھے لگائے رکھتی ہے ، جذبۂ ربانی ہے جس کی کشش اس طریق حق پر لئے جاتی ہے“[۱] اس فرض شناسی ، درد محبت ، توفیق الٰہی اور جذبۂ ربانی نے اُن سے ایک ایسی کتاب لکھوائی ، جو سیرت رسولؐ پر جدید نقطۂ نظر سے لکھی ہوئی اُردو کی پہلی مفصل اور جامع کتاب ہے ۔

”رحمة للعالمین“ کی پہلی جلد (ص ۲۹۹) ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے ۔ مقدمہ میں آنحضرتؐ کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کے حالات سے آغاز کر کے آپؐ کے اجداد کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے ۔ پھر عہد جاہلیت کے عرب کا نقشہ کھینچنے کے بعد آنحضرتؐ کے لائے ہوئے دین کی برکات اور سیرت نبویؐ کی خصوصیات گنوائی گئی ہیں ۔ پھر انبیاء کی صفات سے آپؐ کی صفات کا موازنہ کر کے آپؐ کی شان نبوت پر

۱- رحمة للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد دوم ، ص ۱۹ ، ۲۰ ۔

روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے ۔ آنحضرتؐ کی ولادت، اسم مبارک، ایام رضاعت، والدہ اور دادا کی وفات، سفر شام، جوانی ، تجارتی سفر ، حضرت خدیجہؓ سے نکاح ، حجر اسود کی تنصیب ، بعثت و نبوت ، آغاز تبلیغ ، قریش کی مخالفت ، اسلام لانے والوں پر کفار کے جور و ستم ، ہجرت حبشہ ، نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر ، رسول اللہؐ کو سرداران مکہ کی طرف سے ترغیب و تحریص ، امیر حمزہؓ اور عمر فاروقؓ کا قبول اسلام، شعب ابی طالب میں محصوری، ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ، مختلف قبائل کو دعوت اسلام ، واقعۂ معراج ، طفیل بن عمرو دوسی اور ابو ذر غفاری کا قبول اسلام ، بیعت عقبۂ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانیہ ، نبی کریمؐ کے بارہ نقیب ، ہجرت ، مدینہ منورہ میں تشریف آوری ، پہلا خطبۂ جمعہ اور مکہ اور مدینہ کے اس وقت کے حالات کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد پہلا باب شروع ہوتا ہے ، جس میں معاہدۂ مدینہ ، قریش مکہ کی سازشیں ، مدینہ پر ان کے حملے ، غزوۂ بدر ، غزوۂ سویق ، غزوۂ احد ، غزوۂ احزاب ، فتح مکہ ، جنگ حنین ، جنگ موتہ ، غزوۂ تبوک وغیرہ کا حال بیان کر کے پہلے تو آنحضرتؐ کا تبوک میں ایک مؤثر خطبہ نقل کیا گیا ہے اور پھر اسیران جنگ سے آنحضرتؐ کے رحم دلانہ برتاؤ کی مثالیں دے کر یہ باب ختم کیا گیا ہے ۔ دوسرا باب آنحضرتؐ کی طرف سے مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام لے جانے والے سفیروں اور آپؐ کے فرامین و مکتوبات کے تذکرے پر مشتمل ہے ۔ شاہ حبش ، شاہ بحرین ، شاہ عمان ، گورنر شام، حاکم یمامہ ، شاہ مصر، شاہ روم اور شاہ ایران کے نام آنحضرتؐ کے مکتوبات نقل کیے گئے ہیں اور ان کے درباروں میں آنحضرتؐ کے سفیروں کی گفتگو درج کی گئی ہے ۔ آخر میں ان والیان ملک کا ذکر ہے ، جو منادان اسلام کی دعوت سے اسلام لے آئے ۔ تیسرا باب ان وفود کے احوال پر محیط ہے جو فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آئے ۔ چوتھا باب آنحضرتؐ کے مدینہ میں دس سالہ قیام کے چیدہ چیدہ واقعات پر مشتمل ہے ۔ ان میں مسجد نبویؐ کی تعمیر ، سلسلۂ مواخاۃ ، تحویل قبلہ ، فرضیت زکوٰۃ ، فرضیت صوم ، صلح حدیبیہ ، جنگ خیبر ، خالد بن ولید ، عمرو بن العاص اور عدی بن حاتم کا قبول

اسلام ، حجة الوداع پر آپؐ کا خطبہ ، خطبۂ غدیر ، آنحضرتؐ کی مدینہ کو واپسی ، آغازِ مرض الموت ، رحلت ، غسل و تکفین اور نمازِ جنازہ کا تفصیلی ذکر ہے ۔ پانچواں باب خلقِ محمدی کے لیے وقف ہے ، جس میں آپؐ کے اخلاقِ عالیہ ، عادات و اطوار اور شکل و شمائل کا تذکرہ ہے ۔ اس باب کے آخر میں قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ بھی درج کیا گیا ہے ، کیونکہ مصنف کی رائے میں "ہمارے سید مولیٰ نبیٔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اگر کوئی مبسوط و مشروح لکھے تو ضرور ہے کہ وہ علومِ قرآن سے بھی بحث کرے لیکن اگر کوئی شخص میری طرح مختصر ، سادہ سادہ حالات لکھ رہا ہو تو اسے بھی لازم ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ پیش کر دے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیونکہ جس سیرتِ نبویہ کے ساتھ قرآن مجید کا نمونہ نہیں دکھایا جاتا ، وہ کتاب بے حد نامکمل ہے"[1] ۔ چنانچہ قرآن مجید کی چیدہ چیدہ تعلیمات کو الٰہیات ، سلطنت کے اصول ، تعلیم و تعلم ، نظامِ تبلیغِ دین، تہذیبِ اخلاق اور تمدن کے عنوانات دے کر درج کیا گیا ہے ۔

"رحمة للعالمینؐ" کی دوسری جلد (ص ۳۷۶) آٹھ ابواب پر مشتمل ہے ۔ کتاب کی ابتدا میں مصنف نے خود وضاحت کی ہے کہ "جلد دوم میں ایسے ضروری مضامین ہیں ، جن میں سے بعض کو علماء سیرت آغازِ کتاب میں جگہ دیا کرتے ہیں مگر میں نے حصۂ اول کو صرف ایسے مالا بد منہ حالاتِ مبارکہ پر اختصار کے محتوی رکھا تھا کہ اگر بقیہ جلدیں شائع بھی نہ ہو سکیں ، تب بھی وہ نقشِ ناتمام کی صورت میں غیر مکمل نظر نہ آئے"[2] ۔ چنانچہ اس جلد میں حصۂ اول کے بعض حصوں کی تفسیر و توضیح ہے اور بعض نئے مباحث شامل کیے گئے ہیں ۔ باب اول میں "النسب" کے عنوان سے آنحضرتؐ کا شجرۂ نسب تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ حصۂ اول نبی کریمؐ سے عدنان تک ، حصۂ دوم عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک اور حصۂ سوم حضرت اسمٰعیلؑ سے حضرت آدمؑ تک پہنچتا ہے ۔ نبیٔ کریمؐ سے عدنان تک شجرۂ مبارکہ میں کوئی

۱- رحمة للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری، جلد اول، ص ۲۷۷ ۔
۲- ایضاً : جلد دوم ، ص ۲۰ ۔

اختلاف نہیں لیکن اس سے اوپر اسماء کا فرق ہے ۔ شجرۂ طیبہ کی تحقیق و تفتیش میں مصنف نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے اور بعض ایسی معلومات فراہم کی ہیں ، جو کتب سیرت میں نوادرات کا درجہ رکھتی ہیں ۔ مثلاً مصنف کہتا ہے کہ ''آباء الکرام کے ساتھ میں نے تلاش کی کہ امہاۃ العظام کے مبارک نام بھی مل جائیں تو بہتر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت عبداللہ سے لے کر عدنان تک برابر سب کے نام مل گئے اور مزید براں یہ بھی ہوا کہ ان امہات کے آباء اور قبائل کا پتہ بھی لگ گیا ، مثلاً نبی کریمؐ کی والدہ ماجدہ کا نام ملا تو سیدہ آمنہ کے والد کا نام بھی مع ان کے سلسلۂ نسب کے اور ان کی والدہ کا نام مع ان کے سلسلۂ نسب کے مل گیا ۔ اس تمام سلسلے پر نظر ڈالو ۔ شاید دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا بھی سلسلۂ خاندانی اس وضاحت کے ساتھ اوراق تاریخ میں دستیاب نہ ہو سکے گا ۔ پھر ہر ایک سلسلہ میں نسب کی رفعت شان پر نظر ڈالو کہ ددھیال اور ننھیال اور ننھیال در ننھیال کی ددھیال میں بھی کسی ایک جگہ دہن یا خمود نہ ملے گا''[۱] ۔ سلسلۂ انساب کی بحث میں قاضی صاحب نے ''تاریخ کبیر'' (طبری) ، ''طبقات الکبیر'' (ابن سعد) ، ''تاریخ الکامل'' (ابن اثیر) ، ''خطبات احمدیہ'' (سر سید) اور بائیبل کے عہد نامۂ قدیم سے استفادہ کیا ہے ۔ اسی باب میں آنحضرتؐ کے سلسلۂ نسب کا موازنہ اولاً حضرت مسیحؑ کے سلسلۂ نسب سے کیا گیا ہے اور بعد ازاں آنحضرتؐ کے شجرہ کے مشاہیر کے مختصر حالات درج کیے گئے ہیں یعنی حضرت آدمؑ ، نوحؑ ، ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے حالات لکھنے (اور ان کے بارے میں مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دینے) کے بعد عدنان ، مُعدّ ، نزار ، مضر ، الیاس ، مُدرکہ ، خزیمہ ، کنانہ ، نضر ، مالک ، فہر ، غالب ، لُوی ، کعب ، مُرّہ ، کلاب ، قُصیّ ، عبد مناف ، ہاشم ، عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے حارث ، ابو طالب ، حمزہ ، ابو لہب ، عباس ، زبیر اور عبدالمطلب کی بیٹیوں میں سے ام حکیم ، امیمہ ، عاتکہ ، صفیہ ، برہ اور اروی کے حالات مع ان کی اولاد کے مختصراً بیان کیے گئے ہیں ۔ ان کے بعد آنحضرتؐ کے والد ماجد

۱۔ رحمۃ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد دوم ، ص ۲۱ ۔

عبداللہ اور والدہ سیدہ آمنہ کا مختصر حال ہے ۔ اسی باب کی نئی فصل میں آنحضرتؐ کی آل اولاد کا تذکرہ ہے جن میں تین بیٹوں قاسم ، عبداللہ اور ابراہیم اور چار بیٹیوں زینبؓ ، رقیہؓ ، اُمِ کلثومؓ اور فاطمہؓ کا مفصل ذکر کیا گیا ہے ۔ بیٹیوں کی تعداد کے سلسلے میں قرآن مجید کی آیت یا ایھا النبی قل لازواجک و بناتک و نساء المؤمنین (۳۳ : ۵۹) سے شہادت دلائی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ لفظ بنات جمع ہے بنت کی اور عربی زبان میں صیغہ جمع دو سے اوپر کے لیے ہے[۱] ۔ پھر اس خیال کی تردید میں کہ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ آنحضرتؐ کی باقی بیٹیاں پچھلگ تھیں ، عربی لغت اور قرآن کے حوالے سے بتایا ہے کہ "عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ بیویوں کی بیٹیوں کے لیے الگ لغت موجود ہے ۔ خود قرآن پاک نے ایسی لڑکیوں کے لیے لفظ ''ربائب'' استعمال کیا ہے ، لفظ 'بنات' نہیں ۔ الغرض کلام اللہ کے لفظ "بناتک" نے علمائے نسب کی تحقیقات کی تصدیق فرما دی ہے''[۲] ۔ آنحضرتؐ کی بیٹیوں کے تذکرے میں سیدہ زینبؓ کی اولاد (امامہ اور علی) ، سیدہ رقیہؓ کے بیٹے عبداللہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے بیٹوں امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور اُن کی اولاد میں سے امام زین العابدین ، امام باقر ، امام جعفر صادق ، امام موسیٰ کاظم ، امام علی الرضا ، امام محمد الجواد ، امام علی النقی اور امام حسن عسکری کے تفصیلی حالات درج کیے گئے ہیں ۔ باب دوم ، اُمہات المومنین کے مبارک تذکرے کے لیے وقف ہے ۔ آنحضرتؐ کے کثرتِ ازدواج پر معترض ہونے والوں کو مصنف نے حوالے دے کر بتایا ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں ، رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرت ، شری کرشن جی ، راجہ شنتن ، راجہ پانڈو ، بچھتر ایرج کی متعدد بیویاں تھیں ۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ ، حضرت یعقوبؑ ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی متعدد بیویوں کا ذکر بائبل میں موجود ہے ۔ اس کے بعد نبیٔ کریمؐ کی کثرتِ زوجات کے دینی ، ملکی اور قومی فوائد

۱- رحمۃ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد دوم ، ص ۱۰۱ ۔
۲- ایضاً ، ص ۱۰۱ ، ۱۰۲ ۔

گنوائے گئے ہیں اور قرآن مجید کی آیات سے ازواج النبیؐ کے فضائل ظاہر کیے گئے ہیں ۔ بعد ازاں اُمہات المؤمنین حضرت خدیجہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ ، حضرت حفصہؓ ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ، حضرت اُم سلمہؓ ، حضرت زینبؓ بنت جحش ، حضرت جویریہؓ ، حضرت اُم حبیبہؓ ، حضرت صفیہؓ اور حضرت میمونہؓ کے تفصیلی حالات قلم بند کیے گئے ہیں اور اُن کی دینی خدمات گنوائی گئی ہیں ۔ باب سوم ، غزوات و سرایا کے لیے وقف ہے ۔ اس میں مصنف نے اُن تمام غزوات و سرایا کا ایک جامع نقشہ مرتب کیا ہے جو عہدِ نبوی میں ۲ھ سے ۹ھ تک (۸ سال کی مدت کے اندر) ہوئے تھے ۔ اس فہرست میں ہر غزوے کا نام ، تاریخ ، لشکرِ اسلام کی تعداد مع سردار، لشکرِ دشمن کی تعداد مع سردار، مسلمانوں اور دشمنوں کا جانی نقصان، لڑائی کا نتیجہ اور دیگر اہم تفصیلات درج کی گئی ہیں ۔ مصنف کی تحقیق کے مطابق اُن غزوات و سرایا کی تعداد ۸۲ ہے ۔ اس کے بعد اُن غزوات و سرایا کی تقسیم فرقہ بندی کی بنیاد پر کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کن کن قبائل کے ساتھ کن کن جھگڑوں کی وجہ سے جنگ کی نوبت آئی ۔ پھر عہدِ نبوی کی تمام جنگوں میں فریقین کے زخمیوں اور مقتولوں کے اعداد و شمار جمع کر کے بتایا ہے کہ ان میں دونوں طرف کے مقتولوں کی تعداد ۱۰۱۸ ہے اور اگر زخمی بھی شامل کر لیے جائیں تو میزان ۱۰۷۷ بنتا ہے ۔ پھر اس کا موازنہ جنگِ عظیم اول کے مقتولوں کی تعداد سے کیا ہے جو (اخبار ''ہمدم'' ۱۷ اپریل ۱۹۱۹ء کی اشاعت کے مطابق) ۷۳ لاکھ ۳۸ ہزار ہے ۔ یہ اعداد و شمار درج کرنے کے بعد مصنف کہتا ہے کہ ''خیال کرو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کامیابی کا ، جنھوں نے فریقین کی صرف ۱۰۱۸ قربانیوں کے بعد اس قدر روحانی و اخلاق و مادی و ملی فوائد حاصل کیے تھے ، جن کو بہ حیثیتِ مجموعی آج تک دنیا کی کوئی قوم اور ملک حاصل نہیں کر سکا ۔ ۔ ۔ ۔ اہلِ دنیا کی لڑائیوں کا ذکر چھوڑو ، مقدسین کی لڑائیاں لو ۔ مہا بھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم نہیں ۔ یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے جس قدر نفوس کو ہلاک کیا ، اُن کی تعداد لاکھوں سے زاید ہے ۔ جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب ''اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن'' میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکتِ نفوس

کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے ، جو عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی ہوئی تھی - اکیلی سلطنت سپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا ، جن میں سے بتیس ہزار آدمی زندہ آگ میں جلائے گئے تھے"[1] -

اس باب میں مصنف نے بڑی محنت سے صحابہ کرام کے حالات پر لکھی ہوئی کتابوں کی چھان بین کر کے غزوات و سرایا کے شہدا کی فہرستیں مرتب کی ہیں ، تاہم جیسا کہ مصنف نے خود اقرار کیا ہے ، بیر معونہ اور جنگِ موتہ کی فہرستیں مکمل نہیں ہیں -

باب چہارم میں عیسائیوں کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ آنحضرت ؐ نے قرآن مجید میں درج قصے ، ایک عیسائی عالم سے سُن کر اپنی زبان میں ڈھال لیے تھے جبکہ کفارِ عرب ، قرآن مجید میں موجود پہلی قوموں اور پچھلے نبیوں کے حالات سن کر یہ پھبتی کستے تھے کہ یہ اساطیر الاولین (غیر حقیقی قصے کہانیاں) ہیں - قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اس باب میں ایک ہی قصہ کے متعلق پہلے بائیبل اور پھر قرآن مجید کا بیان نقل کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم دیگر آسمانی صحائف کے مقابلے میں کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے اور یہ اعتراض لغو و بے بنیاد ہے کہ اس کتاب کے سنانے والے نے پہلی کتابوں کے مضامین چرا چرا کر شامل کر لیے ہیں - مصنف نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے حضرت آدم ؑ ، فرزندانِ آدم ؑ (قابیل و ہابیل) ، حضرت نوح ؑ ، حضرت ابراہیم ؑ ، حضرت لوط ؑ ، حضرت اسحٰق ؑ ، حضرت یعقوب ؑ ، حضرت یوسف ؑ ، حضرت موسیٰ ؑ ، حضرت داؤد ؑ ، حضرت سلیمان ؑ ، حضرت ایوب ؑ ، حضرت زکریا ؑ ، حضرت یحییٰ ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں بائیبل کے اتہامات اور قرآن مجید کی صفائی کا باہمی موازنہ کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس نے یہودیوں اور عیسائیوں کے انبیاء کی سچی شان دنیا پر ظاہر کی اور اُن شرمناک الزامات سے اُنھیں بَری قرار

۱- رحمۃ للعالمین ؐ : قاضی محمد سلیمان منصورپوری ، جلد دوم، ص ۲۱۴ ، ۲۱۵ -

دیا ، جو یہ بیدرد اپنے پیشواؤں پر عاید کرتے تھے -

پانچویں باب میں سید المرسلینؐ کی تمام انبیاء پر فضیلت ظاہر کی گئی ہے ، چنانچہ حضرت آدمؑ ، حضرت ادریسؑ ، حضرت الیاسؑ ، حضرت نوحؑ ، حضرت ہودؑ ، حضرت صالحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت لوطؑ ، حضرت اسمٰعیلؑ ، حضرت اسحٰقؑ ، حضرت یعقوبؑ ، حضرت یوسفؑ ، حضرت شعیبؑ ، حضرت موسٰیؑ ، حضرت ہارونؑ ، حضرت الیسعؑ ، حضرت داؤدؑ ، حضرت سلیمانؑ ، حضرت یونسؑ ، حضرت ایوبؑ ، حضرت زکریاؑ ، حضرت یحیٰیؑ اور حضرت عیسٰیؑ کی قرآن مجید میں جو الگ الگ صفات درج ہیں ، قرآنی آیات ہی کی مدد سے ان سب کا مرکز آنحضرتؐ کی ذات کو قرار دیا گیا ہے - علاوہ ازیں احادیث اور اشعارِ عرب سے بھی آنحضرتؐ کے فضائل بطورِ شہادت پیش کیے گئے ہیں - پھر قرآن مجید سے چُن کر آپؐ کی وہ صفات درج کی گئی ہیں ، جو صرف آپؐ سے مخصوص ہیں -

باب ششم آپؐ کی سب سے بڑی صفت "رحمۃ للعالمین" کے لیے مخصوص ہے - اس میں قرآن مجید کی متفرق آیات کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے کہ آپؐ کی ذاتِ مبارکہ سارے جہانوں ، سارے ملکوں اور ساری قوموں کے لیے باعثِ رحمت ہے - مصنف نے ایک ایک کر کے وہ سب احسانات گنوائے ہیں ، جو آنحضرتؐ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے بنی نوعِ انسان پر کیے -

باب ہفتم کا عنوان "حب النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم" ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کے علاوہ دنیا کی کوئی شخصیت ایسی نہیں ، جس سے اتنی زیادہ محبت کی گئی ہو[1] - آنحضرتؐ یقیناً اپنے اعلٰی

۱- قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے نزدیک تو سیرت نگاری کا حقیقی مقصد بھی اظہارِ حبِ رسولؐ ہے ، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں :
"یاد رکھنا چاہیے کہ سیرت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا مقصد ، اس خاکسار کا بلکہ علمائے کا بھی یہی ہے اور یہی ہونا

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اوصاف کی وجہ سے محبوبِ خلائق ، محبوبِ ملائک اور محبوبِ خدا ہیں ۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث کی رو سے آپؐ کی محبت ایمان میں داخل ہے کیونکہ کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا ، جب تک آپ رسول اللہؐ کے ساتھ اپنے ماں باپ ، آل اولاد اور باقی سب اشخاص سے بڑھ کر محبت نہ ہو ۔ مصنف نے حضورؐ کے جود و سخا ، عدل و انصاف ، نجدت و شجاعت ، تواضع ، حیا ، شفقت و رافت ، عفو و کرم ، زہد فی الدنیا اور عام اخلاق کی مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ ایسے اُسوۂ حسنہ کی مالک شخصیت سے کون محبت نہیں کرے گا ۔

باب ہشتم میں سنِ ہجری کا کوئی دن معلوم کرنے کا قاعدہ سمجھایا گیا ہے اور باقاعدہ جدولیں بنا کر سہم آسان کی گئی ہے ۔ مصنف کے نزدیک اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ ”واقعاتِ سیرت کو قلم بند کرتے وقت بڑے بڑے فاضل مصنف واقعات کو یوم و تاریخ کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔ دیکھا جاتا ہے کہ کبھی دن صحیح ہوتا ہے اور تاریخ غلط ہوتی ہے ، کبھی تاریخ صحیح ہوتی ہے تو دن غلط ۔ اس لئے سنِ ہجری کے متعلق مختصر طور پر لکھا جاتا ہے تاکہ صحیح و تطبیقِ ایام و تواریخِ ہجری کے لیے کارآمد ہو“[1] ۔ مصنف نے اس باب میں سن قمری ہجری ، جولین پیریڈ ، سنہ عبرانی ، سنِ طوفانِ نوحؑ ، کل جگ ، سنہ ابراہیمیؑ ، سن بخت نصری ، سنہ سکندری ، بکرمی بروشٹہ ، بکرمی قمری شمسی سال ،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود با وجود کے متعلق پڑھنے والے کے قلب کو ایمان ، قویٰ کو ایقان ، روح کو راح اور صدر کو انشراح حاصل ہو جائے اور محبت کا وہ پاک چشمہ جو خاشاکِ علائقِ دنیوی سے دب گیا تھا ، سنگلاخ جہل میں رک گیا تھا پھر فوارہ فوار اسی بلندی تک موجزن ہو جائے ، جس بلندی سے چلا تھا ۔“ (رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان منصور پوری جلد دوم ، ص ۳۲۷ ۔)

۱- رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد دوم ، ص ۳۴۸ ۔

سن۔ عیسوی قدیم و جدید ، قبطی جدید ، جلوس۔ نوشیروانی ، عام الفیل وغیرہ کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ سال کا حساب قمری حساب پر ہی بہتر ہے جو کہ اسلام نے مقرر کیا ہے اور اسے شمسی حساب سے برابر کرنے کے لیے کوئی لوند یعنی کبیسہ کا مہینہ اختیار نہیں کیا کیونکہ اسلام دین۔ فطرت اور مساوات پسند ہونے کی وجہ سے چاہتا ہے کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے موسم میں آیا کریں ۔ اس سلسلے میں مصنف نے رمضان کے مہینے کی مثال دی ہے ، جو اگر ایک ہی مقررہ موسم میں آتا تو بے حد مشکل ہوتی ۔ "پس اسلام کی مساوات۔ جہانگیری کا اقتضا ہی یہ تھا کہ اسلامی سال قمری حساب پر ہوتا اور قمر کی حرکات کو انسانی اختراع لوند وغیرہ کی شمولیت سے کالعدم نہ کیا جاتا"[1] ۔

رحمۃ للعالمین کی تیسری جلد (ص ۳۰۲) تین طویل ابواب پر مشتمل ہے ۔ باب اول کا عنوان "خصائص النبی" ، باب دوم کا "خصائص القرآن" ، اور باب سوم کا "خصائص الاسلام" ہے ۔ گویا اس جلد کا موضوع اسلام ، پیغمبر۔ اسلام ؐ اور قرآن کی امتیازی خصوصیات ہیں ۔ مولٰنا سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "پیش۔ نظر حصہ کہنے کو خصائص۔ محمدی کے بیان میں ہے ، مگر درحقیقت اس میں اسلام کے آن امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے جس کی بنا پر اس کو "دین۔ کامل" کا خطاب ملا ۔ اسی طرح اس میں آنحضرت ؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وہ فضائل و محامد درج ہیں جن کی بنا پر آپ کو خاتم النبیین اور مکمل دین کا پُر فخر خطاب باری تعالٰی سے عطا ہوا ہے ۔ مصنف کے دلائل ایسے دل نشین اور طرز۔ ادا ایسا متین ہے کہ اس کی یہ تصنیف ہر صاحب۔ ذوق کے لیے باعث۔ تسکین ہو سکتی ہے ۔ زمانۂ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق۔ تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے ، مصنف مرحوم نے اس کی پوری طرح نگہداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر۔ اسلام ؐ کے وہ تمام امتیازات و محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنے کے لائق تھے ، مرحوم نے ان کا پورا

۱۔ رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد دوم ، ص ۳۵۲ ۔

استقصا کیا ہے اور کہیں سے کسی کارآمد نکتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا"[1] ۔

باب اول "خصائص النبی" آنحضرتؐ کی جملہ امتیازی صفات کا احاطہ کرتا ہے ۔ اس موضوع پر اگرچہ متقدمین نے بھی کتابیں لکھی ہیں لیکن قاضی سلیمان منصور پوری کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کے خصائص کا استنباط زیادہ تر قرآنی آیات سے کیا ہے کیونکہ اللہ سے بڑھ کر حضور اکرمؐ کے خصائص جاننے کا دعویٰ اور کون کر سکتا ہے؟ مصنف کے اپنے بیان کے مطابق یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے ۔ فصل اول میں خصوصیاتِ وجودِ گرامی کی بحث ہے اور فصل دوم میں خصوصیاتِ نبوت کا تذکرہ ہے ۔ آخر میں ایک حدیثِ پاک سے طریقہٗ محمدیہ کی توضیح کی گئی ہے اور اسمائے مبارکہ میں سے چند اسمائے عالیہ لکھ کر یہ باب ختم کر دیا گیا ہے[2] ۔ فصل اول میں مصنف نے قرآن مجید سے آنحضرتؐ کی ۲۶ خصوصیات منتخب کی ہیں اور ان کی وضاحت کرتے ہوئے بڑے لطیف نکتے نکالے ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف اعتراضات کا جواب بھی دیتے چلے گئے ہیں ۔ ان خصوصیات میں حضرت محمد کا اللہ کا رسول ہونا (۴۸ : ۲۹) آپؐ کا انسانوں میں سے ہونا (۲ : ۱۵۱) آپؐ کو انجانی چیزوں کا علم سکھایا جانا ، آپؐ کے سینہ کا کھولا جانا (۹۴ : ۱) آپؐ کے نام کا بلند کیا جانا (۹۴ : ۴) آپؐ کے رب کا نہ آپؐ کوچھوڑنا اور نہ ناراض ہونا (۹۳:۳) آپؐ کی آخرت کا آپؐ کے اولیٰ سے بہتر ہونا (۹۳ : ۴) آپؐ پر فضلِ ربی ہونا (۹۳ : ۵) آپؐ کا اُمی نبی ہونا (۷ : ۱۵۷) آپؐ کو کوثر عطا کیا جانا (۱۰۸ : ۱) آپؐ کو فتح مبین عطا ہونا (۱۴۸ : ۳) آپؐ پر اتمامِ نعمت ہونا، آپؐ کا صراط مستقیم پر چلنا اور اللہ کی مدد ملنا (۱۴۸ : ۳) آپؐ کی جانب سے اللہ کا (غزوۂ بدر میں کنکریاں) پھینکنا (۸ : ۱۷) ، آپؐ کا اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا (۳ : ۱۶۴ ، ۶۲ : ۲) آپؐ کا بے علموں کو علم عطا کرنا (۲ : ۱۵۱) آپؐ کا لوگوں کو

۱- رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد سوم ، ص ۹ (مقدمہ : رحمۃ للعالمین اور اس کا مصنف مرحوم : سلیمان ندوی) ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۳ ۔

کتاب و حکمت کی تعلیم دینا (۶۲ : ۲) آپ ؐ کا لوگوں کے بوجھ ہلکے کرنا اور ان کے پھندے کھولنا (۷ : ۱۵۷) آپ ؐ کا (اہل عرب کی طرف) عظیم الشان رسول بن کر آنا (۹ : ۱۲۸) آپ ؐ پر لوگوں کی تکالیف کا شاق گزرنا (۹ : ۱۲۸) ، آپ ؐ کا لوگوں کی بھلائی کے لیے) حریص ہونا (۹ : ۱۲۸) آپ ؐ کا مومنوں سے پیار کرنا اور ان پر رحم کرنا (۹ : ۱۲۸) آپ ؐ کا پوری بنی نوع انسان کے لیے رسول بن کر آنا (۳۴ : ۲۸) آپ ؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کا اصل میں اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا (۴۸ : ۱۰) آپ ؐ کا خاتم النبیین ہونا، آپ ؐ کا سب جہانوں کے لیے، رحمت بن کر آنا ، آپ ؐ کا انبیائے سابقہ کی ہدایت کی موافقت کرنا (۶ : ۹۱) وہ صفات ہیں جن کی تائید میں پہلے تو مصنف نے احادیثِ نبوی اور سیرت الرسول ؐ سے دلائل دیئے ہیں اور پھر بعد میں "خصوصیاتِ نبویہ از احادیثِ مصطفویہ" کا عنوان قائم کر کے وہ تمام احادیث مع تشریح درج کی ہیں ، جن میں آنحضرت ؐ کی نبوت کی صفات بیان کی گئی ہیں ۔ معراجِ نبوی کا ذکر مصنف نے کتاب کی جلد اول میں بھی کیا تھا اور جلد دوم میں بھی اور دونوں جگہ یہ واقعہ الگ الگ اسلوب میں بیان ہوا تھا لیکن جلد سوم کے باب "خصائص النبی ؐ" میں بھی اس موضوع پر بڑی عمدہ بحث کی گئی ہے[1] ۔ واقعہ معراج کو خصائص النبی ؐ میں سے ایک رفیع الشان خصوصیت تسلیم کرتے ہوئے مصنف نے اس کی کیفیات گنوائی ہیں ۔ پہلے تو اس نے معراج کا واقعہ بیان کرنے والے راویانِ احادیث کی ، مع کتبِ احادیث ، ایک جامع فہرست مرتب کی ہے اور پھر ترتیب وار واقعاتِ معراج بیان کیے ہیں ۔ بعد ازاں قرآن مجید میں اس واقعہ کا جس قدر ذکر ہے ، اس پر گفتگو کی ہے اور اس بحث میں کہ معراج عالمِ بیداری میں ہوئی تھی یا عالمِ خواب میں ، واضح طور پر کہا ہے کہ "میرا ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔ یہی اعتقاد اکثر آئمہ اہلِ سنت ، محدثین و فقہائے تابعین و صحابہ کا ہے"[2] ۔ آگے چل کر مصنف نے "معجزاتِ نبویہ" پر الگ بحث کی ہے

۱۔ رحمۃ للعالمین ؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد سوم ، ص ۱۲۵ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۱۳۷ ۔

جنہیں وہ خصائص نبوت قرار دیتا ہے - اس سلسلے میں اس نے آنحضرت ؐ کی انگلیوں سے پانی کا فوارہ وار پھوٹنا، تھوڑے دودھ کا زیادہ ہونا، تھوڑے طعام کا زیادہ ہو جانا ، کھجور کے ٹنڈ کا گریہ کرنا ، (نباتات پر اثر) بیمار اونٹوں کا تندرست ہونا ، کمزور اونٹنی کا تیز رفتار ہو جانا ، کمزور بکریوں کا بہت زیادہ دودھ دینا ، (حیوانات پر اثر) اور معجزۂ شق القمر (افلاک پر اثر) جیسے معجزات کا ذکر احادیث نبوی کے حوالے سے کیا ہے اور ان سب کو حقیقی تسلیم کیا ہے - پھر اس نے معجزات کی دوسری قسم (یعنی آئندہ کے واقعات کی اطلاع دینا یا پیشین گوئی کرنا) کا ذکر کیا ہے اور وہ تمام احادیث نقل کی ہیں جو اس موضوع سے متعلق ہیں[1]- مسلمانوں کے بحری جہاد کی پیشین گوئی، پورے ملک میں امن و امان قائم ہونے اور لوگوں کے پاس مال و دولت کی کثرت کی پیشین گوئی ، فارس ، شام ، یمن اور مصر کے فتح ہونے کی پیشین گوئی ، سراقہ اعرابی کو کسریٰ کے کنگن پہنائے جانے کی پیشین گوئی وغیرہ کی مثالیں دی گئی ہیں ، جو سب درست نکلیں - پھر معجزات کی تیسری قسم سے بحث کی گئی ہے یعنی ایسی پیشین گوئیاں جن کا اندراج کتب حدیث میں پہلے ہو چکا تھا اور وہ صدیوں بعد جا کر پوری ہوئیں - چوتھی قسم کے معجزات میں آنحضرت ؐ کی وہ دعائیں شامل کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے پوری فرمائیں - اس کے بعد "اسماء الرسول" کی طویل بحث ہے اور آخر میں "سنت مصطفویہ و طریقۂ محمدیہ" کے عنوان سے آنحضرت ؐ کی اس مشہور حدیث کے ایک ایک جملے پر بحث کی ہے "علی رضی اللہ عنہ سے روایت

۱- جلد اول کے ایک طویل حاشیے میں بھی مصنف نے قرآن مجید میں سے سات اور کتب احادیث میں سے ایک پیشین گوئی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "اگر میں آنحضرت ؐ کی پیشین گوئیوں پر اس جگہ مفصل لکھنے لگوں تو بجائے خود ایک کتاب بن جائے ، اس لیے میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی بابت کبھی علیحدہ لکھوں گا" (ص ۲۳۸) مصنف نے یہ وعدہ جلد سوم میں پورا کیا جہاں قرآن و حدیث میں سے پیشین گوئیوں کا سلسلہ ص ۱۶۳ سے ۱۷۳ تک اور پھر ص ۲۶۹ سے ص ۳۲۶ تک (یعنی ۶۹ صفحات میں) پھیلا ہوا ہے -

ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوال کیا کہ حضورؐ کا طریقہ (سنت) کیا ہے؟ فرمایا : (۱) معرفت میرا راس المال ہے - (۲) عقل میرے دین کی اصل ہے - (۳) محبت میری بنیاد ہے - (۴) شوق میری سواری ہے - (۵) ذکرِ الٰہی میرا انیس ہے - (۶) اعتماد میرا خزانہ ہے - (۷) حزن میرا رفیق ہے - (۸) علم میرا ہتھیار ہے - (۹) صبر میرا لباس ہے - (۱۰) رضا میری غنیمت ہے - (۱۱) عجز میرا فخر ہے - (۱۲) زہد میرا پیشہ ہے - (۱۳) یقین میری خوراک ہے - (۱۴) صدق میرا ساتھی ہے - (۱۵) اطاعت میرا بچاؤ ہے - (۱۶) جہاد میری خصلت ہے اور (۱۷) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے[1] -

جلد سوم کا دوسرا باب "خصائص القرآن" ہے - اس موضوع پر مصنف نے جلد اول میں بھی بحث کی تھی لیکن یہاں بحث کا دائرہ وسیع تر ہو گیا ہے - سیرتِ نبویؐ اور قرآن مجید کے باہمی تعلق کے بارے میں یہاں بھی قاضی صاحب کہتے ہیں کہ "قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کلام اللہ بنا کر اپنی زبانِ مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا ، لہٰذا سیرت نگارِ نبوی کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرتِ نبویؐ کے ساتھ ساتھ پیش کرے"[2] - اس باب کی فصلِ اول میں قرآن کی ضرورت اور اس کی فصاحت و بلاغت پر ، فصل دوم میں اس کے معانیٔ عالیہ و مضامینِ نادرہ پر ، فصل سوم میں اس کی تاثیر پر ، فصل چہارم میں اس کی تعلیم کے جیتے جاگتے نمونوں (صحابہ کرام) پر ، فصل پنجم میں اس کی ہمہ گیر مقبولیت پر ، فصل ششم میں اس کی خصوصیات پر ، فصل ہفتم میں اس کے کلام الٰہی ہونے پر اور فصل ہشتم میں اس کی پیشین گوئیوں پر طویل بحث کی گئی ہے - صرف پیشین گوئیوں والا حصہ ۵۸ صفحات پر محیط ہے جسے دیکھ کر قرآن مجید کی صداقت ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آتی ہے -

---

۱- رحمة للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد سوم ، ص ۱۹۹ تا ۲۴۰ -

۲- ایضاً ، ص ۲۴۱ -

اس جلد کا تیسرا باب ''خصائص الاسلام'' کے بارے میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام دین التوحید ہے ۔ مصنف نے قرآنی آیات کی مدد سے نہ صرف اسلام کے مسئلہ' توحید کی بڑی خوبی سے وضاحت کی ہے بلکہ اسے اعلیٰ درجے کی روحانیت کا حامل مذہب قرار دیتے ہوئے اخلاقِ عالیہ کا معلم ثابت کیا ہے ۔ مصنف نے اس کی خدمات گنواتے ہوئے کہا ہے کہ اسلام نے رحم و عدل کا مسئلہ حل کیا ، علم اور علماء کی حمایت کی ، خود کو عملی دین ثابت کیا ، یہ بانیٔ اخوت ہے ، مدارجِ انسانیت بلند کرنے والا ہے ، غیر متعصب ہے ، دینِ محبت و مساوات ہے ، رعایا کو حکومت کے کاروبار میں شریک کرنے والا اور قومیت کی حدود سے بالا کرنے والا مذہب ہے ۔ یہ آج بھی اپنے گہوارہ میں قائم ہے اور تہذیبی و تمدنی ، دینی و دنیوی ہر اعتبار سے اقوامِ عالم کے لیے فیض رساں ہے ۔ یہ خدائی ہدایت کی ہمہ گیریت کا قائل ہے اور نیکی و پارسائی ، حق و صداقت اور حسن و جمال کا مذہب ہے[1] ۔

''رحمة للعالمین'' کی تالیف میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ، ان کی فہرست اگرچہ خاصی طویل ہے (اور مصنف نے جلد دوم کے آخر میں کچھ کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے) تاہم چند معروف کتابوں کے نام یہ ہیں : قرآن مجید ، صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، سننِ ابی داؤد ، سننِ نسائی ، موطا امام مالک ، شمائلِ ترمذی ، مستدرکِ حاکم ، سننِ دارمی ، طبرانی ، دارقطنی ، شرح مسلم (نووی) ، کتاب الاسماء (نووی) ، دلائل النبوة (ابو نعیم اصفہانی) ، معرفة الصحابہ (ابو نعیم اصفہانی) ، تاریخ الامم و الملوک (طبری) ، طبقات الکبیر (ابن سعد) ، سیرت ابنِ ہشام ، تاریخ ابنِ خلدون ، ناسخ التواریخ ، تاریخِ ابو الفدا ، کتاب الشفا (قاضی عیاض) ، زاد المعاد (ابن قیم) ، مدارج النبوة (عبدالحق محدث دہلوی) ، شرح مواہب اللدنیہ (زرقانی) سیرتِ محمدیہ (تلخیص عیون الاثر) از مولوی کرامت علی دہلوی ، مروج الذہب (مسعودی) ، خصائص الکبریٰ (سیوطی) ، فتوح البلدان (بلاذری) ، کتاب الام (امام شافعی) ، کتاب الخراج (قاضی ابو

۱- رحمة للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد سوم ، ص ۳۲۷ تا ۳۹۱ ۔

یوسف) ، الاصول الکافی (شیخ الکبیر محمد بن یعقوب کلینی) ، الاستیعاب (ابن عبدالبر) ، کتاب الفصل فی الملل و النحل (ابن حزم) ، جلا الافہام (ابن قیم) ، الطریق الحکمیہ (ابن قیم) ، ہدایت الحیاری (ابن قیم) ، نہج البلاغۃ (مرتب سید شریف) ، کتاب الکامل (ابوالعباس مبرد) ، معجم البلدان (یاقوت حموی) ، کتاب بکر و تغلب (محمد بن اسحاق) ، شرح الشفاء (ملا علی قاری) ، کتاب الارشاد (شیخ مفید) اعلام النبوۃ ، تیسیر الوصول (ابن اثیر) ، دستور العلماء (قاضی عبدالنبی احمد پوری) ، انسان العیون (علامہ علی الحلبی) ، حسن الصحابہ (جانی زادہ) ، تجرید اسماء الصحابہ (ذہبی) عمدۃ المطالب ، ہدائت السائل (نواب صدیق حسن) ، سفر السعادۃ (علامہ فیروز آبادی) ، معدن الاعمال (ابی امامہ) خلاصہ تاریخ العرب (پروفیسر سید یو)، تاریخ دول العرب والاسلام (محمد طلعت بک) الفاروق بین المخلوق و الخالق (احمد الغرانی) ، کتب العہد القدیم و الجدید (طبع آکسفورڈ ۱۸۰۱ء) ، اردو بائیبل طبع مرزا پور ۱۸۷۰ء) ، عربی بائیبل (طبع آکسفورڈ ۱۸۷۱ء) ، انگریزی بائیبل ، تاریخ عمرو بن العاص (ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن) ، اعجاز التنزیل ، سرور المحزون (شاہ ولی اللہ) ، حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ) ، ازالۃ الخفا (شاہ ولی اللہ) ، نتائج الافہام (محمود پاشا فلکی) ، آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ (البیرونی) ، دعوتِ اسلام (آرنلڈ) ، خطباتِ احمدیہ (سر سید) ، قدیم ہندوستان کی تہذیب (آر - سی - دت) اردو ترجمہ از اے ڈی احمد جے پوری ، تفسیر علامہ ابی السعود ، معرکۂ مذہب و سائنس (ڈاکٹر ڈریپر) ، ہدایہ کا انگریزی ترجمہ (چارلس ہملٹن) ، تفسیر مکاشفات (پادری ڈبلیو ہوپر ایم اے) ، کیمیائے سعادت (امام غزالی) ، حیات القلوب (ملا باقر) ، ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (کارلائل) ، ستیارتھ پرکاش (دیا نند سرسوتی) ، بدھ (پنڈت وجے نرائن) ، بدھ (ڈاکٹر مسٹراس) ، انڈین کرونالوجی (طبع مدراس ۱۹۱۱ء) ، انڈین اے زار کننگھم (طبع کلکتہ ۱۸۹۶ء) انڈین کلینڈر" (رابرٹ سیول) اور انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا (طبع نہم لندن) وغیرہ -

ان کتابوں پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنے موضوع سے انصاف کرنے کے لیے کتنی محنت کی ہے اور ان کی طبعِ نکتہ رس نے کہاں کہاں سے فیض اٹھایا ہے -

تاریخ و سیرت نگاری کا یہ اولین اصول ہے کہ موضوع سے متعلق جس قدر کتابیں دستیاب ہوں ، ان کا بے لاگ مطالعہ کیا جائے اور ان میں سے صرف وہی واقعات اخذ کیے جائیں جو معیار تحقیق پر پورے اتریں ۔ "رحمۃ للعالمین" کی تالیف کے وقت قاضی صاحب نے یہی اصول سامنے رکھا ہے ۔ انہوں نے نہ تو عقیدت کے آبگینوں کو ٹھیس لگنے دی ہے اور نہ حقائق کو مسخ کیا ہے ۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ اپنی محبت و شیفتگی برقرار رکھتے ہوئے کتب تاریخ و سیر میں سے صرف ایسے واقعات چنے ہیں جو ہر لحاظ سے مستند ہیں ۔ اوپر درج کردہ کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب نے صرف اسلامی علوم کی کتابوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ غیرمذاہب کی مقدس کتابوں کی بھی ورق گردانی کی ہے اور یہودیوں ، عیسائیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے بھی مضبوط شواہد بہم پہنچا کر حضور اکرمؐ کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے ۔ بقول سید سلیمان ندوی "رحمۃ للعالمین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحائف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جا بجا موجود ہے ۔ مصنف مرحوم کو توراۃ اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے اس کو پوری واقفیت تھی ، اسی بنا پر اس کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے"[1] ۔ سید سلیمان ندوی کی یہ رائے بھی درست ہے کہ "مناظرانہ طریق تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے مگر جس طرح خود مصنف مرحوم اس وصف میں ممتاز تھے، اسی طرح ان کی یہ تصنیف بھی اس وصف میں امتیاز خاص رکھتی ہے ۔ پوری کتاب مناظرہ اور ا قائق حق کی رودادوں سے ابریز ہے ، تاہم کہیں تہذیب اور مذاق سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا"[2] ۔

قرآن و حدیث اور عربی کی معروف کتب تاریخ و سیر کے علاوہ

۱- رحمۃ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد سوم ، ص ۸ ، ۹ (مقدمہ)

۲- ایضاً ، ص ۹ ۔

قاضی سلیمان منصور پوری نے جس کتاب کا ایک ایک لفظ بڑھا ہے ، وہ بائیبل ہے ۔ اس کے ثبوت میں وہ بے شمار حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں ، جو "رحمۃ للعالمین" کی تینوں جلدوں میں بکھرے ہوئے ہیں ۔ بائیبل سے یہ شغف ایک تو اُن کی مناظرانہ سرگرمیوں کا اقتضا تھا ، جن کے وہ اوائل عمری سے ہی شائق تھے اور دوسرے ، آنحضرت کی نبوت کے اثبات کے لیے انہیں اس کتاب کا ورق ورق کھنگالنا پڑا ، اس لیے کہ صرف یہی کتاب عیسائی پادریوں کے لیے قابلِ حجت تھی ۔ یوں بھی عہد نامہ قدیم و جدید (یعنی تورات ، زبور ، انجیل اور دیگر صحائفِ آسمانی) میں آنحضرت کے بارے میں جا بجا بشارات موجود تھیں اور اُن سے قرآن مجید ، احادیث اور کتبِ سیر کے بیانات کی تصدیق ہوتی تھی ۔ چنانچہ "رحمۃ للعالمین" (جلد اول) کی ابتداء سے ہی یہودیوں اور عیسائیوں کی اس مذہبی کتاب کے حوالے آنا شروع ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً جلد اول کا آغاز آنحضرت کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم سے ہوتا ہے ۔ عیسائی حضرت اسحٰق کی بزرگی کے تو قائل ہیں لیکن حضرت اسمٰعیل کی عظمت کے منکر ہیں ، جن کا ، وہ حضرت سارہ کی لونڈی ہاجرہ کی اولاد بتا کر ، حقارت سے ذکر کرتے ہیں ۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے بائیبل کی کتابِ پیدائش کے ان بیانات کو پہلو بہ پہلو رکھ کر جو حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق کے بارے میں ہیں ، ثابت کیا ہے کہ خدا کے وعدے کے مطابق حضرت ابراہیم کے دونوں بیٹے با برکت اور بڑی بڑی قوموں کے جدِ اعلیٰ تھے ۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کے تذکرے میں بھی انہوں نے یہی طریقِ کار اپنایا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر عیسائیوں کے وہ اعتراضات ہیں جو وہ آنحضرت کے حسب و نسب پر کرتے ہیں ۔ قاضی صاحب اعتراض نقل کر کے اس کی تردید کرنے کی بجائے ایسا اسلوب اختیار کرتے ہیں کہ ان کی وضاحت مسلسل بیان کا حصہ بھی بن جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اعتراض کی نفی بھی ہو جاتی ہے ۔ قاضی صاحب جب بھی آنحضرت کے بارے میں کوئی واقعہ لکھتے ہیں تو اس کی تائید کے لیے ویسا ہی حوالہ بائیبل سے ڈھونڈ نکالتے ہیں ۔ مثلاً "رحمۃ للعالمین" کے پہلے باب میں آنحضرت کے نام کے بارے میں لکھتے ہیں : "دادا نے آنحضرت کا نام محمد اور ماں نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارات پا کر

احمدؐ رکھا تھا"[1] اور فٹ نوٹ میں واضح کرتے ہیں کہ "سیدہ آمنہ بی بی کو نام رکھنے کی بشارت فرشتے کی معرفت ایسے ہی ملی تھی جیسے کہ فرشتے کی بشارت سے ہاجرہ بی بی نے اسمٰعیلؑ کا نام (پیدائش ۱۶/۱۱) اور مریم نے یسوعؑ کا نام (لوقا اول باب ۱ ۳ ورس) رکھا تھا"[2]۔ خانہ کعبہ کی دیواروں کے سیلاب سے پھٹ جانے پر ان کو از سر نو تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی اور حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو یہ طے پایا کہ جو شخص صبح کے وقت سب سے پہلے حرم شریف میں آئے گا وہی حکم سمجھا جائے گا ، چنانچہ جب آنحضرتؐ اتفاقاً تشریف لے آئے تو سب نے آپؐ کو امین قرار دیتے ہوئے آپؐ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کردیا ۔ اس موقع پر بھی قاضی صاحب نے فٹ نوٹ میں بائیبل میں سے مکاشفات "یوحنا" کی وہ آیات نقل کی ہیں جن میں یسوع مسیحؑ نے مکاشفہ کے ذریعے یوحنا ولی کو وہ باتیں بتائی ہیں جن کا جلد ہونا لازمی ہے ، چنانچہ یوحنا عالم کشف میں کہتا ہے کہ "پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور دیکھو کہ (الف) ایک نقرئی گھوڑا اور اس کا سوار (ب) امانت دار اور سچا کہلاتا ہے - (ج) اور وہ راستی سے عدالت کرتا ہے - (د) اور لڑتا ہے - (ہ) اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند - (ر) اور اس کے سر پر بہت سے تاج - (ز) اور اس پر ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا کسی نے نہ جانا - (ح) اور خون میں ڈوبا ہوا لباس وہ پہنے تھا - (ط) اور اس کا نام کلام خدا ہے - (ی) اور وے فوجیں جو آسمان میں ہیں ، صاف اور سفید کتانی لباس پہنے ہوئے نقرئی گھوڑوں پر سوار اس کے پیچھے ہو لیں - (ک) اور اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے کہ وہ اس سے قوموں کو سار لے - (ل) اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکمرانی کرے گا - (م) اور وہ خود قادر مطلق خدا کے قہر و غضب ۔ ۔ ۔ ۔ کے کولھو میں روندتا ہے - (ن) اور اس کے لباس اور اس کی ران پر یہ نام لکھا ہے کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداؤں کا خداوند (مکاشفہ باب ۱۹)[3]

---

۱ ، ۲- رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد اول ، ص ۳۹ -

۳- ایضاً ، ص ۴۴ -

یہ اقتباس درج کرنے کے بعد قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ایک ایک آیت کو آنحضرتؐ کی ذات پر منطبق کیا ہے اور بطور ثبوت اسلامی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ، جن میں آنحضرتؐ کی یہ سب صفات ، واقعات سمیت درج ہیں ۔ اسی طرح یثرب کے چھ آدمیوں نے یہودیوں سے یہ سن رکھا تھا کہ عنقریب ایک نبیؐ ظاہر ہونے والا ہے ، چنانچہ جب وہ مکہ حج کرنے کے لیے آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور ان کی تعلیم سن کر اسی وقت ایمان لے آئے اور دین حق کے سچے مناد بن کر مدینہ واپس لوٹے ۔ قاضی صاحب اس موقع پر لکھتے ہیں کہ "وہ ہر ایک کو یہ خوش خبری سناتے تھے کہ "وہ نبیؐ" جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آ گیا ۔ ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا ، ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا اور اس نے ہم کو اس زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے ہیچ ہے"[1] ۔ "وہ نبی" کی وضاحت کے لیے قاضی صاحب فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں : "ناظرین ، لفظ "وہ نبی" کا مطلب سمجھنے کے لیے انجیل یوحنا باب اول کو ۱۹ سے ۲۸ ورس تک پڑھیں ۔ "یوحنا (یحییٰ) نے اقرار کیا کہ میں مسیحؑ نہیں ہوں ۔ انہوں نے پوچھا کہ تو الیاسؑ ہے ؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس کہا : آیا تو "وہ نبی" ہے ؟ اس نے جواب دیا ۔ نہیں"۔ اس سے مطلب نکلا کہ علمائے یہود اس زمانہ میں تین انبیاء کی آمد و ظہور کے منتظر تھے ۔ (۱) الیاس (۲) مسیح (۳) وہ نبی ۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یوحنا نے یسوع کو مسیح بتایا اور مسیح نے یوحنا کو الیاس کہا ۔ اب تیسرے کا ظہور باقی تھا جو کتب سابقہ میں "وہ نبی" اور مسلمانوں کی زبان پر "آنحضرتؐ" کے خطاب سے یاد کیے گئے ہیں ۔ اگر آنحضرتؐ "وہ نبی" نہیں تو پادری بتائیں کہ مسیحؑ کے بعد "وہ نبی" کہلانے والا کون ہوا؟"[2]۔ "رحمۃللعالمین" کی جلد دوم کے باب چہارم (اساطیرالاولین) میں بھی حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک (چودہ مشہور انبیاء) کا تذکرہ کرتے وقت قرآن مجید اور بائیبل کے بیانات کو آمنے سامنے رکھ

---

۱ ، ۲- رحمة للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان ، منصور پوری ، جلد اول ، ص ۷۶ ۔

کر ثابت کیا ہے کہ ان نبیوں کی حقیقی عظمت قرآن نے آجاگر کی ہے جبکہ بائیبل میں ان کے بارے میں گمراہ کن واقعات درج ہیں - اسی طرح "رحمۃ للعالمینؐ" کی جلد سوم میں بھی جا بجا بائیبل کے حوالے آئے ہیں اور قرآنی آیات سے ان کا موازنہ کر کے اس کی غلطیاں واضح کی ہیں - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو غیر مسلموں کی مذہبی کتابوں (خصوصاً بائیبل) پر کتنا عالمانہ عبور حاصل تھا اور وہ کس طرح راکھ میں سے سونے کے ذرے نکال لاتے تھے -

اسلام کی حقانیت اور بانیٔ اسلام کی صداقت کے اظہار کے لیے سر سید احمد خان نے بھی "خطباتِ احمدیہ" میں بائیبل کے بیانات سے استفادہ کیا ہے ، لیکن ان کی توجہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی صحائف سے زیادہ مستشرقین کے ان افکار پر تھی جو انہوں نے آنحضرتؐ کی حمایت یا مخالفت میں ظاہر کیے تھے جب کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے مستشرقین کے اعتراضات و اعترافات کی بجائے آن کی مذہبی کتاب کو زیادہ اہمیت دی - یوں سر سید اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے طریقِ کار میں فرق پیدا ہو جاتا ہے - سر سید کی "خطباتِ احمدیہ" میں کارلائل ، گبن ، ڈیون پورٹ ، گاڈفرے ہگنز ، ولیم میور ، پادری فنڈر ، اسپرنگر ، جارج سیل ، پریڈو اور پوکاک وغیرہ ناموں کی تکرار ہے جب کہ "رحمۃ للعالمینؐ" کے صفحے صفحے پر کتابِ پیدائش ، کتاب استثنا ، کتاب یسعیاہ ، کتابِ خروج ، کتابِ تواریخ ، کتاب سلاطین ، انجیل لوقا ، انجیل متی ، انجیل یوحنا ، مکاشفات یوحنا ، ملاکی نبی کی کتاب ، یرمیاہ نبی کی کتاب اور یوناہ نبی کی کتاب کے نام دکھائی دیتے ہیں[1] - سر سید کے بعد قاضی سلیمان منصور پوری پہلے سیرت نگار ہیں ، جنہوں نے بائیبل کے بیانات کو کمال درجے کی ذہانت ، دیانت اور مہارت کے ساتھ آنحضرتؐ کے سوانحِ حیات پر منطبق کیا ہے -

بائیبل سے غیر معمولی شغف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قاضی صاحب نے سیرتِ رسولؐ کے اصل منابع یعنی قرآن مجید ، کتبِ احادیث ، کتبِ تاریخ ، کتبِ سیر ، کتبِ شمائل ، کتبِ اخبار و آثار اور آنحضرتؐ کی

۱- کہیں کہیں قاضی صاحب نے بھی کارلائل ، گبن ، لین پول اور ڈیون پورٹ کا حوالہ دیا ہے -

معاصرانہ شاعری کو نظر انداز کر دیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ سر سید کے بعد (اور سر سید سے زیادہ قابلیت کے ساتھ) پہلے پہل قاضی صاحب نے ہی سیرت کے اصلی مصادر تک رسائی حاصل کی ہے - اس کا تھوڑا سا اندازہ کتابوں کی اس فہرست سے بھی ہوتا ہے جن سے "رحمۃ للعالمین" کے مصنف نے استفادہ کیا ہے - ان میں سر فہرست وہی اسلامی کتابیں ہیں، جن کے بغیر سیرت رسول لکھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی قرآن فہمی اور حدیث شناسی کا اندازہ یوں تو "رحمۃ للعالمین" کی تینوں جلدوں سے ہوتا ہے لیکن اگر کسی نے ان کے اس وصف کو اوج کمال پر دیکھنا ہو تو وہ جلد سوم کا بطور خاص مطالعہ کرے - مشہور کتب تاریخ سے صحیح واقعات سیرت کے چناؤ میں انھیں خاص ملکہ حاصل تھا مگر عجیب بات ہے کہ بعض نقادوں کے نزدیک ان کی یہی خوبی خامی بن گئی ہے - مثلاً الطاف فاطمہ لکھتی ہیں کہ "قاضی صاحب بحیثیت سوانح نگار اتنے اہم اور بلند نہیں ہیں جتنا ایک مورخ اور مناظر کی حیثیت سے"[1] - پھر ایک اور جگہ لکھتی ہیں کہ "کوشش کے باوجود (انہوں نے) سیرت کے ان محبوب پہلوؤں پر اتنا زیادہ زور نہیں دیا جو لوگوں کو رسول ہاشمی کا گرویدہ بنا دیتے ہیں، بلکہ تاریخی حقائق پر ہی زیادہ زور دیا ہے"[2] - اگر موصوفہ کی مراد یہ ہے کہ رحمۃللعالمین میں خالص سوانحی حصہ کم اور رسالت سے متعلق حصہ زیادہ ہے، تو ان کی رائے سے اتفاق کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ سیرت کا مغربی تصور ہے جو ہیرو کی زندگی کے صرف 'پر کشش' واقعات کو اہمیت دیتا ہے - اس کے مقابلے میں سیرت کے اسلامی تصور میں بڑی وسعت ہے اور سوانحی حالات کے ساتھ رسالت اس کا جزو لاینفک ہے - قاضی محمد سلیمان منصورپوری نے اسی منصب رسالت کی وضاحت کے لیے "رحمۃ للعالمین" کی دوسری اور تیسری جلد لکھی ہے - رہا یہ خیال کہ اس کتاب میں سیرت کے ان محبوب پہلوؤں پر اتنا زیادہ زور نہیں دیا گیا جو لوگوں کو رسول ہاشمی کا گرویدہ بنا دیں ــــــ تو یہ اور بھی زیادہ عجیب خیال ہے -

---

۱- اُردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء : الطاف فاطمہ، ص ۲۰۳ -
۲- ایضاً، ص ۲۰۲ -

ڈاکٹر ابو الخیر کشفی نے اپنے مضمون "اردو میں سیرت نگاری" میں شبلی اور سلیمان منصور پوری ، دونوں حضرات کی کتب سیرت کا محوری جذبہ، عشق رسول ﷺ قرار دیا ہے[1] ۔ ان کی رائے میں "سیرت النبی ﷺ" کی ہم عصر کتاب "رحمۃ للعالمین ﷺ" ہے ، جس کے مصنف قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری مرحوم ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں کے مصنفین کو عشق رسول کا صلہ کتابوں کے قبول عام کی صورت میں اسی دنیا میں عطا کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شبلی اور قاضی صاحب دونوں نے اسلام کا عملی محور ذات رسالت مآب ﷺ کو قرار دیتے ہوئے اسلام کے نظام کی تشریح کی ہے"[2] ۔ دراصل ان دونوں کتابوں نے دنیا کو سیرت کا ایک نیا تصور دیا ہے جس کے دائرے میں سوانحی حالات اور تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی ساری تعلیمات ، ساری عبادات ، سارے عقائد اور حضور ﷺ سے نسبت رکھنے والے سبھی حضرات آ جاتے ہیں ۔ چنانچہ مولانا حسن مثنیٰ ندوی کا یہ کہنا درست ہے کہ "وہ ساری اسلامی زندگی اور فکر زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر ہر بات جو حضور ﷺ سے کچھ بھی واسطہ رکھتی ہو ـــ چاہے انفرادی ، چاہے اجتماعی ـــ سیرت رسول کے احاطے کے اندر ہے"[3] ۔ اسی لیے "رحمۃ للعالمین ﷺ" کی جلد دوم میں "النسب" ، "امہات المؤمنین" ، "غزوات و سرایا" ، "قرآنی قصص" اور "فضیلت سید المرسلین ﷺ" اور جلد سوم میں "خصائص النبی ﷺ" ، "خصائص القرآن" اور "خصائص الاسلام" کے مباحث کو سیرت کی حدود سے باہر

۱- اس کے برعکس ایک جید عالم دین نے "رحمۃ للعالمین ﷺ" اور "سیرۃ النبی ﷺ" کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا کہ "رحمۃ للعالمین ﷺ" کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور "سیرت النبی ﷺ" کا دماغ کے ساتھ" ۔ (مہر نبوت: قاضی محمد سلیمان منصور پوری ۔ تعارف مصنف مہر نبوت ۔ ص ۴) ۔

۲- نقش سیرت : مرتبہ نثار احمد، ص ۶۹، ۷۰ (مقالہ ، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی) ۔

۳- پیغمبر انسانیت : مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ، ص ۳۱ (مقدمہ : پاکستان و ہندوستان کے خادمان سیرت ، از حسن مثنیٰ ندوی) ۔

نہیں نکالا جا سکتا ۔

ڈاکٹر سید شاہ علی نے "رحمۃ للعالمین" پر اپنے پانچ سطری تبصرے میں کہا ہے کہ اس کے مصنف بعض باتوں میں سر سید سے کچھ متاثر معلوم ہوتے ہیں[1] ۔ لیکن ان بعض باتوں کی انہوں نے وضاحت نہیں کی ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" میں صرف تین چار مقامات پر "خطبات احمدیہ" کا نام لیا ہے اور وہ بھی سرسری (مثلاً جلد اول میں صفحات نمبر ۵۲ اور ۱۴ اور جلد دوم میں صفحہ نمبر ۵۵ پر) ـــــ جبکہ "زادالمعاد" ، "الشفا" ، سیرت ابن ہشام ، مدارج النبوۃ ، تاریخ طبری اور تاریخ ابو الفدا وغیرہ کے قدم قدم پر حوالے دیئے ہیں ۔ اس لیے قاضی سلیمان منصور پوری کو سر سید سے متاثر بتانا بڑی دوراز کار بات ہے ۔ ہاں فقہی مسلک کا اشتراک (اہل حدیث ہونا) کوئی بنیاد بن سکتا ہے تو اور بات ہے ، مگر جہاں تک کتب سیرت کا تعلق ہے ، ان دونوں کا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے ۔ سر سید معجزات کے قائل نہیں ہیں جبکہ قاضی صاحب نے "رحمۃ للعالمین" کی جلد سوم میں پوری ایک فصل ان کے لیے وقف کی ہے ۔ سر سید شق صدر اور شق قمر کو نہیں مانتے ، لیکن قاضی صاحب نے ان کے حق میں دلائل دیئے ہیں ۔ سر سید معراج کو محض رؤیا تصور کرتے ہیں جبکہ قاضی صاحب کا ایمان ہے کہ معراج کا واقعہ عالم بیداری میں اور جسم و روح کے ساتھ ہوا تھا ۔ سر سید مغرب سے مرعوب ہیں اور ہر اس بات کا انکار کر دیتے ہیں یا تاویل سے کام لیتے ہیں جو یورپ کے نظریۂ عقلیت ، نظریۂ فطرت، نظریۂ تہذیب و تمدن اور نظریۂ ارتقاء کے خلاف ہو ، لیکن قاضی محمد سلیمان منصور پوری عقائد کے معاملے میں کسی رو رعایت کے قائل نہیں ۔ سر سید تمام مشہور سیرت نگاروں (مثلاً ابن اسحٰق ، ابن ہشام ، واقدی ، طبری ، الشامی ، ابو الفدا ، مسعودی اور قسطلانی) کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ان کی کتابیں سچی جھوٹی ، صحیح اور غلط حدیثوں کا سلغوبہ ہیں[2] ـــــ مگر قاضی سلیمان صاحب کے ہاں ان سب کی نہ صرف

۱۔ اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۴۴ ۔
۲۔ خطبات احمدیہ : سر سید احمد خاں ، ص ۱۸ (مقالات سر سید ، حصہ یازدہم) ۔

روایات موجود ہیں بلکہ ان کے نزدیک ان کی حیثیت مستند مآخذ کی ہے۔ البتہ ایک چیز ان دونوں میں قدر مشترک کا درجہ رکھتی ہے اور وہ یہ کہ دونوں کا مخاطب ایک ایسا تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو مغربی علوم و فنون سے متاثر ہے اور جس کے لیے غیر مذاہب کی کتابوں کے حوالے اپنی مستند کتابوں سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ۔ چنانچہ اگر سر سید نے اپنے قارئین کو مستشرقین کی کتابوں کے اقتباسات دے دے کر اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی ہے تو قاضی سلیمان نے بائیبل اور ستیارتھ پرکاش وغیرہ کی عبارتیں نقل کر کے اسلام کی حقانیت کے ثبوت فراہم کیے ہیں ۔ تاہم قاضی صاحب کو سر سید پر کئی اعتبار سے برتری حاصل ہے ۔ ان کا زمانہ سر سید کے زمانے سے زیادہ ترقی یافتہ ، ان کا ذہن سر سید کے ذہن سے زیادہ متوازن ، ان کا مطالعہ سر سید کے مطالعہ سے زیادہ وسیع اور ان کی مغربی علوم سے واقفیت سر سید کے مقابلے میں بدرجہا بہتر تھی ۔ اس تفوق نے "رحمۃ للعالمینؐ" کا درجہ "خطبات احمدیہؐ" سے بڑھا دیا ہے ۔ یوں بھی "خطبات احمدیہؐ" اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود ایک نامکمل کتاب ہے جس میں آنحضرتؐ کی زندگی کے صرف بارہ سالوں کا احاطہ کیا گیا ہے جبکہ "رحمۃ للعالمینؐ" ایک مکمل کتاب ہے جس میں آنحضرتؐ کی ولادت سے وفات تک کے تمام اہم واقعات بھی موجود ہیں اور آپؐ کے اخلاق و عادات کی پوری تفصیلات بھی درج ہیں ۔ "خطبات احمدیہ" کی تالیف میں کل ڈیڑھ سال کا عرصہ صرف ہوا ہے جب کہ "رحمۃ للعالمینؐ" کے مصنف نے اپنی عمر عزیز کے تیس برس اس پر خرچ کیے ہیں ۔ یوں "رحمۃ للعالمینؐ" اپنی نوعیت کی سب سے جامع ، سب سے مکمل اور سب سے عالمانہ کتاب کا درجہ اختیار کر گئی ہے ۔

مولانا حسن مثنی ندوی بھی اپنے مضمون "پاکستان و ہندوستان کے خادمان سیرت" میں "رحمۃ للعالمینؐ" کو سیرت رسولؐ پر بحیثیت سیرت پہلی تفصیلی جامعیت کی کتاب قرار دیتے ہیں ، جو اردو زبان میں منظر عام پر آئی ۔ ان کے نزدیک یہ ایسی سیرت طیبہ ہے جس میں تسلسل تاریخی ، نظر انداز نہیں کیا گیا اور اسی میں اس کی مقبولیت کا راز پوشیدہ ہے ۔ مولانا حسن مثنی ندوی کے نزدیک مختصراً اس کی خصوصیات یہ ہیں :

(۱) (یہ کتاب) پوری عالمانہ تحقیق سے لکھی گئی ہے (اور) جو روایت جہاں سے لی ہے ، وہاں حاشیئے پر اُس کا پورا حوالہ بھی درج ہے -

(۲) تمام واقعات جو سیرت سے متعلق ہیں ، سنہ وار ترتیب سے لکھے گئے ہیں -

(۳) جہاں کوئی عمدہ نتیجہ مستنبط ہو سکتا ہے اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق ہے وہ بھی لکھ دیا گیا ہے -

(۴) بائیبل سے ہر جگہ استناد کرکے اہلِ کتاب پر حجت قائم کی گئی ہے -

(۵) زبان اردو ہر جگہ معیاری تو نہیں ، لیکن لب و لہجہ اتنا متین، سنجیدہ اور پُر اثر ہے کہ مخالف سے مخالف پڑھنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ مناظرانہ اور متشددانہ انداز سے پرہیز کیا گیا ہے -

(۶) مصنف نے اس کے صفحات پر دماغ کے ساتھ دل کے ٹکڑے بھی رکھ دیئے ہیں ۔ ایک ایک لفظ سے عشقِ نبوی ؐ اور حُبِ انسانیت نمایاں ہے -

(۷) مصنف اپنے دور کی تمام جدید تحریکات اور عملی و تحقیقی اقدار سے بھی واقف ہے اور جا بجا اسلامی اقدار و احکام سے ان کا مقابلہ کرتا جاتا ہے ۔ نبوی ؐ غزوات ، نظامِ زکٰوۃ ، قانونِ طلاق وغیرہ کا ذکر آتا ہے تو وہ صرف ان کا ذکر کر کے آگے نہیں بڑھ جاتا بلکہ وہیں متن میں یا حاشئے پر ایسے اسلوب سے بحث کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے تمام شکوک خود بخود رفع ہوتے چلے جائیں ، خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو -

(۸) تفحص و جستجو کا یہ عالم ہے کہ غزوۂ اُحد میں جس انصاری خاتون کے چار اعزا (شوہر ، فرزند ، باپ اور بھائی) شہید ہوئے اور اس نے کوئی پروا نہ کی ، اس کا نام تلاش کرنے کے لیے انصار کے تمام انساب کو چھان مارا اور بالآخر اس خاتون کا نام "ہند" تلاش کر ہی

لیا ۔ اربابِ تاریخ و سیر نے قاضی صاحب سے پہلے اس خاتون کا نام کہیں درج نہیں کیا تھا ۔

(۹) دوسری جلد میں حضور اکرمؐ ، اصحاب ، ازواج ، اولاد وغیرہ کے انساب کا جس طرح تفحص کیا ہے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو فنِ انساب پر بھی کافی عبور حاصل تھا ۔ اس کے علاوہ سنین کی تحقیقات جو آخرِ کتاب میں درج ہے ، اس سے ریاضی کے اس فن میں بھی مصنف کے دخل اور وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے ۔

(۱۰) تیسری جلد میں حضورِ اکرمؐ کے خصائص اور اسلام کی خصوصیات بڑی خوش اسلوبی سے پیش کی ہیں[1] ۔

مولانا حسن مثنیٰ ندوی نے "رحمۃ للعالمین" کی خصوصیات کا نچوڑ اس اقتباس میں پیش کر دیا ہے لیکن ان کی اس رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے کہ اس کتاب کی زبان ہر جگہ معیاری نہیں جبکہ انہوں نے نشان دہی بھی نہیں کی کہ "رحمۃ للعالمینؐ" کی زبان کہاں اپنے معیار سے گر گئی ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی زبان سادہ ، اندازِ بیان عالمانہ اور طریقِ استدلال منطقیانہ ہے ۔ گیارہ سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں سیرتِ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کرتے وقت مصنف کہیں بھی لفظی یا معنوی لکنت کا شکار نہیں ہوا بلکہ اس نے بڑے سنبھلے ہوئے با وقار اور متین انداز میں اپنے بے مثل ہیرو کے اوصاف گنوائے ہیں اور اس پاک ہستی کو اپنے عہد کے تناظر میں رکھ کر خیر البشر انسان ثابت کیا ہے ۔ آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارکہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے باعثِ رحمت ہے اور "رحمۃ للعالمینؐ" کی سطر سطر اس عالمگیر صداقت کی گواہی دیتی نظر آتی ہے ۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری ایک رچے ہوئے عالمانہ اسلوب کے مالک ہیں ۔ الفاظ و تراکیب کا چناؤ ، تشبیہات و استعارات کا بہ کفائت استعمال اور ضرب الامثال اور محاورات کا فن کارانہ انتخاب ، اُن کے پختہ مذاق کا

۱- پیغمبرِ انسانیتؐ : مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی، ص ۲۲، ۲۳ (مقدمہ از حسن مثنیٰ ندوی) ۔

پتا دیتا ہے ۔ اُن کے ہاں غائت درجے کی اعتدال پسندی اور نپی تلی میانہ روی پائی جاتی ہے ۔ وہ دل کو پاسبانِ عقل کی گرفت سے باہر نہیں نکلنے دیتے ۔ اُن کے ہاں نہ وہ احساسِ تفاخر ہے جو شبلی کو ایک بلندی سے اپنے قارئین کو مخاطب کرنے پر مجبور کرتا ہے اور نہ وہ مسکنت جو حالی کی تحریروں کو اُبلی کھچڑی بنا دیتی ہے ۔ سر سید کی طرح ان کے ہاں اضطراب و اضطرار کے آثار بھی نہیں پائے جاتے ۔ ان کی زبان میں ایک وقار ، بیان میں ایک ٹھہراؤ ، لہجے میں ایک سنجیدگی ہے ۔ پانی کی طرح وہ ہر جگہ اپنی سطح ہموار رکھتے ہیں ۔ ان کے ہاں نہ شورا شوری ہے اور نہ بے نمکی ۔ بلکہ ایک پر زور فکری توانائی اپنی تمام تر لطافت و نزاکت سمیت موجود ہے ۔ ان کی تحریر میں ایک سوانح نگار کی سی عقیدت مندی ، ایک مؤرخ کی سی بے تعصبی ، ایک عالم کا سا باوقار رویہ اور ایک عامی کا سا انکسار پایا جاتا ہے ۔

"رحمۃللعالمینؐ" (جلد اول) میں آنحضرتؐ کے پہاڑی پر سے اہل مکہ کو تبلیغ کرنے کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے :

"ایک روز نبی صلعم نے کوہِ صفا پر چڑھ کے لوگوں کو پکارنا شروع کیا ۔ جب سب جمع ہوگئے تو نبی صلعم نے فرمایا : "تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو ؟" سب نے ایک آواز سے کہا : "ہم نے کوئی بات غلط یا بیہودہ تیرے منہ سے نہیں سنی ۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ تو صادق اور امین ہے" ۔ نبیؐ نے فرمایا : "دیکھو میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو ۔ میں پہاڑ کے ادھر بھی دیکھ رہا ہوں اور ادھر بھی نظر کر رہا ہوں ۔ اچھا اگر میں یہ کہوں کہ رہزنوں کا ایک مسلح گروہ دور سے نظر آ رہا ہے ، جو مکہ پر حملہ آور ہوگا ۔ کیا تم اس کا یقین کر لو گے ؟" لوگوں نے کہا : "بے شک ، کیونکہ ہمارے پاس تجھ جیسے راست باز آدمی کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ، خصوصاً جب کہ وہ ایسے بلند مقام پر کھڑا ہے کہ دونوں طرف دیکھ رہا ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی ۔ اب یہ یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر آ رہی ہے اور تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور میں عالمِ آخرت کو ایسا

ہی دیکھ رہا ہوں جیسے دنیا پر تمھاری نظر ہے"[1] ۔

یہاں مکالمات کے ذریعے اہل مکہ کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے ۔ بے شک واقعہ وہی ہے جو تمام کتبِ سیر و تاریخ میں درج ہے، لیکن قاضی صاحب نے اسے ڈرامائی رنگ دے دیا ہے ۔ نبی کریم ؐ نے جس تمثیل کے ذریعے کفارِ مکہ کو ان کی گمراہی سے آگاہ کیا ، دنیا اور آخرت کا جس طرح موازنہ کر کے دکھایا اور ایک عام آدمی اور ایک نبیؐ میں فرق کو جس طرح واضح کیا ، اسے کمال درجہ کی بلاغت کے ساتھ قاضی صاحب نے قارئین تک منتقل کر دیا ہے ۔ ایسی ہی ڈرامائیت کی ایک مثال دورانِ ہجرت کا وہ واقعہ ہے جب سراقہ بن مالک بن جعشم آپؐ کا تعاقب کرتے ہوئے سر پر آن پہنچتا ہے ۔ دیکھیئے قاضی صاحب نے سیدھے سادے لفظوں اور چھوٹے چھوٹے فقروں کے ذریعے اس واقعہ کی کیسی مؤثر تصویر کھینچی ہے !

"سراقہ خود سر پر لگائے ، نیزہ تانے ، ہتھیار بدن پر سجائے ، اپنی گھوڑی (عوذ نام) پر ہوا سے باتیں کرتا جا رہا تھا کہ اس کی نظر حضورؐ پر پڑ گئی ۔ اس نے سمجھا کہ وہ کامیاب ہو گیا ۔ اتنے میں گھوڑی گھٹنوں کے بل گری ، سراقہ نیچے آیا ، اٹھا ، گھوڑی کو اٹھایا ، سوار ہوا ، پھر چلا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور مالک سے لو لگائے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے کہ حضورؐ کو دشمن کے قریب تر پہنچنے کی اطلاع کی گئی ۔ فرمایا "الٰہی ! ہمیں اس کے شر سے بچا" ادھر جب الفاظِ مبارکہ زبان سے نکلے، اُدھر گھوڑی کے قوائم زمین میں دھنس گئے ۔ سراقہ گر پڑا اور سمجھ گیا کہ حفاظتِ الٰہی پر غالب آنا محال ہے ۔ اس نے عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی ۔ امان دی گئی ۔ سراقہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب میں ہر ایک حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا ۔ پھر اس کی درخواست اور نبی صلعم کے ارشاد پر عامر بن فہیرہ نے اسے خطِ امان بھی لکھ کر عطا فرما دیا "[2] ۔

۱- رحمۃ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد اول ، ص ۵۳ ۔
۲- ایضاً ، ص ۸۷ ۔

یہاں مبالغہ نہیں، رنگ آمیزی نہیں ، الفاظ کا بے جا اسراف نہیں —— لیکن اس کے باوجود تصویر کشی کتنی مکمل اور اندازِ بیان کتنا مؤثر ہے !

ازواجِ مطہرات کے ساتھ نبی کریمؐ کے حسنِ سلوک کے بارے میں مصنف لکھتا ہے :

"نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہر ایک شوہر کے لیے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو ۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے ۔ رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سُن لے اور سو گئی ہو تو جاگ نہ پڑے ۔ کھانے ، پہننے ، مکان اور گزارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرمایا کرتے ۔ عموماً بعدِ عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر اُن کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعدِ نمازِ مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے ۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے"[1] ۔

یہاں ازدواجی زندگی کا کتنا شریفانہ ، کتنا عادلانہ تصور پیش کیا گیا ہے اور آنحضرتؐ کے معمولات زندگی کس خوبصورتی سے اُمت کے لیے قابلِ تقلید نمونہ دکھائے گئے ہیں ! مصنف نے کوئی بات بے سند درج نہیں کی ۔ کہیں واقعات گھٹائے بڑھائے نہیں —— لیکن پھر بھی بیان کی حقیقت اپنی زبان سے گواہی دے رہی ہے کہ یقیناً سب کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا ۔

بحیثیتِ مجموعی "رحمۃ للعالمینؐ" کی زبان سادہ و بلیغ، اسلوبِ بیان پختہ و شستہ ، طرزِ استدلال عالمانہ و منطقیانہ اور لب و لہجہ متین و پر وقار ہے ۔ اس کے مضامین روایاتِ صحیحہ سے اخذ کیے گئے ہیں ۔

۱- رحمۃ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد دوم ، ص ۱۴۱ ۔

اپنی پیش رو کتابوں کے مقابلے میں اس کا درجہ یقیناً سب سے اونچا ہے اور اگر شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی "سیرت النبی ؐ" وجود میں نہ آتی ، تو "رحمۃللعالمین ؐ" اردو میں سیرتِ رسول ؐ پر سب سے اچھی کتاب ہوتی ۔ "رحمۃ للعالمین ؐ" اس پائے کی کتاب ہے کہ بقول سید سلیمان ندوی "اگر اس دنیا کی مقبولیت سے اس دنیا کے اجرِ جزیل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو یہ کہنے میں قلم کو باک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصنف مرحوم کے جلائل اعمال میں اس تصنیف کا شمار ہوا ہوگا اور غالباً یہی ان کا ایک کام اُن کی مغفرت اور نجات کے لیے کافی ہوگا"[۱] ۔

سیرۃ النبی ؐ

اس عہد کی سب سے اہم کتاب مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء - ۱۹۱۴ء) اور سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء - ۱۹۵۳ء) کی مشترک تصنیف "سیرۃالنبی ؐ" ہے ، جو پہلے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی اور اب اس کی ساتویں مختصر جلد بھی شائع ہوگئی ہے ۔ پہلی دو جلدیں مولانا شبلی نعمانی کے قلم سے ہیں اور باقی پانچ جلدیں ، اُن کی وفات کے بعد ، ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے تحریر کیں ۔ "سیرت النبی ؐ" کی پہلی جلد ۱۹۱۸ء میں ، دوسری جلد ۱۹۲۰ء میں ، تیسری جلد ۱۹۲۴ء میں ، چوتھی جلد ۱۹۳۲ء میں ، پانچویں جلد ۱۹۳۵ء میں ، چھٹی جلد ۱۹۳۸ء میں اور ساتویں جلد ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی[۲] ۔ یہ کتاب نہ صرف اردو ، بلکہ بیسویں صدی عیسوی میں لکھی ہوئی تمام زبانوں کی کتبِ سیرت میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہے ۔ "سیرۃ النبی ؐ" کے بارے میں شبلی نعمانی نے منشی محمد امین

۱- رحمۃ للعالمین ؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، جلد سوم ، ص ۹ (مقدمہ) ۔

۲- معارف ، اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر مئی ۱۹۵۵ء ، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی ، ص ۱۳ ، ۱۶ ، ۱۸ ، ۲۵ ، ۲۹ ، ۳۲ اور حیاتِ سلیمان : شاہ معین الدین احمد ندوی ، ص ۱۶۸ ، ۳۱۰ ، ۳۹۲ ، ۴۳۱ ، ۴۷۲ اور سیرت النبی ؐ (جلد ہفتم) : سید سلیمان ندوی ، محمد سعید اینڈ سنز ، کراچی ، ص ۷ ، ۸ ۔

زبیری کو خود بھی ایک خط میں لکھا تھا کہ "اگر مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاء اللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی سو برس تک نہیں ہو سکتی"۔ بدقسمتی سے انہیں موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس کتاب کو خود مکمل کر سکتے ، لیکن پھر بھی بقولِ شیخ محمد اکرام "حیاتِ نبوی ؐ کی پہلی ڈیڑھ جلد انہوں نے جس محنت ، دقتِ نظر ، وسیع علمیت ، غور و فکر ، حسنِ استدلال اور ادبی شان کے ساتھ لکھی ہے ، اس کی مثال عالمِ اسلامی کے ادب میں مشکل سے ملے گی"[1] ۔ سید سلیمان ندوی نے بھی حقِ شاگردی خوب ادا کیا اور اپنے اُستاد کی عمر بھر کی کمائی ضائع ہونے سے بچا لی ۔ انہوں نے بڑی محنت ، دیانت اور لگن کے ساتھ مولانا شبلی نعمانی کے عظیم الشان سیرتی منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ایک ایسی کتاب کی تالیف میں کامیاب ہوئے جس کا جواب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہے ۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ "سیرۃ النبی ؐ" کی تالیف سے پہلے اردو میں سیرتِ نبوی ؐ پر جس قدر کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر مغازی و اخلاق و شمائلِ نبوی ؐ پر مشتمل ہیں اور ان میں روایات کی صحت اور تحقیق و تنقید کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا اور وہ ہر قسم کی رطب و یابس روایات کا مجموعہ ہیں ۔ صرف بعض کتابیں مثلاً قاضی سلیمان صاحب منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین ؐ" اور اسی قسم کی چند کتابیں اس سے مستثنیٰ تھیں ، مگر اُن کا نقطۂ نظر بھی دارالمصنفین کی "سیرۃ النبی ؐ" سے مختلف تھا اور وہ صرف دین دار مسلمانوں کے ذوق کی تھیں ۔ ان میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات اور جدید ذوق و رجحان کی تشفی کا کوئی سامان نہ تھا ۔ اس لحاظ سے اردو میں یہ پہلی سیرت ہے جس میں ان تمام ضروریات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور جس میں سوانح اور شمائلِ نبوی ؐ اور اسلام کی تعلیمات کو ایسے محققانہ اور دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے منکرین و مخالفین بھی ان کی

۱- یادگارِ شبلی ، شیخ محمد اکرام ، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ، ۱۹۷۱ء ص ۳۳۶ ۔

صداقت و عظمت ماننے پر مجبور ہو جائیں"[1] -

مولانا شبلی نعمانی کو اپنی تصنیفی زندگی کی ابتدا سے ہی حضور اکرمؐ کی ذات سے گہری محبت تھی - علی گڑھ پہنچ کر جب انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا تو سب سے پہلے "بدء الاسلام" کے نام سے ۱۸۹۱ء عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ لکھا جو علی گڑھ کالج کے نصاب میں شامل کیا گیا - یہ رسالہ نام سے تو آغازِ اسلام کی تاریخ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت آنحضرتؐ کی زندگی اور تعلیمات پر عمدہ تصنیف ہے[2] اس کے محرک سر سید احمد خاں تھے جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء کو مولانا حمید الدین فراہی کی وفات پر "یادِ رفتگاں" میں شامل ایک مضمون میں لکھا ہے : "اسی زمانہ میں علی گڑھ کالج کے دینیات کے لیے سر سید نے مولانا شبلی مرحوم سے عربی میں سیرۃِ نبویؐ پر ایک مختصر رسالہ لکھوایا تھا جس کا نام "تاریخ بدء الاسلام" ہے - پھر مولانا حمید الدین صاحب سے اس کا ترجمہ فارسی میں کرایا - استاد و شاگرد کے یہ دونوں عربی و فارسی رسالے اسی وقت چھپ گئے تھے"[3]- محمد مقتدا خان شروانی کے بقول : "رسالہ "بدء الاسلام" درحقیقت اسی تناور درخت (یعنی سیرۃ النبیؐ) کا گویا ایک ننھا سا تخم تھا جیسے برگد کے

۱- معارف ، اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، مقالہ : حضرت الاستاد و رحمۃ اللہ علیہ کی دینی و علمی خدمات (ان کی تصانیف کی روشنی میں) از شاہ معین الدین احمد ندوی ، ص ۱۰۸ -

۲- اس کا فارسی میں ترجمہ مولانا حمید الدین فراہی نے کیا اور فارسی ترجمے سے اردو ترجمہ میمونہ سلطان شاہ بانو (بیگم نواب بھوپال حمیداللہ خاں) نے "آغازِ اسلام" کے عنوان سے اغلباً ۱۹۱۶ء میں کیا - یہ اردو ترجمہ "سیرتِ طیبہ" (ص ۱۳۱) کے عنوان سے ڈاکٹر محمد احسان الحق کے تہذیب و تحشیہ کے ساتھ ۱۹۸۲ء میں یونیورسل بکس لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے - اسی رسالہ کا ایک اور اردو ترجمہ تاج کمپنی کراچی کی طرف سے "حیات النبیؐ" (ص ۸۰) کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے -

۳- یادگارِ شبلی : شیخ محمد اکرام ، ص ۹۳ اور یادِ رفتگاں : سید سلیمان ندوی ، مجلسِ نشریاتِ اسلام کراچی ۱۹۸۳ء ، ص ۱۱۶ -

درخت کا ہوتا ہے"[1]۔ اس رسالہ نے نہ صرف طلبہ کے دلوں میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عقیدت و محبت کے جذبات پیدا کیے بلکہ خود مصنف کے دل میں بھی عشقِ رسولؐ کی قندیل روشن کر دی، چنانچہ سید سلیمان ندوی کی روایت کے مطابق "اسی سلسلہ میں مولٰینا نے کالج میں میلاد کی مجلسوں کی بنیاد ڈالی۔ شروع شروع میں یہ جلسہ خود اپنے بنگلہ پر کرتے تھے اور تھوڑے سے آدمی مدعو ہوتے تھے ---- مولانا خود سیرتِ نبویؐ علیٰ صاحبہا الصلٰوۃ و السلام کے کسی پہلو پر تقریر فرماتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان جلسوں سے دلچسپی بڑھنے لگی تو ۳۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو سیرت و میلاد کا پہلا عام جلسہ نہایت شان و شوکت سے سالار منزل میں ہوا اور کچھ عرصہ بعد اسٹریچی ہال میں ہونے لگا"[2]۔

رسالہ "بدء الاسلام" اگرچہ شبلی کے عشقِ رسولؐ کا ثمرِ اولین تھا لیکن ایک تو یہ عربی زبان میں تھا، دوسرے مختصر تھا اور تیسرے محض طلباء کی تدریسی ضروریات کے لیے تھا — چنانچہ انہوں نے "اردو میں جب ناموران اسلام کا سلسلہ چھیڑا تو بار بار اُن کے اور دوسروں کے دل میں خیال آیا کہ ان ناموروں سے پہلے سب سے اول اس نامور کا نام آنا چاہیے جس کی ناموری نے ان سب کو نامور بنایا ہے، اس لیے "الفاروق" و "الغزالی" کے بعد ۲۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ مطابق ۵ جون ۱۹۰۳ء کو انہوں نے حیدر آباد کے قیام کے زمانہ میں اس کام کا آغاز کیا اور ۴ھ تک کے واقعات قلمبند کیے (یہ مسودہ اب تک دارالمصنفین کے کتب خانہ میں موجود ہے) مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس انداز سے وہ اس کو لکھ رہے تھے وہ خود ان کو پسند نہیں آ رہا تھا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اس کو راز رکھا اور سارے مکتوبات میں کہیں ایک حرف بھی اس کے متعلق اپنے دوستوں میں سے کسی سے نہیں کہا۔ صرف ایک خط میں اس کا تذکرہ اس بنا پر آ گیا ہے کہ حیدر آباد میں مولوی حسین عطا اللہ کے پاس بہت

۱- مقالاتِ یومِ شبلی: مرتبہ خان عبیداللہ خان، اردو مرکز لاہور ۱۹۶۱ء، ص ۹۱ (مقالہ۔ علی گڑھ میں شبلی کا قیام: محمد مقتدا خان شروانی)۔

۲- حیاتِ شبلی: سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ طبع ثانی ۱۹۷۰ء، ص ۱۳۹ (بحوالہ کانفرنس گزٹ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء، مضمون میر ولایت حسین)۔

اچھا کتب خانہ تھا ۔ اس کتاب کے لیے اُن کو بعض کتابوں کی ضرورت پیش آئی، تو ۲۷ مئی ۱۹۰۳ء کو ان کو لکھا : "میں نے جناب سرورِ کائنات علیہ الصلٰوۃ والسلام کی سوانح عمری لکھنی شروع کی ہے جو سعادتِ دارین کا ذریعہ ہے ، اس لیے اس قسم کی کتابوں کی ضرورت ہے ۔ میرا کتب خانہ تمام وطن میں ہے" ۔ لیکن اس پر بھی وہ غزوۂ خندق سے آگے نہیں بڑھ سکے"[۱] ۔

اس بے اطمینانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ذہن میں سیرت النبیؐ کا ایک بلند معیار مقرر تھا اور وہ چاہتے تھے کہ خیر البشرؐ کی سوانح عمری اسی معیار کے مطابق لکھی جائے ۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "سوانح عمری ایسی لکھنی چاہیے جس سے صاحبِ سوانح کا پایہ اونچا نظر آئے لیکن ہم مسلمانوں کے دلوں میں سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عقیدت کا پایہ اتنا اونچا ہے کہ کوئی کتاب اس بلندی کو نہیں پہنچ سکتی ، اس لیے سیرت کی کوئی کتاب مشکل ہی سے معیار پر پوری اتر سکتی ہے" ۔ اپنے اسی خیال کو انہوں نے ۱۹۱۴ء میں لکھے ہوئے ایک قطعہ میں یوں ادا کیا ہے :

فرشتوں میں یہ چرچا ہے کہ حالِ سرورِ عالمؐ
دبیرِ چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامیں لکھتے
صدا یہ بارگاہِ عالمِ قدوس سے آئی
کہ ہے یہ اور ہی کچھ چیز ، لکھتے تو ہمیں لکھتے

بظاہر اردو میں سیرتِ نبویؐ پر کوئی نئی کتاب لکھنا شبلی کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا کیونکہ عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں پہلے سے موجود تھیں اور انہیں سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب تیار کر لینا ان کے لیے چند مہینوں کا کام تھا ـــــ لیکن انہیں احساس تھا کہ یہ ایک اہم اور نازک فرض ہے ، جسے روا روی میں نہیں ٹالا جا سکتا ، اسی لئے وہ مدت تک اسے پورا کرنے کی جرأت نہ کر سکے ، تاہم وہ اس بات سے بھی ناواقف نہ تھے کہ مسلمان مصنف ہونے کی حیثیت سے ان کا فرضِ اولین یہی تھا کہ دوسرے کام چھوڑ کر سب سے پہلے سیرۃِ نبویؐ

۱- حیاتِ شبلی : سید سلیمان ندوی ، ص ۷۰۲ ۔

کی خدمت انجام دیتے ، اس لیے کہ "جدید تعلیم جس تیزی کے ساتھ پھیلتی جاتی تھی ، مذہبی بے خبری بھی اسی قدر بڑھتی چلی جاتی تھی اور یہ صورتِ حال ایسی تھی جس کی روک تھام کی بڑی ضرورت تھی"[۱]۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ "اس ضرورت کے احساس کا آغاز ان کو سب سے پہلی دفعہ ۱۹۰۶ء میں ہوا ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اس سے ایک سال پہلے (۱۹۰۵ء میں) اوکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مارگولیوتھ نے "محمدؐ" کے نام سے سیرت میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی اور بڑی محنت سے لکھی اور اس خصوصیت کے ساتھ لکھی کہ اس میں اکثر حوالے احادیث کی کتابوں کے تھے ۔ یہ کتاب بڑی زہر ناک تھی اور انگریزی تعلیم یافتہ اس کی تحقیق و تلاش کے نتیجوں سے نہایت متاثر ہو رہے تھے اور اس تاثر کا اظہار سب سے پہلے مولانا کے سامنے اسی نے کیا جو اس عہد میں جدید تعلیم کا سب سے مایہ ناز فرزند گذرا ہے ، یعنی مولانا محمد علی مرحوم"[۲] ۔

۱۹۰۶ء میں مولانا شبلی کے بست بڑودہ پہنچنے پر مولانا محمد علی جوہر نے عرض کی کہ "سیرتِ نبویؐ" کا کیوں انتظام نہیں فرماتے ؟ ہندوستان میں کون ہے جو کفار کے پے در پے مگر بے جا سے بے جا تر حملوں کا جواب دے گا" ؟ محمد علی کا اشارہ خصوصاً اپنے اوکسفورڈ کے استاد مارگولیوتھ (متوفی ۱۹۴۰ء) کی طرف تھا ۔ سید سلیمان ندوی کے نام ۱۰ اگست ۱۹۱۸ء کے ایک خط میں محمد علی جوہر نے لکھا ہے کہ "نہ معلوم اس سے قبل مولانا مرحوم کو کتنی بار اس مقدس کام کا خیال آیا ہوگا مگر طرزِ گفتگو سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ میری تقریر نے اثر

---

۱ ، ۲۔ حیاتِ شبلی : سید سلیمان ندوی، ص ۷۰۳، ۷۰۴۔ سید سلیمان ندوی ایک اور جگہ مارگولیوتھ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "ان کی سب سے بڑی کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے ، جس کو دیکھ کر مولانا شبلی مرحوم بے چین ہو گئے تھے اور اپنی سیرۃِ نبویؐ کی بنیاد ڈالی تھی ، جس نے بحمد اللہ کہ ملک میں سیرتِ پاک کی تالیف و نشر و اشاعت کا ذوق پیدا کیا" ۔ (یادِ رفتگاں : علامہ سید سلیمان ندوی ، مجلس نشریاتِ اسلام ، کراچی ۱۹۸۳ء ، ص ۲۰۳) ۔

کیا اور آخری فیصلہ کم سے کم بڑودہ ہی میں رہ کر کیا گیا"[1]۔

اس ملاقات اور سیرۃ النبیؐ تحریر کرنے کے باقاعدہ اعلان کے درمیان پانچ چھ سال کا وقفہ ہے۔ سیرت کے لیے مسلمانوں کی طرف سے مسلسل تقاضوں، جدید تعلیم کی کرشمہ سازیوں اور فتنۂ ارتداد کے ہنگاموں کے باوجود شبلی نعمانی کچھ عرصہ تک خاموش رہے۔ شیخ عطا اللہ کہتے ہیں کہ "شبلی کے دل و دماغ میں معلوم نہیں کیا کیا خواہشیں کروٹیں لے رہی تھیں اور کیا کیا تامل دامن گیر ہوتے تھے، کیا کیا تیاریاں زیرِ غور تھیں!"[2] شبلی نعمانی نے البتہ اپنے تردد کی چند وجوہات "سیرۃ النبیؐ" کے مقدمے میں بیان کی ہیں۔ ان کے خیال میں سب سے بڑی دقت تو یہ تھی کہ خاص سیرت پر عربی میں کوئی کتاب موجود نہ تھی، جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام ہوتا، حتیٰ کہ مستند و مسلم الثبوت تصانیف میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہو گئی تھیں، چنانچہ سیرت پر قلم اٹھانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ نہ صرف کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جاتیں (جس کے لیے کافی سرمایہ درکار تھا) بلکہ ان سینکڑوں کتابوں کو دقت نظری کے ساتھ دیکھنے اور ان کی معلومات

۱- حیاتِ شبلی: سید سلیمان ندوی، ص ۴۰۷ (بحوالہ خطوطِ محمد علی - مکتبہ جامعہ، دہلی، ص ۵۹) ڈاکٹر حامد خاں حامد اپنے مضمون "مولانا محمد علی جوہر" میں لکھتے ہیں کہ "ان کے (مولانا محمد علی جوہر) اساتذہ میں جو ایم اے او کالج علی گڑھ سے وابستہ تھے، بیک (Beck) موریزن (Morison)، آرنلڈ اور شبلی نعمانی کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ان اساتذہ بالخصوص شبلی کے اُن کی ذات پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قید کے دوران شاعری کے علاوہ سیرت النبیؐ پر ایک ضخیم کتاب لکھنے میں مصروف ہو گئے جو قید سے رہا ہونے کے باعث نامکمل رہ گئی اور جسے بعد میں ان کے ایک شاگرد اور معتقد نے مرتب و مدون کیا" (المعارف، لاہور، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۳۳)۔

۲- مقالاتِ یومِ شبلی: مرتبہ، خان عبیداللہ خان، ص ۲۲۶ (مقالہ: شبلی اور سیرۃ النبیؐ: شیخ عطا اللہ)۔

جمع کرنے کے لیے پوری ایک ٹیم کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ کے متعلق یورپین مصنفین کے خیالات سے براہِ راست واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری تھا ، لیکن شبلی (جیسا کہ خود اعتراف کرتے ہیں) بد قسمتی سے یورپ کی کوئی زبان اچھی طرح نہیں جانتے تھے ۔

دورِ جدید میں سیرت پر کوئی جامع کتاب لکھنے کے لیے باقاعدہ ایک محکمہٗ تصنیف و تالیف کی ضرورت تھی جس میں نہ صرف عربی دان بلکہ مغربی زبانیں جاننے والے فضلاء شامل ہوتے ، جو عربی مصادر کے ساتھ ساتھ اسلام اور بانیٔ اسلامؐ کے بارے میں مستشرقین کی کتابوں میں سے ضروری حصے اردو زبان میں منتقل کر سکتے۔ جب یہ دشواریاں ایک ایک کر کے ختم ہوگئیں تو جنوری ۱۹۱۲ء میں مولانا نے سیرت النبیؐ کی تالیف کے عزم کا اعلان کر دیا ۔ یہ اعلان رسالہ "الندوہ" میں شائع ہوا اور بعد ازاں "مقالاتِ شبلی" کا جزو بنا ۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے :
"سیرۃِ نبویؐ کی ضرورت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ قوم میں جدید تعلیم وسعت سے پھیلتی جاتی ہے اور یہی جدید تعلیم یافتہ گروہ ایک دن قوم کی قسمت کا مالک ہوگا ۔ یہ گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی اگر جاننا چاہتا ہے تو اردو میں کوئی مستند کتاب نہیں ملتی اس لیے اسے چار و ناچار انگریزی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جن میں یا تعصب کی رنگ آمیزیاں ہیں یا ناواقفیت کی وجہ سے ہر موقع پر غلطیاں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ایک مدت سے ان باتوں کا احساس کر رہا تھا لیکن اس بناء پر قلم اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں ایک حرف بھی صحت کے معیار سے ذرا اُتر جائے تو سخت جرم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قوم کی طرف سے ایک مدت سے تقاضا ہے کہ میں سب کام چھوڑ کر سیرۃِ نبویؐ کی تالیف میں مصروف ہو جاؤں ۔ خود میں بھی اپنی پہلی رائے سے رجوع کر چکا ہوں اور اس شدید ضرورت کو تسلیم کرتا ہوں"[1] ۔

"سیرۃ النبیؐ" کی تالیف شبلی کے لیے ایک دینی فرض تھی ، چنانچہ

۱۔ مقالاتِ شبلی : مولانا شبلی نعمانی ، دارالمصنفین اعظم گڑھ ، جلد ۸ ص ۳۲ ۔

جب مصارف ، سٹاف ، مترجمین اور کتبِ حوالہ جات کا تسلی بخش انتظام ہو گیا تو شبلی نے کام کا آغاز کر دیا "سیرۃ النبیؐ" (جلد اول) کے مقدمہ میں خود لکھتے ہیں کہ "خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دئیے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا ۔ اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی ؟"[1]

جنوری ۱۹۱۲ء کے "الندوہ" میں مولانا شبلی نعمانی نے "سیرۃ النبیؐ" کی تالیف کے لیے قوم سے پچاس ہزار روپیہ یک مشت اور ڈھائی سو روپیہ ماہوار کے عطیے کی درخواست کی اور کتابوں کی خریداری کے لیے الگ رقم کا مطالبہ کیا ۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ ایک "مجلسِ تالیفِ سیرۃالنبیؐ" قائم کی جائے جس میں وہ ارکان شامل ہوں جو مربی بن کر کم از کم ایک ہزار یکمشت یا دس روپے ماہوار دیں یا جو عام ارکان میں داخل ہو کر ایک روپیہ ماہوار عنایت کریں یا معین بنیں اور نایاب و قلمی کتابیں بہم پہنچائیں یا کسی اور مفید طریقہ سے مدد دیں تاکہ مصنفینِ یورپ نے جو کتابیں سیرت میں لکھی ہیں ان کو یکجا کیا جا سکے اور کچھ مترجم ہوں جو ان کو پڑھ کر ان کے اعتراضات کا خلاصہ کر سکیں اور کچھ علماء ہوں جو روایات کی تلاش و تنقید اور چھان بین کا کام کریں ، کچھ مسودہ نویس ہوں جو مسودوں کو صاف کریں[2] ۔

عطیہ کا اعلان شائع ہوتے ہی مسلمانوں نے انفرادی طور پر چندے بھیجنا شروع کیے لیکن منشی محمد امین زبیری کی ترغیب پر نواب سلطان جہاں بیگم والیۂ بھوپال نے دو برس کے لیے دو سو روپیہ ماہوار دینے پر آمادگی ظاہر کی اور ان کے بیٹے نواب زادہ حمید اللہ خاں نے کتابوں کی خریداری کے لیے دو ہزار روپے الگ دیئے ۔ دو سال کا ابتدائی وظیفہ ختم ہونے کے بعد یہ وظیفہ تا تکمیلِ سیرۃِ نبویؐ بڑھا دیا گیا ۔

اخراجات کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مولانا نے سیرۃِ نبویؐ کا

۱- سیرت النبیؐ : شبلی نعمانی ، محمد سعید اینڈ سنز ، تاجرانِ کتب کراچی جلد اول ، ص ۱۱ (مقدمہ از مصنف) ۔

۲- حیاتِ شبلی : سید سلیمان ندوی ، ص ۵۰۷ ۔

دفتر قائم کیا جس میں ایک عربی مددگار اور دو انگریزی مترجم رکھے - سید سلیمان ندوی (عربی مددگار) کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ صحیح بخاری سے سیرت کے واقعات یکجا کریں اور انگریزی مترجموں میں سے ایک کو مارگولیوتھ کی کتاب "محمد" اور دوسرے کو سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" ترجمہ کے لیے دے دی گئی - بعد ازاں یہ دیکھ کر کہ اس طرح اخراجات بھی زیادہ ہوں گے اور کام کی رفتار بھی سست رہے گی ، ہر کتاب کا مکمل ترجمہ کرنے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ دین سے لگاؤ رکھنے والے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں مختلف کتابیں تقسیم کر دی جائیں اور انہیں کہا جائے کہ وہ انہیں پڑھ کر قابل اعتراض مقامات پر نشان لگا دیں - بعد میں وہ حصے اردو میں ترجمہ کروا لیے جائیں - جن لوگوں نے اس کام میں وقتاً فوقتاً مولانا شبلی کی معاونت کی ، ان میں سید سلیمان ندوی ، عبدالماجد دریا بادی[1] اور عبدالسلام ندوی نے تو باقاعدہ سٹاف کی حیثیت سے کام کیا لیکن ان کے علاوہ مولانا شروانی ، شیخ عبدالقادر ، مہدی افادی ، جنید (اپنے بھائی) ، سید نواب علی اور مولانا حمید الدین فراہی سے خط و کتابت کے ذریعے مدد لیتے رہے[2] - شیخ محمد

۱- مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں کہ "سیرت نبوی ؐ کا جب مستقل کام (شبلی نے) ۱۲ء میں شروع کیا تو ضرورت ایک چلتے ہوئے انگریزی مددگار کی تھی جو انگریزی ماخذوں سے معلومات تلاش کر کے اور ترجمہ کر کے پیش کرتا رہے - اس خدمت پر تقرر گھنٹے دو گھنٹے کے لیے ماہانہ معاوضہ پر اسی خاکسار کا کیا "- (کریسنٹ لاہور، شبلی نمبر، جنوری ۱۹۷۱ء ، ص ۲۶، ۲۷ - مقالہ : "شبلی ، انسان ، مصنف، مصنف گر" از عبدالماجد دریا بادی) -

۲- سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "مولانا شبلی مرحوم اس وقت "سیرۃ النبی ؐ" کی پہلی جلد لکھ رہے تھے - یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کے مناظرانہ مسائل اور قرآن پاک کے استدلالات میں وہ برابر اپنے بھائی (حمید الدین فراہی) سے مشورہ لیتے تھے جو مکاتیب (۵۷ - ۳۷) سے ظاہر ہیں - سیرت جلد اول کے مقدمہ میں حضرت اسمٰعیل ؑ کی سکونت اور قربانی کے متعلق جو باب ہے ، اس کا مواد مولانا حمید الدین فراہی ہی نے بہم پہنچایا تھا" (یاد رفتگاں : سید سلیمان ندوی ، ص ۱۲۲) -

اکرام کے لفظوں میں "سیرت النبی ؐ کی تالیف کے وقت مصنف ایک فرد واحد نہ تھا - بلکہ ایک ٹیم کا کپتان تھا - ایسا انتظام اہم مقاصد کے پیش نظر ضروری تھا ، لیکن مولانا کے بڑھاپے اور خرابی ٔ صحت نے اسے ناگزیر بنا دیا"[۱] - ان سہولتوں کی موجودگی میں شبلی نے بڑے جوش و جذبے ، عمر بھر کے تصنیفی تجربے اور فطری ذہانت کے بل بوتے پر "سیرۃ النبی ؐ" لکھنا شروع کی - اپنے سامنے انہوں نے جو اونچا معیار قائم کر رکھا تھا ، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے مہدی افادی کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ "سیرت میں نہایت تنقید اور جانفشانی سے کام لے رہا ہوں ، اس لیے ہفتوں میں دو تین صفحے کا سامان ہاتھ آتا ہے" -

مولانا نے سیرت کی تالیف کا آغاز عروس البلاد بمبئی میں کیا - ۱۶ جون ۱۹۱۲ء کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس تاریخ سے اگلے روز کام شروع کر دیا تھا البتہ چند صفحات لکھنے کے بعد انہیں ڈھاکہ یونیورسٹی کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے جانا پڑا جہاں سے فارغ ہو کر وہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا کتب خانہ دیکھنا چاہتے تھے - ۲۱ جولائی ۱۹۱۲ء کو شروانی صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "سیرت کے لیے ایشیاٹک سوسائٹی میں بعض کتابیں دیکھنی ہیں - انگریزی کتابوں میں سے جس قدر اقتباسات ہو رہے ہیں ، ان سے کذب و افترا کا عجیب منظر سامنے آ جاتا ہے - مرگولیوس پروفیسر آکسفورڈ سب سے بڑا عربی عالم ہے - اس کی "لائف آف محمد ؐ" دیکھنے کے قابل ہے - لکھتا ہے کہ "عبدالمطلب ، مطلب کے غلام تھے ، کعبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ۱۰۰ برس پہلے کی عمارت تھی ، وغیرہ وغیرہ" - کام ہو رہا ہے - سیرت کی ماخذ اصلی تین کتابیں ہیں - ابن ہشام ، ابن سعد ، طبری - ان کے تمام رواۃ کا استقصا کر کے ان کا اسماء الرجال ، "تہذیب" وغیرہ سے مرتب کرا رہا ہوں کہ روایتوں کے انتقاد میں آسانی ہو - سید سلیمان یہ کام کر رہے ہیں اور وہ یہیں ہیں - خود الگ سیرت میں مشغول رہتا ہوں - انگریزی کتابوں کا ترجمہ بھی ہو رہا ہے"[۲] -

---

۱- یادگار شبلی : شیخ محمد اکرام ، ص ۳۲۶ -
۲- حیات شبلی : سید سلیمان ندوی ، ص ۱۲ے -

ستمبر ۱۹۱۲ء تک مولانا شبلی بمبئی میں رہے اور اس وقت تک کتاب کے سو صفحات لکھ چکے تھے (یعنی آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر خانہ کعبہ کی تعمیر تک ۔) اس کے بعد انہیں لکھنؤ واپس آنا پڑا ۔ کام دوبارہ شروع کرنے سے پہلے ۲ نومبر ۱۹۱۲ء کو انہوں نے مسودے پر نظرِ ثانی کی اور حک و اضافہ سے کام لیا ۔ اسی تاریخ کے ایک خط میں محمد امین زبیری کو لکھتے ہیں کہ "یورپ کی غلط بیانیوں کا ایک دفتر ہے ۔ ان کے ایک ایک حرف کے لیے سینکڑوں اوراق الٹنے پڑتے ہیں ۔ یہ کم بخت لکھتے تو جھوٹ ہیں ، لیکن بے پتہ نہیں لکھتے ۔ یہاں ہمارے سیرت نگاروں نے خود بھی بہت بے احتیاطیاں کیں"[۱] ۔

مولانا کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ فروری ۱۹۱۲ء تک ان کا مسودہ غزوۂ بدر تک اور ۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء کو فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین تک پہنچ چکا تھا ۔ اب وہ لکھنؤ سے پھر بمبئی چلے گئے اور وہاں پہنچ کر "سیرۃ النبیؐ" جلد اول کی تکمیل میں مصروف ہوگئے ۔ ۹ جولائی ۱۹۱۳ء کو شروانی صاحب کو ایک خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ "پہلی جلد کا نصف حصہ گویا تیار ہے ۔ ہر ہفتہ میں طبیعت دو تین روز ناساز ہو جاتی ہے ، اس لیے ناغہ سے ہرج ہو جاتا ہے ۔ بڑے بڑے معرکے طے ہوئے ۔ اس فن کو نئے سرے سے مرتب کرنے کی ضرورت تھی ۔ مجھ کو خود خیال نہ تھا کہ ایسی کامیابی ہوگی لیکن قدر کون کرے گا ۔ کوئی شخص پہلے طبری اور ابن اثیر کو چھان چکا ہو ، تب اندازہ کر سکتا ہے"[۲] ۔

اکتوبر ۱۹۱۳ء کے آغاز میں مولانا نے سیرت کے پہلے حصے کا مسودہ تقریباً مکمل کر لیا اور سید حسین بلگرامی کی دعوت پر حیدر آباد چلے گئے ۔ اس مہینے کی ۱۳ تاریخ کو وہیں سے ایک خط میں منشی محمد امین زبیری کو لکھا کہ "کتاب کا پہلا حصہ جس میں سادہ حالاتِ زندگی ہیں ، قریباً تیار ہوگیا ہے ۔ اگرچہ اس میں نہایت کد و کاوش اور تمام کتبِ

۱- مکاتیبِ شبلی ، حصہ اول ، ص ۲۴۲ ۔

۲- ایضاً ، ص ۲۰۵ ۔

حدیث و رجال کی چھان بین کرنی پڑی ، تاہم اصلی مرحلے آگے ہیں ۔ کتاب پانچ جلدوں میں ہوگی ۔ جو حصہ گویا تیار ہے وہ قریباً پانچ سو صفحوں میں ہے ۔ پوری کتاب کو اس سے چوگنا کر لیجئے"[1] ۔

حیدرآباد قیام کے زمانہ میں انہیں نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کے کتب خانے میں سیرت کے سلسلے کی بعض مفید کتابیں ملیں ، جن سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ۔ وہ یہاں مطبوعاتِ یورپ کا مطالعہ بھی کرتے تھے اور ان کی غلط بیانیوں کی تردید بھی کرتے جاتے تھے[2]۔ ایک خط میں سید نواب علی پروفیسر بڑودہ کالج کو لکھتے ہیں : "سیرت کے متعلق یورپ کی غلط کاریوں کا تعجب نہیں جبکہ خود اسلامی مؤرخین اور اربابِ روایت نے سینکڑوں غلطیاں کی ہیں ۔ مجھ کو تاریخ نہیں بلکہ عدالت کا فیصلہ لکھنا پڑتا ہے ، لیکن اندازِ بیان تاریخی ہوتا ہے ورنہ بے لطف ہو جائے"[3] ۔ بہرحال یہاں چند ماہ اُن کا قیام رہا اور اُن کی خواہش تھی کہ وہ یہاں سے جلد اول مکمل کر کے اٹھیں ۔ تاہم ، جیسا کہ سید سلیمان ندوی بتاتے ہیں ، نومبر ۱۹۱۳ء تک وہ سیرت کا پہلا مقدمہ سپردِ قلم نہیں کر سکے تھے ، اگرچہ اس کا خاکہ انہوں نے اپنے ذہن میں مرتب کر لیا تھا ۔ اس دوران انہیں پھر لکھنؤ آنا پڑا اور جون ۱۹۱۴ء کے بعد وہ پھر بمبئی چلے گئے ، جہاں انہوں نے یک سوئی کے ساتھ پہلی جلد مکمل کرنے کی کوشش کی اور اسی دوران سیرت کا وہ مقدمہ بھی لکھ لیا جو فنِ مغازی و سیر کی تاریخ اور اسلامی فنِ درایت کے اصولوں پر مشتمل ہے[4] ۔

سیرت کی جلد اول کا معتدبہ حصہ مکمل ہو گیا تو مولانا کو اس کی طباعت کی فکر ہوئی ۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ سید سلیمان ندوی سے مشورہ کیا تو دونوں نے ٹائپ میں چھاپنے کا مشورہ دیا ،

۱۔ مکاتیبِ شبلی ، حصہ اول ، ص ۳۱۳ ۔
۲۔ شبلی ، مکاتیب کی روشنی میں : معین الدین احمد انصاری ، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ، ۱۹۶۷ء ، ص ۱۲۳ ۔
۳۔ مکاتیبِ شبلی ، حصہ اول ، ص ۳۱۳ ۔
۴۔ حیاتِ شبلی ، سید سلیمان ندوی ، ۱۵ے ، ۱۶ے ۔

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد کے پرچے "الہلال" میں مقدمہ کے چار صفحات ٹائپ میں چھپے ۔ اس طرز طباعت کو لوگوں نے پسند نہیں کیا ، حتیٰ کہ انگریزی خوانوں نے بھی نہیں[1] ۔ ٹائپ کا مسئلہ تو خیر معمولی تھا ۔ مشکل یہ ہوئی کہ مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر "النجم" نے مقدمہ سیرت النبی کے چھپے ہوئے چند صفحات پڑھ کر ہی شبلی پر سخت نکتہ چینی کی اور دیوبند کے کچھ بزرگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ۔ بیگم بھوپال تک شکایات پہنچائی گئیں تاکہ وظیفے کی رقم بند کروائی جائے اور شبلی کو کام سے روکا جائے ۔ یہ فتنہ جس طرح ناکام ہوا اس کی پوری تفصیل "حیاتِ شبلی" میں موجود ہے ۔ شبلی بہرحال رد و قدح اور موافقت و مخالفت سے بے نیاز کام کرتے رہے ۔ ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء کو مولانا شروانی کو لکھتے ہیں کہ "سیرت کے اہتمام کے لیے یہیں (بمبئی) کی خاموشی اور سکوت درکار ہے ۔ دن بھر کوئی جھانکتا تک نہیں ، اس لیے ارادہ تو یہ ہے کہ جلد اول بہمہ جہت تمام کر کے اٹھوں ۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا تاریخی اور تحقیقی راز کھلتا ہے اور بعض مشکلات حل ہو جاتی ہیں"[2] ۔ شبلی کا ارادہ یہی تھا کہ اب وہ سال بھر بمبئی میں رہ کر کام مکمل کریں گے لیکن جولائی کے تیسرے عشرے میں انہیں اپنے بھائی محمد اسحٰق کی شدید علالت کی خبر ملی اور وہ الہ آباد روانہ ہوگئے ۔ ان کے بھائی نے ۲۹ اگست ۱۹۱۳ء کو وفات پائی ۔ الہ آباد سے اعظم گڑھ پہنچ کر دل شکستگی کے عالم میں انہوں نے پھر سیرت کا کام شروع کیا ، لیکن اب طبیعت اچھی طرح آگے نہیں بڑھتی تھی ۔ بڑھاپے اور بیماری نے شبلی کو پہلے ہی کمزور کر رکھا تھا ، بھائی کی موت نے ان کا دل اور بٹھا دیا ۔ اب وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے اور یہ رنج ان کے جی کا روگ بن گیا کہ ان کا "سیرت النبی" کا منصوبہ پورا نہیں ہو سکے گا ۔ مولوی حمید الدین فراہی کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے ایک خط میں کس حسرت سے لکھتے ہیں : "افسوس یہ ہے کہ سیرت پوری نہ ہو سکی اور کوئی نظر نہیں آتا کہ اس کام کو پورا کر سکے" ۔

۱- شبلی ، مکاتیب کی روشنی میں ، معین الدین احمد انصاری ، ص ۱۲۵ ، ۱۲۶ ۔

۲- حیاتِ شبلی ، سید سلیمان ندوی ، ص ۷۱۹ ۔

۷ نومبر ۱۹۱۴ء کے بعد بیماری کے شدید حملے نے مولانا شبلی کے لیے کام کرنا ناممکن بنا دیا ۔ اب انہوں نے "سیرت النبیؐ" کے تمام مسودے اور مبیضے کپڑے میں بندھوا کر ایک الماری میں مقفل کروا دیئے اور اپنے عزیزوں کو وصیت کر دی کہ سوائے حمید الدین فراہی اور سید سلیمان ندوی کے یہ اور کسی کے سپرد نہ کیے جائیں ۔ وفات سے تین دن پہلے (۱۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو) انہوں نے مولانا حمید الدین فراہی ، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی کو تار دے کر بلایا تاکہ انہیں "سیرت النبیؐ" کا پورا پلان سمجھایا جا سکے ۔ باقی حضرات کو تار ملے یا نہیں ملے لیکن سید سلیمان ندوی تار وصول کرنے سے پہلے استاد کی پکار پر اعظم گڑھ پہنچ گئے ۔ اس وقت تک مولانا کی حالت بہت بگڑ چکی تھی اور قوتِ گویائی بھی بڑی حد تک ختم ہوگئی تھی ، لیکن دماغ ٹھیک کام کر رہا تھا ، چنانچہ اس وقت بھی ان کے دل و دماغ پر سیرت کی تکمیل کا خیال چھایا ہوا تھا ۔ استاد شاگرد کی یہ ملاقات بڑی درد انگیز تھی اور اس کا نقشہ سید سلیمان ندوی نے بڑے مؤثر انداز میں کھینچا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"میں سرہانے کھڑا تھا ۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ مولانا نے آنکھیں کھول کر حسرت سے میری طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ اب کیا رہا ۔ پھر زبان سے دوبارہ فرمایا "اب کیا ، اب کیا" ۔ لوگوں نے پانی میں جواہر مہرہ گھول کر ایک چمچہ پلایا تو جسم میں ایک فوری طاقت آ گئی تو معاہدہ کے طور پر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا : "سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے ، سب کام چھوڑ کے سیرت تیار کرو"۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ۔ "ضرور ، ضرور"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۶ کی شام کو مولانا حمید الدین صاحب بھی تشریف لائے جن کے لیے مولانا ابتدا سے منتظر تھے ۔ ۱۷ کی صبح کو مجھے اور انہیں یاد فرمایا ۔ زبانِ مبارک سے تین مرتبہ "سیرت ، سیرت ، سیرت" کہا اور پھر انگلی سے لکھنے کا اشارہ کر کے کہا "سب کام چھوڑ کے !"[۱] ۔

۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو "سیرت النبیؐ" کی ناتمامی کا داغ دل پر

۱۔ حیاتِ شبلی ، سید سلیمان ندوی ، ص ۷۲۳ تا ۷۲۵ ۔

لیے شبلی نعمانی اپنے مالکِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے ، مگر یہ کتاب ان کی آرزوؤں کا حاصل اور تمناؤں کی اوج گاہ تھی اور ان کی خواہش تھی کہ اگر موت آنی ہے تو سیرتِ رسولؐ لکھتے لکھتے آئے ۔ اپنے ان جذبات کو انہوں نے ایک قطعہ کی شکل میں یوں بیان کیا ہے :

عجم کی مدح کی ، عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے سقیمِ آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبرِ خاتمؐ
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

سید سلیمان ندوی نے بسترِ مرگ پر آخری سانس لیتے ہوئے اپنے استاد سے جو وعدہ کیا تھا ، اسے انتہا درجے کے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا ۔ مولانا شبلی اپنی امانت جس حالت میں چھوڑ گئے تھے ، سید سلیمان نے اس میں خیانت نہیں کی ۔ ہاں اگر کہیں حواشی یا حوالے چھوٹ گئے تھے تو وہ انہوں نے ڈھونڈ کر لکھے ، لیکن اس کی کامل احتیاط کی کہ جامع (سید سلیمان ندوی) کا کوئی حرف مصنف (شبلی نعمانی) کی عبارت میں نہ ملنے پائے ۔ جہاں کہیں اضافے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ، وہاں قوسین کے ذریعے واضح کر دیا کہ کون سی تحریر استاد کی ہے اور کون سی شاگرد کی ۔ یہ اضافے "سیرت النبیؐ" کی پہلی جلد میں کم ہیں اور دوسری جلد میں زیادہ ، اس لیے بقول شیخ محمد اکرام "دوسری جلد کو صرف مولانا شبلی کی نہیں بلکہ مولانا اور سید سلیمان کی مشترکہ تصنیف ہی سمجھا جا سکتا ہے"[1] تاہم اس کا اہم حصہ (سوانحی) مولانا شبلی کے اپنے قلم سے ہے ۔

یوں لگتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے سید سلیمان ندوی کو ذہنی طور پر "سیرت النبیؐ" کی تکمیل کے لیے تیار کر رہے تھے ۔ سید صاحب کے نام مولانا کے خطوط سے نہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سیرت کے مختلف اجزاء تحریر کرنے کے لیے ان کی رہنمائی کر رہے تھے بلکہ بعض متنازعہ فیہ مسائل پر غور و فکر کرنے اور صحیح

۱۔ یادگارِ شبلی : شیخ محمد اکرام ، ص ۳۲۸ ۔

نتائج تک پہنچنے کی تربیت بھی کر رہے تھے - مثلاً ۱۸ اپریل ۱۹۱۳ء کو ایک خط میں یہ ہدایت دیتے ہیں :

"تم عرب بائدہ یا عرب کی ان مہذب سلطنتوں کے پیچھے نہ پڑو ، جو یمن ، شام وغیرہ میں قائم تھیں - ان کے متعلق چند صفحات میں اجمالی بحث کافی ہوگی ، تمام کوششیں نجد و حجاز و یثرب کے متعلق معلومات جمع کرنے میں صرف کرنی چاہئیں - تم انہیں مقامات کے متعلق معلومات بہم پہنچاؤ - آبادی، کعبہ اور حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے واقعات میں جس قدر تفصیلات مل سکیں ، محقق ، وہ تلاش کرو"۔

(مکتوب بنام سلیمان ، نمبر ۴۳)

اسی طرح ۱۴ جولائی ۱۹۱۳ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں :

"تم نے کعبہ اور ذبیح کے متعلق کچھ نہیں لکھا - قرآن مجید میں "فبشر بغلام حلیم" جہاں ہے ، اس سے ہر شخص نے حضرت اسحٰقؑ مراد لیا ہے کیونکہ بشارت کا لفظ انہیں کے متعلق دوسرے مواقع میں آیا ہے اور اسی آیت کے بعد یہ آیت ہے : فلما بلغ معہ السعی - اس لیے اس سے بھی حضرت اسحٰق مراد ہو سکتے ہیں - اس کا کیا جواب ہے ؟" -

(مکتوب بنام سید سلیمان ، نمبر ۴۸)

۲ اگست ۱۹۱۳ء کے ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں :

"سیرت کے متعلق جو عام امور ذہن میں آئیں ، یعنی کن کن امور پر زیادہ توجہ کی جائے ، وغیرہ وغیرہ - ان کو وقتاً فوقتاً جب جو بات ذہن میں آئے لکھ بھیجا کرو" - (مکتوب نمبر ۴۹)

۷ اگست ۱۹۱۳ء کے ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں :

"علالت کی وجہ سے دو گھنٹہ سے زیادہ کام نہیں کر سکتا - تمہارے چلے جانے کا افسوس ہے - تم ہوتے تو لائف کے علاوہ کتاب کے اور حصے ساتھ ساتھ ہوتے چلے جاتے - ان حصوں کو تم اچھی طرح لکھ سکتے ہو"۔

(مکتوب نمبر ۵۱)

۲۸ نومبر ۱۹۱۳ء کے خط میں لکھتے ہیں :

"دو چار مہینہ کے لیے سیرت میں تمہاری ضرورت ہے۔ یوں تو ارادہ ہے کہ سیرت کا سلسلہ مستقل قائم کر دیا جائے اور کم سے کم میری زندگی تک تو باقی رہے لیکن بہر حال تم کو زیادہ روکنا نہیں چاہتا"۔
(مکتوب نمبر ۶۱)

۲ دسمبر ۱۹۱۳ء کے ایک خط میں حیدر آباد سے تحریر فرماتے ہیں :

"تمہاری ضرورت اس لیے ہے کہ مبیضہ پر نظر ثانی کرو۔ کوئی بات غلط درج ہو گئی ہو یا فروگذاشت ہو گئی ہو ، ان کو نوٹ کرتے جاؤ۔ بعض امور میں مشورہ کی بھی حاجت ہے"۔ (مکتوب نمبر ۶۲)

۷ دسمبر ۱۹۱۳ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :

"۔۔۔۔ اور (تمہیں) ایک محدود مدت تک (جو ۴ ، ۵ مہینے سے متجاوز نہ ہوگی) سیرت کے کام میں رہنا چاہیے کہ پہلی جلد تیار ہو جائے۔ ضعفِ حافظہ و دماغ کی وجہ سے اپنی نظرِ ثانی پر اطمینان نہیں ، مسائلِ ذیل پر نہایت تحقیق و تدقیق سے نظر ڈالو۔ کعب اشرف یہودی اور ابو رافع کا قتل باذنِ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح بخاری میں منقول ہے ، اس کو کیونکر اخلاق کے موافق تسلیم کیا جائے۔ راویؓ اول جابر بن عبداللہ ہیں۔ کیا وہ اس واقعہ میں شریک تھے ؟ یا شرکا سے سنا تھا ؟ آیت تخییر سے کیا مراد ہے ؟ کیا آنحضرتؐ پر عدل بین الازواج باقی نہیں رہا ؟ حضرت عائشہؓ کی حدیثیں ترجی من تشاء کے متعلق کہاں تک صحیح ہیں ؟"[1]

ان مکتوبات کی روشنی میں شیخ محمد اکرام کا یہ قیاس غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے (شبلی) سیرتِ نبویؐ کے مسودوں کے لیے جن دو مخصوص تلامذہ کو چنا وہ مولوی حمید الدین اور سید سلیمان تھے اور ان دو میں سے وہ اپنی جانشینی کے لیے واضح طور پر مولوی حمید الدین بی۔ اے کو ترجیح دیتے[2]۔ اس سلسلے میں انہوں نے حمید الدین

۱- حیاتِ سلیمان : شاہ معین الدین احمد ندوی ، ص ۵۳ تا ۵۵۔
۲- یادگارِ شبلی : شیخ محمد اکرام ، ص ۴۴۵ ، ۴۴۶۔

فراہی کے حق میں اور سلیمان ندوی کی مخالفت میں جو دلائل دیئے ہیں (یعنی اول الذکر کا عمر اور تجربے میں زیادہ ہونا ، انگریزی اور عربی پر زیادہ عبور ہونا اور شبلی کا فراہی کو سید سلیمان سے زیادہ عزیز رکھنا وغیرہ) واقعات ان کی تائید نہیں کرتے ۔ حقیقت یہ ہے کہ "سیرت النبی ؐ" کی تکمیل کے لیے ابوالکلام آزاد ، حمید الدین فراہی اور سید سلیمان ندوی ، تینوں میں سب سے زیادہ موزوں مؤخرالذکر تھے اور انہیں کے ہاتھوں قدرت نے اس مبارک کام کی تکمیل بھی کرائی ۔

"سیرۃ النبی ؐ" کی پہلی جلد (۶۲۲ صفحات) میں دو مقامات ہیں ۔ پہلا مقدمہ ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے اور فنِ سیرت نگاری کی ضرورت و اہمیت ، ابتداء و ارتقاء ، مشہور تصانیف و مصنفین اور روایت و درایت کے اصولوں پر روشنی ڈالتا ہے ۔ مصنف نے سب سے پہلے واضح کیا ہے کہ سیرت کی علمی اور علمِ کلام کی حیثیت سے کیا اہمیت ہے ؟ پھر قدماً نے سیرتِ نبوی ؐ کے متعلق جو سرمایہ مہیا کیا ہے ، اس کی مختصر تاریخ اور کیفیت درج کی ہے ۔ اس سلسلے میں فنِ سیرت کی ابتداء کا ذکر کرنے کے بعد اس فن کا حدیث ، مغازی اور تاریخ سے تعلق واضح کیا گیا ہے ۔ پھر چند مشہور سیرت نگاروں (عاصم بن عمر قتادہ انصاری ، امام زہری ، موسیٰ بن عقبہ ، محمد بن اسحٰق ، ابنِ ہشام ، واقدی اور ابن سعد) اور مؤرخوں (امام بخاری ، طبری ، ابن اثیر ، ابن خلدون اور ابوالفدا) کا تعارف کرانے کے بعد پہلے قدما کی اور پھر مابعد کی کتبِ سیرت کا ذکر کیا گیا ہے ۔ روایات کی چھان بین کے لیے روایت اور درایت کے محدثانہ اصولوں سے بحث کی گئی ہے جو مصنف کے نزدیک اسلامی فنِ تاریخ کے بنیادی اصول ہیں ۔ اس کے بعد کتبِ احادیث اور کتبِ سیرت کی روایات کے رد و قبول اور پایۂ استناد کی بحث کی ہے ۔ آخر میں یورپین مصنفین اور ان کی کتبِ سیرت پر مختصر تبصرہ اور ان کی غلط بیانیوں کا تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ کوئی یورپین مصنف سیرتِ رسول ؐ پر کتاب لکھ ہی نہیں سکتا ۔ آخری تین صفحات میں اپنی تصنیف کے اصولوں اور اس کے مجموعی پلان کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے ۔

دوسرے مقدمہ (ص ۵۶) میں عرب کی قدیم سیاسی ، معاشرتی ، تہذیبی ، تمدنی اور مذہبی تاریخ ہے جس میں عرب کی وجہ تسمیہ ، اس

کا جغرافیہ ، قدیم تاریخ کے ماخذ ، اقوام و قبائل ، حکومتوں ، مذاہب اور رہن سہن کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں - اس مقدمہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر اور حضرت اسمٰعیل[ع] کے ذبیح ہونے کا تذکرہ بھی ہے -

ڈاکٹر سید شاہ علی کی رائے میں پہلے مقدمہ کی سارے اسلامی ادب میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے[1]- شاہ معین الدین احمد ندوی کے نزدیک یہ مقدمہ اپنے معلومات و مباحث کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے[2] - ڈاکٹر سید عبداللہ اسے عالمانہ تنقید کا شاہکار قرار دیتے ہیں[3] اور شیخ محمد اکرام کے خیال میں اس مقدمے کی تمام بحث عالمانہ ، مدلل اور بڑے غور و فکر پر مبنی ہے[4] - مقدمۂ ثانی بھی سیرت کی تمہید کے طور پر بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں نہ صرف ملکِ عرب کے جغرافیہ و تاریخ پر بلکہ مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ کی قدامت پر مشرق اور مغربی ماخذوں کی مدد سے بھرپور بحث کی گئی ہے -

ان دو مقدمات کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے - سب سے پہلے آنحضرت[ص] کے سلسلۂ نسب کا تذکرہ ہے - پھر قریش میں سے آپ[ص] کے آبا و اجداد (بالخصوص قصی ، ہاشم ، عبدالمطلب اور عبداللہ) کا مختصر احوال ہے - یہیں سر ولیم میور کے اس اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ آنحضرت[ص] ، حضرت اسمٰعیل[ع] کے خاندان سے نہ تھے - اس کے بعد "ظہورِ قدسی" کے عنوان سے آنحضرت[ص] کی ولادت کا بڑے شاعرانہ الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے - یہ ٹکڑا شبلی کی انشا پردازی کا شاہکار ہے - پھر آپ[ص] کی تاریخِ ولادت ، اسمِ مبارک ، رضاعت ، حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش ، رضاعی والد ، بہن اور بھائی ، والدہ کے ہمراہ مدینہ کا سفر ، والدہ کی

۱- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۰۳ -

۲- معارف ، اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، ص ۱۸۰ (مقالہ : حضرت الاستاد کی دینی و علمی خدمات : شاہ معین الدین احمد ندوی) -

۳- فکر و نظر ، اسلام آباد ، شمارہ اپریل ۱۹۷۶ ، ص ۸۳۰ (مقالہ : فنِ سیرت نگاری پر ایک نظر ، ڈاکٹر سید عبداللہ) -

۴- یادگارِ شبلی : شیخ محمد اکرام ، ص ۲۲۹ -

وفات ، دادا عبدالمطلب کی کفالت ، ان کی وفات پر چچا ابو طالب کی کفالت ، سفر شام، حرب فجار میں شرکت ، حلف الفضول ، تعمیر کعبہ ، شغل تجارت ، تزویج خدیجہؓ ، تجارتی سفر ، مراسم شرک سے اجتناب ، موحدین سے ملاقات اور احباب خاص کا احوال درج ہے ۔ اس کے بعد "آفتاب رسالت کا طلوع" کے عنوان سے آپؐ کی بعثت و نبوت کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ۔ اس باب میں آنحضرتؐ کی خلوت گزینی ، غار حرا میں عبادات ، رویائے صادقہ ، پہلی وحی ، تبلیغ اسلام ، اولین مسلمان ، قریش کو دعوت دین اور ان کی طرف سے مخالفت ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ، تعذیب مسلمین ، ہجرت حبشہ ، نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر ، واقعۂ غرانیق ، شعب ابی طالب میں محصوری ، حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات ، سفر طائف ، مطعم بن عدی سے پناہ طلبی ، تبلیغ کے لیے مختلف قبائل سے ملاقاتیں ،کفار کی ایذا رسانی ، یثرب میں اسلام کی داغ بیل ، بیعت عقبیٰ اولیٰ اور بیعت عقبیٰ ثانی ، بارہ نقیبوں کا تقرر ، ہجرت نبویؐ ، مدینہ میں آمد ، مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر ، اذان کی ابتداء ، سلسلۂ مواخاۃ ، مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ وغیرہ کے تاریخی حالات سلسلہ وار درج ہیں ۔ اس کے بعد تحویل کعبہ کی وجوہات اور غزوۂ بدر کے تفصیلی حالات ، پھر غزوۂ سویق ، غزوۂ احد اور دیگر غزواۃ و سرایا کا احوال درج ہے ۔ اسی دوران یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور ان سے جنگوں کا تفصیلی ذکر ہے (مثلاً غزوۂ بنی قینقاع اور غزوۂ بنی نضیر وغیرہ) اس کے بعد سن وار غزوۂ مریسیع ، واقعۂ افک اور غزوۂ احزاب کا بیان ہے ۔ غزوۂ بنی قریظہ ، آنحضرتؐ سے حضرت زینبؓ کا نکاح ، صلح حدیبیہ ، بیعت رضوان ، مختلف سلاطین کو دعوت اسلام ، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا قبول اسلام ، فتح خیبر، ادائے عمرہ ، غزوۂ موتہ ، فتح مکہ ، غزوۂ حنین ، محاصرۂ طائف ، واقعۂ ایلا ، غزوۂ تبوک اور حج اکبر کا ذکر کرنے کے بعد سلسلۂ غزوات پر دوبارہ نظر ڈالی گئی ہے اور تفصیل کے ساتھ اسلام کے اصول جنگ پر بحث کی گئی ہے ۔ اس جلد میں صحیح واقعات کے اندراج کے ساتھ مغربی اور مشرقی مصنفین کی غلط بیانیوں کی تردید بھی کی گئی ہے ۔

"سیرۃ النبیؐ" کی دوسری جلد (۴۴۰ صفحات) نبوت کی تین سالہ پر امن زندگی کی تاریخ ہے ، یعنی اس میں آنحضرتؐ کی بقیہ تین سالہ زندگی کے واقعات ہیں ۔ ابتداء میں قیامِ امن اور اشاعتِ اسلام کی کوششوں کا تذکرہ ہے ۔ پھر وفودِ عرب کی آمد اور قبولِ اسلام ، مدینہ میں تاسیسِ حکومتِ الٰہی ، مذہبی ، تعلیمی و تبلیغی انتظامات ، شریعت کی تاسیس و تکمیل ، اسلامی عقائد و عبادات و معاملات (نکاح و طلاق ، حدود و تعزیرات ، وراثت ، حلال و حرام وغیرہ) حجۃ الوداع ، خطبۃ الوداع ، وفاتِ نبویؐ ، تجہیز و تکفین ، ترکۂ نبویؐ ۔ شمائل و معمولات (حلیۂ اقدس ، مہرِ نبوت ، گفتگو ، لباس ، غذا ، طریقۂ طعام ، مزاج و طبیعت ، معمولاتِ خواب و بیداری ، عبادات ، معمولاتِ خطبہ و سفر و جہاد و عیادت و ملاقات ، مجالسِ نبویؐ ، خطابتِ نبویؐ ، عباداتِ نبویؐ ، اخلاقِ نبویؐ ، (عزم و استقلال ، حسنِ خلق ، حسنِ معاملہ ، عدل و انصاف ، جود و سخا ، ایثار و بے نفسی ، مہمان نوازی ، گداگری اور سوال سے نفرت ، صدقہ سے پرہیز ، قبولِ تحائف و ہدایا ، عدمِ قبولِ احسان ، عدمِ تشدد ، رہبانیت سے اجتناب ، عیب جوئی اور مداحی کی مذمت ، سادگی و بے تکلفی ، امارت پسندی سے گریز ، مساوات ، شرم و حیا ، اپنے ہاتھ سے کام کرنا ، دوسروں کے کام آنا ، شجاعت ، راست گفتاری، ایفائے عہد ، زہد و قناعت ، عفو و حلم ، دشمنوں سے حسنِ سلوک ، کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ ، غریبوں ، غلاموں ، عورتوں اور بچوں کے ساتھ شفقت و مہر و محبت کا سلوک، حیوانات پر رحم، رقیق القلبی غم خواری ، لطفِ طبع اور اولاد سے محبت وغیرہ) ، ازواج مطہرات (حضرت خدیجہؓ ، حضرت سودہؓ ، حضرت عائشہؓ ، حضرت حفصہؓ ، حضرت زینبؓ ام المساکین ، حضرت ام سلمہؓ ، حضرت زینبؓ بنت جحش ، حضرت جویریہؓ ، حضرت ام حبیبہؓ ، حضرت میمونہؓ اور حضرت صفیہؓ) کے حالات ، شکل و شباہت، اخلاق و عادات، دینی خدمات اور وفات ، اولاد (حضرت قاسمؓ ، حضرت ابراہیمؓ ، حضرت زینبؓ ، حضرت رقیہؓ ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہ الزہراؓ) کے احوال اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسنِ معاشرت و حسنِ سلوک کا زندۂ جاوید نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی کے بقول "ان تمام حالات و واقعات کو خواہ وہ تبلیغِ اسلام سے تعلق رکھتے ہوں یا میدانِ

جنگ سے ، خانگی زندگی سے متعلق ہوں یا پبلک زندگی سے ، پیغمبر کی حیثیت سے ہوں یا عام انسان کی حیثیت سے ، دشمنوں سے متعلق ہوں یا دوستوں سے ، غرض زندگی کے جس شعبہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں ، اس طرح پیش کیا ہے کہ جس سے آپؐ کی پیغمبرانہ صداقت اور اخلاق عظمت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے اور آپؐ کے خلقِ کریم کو دیکھ کر مخالف بھی آپؐ کی عظمت ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے''[1] ۔

اس جلد میں سید سلیمان ندوی نے خاصے اضافے کیے ہیں اور (جلد دوم کے) دیباچے میں ان کا جواز پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ آیا تو مجھے اس میں بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی ، لیکن مصنف کے مسودہ میں اضافہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی ۔ آخرکار مدت کے حیض بیض کے بعد میں نے طے کر لیا کہ ان کو لکھنا ہی چاہیے ۔ چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ میں لکھی تھی ۔ اس کا عنوان ''یادداشتِ اخیر'' تھا ۔ اس یادداشت کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی ، جب میں نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو میں ضروری سمجھتا تھا ، مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت میں ان کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا ، جس کو فرشتۂ غیب نے اُن کے دست و قلم سے میری تسلی کے لیے پہلے ہی لکھوا دیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکمیل کو نہیں پہنچایا تھا ۔ بہت سے عنوانات سادہ تھے ، بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آئندہ اضافہ کے لیے ناتمام بصورتِ بیاض چھوڑ دیا تھا ۔ جامع نے ان کو لکھ کر بطورِ تکملہ کتاب میں شامل کر دیا ۔ بہت سے ضروری حواشی بھی جا بجا بڑھائے گئے ہیں ، چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے ، اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتیں ہلالین کے اندر کر دی گئی ہیں تاکہ مصنف اور جامع کی عبارتیں باہم مختلط نہ

۱- معارف ، اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، ص ۱۸۱ ۔

ہونے پائیں"[1] -

جلد دوم میں سید سلیمان ندوی نے اصل متن میں جو اضافے کیے ہیں ، وہ کتاب میں "قیام ِ امن" ، "تبلیغ و اشاعت ِ اسلام" ، "تاسیس ِ حکومت ِ الٰہی" کے عنوانات کے تحت شامل ہیں - علاوہ ازیں مذہبی انتظامات ، تکمیل ِ شریعت ، عقائد ، عبادات ، معاملات اور حلال و حرام کے مباحث میں بھی سید صاحب نے معتدبہ اضافے کیے ہیں - سال ِ آخر (۱۰ھ) سال ِ وفات ، متروکات اور شمائل ِ نبویؐ وغیرہ میں سید صاحب نے کسی خاص اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن خطابت ِ نبویؐ اور عبادت ِ نبویؐ کے ابواب مکمل طور پر اور معمولات ِ نبویؐ اور مجالس ِ نبویؐ کے ابواب کافی حد تک سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ ہیں - اخلاق ِ نبویؐ کے طویل باب میں استاد و شاگرد ، دونوں کا اشتراک ہے - البتہ آخری تینوں ابواب (آنحضرتؐ کے ازواج و اولاد) میں شاگرد نے کوئی تبدیلی نہیں کی -

"سیرت النبیؐ" کی تیسری جلد (۸۸۸ صفحات) آنحضرتؐ کے منصب ِ نبوت ، حقیقت ِ نبوت اور فضائل و دلائل ِ نبوت پر مشتمل ہے - شاہ معین الدین احمد ندوی کی رائے میں "جہاں تک خاص سیرت ِ نبویؐ کا تعلق ہے ، وہ ان دونوں حصوں (پہلی دو جلدوں) پر ختم ہو جاتی ہے مگر اس سیرت کی تالیف کا مقصد محمد الرسول اللہ کے سوانح کے ساتھ آپؐ کے لائے ہوئے مذہب کو بھی پیش کرنا تھا ، اس لیے باقی حصوں میں اسلامی تعلیمات کی تفصیلات ہیں - ان میں سب سے اہم مسئلہ دلائل و معجزات کا ہے - اگرچہ معجزات اور خوارق ِ عادات تمام مذاہب میں مشترک ہیں مگر عقل پرستوں کی عقل کی سمائی سے سب سے زیادہ وہی باہر ہیں ، اس لیے تیسری جلد خاص دلائل و معجزات پر ہے"[2] - کتاب کی ابتداء میں نفس ِ معجزہ کی حقیقت ، قرآن مجید ، فلسفہ ٔ قدیم و جدید اور علم ِ کلام کی روشنی میں معجزہ کے امکان ِ وقوع پر بڑی سیر حاصل بحث

۱- سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی ، محمد سعید اینڈ سنز ، تاجران ِ کتب کراچی ، جلد دوم ، ص ۲ (دیباچہ از سید سلیمان ندوی) -

۲- معارف : اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، ص ۱۸۱ -

کی گئی ہے ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خود نوامیس ِ فطرت کے لحاظ سے بھی معجزہ کوئی خلاف ِ عقل چیز نہیں ہے - اس جلد کے عنوانات یہ ہیں :
دلائل و معجزات کی حقیقت، دلائل و معجزات اور فلسفہ ٔ قدیمہ و علم ِ کلام، دلائل و معجزات اور فلسفہ ٔ جدیدہ ، امکان ِ معجزات ، شہادت ِ معجزات ، استبعاد ِ معجزات ، یقین ِ معجزات ، غائت ِ معجزات ، آیات و دلائل اور قرآن ِ مجید ، آیات و دلائل ِ نبوی ؐ کی تفصیل، نزول ِ ملائکہ ، عالم ِ رویا، مشاہدات و مسموعات ِ عالم ِ بیداری (اسرا ٔ یا معراج) ، قرآن مجید اور معراج (معراج کے اسرار ، اعلانات ، احکام ، بشارات اور انعامات) ، شق ِ صدر یا شرح صدر ، آیات و دلائل ِ نبوی ؐ قرآن ِ مجید میں ، معجزۂ قرآن ، دیگر آیات و دلائل ِ نبوی ؐ قرآن مجید میں ، آیات و دلائل ِ نبویہ بروایات ِ صحیحہ (علامات ِ نبوت قبل ِ بعثت ، اشیاء پر اثر ، شفائے امراض ، استجابت ِ دعا ، اشیاء میں اضافہ ، پانی جاری ہونا ، اخبار ِ غیب یا پیشین گوئی) ، معجزات ِ نبوی ؐ کے متعلق غیر مستند روایات ، مشہور ِ عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت ، بشارات ، خصائص ِ محمدی ؐ ، خصائص ِ ذاتی اور خصائص ِ نبوی ؐ - پونے نو سو سے زائد صفحات انہیں عنوانات کی شرح و تفصیل ہیں - مصنف کے نزدیک معجزہ اس خارق ِ عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لیے صادر ہو[1] - ظاہر ہے کہ معجزہ ، کائنات کے نظام ِ علت و معلول کے خلاف ہے ، للہذا یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا نظام ِ فطرت اس درجہ ناقابل ِ تنسیخ ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی ؟ اس کا جواب دینے کے لیے مصنف نے مسلمان فلاسفہ (فارابی ، ابن سینا ، ابن مسکویہ) ، معتزلہ اور اشاعرہ کے نتائج ِ فکر درج کیے ہیں ، جو معجزات کے امکان پر منتج ہوتے ہیں - مصنف نے امام رازی ، امام ابن ِ تیمیہ ، مولانا روم اور امام غزالی کے دلائل نقل کر کے معجزات کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے - "دلائل و معجزات اور عقلیات ِ جدیدہ" والا باب مولانا عبدالباری ندوی کا لکھا ہوا ہے اور اس میں معجزہ کے بارے میں عقلائے مغرب کے خیالات پیش کیے گئے ہیں اور جدید تحقیقات کی روشنی میں نتائج نکالے گئے ہیں - اس بارے میں مولانا

۱- سیرة النبی ؐ : سید سلیمان ندوی ، محمد سعید اینڈ سنز ، تاجران ِ کتب ، کراچی ، جلد سوم ، ص ۶۰ -

عبدالباری ندوی نے امکانِ معجزات ، شہادتِ معجزات ، استبعادِ معجزات، یقینِ معجزات اور غائتِ معجزات کے عنوانات قائم کر کے بحث کی ہے - امکانِ معجزات کے ضمن میں ہیوم کی کتاب "فہمِ انسانی" (Human Understanding) کے بابِ معجزات کے دلائل سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے اور جا بجا جان اسٹؤرٹ مل کی "نظامِ منطق" اور پروفیسر ہکسلے کی "ہیوم" (بابِ معجزات) کے حوالے دینے کے بعد ، سائنس کے جدید انکشافات کی مدد سے معجزات کے امکانات پر بحث کی گئی ہے - شہادتِ معجزات اور باقی عنوانات پر بحث کے دوران بھی مشہور مغربی فلسفیوں (ہیوم ، ہکسلے ، مِل ، ولیم جیمز ، شوپن ہار اور ارنسٹ ہیگل) کی کتابوں کے حوالے دے کر معجزات کی حقیقت واضح کی گئی ہے - اگلے باب میں ، قرآنِ مجید میں موجود ان آیات و معجزات کا تذکرہ ہے جو انبیاء کے حالات کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں اور مصنف بتاتا ہے کہ حضرت موسٰی ؑ اور حضرت عیسٰی ؑ کے نسبتاً زیادہ اور حضرت نوح ؑ ، لوط ؑ ، صالح ؑ ، ہود ؑ ، شعیب ؑ ، زکریا ؑ اور یونس ؑ کے نسبتاً کم معجزات کا قرآن میں ذکر آیا ہے - اسی باب میں قرآن مجید اور نبوت کی ظاہری اور باطنی علامات پر بنی بحث کی گئی ہے ، معجزات کی اقسام بھی گنوائی گئی ہیں اور ان کے بارے میں مومنوں اور کافروں کے ردِ عمل سے بھی آگاہ کیا گیا ہے - اس کے بعد آنحضرت ؐ کے معجزات پر گفتگو کی گئی ہے بالخصوص معجزۂ شق القمر اور غزوۂ بدر میں قریش کی ہلاکت کی پیشین گوئی) پھر سحر اور معجزہ میں فرق بتایا گیا ہے اور آخر میں ہدایت کو صداقت کی نشاندہی ٹھہرایا گیا ہے - اگلے باب میں آیات و دلائلِ نبوی ؐ کی بحث ہے - مصنف نے خصائص النبوۃ اور معجزات میں تمیز کی ہے - اس کے نزدیک خصائص النبوۃ وہ فوق البشری واقعات ہیں جو کم و بیش ہر پیغمبر کو ایک ہی طرح پیش آئے اور معجزات وہ محیر العقول واقعات ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالاتِ زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے - اس باب میں مصنف نے خصائص النبوۃ ، آیات و دلائل جن کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے ، صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت شدہ آیات و دلائل ، غیر مستند روایتیں اور ان پر تنقید ، کتبِ سابقہ کی بشارتیں اور خصائصِ مہدی ؑ جیسے ذیلی عنوانات قائم کر کے بھرپور بحث کی ہے - خصائص النبوۃ میں مکالمۂ الٰہی ، نزولِ ملائکہ ،

رویا ، وحی اور اس کی مختلف شکلوں پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور پھر معراجِ نبوی ؐ پر طویل بحث ہے، جس میں قرآن و احادیث، واقعہ معراج، اس کے اسرار ، اعلانات ، احکام ، بشارتوں اور انعامات کا تذکرہ ہے - پھر شقِ صدر یا شرحِ صدر کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے - پھر واضح کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید میں آپ ؐ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے اور بعد ازاں قرآنِ مجید میں موجود آپ ؐ کے دلائل و معجزات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے - قرآن مجید کو آپ ؐ کا سب سے بڑا معجزہ قرار دے کر اس کے حق میں دلائل دیئے گئے ہیں - پھر آپ ؐ کے اُمّی نبی ہونے ، ذاتِ خداوندی کی طرف سے آپ ؐ کی حفاظت کا وعدہ ہونے ، جنوں کے ایمان لانے ، چاند کے دو ٹکڑے ہونے اور روم کے ایران پر غالب آنے کی پیشین گوئیوں کا ذکر ہے - قرآنِ مجید میں موجود دیگر آیات و دلائلِ نبوی ؐ کے ضمن میں طیراً ابابیل کی نشانی ، شہابِ ثاقب کی کثرت ، شرحِ صدر ، مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر ، قریش پر قحط سالی کا عذاب ، ہجرتِ نبوی ؐ کے موقع پر معجزانہ نشانیاں، غزوۂ بدر میں فرشتوں کی آمد اور میدانِ جنگ میں پانی کا برسنا اور دیگر غزوات میں امدادِ الٰہی کی مثالیں دی گئی ہیں - اس کے بعد احادیث کی صحیح روایات میں سے آیات و دلائل نبویہ ؐ تلاش کیے گئے ہیں ، چنانچہ ایک ایک کر کے وہ تمام معجزات درج کیے گئے ہیں ، جو مستند کتبِ احادیث میں درج ہیں - مثلاً ستون کا رونا ، منبر کا ہلنا ، چٹان کا پارہ پارہ ہونا ، پہاڑ کا ہلنا ، اشارے سے بتوں کا گرنا ، درختوں کا چلنا ، بے دودھ کی بکری کا دودھ دینا ، شفائے امراض (آشوبِ چشم کا دور ہونا) ، ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہونا، تلوار کے زخم کا اچھا ہونا، نابینا کا بینا ہونا ، گونگے کا بولنا، بیمار کا تندرست ہونا، استجابتِ دعا (قریش پر عذاب آنے اور دور ہونے کی دعا ، رسوائے قریش کے حق میں بد دعا، حضرتِ عمر رض کے قبولِ اسلام کی دعا ، سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنسنے کی دعا ، مدینہ کی آب و ہوا کی درستی کی دعا ، خشک سالی میں پانی برسنے کی دعا اور صحابہ کرام کے حق میں دعا وغیرہ) اشیاء میں اضافہ (تھوڑے کھانے کا زیادہ ہونا) انگلیوں سے پانی جاری ہونا ، غیبی اطلاعات ، اہلِ کتاب کے سوالوں کے جوابات ، آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں کرنا وغیرہ - اس کے بعد معجزاتِ نبوی ؐ کے متعلق غیر مستند روایات کی نشان دہی کی

گئی ہے ، جو کتب دلائل میں کثرت سے پائی جاتی ہیں ۔ پور وہ بشارات درج کی گئی ہیں جو آنحضرت ؐ کے بارے میں تورات ، انجیل اور دیگر آسمانی صحائف میں موجود ہیں اور ان کی تصدیق کے لیے قرآن مجید کے حوالے دیئے گئے ہیں ۔ آخر میں خصائص محمدیؐ کے عنوان سے آنحضرت ؐ کی وہ تمام خصوصیات گنوائی گئی ہیں جو آپ ؐ کی ذات سے متعلق ہیں ۔ اس جلد میں مندرجہ بالا موضوعات پر اتنی عالمانہ اور جامع بحث کی گئی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا ۔ بعض موضوعات پر ، جو دقیق تھے ، مصنف نے مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولوی عبدالباری ندوی کی مدد بھی لی ہے ۔

"سیرت النبی ؐ" کی چوتھی جلد (۸۰۳ صفحات) میں اسلام کے بنیادی عقائد (نبوت، وحی، ملائکہ ، قیامت، سزا و جزا اور جنت و دوزخ) پر بحث کی گئی ہے ۔ کتاب کی ابتدا میں ایک مقدمہ ہے جس میں نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازمات و خصوصیات کی تشریح ہے ۔ اس کے بعد ایک دیباچہ ہے جس میں آنحضرت ؐ کی ولادت اور ظہور اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاق و روحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے ، بالخصوص آنحضرت ؐ سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی و اخلاق حالت تھی اور اس کی اصلاح میں جو دشواریاں حائل تھی اور بالآخر اسلام نے جو انقلاب برپا کیا ، اس کی شرح و بسط کے ساتھ تفصیل پیش کی گئی ہے[1] ۔

سید سلیمان ندوی نے اس جلد کے دیباچہ میں بتایا ہے کہ مولانا شبلی نے اس جلد کا کام اپنی زندگی میں شروع کیا تھا اور عرب جاہلیت کے مذہبی و اخلاق حالات پر پچیس تیس صفحات بھی لکھ لیے تھے لیکن آن کی بے وقت موت سے یہ کام ادھورا رہ گیا ۔ سید صاحب نے اپنے آستاد کے مسودے میں کثرت سے اضافہ و ترمیم کر کے اسے ایک نیا رنگ عطا کیا ہے ۔

آنحضرت ؐ کی شریعت چار ستونوں پر قائم ہے (۱) عقائد ، (۲) عبادات (۳) اخلاق (۴) معاملات ۔ مصنف کا ارادہ تھا کہ موجودہ جلد میں عقائد

۱۔ سیرۃ النبی ؐ : سید سلیمان ندوی ، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی ، ص ۱۵ ، جلد چہارم (دیباچہ از مصنف) ۔

اور عبادات کی بحث سمیٹ لی جائے اور اگلی جلد میں باقی دو موضوعات پر بحث کی جائے ، لیکن عقائد کا بیان ہی اتنا پھیل گیا کہ باقی تینوں موضوعات کے لیے الگ جلدیں وقف کرنا پڑیں ۔ چوتھی جلد اب صرف اسلام کے بنیادی عقائد کے لیے وقف ہے (یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان ، رسولوں پر ایمان ، فرشتوں پر ایمان ، کتبِ الٰہی پر ایمان ، اور آخرت کی زندگی پر ایمان) ۔ آخرت کی زندگی کے ضمن میں برزخ اور قیامت ، جزا اور سزا ، جنت اور دوزخ ، اور قضا و قدر کی بحث ہے اور آخر میں ایمان کے نتائج کا ذکر ہے ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی کہتے ہیں کہ "ان تمام نازک اور دقیق مسائل کو جن کا محض عقل و مادی حواس کے ذریعہ سمجھنا بہت دشوار ہے ، ایسے حکیمانہ اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا کہ قلب سلیم کی تشفی کے لیے بالکل کافی ہے"۱

"سیرۃ النبی ؐ" کی پانچویں جلد (۵٦۳ صفحات) "عبادات" کے موضوع پر ہے ۔ اس میں سب سے پہلے اعمالِ صالحہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پھر اس کی تین اقسام (عبادات ، اخلاق اور معاملات) میں سے اہم ترین نیک عمل ، عبادت، کی تشریح کی گئی ہے ۔ مصنف نے اسلامی عبادت کا موازنہ دوسری اقوام و ملل اور مذاہب کی عبادات سے کر کے اس کی خصوصیات گنوائی ہیں ۔ پھر جسمانی عبادات میں سے نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج اور جہاد کی فضیلتوں ، حکمتوں اور مصلحتوں کا بیان ہے ۔ نماز اسلامی عبادات میں پہلا رکن ہے اور یہ وہ عبادت ہے جو کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتی ۔ نماز کی حقیقت ، روحانی غرض و غایت اور آداب و شرائط بیان کرنے کے بعد ان حکمتوں کی وضاحت کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دین کے اس ستون میں پوشیدہ رکھی ہیں ۔ مصنف نے بتایا ہے کہ نماز تمام جسمانی احکامِ عبادت کا مجموعہ ہے ۔ پھر نماز کے اخلاقی ، تمدنی اور معاشرتی فوائد دکھائے گئے ہیں ، جن میں ستر پوشی ، طہارت ، صفائی ، پابندیِ وقت ، صبح خیزی ، خوفِ خدا ، ہوشیاری و بیداری ، مرکزی اطاعت اور مساوات وغیرہ سرِفہرست ہیں ۔ اسی طرح دیگر عبادات یعنی زکوٰۃ ، روزہ ، حج اور جہاد کے مباحث ہیں ، جن کی حقیقت ، گذشتہ

۱- معارف ، اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، ص ۱۸۲ ۔

تاریخ ، اہمیت ، آغاز و ارتقاء و تکمیل وغیرہ کے بارے میں بڑی حکیمانہ باتیں بیان ہوئی ہیں ۔ جسمانی عبادات کے بعد قلبی عبادات کی بحث ہے جو مصنف کے نزدیک اول الذکر کی روح کا درجہ رکھتی ہے ۔ قلبی عبادات کا تعلق نفس کی اندرونی کیفیات سے ہے اور ان میں تقویٰ ، اخلاص ، توکل اور صبر و شکر کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے ۔ ان فرائض میں تقویٰ سارے اسلامی احکام کی غرض و غایت ہے جس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے ۔ پھر اخلاص کی باری آتی ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے ۔ اس کے بعد توکل کا درجہ ہے جو مومنوں کی کامیابی کا ایک اہم ہتھیار ہے ۔ پھر صبر ہے جس کے معنی اپنے نفس کو اضطراب سے روکنا اور اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا ہے ۔ بعد ازاں شکر ہے یعنی دل میں قدرشناسی کا جذبہ ، جو اسلام کے نزدیک ایک اعلیٰ صفت ہے ۔ ان سب کی ایسی دلنشیں اور مؤثر تشریح کی گئی ہے کہ اسلامی عبادات ، تطہیرِ قلب اور تزکیۂ نفس کا بہترین وسیلہ بن کر ظاہر ہوتی ہیں ۔ مصنف نے آنحضرت کی ان تعلیمات کا تفصیلاً ذکر کیا ہے ، جو عبادات کے باب میں ہیں اور جن پر عمل کر کے بندہ اپنے آقا سے تعلق جوڑ سکتا ہے ۔

کچھ لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ آخر عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات کا سیرت سے کیا تعلق ہے ؟ سیرت تو صرف حضور کی سوانح حیات پر مشتمل ہونی چاہیے یا آپ کے اخلاق و کردار اور شکل و شمائل کی عکاس ہو ــــ اس اعتراض کے جواب میں سید سلیمان ندوی نے موجودہ جلد کے دیباچہ میں ایک بار پھر اپنا مؤقف واضح کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ "اس سلسلہ کا تعلق صرف مغازی و سیر کے واقعات سے نہیں ، جن کو عام طور پر سیرت کہتے ہیں ، بلکہ اسلام کے پیغام اور اسلام کے پیغام لانے والے دونوں سے یکساں ہے ۔ صاف لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ اس سلسلہ کا مطلب ان دو سوالوں کا جواب ہے کہ اسلام کا پیغمبر کون تھا اور وہ کیا لایا تھا ؟ سیرت کی شروع کی تین جلدیں پہلے سوال کا جواب تھیں اور باقی جلدیں دوسرے سوال کا جواب ہیں"[1] ۔

۱۔ سیرۃ النبی : سید سلیمان ندوی ، محمد سعید اینڈ سنز تاجرانِ کتب کراچی ، جلد پنجم ، ص ۹ ۔

"سیرۃ النبیؐ" کی چھٹی جلد (۸۲۴ صفحات) کا موضوع "اخلاق" ہے یعنی یہ آن اخلاق تعلیمات کی تفصیل و تشریح ہے جو آنحضرتؐ کے ذریعے مسلمانوں کو سکھائی گئیں۔ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ مذہب کے ضروری اور مفید ہونے کے ثبوت میں اخلاق تعلیم کو نظری حیثیت سے جتنی اہمیت حاصل ہے، عملی حیثیت سے عام لوگ اسے اتنا ہی کم درجہ دیتے ہیں، چنانچہ اخلاق کی صحیح اہمیت واضح کرنے کے لیے اس کے ہر پہلو پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ مصنف کے خیال میں ملت کی تعمیر کا اہم جزو اخلاق کی صحیح تربیت ہے۔ حقیقت میں سارا نظامِ کائنات اور سارا شرفِ انسانی اخلاق کے گرد گھومتا ہے، اسی لیے دنیا کے تمام مذاہب نے اخلاق کو نمایاں اہمیت دی ہے۔ اخلاق کا تعلق حقوق العباد سے ہونے کی وجہ سے اس کا درجہ حقوق اللہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسلام اخلاقِ حسنہ کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور وہ اللہ کے فرائض پر انسانوں کے باہمی تعلقات و معاملات کو فوقیت دیتا ہے تاکہ وہ مِل جُل کر رہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی بنیں۔ اسلام کے ارکانِ پنجگانہ کا بھی اخلاق سے گہرا تعلق ہے اور ان کا حقیقی مقصد بنی نوعِ انسان کو فائدہ پہنچانا ہے۔ اس لحاظ سے "سیرت النبیؐ" کی یہ جلد بے حد اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں فلسفۂ اخلاق پر بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ پہلے اسلامی اخلاق کے امتیازی اوصاف گنوائے گئے ہیں، پھر دنیا بھر کے اخلاق معلموں میں آنحضرتؐ کا امتیاز واضح کیا گیا ہے اور اس کے بعد اسلام کے اخلاق نظام کا موازنہ دیگر مذاہب (مثلاً یہودیت اور عیسائیت) کے نظامِ اخلاق سے کر کے ان کی کمزوریوں اور اسلام کی خوبیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اخلاق کی نمایاں خصوصیات، بے غرضی، حُسن نیت، رضائے الٰہی، اعتدال، عدل و احسان، عفو و درگذر اور برائی کے بدلے میں نیکی کرنا وغیرہ بتائی گئی ہیں جن کے بعد تعلیمِ اخلاق کے اسالیب، اخلاق تعلیمات کی اقسام، حقوق و فرائض، فضائلِ اخلاق اور رزائلِ اخلاق کے مباحث ہیں۔ حقوق و فرائض کے ضمن میں اسلام کی طرف سے والدین، اولاد، ازواج، اہلِ قرابت، ہمسایوں، یتیموں، بیواؤں، حاجت مندوں، بیماروں، غلاموں، مہمانوں، عام مسلمانوں حتیٰ کہ جانوروں تک کے حقوق واضح کیے گئے ہیں۔ فضائلِ اخلاق میں صدق، سخاوت، عفت و

پا کبازی ، امانت و دیانت ، شرم و حیا ، رحم ، عدل و انصاف ، احسان ، عفو و درگذر ، ایفائے عہد ، حلم و بردباری ، تواضع و خاکساری ، خوش کلامی ، ایثار ، اعتدال و میانہ روی ، خودداری و عزتِ نفس ، شجاعت و دلیری ، استقامت ، حق گوئی اور استغنا وغیرہ اور رذائلِ اخلاق میں جھوٹ ، وعدہ خلافی ، خیانت ، دغا بازی ، غداری ، چغل خوری ، بہتان طرازی ، غیبت ، بدگوئی ، خوشامد ، بخل ، حرص و طمع ، چوری ، بے ایمانی ، رشوت ، سود خوری ، شراب نوشی ، بغض و کینہ ، ظلم و تشدد ، ریا ، فخر و غرور ، خود بینی و خود نمائی ، فضول خرچی ، حسد اور فحش گوئی شامل ہیں ۔ ان سب پر بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے ۔ آخر میں اسلامی آدابِ معاشرت کا ذکر کیا گیا ہے ، جن میں طہارت کے آداب ، کھانے پینے کے آداب ، مجلس کے آداب ، ملاقات کے آداب ، گفتگو کے آداب ، باہر نکلنے اور چلنے پھرنے کے آداب ، سفر کے آداب ، سونے جاگنے کے آداب ، لباس کے آداب ، خوشی اور غمی کے آداب اور بچے کھچے باقی سب آداب شامل ہیں ۔ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "اسلام دینِ فطرت ہے ، اس لیے اس کے آداب کا بڑا حصہ بھی فطری ہے"[۱]۔ اخلاق و آداب کا یہ سارا سلسلہ اس صداقت کی گواہی دیتا ہے کہ اسلام نے تہذیب و شائستگی کی اعلیٰ اقدار کی پاسداری کی ہے اور ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی سعی کی ہے جو بلند ترین اخلاقی اوصاف کا جیتا جاگتا نمونہ ہو ۔

اس جلد میں کہیں کہیں فقہی مسائل بھی در آئے ہیں مگر چونکہ کتاب کا اصل موضوع احکام کا اخلاقی پہلو تھا ، اس لیے ان کی جزئیات اور تفصیلات میں الجھنے سے گریز کیا گیا ہے ۔ فضائل و رزائل کے آداب کے بعض موضوعات مولانا عبدالسلام ندوی کے لکھے ہوئے ہیں ، جنھیں مصنف نے گھٹا بڑھا کر شاملِ کتاب کر لیا ہے[۲] ۔

"سیرۃ النبی ؐ" کی چھٹی جلد کی اشاعت (۱۹۳۸ء) کے بعد سید سلیمان ندوی نے ساتویں جلد لکھنے کی تیاری شروع کی ، جس کا انھوں نے "معارف"

۱- سیرۃ النبی ؐ : سید سلیمان ندوی ، محمد سعید اینڈ سنز تاجرانِ کتب کراچی ، جلد ششم ، ص ۲۴۸ ۔
۲- ایضاً ، ص ۹ ۔

کے ۱۹۳۰ء کے ایک شمارے میں درج ذیل لفظوں میں اعلان کیا :
"چھٹی جلد کے بعد ساتویں جلد کا مرحلہ ہے اور سب کو معلوم ہے کہ اس جلد کا موضوع "معاملات" ہوگا ۔ معاملات سے مقصود اسلام کے وہ مسائل ہیں جن کی حیثیت قانون کی سی ہے ۔ ان میں سب سے پہلی چیز خود سلطنت اور آدابِ سلطنت ہیں ۔ پھر اسلام کے ہر قسم کے قوانین ، معاشرتی، تمدنی، اجتماعی، اقتصادی، کی تشریح کا کام ہے ۔ یہ ہمارے مباحث کا نیا راستہ ہوگا اور اسی لیے اس کو طے کرنے کی مشکلیں بھی نظر کے سامنے ہیں"[۱]۔ لیکن بدقسمتی سے سید صاحب اس جلد کے دو ابواب سے آگے نہ بڑھ پائے۔ انہوں نے "سیرۃ النبیؐ" کی چوتھی جلد میں واضح کیا تھا کہ اسلام کی شریعت چار ستونوں پر قائم ہے (۱) عقائد (۲) عبادات (۳) اخلاق اور (۴) معاملات ۔ اول الذکر تینوں موضوعات کے لیے انہوں نے الگ الگ جلدیں لکھیں اور معاملات پر بھی پوری جلد لکھنا ان کے عظیم الشان منصوبے کا حصہ تھا ، لیکن "حیاتِ سلیمان" اور "معارف" (سلیمان نمبر) کے اوراق میں کہیں بھی ساتویں جلد کے نامکمل رہنے کی وجوہات نہیں دی گئیں ۔ بس یوں لگتا ہے کہ سید صاحب کی دوسری مصروفیات نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ "معاملات" پر اپنی مجوزہ کتاب کی تکمیل کر سکتے ۔ ابو علی اعظمی بتاتے ہیں کہ "ساتویں جلد کا نامکمل مسودہ سید صاحب اپنے ساتھ دارالہجرت کراچی لے گئے جو اب منظر عام پر آنے کے لیے کارکنانِ دارالمصنفین کی نگاہِ التفات کا منتظر ہے"۔[۲]

یہی نامکمل مسودہ "سیرۃ النبیؐ" جلد ہفتم کے نام سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا اور اس کی اشاعت کا شرف بھی دارالمصنفین کے موجودہ ناظم سید صباح الدین عبدالرحمٰن کو حاصل ہوا جیسا کہ سید ابوالحسن علی ندوی نے اس جلد کے پیش لفظ میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

"عرصہ سے "سیرۃ النبیؐ" کے مے خانے کے میخوار اور سید صاحب (سلیمان ندوی) کی تحریرات و تحقیقات کے عاشق اس بات کے متمنی تھے کہ

۱۔ حیاتِ سلیمان : شاہ معین الدین احمد ندوی ، دارالمصنفین اعظم گڑھ سن اشاعت ندارد ، ص ۴۷۳ ، ۴۷۴ ۔

۲۔ کریسنٹ لاہور ، شبلی نمبر ، شمارہ جنوری ۱۹۷۱ء ، ص ۱۸۸ (مقالہ شبلی اور ابوالکلام از ابو علی اعظمی) ۔

معاملات پر سید صاحب کے قلم سے سیرت جلد ہفتم کے لیے جو متفرق مضامین و مباحث نکلے ہیں اور سنا جاتا ہے کہ وہ ان کے پرانے کاغذات میں موجود ہیں ، وہ اسی حالت میں کسی طرح زیورِ طبع سے آراستہ ہو جاتے تو ان کو پڑھ کر "سیرت النبی ؐ" کی چھ جلدوں کے قارئین و عشاق اپنی پیاس بجھاتے اور اپنے قلب و نظر کو روشن کرتے ۔ خدا کا شکر ہے کہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ناظم دارالمصنفین کو دوسری سعادتوں کے ساتھ اس سعادت کے حصول کا بھی موقع ملا اور انہوں نے ان مضامین کو یکجا کر کے "سیرت النبی ؐ" جلد ہفتم کے نام سے ایک مجموعہ میں جمع کر دیا ۔ یہ حصہ اگرچہ (سابقہ جلدوں کے مقابلے میں) ضخامت میں بہت کم ہے لیکن اس کی قامت کی کوتاہی کو اس کی قیمت کی بڑائی پورا کرتی ہے اور اس چھوٹی سی کتاب میں بہت سے ایسے نکتے ، وسیع مطالعے کا نچوڑ اور فکر و نظر کی پختگی کے نمونے موجود ہیں جو بہت سی ضخیم کتابوں میں نہیں ملیں گے"۔[۱]

اسی "پیش لفظ" میں سید ابوالحسن علی ندوی ، جلد ہفتم کے نامکمل رہ جانے پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

یہ کتاب اگر مکمل ہو جاتی تو نہ صرف سلسلہ "سیرت النبی ؐ" کی تکمیل ہو جاتی بلکہ ان کے (سید سلیمان ندوی) علمی اور ذہنی کمالات ، وسعتِ نظر ، جامعیت ، اعتدال و توازن ، احتیاط و تورع ، شریعتِ اسلامی کی روح و مزاج سے آشنائی ، قدیم و جدید کی واقفیت ، دین کے اولین و مستند ترین مآخذ سے نہ صرف براہِ راست واقفیت بلکہ ان میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت رکھنے اور اس علمی و فکری پختگی کی بناء پر (جو اس درجہ میں ان کے بہت کم معاصرین کو حاصل ہوگی) جو چیز تیار ہوتی اس میں شریعتِ اسلامی اور تعلیماتِ نبوی ؐ کی بہتر سے بہتر نمائندگی اور ترجمانی ہوتی ، افراط و تفریط سے پاک ، تجدد و آزاد خیالی کے ہر شائبہ سے محفوظ اور اسی کے ساتھ جمود و تنگ نظری سے بھی پوری طرح بری ہوتی اور اس میں ان صدہا سوالات کا جواب بھی ہوتا ، جو عصرِ حاضر کے ذہن

۱۔ سیرۃ النبی ؐ : سید سلیمان ندوی، جلد ہفتم ، محمد سعید اینڈ سنز کراچی، ص ۳ ، ۴ (پیش لفظ از سید ابوالحسن علی ندوی) ۔

اور حالات و مسائل کے مطابق کسی جامع کتاب کے نہ ہونے سے تشنۂ جواب رہتے ہیں"[1] ۔

"سیرت النبیؐ" جلد ہفتم (۲۱۳ صفحات) "معاملات" سے متعلق ہے ۔ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "ہماری مراد معاملات سے وہ تمام احکامِ شرعیہ ہیں ، جن کا تعلق ان تمام حقوقِ عباد سے ہے جن کی حیثیت قانون کی ہے ، جن میں معاملات اور مزاجر دونوں داخل ہیں اور جن کا منشا جان و مال و آبرو کی حفاظت ہے ، خواہ وہ اشخاص کی مصلحت سے متعلق ہوں یا خاندان کی ، یا پوری آبادی و مملکت (مدینہ) کی ۔ آبادی و مملکت جن کا قانونی نام مدینہ ہے ، اس کی حفاظت و مصلحت کے قوانین کا نام سیاست ہے لیکن ہمارے قدیم فقہا نے اس کے لیے "سیر" کی اصطلاح قائم کی ہے ، جیسے کتاب السیر امام محمد ۔ اس میں امارت و خلافت اور صلح و جنگ کے مسائل آ جاتے ہیں اور متاخرین نے ان کو احکامِ سلطانیہ کے نام سے لکھا ہے جیسے الاحکام السلطانیہ قاضی ماوردی شافعی المتوفی ۴۵۰ھ اور الاحکام السلطانیہ قاضی ابو یعلی حنبلی المتوفی ۴۵۸ھ ، لیکن ان کتابوں میں ضمناً جزیہ و خراج و زکٰوۃ کی مناسبت سے مالی مسائل بھی زیرِ بحث آ گئے ہیں اور اسی لیے بعض بزرگوں نے ان مباحث کو الگ کر کے ان کا نام کتاب الاموال یا کتاب الخراج رکھا ہے ، جیسے کتاب الاموال ابو عبید بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ اور کتاب الخراج قاضی ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ اور کتاب الخراج یحیٰی بن آدم القرشی المتوفی ۲۰۳ھ ۔ اہلِ سنت کے نزدیک گو امامت اصولِ عقائد میں سے نہیں ہے ، تاہم اس کے ضروری مباحث کتبِ عقائد کے خاتمہ میں ذکر کر دئے جاتے ہیں ، جن میں امامت کے شرائط اور طریقِ انتخاب ، اس کی ضرورت اور حقیقت پر مختصر بحثیں ہوتی ہیں"[2] ۔

دورِ حاضر میں ان مسائل و معاملات کے لیے نئی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں ، چنانچہ سید سلیمان ندوی نے بھی موجودہ جلد میں قدیم اصطلاحات

۱- سیرۃ النبیؐ : سید سلیمان ندوی ، جلد ہفتم ، ص ۲ (پیش لفظ از سید ابوالحسن علی ندوی) ۔
۲- ایضاً ، ص ۳ ۔

میں کمی بیشی اور مباحث میں رد و بدل کر کے انہیں نئے عنوانات کے تحت موضوع بحث بنایا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"اب ہماری نئی اصطلاح میں "معاملات" سے مقصود مسلمانوں کے وہ تمام انسانی کاروبار ہیں جن کا تعلق معاشرت ، مال و دولت اور حکومت کے ضابطوں اور قوانین سے ہے ۔ دوسرے لفظوں میں اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس کتاب میں معاملات کا اطلاق ان تمام اجتماعی کاروبار کے ضابطوں اور قانونوں پر ہوا ہے جن سے دو یا دو سے زائد افراد یا پوری جماعت کے قانونی حقوق کی تشریح ہو اور ان کے ضابطوں اور قانونوں کی تفصیل ہو ۔ ان تمام مسائل کو اگر ہم کسی قدر مسامحت کے ساتھ چند بڑے بڑے عنوانوں کے تحت کرنا چاہیں تو حسب ذیل تین قسمیں ہو سکتی ہیں ۔ معاشریات ، اقتصادیات ، اور سیاسیات ۔ اور ان تینوں کے تحت میں اور بہت سے ضمنی ابواب ہو سکتے ہیں اور انہی تینوں مباحث کے مجموعہ پر معاملات کا اطلاق کیا گیا ہے ۔ معاشریات میں نکاح و طلاق وغیرہ کے قوانین سے بحث ہوگی۔ اقتصادیات میں تمام مالی و تجارتی کاروبار کا بیان آ جائے گا اور سیاسیات میں حکومت و سلطنت اور اس کے متعلقات مذکور ہوں گے"[1] ۔

اگرچہ ان احکام کی اساس قرآن مجید ، کتب احادیث اور کتب فقہ میں موجود ہے ، لیکن ان کو جمع کرنا کافی نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ نئے دور کے مسائل کی تشریح اس رنگ میں کی جائے کہ مذاق حال تسکین پا سکے اور ان مسائل کا حل سابقہ نظائر کو سامنے رکھ کر سوچا جائے ۔ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "ان امور کی تشریح میں ہزار احتیاطوں کے باوجود قلم کے مسافر کو ایسی راہوں سے گزرنا ہوگا جن میں ہر قدم پر لغزش کا خطرہ ہے اور خصوصاً اس لیے کہ سیاسیات و اقتصادیات کے موجودہ متوقع سوالوں کے جوابات اور ان کے متعلقہ اصولی نظریات سے قدما کی کتابیں نصاً اکثر خالی ہیں اور ان کی روشنی کے بغیر راہ کو سلامتی سے طے کر لے جانا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے ۔ مشکلات

۱۔ سیرۃ النبیؐ : سید سلیمان ندوی ، جلد ہفتم ، ص ۴ ، ۵ ۔

کا ایک اور سبب یہ ہے کہ عہدِ نبویؐ کے سیاسیات کے احکام و فرائض کا ماخذ خود ذاتِ نبویؐ علی صاحبہا الصلوٰۃ ہے اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں امامت کے ساتھ نبوت بھی جمع ہے جس سے ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ، ناخن کو گوشت سے علیحدہ کرنا ہے - یہی سبب ہے کہ اس جلد کے لکھنے میں اس ہیچ مدان کو سالہا سال ہچکچاہٹ محسوس ہوتی رہی اور بارہا قدم آگے کو بڑھا بڑھا کر پیچھے ہٹا لینا پڑا"[1] -

"سیرۃ النبی ؐ" جلد ہفتم اگرچہ ایک مختصر کتاب ہے لیکن اس میں تمام اصولی مسائل سمٹ آئے ہیں - سید صاحب نے "معاملات" کی تعریف ، اقسام اور تاریخ بیان کرنے میں بڑی چابکدستی کا ثبوت دیا ہے - انہوں نے "میزان" کی جو جامع تعریف کی ہے ، وہ ان کی قرآن فہمی پر دال ہے اور ان کا یہ کہنا کہ "اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت حکومت اور سلطنت اور دنیا کی سیاست ہے ، یہاں تک کہ کتاب اور نبوت کی دولت کے بعد اسی کا درجہ ہے"[2] ، اُن کے فکری توازن کا پتہ دیتا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین اور سیاست کو الگ الگ تصور نہیں کرتے - اس کتاب میں "اسلام میں حکومت کی حیثیت و اہمیت" ، "عہدِ نبوی میں نظامِ حکومت" ، سلطنت اور دین کا تعلق" ، "اُمتِ مسلمہ کی بعثت" ، "قوتِ عاملہ یا قوتِ آمرہ" اور "حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے" کے عنوانات کے تحت اسلام کے سیاسی نظام کے اصول و مبادی متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ جب تک زمین پر قانون الٰہی یعنی شریعت کو نافذ نہیں کیا جائے گا ، انسانیت کو عدل و انصاف میسر نہیں آئے گا - قرآن نے اسے "میزان" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے - سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "میزان سے مقصود کاٹھ اور لوہے کی ترازو نہیں بلکہ فطرت اور عدل و انصاف اور حق کی میزان ہے جس سے سارا نظامِ کائنات تُل رہا ہے اور سارے انسانی کاروبار اور اعمال تولے جاتے ہیں ، چنانچہ تمام معاملات میں انصاف کا خلاصہ اگر ایک لفظ میں

۱- سیرۃ النبی ؐ : سید سلیمان ندوی ، جلد ہفتم ، ص ۵ ، ۶ -
۲- ایضاً ، ص ۲۳ -

کیا جائے تو یہ ہے کہ عدل کی میزان میں اونچ نیچ نہ آئے''[1] - سید صاحب نے واضح کیا ہے کہ اسلام کے قانون میں جتنے حدود و تعزیرات ہیں ان کا مقصد زمین سے فتنہ و فساد کا دفع ہے اور جس قدر معاملات و معاشرت کے اصول اور مسائل ہیں ، ان کا منتہیٰ بندوں کے درمیان عدل و انصاف اور امن و اطمینان کا قیام ہے اور معاملات میں جتنے قانونی ممنوعات اور منہیات ہیں ، ان سب کا منشا باہمی نزاع اور خدع و فریب کا استیصال ہے[2] -

''سیرت النبی ؐ'' کی تالیف میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ، اگر ان سب کے حوالے جمع کیے جائیں تو بذاتِ خود ایک چھوٹی سی کتاب بن سکتی ہے ، اس لیے کہ مصنفین (شبلی اور سلیمان ندوی) نے امکانی حد تک کوئی اہم کتاب نہیں چھوڑی - اگر پوری کتاب کے مآخذ پر نظر ڈالی جائے تو کتبِ حوالہ کا ایک سمندر آنکھوں کے سامنے ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے - صرف جلد اول (کی چیدہ چیدہ کتابوں) کے گلستان سے پوری بہار کا اندازہ لگائیں : قرآن مجید ، صحاح ستہ ، مؤطا امام مالک ، عمدۃ القاری (علامہ عینی) ، فتح الباری (ابن حجر) ، شرح مسلم (نووی و بحر العلوم) ، مختصر سننِ ابو داؤد (منذری) ، مستدرک حاکم ، مسند طیالسی ، مسند امام احمد بن حنبل ، مسند دارمی، سیرت ابنِ ہشام ، روض الانف (سہیلی)، الشفا (قاضی عیاض) ، مواہب اللدنیہ (قسطلانی) ، شرح مواہب (زرقانی) ، زاد المعاد (ابن قیم) ، کتاب الشمائل (ترمذی) ، سیرت گازرونی ، خصائص الکبریٰ (سیوطی) ، نور النبراس فی شرح سیر سید ابن الناس ، نسیم الریاض ، تاریخِ طبری ، تاریخِ کامل ابنِ اثیر ، تاریخِ یعقوبی ، البدایہ و النہایہ (ابنِ کثیر) ، تاریخِ خمیس ، طبقات ابنِ سعد ، فتوح البلدان اور انساب الاشراف (بلاذری)، اصابہ اور تہذیب التہذیب (ابنِ حجر) ، تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال (ذہبی) . معارف (ابنِ قتیبہ) ، الفہرست (ابن ندیم) ، الملل و النحل (شہرستانی) ، اسد الغابہ (ابنِ اثیر) ، الاستیعاب (ابن عبدالبر) ، منتخب کنز العمال ، رحلۃ ابنِ جبیر ، جامع بیان العلم (ابن

۱- سیرۃ النبی ؐ : سید سلیمان ندوی ، جلد ہفتم ، ص ۹ -

۲- ایضاً ، ص ۱۶ -

عبدالبر) ، موضوعات (ملا علی قاری) ، کتاب التوسل (ابن تیمیہ) ، معالم السنن (محدث خطابی) ، طبقات الامم ، عقد الفرید ، وفا الوفا، اعلام باعلام ، الکلیل (ہمدانی) ، تاریخ مکہ ، (ازرق) ، کتاب المدخل (بیہقی) ، تفسیر بیضاوی (قاضی عبداللہ ابن عمر) ، سیرت محمدؐ (ڈاکٹر اسپرنگر) ، لائف آف محمدؐ (ولیم میور) ، محمدؐ اینڈ محمدنزم (باسورتھ سمتھ) ، اسلام پر چند خیالات (ہنری دی کاستری) ، لائف آف محمدؐ (مارگولیوتھ) ، ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (کارلائل) ، زوال و سقوط سلطنت روما (گبن) ، اپالوجی (گاڈفرے ہگنز) ، تاریخی جغرافیہ عرب (ریورنڈ فارسٹر) ، تمدن عرب (لیبان)، لٹریری ہسٹری آف دی عربس (نکلسن)، معرکۂ علم و سائنس ڈریپر ، گولڈن مائنز آف مدین (برٹن) ، بائیبل ، ڈکشنری آف بائیبل ، ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ اور انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا وغیرہ ۔ ان کتابوں کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ مولانا شبلی (اور ان کے بعد سید سلیمان ندوی) نے "سیرۃ النبیؐ" لکھنے کے لیے کتنی عرق ریزی کی ہے ۔ سینکڑوں کتابوں کی محض ورق گردانی کے لیے بھی ایک عرصہ درکار ہے اور اگر ان سب کو کھنگالنا اور مفید مطلب مواد اخذ کرنا پڑے تو اس کے لیے عمر خضرؑ چاہیئے۔ یہ کام ایک دو افراد کا نہیں بلکہ پورے ادارے کا تھا ، لیکن اس خیال سے کہ نہ جانے کوئی اور شخص اس کام کے لیے آگے بڑھے یا نہ بڑھے ، مولانا شبلی نے خود اس کا بیڑا اٹھا لیا ۔ انہیں اپنے موضوع کی وسعت و ہمہ گیری اور کام کی نزاکت و احتیاط کا بخوبی احساس تھا اور انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ان سے پہلے کسی اور سیرت نگار نے اتنے بڑے پلان کے مطابق کام نہیں کیا تھا ، اسی لیے انہوں نے پوری تیاری کر کے اس مبارک کام کی ابتداء کی ۔ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کو ایک خط میں اپنے سیرتی پلان سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا : "چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے مباحث سیرت میں آ جائیں ، یعنی تمام مہمات مسائل پر ریویو ، قرآن مجید پر پوری نظر ، غرض سیرت نہ ہو بلکہ انسائیکلوپیڈیا اور نام بھی دائرۃ المعارف النبویہ موزوں ہوگا"[1] ۔

۱- مکاتیب شبلی ، حصہ اول ، ص ۲۰۲ ۔

عربی کتابوں کے علاوہ (جن کی حیثیت بنیادی منابع کی تھی) اُن کے سامنے یورپین تصانیف کا دفتر تھا جن میں آنحضرتؐ کی ذات کے بارے میں شرمناک الزامات کا انبار لگا ہوا تھا ۔ یہ کتابیں انگریزی ، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں لکھی گئی تھیں اور شبلی ان میں سے کسی بھی زبان پر قادر نہ تھے ، اس لیے ان کی مشکلات چند در چند تھیں ، مگر وہ اس سے گھبرائے نہیں ۔ انہوں نے مغربی زبان دانوں کی مدد سے اس سارے مواد تک رسائی حاصل کی ، جو ان کی تصنیف کے لیے ضروری تھا ۔ ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ "سیرتِ نبویؐ جو زیرِ تصنیف ہے ، میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے مصنفین نے جو کچھ آنحضرت صلعم کے متعلق لکھا ہے ، اس کی پوری واقفیت حاصل کی جائے ، تاکہ ان کے تائیدی بیان ، حسبِ موقع ، حجتِ الزامی کے طور پر پیش کیے جائیں اور جہاں انہوں نے غلطیاں اور بددیانتیاں کی ہیں ، نہایت زور و قوت کے ساتھ ان کی پردہ دری کی جائے "[1]۔ انہیں یورپین مصنفوں کی تصنیفات ، اپنی حماقتوں کی وجہ سے کشتِ زعفران نظر آتی ہیں ۔ یہ مصنفین سینکڑوں ہوائی قلعے بناتے ہیں[2] اور اسلام کے بارے میں ایسے ایسے خیالات ظاہر کرتے ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا ۔ شبلی سیرت کی کتاب لکھ رہے تھے لیکن مستشرقین کی غلط بیانیوں اور اپنے اربابِ روایت کی نادانیوں کی وجہ سے انہیں مؤرخ سے بڑھ کر منصف بننا پڑا جیسا کہ ایک خط میں کہتے ہیں کہ "مجھ کو تاریخ نہیں بلکہ عدالت کا فیصلہ لکھنا پڑتا ہے"[3] ۔

مولانا شبلی نعمانی نے "سیرۃ النبیؐ" کی تالیف کے وقت چند اصول اپنے پیشِ نظر رکھے جن کی انہوں نے اور ان کے بعد ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے پیروی کی ہے[4] ۔ انہوں نے سیرت کے واقعات کے متعلق

---

۱ ، ۲ ، ۳- مکاتیبِ شبلی حصہ ، اول ، ص ۲۰۱ ، ۲۰۰ ، ۳۱۳ (بالترتیب) ۔

۴- سید سلیمان ندوی اپنے ایک مضمون "میری محسن کتابیں" میں لکھتے ہیں : "سیرتِ نبویؐ کی ہر بحث میں قرآن پاک میری عمارت کی بنیاد ہے اور حدیثِ نبویؐ اس کے نقش و نگار ہیں اور اب یہی دونوں میرا سرمایہ اور یہی میرا زادِ راہ ہیں" ۔ (حیاتِ سلیمان : شاہ معین الدین ندوی ، ص ۶۷۵) ۔

قرآن مجید کے بیانات کو باقی روایات پر مقدم رکھا ہے ، کیونکہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآنِ مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے ۔ قرآنِ مجید کے بعد انہوں نے مستند کتبِ احادیث میں سے سیرت کی روایاتِ صحیحہ تلاش کی ہیں اور ان کے مقابلے میں کتبِ سیر و تاریخ کی روایات کو ثانوی حیثیت دی ہے ۔ ان کے خیال میں جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں ، ان کے مقابلے میں سیرت و تاریخ کی روایات کی کوئی ضرورت نہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ "اربابِ سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتبِ حدیث میں ان موقعوں پر ڈھونڈتے ہیں جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے ان کو درج ہونا چاہیئے اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتوں کو لے لیتے ہیں ، لیکن کتب حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آ جاتے ہیں ، اس لیے اگر عام استقراء اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات میں خود صحاح ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں"[1] ۔ مولانا شبلی کی کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اکثر تفصیلی واقعات حدیث کی ثقہ کتابوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے ہیں جو عام سیرت نگاروں کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے ۔ پھر انہوں نے عام واقعات بیان کرتے وقت ابنِ سعد ، ابنِ ہشام اور طبری کی عمومی روایتیں کافی خیال کی ہیں ، البتہ جن واقعات کی خصوصی اہمیت تھی، ان کے متعلق تنقید و تحقیق سے کام لیا ہے ۔ علاوہ ازیں دیگر سیرت نگاروں سے جو جو فروگذاشتیں ہوئیں ، مولانا نے حتی الامکان ان کی اصلاح اور تلافی کی ہے[2] ۔ اس کے ساتھ ساتھ یورپین سیرت نگاروں کے افکارِ باطلہ کی تردید بھی کی ہے ۔ یہ مصنفین آنحضرتؐ کے نسب ، خاندان ، مذہب ، اخلاق اور کردار کے بارے میں جو جو شبہات پیدا کرتے ہیں ، مولانا شبلی نعمانی نے انہیں صحیح روایات کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کی ہے ۔

۱- سیرت النبیؐ : شبلی نعمانی ، جلد اول ، ص ۱۰۰ ، ۱۰۱ (مقدمہ از مصنف) ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۰۱ ۔

دیگر الزامات کے علاوہ وہ آنحضرتؐ پر کثرتِ ازدواج ، عورتوں سے غیر معمولی رغبت ، مذہب کی جبری اشاعت ، لونڈی ، غلام بنانے کی اجازت اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے دنیا داروں کی سی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی تہمتیں لگاتے ہیں اور آنحضرتؐ کو رسول سے زیادہ بادشاہ بنا کر پیش کرتے ہیں ، جن کا خاصہ لشکر کشی ، قتل ، انتقام اور خون ریزی تھا ۔ مولانا شبلی نے ان سب الزامات کی قلعی کھولی ہے اور ان مستشرقین کو حضورؐ کی سیرت و کردار کا حقیقی روپ دکھایا ہے ۔ مثلاً عورتوں سے رغبت اور کثرتِ ازدواج کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"رسول اللہ نے ۵۳ برس تک خدیجہؓ کے سوا ، جو شادی کے دن ۴۰ برس کی تھیں ، کسی سے شادی نہیں کی ۔ یہ شباب کا نہیں بلکہ انحطاط کا زمانہ ہے ، اس لیے اگر مقصود ہوائے نفس ہوتی تو اس زمانے میں شادیاں کی ہوتیں ۔ جو شادیاں کیں ، اکثر پولیٹیکل تھیں ، یعنی ان کے ذریعے بڑے بڑے عرب قبائل میں اتحاد پیدا ہوا اور ان میں اسلام پھیلا"[1] ۔

اسی طرح سر ولیم میور کے اس اعتراض کا کہ آنحضرتؐ ، حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان میں سے نہ تھے ۔ (ج ۱ ، ص ۱۶۱) یا مارگولیوتھ کی اس کوشش کی کہ آنحضرتؐ کا خاندان مبتذل ثابت کیا جائے (ص ۶۲ ;) اور ان کے دادا عبدالمطلب کو آپؐ کی طرف سے لاپروا ظاہر کیا جائے (ص ۱۷۶) یا ڈریپر کے اس بیان کی کہ بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ میں محمدؐ کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی ۔۔۔۔۔ اور آپؐ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے ۔۔۔۔۔ اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا (ص ۱۷۹) یا مارگولیوتھ کی اس غلط بیانی کی کہ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ دونوں سونے سے پہلے ایک بُت کی پرستش کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا (ص ۱۹۲) اور آپؐ نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی (ص ۱۹۳) یا اس کے اس جھوٹ کی کہ محمدؐ نے چاہا کہ بادشاہِ حبش سے سازش کر کے اس

۱۔ سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی ، جلد اول ، ص ۱۰۱ ۔

کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں تا کہ قریش کا زور ٹوٹ جائے ، اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا ، لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو خود مکہ پر قابض ہو جائے گا ، مجھ کو کیا ہاتھ آئے گا ؟ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے (ص ۲۳۹) یا اس کے اس احمقانہ قیاس کی کہ سعد بن معاذ کو چونکہ غزوۂ بنو قریظہ میں ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا جس سے وہ بالآخر ہلاک ہو گئے اس لیے انہوں نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بے رحمانہ فیصلہ کیا (ص ۴۳۵) یا اس کی اس عجیب و غریب رائے کی کہ حکومتِ اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل ، جن کو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی ، نہایت خائف تھے (ص ۵۳۱) یا اس کے اس الزام کی کہ غزوۂ حنین میں انصار چونکہ مالِ غنیمت سے محروم رہے تھے ، اس لیے غزوۂ تبوک کے موقع پر وہ بے دل ہو گئے تھے کہ ہم کیا لڑیں جب کہ فوائدِ جنگ دوسروں کو حاصل ہوں گے (ص ۵۶۳) مولانا شبلی نے مستند حوالے دے کر تردید کی ہے ۔

"حیاتِ سلیمان" میں واقدی کی ایک واقعاتی فروگذاشت ، ولہاؤزن کے غلط ترجمے اور مارگولیوتھ کی اس پر حاشیہ آرائی کی ایک دلچسپ مثال دی گئی ہے ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں :

"قدیم اصحابِ سیر و مغازی اور ان کی تصانیف میں محمد بن عمر الواقدی اور اس کی "کتاب المغازی" کو بڑی شہرت حاصل ہے مگر وہ جس قدر مشہور ہے اسی قدر غیر معتبر اور رطب و یابس کا مجموعہ ہے ، اس لیے مستشرقین اپنے مخصوص اغراض کے پیش نظر اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اسلام سے متعلق اپنی تصانیف میں فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ ۱۹۲۵ء میں ایک انگریز نے مانچسٹر گارجین (لندن) میں ایک مضمون لکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض گستاخانہ باتیں تحریر کیں ۔ اس میں یہ بھی تھا کہ نعوذ باللہ آپ بزدل اور ڈرپوک تھے ، چنانچہ جنگِ بدر میں خون بہتے دیکھ کر آپ کو غش آ گیا ۔

خواجہ کمال الدین نے جو ووکنگ میں تھے ، مضمون نگار سے اس واقعہ کا ماخذ پوچھا تو اس نے مارگولیوتھ کی کتاب "محمد اور ترقی اسلام"

کا حوالہ دیا ۔ آن سے پوچھا گیا تو انہوں نے واقدی کی "کتاب المغازی" کے جرمن ترجمہ ولہاؤسن کا حوالہ دیا ۔ اس پر واقدی کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کی بحث چھڑ گئی ۔ خواجہ صاحب نے حضرت سید سلیمان ندوی صاحب کی طرف رجوع کیا ۔ انہوں نے واقدی پر جنوری ۱۹۲۶ کے "معارف" میں ایک مستقل مضمون لکھا جس میں دکھایا کہ واقدی کو گو کچھ علماء و محدثین معتبر سمجھتے ہیں لیکن قدیم آئمہ اور اصحاب فن نے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور "کتاب المغازی" میں سرے سے یہ واقعہ ہے ہی نہیں ۔ وہ کچھ تو ولہاؤسن کی عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور کچھ مارگولیوتھ کی حاشیہ آرائی ہے ۔ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ غزوۂ بدر میں جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قیام گاہ پر نیند آ گئی اور آپؐ کو خواب میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کی شکست دکھائی گئی ۔ واقدی کی یہ غلطی ہے کہ اس نے اس واقعہ کو جنگ سے پیشتر کے بجائے عین حالت جنگ میں لکھا ہے ۔ اس روایت میں واقدی کے الفاظ یہ ہیں "فاضطجع فغشیة نوم غلبہ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور آپؐ پر نیند طاری ہو گئی ۔ ولہاؤسن نے "غشیہ نوم" کا ترجمہ "نیند طاری ہونے" کے بجائے "غشی آ گئی" کر دیا اور اس پر مارگولیوتھ نے حاشیہ آرائی کر کے اور زیادہ بدنما بنا دیا"[۱] ۔

اس طرح کی خرافات اور غلط بیانیوں کے باوجود اگر کسی یورپین مؤرخ یا سیرت نگار نے کوئی بات صحیح لکھی ہے تو شبلی اور سلیمان ندوی نے اس کی تائید بھی کی ہے اور اگر کوئی قرین قیاس واقعہ بیان کیا ہے تو اسے نقل بھی کیا ہے ۔ مثلاً "سیرت النبیؐ" (جلد اول) میں بعثت سے پہلے غار حرا میں آنحضرتؐ کی خلوت گزینی ، غور و فکر اور عبادت و ریاضت کے بارے میں انہوں نے کارلائل کی "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" کا یہ اقتباس درج کیا ہے ، جو تمام تر قیاس پر مبنی ہونے کے باوجود حقیقت سے بعید نہیں ہے :

"سفر و حضر میں ہر جگہ محمدؐ کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے

۱۔ حیات سلیمان : شاہ معین الدین احمد ندوی ، ص ۳۱۳ ، ۳۱۴ ۔

تھے - میں کیا ہوں ؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے ؟ نبوت کیا شے ہے ؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں ؟ کیا کوہِ حرا کی چٹانیں ، کوہِ طور کی سر بفلک چوٹیاں ، کھنڈر اور میدان ، کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا ؟ نہیں ، ہرگز نہیں ، بلکہ گنبدِ گردوں ، گردشِ لیل و نہار ، چمکتے ہوئے ستارے ، برستے ہوئے بادل ، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا[1]" -

اسی طرح مارگولیوتھ کی کتاب "لائف آف محمدؐ" سے شبلی نے ایک اقتباس نقل کرتے وقت لکھا ہے کہ "ایک یورپین مؤرخ جس کے قلم نے پیغمبرِ اسلام کی مدح کے لیے بہت کم جنبش کی ہے (مارگولیوس) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے : "محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا - آپؐ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا ، بنیاد ڈال چکے تھے - آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا - آپؐ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا[2]" -

شبلی نے جہاں مستشرقین کی غلط کاریوں پر گرفت کی ہے ، وہاں عربی سیرت نگاروں ، مؤرخوں اور اربابِ روایت کے غلط ، مشکوک یا بے بنیاد بیانات کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے - واقعہٴ غرانیق اور حضرت زینبؓ سے آنحضرتؐ کے نکاح کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے بڑے تاسف کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اربابِ روایات کے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے یورپین سیرت نگاروں کو شہ ملی کہ وہ آنحضرتؐ کو بدنام کریں - مثلاً واقعہٴ غرانیق کی روایات درج کرنے کے بعد شبلی نے اس قصہ کو سرے سے بے ہودہ اور ناقابلِ ذکر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی ، قاضی عیاض ، علامہ عینی ، حافظ منذری ، علامہ نووی نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے ،

۱- سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی ، جلد اول ، ص ۲۰۱ ، ۲۰۲ -
۲- ایضاً ، جلد دوم ، ص ۹ -

لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے ۔ ان میں طبری ، ابن ابی حاتم ، ابن المنذر ، ابن مردویہ ، ابن اسحٰق ، موسٰی بن عقبہ ۔ ابو معشر عام شہرت رکھتے ہیں ۔ اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمالِ فنِ حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے ، اس روایت کی صحت پر اصرار ہے"[۱] ۔ اسی طرح حضرت زینبؓ کے آنحضرتؐ سے نکاح کے جو اسباب مستشرقین نے مزے لے لے کر درج کیے ہیں ، ان کے لیے بنیادی مواد بھی ہمارے مؤلفینِ کتبِ حدیث و سیر نے فراہم کیا ہے ، حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت زینبؓ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں جن کا نکاح پہلے آنحضرتؐ نے خود حضرت زید بن حارثہؓ سے کرایا تھا لیکن طبائع کے اختلاف کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی تو حکمِ خداوندی پر آنحضرتؐ نے خود ان سے نکاح کر لیا ۔ اس سیدھے سادے واقعہ پر بعض محدثین نے جو حاشیے چڑھائے ہیں ، شبلی نے دل پر جبر کر کے انہیں نقل کیا ہے اور پھر ان روایات کا پول کھولا ہے جن کے مطابق آنحضرتؐ (نعوذ باللہ) حضرت زینبؓ کو لباس تبدیل کرتے ہوئے دیکھ کر فریفتہ ہو گئے تھے ۔ شبلی کا خیال ہے کہ اس قسم کے واقعات کو آنحضرتؐ سے منسوب کر کے محدثین نے خلفائے بنو عباس کے لیے عیاشی کا جواز فراہم کیا تھا ۔ بہرحال اس قسم کے بیانات پر گرفت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شبلی نے تمام کتبِ احادیث و سیر و تاریخ کو یک قلم مسترد کر دیا ہے یا مستشرقین کی کتبِ سیرت کے اچھے پہلوؤں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ "سیرت النبیؐ" میں علامہ شبلی نے نہ صرف دوسرے مسلمان سیرت نگاروں کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے بلکہ باوجودیکہ ان کی کتاب کا ایک بڑا مقصد مغربی معاندین کے خیالات کا رد تھا ، انہوں نے (سر سید کی طرح) جدید مغربی کتابوں کی مفیدِ طلب معلومات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے ۔ مثلاً عرب قبل از اسلام کا جو طویل باب ہے ، اس میں یورپین سیاحوں اور جغرافیہ دانوں کے بیانات اور انسائیکلوپیڈیا جیسی کتابوں کے اقتباسات دے کر نفسِ مضمون واضح کیا ہے ۔ کتاب میں اور بھی کہیں کہیں (خواہ وضاحت کی صورت میں یا

۱۔ سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی ، جلد دوم ، ص ۲۴۱ ۔

مدافعت کے طور پر) یہ تاثر جھلکتا ہے ۔ غرضیکہ مولانا نے یہ کتاب لکھتے وقت قدیم اور جدید تمام مواد کو پیش نظر رکھا ہے"[1] ۔

بنیادی طور پر شبلی نے "سیرۃ النبی ؐ" میں (قرآن اور احادیث صحیحہ کے علاوہ) سیرت ابن ہشام ، طبقات ابن سعد ، تاریخ طبری اور تاریخ الکامل ابن اثیر سے زیادہ استفادہ کیا ہے اور واقدی کو اس کی قصہ سازی کی عادت کی وجہ سے ناقابل اعتبار سمجھا ہے ، حالانکہ وہ یورپین سیرت نگاروں کا (اس صفت کی وجہ سے) پسندیدہ ماخذ ہے ۔ شبلی غالباً اپنے ہم وطن معاصرین کے نتائج فکر سے بھی مطمئن نہ تھے یا وہ ان کی کتابوں کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے ، اسی لیے سر سید کی "خطبات احمدیہ" اور سید امیر علی کی "سپرٹ آف اسلام" (جس کا اردو ترجمہ "تنقید الکلام فی اصول شارع الاسلام" ۱۸۸۵ء میں شائع ہو گیا تھا اور جو ان کی نظر سے یقیناً گذرا ہوگا) کا کوئی حوالہ انہوں نے "سیرت النبی ؐ" میں نہیں دیا ، حالانکہ یہ کتاب کئی پہلوؤں سے اپنی پیش رو ان دو کتابوں سے مماثل ہے ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ "سیرۃالنبی ؐ" بنیادی طور پر ایک عاشق رسول ؐ کا والہانہ اظہار عقیدت ہے ۔ اس میں عشق و محبت کا وہی رنگ ہے جو "خطبات احمدیہ" میں نظر آتا ہے"[2] اور محمد مقتدا خان شروانی ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ "سیرۃ النبی ؐ" کا تخیل مولانا کو سر سید کے "خطبات احمدیہ" سے ہوا"[3] ۔ یہ بات چاہے صحیح نہ ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپین سیرت نگاروں کے الزامی حملوں کے جوابات اور اسلام اور بانی اسلام ؐ سے عشق کے معاملہ میں سر سید ، امیر علی اور شبلی تینوں ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں ۔ ان کے ہاں جذبات و احساسات کے اشتراک کے ساتھ ساتھ ایک حد تک فکر و نظر کی ہم آہنگی بھی ہے ، اس لیے

۱۔ یادگار شبلی : شیخ محمد اکرام ، ص ۲۲۵ ۔

۲۔ سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۱۳۹ ۔

۳۔ مقالات یوم شبلی : مرتبہ خان عبید اللہ خان ، ص ۹۱ (مقالہ : علی گڑھ میں شبلی کا قیام : محمد مقتدا خان شروانی) ۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کی یہ رائے تقریباً درست ہے کہ "سیرۃ النبیؐ" میں انیسویں اور بیسویں صدی کے مخصوص علمی نظریات اور افکار کا خاص اثر نمایاں ہے ۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کے بعض رجحانات بھی (جو سر سید کے زیر اثر اور ان کے زمانے میں کسی حد تک مسلّم اور مقبول تھے) کتاب پر چھائے ہوئے ہیں ۔ اسلامی لڑائیوں کا ، خصوصاً آنحضرتؐ کے غزوات کا مدافعانہ ہونا ، یہ عقیدہ اس دور میں نہایت راسخ اور محکم تھا ـــــ شبلی نے اسی کو اصول و اساس بنا کر یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ پیغمبر تھے ، سپہ سالار نہ تھے اور یہ بھی کہ آپؐ نے جنگ کو جو بظاہر ظالمانہ کام ہے اس قدر پاک اور منزّہ کر دیا کہ وہ افضل عبادات بن گئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کا مقصد ملک گیری نہ ہو بلکہ انسانی ہمدردی اور مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت اس کی غایت اصلی ہو"[1] ـــــ ہاں اس رائے سے صرف اتنا اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ غزوات کو ایک حد تک دفاعی ثابت کرنے کے باوجود شبلی نے آنحضرتؐ کی ذات کو جس حیثیت سے پیش کیا ہے ، وہی آپؐ کی شان نبوت اور حقیقی شخصیت کی عکاس ہے ۔ آنحضرتؐ واقعی جنگیں لڑنے اور ملک فتح کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے ، بلکہ آپؐ کی دنیا میں آمد کا مقصد انسانوں کو صراط مستقیم پر چلانا تھا ، تاہم جن لوگوں نے اس رستے میں رکاوٹیں ڈالیں، اُن سے جنگیں بھی لڑنا پڑیں ، لیکن بنیادی طور پر حضورؐ امن و آشتی کے پیغامبر تھے اور یہی شبلی نے ثابت کیا ہے ۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے "سیرۃ النبیؐ" کے بارے میں ایک اور اہم سوال اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ آیا یہ کتاب محض ایک عاشق رسول امتی کے جذبات عقیدت کا مظاہرہ ہے یا ایک غیر جانبدار صاحب فن کے محققانہ نتائج جستجو کا مجموعہ بھی ہے ؟ ـــــ اور پھر خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ اس کتاب میں شبلی کی حیثیت محض ایک عام امتی کی نہیں بلکہ عاشق رسول امتی کی ہے ۔ تاہم شبلی اُن اعتراضات سے بے خبر نہ تھے

۱۔ سر سید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۱۳۰ ، ۱۳۱ ۔

جو غیر مسلموں کی طرف سے آنحضرتؐ پر ہوتے رہتے تھے ـــــ اس لیے انہوں نے ان تمام بحثوں کو چھیڑا ہے جن میں آنحضرتؐ کی بشریت کے مدِّ نظر غیر مسلم مؤرخوں نے آپؐ پر طعن کیا ہے ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے نزدیک شبلی سیرۃ نگاری میں اپنے قدیم پیش روؤں سے اس لحاظ سے بھی مختلف ہیں کہ (پچھلے سیرت نگاروں کے برعکس ، جو نبوت اور الوہیت کو باہم خلط ملط کر دیتے ہیں) انہوں نے آنحضرتؐ کو آن کی جامعیتِ کبریٰ کے باوجود انسان اور بشر ہی تصور کیا ہے اور اسی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ شبلی نے آپؐ کو "بشر نبی" اور ایک "عقل مند" نبی تصور کیا ہے ، لیکن اس تخصیص کے ساتھ کہ آپؐ کی ذات ، روحانیتِ کامل اور پاکیزگی کا ارفع و کامل نمونہ تھی ۔ ڈاکٹر صاحب نے بشریت اور معقولیت کے اس رجحان کو بھی (شبلی سمیت) دبستانِ سر سید کا مشترک رجحان قرار دیا ہے[1] ۔

شبلی نے "سیرۃ النبیؐ" کی دونوں جلدوں میں آنحضرتؐ کی انسانی صفات اور بشری خصوصیات اتنی تفصیل سے پیش کی ہیں (خصوصاً جلد دوم میں) کہ اس کتاب کو اردو کے سوانحی ادب کی مکمل اور مفصل کتاب قرار دیا جا سکتا ہے ۔ اس میں آپؐ کی نج کی زندگی ، خلوت و جلوت کی جزئیات ، عادات و خصائل ، شکل و شمائل ، سیرت و کردار ، غرضیکہ ایک ایک بات کی اتنی تفصیلات موجود ہیں کہ اس سے زیادہ کسی انسان کے بارے میں شاید ہی مہیا ہو سکیں ۔ آنحضرتؐ کے قریبی رفقاء ، اعزا و اقارب ، ازواج اور اولاد کی زندگیاں تاریخ کے اُجالے میں اتنی واضح اور روشن ہیں کہ ان کے درمیان رسولِؐ خدا ، چلتے پھرتے ، کھاتے پیتے ، ہنستے بولتے ، گوشت پوست کے ایک زندہ انسان نظر آتے ہیں ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ "جہاں تک ازواجِ رسولؐ کا تعلق ہے ، ان کی بشری کمزوریوں (نعوذ باللہ) کو تو مطلقاً چھپانے کی کوشش نہیں کی ـــــ ان کی بھی صحیح اور مکمل تصویریں اس مرقعے میں موجود ہیں"[2] ۔

۱- سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء : ڈاکٹر سید عبداللہ ، ص ۱۴۰ ۔

۲- ایضاً ۔

شبلی کے نزدیک "سیرۃ النبی ؐ" کی تالیف کی غرض و غائت یہ ہے کہ اس سے نفوسِ انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے اور اس کا سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ فضائلِ اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آ جائے جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو - اس لحاظ سے آنحضرت ؐ کی ذاتِ پاک یقیناً تمام فضائلِ اخلاق کا مجموعہ ہے اور آپ ؐ کی ہستی کو جامعیتِ کبریٰ کا درجہ حاصل ہے جبکہ حضرت مسیح ؑ ، حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت نوح ؑ، فضائلِ اخلاق کی کسی صنف کے نمونے تھے - اسی لیے آنحضرت ؐ کی سیرت تمام ضروریاتِ دینی و دنیوی میں اور تمام تمدنی ، انفرادی اور اجتماعی مسائل میں ذریعۂ تربیت بن سکتی ہے - چنانچہ شبلی کہتے ہیں کہ "صرف ہم مسلمانوں کو نہیں ، بلکہ تمام عالم کو اس وجودِ مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے جس کا نامِ مبارک محمد رسول اللہ ہے - یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں بلکہ ایک علمی ضرورت ہے ، ایک اخلاقی ضرورت ہے ، ایک تمدنی ضرورت ہے اور مختصر یہ کہ مجموعۂ ضروریاتِ دینی و دنیوی ہے"[1] - شبلی کے خیال میں سوائے محمد ؐ عربی کے دنیا میں کوئی اور شخص نہیں گذرا ، جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلم بند ہوا ہو کہ ایک طرف صحت کے اعتبار سے کسی صحیفۂ آسمانی کا بھی نہ ہو سکا ہو اور دوسری طرف وسعت و تفصیل کا یہ عالم کہ اس کے اقوال و افعال ، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار ، مذاقِ طبیعت ، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی، طریقِ معاشرت، کھانے پینے ، چلنے پھرنے ، اٹھنے بیٹھنے ، سونے جاگنے ، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی ہو[2] - شبلی کو اگلے زمانے کے لوگوں کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے ہے بلکہ ان کا جدید تقاضوں کے پیشِ نظر یہ خیال ہے کہ اقرارِ نبوت کے جزوِ مذہب ہونے کی وجہ سے حاملِ وحی اور سفیرِ الٰہی کے حالات ، اخلاق اور عادات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے[3] - ڈاکٹر سید شاہ علی کو سیرت کی اس غرض و غائت پر

۱- سیرۃ النبی ؐ : شبلی نعمانی ، جلد اول ، ص ۶ -
۲ ، ۳- ایضاً ، ص ۵ ، ۷ (بالترتیب) -

اعتراض ہے - ان کے خیال میں باوجود سر سید کے اثر کے اور مشنریوں کے غلط فہمی پر مبنی اعتراضات کے مدِ نظر ہونے کے ، شبلی اپنے مذہبی جذبے پر پوری طرح قابو نہیں پا سکےاور عشقِ رسولؐ کے زیرِ اثر مذہبی اور اخلاق سرگرمی کا شکار ہوگئے[1] - ڈاکٹر صاحب موصوف کو سوانح میں مذہبی عنصر کی شمولیت پر بھی اعتراض ہے - یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ شبلی یورپین مؤرخین کی غلط بیانی اور مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کی یہ غلط فہمی رفع کرنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر صرف ایک مصلح ہے اور نیک اخلاق اس کا لازمہ ہیں ـــــ وہ سوانح عمری میں مذہبی اور اخلاق جذبے کا اظہار ناپسند کرتے ہیں ۔ حالانکہ جو مصنف کسی ایسے شخص کی سوانح عمری لکھ رہا ہو جو نہ صرف اس کا اپنا محبوبِ نظر ہو بلکہ کروڑوں انسانوں کی عقیدت کا مرکز ہو ، اس کے حالات رقم کرتے وقت جوش و جذبہ کا مظاہرہ ہونا کوئی خلافِ حقیقت بات نہیں ہے - پھر صاحبِ سوانح اگر مذہبی شخصیت ہو تو اس کی سوانح سے مذہب کیسے خارج کیا جا سکے گا ؟ دیکھنا صرف یہ ہے کہ عقیدت کے غلو میں کہیں سوانح نگار، مذہبی اور اخلاق جذبے سے مغلوب تو نہیں ہوگیا ؟ "سیرۃالنبیؐ" پڑھنے والا ہر شخص گواہی دے گا کہ ایسا نہیں ہوا - شبلی تو شبلی ، خود ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے بھی استاد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ضبط و توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا - لب و لہجہ میں جوش اور زبان و بیان میں شاعرانہ دلآویزی کے باوجود انہوں نے حقیقت بیانی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا - مثلاً "سیرت النبیؐ" (جلد دوم) کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو ، جو باب "تاسیسِ حکومتِ الٰہی" سے لیا گیا ہے اور سید سلیمان ندوی کا اضافہ ہے : "یورپ کی نا آشنا نگہ میں اگرچہ آپؐ کی زندگی کا یہ دور (آخری تین سال) جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز مظہر تھا ، لیکن آشنایانِ حقیقت کو شہنشاہِ عربؐ پھٹے پرانے کپڑوں میں مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے - وہ تاج و تخت سے بے نیاز ، قصر و ایوان سے مستغنی ، حاجب و دربان سے بے پروا ، مال و زر سے خالی ، خدم و حشم کے بغیر،

۱- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۰۰ -

دلوں پر حکومت کر رہا تھا ۔ نہ اس کی حکومت میں پولیس تھی ، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر ، نہ کثیر التعداد اربابِ مناصب ، نہ وزرائے مشورہ ، نہ امرائے سیاست ، نہ الگ حکام و قضاۃ ۔ وہ ایک ہی ذات تھی، جو ہر فرض و خدمت کی خود ذمہ دار تھی ، لیکن بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کے برابر بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا ۔ اس کے عدل و انصاف کے آگے فاطمہؓ جگر گوشۂ نبوت اور عام مجرم برابر تھے"[۱] ۔

اخلاق نقطۂ نظر کے غلبہ کے علاوہ ڈاکٹر سید شاہ علی نے طوالت و اختصار کا مسئلہ بھی اُٹھایا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ "سوا مذہبی جذبے کے ، جو پیغمبرِ اسلامؐ کے حالات اور دلائل و معجزات کے ساتھ ساتھ ان کی ساری اسلامی عبادات ، عقائد وغیرہ کے احاطے کا متقاضی ہے ، کوئی اصولِ سوانح نگاری ان متعدد ضخیم جلدوں کا مجاز نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ عظیم سے عظیم تر حیات کا بیان بھی ایک مختصر چوکھٹے میں آ سکتا ہے ، در آں حالے کہ لکھنے والے کا سوانحی جذبہ کے علاوہ کوئی اخلاق یا کوئی اور مقصد نہ ہو"[۲] ۔ طوالت یا اختصار کی بحث اضافی ہے ۔ نہ طوالت بذاتِ خود کوئی خامی ہے اور نہ اختصار بذاتِ خود کوئی خوبی ۔ یہ موضوع پر منحصر ہے کہ اسے نبھانے کے لیے کتنی جگہ گھیرنی چاہیے ۔ جہاں اور لوگوں نے "سیرۃ النبیؐ" کی آخری چار جلدوں کو بلا جواز اضافہ قرار دیا ہے ، وہاں ڈاکٹر سید شاہ علی ابتدائی دو جلدوں کے بارے میں بھی محسوس کرتے ہیں کہ ان میں ضرورت سے زیادہ شرح و بسط سے کام لیا گیا ہے[۳] ۔ وہ کہتے ہیں کہ

۱۔ سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی ، جلد دوم ، ص ۵۹ ۔

۲۔ اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید علی شاہ ، ص ۲۰۰ ۔

۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ "عین ممکن ہے کہ بعض جدید لوگ آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ کے اس پھیلاؤ پر اصولی اعتراض کریں لیکن میری رائے میں یہ پھیلاؤ سوانحی ادب میں کوئی نئی چیز نہیں ۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک ایک شخص کی سوانح عمری پورے زمانے کی تاریخ بن جاتی ہے" ۔ ("فکر و نظر" اسلام آباد ، شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء ، ص ۸۳۰) ۔

"ستم ظریفی تو یہ ہے ضروری ذاتی اور سوانحی حالات سے زیادہ تفصیل دیگر عنوانات کے تحت عمل میں لائی گئی ہے" - ان کا خیال ہے کہ اگرچہ سید سلیمان ندوی نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے مصنف کے خاکے پر عمل کیا ہے لیکن "ظاہری مطابقت کے باوجود حقیقت میں اس کی تعمیل و تکمیل نہیں کی گئی - ان کے یہاں نہ وہ روشن خیالی ہے ، نہ وہ احساسِ تناسب اور طرزِ عمل اور نہ وہ روح پائی جاتی ہے - بہرحال آن کے پروگرام سے مطابقت کے باوجود وہ جلدیں سوانح عمری کی تعریف میں نہیں آ سکتی تھیں"[۱] ڈاکٹر صاحب موصوف یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ شبلی نے اپنے زبانی بیانوں ، مجلسی گفتگوؤں اور خطوں میں واضح کیا تھا کہ وہ ہر قسم کے مباحث (تمام مہمات مسائل پر ریویو، قرآن مجید پر پوری نظر وغیرہ) کو سیرت میں سمونا چاہتے ہیں اور اس کا نام "دائرۃ المعارف النبویہ" رکھنا چاہتے ہیں جو سیرت کا انسائیکلوپیڈیا ہوگا —— اور یہ ماننے کے باوجود کہ سیرت کی جلد اول کے مقدمے میں مولانا خود ابتدائی حصوں کا نام منصبِ نبوت رکھنا چاہتے تھے (سید سلیمان ندوی نے پانچویں جلد کے دیباچے میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے) —— پھر بھی یہ کہنے پر مصر ہیں کہ آخری چار جلدوں میں دلائل و معجزات ، عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات کے مباحث سوانح کا جزو نہیں بنتے - وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ "تخیل کی کوئی وسعت اور پرواز ان چیزوں کو سوانح عمری کے دائرے میں نہیں لا سکتی " - پھر وہ تعجب سے کہتے ہیں کہ "خدا جانے یہ سیرت کے روایتی معنی ہیں یا خیالی ؟ لفظی معنوں میں تو یہ گنجائش نہیں ہے" اور آخر میں سیرت کی امہات کتابوں کو لتاڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس سے قدیم عربی سوانح نگاری کے فنِ سیر و رجال کے ناقص اور سطحی ہونے کا بھی کچھ اندازہ ہو سکتا ہے"[۲] -

یہ درست ہے کہ مذکورہ بالا مباحث عام نوعیت کی سوانح عمری کا جزو نہیں بنتے —— لیکن پیغمبر کی سوانح عمری عام آدمی کی سوانح عمری

۱- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۰۱ -
۲- ایضاً -

نہیں ہے ۔ کسی بادشاہ ، وزیر ، جرنیل ، سیاستدان ، شاعر یا ادیب کی سوانح حیات قلم بند کرتے وقت سوانح نگار کی توجہ یقیناً اس کی زندگی کے واقعات پر ہوگی اور جس میدانِ زندگی میں اس نے نام پیدا کیا ہے ، اس پر بھی ، لیکن نبی کی زندگی ایک فن کار یا سیاست دان سے مختلف ہے ۔ اس کی زندگی کا سب سے اہم رول ، فریضہ نبوت کی ادائیگی ہے ، لہٰذا اس کے سوانح حیات لکھتے وقت منصبِ نبوت و رسالت کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ فنِ سوانح نگاری اور فنِ سیرت نگاری میں یہی فرق ہے ۔ پیغمبر کی سوانح عمری بیوگرافی نہیں ، سوپر (Super) بیوگرافی ہے جو ایک ارفع و اشرف تشکیلِ عمل ہے[1] ۔ سیرت کو محض سوانح عمری سمجھنا غلط ہے ۔ قدیم عربی سوانح نگار اس فرق سے واقف تھے، اس لیے ان کے فنِ سیر و رجال کو ناقص اور سطحی قرار دینا درست نہیں ، بلکہ سیرت اور سوانح میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے بہت سے جدید سوانح نگاروں نے ٹھوکر کھائی ہے ۔ بہرحال سیرت ، بیوگرافی کے خصائص رکھتے ہوئے بھی اپنی امتیازی حیثیت برقرار رکھتی ہے ۔

بیشتر نقادوں نے "سیرة النبیؐ" کو اپنے موضوع پر سب سے زیادہ مکمل اور جامع تصنیف قرار دیا ہے ، بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اس کا جواب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہے[2] ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ، جامعیت کو اس کا وصف قرار دیتے ہیں ، جس میں اب تک کوئی اس کا مثیل نہیں ملتا[3] ــــ لیکن ڈاکٹر سید علی شاہ "سیرة النبیؐ" کے اس وصف کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ اس کی طوالت پر بھی معترض ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ "موضوع کی عظمت و اہمیت ، پچھلی تصانیف کی موجودگی اور مواد کی مقدار اور نوعیت کوئی چیز بھی اس کی متقاضی نہیں ہے کہ اسے اتنی طوالت دی جائے ۔ استناد کا مطلب طوالت نہیں ہے ، بلکہ تصنیف کی

۱۔ "فکر و نظر" اسلام آباد ، اپریل ۱۹۷۶ء ، ص ۸۲۵ (فنِ سیرت نگاری پر ایک نظر : ڈاکٹر سید عبداللہ) ۔

۲۔ "البصیر" چنیوٹ ، شبلی نمبر ، اسلامیہ کالج چنیوٹ ، ص ۴ (مقالہ ۔ دارالمصنفین اور اس کی خدمات : سید صباح الدین عبدالرحمٰن) ۔

۳۔ "فکر و نظر" اسلام آباد ، اپریل ۱۹۷۶ء ، ص ۸۳۰ ۔

نوعیت ہے ۔ جامعیت کا مفہوم متعلق و غیر متعلق کا احاطہ اور تفصیل نہیں ہے ۔ سیرت اور تعلیمات دو الگ الگ چیزیں ہیں ۔ سوانح عمری کے دو لازمی اجزاء کردار اور کارنامے میں بھی ، کارنامے کی اہمیت وہیں تک ہے ، جہاں تک وہ کردار پر روشنی ڈال سکے اور اس میں بھی انتہائی اختصار کی ضرورت ہے"[۱] ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس موقف کی روشنی میں کتبِ سیرت تو کیا اگر اردو کی مشہور کتبِ سوانح بھی دیکھی جائیں تو شاید کوئی بھی ان کے معیار پر پوری نہ اتر سکے ۔ حالی اور شبلی کا دورِ فنِ سوانح نگاری کا اولین دور بھی ہے اور بہترین دور بھی ، لیکن حالی اور شبلی سمیت سب سوانح نگاروں کی تصانیف، حیات اور کارنامے کے دو خانوں میں بٹی نظر آئیں گی اور ان میں بھی حیات پر کارناموں والا حصہ غالب ہوگا ۔ کتبِ سیرت کا بھی یہی حال ہے ۔ نبی کریمؐ کی زندگی کے اصل واقعات کو اگر افسانوں ، حکایتوں اور رنگین بیانیوں سے الگ کر کے دیکھا جائے تو ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ ملے گی ۔ "رحمۃ للعالمینؐ" اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے لیکن اس کی تین جلدوں میں سے پہلی جلد کا صرف دو تہائی حصہ آنحضرتؐ کے سوانحی حالات پر مشتمل ہے ۔ "خطباتِ احمدیہ" کے صرف ایک باب (اور وہ بھی آخری باب) میں آنحضرتؐ کی بارہ برس کی عمر تک کے حالات درج ہیں ۔ یہی حال دیگر کتبِ سیرت کا ہے ۔ یوں بھی آنحضرتؐ کی مکی زندگی کے بارے میں تفصیلات مدنی زندگی کے مقابلے میں بے حد کم ہیں ۔ مکی زندگی کے واقعات کا بڑا حصہ بھی آپؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد روشنی میں آتا ہے ، یعنی جب آپؐ چالیس سال کی عمر کے ہو چکے تھے ——— مگر ڈاکٹر سید شاہ علی کو یہ بھی اعتراض ہے کہ "سیرۃ النبیؐ" میں قاری کو وہ تمام سوانحی معلومات کیوں مہیا نہیں کی گئیں جو اس کا فطری تجسس چاہتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ "ولادت ، رضاعت اور ابتدائی حالات میں شاید غیر مصدقہ روایات کے انبار سے پہلوتہی کی وجہ سے جزئیات اور تفصیلات کی بے حد کمی ہے ، حالانکہ بچپن اور عنفوانِ شباب کے یہی وہ حالات ہیں جو حد درجہ مفید اور کارآمد ہیں اور شخصیت و کردار کے ڈھلنے اور نکھرنے کی جھلکیاں

۱- اردو میں سوانح نگاری ; ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۰۲ ۔

پیش کرتے ہیں - اس کے بعد بھی جستہ جستہ واقعات کے الگ عنوان قائم کیے ہیں جو تاریخ و سنین سے محروم اور غیر مسلسل ہیں - اس سے واضح ہے کہ باوجود ابتدائی دعوؤں کے حقیقی اور معتبر سوانحی حالات کا کس قدر فقدان ہے - پیغمبر کے تجارتی سفروں ، موحدین سے ملاقاتوں ، ان کے دوست احباب وغیرہ کا تشنہ ذکر دیکھ کر مزید معلومات حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ بیرونی اثرات اور فطری رحجانات کے متعلق رائے قائم کرنے کا بہترین ذریعہ یہی ہیں - مثلاً بنی سعد کی زبان دانی اور ان کے درمیان پیغمبر کے ایام رضاعت ، طفلی اور بچپن کا بسر ہونا ایک حد تک نبی امی کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے - درمیان میں کہیں کہیں ایسی جزئیات بھی مل جاتی ہیں مثلاً رشتہ داروں ، (داماد ، بہنوں ، چچا وغیرہ) کے ساتھ صلہ رحمی و رعائت کا بیان انسانی لمس کا احساس دلاتا ہے"[1] -

ابتدائی عمر کے جن امور کے تشنہ ذکر کی ڈاکٹر سید شاہ علی نے شکایت کی ہے ، وہ درست ہونے کے باوجود ناقابل عمل ہیں - مانا کہ مولانا شبلی نے بعض مروج و مقبول روایات (مثلاً بحیرا راہب سے آنحضرت کی ملاقات) کو اپنی کتاب میں شامل نہیں کیا - یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت کے تجارتی سفروں ، موحدین سے ملاقاتوں اور دوست احباب وغیرہ کا تذکرہ ادھورا ہے ، لیکن اول تو ان کے بارے میں مستند اور صحیح معلومات کم ہیں اور جو ہیں وہ بھی یا تو آنحضرت کے متفرق ارشادات سے مستخرج ہیں یا محض قیاس آرائی کا نتیجہ ہیں - دلچسپ بات یہ ہے کہ آنحضرت کی مکی زندگی کے بارے میں بعض ایسے لوگوں کی روایات بھی ہیں ، جو یا تو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا مکہ میں موجود نہ تھے - اس امر سے ان معلومات کے "ثقہ" ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - تاہم آنحضرت کے متعدد تجارتی سفروں اور خاص خاص دوستوں کا ذکر کتب تاریخ و سیر میں موجود ہے مگر شبلی نے اپنی کتاب میں صرف وہی روایات درج کی ہیں ، جنہیں وہ ہر اعتبار سے قابل استناد سمجھتے تھے - رہے "بیرونی اثرات" جن کی نسبت ڈاکٹر سید شاہ علی کا "مزید

۱- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۰۴ ، ۲۰۵ -

معلومات حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے'' تو اس کا بڑا اچھا جواب شیخ محمد اکرام نے دیا ہے ، جو دیگر بہت سی باتوں میں ان کے ہم نوا ہیں لیکن آنحضرتؐ پر بیرونی اثرات کی تلاش میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے متفق نہیں - انہوں نے کہا ہے کہ ''انہیں میں یورپین سیرت نگار اسلام کے ماخذ ڈھونڈتے تھے ، اس لیے علامہ نے ان معاملات میں خاص احتیاط سے کام لیا ہے'' - پھر ابتدائی حالات میں جزئیات و تفصیلات کی کمی کی شکایت کا جواب بھی شیخ صاحب نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ ''واقعہ یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کسی عظیم شخصیت کے ابتدائی ایام کے متعلق خاطر خواہ مواد ملتا ہے ، کیونکہ خورد سالی میں یہ اندازہ لگانا کہ کون سی ہستی عظمت و اہمیت کے مرتبے کو پہنچے گی اور اس کے روزمرہ کے حالات کو محفوظ کرنا عام امکانات سے نہیں''[1] - تاہم بعثت کے بعد کے حالات چونکہ کافی اور مصدقہ ملتے ہیں اس لیے ''سیرۃ النبیؐ'' میں ان کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے - ہجرت کے بعد کے واقعات کی تو ایک ایک تفصیل کتبِ احادیث و تاریخ و سیر میں محفوظ ہوگئی ہے ، اس لیے علامہ شبلی نے اس دور کے سن وار واقعات پوری تفصیل کے ساتھ دیئے ہیں - اس وضاحت کے بعد تاریخ و سنین سے محرومی اور واقعات میں عدمِ تسلسل کے الزامات کا کوئی جواز نہیں رہتا -

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''سیرۃ النبیؐ'' کی توصیف کے ساتھ ساتھ اس کی چند کمزوریوں کی بھی نشان دہی کی ہے - وہ کہتے ہیں کہ ''سب سے پہلے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنے بار بار کے دعویٰ کے باوجود بہت سے مقامات پر شبلی کی رائے معذرت خواہانہ اور مدافعانہ ہے - شبلی نے مؤرخینِ یورپ کے اعتراضات سے دب کر آنحضرتؐ کے غزوات کے سلسلے میں ضرورت سے کچھ بہت زیادہ معذرت کا لہجہ اختیار کیا ہے - اسی طرح غلامی اور تعددِ ازدواج کے مسئلے کے تجزیے میں بہت کچھ دبے دبے نظر آتے ہیں اور ہر چند کہ وہ پیغمبر کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں ، بار بار مغربی نقادوں کی اس رائے سے مرعوب ہو کر چلتے ہیں کہ حضورؐ کا ہر قول و فعل عام بشریت کے مطابق تھا ، حالانکہ حضورؐ عام بشر نہ تھے ، خاص

۱- یادگارِ شبلی : شیخ محمد اکرام ، ص ۴۳۰ -

بشر تھے - کتاب کا وہ حصہ بھی قدرے تحقیق طلب ہے جس کا تعلق غزوات کے جغرافیے سے ہے - شبلی کے لیے یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ ان مقامات کا خود مشاہدہ کرتے جہاں جنگیں ہوئیں - بعد کے مصنفین ڈاکٹر حمید اللہ ، بریگیڈیئر گلزار احمد اور قدرے ہیکل نے تلافی کی کوشش کی ہے اور غزوات و سرایا کے محل وقوع کے تعین کا اہتمام کیا ہے''[۱] - ڈاکٹر سید شاہ علی کی رائے میں ''سیرۃ النبیؐ'' میں کہیں کہیں محبت اور عقیدت ، مدلّل مداحی کی شکل اختیار کر لیتی ہے - - - - - بعض اعتراضات مثلاً تعددِ ازدواج ، وصولیٔ خراج وغیرہ کو مس نہیں کیا - - - - - استناد کے لیے حوالہ جات کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اقتباسات ، ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں ، جن کی وجہ سے ایک ایک بات کا کئی بار اعادہ ہوا ہے اور ایک ایک مسئلے کا بیان مختلف مصنفوں کی تحریروں کے حوالے سے کیا گیا ہے ، جس کے بجائے ان کے اختلافی نکات کا خلاصہ کافی تھا ، چنانچہ علمی مباحث سے قطع نظر جس قسم کے سوانحی جزئیات کی ضرورت تھی ، ان کے انتخاب اور پیش کش کی کمی ظاہر ہے''[۲] -

یہ اعتراضات اپنے اندر خاصا وزن رکھتے ہیں ، لہٰذا ان کی تردید کی کوئی ضرورت نہیں ، تاہم یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ غزوات کے معاملے میں شبلی کے معذرتی میلان کو قدرے بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے - یورپین سیرت نگاروں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ، شبلی کا آنحضرتؐ کے غزوات کو دفاعی ثابت کرنا ضروری بھی تھا اور حقیقت کا اظہار بھی - کیا یہ امرِ واقعہ نہیں ہے کہ جنگِ بدر سے جنگِ خندق تک سب لڑائیاں مدینہ کے آس پاس لڑی گئیں ؟ کیونکہ ہر دفعہ جارحیت کا ارتکاب کفارِ مکہ اور ان کے حامیوں نے کیا - جنگِ خندق کے بعد جا کر کہیں مسلمانوں کی پوزیشن مستحکم ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے دشمنوں کا پچھلا حساب چکا سکیں - پھر کیا یہ بھی حقیقت نہیں ہے کہ آنحضرتؐ اگرچہ ہر غزوہ میں شریک ہوئے لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کیا ؟ یہ بات تاریخ سے

۱- ''فکر و نظر'' اسلام آباد ، اپریل ۱۹۷۶ء ، ص ۸۳۱ -

۲- اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۰۵ -

ثابت ہے کہ آپؐ کامیاب جرنیل اور بہادر سپاہی ہونے کے باوجود میدانِ جنگ میں قتال کرنے کی بجائے ہمیشہ دعا و عبادت میں مصروف ہوتے تھے اور یہی فعل آپؐ کی پیغمبرانہ شان کے مطابق تھا ۔ شبلی نے "سیرۃالنبی ؐ" میں آپؐ کی ایسی ہی تصویریں پیش کی ہیں ۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں :

"جہاد کے معرکہ میں آپؐ کے ہاتھ میں گو تیغ و سپر اور جسمِ مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا ۔ سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلے میں ہوتے ، لیکن خود سپہ سالار (آنحضرتؐ) کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی ۔ بدر ، احد ، خندق ، خیبر اور تبوک ، تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپؐ کی یہی کیفیت تھی"[1] ۔

فتحِ مکہ کے موقع پر شبلی نے اپنے ہیرو کے صبر و شکر اور انکسار کی جو تصویر لفظوں میں کھینچی ہے ، وہ دیکھنے کے قابل ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

"مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے مگر مکہ و خیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سرِ نیاز بارگاہِ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا ۔ ابنِ اسحٰق نے روایت کی ہے کہ فتحِ مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپؐ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپؐ نے اپنی سواری پر توقف کیا تاکہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں ، پھر آپؐ یہاں تک جھکے کہ آپؐ کی ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے"[2] ۔

ڈاکٹر سید شاہ علی کا خیال ہے کہ "اب تک پیغمبرِ اسلامؐ کی ایسی سوانح عمری جس میں نفسیاتی تجزیے اور تنقید کی کوشش کی گئی ہو ، نہیں لکھی گئی ، جس کے لیے بڑی ہی روشن خیالی ، قابلیت و صلاحیت اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے ، جن میں اول الذکر کے لحاظ سے شبلی

۱- سیرۃ النبیؐ : جلد دوم ، ص ۲۶۳ ۔
۲- ایضاً ، ص ۲۸۰ ، ۲۸۱ ۔

ناموزوں تھے" ـــــ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ "دیگر مذہبی رہنماؤں کی سوانح عمریوں کے مدِ نظر شبلی کی تصنیف بدرجہا بہتر ہے ـ یہ کہنا قبل از وقت اور مشکل ہے کہ مذہبی تشدد کبھی مذکورہ بالا قسم کی سیرتوں کو روا رکھے گا یا نہیں ـ موجودہ سیرتوں میں شاید شبلی کی دو جلدوں ہی کو اوروں پر ترجیح حاصل ہے"[1] ـ

پیغمبرِ اسلام ؐ کی سوانح عمری میں جس قسم کے نفسیاتی تجزیے اور تنقید کا ڈاکٹر صاحب موصوف تقاضا کرتے ہیں وہ روشن خیالی ، قابلیت اور سوجھ بوجھ کے باوجود ناممکن ہے ـ پیغمبرِ خدا ؐ کی ذات میں کسی نقص کی تلاش کفر کے مترادف ہے ـ نہ صرف آنحضرت ؐ بلکہ تمام انبیاء کرام معصوم عن الخطا ہیں ـ وہ بشر ضرور ہیں لیکن بشری کمزوریوں سے پاک ہیں ـ خدا نے انہیں اپنی اپنی اُمت کے لیے بہترین نمونے بنایا ہے ، اس لیے تصویر کے دونوں رُخ دکھانے کے شوق میں ان کی شخصیت و کردار میں نقائص تلاش کرنا ناقابلِ معافی گناہ ہے ـ آنحضرت ؐ بھی بشر ہیں ، لیکن ایسے بشر جو منصبِ نبوت سے سرفراز ہیں ، لہٰذا ان کی سوانح عمری لکھتے وقت وہ پیمانے کام نہیں دے سکتے ، جن سے عام انسانوں کو ناپا جاتا ہے ـ ہم یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ سیرت ، عام سوانح عمری سے برتر بھی ہے اور الگ بھی ـ اس کے اپنے منفرد فنی تقاضے اور حدود و قیود ہیں ـ لہٰذا آنحضرت ؐ کی شخصیت پر قلم اُٹھاتے وقت ظنی ، قیاسی ، نفسیاتی اور تحلیلی طریقے درست ثابت نہیں ہو سکتے ـ ڈاکٹر صاحب موصوف کی مطلوبہ کتابِ سیرت لکھنے کے لیے شبلی تو کیا ، کوئی بھی مسلمان موزوں نہیں ہے ـ رہے مغربی سیرت نگار ، جو بزعمِ خود آنحضرت ؐ کا (نعوذ باللہ) نفسیاتی تجزیہ کرنے کے دعوی دار ہیں ، اُن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب موصوف خود اعتراف کرتے ہیں کہ "وہ ہمدردی کی بجائے بے دردی اور انصاف کی بجائے عناد پر اُتر آئے ہیں"[2] ـ

شبلی کا اسلوب پختہ اور عالمانہ ہونے کے باوجود سادہ اور دلکش ہے ـ اس میں قوت ، جوش ، خود اعتمادی ، برتری ، صلابت ، صمیمیت ، متانت ،

۱ـ اردو میں سوانح نگاری : ڈاکٹر سید شاہ علی ، ص ۲۰۶ ، ۲۰۷ ـ

۲ـ ایضاً ، ص ۲۰۶ ـ

ایجاز و اختصار ، چستی ، برجستگی ، بے ساختگی اور شعریت پائی جاتی ہے ۔ "سیرت النبی[؃]" شبلی کی آخری تصنیف ہونے کی وجہ سے حسن کاری کی تمام صفات سے مالا مال ہے ۔ اس کتاب نے اردو زبان کو ایک زندۂ جاوید اسلوب عطا کیا ہے ، جس میں وقار ، پاکیزگی اور واقعیت ہے ۔ عبدالماجد دریا بادی کا کہنا ہے کہ وہ شبلی کی تحریروں کو پڑھتے نہیں تھے بلکہ تلاوت کرتے تھے[1] ۔ یہ انہیں خراجِ تحسین بھی ہے اور ان کے اندازِ بیان کا خوب صورت تجزیہ بھی ۔ شبلی ایک ایک لفظ کو اس سلیقہ سے استعمال کرتے ہیں ، جیسے کوئی مرصع ساز نگینے جڑتا ہو ۔ شبلی کی تحریر ("سیرت النبی[؃]" کی اولین دو جلدوں میں) اپنی سنجیدگی، روانی اور شستگی کی بدولت بار بار دامنِ دل کھینچتی ہے ۔ اُن کی عبارت میں فارسی کی خوش آہنگ تراکیب اور اردو کے دلکش محاورے عجب بہار دیتے ہیں ۔ ان کے الفاظ ایک طرح کا شاعرانہ حسن اپنے اندر لیے ہوئے ہیں ۔ شبلی کہیں کہیں تشبیہات سے بھی کام لیتے ہیں ، لیکن انہیں استعارات و کنایات زیادہ محبوب ہیں ۔ ان کے جملوں میں معنوی ربط اور منطقی ترتیب ہوتی ہے جو ان کے ذہن کے مربوط و منضبط ہونے کا پتہ دیتی ہے ۔ ان کا اسلوب بیان اتنا دلکش ہے کہ تاریخ و سیر جیسے ٹھوس موضوعات کو بھی ادبی چاشنی سے لذت انگیز بنا دیتا ہے ۔ الفاظ کی موزونیت ، تراکیب اور جملوں کی موسیقیت نے شبلی کے اسلوبِ بیان میں جمالیاتی اقدار پیدا کیں اور سیرت کے مقدس موضوع نے اس میں رفعت و عظمت کا اضافہ کیا ۔ ان کے اسلوب کی رنگینی و رعنائی ، نفاست و سلیقہ مندی اور خوش مذاقی و دلآویزی کا اگر کوئی ایک نمونہ دیکھنا ہو تو "ظہورِ قدسی" والا حصہ پڑھنا چاہیے ، جس میں آنحضرت[ؐ] کی اس دنیا میں تشریف آوری کا ذکر انتہائی جوش و سرمستی ، ذوق و شوق اور والہانہ پن سے کیا گیا ہے ۔ شبلی لکھتے ہیں :

"چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں ، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سر و سامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ

۱- "البصیر" چنیوٹ ، شبلی نمبر ، ص ۹۲ اور مضامینِ عبدالماجد دریا بادی : مرتبہ غلام دستگیر رشید ، ص ۱۷ (مضمون : میری محسن کتابیں) ۔

ہو کر رہ گئیں ، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کیے - سیارگان فلک اس دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے - چرخ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا - کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں ، عناصر کی جدت طرازیاں ، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں ، عالم قدس کے انفاس پاک ، توحید ابراہیم[ع] ، جمال یوسف[ع] ، معجزہ طرازیٔ موسیٰ[ع] ، جاں نوازیٔ مسیح[ع] ، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع گراں قدر ، شہنشاہ کونین[ص] کے دربار میں کام آئیں گے - آج کی صبح ، وہی صبح جاں نواز ، وہی ساعت ہمایوں ، وہی دور فرخ فال ہے - ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ "آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے ، آتش کدۂ فارس بجھ گیا ، دریائے ساوہ خشک ہو گیا" لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم ، شوکت روم ، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے ، آتش کدۂ فارس نہیں بلکہ جحیم شر ، آتشکدۂ کفر ، آزر کدۂ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے - صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی ، بت کدے خاک میں مل گئے ، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا ، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے ، توحید کا غلغلہ اٹھا ، چمنستان سعادت میں بہار آ گئی، آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا ، یعنی یتیم عبداللہ ، جگر گوشۂ آمنہ ، شاہ حرم ، حکمران عرب ، فرمانروائے عالم ، شہنشاہ کونین[ص] ، عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا[1] -

یہاں شبلی کی فصاحت و بلاغت اپنے اوج پر ہے - یہ عبارت نہیں ، بیان کا معجزہ ہے - الفاظ نہیں ، موتی پروئے گئے ہیں - جملے نہیں ، ہیرے تراشے گئے ہیں - پوری تحریر حسن کے سانچے میں ڈھل گئی ہے - اور پھر واقعیت سے کہیں انحراف نہیں کیا گیا ، کہیں غلو سے کام نہیں لیا گیا ، مقبول عام روایات کو کیسا اعلیٰ ، عملی اور واقعاتی مفہوم عطا کیا گیا ہے ! حسن کاری کی یہ دلکش فضا میلاد ناموں کی غبار آلود فضا سے کتنی

۱- سیرۃ النبی[ص] ، شبلی نعمانی ، جلد اول ، ص ۱۷۰ ، ۱۷۱ -

مختلف ہے ! ڈاکٹر خورشید الاسلام نے شبلی کو مسلمانوں میں پہلا یونانی قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر وہ انشا پرداز نہ ہوتے تو مصور ہوتے [۱]۔ "ظہورِ قدسی" پڑھ کر کون اس توحید پرست کی صفتِ آذری کی تعریف نہیں کرے گا - شبلی لفظوں سے تصویریں بناتے ہیں ، ترکیبوں سے مجسمے تراشتے ہیں - "سیرۃ النبی" کا ہیرو اگر عظیم ہے تو اسے سوانح نگار بھی شایانِ شان ملا ہے - شبلی کے زبان و بیان کی معراج دیکھنی ہو تو "سیرۃ النبی" (جلد دوم) کے وہ ابواب پڑھے جائیں ، جو شمائلِ نبوی ، معمولاتِ نبوی ، مجالسِ نبوی ، خطاباتِ نبوی ، عباداتِ نبوی اور اخلاقِ نبوی کے عنوانات سے زینتِ کتاب ہیں - خصوصاً "اخلاقِ نبوی" والا حصہ شدتِ تاثیر کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے -

شبلی کے مقابلے میں سید سلیمان ندوی کا اسلوب اتنا ہی مختلف ہے ، جتنی ان کی شخصیت - شبلی خود بھی رنگین مزاج ، تیز طبع ، متحرک ، گرم جوش ، جذباتی اور نفاست پسند تھے اور ان کی تحریر بھی رنگین ، چست ، تحرک آمیز اور حرارت خیز تھی - اس کے برعکس سید سلیمان ندوی خود بھی سنجیدہ ، بُردبار ، معتدل مزاج اور ٹھنڈے انسان تھے اور سنجیدگی ، بردباری ، اعتدال اور علمیت کی یہی صفات ان کے اسلوب کا خاصہ ہیں - رشید احمد صدیقی ٹھیک کہتے ہیں کہ "سید صاحب تاریخی دیانت و امانت کا اس درجہ لحاظ رکھتے تھے کہ ان کو اپنی تصانیف میں شاعری کرنے کی بہت کم فرصت یا مواقع ملتے تھے - وہ تحقیق و تنقید میں جتنی احتیاط برتتے تھے اور محنت کرتے تھے اتنی ہی مطالعہ کرنے والے کے جذبات یا تخیل کو بے ضرورت مہمیز کرنے سے پرہیز کرتے تھے - تصانیف میں شبلی کا انداز مشرقی ہے ، سید صاحب کا مغربی - - - - - - علمی تدقیقات کے جدید طور طریقوں سے نا آشنا ہونے کے باوجود اس کے آداب سید صاحب اپنی تصانیف میں بڑی خوبی اور پابندی سے ملحوظ رکھتے تھے - کتنے مستند حوالے کہاں کہاں سے فراہم کرتے تھے اور تقسیمِ ابواب اور ترتیبِ مضامین میں کس سلیقہ سے کام لیتے تھے کہ

۱- تنقیدیں : ڈاکٹر خورشید الاسلام ، انجمن ترقیٔ اردو ، علی گڑھ ۱۹۶۳ء ، ص ۳۵ -

معمولی سے معمولی طالب علم بھی پوری تحقیقات سے پورے طور پر آشنا ہو جاتا تھا"[1] غالباً اسی لیے "سیرۃ النبی ؐ" کے وہ حصے جو سید سلیمان ندوی نے تحریر کیے ہیں ، ان میں سیرت سے زیادہ تشریح احکام دین کی صورت پیدا ہو گئی ہے - سید صاحب سوانح پر کم اور مسائل کی تعبیر و استخراج پر زیادہ توجہ صرف کرتے ہیں ، اسی لیے شبلی والے حصے میں اگر آنحضرت ؐ کی لفظی شبیہہ آ گئی ہے تو سید سلیمان والے حصے میں آپ ؐ کے اسوۂ حسنہ اور دینی احکام کی روح سمٹ آئی ہے - یہ کتاب نبی کریم ؐ کی زندگی اور پیغام پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے ، چنانچہ ہمیں اختر وقار عظیم کا ہم نوا ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ "آج تک "سیرۃ النبی ؐ" سے زیادہ محققانہ ، عمدہ اور جامع المعلومات کتاب ، رسول کریم ؐ پر نہیں لکھی گئی"[2] -

---

۱- معارف ، اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، ص ۱۱۶ ، ۱۱۷ (مضمون ، گنج گراں مایہ از رشید احمد صدیقی) -

۲- شبلی بحیثیت مؤرخ ، اختر وقار عظیم ، تصنیفات ، لاہور ، ۱۹۶۸ء ، ص ۱۳۹ -

چھٹا باب

اُردو سیرت نگاری کا عہد زرّیں

(۲)

(۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء)

چند اور اہم کتبِ سیرت

بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں "رحمۃ للعالمین ؐ" اور "سیرت النبی ؐ" کی شہرت و مقبولیت نے اُردو کی بیشتر کتبِ سیرت کو گہنا دیا، حالانکہ اس دور میں آنحضرت ؐ کے سوانحِ حیات پر لکھی ہوئی کتابوں کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔ ایک طرف روایتی کتبِ سیرت ہیں، جو اپنے کلاسیکی اندازِ تالیف کی وجہ سے بعض حلقوں میں مقبول ہیں اور دوسری طرف وہ کتابیں ہیں جو مختلف مذہبی مکاتیبِ فکر کے بزرگوں نے تحریر کیں۔ ان میں مسلمانوں کی کتابیں بھی ہیں، غیرمسلموں کی بھی اور غیر مسلم قرار دیئے گئے احمدیوں کی بھی، (جنھیں قادیانی اور لاہوری پارٹی کہا جاتا ہے)۔ یہی وہ دور ہے جب مختلف فقہی مسالک اور عقاید و نظریات کے مصنفین نے اپنے اپنے دینی خیالات کے اظہار کے لیے کتبِ سیرتِ رسول ؐ کو زینہ بنایا۔ دیوبندی، بریلوی، سُنی، شیعہ، اہلِ حدیث اور اہلِ قرآن حضرات نے خاصی تعداد میں کتابیں لکھیں اور آنحضرت ؐ کے سوانحی واقعات کے ضمن میں انہیں جہاں کہیں موقع ملا، اُنھوں نے اپنے مخصوص مذہبی نقطۂ نظر کا اظہار کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ ان کے علاوہ رسول مقبول ؐ کے ان عقیدت مندوں نے بھی کتابیں تحریر کیں، جو کسی فقہی دبستان سے وابستہ نہ تھے۔ اُن میں روایتی انداز کی سیدھی سادی عام کتابیں بھی ہیں، ضخیم، وقیع اور عالمانہ بھی اور جدید افکار و نظریات کی روشنی میں لکھی ہوئی تصانیف بھی۔ کیفیت اور کمیت، دونوں اعتبار سے یہ دور سیرت نگاری کا عہدِ زریں کہلانے کا مستحق ہے۔ اب اخباروں، رسالوں، کتابوں، مقالوں، خطبوں اور پمفلٹوں کے ذریعے سیرت کا بیان عام ہونے لگتا ہے۔ سیرت کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں، جو گھر گھر رسولِ خدا ؐ کی تعلیمات پہنچاتی ہیں۔ حضور ؐ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک پہلو، ایک ایک گوشہ روشنی

میں لایا جاتا ہے ۔ آپؐ کی زندگی قصوں ، کہانیوں ، ناولوں اور ڈراموں کی شکل میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہے ۔ آپؐ کے غزوات ، اخلاق ، مکتوبات ، خطبات ، سیاسی ، معاشرتی اور مذہبی نظام پر باقاعدہ کتابوں تدوین عمل میں آتی ہے ۔ آپؐ کی تحریکی زندگی کو تصنیف و تالیف کا موضوع بنایا جاتا ہے ۔ آپؐ پر لکھے گئے مضامین ، آپؐ کے بارے میں کی گئی تقاریر اور آپؐ کے بارے میں غیر مسلموں کے تاثرات کو کتابی شکل میں محفوظ کیا جاتا ہے ۔ عورتوں ، نوجوانوں اور بچوں کے لیے الگ کتبِ سیرت تالیف کی جاتی ہیں ۔ تاریخِ اسلام کی کتابوں میں عہدِ نبویؐ کے واقعات کے لیے الگ حصے وقف کیے جاتے ہیں ۔ چھوٹی ، بڑی ، ضخیم و مختصر ، شاعرانہ و محققانہ ، ہر نوع اور ہر وضع کی کتابوں کی اشاعت ہوتی ہے ۔ عربی ، فارسی ، انگریزی اور دیگر یورپین زبانوں میں لکھی گئی اہم کتبِ سیرت کے اردو میں تراجم کیے جاتے ہیں اور یوں اردو زبان کو اس مقدس موضوع پر لکھی گئی تصانیف سے مالا مال کر دیا جاتا ہے ۔

اردو زبان میں سیرتِ رسولؐ پر اچھی کتابوں کا قحط نہیں ۔ بیسویں صدی عیسوی کی ابتدا سے ہی ایسے مصنفین آگے آنے لگتے ہیں ، جو عشقِ رسولؐ کے جذبے سے سرشار ہیں ، مسلمانوں کے دینی تقاضوں سے آگاہ ہیں اور تصنیف و تالیف کی نازک ذمہ داریوں سے واقف ہیں ۔ بیشتر اہلِ قلم کو مشرق و مغرب کے علوم پر دسترس حاصل ہے اور وہ سیرتِ رسولؐ کے فنی حدود و قیود کا بھی خیال رکھتے ہیں ۔ اس قسم کی کتابوں کی اردو میں یوں تو ایک کثیر تعداد موجود ہے لیکن ان میں سے صرف چند ایک ایسی ہیں جو اپنے خصائص کی وجہ سے اہمیت رکھتی ہیں ، چنانچہ ان کتابوں کا تفصیلی تجزیہ یہاں بے محل نہ ہوگا ۔

نشر الطیب

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳ء - ۱۹۴۳ء) نے اپنی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ" ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۱ء میں لکھنی شروع

کی اور اگلے سال (۱۳۲۹ھ/۱۹۱۲ء) میں مکمل کر لی[1] ۔ یہ کتاب بنیادی طور پر مستند احادیث کی روشنی میں لکھی گئی ہے ۔ مصنف نے اس کے مضامین کو ایک مقدمہ ، اکتالیس فصول اور ایک خاتمہ پر منقسم کیا ہے[2] اور اسے لکھتے وقت صحاح ستہ ، مشکٰوۃ ، شمائل ترمذی ، مواہب اللدنیہ ، زاد المعاد (ابن قیم) ، سیرۃ ابن ہشام ، الشمامتہ العنبریہ فی مولد خیرالبریہ (نواب صدیق حسن خاں قنوجی) ، تواریخ حبیب الٰہ ، قصیدۂ بردہ اور الروض النظیف (منظوم) جیسی کتابیں اپنے پیش نظر رکھی ہیں[3] ۔ اس کے علاوہ ایک عربی رسالہ شیم الحبیب (مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) سے اتنا استفادہ کیا گیا ہے کہ بقول مصنف ، "نشر الطیب" کو اس رسالہ کا ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔ "نشر الطیب" ، "حبیب خدا" کے نام سے علیحدہ بھی چھپ چکی ہے ۔

یہ کتاب (۳۳۱ صفحات) مولانا نے بعض دوستوں کی فرمائش پر تحریر کی ہے ، جو چاہتے تھے کہ حضور پر نور ؐ کے قبل نبوت اور بعد نبوت کے حالات صحیح روایات سے اخذ کر کے لکھے جائیں اور موقع بہ موقع مناسب مواعظ و نصائح بھی بڑھا دیئے جائیں تاکہ مرد و زن انہیں پڑھ کر یا سن کر آنحضرت ؐ کے ذکر مبارک سے برکات حاصل کریں ۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ امت کو جب بھی ظاہری یا باطنی فتنوں سے واسطہ پڑا ، اس نے سیرت رسول ؐ ، مدائح نبوی ؐ اور صلٰوۃ و سلام کی طرف رجوع کیا اور خدا تعالیٰ نے قوم کو پریشانیوں سے نجات دی ۔ اسی لیے مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کتاب میں آنحضرت ؐ کے حالات بھی درج کیے اور جا بجا درود شریف بھی لکھا تاکہ پڑھنے والے آپ ؐ کے ذکر مبارک سے معرفت ، معرفت سے محبت اور محبت سے قیامت میں معیت اور شفاعت کی امیدیں وابستہ کر سکیں ۔

"نشر الطیب" کی ابتدا روایتی انداز میں نور محمدی ؐ کے بیان سے ہوتی ہے ۔ پھر فصل بہ فصل فضائل نبوی ؐ ، حسب نسب ، ولادت ،

۱- نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب : اشرف علی تھانوی ، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور ، کراچی ، ص ۶ ، ۳۳۰ ۔

۲ ، ۳- ایضاً ، ص ۳ ، ۴ (بالترتیب) ۔

طفولیت ، شباب ، نکاح ، کفار کی مخالفت ، معراج ، ہجرت حبشہ ، مکی زندگی کے متفرق واقعات، ہجرت مدینہ ، غزوات، مدنی زندگی کے سن وار واقعات ، وفود کی آمد ، آپؐ کے مقرر کردہ حکام اور اہل کار ، ملوک و سلاطین کو فرامین کی ترسیل ، آپ کے شمائل و اخلاق و عادات، معجزات، اسمائے مبارکہ مع تفسیر ، خصائص نبویؐ ، ماکولات و مشروبات و مرکوبات و ملبوسات، اہل و عیال ، حشم و خدم، وفات ، تجہیز و تکفین، عالم برزخ ، روز قیامت اور آخرت میں آپؐ کے احوال و فضائل ، مقام فضیلت اور لوازم عبدیت ، اُمت پر شفقت ، اُمت پر آپؐ کے حقوق محبت و توقیر و احترام ، آپؐ پر درود شریف بھیجنے ، آپؐ کا ذکر کرنے اور خواب میں زیارت کرنے کے فضائل اور صحابہ و اہل بیت و علماء کی محبت کے فضائل بیان کیے گئے ہیں ۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں کہ ''حضور کی صفات و مکارم، خصائص ، عصمت ، طرز معاشرت ، خشیت مجاہدہ اور پاکیزگیٔ طبیعت وغیرہ کے بیان میں مولانائے مرحوم نے احادیث و روایات عربی میں درج کی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اُن کا ترجمہ پیش فرمایا ہے ۔ اس طرح یہ کتاب اُن کتابوں میں سے ہے ، جنھوں نے اردو کے قارئین کو اصل متن اور ماخذ سے قریب تر کر دیا ہے''[1] ۔

''نشرالطیب'' کی دو فصلیں نسبتاً زیادہ طویل ہیں ۔ ایک وہ جس میں واقعۂ معراج شریف بیان ہوا ہے اور دوسری وہ جو آپؐ کے شمائل و اخلاق و عادات کے دلآویز تذکرے پر مشتمل ہے ۔ واقعۂ معراج ۵۹ صفحات میں پھیلا ہوا ہے ۔ اس میں تمام متعلقہ احادیث سلسلہ وار جمع کی گئی ہیں ۔ اس کے ساتھ وہ تمام فوائد بھی شامل کیے گئے ہیں جو واقعۂ معراج سے متعلق ہیں ، یعنی معراج کے مختلف واقعات سے احکامات شرعیہ اخذ کیے گئے ہیں ۔ ساتھ ہی قرآن مجید کی آیتہ الاسرار کی تفسیر بھی بیان کی گئی ہے ۔ شمائل و اخلاق و عادات والی فصل ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے رسالہ ''شیم الحبیب'' کو (جو عربی زبان میں ہے) ، اُردو ترجمہ سمیت شامل کیا گیا ہے ۔

۱۔ نقش سیرت : مرتبہ نثار احمد ، ص ۶۷ (مقالہ : اُردو میں سیرت نگاری ، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی) ۔

اس میں آنحضرت ؐ کا حلیہ ٔ مبارک ، تقسیم ِ اوقات و طرز ِ معاشرت ، قوت بصارت و بصیرت ، قوت ِ باءہ ، صفت ِ طیب و مطیب ، مکارم ِ اخلاق (شجاعت ، سخاوت ، ہیبت ، بے نفسی ، ایثار وغیرہ) عادات و اطوار (فقر و درویشی ، خشیت و مجاہدۂ الٰہی ، حسن و جمال ، خوش مزاجی ، حلم و تواضع و پاکیزگی ٔ طبع ، اعتدال ِ تزئین ، خور و خواب) وفات ، خصوصی فضائل اور عوارض ِ بشریہ وغیرہ کا اجمالی تذکرہ ہے ۔

مقدمہ میں مصنف نے "نشر الطیب" تحریر کرنے کی وجوہات ، فصلوں میں تقسیم اور ماخذات کا ذکر کیا ہے ، جب کہ خاتمہ میں اپنے رسالہ ، "زاد السعید" سے درود شریف کی چالیس احادیث درج کی ہیں ۔ کتاب کے متن میں مشہور کتب ِ احادیث کے حوالے بھی ہیں اور کتب ِ سیر کے بھی ۔ "قصیدۂ بردہ" اور "الروض النظیف" کے اشعار جا بجا لکھے گئے ہیں ۔ اُردو کتابوں میں مفتی عنایت احمد کاکوروی کی "تواریخ ِ حبیب ِ اِلٰہ" کے خاصے حوالے دیئے گئے ہیں اور عربی کتب ِ سیرت میں تمام تر انحصار سیرت ابن ِ ہشام اور زاد المعاد (ابن ِ قیم) پر کیا گیا ہے ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی حیثیت اس کتاب میں مصنف سے زیادہ مؤلف کی ہے کیونکہ مذکورہ بالا کتابوں کی روایات اور بیانات یا تو من و عن نقل کیے گئے ہیں یا انہیں ادنیٰ تفسیر کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہے ۔ وضاحت کے لیے درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو :

"جب آپ ؐ پینتیس سال کے ہوئے ، قریش نے خانہ کعبہ کی از سر ِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا ۔ جب حجر ِ اسود کے موقع پر تعمیر پہنچی تو ہر قبیلہ اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ حجر ِ اسود کو اس جگہ پر میں رکھوں ۔ قریب تھا کہ آن میں ہتھیار چلیں ، آخر اہل الرائے نے یہ مشورہ دیا کہ مسجد ِ حرام کے دروازہ سے جو سب میں پہلے آوے ، اُس کے فیصلہ پر سب عمل کرو ۔ سو سب سے اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ سب دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ محمد ؐ ہیں ، امین ہیں اور قریش آپ ؐ کو نبوت سے پہلے امین کے لقب سے یاد کرتے تھے اور آپ ؐ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا ۔ آپ ؐ نے فرمایا : "ایک بڑا کپڑا لاؤ ۔ چنانچہ لایا گیا ۔ آپ ؐ نے حجر ِ اسود اپنے دست ِ مبارک سے اس کپڑے میں رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا آدمی اس چادر کا ایک پلہ تھام لے اور خانہ کعبہ

تک لاویں ۔ جب وہاں تک پہنچا ، آپؐ نے خود اس کو اُٹھا کر اس کے موقع پر رکھ دیا ۔ (کذافی سیرۃ ابن ہشام) اس فیصلہ سے سب راضی ہو گئے ۔ اُٹھانے کا شرف تو سب کو حاصل ہو گیا اور چونکہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ سب آدمی مجھ کو اس کے موقع پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دیں کہ فعل وکیل کا بمنزلہ مؤکل کے ہوتا ہے ، تو اس طرح رکھنے میں سب شریک ہو گئے ۔ (کذا فی تواریخ حبیب الٰہ ، بتغیر الالفاظ)''[1]۔

اس کتاب کی زبان بڑی سادہ و سلیس ہے اور یہ اپنے مقصد تالیف کے عین مطابق ہے ۔ مصنف کی خواہش تھی کہ ایسا رسالہ تالیف کیا جائے کہ ''جمعہ میں نمازی جمع ہو گئے تو ان کو سنا دیا ، یا گھر کی مستورات کو بٹھا لیا اور ان کو سنا دیا''[2] اسی لیے اس رسالہ میں ہلکے پھلکے ، عام فہم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تاکہ ہر عامی و خاصی ، بچہ ، بوڑھا ، عورت ، مرد اور خواندہ و نیم خواندہ ، اسے پڑھ سن کر آنحضرتؐ کی سیرت کے چیدہ چیدہ واقعات سے آگاہ ہو سکے ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے اسلوب بیان میں کوئی تعقید ، کوئی پیچیدگی نہیں ۔ یہ بڑا صاف ، رواں اور ہموار ہے ۔ ہر روایت یا بیان درج کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی اخلاقی نتیجہ نکالا گیا ہے ، کوئی نہ کوئی نصیحت کی گئی ہے ۔ یوں یہ کتاب ٹیکنیکی اعتبار سے دور جدید میں طرز قدیم کی نمائندگی کرتی ہے — لیکن روشن خیالی کے اس دور میں بھی بلاشبہ ایسی کتابوں کی ضرورت ہے ، جو کتب حدیث و تاریخ و سیر کی صحیح روایات پر مبنی ہوں تاکہ پڑھنے والے سیرت رسولؐ کے اصلی سرچشموں سے سیراب ہو سکیں ۔

سوانح عمری حضرت رسول کریمؐ

وضع قدیم کی ایک اور قابل ذکر کتاب مولانا ابو رشید محمد عبدالعزیز (خطیب و امام جامع مسجد سردار خاں ، مزنگ ، لاہور) کی ''سوانح عمری حضرت رسول کریمؐ'' ہے جو ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء میں تالیف اور بعد ازاں

۱۔ 'نشر الطیب' : اشرف علی تھانوی ، ص ۳۹ ، ۴۰ ۔
۲۔ ایضاً : ص ۲ ۔

شائع ہوئی[1] ۔ یہ کتاب ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے[2] ۔ کتاب کے دیباچے میں مصنف نے سببِ تالیف اور ماخذات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "خاکسار میں تصنیف و تالیف کی استعداد نہیں مگر اُس بڑھیا کی طرح (جو زمرۂ خریدارانِ یوسف علیہ السلام میں شمولیت کی خواہاں تھی) ، میری تمنا تھی کہ خدائے بلند و برتر مجھ کو حشر کے روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مادحین میں اٹھاوے ۔ اس کتابِ مبارک کو خدا کے بھروسے پر شروع کیا اور تائیدِ غیبی سے کتبِ معتبرہ مثلاً روضة الاحباب ، مدارج النبوۃ ، اسد الغابہ ، مراۃ الانساب (ضیاء الدین علوی) ، شمس التواریخ (وارث علی اکبر آبادی) ، اشرف التواریخ (ابوالعلاء اکبر دانا پوری) وغیرہ کے گلزارِ سدا بہار سے متفرق پھول چُن کر ایک گلدستہ پیشِ خدمتِ احباب ہے"[2] ۔

مصنف نے بزعمِ خود اس کتاب کی تصنیف میں جن امور کا التزام کیا ہے ، اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نامِ نامی و اسمِ گرامی آیا ہے ، دیگر مصنفین و مؤلفین کی طرح تسہیل کر کے 'ص' یا صلعم نہیں ، بلکہ پورا درود شریف ، (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) لکھا ہے ۔ کیونکہ بقول اس کے اس طرح لکھنا طحطاوی وغیرہ کتب میں حرام لکھا ہے ۔ اسی طرح منصف کے نزدیک صحابہ اور علماء کے لیے رمز "رض" اور "رح" لکھنا مکروہ ہے بلکہ "رضی اللہ عنہ" اور "رحمة اللہ علیہ" پورا لکھنا چاہیے[3] — صرف اس ایک التزام سے مصنف کے مزاج اور

۱۔ سوانح عمری حضرتِ رسولِ کریمؐ : محمد عبدالعزیز ، ناشر ، ملک غلام محمد ککے زئی ، کشمیری بازار ، لاہور ، ص ۲۴۴ ۔

۲۔ یہ کتاب گورنمنٹ کالج فیصل آباد کی لائبریری میں موجود ہے لیکن اس کا لوح کا صفحہ پھٹا ہوا ہے ۔ کارڈ پر اس کا نام وہی لکھا گیا ہے ، جو اوپر درج ہے ، لیکن پہلے صفحہ پر "سوانح عمری حضرت محمد" بھی درج ہے ۔ صفحہ ۸ پر جہاں فہرستِ مضامین ہے ، فہرست کتاب مستطاب محبوبِ ربِ جلیل مسمی بہ اسم تاریخی "توضیح الجمیل" لکھا ہے ۔

۳۔ سوانح عمری حضرتِ رسولِ کریمؐ : محمد عبدالعزیز ، ص ۲ ۔

کی رائے میں اس استحکام کے ساتھ کوئی 'جھوٹا دین بزورِ شمشیر پھیل سکتا تو ہم اُس کی پیروی کرنے کو موجود ہیں - بسم اللہ - وہ شروع کریں بلکہ ہم تلوار کے ساتھ اپنے پنجوں سے بھی نوچیں گے، دانتوں سے کاٹیں گے اور لاتیں بھی چلائیں گے - پھر دیکھیں گے کہ وہ اپنے دین کو تمام دنیا کے خلاف کیسے جاری کیے لیتے ہیں"[1] -

یہ زبان ، یہ فکر اور یہ طرزِ استدلال ایک مخصوص ذہن کی پیداوار ہے ، جو آج بھی ناپید نہیں - ایسے بزرگوں کا موازنہ سر سید ، امیر علی ، سلیمان منصور پوری ، شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی جیسے فضلاء سے کر کے دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے روایتی علماء کی فکری کائنات کیا ہے اور مغرب کے شاطر اذہان کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ کن فرسودہ ہتھیاروں سے لڑ رہے ہیں - "علمِ غیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے مولانا محمد عبدالعزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس بارہ میں بعض آیات و احادیث و اقوال آئمہ حضرات کو مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے رسالہ "انباء المصطفیٰ ؐ" میں ملیں گے اور "اللؤلؤ والمکنون فی علم البشر ما کان و ما یکون" وغیرہ رسائلِ مولانا میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر و وافر ہیں اور اقوال اولیائے کرام و حکمائے عظام کی کثرت تو اس درجہ پر ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفترِ عظیم درکار ہے" - پھر بطورِ نمونہ علمِ غیب کی تائید میں جامع ترمذی کی ایک حدیث ، عبدالحق محدث دہلوی کے ایک رسالہ کا حاشیہ ، بوصیری کے قصیدے کا ایک شعر ، مُلا علی قاری کی تشریح اور ابنِ حجر مکی ، امام عراق ، قسطلانی ، ابن النجار اور غوث الاعظم کے اقوال پیش کرتے ہیں اور پھر حضرت غوث الاعظم کی ایک کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں : "ایسے ہی صدہا نصوصِ جلیلہ و عظیمہ دیکھتا ہوں تو آپ کی کتاب 'مالی الحبیب بعلوم الغیب' ملاحظہ ہو کہ نصوص کے دریا ہیں چھلکتے اور حُبِ مصطفیٰ کے چاند چمکتے اور تعظیمِ حضور کے سورج دمکتے اور نورِ ایمان کے تارے جھلکتے اور حق کے باغ لہکتے اور تحقیق کے پھول مہکتے اور ہدایت کے بلبل چہکتے اور نجدیت کے کوے سسکتے اور وہابیت کے بوم بلکتے اور مذبوح

١- سوانح عمری حضرتِ رسولِ کریم ؐ : محمد عبدالعزیز ، ص ١٩٦ -

گستاخ پھڑکتے''¹ ۔

مصنف نے اس کتاب میں صحیح بخاری ، صحیح مسلم، تواریخِ حبیبِ اللہ ، تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء (ابوالمحسن حسن کاکوروی) ، تاریخِ طبری ، سیرت ابنِ ہشام ، الشفا (قاضی عیاض) ، طبقات ابنِ سعد ، سرور المحزون (شاہ ولی اللہ) ، حیاتِ مصطفیٰؐ اور رحمۃ للعالمینؐ کے حوالے بھی کثرت سے دیئے ہیں ، لیکن اس اخذ و استفادہ کا حاصل صرف وہی ہے جو سطور بالا میں درج کیا جا چکا ہے ۔

خطباتِ مدراس

سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء - ۱۹۵۳ء) نے "سیرۃالنبیؐ" کی پانچ جلدیں اور بچوں کے لیے "رحمتِ عالمؐ" (۱۹۴۰ء) لکھنے کے علاوہ ایک اور اعلیٰ کتاب "خطباتِ مدراس" (۱۹۴ صفحات) اپنی یادگار چھوڑی ہے ، جو سیرت کی مختصر تصانیف میں اپنی مثال آپ ہے ۔ حضورِ اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ اور اسلام کے عقائد و شعائر کے بارے میں اتنی مختصر اور جامع کتاب شاید ہی اسلامی ممالک میں کوئی اور لکھی گئی ہو ۔ مالک رام کہتے ہیں کہ "اگر انھوں نے (سلیمان ندوی) اپنی عمر بھر میں صرف "سیرۃالنبیؐ" ہی کی تکمیل کی ہوتی تو یہ بھی اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ تاریخِ علم و ادب میں ان کا نام زندہ رکھنے کو کافی تھا ، لیکن انھوں نے اس کے علاوہ "خطباتِ مدراس'' دئیے جو رسولِ کریم صلعم کی سیرت پر بالکل اچھوتے انداز میں روشنی ڈالتے ہیں"² ۔

یہ آٹھ خطبے ۱۹۲۵ء میں سید سلیمان ندوی نے جنوبی ہند کی "اسلامی تعلیمی انجمن" کی فرمائش پر سیرۃ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر دئیے اور اگلے سال (۱۹۲۶ء میں) کتابی شکل میں "خطباتِ مدراس'' کے نام سے شائع ہوئے ۔ کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے ان کا محرک بیان کرتے ہوئے

۱- سوانح عمری حضرت رسول کریمؐ : محمد بن عبدالعزیز ، ص ۲۲۷ ۔
۲- وہ صورتیں الٰہی : مالک رام ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ، طبع دوم ۱۹۷۶ء ، ص ۱۰۷ ، ۱۰۸ (مضمون : سید سلیمان ندوی) ۔

لکھا ہے کہ ''مدراس میں کچھ برسوں سے ایک امریکن عیسائی کی فیاضی سے مدراس یونیورسٹی کے سامنے کوئی نہ کوئی ممتاز عیسائی فاضل حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و سوانح اور مسیحی مذہب کے متعلق چند عالمانہ خطبے دیتا ہے - یہ خطبے سال بسال ہوتے ہیں اور نہایت دلچسپی سے سنے جاتے ہیں - یہ دیکھ کر مدراس کے چند مخلص تعلیمی کارفرما مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال آیا کہ یہاں کے انگریزی مدارس کے مسلمان طالب علموں کے لیے بھی مسلمانوں کی طرف سے اسی قسم کی کوشش کی جائے ، یعنی سال بسال کسی مسلمان فاضل کے خدمات حاصل کیے جائیں جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر طلبائے انگریزی کے ذوق اور موجودہ رنگ کے خطبات دے سکے''[1] -

چنانچہ جب سیٹھ ایم جمال نے مالی کفالت کی حامی بھری تو سب سے پہلے اس مقدس کام کے لیے سید سلیمان ندوی کا انتخاب عمل میں آیا - یہ خطبات ، مدراس کے لالی ہال میں مغرب کے بعد ہر ہفتہ اور بعض اوقات ہفتہ میں دو دفعہ دئیے گئے - اس طرح یہ آٹھ خطبے اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتہ سے شروع ہو کر نومبر ۱۹۲۶ء کے آخیر ہفتہ میں ختم ہوئے - یہ اتنے پسند کیے گئے کہ وہیں ان کے انگریزی ترجمہ کا اہتمام ہوا ، مدراس کے انگریزی اخبارات "ہندو" اور "ڈیلی ایکسپریس'' ان کا خلاصہ چھاپتے رہے اور مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی ان میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا - بقول سید صباح الدین عبدالرحمٰن ''یہ مضامین و مباحث ، ادب و انشا اور زورِ خطابت کے لحاظ سے اردو لٹریچر کے شاہکار سمجھے جاتے ہیں''[2] -

"خطباتِ مدراس" میں "سیرة النبیؐ" کے برعکس ایک نیا اسلوب

۱- خطباتِ مدراس : سید سلیمان ندوی ، المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ ، ص ۵ (دیباچہ از مصنف)

۲- "معارف'' اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، مئی ۱۹۵۵ء ، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی ، ص ۱۹ (سوانح حیات از سید صباح الدین عبدالرحمٰن) -

اپنایا گیا ہے - یہاں آنحضرتؐ کے سوانح حیات سلسلہ وار بیان کرنے کی بجائے آپؐ کی تاریخی حیثیت ، آپؐ کی جامعیت و کاملیت اور آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے - یہ ثابت کرنے کے بعد کہ انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام کی سیرتوں سے ہی ہو سکتی ہے ، مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہی عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے -

پہلے خطبہ میں دلائل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ انسانیت اپنی تکمیل کے لیے انبیائے کرام کی محتاج ہے - اس سلسلے میں یونان ، روم ، عرب و عجم اور ہندوستان کے بادشاہوں ، فاتحوں ، سیاست دانوں ، مقننوں اور فلسفیوں کے کارناموں کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی انسانیت کے دکھوں کا علاج نہ کر سکا - ان کے خیال میں اگر آج کہیں اخلاق و روحانیت کی رمق نظر آتی ہے تو وہ صرف انبیائے کرام کی وجہ سے ہے -

دوسرے خطبہ میں آنحضرتؐ کی سیرت کو عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے - مصنف کے نزدیک کسی بھی آئیڈیل سیرت کے لیے تاریخیت ، کاملیت ، جامعیت اور عملیت کی شرائط لازمی ہیں - "تاریخیت" کا مطلب یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح حیات پیش کیے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں اور ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو - "کاملیت" کے معنی یہ ہیں کہ اس کے صحیفہ حیات کے تمام حصے روزِ روشن کی طرح ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں اور کوئی واقعہ پردۂ راز یا ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو - "جامعیت" سے مراد یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے ، وہ سب اس کی آئیڈیل زندگی کے آئینہ میں موجود ہوں اور "عملیت" کا مفہوم یہ ہے کہ شارعِ دین یا بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو ، خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو - سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ آج ہم کو جن پیغمبروں کے نام معلوم ہیں ، ان میں صرف آنحضرتؐ کے مستند تاریخی حالات کا علم ہے - آپؐ کی زندگی کے ایک ایک لمحے کا ریکارڈ محفوظ ہے - آپؐ کے کردار میں ہر طبقہ حیات کے لیے ہدایت موجود ہے اور

آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ، اس پر خود بھی عمل کر کے دکھایا ۔ مصنف کہتا ہے کہ دوسرے انبیاء کی زندگیاں بھی ان خصوصیات سے خالی نہ تھیں ، لیکن وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے ، اس لیے اُن کی سیرتوں کو آیندہ زمانے تک محفوظ رکھنے کی ضرورت نہ پڑی جبکہ آنحضرتؐ تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونۂ عمل اور قابلِ تقلید بنا کر بھیجے گئے ، لہٰذا آپؐ کی سیرت کا ہر لحاظ سے مکمل ، دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنا ضروری تھا ۔ اگلے خطبات میں انہیں پہلوؤں (تاریخیت ، کاملیت ، جامعیت اور عملیت) پر مفصل بحث کی گئی ہے ۔

تیسرے خطبہ میں حضورؐ کی سیرت کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ آپؐ کی سیرت پر جس قدر تاریخی مواد موجود ہے ، اتنا دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کے حالات میں نہیں مل سکتا ۔ ایک لاکھ صحابہ میں سے گیارہ ہزار آدمیوں نے آنحضرتؐ کے اقوال ، افعال اور واقعات کا کچھ نہ کچھ حصہ اگلی نسلوں تک پہنچایا ہے ۔ مصنف نے اس سلسلہ میں سیرت کے تمام ماخذوں یعنی قرآن مجید ، کتبِ احادیث ، کتبِ مغازی و سیر ، کتبِ تاریخ ، کتبِ دلائل ، کتبِ شمائل اور کتبِ اخبار کا جائزہ لے کر بتایا ہے کہ علوم کے اس عظیم الشان ذخیرے میں آپؐ کی پوری زندگی اور پورا عہد محفوظ ہے ۔ ساتھ ہی وہ محدثانہ اصول (روایت اور درایت) بھی بتاتے ہیں جن کی کسوٹی پر ہر روایت کو پرکھا جا سکتا ہے ۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہؐ کی سیرت پر جتنا مستند ذخیرۂ معلومات مسلمانوں کے پاس موجود ہے ، اس کا عشر عشیر بھی کسی اور پیغمبر کے بارے میں نہیں ملتا ۔ اس خطبہ کے آخر میں سید صاحب نے ہندوؤں ، سکھوں ، عیسائیوں اور برہمو سماجیوں کی لکھی ہوئی کتبِ سیرت کا بھی ذکر کیا ہے اور یورپی زبانوں میں پیغمبرِ اسلام کے بارے میں لکھی گئی تیرہ سو کتابوں کا بھی ۔ پھر پروفیسر ڈی ایس مارگولیوتھ کی کتاب "محمدؐ" (۱۹۰۵ء) کے مقدمہ سے اس کا یہ اعتراف نقل کیا ہے کہ "محمد کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے ، لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے" ۔ اسی طرح جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی

قرآن" (١٨٧٠ء) کے یہ ابتدائی الفاظ درج کیے ہیں کہ "اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمدؐ کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں" ۔ آخر میں ریورنڈ باسورتھ سمتھ کی کتاب "محمد اینڈ محمڈنزم" (١٨٧٤ء) سے ایک طویل اقتباس دیا ہے ، جس میں بتایا گیا ہے کہ "اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے ۔ یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے ۔ ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں ۔ میتھالوجی ، فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں ۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو ۔ یہاں پورے دن کی روشنی ہے ، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے" ۔

چوتھے خطبہ میں حضورؐ کی کاملیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ کی زندگی کا ہر لمحہ (پیدائش سے لے کر وفات تک) روزِ روشن کی طرح واضح ہے ۔ آپؐ کی پیدائش ، شیرخوارگی ، بچپن ، ہوش و تمیز ، جوانی ، تجارت ، آمد و رفت ، شادی ، احباب ، قبلِ نبوت قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت ، امین بننا ، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا ، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی ، غارِ حرا میں گوشہ نشینی ، وحی ، اسلام کا ظہور ، دعوت ، تبلیغ ، مخالفت ، سفرِ طائف ، معراج ، ہجرت ، غزوات ، حدیبیہ کی صلح ، دعوتِ اسلام کے نامہ و پیام ، اسلام کی اشاعت ، تکمیلِ دین ، حجة الوداع اور وفات کا ذکر کر کے پوچھا گیا ہے کہ ان میں سے کون سا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں ؟ ہمارے محدثین نے اپنے پیغمبرؐ کے متعلق صحیح و غلط سارا مواد سب کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے ۔ آپؐ کا اٹھنا بیٹھنا ، سونا جاگنا ، شادی بیاہ ، بال بچے ، دوست احباب ، نماز روزہ ، دن رات کی عبادت ، صلح و جنگ ، آمد و رفت ، سفر و حضر ، نہانا دھونا ، کھانا پینا ، ہنسنا رونا ، پہننا اوڑھنا ، چلنا پھرنا ، ہنسی مذاق ، بولنا چالنا ، خلوت جلوت ، ملنا جلنا ، طور و طریق ، رنگ و بو ، خد و خال ، قد و قامت ، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہم خوابی و طہارت

کے واقعات ، ہر چیز پوری روشنی میں مذکور ، معلوم اور محفوظ ہے ۔ آپ ؐ کے اخلاقِ طاہرہ ، اوصاف عالیہ اور آدابِ فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں ۔ ایسے معاملات بھی جن میں بذریعہ وحی (قرآن مجید میں) آپ ؐ کو تنبیہہ کی گئی اور ایسے واقعات بھی جن پر مخالفین معترض ہوتے ہیں ، بغیر رد و بدل کے محفوظ ہیں ۔

پانچویں خطبہ میں آپ ؐ کی صفتِ جامعیت پر بحث کی گئی ہے ۔ آپ ؐ کی زندگی کی شکل میں مختلف طبقاتِ انسانی اور ان کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر انسانی ضرورت کے لیے عملی نمونہ ،وجود ہے ۔ آپ ؐ نے شاہ اور فقیر ، حاکم اور محکوم ، امیر اور غریب ، فاتح اور مفتوح ، استاد اور شاگرد ، توانا اور بے کس ، منتظم اور ملازم ، تاجر اور مزدور ، عزیز اور دوست غرضیکہ ہر حالت اور ہر حیثیت سے زندگی بسر کی ہے ، اس لیے ہم ان میں سے کسی بھی حالت میں ہوں ، آپ ؐ کی زندگی میں ہمارے لیے اسوۂ عمل موجود ہے ۔ آپ ؐ شوہر بھی تھے اور باپ بھی ، دوست بھی تھے اور رشتہ دار بھی ، بشر بھی تھے اور پیغمبر بھی اور ہر حیثیت میں آپ ؐ نے ایک مثالی نمونہ بن کر دکھایا ہے ۔ انسانی اوصاف اور ذہنی و جذباتی کیفیات و احوال مثلاً خوشی و غمی ، کامیابی و ناکامی ، عزم و استقلال، صبر و شکر ، توکل و قناعت ، قربانی و استغنا ، ایثار و مروت ، شجاعت و شہامت ، جود و سخا ، تواضع و انکسار ، غربت و مسکنت وغیرہ کی تعلیم اور عملی ہدایت بھی ہمیں محمد رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ میں ملتی ہے ۔ یہ صرف آنحضرت ؐ ہیں ، جن کی سیرت میں تمام انبیاء کی سیرتیں سمٹ آئی ہیں ۔ انھوں نے اپنی تعلیمات سے اعلیٰ پائے کے فرمانروا ، سپہ سالار ، مدبرین ، حکام ، علماء ، فقہاء ، تجار اور راہِ حق کے جانثار (شہدا) پیدا کیے ہیں ۔

چھٹے خطبہ میں سیرتِ رسول ؐ کا عملی پہلو (عملیت) دکھایا گیا ہے ۔ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ انسان کی عملی سیرت کا نام خلق (اخلاق) ہے اور قرآنِ مجید نے آپ ؐ کو حاملِ خلقِ عظیم قرار دیا ہے ۔ بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آپ ؐ کی سیرت ، قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے ۔ جو حکم آپ ؐ پر اتارا گیا، آپ ؐ نے خود اس کو کرکے دکھایا ۔ ایمان ، توحید ، نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، صدقہ ، خیرات ، جہاد ، ایثار، قربانی ، عزم و استقلال ، صبر و شکر ، عمل اور حسنِ خلق کی جو باتیں آپ ؐ

نے ارشاد فرمائیں، ان کے لیے سب سے پہلے آپؐ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا۔ اس سلسلے میں مصنف نے آپؐ کی زندگی سے ہر قسم کے اخلاقِ فاضلہ کے واقعات کی مثالیں دی ہیں۔

ساتویں خطبہ میں پیغمبرِ اسلامؐ کے پیغام (اسلام) کی وضاحت کی ہے۔ یہاں پہلے تو حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دیگر پیغمبروں کی طرف سے آنحضرتؐ کی آمد کی بشارات درج کی گئی ہیں اور پھر دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی جامعیت و عالمگیریت، اس کی اصلاحی تدابیر اور دیگر انقلابی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس خطبہ میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ اسلام ہی ہے جس نے جملہ مذاہب کی مشترک اور بنیادی تعلیمات یعنی ایمان، عملِ صالح، عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اسلام کے مقابلے میں دیگر مذاہب کے صحائف ناقص ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ توراۃ اور انجیل میں عقائد کا حصہ بالکل ناصاف اور غیر واضح ہے۔ توحید، رسالت، نبوت کی حقیقت، وحی، الہام و مکالمہ کی تشریح، انبیائے کرام کی انسانی حیثیت، ان کا ہر قوم میں ہونا، ان کے فرائض اور معصومیت وغیرہ مسائل سے، پیغامِ محمدی سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ ملائکہ، جزا و سزا، دوزخ و جنت، حشر و نشر، قیامت و حیاتِ اخروی کے نشانات، توراۃ اور انجیل میں دھندلے ہیں جبکہ اسلام میں ہر چیز واضح، روشن اور صاف ہے۔ عمل کا پہلا حصہ عبادات، دوسرا معاملات اور تیسرا اخلاق ہے۔ ان کی تفصیلات بھی یہودی اور عیسائی مذاہب میں نہیں ملتیں۔ توراۃ میں دنیاوی قوانین کی البتہ تفصیل موجود ہے لیکن وہ بہت سخت ہیں۔ اسلام نے انہیں نرم کر کے معتدل اور عالم گیر بنایا۔ اسلام نے ہی دنیا کو دیوی دیوتاؤں، قسیسوں اور رہبانوں سے نجات دلائی، جن کو نادانوں نے خدائی درجہ دے رکھا تھا۔ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا اور کائنات کو اس کا خادم بتایا۔ دنیا کو توحید کا سبق بھی اسلام کی بدولت ملا اور اسلام نے ہی انسان کو اس کے اعمال کا ذمے دار ٹھہرایا۔ اسلام نے انسانیت کو نسلی اور جغرافیائی حدود سے باہر نکالا اور ایک عالمگیر انسانی برادری قائم کی۔ اسلام نے خالق و مخلوق کے درمیان حائل تمام پردے اٹھا دئیے اور انسان کا خدا سے براہِ راست تعلق قائم کیا۔ اسلام نے انبیاء کی حقیقی پوزیشن

واضح کی اور بتایا کہ وہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے مثیل ، نہ خدا کے بیٹے نہ رشتہ دار ، بلکہ بشر ہیں ۔ اسی طرح پیغمبروں کے ساتھ غلو کی حد تک عقیدت نے شرک و بت پرستی کی جو شکل اختیار کر رکھی تھی، اسلام نے اس کو دور کر کے شرک کے تمام سرچشموں کو بند کیا ۔

آٹھویں خطبہ میں ، پیغام محمدی (اسلام) کو محور و مرکز عمل قرار دیا گیا ہے ۔ اس خطبہ میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کی بحث ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے کسی مذہب میں بھی خالص توحید نہیں تھی ۔ جن مذاہب میں تصور توحید موجود تھا ، وہاں بھی انسان اور خدا کے تعلق کو تشبیہہ و تمثیل کے پردے میں چھپا دیا گیا تھا ۔ اس طرح اصل خدا تو جاتا رہا اور ان کی جگہ تشبیہیں اور تمثیلیں خدا بن گئیں، جنہوں نے مجسم ہو کر بتوں کی شکل اختیار کر لی ۔ خدا اور بندے کے تعلق کی وضاحت کے لیے ماں اور بیٹا یا باپ اور بیٹا کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے جنہوں نے بعد ازاں اصلیت اور حقیقت کا روپ دھار لیا ۔ سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ ذات و صفات میں التباس و اشتباہ اور افعال خداوندی کی نیرنگیوں کی غلط تعبیر کی وجہ سے توحید شرک میں تبدیل ہو گئی ۔ اسلام نے اس التباس و اشتباہ کو دور کر کے شرک کا ہر دروازہ بند کیا اور دنیا کو پہلی دفعہ توحید خالص کا درس دیا ۔ یہی حال عبادات کا تھا ۔ پرانے مذاہب میں ایک غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ عبادت کا مقصود جسم کو تکلیف دینا ہے ۔ اس کا نتیجہ جوگ اور رہبانیت کی شکل میں سامنے آیا ۔ اسلام نے ترک دنیا ، رہبانیت اور جسمانی اذیت کے گمراہ کن تصورات کا ازالہ کر کے عبادت کی صحیح شکل اور روح سے دنیا کو آشنا کیا ۔ اسلام سے پہلے انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی ۔ اسلام نے اس کا احترام بحال کیا ۔ خود انسان کو بھی اس کی جان کا مالک نہیں ٹھہرایا اور اس طرح خودکشی کی راہ بند کی ۔ اسلام نے حسب نسب ، رنگ و نسل ، ذات برادری کے تفرقے مٹا کر انسانوں کو ایک عالمگیر برادری کا حصہ بنا دیا جس میں سب بھائی بھائی تھے اور فضیلت کا معیار صرف تقوی کو ٹھہرایا ۔ اسلام نے نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر رکھا اور ایمان کے بارے میں بتایا کہ یہ خدا پر ، ملائکہ پر ، آسمانی کتابوں پر ، پیغمبروں پر اور یوم آخرت پر اعتقاد

رکھنے کا نام ہے اور عملِ صالح کے تین حصے بتائے یعنی عبادات ، معاملات اور اخلاق ۔ اسلام نے واضح کیا کہ ایمان ، عبادات ، معاملات اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہی ہماری نجات کا ذریعہ ہے ۔

"خطباتِ مدراس" کے مباحث کے اس خلاصے سے اصل کتاب کی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی کے لفظوں میں "درحقیقت یہ تنہا کتاب اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کی صداقت و عظمت اور دوسرے مذاہب پر برتری کے ثبوت کے لیے کافی ہے"[۱] ۔ "خطباتِ مدراس" خطبات پر مشتمل کتاب ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس میں اس قسم کی لفاظی سے پرہیز کیا گیا ہے جو ہمارے خطبوں کا ایک لازمی جزو بن چکی ہے ۔ اس کی جگہ سید سلیمان ندوی نے بڑی عام فہم زبان اور بڑے محققانہ اسلوب میں سیرتِ نبویؐ کی ہمہ گیری کا مرقع پیش کیا ہے ۔ حافظ مجیب اللہ ندوی کے بقول "اس کتاب نے مسلم قوم کو سیرتِ نبویؐ پر بولنے اور لکھنے کا ایک نیا ماخذ دیا ۔ اس کی بدولت کتنے لوگوں کو سیرت پر بولنا آ گیا"[۲] ۔ "سیرۃ النبیؐ" میں سید سلیمان ندوی کے مرتبہ حصے تحقیقی شان اور متکلمانہ وقار کے باوجود حسنِ بیان اور داعیانہ ولولہ کے اعتبار سے علامہ شبلی کے تالیف کردہ حصوں کے ہم پلہ نہیں تھے[۳] لیکن "خطباتِ مدراس" میں اعلیٰ درجے کا حسنِ بیان بھی ہے اور بے پناہ داعیانہ ولولہ بھی ۔ پختگی ، رچاؤ اور تاثیر کے اعتبار سے اس کتاب میں سید صاحب کا اسلوب اپنے اوجِ کمال پر ہے ۔ سیرتِ رسولؐ پر مختصر کتابوں میں اس پائے کی کوئی اور کتاب اردو میں آج تک نہیں لکھی گئی ۔

۱۔ معارف : اعظم گڑھ ، سلیمان نمبر ، ص ۹۰ (مقالہ : حضرت الاستاذ کی دینی و علمی خدمات از شاہ معین الدین احمد ندوی) ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۹ ۔ (مقالہ : تحریک ندوۃ العلماء اور سید صاحب از مولوی حافظ مجیب اللہ ندوی) ۔

۳۔ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند ، دسویں جلد ، اردو ادب (پنجم) ص ۲۷۹ (مقالہ ، دینی ادب از خورشید احمد) ۔

سیرتِ رسول اللہ ؐ

پروفیسر سید نواب علی (۱۸۷۷ء - ۱۹۶۱ء) کی کتاب "سیرتِ رسول اللہ ؐ" پہلی دفعہ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی - اس کتاب کی تالیف سے پہلے ۱۹۰۷ء میں انہوں نے "تذکرۃ المصطفیٰ ؐ" کے نام سے رسولِ اکرم ؐ کی پاکیزہ زندگی پر اپنی اولین کتاب شائع کی ، جو معتبر اور مستند ماخذوں کا نچوڑ تھی اور نہایت شگفتہ انداز میں تحریر کی گئی تھی[1] - پروفیسر سید نواب علی خود لکھتے ہیں کہ "۱۹۰۳ء میں جب مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے اسٹاف سے میرا تقرر بڑودہ کالج میں ہوگیا اور ریاست کے مشہور کتب خانہ سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا تو دس مضامین جن میں آنحضرت صلعم کی پاکیزہ زندگی کے حالات طرزِ جدید میں مسلسل تحریر ہیں ، ایک کتاب کی شکل میں ، جن کا نام "تذکرۃ المصطفیٰ ؐ" رکھا ۔ ۱۹۰۷ء میں شائع کئے اور ایک نسخہ علامہ ممدوح (شبلی نعمانی) کی خدمت میں بھیجا کہ خدارا اب سیرتِ پاک پر قلم اٹھائیے، لیکن چونکہ وہ اس کام کو بڑے پیمانے پر محققانہ کرنا چاہتے تھے ، اس لیے کچھ عرصہ تک خاموش رہے"[2]- صہبا لکھنوی بتاتے ہیں کہ "تذکرۃ المصطفیٰ" کو مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے اشاعت کے فوراً بعد داخلِ نصاب کر لیا[3] - اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں جسٹس طیب جی کی فرمائش پر سید نواب علی نے بچوں کے لیے سیرتِ رسولِ مقبول ؐ پر "ہمارے نبی ؐ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ، جسے سلطان جہاں بیگم والیٔ ریاست بھوپال نے سرکاری مطبع سے شائع کیا - یہ کتاب بڑی سادہ اور آسان زبان میں تحریر کی گئی تھی ، چنانچہ ۱۹۱۱ء میں مولانا محمد علی جوہر جب بڑودہ سے رخصت ہوئے تو وہ اس کتاب کو اپنے ہمراہ لیتے گئے اور جب دہلی میں انہوں نے جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالی

۱- سیرتِ رسول اللہ ؐ : پروفیسر سید نواب علی ، مکتبہ 'افکار' کراچی، طبع دوم ، ۱۹۶۶ء ، ص ۳۵۵ (پروفیسر سید نواب علی ، زندگی ، شخصیت اور فن کا مختصر جائزہ - از صہبا لکھنوی) -

۲- ایضاً ، ص ۲۱ (دیباچہ از پروفیسر سید نواب علی) -

۳- ایضاً ، ۳۵۵ ، ۳۵۶ -

تو اس کتاب کو خود شائع کرا کر نصاب میں داخل کیا - صہبا لکھنوی کے بقول ، جامعہ ملیہ سے اس کے اب تک پچاس سے زاید ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں - یہ کتاب ترمیم و اضافہ کے بعد کراچی سے بھی شائع ہوئی اور اب کراچی کے کئی مدرسوں میں داخل نصاب ہے[1] -

سیرت کے موضوع پر سید نواب علی کی سب سے اہم کتاب "سیرتِ رسول اللہ ؐ" ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء میں (کراچی سے) شائع ہوا - اس کتاب کا محرکِ تصنیف ، مرہٹی انسائیکلوپیڈیا (چیف ایڈیٹر ، ڈاکٹر کیتکر) میں چھپنے والا ایک مضمون ہے - ۱۹۲۶ء تک ناگ پور سے اس انسائیکلوپیڈیا کی ۱۶ جلدیں شائع ہو چکی تھیں اور جس مضمون کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ اس کی چوتھی جلد میں شامل تھا - اس مضمون میں اسلام ، بانیٔ اسلام ؐ ، اسلامی تہذیب و تمدن اور تاریخ کے متعلق انہیں خیالات کی صدائے بازگشت تھی ، جو یورپین مستشرقین اور عیسائی مشنری اپنی کتابوں میں تحریر کیا کرتے تھے - یہ مضمون خاص طور پر آنحضرت ؐ کے متعلق نہایت لغو اور گستاخانہ باتوں پر مشتمل تھا اور حقیقت میں ایک قدیم سیرت نگار محمد ابن اسحاق کی ایک غلط روایت کا ترجمہ تھا - سید نواب علی نے "بمبئی کرانیکل" میں اس کا جواب بزبانِ انگریزی دیا ، جس پر انسائیکلوپیڈیا کا ایڈیٹر سید صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "مجھے کیا خبر تھی کہ مارگولیتھ نے ابنِ اسحاق کی غلط روایت لکھ دی ہے - میں نے مرہٹی میں ترجمہ کر دیا ، اب معذرت چاہتا ہوں"[2] - چنانچہ بعد میں اسے متعلقہ جلد میں سے نکال دیا گیا - اسی زمانے میں سید سلیمان ندوی نے بھی "معارف" کے شمارہ فروری ۱۹۲۶ء میں نہ صرف اس مضمون پر احتجاج کیا اور ہندوؤں کو بتایا کہ مسلمانوں نے کبھی ان کے مقدس پیشواؤں کے بارے میں اس قسم کے سوقیانہ خیالات ظاہر نہیں کیے ، بلکہ اس مضمون کا ایک

۱- سیرتِ رسول اللہ ؐ : پروفیسر سید نواب علی ، مکتبہ 'افکار' کراچی - طبع دوم ، ۱۹۶۶ء ، ص ۵۶ م (پروفیسر سید نواب علی ، زندگی ، شخصیت اور فن کا مختصر جائزہ - از صہبا لکھنوی) -

۲- سیرتِ رسول اللہ ؐ : پروفیسر سید نواب علی ، ص ۵۷ م -

پیرا بھی "معارف" کے شذرات میں شائع کیا ، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ آنحضرتؐ کے بارے میں کیسی دل آزار باتیں تحریر کی جا رہی ہیں ۔ وہ پیرا درج ذیل ہے :

"سیرت ابن اسحاق میں محمدؐ کا جو حال لکھا ہے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا چال چلن بہت خراب تھا ۔ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے وہ جو تجویز چاہتا تھا ، اس کو عمل میں لانے کے لیے کبھی پس و پیش نہیں کرتا تھا ۔ نیک نیتی کو بالائے طاق رکھنے کے لیے اپنے پیروؤں کو اجازت دے رکھی تھی ، بے فکری کے ساتھ جس طرح چاہا خون اور قتل کر دیا ۔ مدینہ میں اس کا ظالمانہ عمل دیکھا جائے تو وہ نرا ڈاکوؤں کا ایک سردار دکھائی دیتا ہے، اس لیے کہ فن معاشیات کا علم اس کو اسی قدر تھا کہ لوٹ مار کے جو مال جمع ہو ، اس کو اپنے پیروؤں میں تقسیم کر دے ، بلکہ اس کے پیروؤں کو بھی یہ شکایت تھی کہ مال غنیمت کی تقسیم میں وہ بہت طرفداری اور نا انصافی کرتا کرتا ہے ۔ وہ خود حد سے زیادہ عیش پرست تھا اور اپنے پیروؤں کے لیے بھی عیش پرستی مباح کر رکھی تھی ۔ اس پر بھی وہ جو کام کرتا تھا ، کہتا تھا کہ وہ سب خدا کے حکم سے کرتا ہوں ، اپنی حکومت کے فائدے کے لیے کسی اصول کے پامال کرنے میں اس کو ذرا بھی باک نہ ہوتا تھا ۔ مذکورہ بالا عبارت محمدؐ کے کسی دشمن کے قلم سے نہیں نکلی ، بلکہ اس کے ایک پیروکار نے تحریر کی ہے اور اس کو رد کرنے کی کسی مسلمان مصنف نے کوشش نہیں کی"[1] ۔

یہی افسوس ناک تحریر سید نواب علی کی موجودہ تصنیف "سیرت رسول اللہؐ" کی محرک بن گئی ۔ مصنف اپنی کتاب کے دیباچہ میں خود اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

"۱۹۲۶ء میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا، جب مرہٹی انسائیکلوپیڈیا میں ایک مضمون متعلق آنحضرت صلعم شائع ہوا، جو ابن اسحاق کے حوالوں سے مارگولیوث کی ہرزہ سرائیوں کا ترجمہ تھا ۔ اس وقت مجھے خیال ہوا

---

۱ ۔ حیات سلیمان : شاہ معین الدین احمد ندوی، ص ۳۱۷ (بحوالہ 'معارف' فروری ۱۹۲۶ء ۔ شذرات از سید سلیمان ندوی) ۔

کہ اب اس مقدس موضوع پر پھر کچھ لکھوں اور احادیث و سیر کے قدیم ماخذوں سے رسول کریم صلعم کی پاکیزہ زندگی کے مستند حالات ما قل دوّل تحریر کروں ۔ چنانچہ ابتدائی تیسری صدی تک کے محدثین اور اربابِ سیر کی تصانیف اور شارحینِ مابعد کے تالیفات کو مطالعہ کر کے اور مخالفینِ اسلام کی تصانیف بزبانِ انگریزی نیز مشہور بانیانِ مذاہب کی سوانح عمریاں پیشِ نظر رکھ کر واقعات اس طور سے قلمبند کیے کہ مخالفین کے اعتراضات بھی رفع ہوں اور اصل حالات آئینہ ہوکر زبانِ اردو میں ایک معتبر اور مختصر متن موجود ہو جائے ، جس سے برادرانِ ملت کے ایمان کو تقویت پہنچے اور اہلِ وطن کو ہدایت نصیب ہو"[1] ۔

سید نواب علی کی "سیرتِ رسول اللہ[ؐ]" بھی اسی دینی درد مندی کی آئینہ دار ہے جس کا مظاہرہ "خطباتِ احمدیہ" ، "رحمۃ للعالمین[ؐ]" اور "سیرۃ النبی[ؐ]" میں ہو چکا تھا ۔ سید نواب علی کا زمانۂ تصنیف بیسویں صدی کا ربعِ اول ہے اور اس سے قبل انیسویں صدی میں یورپی مستشرقین اسلامی تاریخ کے عربی ماخذوں سے واقف ہو کر اسلام اور بانیٔ اسلام[ؐ] پر نئے ہتھیاروں سے حملہ آور ہوئے ۔ ان کوششوں میں انہیں واقدی ، طبری اور ابنِ اسحٰق کی کتابوں سے خاص مدد ملی ، جن میں غیر ثقہ روایات موجود تھیں ۔ یورپین مصنفین نے جو دلآزار خیالات ظاہر کیے اُن سے ہندوستان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہی متاثر ہوا ، کیونکہ وہی انگریزی ، فرانسیسی اور جرمن زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا ۔ اس طبقہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھےجو علومِ جدیدہ کے بھی قدر دان تھے اور اپنے مذہب کے بھی پرستار تھے ، چنانچہ یورپی مصنفین کے خنجر کی چبھن انہی نے محسوس کی ۔ ڈاکٹر سید محمد یوسف لکھتے ہیں کہ "اس پس منظر میں برصغیر کی دو اہم شخصیتیں ابھریں جنھوں نے سیرت کی نمایاں خدمت کی اور امتِ اسلامیہ ہند کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر دیا ۔ ایک شخصیت شبلی کی ہے اور دوسری پروفیسر نواب علی کی ۔ شبلی قدیم درس گاہوں کی گود میں پلے اور علی گڑھ کی فضا میں نئے دور کے تقاضوں سے آشنا ہوئے ۔

۱- سیرتِ رسول اللہ[ؐ] : پروفیسر سید نواب علی ، ص ۲۵ ، (دیباچۂ از مصنف) ۔

پروفیسر نواب علی علومِ جدیدہ بالخصوص مستشرقین کے کاموں سے براہِ راست واقف تھے ، علمِ موازنۂ ادیان سے انہیں گہری دلچسپی تھی اور مشرقی آداب و اسلامی علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے ۔ اس کے علاوہ ایمان اور خلوصِ نیت، جسے وہ اسلامی علوم کی خدمت کے لیے شرطِ اولین سمجھتے تھے ۔ اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھا ۔ انہوں نے وہ کام کیا جس کے لیے عموماً ایک ادارہ درکار ہوتا ہے ۔ شبلی کی "سیرت النبیؐ" اور پروفیسر نواب علی کی "سیرتِ رسول اللہؐ" دونوں ایک ہی جذبہ کے تحت اور ایک ہی خاکہ کے مطابق ذرا آگے پیچھے لکھی گئی ہیں ۔ شبلی کے یہاں انشاء کی چاشنی ہے تو نواب علی کے یہاں تحقیق کا پہلو راجح ہے"[1] ۔

"سیرتِ رسول اللہؐ" کی ابتداء میں مصنف نے سیرت کے قدیم ماخذوں پر ایک نظر ڈالی ہے ۔ ان میں قرآن مجید ، اُن کے نزدیک ، سیرتِ رسولؐ کا پہلا ماخذ ہے ۔ پھر انہوں نے قدیم سیرت نگاروں ، زہری ، ابن اسحٰق، واقدی ، طبری وغیرہ کا تعارف کرایا ہے اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا ہے ۔ آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی قدامت کا ذکر کیا ہے اور فاران اور بکہ کی تحقیق کی ہے ۔ پھر آنحضرتؐ کے نسب نامہ پر اعتراض کرنے والوں کو جواب دیا ہے ۔ آپؐ کے خاندان کے مختصر حالات بیان کیے ہیں ۔ اس کے بعد آپؐ کی ولادت ، ابتدائی حالات ، سفرِ شام ، عقدِ خدیجہؓ ، نزولِ وحی ، تبلیغی مشکلات ، ہجرتِ حبشہ ، ایمانِ حمزہؓ و عمرؓ ، شعبِ ابو طالب میں محصوری ، عام الحزن ، سفرِ طائف ، واقعۂ اسریٰ ، قبائل میں تبلیغِ اسلام ، بیعتِ عقبلی ، ہجرتِ رسول اللہؐ ، مدینہ میں آمد ، مواخاۃ ، مدنی زندگی ، غزوات ، تحویلِ قبلہ ، حضرت زینبؓ سے نکاح ، واقعۂ اِفک ، صلح حدیبیہ، بیعتِ رضوان ، شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام ، فتحِ مکہ ، ایلاء تخییر ، واقعۂ تحریم ، آمدِ وفود ، حجۃ الوداع ، کاذب نبیوں کے فتنے کی سرکوبی ،

۱۔ سیرتِ رسول اللہؐ : پروفیسر سید نواب علی ، ص ۱۴ ، ۱۵ (پیش لفظ : از ڈاکٹر سید محمد یوسف) ۔

علالت اور وفات کا ترتیب وار تذکرہ کیا ہے ۔ ساڑھے چار سو سے زائد صفحات کی اس کتاب میں واقعاتِ سیرت تو کم و بیش وہی ہیں جو دوسری کتبِ سیرت میں پائے جاتے ہیں ، لیکن جو چیز اسے عام کتابوں سے ممتاز بناتی ہے وہ مستشرقین کے اعتراضوں سے گہری واقفیت ، اختلافِ مسائل میں افہام و تفہیم کی صلاحیت اور بعض مسلمہ عقائد سے انحراف ہے ۔ سر سید کی طرح انہیں بھی اس بات سے دلچسپی ہے کہ یورپین مصنفین نے اسلام اور بانیٔ اسلامؐ کے بارے میں کیا کہا ہے اور ان کے الزامات کا توڑ کیا ہے ؟ انہوں نے خاص طور پر سر ولیم میور، مارگولیوتھ نولڈیکی ، ولہاؤسن وغیرہ کے سوقیانہ بیانات کا نوٹس لیا ہے اور ان کے مدلل جوابات دئیے ہیں ۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے مذہبی صحیفے "بائیبل" سے انہیں بھی سر سید اور سلیمان منصور پوری کی طرح گہری دلچسپی ہے ۔ چنانچہ "سیرتِ رسول اللہؐ" کے اولین صفحات سے ہی اس کے حوالے شروع ہو جاتے ہیں ۔ فاران اور بکہ کی بحث میں انہوں نے وہی دلائل دہرائے ہیں جو سر سید احمد خاں "خطباتِ احمدیہ" میں پہلے پیش کر چکے ہیں ، البتہ مارگولیوتھ کے اعتراضات کا کھوکھلا پن انہوں نے خوب واضح کیا ہے ۔

پروفیسر سید نواب علی پر (شبلی کے برعکس) سر سید کے مذہبی افکار کا گہرا اثر ہے ۔ انہی کی تقلید میں پروفیسر صاحب موصوف بعض مسلمات کا انکار کرتے ہیں ۔ وہ آنحضرتؐ پر پہلی وحی کو عالمِ خواب کا واقعہ بتاتے ہیں ۔ معراج کی بجائے اسریٰ کے قائل ہیں ۔ آنحضرتؐ پر نخلہ کے مقام پر ایمان لانے والوں کو جنات نہیں شہرِ یضبین کے باشندے قرار دیتے ہیں ۔ صحیفۂ لقمان کو قدیم اشوری کتاب کے کردار احیکر کے مواعظ ثابت کرتے ہیں ۔ جنگِ بدر میں فرشتوں کی مدد کے منکر ہیں اور واقعہ تحریم و ایلاء کا نیا جواز پیش کرتے ہیں ۔ ان تمام واقعات کے بارے میں ان کا غالب رویہ عقلیت پسندی کا ہے ۔ اسی لیے انہوں نے آنحضرتؐ کے کسی معجزے کا ذکر نہیں کیا ۔

سید نواب علی کو تقابلِ ادیان سے گہری دلچسپی ہے اور غیرمسلموں کے مذہبی صحائف کا انہوں نے خاصی دقت نظری سے مطالعہ بھی کر رکھا ہے ۔ چنانچہ اس کتاب کے زوردار حصے وہی ہیں جہاں انہیں مناظرانہ

استدلال کے مواقع ملے ہیں ۔ الزامات کا جواب دینے اور جوابی الزامات کے ذریعے اپنا مؤقف واضح کرنے میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل ہے ۔ مثلاً سفر شام میں بحیرا راہب سے آنحضرتؐ کی ملاقات اور اس سے عیسوی تعلیمات حاصل کرنے کے عام الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں : "اکثر محدثین نے قصہء بحیرا کو ، جو پہلے سفر میں پیش آیا ، اپنے اصول کے مطابق موضوع ثابت کیا ہے ۔ لیکن سفر میں لوگوں سے ملاقات ، خاص طور پر راہبوں سے ملاقات ، جو اس زمانے میں مسافر نوازی اور خدمتِ خلق اپنا فرض سمجھتے تھے ، کچھ بعید نہیں ہے ۔ لیکن عیسائی مصنفین کا یہ دعویٰ کہ ان راہبوں کی صحبت میں آنحضرتؐ کی اصلاح ہوئی ، حقیقت سے بعید ہے ۔ اگر یہی طرزِ استدلال ہے تو ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ حضرت مسیحؑ نے فرقہ ایسین کے تارک الدنیا ، لوگوں سے تعلیمات حاصل کیں اور حضرت یحییٰؑ کے وعظوں سے آپ کی حالت بدلی ۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی تربیت میں ساحروں سے تعلیم پائی جو بعد کو یدِ بیضا کی شکل میں جلوہ گر ہوئی ۔ حقیقت یہ ہے کہ خاصانِ خدا کے لیے کائنات کا ذرہ ذرہ درسِ عرفان ہے ۔ اس میں نہ "برگِ درختانِ سبز" کی کچھ خصوصیت ہے نہ خرِ عیسیٰؑ کے سم کی"[1] ۔

سید نواب علی کی ایک خصوصیت جو انہیں اپنے معاصرین سے ممتاز کرتی ہے ، ان کا جذبہء خیر سگالی و مفاہمت پسندی ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ جن عقائد نے صدیوں سے ملتِ اسلامیہ کے دو فرقوں (سنی اور شیعہ) میں افتراق ڈال رکھا ہے ، ان میں میانہ روی اور رواداری اختیار کی جائے ۔ "سیرتِ رسول اللہ" میں ان کا یہ احساس پوری طرح اجاگر ہے ۔ مثلاً ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ ، خطبہء غدیرِ خم ، حدیثِ قرطاس ، حضرت ابو بکر کا جیشِ اسامہ سے تخلف اور مسئلہء خلافت جیسے متنازعہ فیہ مسائل میں ان کا رویہ ایک صلح جو بزرگ کا ہے ۔ وہ ابو طالب کے ایمان کے قائل ہیں ، خطبہء غدیرِ خم کو درست تسلیم کرتے ہیں ، آنحضرتؐ کی بیماری کی خبر سن کر حضرت ابوبکر کے جیشِ اسامہ سے واپس چلے آنے کو جائز اور فطری قرار دیتے ہیں ، حدیثِ قرطاس کے مسئلے میں حضرت عمرؓ کے

۱۔ سیرتِ رسول اللہؐ : سید نواب علی ، ص ۸۰ ، ۸۱ ۔

رویے کے حامی ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ کے لیے رسول اللہؐ سے تحریری وصیت کی خواہش خاندانِ بنو ہاشم کی طرف سے ہوئی تھی اور خلافت کے مسئلہ میں آنحضرتؐ کا سکوت حکیمانہ مصلحت پر مبنی تھا۔ کسی کو اس سے اتفاق ہو یا اختلاف ، لیکن یہ بہرحال ایک نیا نقطۂ نظر ہے اور مصنف کی نیک نیتی اور خیرخواہی کا مظہر ہے۔

"سیرتِ رسول اللہؐ" میں ان مسلمان سیرت نگاروں کی بھی خبر لی گئی ہے جن کی روایات نے مستشرقین کو موقع فراہم کیا کہ وہ اُن کا سہارا لے کر آنحضرتؐ کو بدنام کر سکیں۔ سید نواب علی نے خاص طور پر ابنِ اسحٰق ، ابنِ سعد ، واقدی اور طبری کی روایتوں کی تنقیح کی ہے۔ مثلاً ابنِ اسحٰق کا یہ بیان کہ عبداللہ ابنِ مسعود نے جنگِ بدر میں ابوجہل کا سر کاٹ کر آنحضرتؐ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا (ص ۲۱۷) یا اس کی یہ روایت کہ آنحضرتؐ مالِ غنیمت لے کر مدینہ چلے تو راہ میں دو قیدیوں ، عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث ، کو قتل کرا دیا (ص ۲۱۸) ، یا ابن سعد کی یہ روایت کہ اصحابِ بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر ایک آیت نازل ہوئی جو بعد کو منسوخ التلاوت ہو گئی (ص ۲۵۰)، یا ابنِ اسحٰق اور ابنِ سعد کی وہ روایتیں جن میں بنو قریظہ کے گروہ در گروہ لائے جانے ، گڑھے کے کنارے پر کھڑے کر کے گردنیں مارنے اور آنحضرتؐ کے اپنے صحابہؓ سمیت اس موقع پر کھڑے ہو کر چھ سات سو یا آٹھ نو سو آدمیوں کے قتل کا نظارہ کرنے کے واقعات بیان کیے گئے ہیں (ص ۲۸۸ تا ۲۸۹) یا ابنِ اسحق کی یہ روایت کہ یہودی قیدیوں میں ریحانہ کو خوبصورت دیکھ کر آنحضرتؐ نے اپنے لیے چن لیا (ص ۲۹۲) ، یا ابنِ اسحٰق کی یہ روایت کہ آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت زبیرؓ ، کنانہ کے سینے پر چقماق رگڑتے تھے تاکہ تکلیف سے بے چین ہو کر خزانے کا پتہ بتا دے (ص ۳۱۳)، یا ابنِ اسحٰق کا یہ بیان کہ آنحضرتؐ نے خانہ کعبہ میں سورۃ و النجم کی تلاوت کے موقع پر جب لات و منات و عزیٰ کے نام لیے تو شیطان نے ان بتوں کی تعریف میں آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلوا دیے کہ یہ بلند مرتبہ بت ہیں اور شفاعت کرنے والے ہیں (ص ۱۱۳ ، ۱۱۴) یا یہ روایت کہ حضرت عباسؓ نے مدینہ کی ایک محفل میں تحریمِ خمر سے پہلے نشے کے عالم میں

حضرت حضرت علی رض کا آونٹ ذبح کر کے کلیجہ نکالا اور آن کی شکایت پر آنحضرتؐ نے مداخلت کی تو آنہیں بھی سخت و سست کہا (ص ۳۴۲) — یہ اور اس طرح کی اور کئی روایات کو مصنف نے آنحضرتؐ کے آسوۂ حسنہ کی روشنی میں باطل قرار دیا ہے ۔ پھر مصنف نے ایسے مسائل پر بھی اظہار خیال کیا ہے جن کی وجہ سے یورپین مؤرخین اسلام کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں ۔ مثلاً رسمِ غلامی ، رسم قربانی اور جہاد وغیرہ ۔ رسمِ غلامی کے بارے میں آن کا مؤقف یہ ہے کہ اسلام نے عملاً اس کا انسداد کیا اور بطورِ شہادت آنحضرتؐ کی غلاموں پر شفقت اور آن کی آزادی کے لیے آپؐ کی ترغیب کی مثالیں پیش کیں ۔ اسلام کی رسمِ قربانی کا انہوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کی رسومِ قربانی سے موازنہ کر کے بتایا کہ یہ کوئی انوکھی رسم نہیں ہے جس پر مستشرقین معترض ہو رہے ہیں ۔ جہاد کے بارے میں آن کی رائے یہ ہے کہ یہ شر کی مدافعت اور امن و امان کے قیام کے لیے اختیار کیا گیا ۔

"سیرتِ رسول اللہؐ" سے سید نواب علی کے مشرقی و مغربی علوم پر حاوی ہونے اور علمِ تقابلِ ادیان پر کامل دسترس رکھنے کا احساس ہوتا ہے ۔ آنہوں نے اس کی تالیف میں ہر ممکن علمی سرچشمے تک رسائی حاصل کی ہے ۔ قرآن و احادیث کے علاوہ بھی آنہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی کتابوں کے حوالے دئے ہیں ، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں : سیرت ابنِ ہشام ، کتاب المغازی (واقدی) ، طبقات ابن سعد ، روض الانف (سہیلی) ، زاد المعاد (ابن قیم) ، شرحِ مواہب (زرقانی) ، شرح بخاری (عینی) ، الشفا (قاضی عیاض) ، تاریخِ طبری ، تفسیرِ طبری ، تفسیرِ بیضاوی ، کتاب الاشراف (مسعودی) ، وفیات الاعیان (ابنِ خلکان) ، تہذیب التہذیب) ابنِ حجر) ، اصابہ (ابنِ حجر) ، میزان الاعتدال (ذہبی) ، الاستیعاب (ابن عبدالبر)، کتاب الضعفا، الفہرست (ابن ندیم) ، کشف الظنون (حاجی خلیفہ) ، الاتقان (سیوطی) ، الکافی ، لائف آف محمد (ولیم میور) ، محمد اینڈ دی رائز آف اسلام (مارگولیوتھ) ، تاریخِ یہود (گیرالٹز) ، تاریخِ اسرائیل و یہود (ولہاؤسن)، جیزس ان دی نائن ٹینتھ سنچری (پروفیسر وائل)، لٹریری ہسٹری آف پرشیا (براؤن) ، تاریخِ روما (گبن) ، ترجمۂ قرآن (جارج سیل) ، رڈل آف دی یونی ورس (ہیگل) ، بھگوت گیتا ، حیاتِ بدھ ،

قانونِ منو ، خطباتِ احمدیہ ، سپرٹ آف اسلام ، رحمۃ للعالمینؐ ، سیرت النبیؐ (شبلی) ، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا ، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس اور جیوئش انسائیکلوپیڈیا ۔ ان میں سے بیشتر کتابیں وہی ہیں جن سے سر سید ، قاضی سلیمان منصور پوری اور شبلی و سلیمان ندوی نے اپنی اپنی کتبِ سیرت میں استفادہ کیا ہے ، لیکن چند ایک نئی بھی ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید نواب علی اپنی کتاب کی تالیف کے لیے تازہ ترین مواد تک رسائی حاصل کرتے رہے ۔ ڈاکٹر سید محمد یوسف نے انہیں شبلی کے پہلو میں بٹھایا ہے، لیکن وہ درحقیقت سرسید کے مکتبِ فکر کے آدمی ہیں ۔ اُن کی "سیرتِ رسول اللہؐ" سرسید کی "خطباتِ احمدیہ" اور شبلی کی "سیرت النبیؐ" کے درمیان ایک پُل کی حیثیت رکھتی ہے ۔

"سیرتِ رسول اللہؐ" کی زبان عام فہم اور اسلوب محققانہ ہے ۔ آنحضرتؐ پر الزامات کا جواب دیتے وقت مصنف کا استدلال تلوار کی دھار بن جاتا ہے ۔ ڈاکٹر سید محمد یوسف نے حجم ، مواد اور طرزِ نگارش کے لحاظ سے اس کتاب کو خاص طور پر تعلیم گاہوں کے نوجوانوں کے لیے موزوں قرار دیا ہے[1] ۔ لیکن "سیرتِ رسول اللہؐ" اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کو بھی اپنے خلوص سے متاثر کرتی ہے ۔

اصح السیر

مولانا حکیم ابو البرکات عبدالرؤف قادری دانا پوری (۱۸۷۴ء - ۱۹۴۸ء) کی کتاب "اصح السیر فی ہدیٰ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم" ۱۹۳۲ء میں تحریر کی گئی ۔ "خطباتِ احمدیہ" ، "رحمۃ للعالمینؐ" ، "سیرۃ النبیؐ" اور "خطباتِ مدراس" کے بعد "اصح السیر" (۶۵۶ صفحات) کی شکل میں ہمارا سابقہ پہلی بار ایک وسیع ، ٹھوس اور عالمانہ کتاب سے پڑتا ہے ، جس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد مستند احادیث پر رکھی گئی ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مغازی

۱- سیرتِ رسول اللہؐ : سید نواب علی ، ص ۱۵ ۔

کی ترتیب صحیح ترین ہے ۔ حکیم عبدالرؤف دانا پوری کو سیرتِ رسولؐ کے بنیادی منابع تک رسائی حاصل ہے اور قدرت نے انہیں ایک فقیہی مزاج عطا کیا ہے ۔ علومِ اسلامی تک براہ راست دسترس اور نتائج کے صحیح استنباط کی صلاحیت نے ''اصح السیر'' کو کلاسیکی کتبِ سیرت میں ایک نمایاں مقام عطا کیا ہے ۔

حکیم عبدالرؤف دانا پوری کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں : ''اردو میں سیرت پر بہتر کتاب صرف ایک ہی اب تک لکھی گئی ہے ، یعنی مولانا شبلی کی سیرتِ نبویؐ ، مگر انہوں نے مغازی پر جو کچھ لکھا ہے ، بادلِ ناخواستہ ! اس میں جو کچھ خامیاں ہیں، اہلِ علم سے مخفی نہیں ہیں ۔ خصوصاً غزوۂ بدر کے حالات میں تو انہوں نے عجیب و غریب جدت کی ہے ۔ تمام واقعات کو پلٹ دیا ہے ۔ تمام روایاتِ صحیحہ کو ترک کر دیا ہے ۔ قرآنِ پاک سے غزوہ کے حالات کو مرتب کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور قرآن پاک کے مطالب ایسے لیے ہیں اور اس سے وہ باتیں پیدا کی ہیں جو اب تک کسی نے نہ کی تھیں ۔ مولانا کی نیت خراب نہ تھی ۔ واقعات میں الٹ پھیر اور مطالب میں رد و بدل انہوں نے اس لیے کیا کہ عیسائیوں کو جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ غزوۂ بدر اس لیے نہیں ہوا تھا کہ رسول اللہؐ قریش کے قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے تھے بلکہ اس لیے ہوا کہ خود قریش مدینہ پر حملہ کرنے آئے تھے''[1] ۔

حکیم صاحب کا یہ اعتراض درست ہے اور غالباً اسی وجہ سے انہوں نے ''اصح السیر'' میں نہ صرف غزوۂ بدر بلکہ تمام غزواتِ نبویؐ پر بھرپور توجہ صرف کی ہے ۔ اردو میں سیرت کی کتابیں اور بھی ہیں ، لیکن مصنف کا یہ دعویٰ بڑی حد تک صحیح ہے کہ ''اہلِ علم اس کتاب میں کتاب المغازی کو جامع ، مکمل اور بہترین ترتیب پر پائیں گے''[2] ۔ شبلی

١- اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری، نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب کراچی ، ص ٥ ، ٦ ۔

٢- اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری، نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب کراچی ، ص ٥ ۔

کی "سیرۃ النبیؐ" سے قطع نظر کسی اور اردو کتاب میں غزوات کی اتنی تفصیلات نہیں ملتیں جتنی "اصح السیر" میں پائی جاتی ہیں - پھر اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں احادیث اور فقہ کی مدد سے کتاب الاموال کو مرتب کیا گیا ہے ، کہیں کہیں سیرت کی روایتوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور جن جن مقامات سے ارکانِ اسلام کا تعلق ہے ، وہ بھی بیان کیے گئے ہیں - مثلاً حجۃ الوداع کی جزئیات کی پوری تفصیل یہاں درج ہے - اس کتاب کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ جن فقہی مسائل کا سیرت کے کسی خاص پہلو سے تعلق تھا انہیں اپنے متعلقہ مقام پر ہی حل کیا گیا ہے اور بعض اہم فقہی مسئلوں پر جامع ، مکمل اور مبسوط بحثیں کی گئی ہیں ، مثلاً اراضیٔ حرم کا حکم ، نکاحِ محرم کی بحث ، متعہ ، قنوتِ نازلہ اور قنوتِ فجر کی بحثیں ، خلافت اور امامت کا مسئلہ اور پردۂ شرعی کی بحث وغیرہ -

مصنف نے واضح کیا ہے کہ اس نے ابنِ سعد کی جن روایتوں کا اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے انہیں محض طبقاتِ ابنِ سعد (مطبوعہ یورپ) کے بھروسہ پر نقل نہیں کیا بلکہ اس کی صرف وہی روایتیں لی ہیں جن کو اصحابِ نقل میں سے کسی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے مثلاً زاد المعاد (ابن قیم) ، شرحِ مسلم (نووی) ، فتح الباری شرحِ بخاری (ابنِ حجر) ، عمدۃ القاری شرحِ بخاری (عینی) ، اصابہ ، اسد الغابہ ، شرح مواہب (زرقانی) ، ارشاد الساری شرحِ بخاری (قسطلانی) ، شرحِ سفر السعادۃ (عبدالحق محدث دہلوی) اور مدارج النبوۃ (عبدالحق محدث دہلوی) - ابنِ اسحٰق کی روایتیں بھی مذکورہ بالا کتابوں سے با سنن کی روایتوں سے ماخوذ ہیں لیکن بعض روایتیں صرف سیرۃ ابنِ ہشام سے بھی لی گئی ہیں -

اس کتاب کے ماخذات میں سیرۃ ابنِ ہشام ، زاد المعاد ، صحاح ستہ ، تفسیرِ کبیر امام رازی ، تفسیر معالم التنزیل بغوی ، تفسیرِ بیضاوی اور الاتقان (سیوطی) کے نام معروف ہیں - الفاظ کی تعریب و تصحیح میں زیادہ تر امداد نہایہ ابنِ اثیر اور قاموس فیروز آبادی سے لی گئی ہے اور بعض جگہوں پر زرقانی کی شرحِ مواہب ، قاضی شوکانی کی نیل الاوطار ،

اصابہ ، فتح الباری اور مغنی سے بھی امداد لی گئی ہے[1] -

مصنف نے "اصح السیر" کی ترتیب بھی نئے انداز سے کی ہے - اس کا خیال ہے کہ عموماً اصحاب سیرت ، سنین پر کتاب کو تقسیم کرتے ہیں اور ایک ایک سال میں ہر قسم کے واقعات جمع کرتے ہیں ، لیکن اس طریق کار پر اکثر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ، خلط مبحث بھی ہو جاتا ہے اور مباحث بھی منتشر ہو جاتے ہیں - ایک ایک چیز کے لیے مختلف سنین میں مباحث دیکھنے پڑتے ہیں - پھر یہ بھی ہے کہ جن مصنفین نے سنین کی پابندی کے ساتھ مباحث کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے ، وہ فی الواقع سنین کی پابندی بھی نہیں کر سکے - اسی لیے اپنی کتاب میں حکیم صاحب نے آنحضرتؐ کے حالات کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا - پہلے حصے میں (جو موجودہ کتاب پر مشتمل ہے) ولادت سے وفات تک حضورؐ کے حالات ہیں ، لیکن یہاں وہی حالات درج کیے گئے ہیں جن کا تعلق اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسلامی قوت کی ترقی سے ہے- مصنف کے نزدیک یہ حضورؐ کی مجاہدانہ زندگی ہے - دوسرے حصے میں (جو لکھا نہ جا سکا) مصنف کا ارادہ تھا کہ آنحضرتؐ کی پیغمبرانہ زندگی ہو ، یعنی دلائل النبوۃ ، معجزات ، معراج ، مراتب ، شمائل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ نے دنیا کے سامنے کیا پیش کیا - یعنی آپؐ کی تعلیمات اور اصلاحات وغیرہ - وہ چاہتا تھا کہ اس حصے میں بھی ولادت سے وفات تک آنحضرتؐ کے حالات شامل کیے جائیں —— لیکن بدقسمتی سے پیغمبرانہ زندگی والا حصہ لکھا نہ جا سکا -

موجودہ کتاب کی ابتداء میں فن سیرت پر ۴۴ صفحات کا مقدمہ ہے جو شبلی نعمانی کے "سیرۃ النبیؐ" (جلد اول) والے مقدمہ کے بعد خاصے کی چیز ہے - اس میں مصنف نے سیرت کے اولین منابع ، قرآن و سنت ، سے ابتدا کی ہے اور پھر تدوین حدیث کی تاریخی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے فن سیرۃ اور فن حدیث کے تعلق پر بحث کی ہے - پھر چند صفحات میں تدوین سیرت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے اور بعد ازاں درایت اور

۱- اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری ، ص ۶ ، ۷ -

عقل کی بحث چھیڑی گئی ہے ۔ قدیم عرب کی تاریخ اور جغرافیہ کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد آنحضرتؐ کا حسب نسب، پیدائش، یتیمی، رضاعت، شام کے سفر، خدیجہؓ سے عقد ، بعثت ، نزول وحی ، سابقین اولین مسلمانوں کو تعذیب ، دعوت دین ، کفار کے مظالم ، ہجرت حبشہ ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ، قریش کا مقاطعہ ، عام الحزن ، سفر طائف ، معراج ، ہجرت ، تحویل قبلہ ، مواخاۃ ، جہاد و قتال، مغازی و سرایا ، فتح مکہ ، جنگ حنین، موتہ اور تبوک وغیرہ واقعات، سلسلہ وار بیان کیے گئے ہیں ۔ اس کے بعد "کتاب الاموال" کے عنوان سے مالی انتظامات کا بیان ہے جن میں پہلے زکٰوۃ، غنائم اور فئی اور پھر جزیہ، ہدایا و تحائف، اموال مہجورہ اور عشر و خراج کے مباحث ہیں ۔ اس کے بعد حضورؐ کے قاصدوں ، بادشاہوں کے نام خطوں اور مدینہ میں آنے والے وفدوں کا ذکر ہے ۔ غزوات کے بعد وفود کے بیان ہی بڑی شرح وبسط سے کام لیا گیا ہے اور حجۃالوداع کی تفصیلات فراہم کرنے میں بھی خاصی محنت کی گئی ہے ۔ یہیں بعض متنازعہ فیہ مسائل (غدیر خم کا خطبہ اور مسئلۂ امامت) کی بحث بھی ہے ۔ پھر سریہ اسامہ بن زیدؓ ، آنحضرتؐ کی وفات اور تجہیز و تکفین کے حالات ہیں (ضمناً واقعۂ قرطاس اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں روافض کے شبہات کا تذکرہ بھی کیا ہے) ۔ پھر آنحضرتؐ کے متروکات (رقم ، زمین ، مکانات)، لباس ، سواری کے جانوروں ، مویشیوں ، اسلحہ ، موالی (زن و مرد) ، خدام ، مؤذنین ، ازواج مطہرات اور کنیزوں کی تفصیلات ہیں ۔

"اصح السیر" کے موضوعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصنف نے علم سیرت اور علم فقہ کے ڈانڈے آپس میں ملا دئے ہیں ، یعنی اس نے اپنی کتاب کو صرف آنحضرتؐ کے سوانحی حالات کے تذکرے تک محدود نہیں رکھا بلکہ آپؐ کی سیرت کو شریعت کی روشنی میں دیکھا ہے اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کو عملی مذہب کی حیثیت سے پیش کیا ہے ۔ یوں حکیم عبدالرؤف دانا پوری کی یہ کتاب حضور اکرمؐ کی زندگی کے دلچسپ واقعات کا مرقع ہی نہیں بلکہ دینی معلومات کی وجہ سے کتاب ہدایت بھی بن گئی ہے ۔ مصنف چاہتا ہے کہ قاری نہ صرف حضورؐ کی حیات مبارکہ کے چیدہ چیدہ واقعات سے متعارف ہو بلکہ روزمرہ زندگی میں ان شرعی امور سے بھی آگاہ ہو جو اسلام نے ایک عادلانہ معاشرہ قائم

کرنے کے لیے بطور ضابطہ حیات پیش کیے ہیں ۔ شاید اسی لیے حکیم
دانا پوری نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائیبل یا دیگر مذاہب
کی کتب مقدسہ یا غیر مسلموں کے اعتراضات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا ۔
انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دوسرے لوگ اسلام اور بانی اسلام
کے متعلق کیا سوچتے اور کیا کہتے ہیں ۔ ان کے پیش نظر صرف یہ بنیادی
سوال ہے کہ ''حضورؐ کیا تھے اور آپ نے کیا کیا ؟''[1] ۔ ''اصح السیر''
اس سوال کے دوسرے جزو کی تفسیر ہے ۔ یعنی حضورؐ نے کیا کیا ؟
اور کس طرح کیا ؟ آپؐ کی پیدائش سے وفات تک کے مسلسل حالات کو
اس نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی مجاہدانہ اور مبلغانہ
زندگی کا پورا نقشہ آئینے کی طرح ظاہر ہو جائے ۔ آپؐ کی حیات کے پہلے
دور یعنی پیدائش سے نبوت تک کے حالات چونکہ صحیح روایتوں میں کم
ہیں اور اس زمانہ کی بہت سی روایات معجزات کی ہیں ، اس لیے مصنف نے
ان مباحث کو کتاب کے جزو ثانی کے لیے اٹھا رکھا تھا (جو نہیں لکھا
گیا) ۔ تاہم موجودہ جلد میں بھی آنحضرتؐ کے خاندانی حالات ، خانگی
زندگی اور عادات و اطوار کی تھوڑی بہت تفصیلات آ گئی ہیں ۔ دو امور کی
طرف البتہ مصنف نے خصوصی توجہ دی ہے جو عموماً ارباب سیر و حدیث
کے درمیان اختلافی رہے ہیں ۔ (۱) ورقہ بن نوفل کی پیشین گوئی (۲) بحیرہ
و نسطورا کی روایت ۔ مصنف کہتا ہے کہ ''ورقہ کی پیشین گوئی بخاری کی
روایت سے ثابت ہے ، اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا ۔ البتہ بحیرہ کا
قصہ ہے ۔ اس کو میں نے معجزہ کی حیثیت سے نہیں لکھا ۔ صرف یہ
دکھلانا مقصود تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر بچپن میں
بھی کیا تھا ۔ اس سفر کا حال تقریباً تمام اہل سیر لکھتے ہیں اور
بحیرہ سے ملنے کا حال بھی لکھتے ہیں ، لیکن سب سے بہتر روایت
وہ ہے جو ترمذی میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے ۔ ابن حجر
اصابہ میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے رجال سب ثقات ہیں ، لیکن
اس کے آخر میں ایک جملہ ہے جو بالکل لغو ہے ۔ وہ یہ کہ ابو طالب
نے حضورؐ کو واپس کیا اور ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آپؐ کے ساتھ
کر دیا ۔ یہ لغو اس لیے ہے کہ اس وقت ابوبکرؓ خود کم سن تھے اور
بلال حبشیؓ ان کے پاس نہ تھے ۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ

۱۔ اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری ، ص ۱۶ ۔

راوی نے کسی اور روایت کا جملہ غلطی سے اس میں شامل کر دیا ہے ۔ روایت صحیح ہے اور اس جملہ کے سوا اور کوئی بات اس میں قابلِ انکار نہیں ہے ۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس لفظ سے معلوم ہوا کہ بلال سے مراد حبشی مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ممکن ہے کہ کوئی اور بلال بھی ابوبکرؓ کے غلام ہوں اور باوجود کم سنی کے ابوبکرؓ بھی خواجہ ابو طالب کے ساتھ سفر میں گئے ہوں"[1] ۔

بحیرہ راہب والی اس روایت پر شبلی نے "سیرۃالنبی ؐ" میں دو اعتراضات کیے تھے۔ اول یہ کہ عبدالرحمٰن ابن غزوان اس کے ایک راوی ہیں جس کی نسبت اہلِ فن نے بے اعتباری ظاہر کی ہے اور دوم یہ کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اس حدیث کے آخیر راوی ہیں ، وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے اور نہ یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے یہ کس سے سنا ؟[2] ۔ حکیم عبدالرؤف دانا پوری ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن غزوان مجروح راوی نہیں ہیں بلکہ صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بلا تحقیق غلط بیانی ان کا قرینہ نہیں ہے ۔ ممکن ہے انہوں نے یہ واقعہ خود آنحضرتؐ کی زبانی سنا ہو ۔ حکیم دانا پوری کے نزدیک صحابہؓ کا بیان حجت ہے (اس ایک دلیل سے ان کا اپنا دینی مسلک بھی روشنی میں آ جاتا ہے) ۔ رہا نسطورا راہب کا قصہ تو وہ ابنِ سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے لیکن "شرف المصطفٰےؐ" میں ابی سعید نیشا پوری نے اس سفر کا حال لکھا ہے جبکہ حضرت خدیجہؓ نے میسرہ کے ساتھ تجارت کے لیے آپؐ کو شام بھیجا تھا اور وہ راہب کا ملنا بھی لکھتے ہیں ۔ مگر اس دفعہ بھی راہب کا نام وہ بحیرا لکھتے ہیں ۔ ابن مندہ اور ابو نعیم نے حضرت ابنِ عباس سے ایک اور سفر کا حال لکھا ہے کہ اس میں ابو بکرؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے ۔ راہب کا نام بحیرا لکھا ہے ۔ اصابہ اور اسد الغابہ دونوں میں بحیرا کا حال موجود ہے بلکہ اصابہ میں نسطورا کا حال بھی ہے[3] ۔

۱- اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری ، ص ۱۷ ۔
۲- سیرۃ النبیؐ : شبلی نعمانی ، جلد اول ، ص ۱۸۰ ، ۱۸۱ ۔
۳- اصح السیر : حکیم عبدالرؤف دانا پوری ، ص ۱۸ ۔

آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ کا دوسرا دور بعثت سے ہجرت تک کا ہے ۔ اس زمانہ میں رسول اللہؐ اور اُن کے رفقاء کو سخت مشکلات پیش آئیں ۔ توحید کی صدا بلند کرتے ہی پورا عرب ، پورا حجاز ، سارے قبائل اور خود آنحضرتؐ کا خاندان آپؐ کا دشمن بن گیا ۔ اُس زمانے کے واقعات کو صحابہؓ فراموش نہیں کر سکتے تھے ۔ لیکن یہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ صحابہ کرامؓ بالاستیعاب تمام واقعات کو جمع کرتے ۔ ہجرتِ حبشہ ، سفرِ طائف اور ہجرتِ مدینہ مشہور عام واقعات تھے، اس لیے ان کا تفصیلی ذکر کتبِ احادیث و سیر میں بھی آتا ہے اور حکیم صاحب نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے ۔ اُنھوں نے مسلمانوں پر مظالم کی داستانوں میں سے صرف اُنہیں واقعات کو منتخب کیا ہے جن پر اکثر اہلِ سیر کا اتفاق ہے اور جن کی سند احادیث میں بھی پائی جاتی ہے ۔

حضورؐ کی زندگی کا تیسرا دور ہجرت کے بعد سے وفات تک کا ہے ۔ اس دور میں آنحضرتؐ نے نہ صرف اپنا دفاع کیا بلکہ توحید کی حمایت میں تلوار بھی اُٹھائی ۔ اس مدت کا ایک ایک واقعہ سیرت کی کتابوں میں آئینہ کی طرح روشن ہے ۔ چنانچہ حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے بھی اس زمانے کے حالات بے حد تفصیل سے بیان کیے ہیں ، البتہ حتی الامکان کوشش کی ہے کہ صرف وہی روایات درج ہوں جو محقق و معتبر ہیں ۔ "اصح السیر" کا یہ حصہ یقیناً مہتمم بالشان ہے اور مصنف کی محنت پژوہی کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔

بحیثیت مجموعی "اصح السیر" وضعِ قدیم کی کتبِ سیرت میں اعلیٰ مقام کی حامل کتاب ہے ۔ اس کے مندرجات اصح ترین روایات سے ماخوذ ہیں ۔ بقول مولانا حسن مثنّٰی ندوی، "حکیم عبدالرؤف دانا پوری بڑے حنفی عالم اور مؤرخ ہیں ۔ وہ جا بجا متعدل انداز کی تحقیق و تشریح سے کام لیتے ہیں اور اپنے استدلال کو روایات سے تقویت پہنچاتے ہیں"[1] ۔

۱۔ پیغمبرِ انسانیت : شاہ محمد جعفر پھلواروی ، ص ۳۵ (مقدمہ، پاکستان و ہندوستان کے خادمانِ سیرت از حسن مثنّٰی ندوی)

النبی الخاتمؐ

سید مناظر احسن گیلانی (۱۸۹۲ء - ۱۹۵۶ء) کی کتاب "النبی الخاتمؐ" (۱۴۰ صفحات) دراصل ایک طویل مقالہ ہے جو انہوں نے اپریل ۱۹۳۶ء میں تحریر کیا[۱]۔ یہ مقالہ جدید تحریکِ سیرت کے بانی عبدالمجید قرشی، ایڈیٹر اخبار "ایمان" پٹی، لاہور کی فرمائش پر لکھا گیا۔ قریشی صاحب نے جب تحریکِ سیرت کا آغاز کیا تو ہندوستان، مصر اور شام کے مشاہیر سے درجنوں مقالے اور مضامین اسلام اور بانیٔ اسلامؐ پر لکھوائے[۲]۔ وہ عموماً ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو سیرت کے جلسوں کا اہتمام کرتے تھے اور اس موقع پر سیرت شناسی کے پمفلٹ اور کتابیں شائع کرتے تھے[۳]۔ "النبی الخاتمؐ" لکھنے کی تحریک بھی عبدالمجید قرشی نے ہی کی اور ۱۹۳۶ء میں ہی یہ مقالہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔

قرشی صاحب کی سیرت کمیٹی کی تشکیل سے پہلے ۱۳۰۲ء/۱۸۸۵ء میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی بھی اپنے وطن میں ایک تحریکِ سیرت کی بنیاد رکھ چکے تھے جس نے ہندوستان میں آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ سے آگہی کا ذوق پیدا کیا۔ انہوں نے سیرت کمیٹیوں کے قیام اور تصنیف و تالیف کے ذریعے سیرت کو مقبول بنانے کی کوششیں کیں اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حسن میاں نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ عبدالمجید قرشی نے ۱۹۲۰ء میں سیرت کمیٹی، پٹی کی بنیاد رکھی اور اس نے بھی سیرتِ رسولؐ کا ذوق عام کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مولانا حسن مثنٰی ندوی لکھتے ہیں کہ "اس نے متحدہ ہندوستان میں جا بجا بڑی تعداد میں سیرت کمیٹیاں قائم کیں۔ چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کر کے ہر جگہ پھیلا دیئے۔ ان رسالوں میں حضورؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر

۱- النبی الخاتمؐ : سید مناظر احسن گیلانی، مکتبہ رشیدیہ لاہور، طبع چہارم ۱۳۹۲ھ، ص ۱۳۱۔
۲- ایضاً، ص ۲ (تعارف از مولانا محمد منظور نعمانی)۔
۳- المعارف لاہور، شمارہ ستمبر ۱۹۸۰ء، ص ۳۰ (مقالہ: سید مناظر احسن گیلانی (آخری قسط) از پروفیسر اختر راہی)۔

روشنی ڈالی گئی ہے - کئی ایک رسالے غیر مسلموں کے لیے بھی شائع کیے اور اُن اعتراضات کو دور کیا جو عموماً غیر مسلموں کی طرف سے کیے جاتے ہیں"[۱] -

"النبی الخاتم ؐ" پڑھتے وقت سیرت کمیٹی ، بنی کے مندرجہ بالا مقاصد پیش نظر رکھنے چاہئیں ، کیونکہ یہ عام طرز کی سیرت کی کتاب نہیں ہے - مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس چھوٹی سی کتاب میں ساڑھے چار سو عنوانات ہیں اور ان میں سے تقریباً تین سو سے زائد عنوانات کا تعلق اُن جدید نظریات سے ہے جن پر اس سے پہلے کسی کتاب میں بحث نہیں کی گئی ، لیکن یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے - یہ درست ہے کہ مولانا مناظر احسن گیلانی بڑے فاضل ، محقق اور وسیع النظر عالم ہیں اور ان کی کتابیں (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ، تذکرۂ شاہ ولی اللہ ، ابو ذر غفاری رض ، تدوین حدیث ، اسلامی معاشیات اور الدین القیم) ان کی وسعت نظر ، کثرت مطالعہ اور علمی ذہانت کی گواہی دیتی ہیں[۲] ، لیکن "النبی الخاتم ؐ" ان کے برعکس ایک خاص کیفیت ، ایک خاص موڈ کی پیداوار ہے - مولانا منظور نعمانی کہتے ہیں کہ "یہ کتاب اگرچہ سیرت پر لکھی گئی ہے جو تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے لیکن مصنف کا مقصد اس سے صرف "سوانح نبویہ" کی تدوین نہیں ہے اور اسی لیے واقعات میں تاریخی ترتیب کا التزام نہیں کیا گیا بلکہ ان کا مطمع نظر اس میں تبلیغ اور دعوت الی الحق ہے"[۳] - یہ رائے بڑی حد تک درست ہے کیونکہ مصنف نے آنحضرت ؐ کی زندگی کے واقعات مربوط اور مسلسل درج کرنے کی بجائے صرف مخصوص پہلوؤں کا

۱- پیغمبر انسانیت : شاہ محمد جعفر پھلواروی ، ص ۳۲ (مقدمہ ، پاکستان و ہندوستان کے خادمان سیرت از حسن مثنیٰ ندوی) -

۲- سید محبوب رضوی کی بھی یہی رائے ہے - وہ لکھتے ہیں کہ "ان کا جو والہانہ اسلوب تحریر میں پایا جاتا ہے ، وہی والہانہ رنگ تقریر میں بھی تھا - وہ علم و فضل، معلومات، کثرت معلومات، دقت نظر، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی میں نادرۂ روزگار تھے" - (تاریخ دارالعلوم دیوبند (جلد دوم) : سید محبوب رضوی ، ص ۱۲۰ -

۳- النبی الخاتم ؐ : سید مناظر احسن گیلانی ، ص ۲ -

انتخاب کیا ہے اور وہاں بھی صراحت کی بجائے اشارات و کنایات سے کام لیا ہے ۔ بنیادی طور پر "النبی الخاتم ؐ" ایک مقالہ ہے جو پھیل کر ایک کتاب بن گیا ہے ۔ تاہم اب بھی بعض مقامات پر مقالہ کی سی تشنگی محسوس ہوتی ہے ۔ کتاب کی اولین اشاعت میں عنوانات بھی موجود نہیں تھے لیکن بعد کی اشاعتوں میں عام قارئین کے لیے گیلانی صاحب نے ہر پیرے پر عنوان قائم کر کے اور حاشیے میں بعض امور کی وضاحت کر کے بڑی حد تک اسے عام فہم اور قابلِ قبول بنا دیا ۔

"النبی الخاتم ؐ" کو مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) مکی زندگی اور (۲) مدنی زندگی ۔ مکی زندگی کو انہوں نے دل کی زندگی اور مدنی زندگی کو دماغ کی زندگی قرار دیا ہے ۔ یہ ایک دلچسپ نقطۂ نظر ہے کہ مکی زندگی ، دعوت و تبلیغ کی زندگی تھی جس کا تعلق وارداتِ قلبیہ سے تھا اور مدنی زندگی ، سیاسی اور عمرانی زندگی تھی جس کی گتھیاں سلجھانے کے لیے دماغی صلاحیتوں اور گہرے سوچ بچار کی ضرورت تھی ۔

اس کتاب میں سید مناظر احسن گیلانی کا اندازِ بیان منبر پر بیٹھے ہوئے ایک جوشیلے خطیب کا سا ہے ۔ کتاب کی ابتدا میں "زندہ نبی ؐ" کے عنوان سے لکھتے ہیں :

"یوں تو آنے کو سب ہی آئے ، سب جگہ آئے (سلام ہو اُن پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ اُن میں جو بھی آیا، جانے کے لیے ہی آیا ۔ پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا ۔ وہی جو اُبھرنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا ۔ چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے ، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے ، چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے"[۱] ۔

خطابت کا یہی انداز پوری کتاب میں نبھایا گیا ہے ۔ مکی زندگی والے حصے میں آنحضرت ؐ کی ولادت کے وقت ہندو مت ، بدھ مت ، پارسیت، یہودیت اور عیسائیت کو 'مردہ مذاہب' قرار دیتے ہوئے پہلے حضرت مسیح ؑ، مہاتما بدھ اور اسرائیلی انبیاء کی ان پیشین گوئیوں کو دہرایا گیا ہے ، جو

۱- النبی الخاتم ؐ : سید مناظر احسن گیلانی ، ص ۷ ۔

انہوں نے آنحضرت ؐ کی آمد کے بارے میں کیں اور جو مذہبی صحائف میں محفوظ ہیں ۔ (مسیح ؑ کا ''فارقلیط'' ، بدھ کا ''یتریا'' ملا کی نبی کا ''عہد کا رسول'' سلیمان ؑ کا ''محمد'' وغیرہ) اور ان کی وہ عبارتیں بھی نقل کی ہیں جو آنحضرت ؐ کے صحابہ کرام اور عرب کے مقامات مقدسہ، مکہ اور مدینہ کے بارے میں ہیں ۔ پھر آنحضرت ؐ کے والد ، والدہ اور دادا کی یکے بعد دیگرے وفات کو بھی حکمت الٰہی سے تعبیر کیا ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ؐ نے ابو طالب پر بوجھ بننے کی بجائے ان کی معاشی تنگی میں بکریاں چرا کر ہاتھ بٹایا ۔ پھر حلیمہ سعدیہ کی رضاعت ، عہد طفلی ، جوانی ، نکاح ، غور و فکر کی زندگی ، وحی ، دعوت دین ، مصائب صحابہ ، ہجرت حبشہ ، ترغیب و تحریص، شعب ابی طالب میں محصوری، واقعہ معراج ، شق صدر ، ابوطالب اور خدیجہ رض کی وفات ، سفر طائف ، ابو لہب کی ایذا رسانی ، یثرب کے انصار کا ایمان لانا اور ہجرت مدینہ وغیرہ کا غیر مرتب انداز میں تذکرہ کیا ہے ۔

مدنی زندگی کے اہم واقعات میں مسجد قبا اور مسجد نبوی ؐ کی تعمیر، تحویل قبلہ ، سلسلہ مواخاۃ ، یہودیوں کی سازشیں ، غزوات ، امن و امان کی زندگی ، وفات ، نجی زندگی ، عورتوں سے عادلانہ سلوک ، قریبی اعزا اور ازواج سے محبت ، صحابہ کرام کی خصوصیت ، مسئلہ ختم نبوت اور اسلام کی برکات کا اسی والہانہ انداز میں ذکر کیا گیا ہے جو مکی زندگی کے واقعات بیان کرتے وقت روا رکھا گیا تھا ۔ مصنف نے جا بجا آنحضرت ؐ کی نبوت کے اثبات کے لیے توراۃ ، انجیل ، مہاتما بدھ کی تعلیمات اور ویدوں کے اقتباسات دے کر واضح کیا ہے کہ آپ ؐ کی دنیا میں تشریف آوری امر الٰہی تھی جس کی بشارت اللہ تعالیٰ کے ان فرستادوں نے دی ۔ ضمناً دعوت اسلامی کی تاریخ اور اس کے بنی نوع انسان پر اثرات کا بھی ذکر کیا گیا ہے ۔

پروفیسر اختر راہی نے مولانا مناظر احسن گیلانی کے عمومی انداز تالیف اور مزاج کے لا ابالی پن کے بارے میں لکھا ہے کہ ''مولانا موصوف کو کسی گوشے سے تحریک ہوئی یا ان کے الفاظ میں کوئی ''مجبوری'' پیش آئی تو لکھنے بیٹھے اور صفحات پر صفحات لکھتے چلے گئے ۔ وہ خود اپنے لکھے پر نظر ثانی نہیں کرتے تھے ۔ یہ فریضہ ان کے شاگرد اور مخلص

احباب انجام دیتے تھے یا ناشر اپنے طور پر ترتیب و تدوین کرا لیتے تھے۔ اپنے اندازِ تحریر کے بارے میں مولانا گیلانی نے لکھا ہے : "ایک دفعہ جھونک میں لکھنے بیٹھا تو لکھتا چلا گیا ۔ اب اس پر نظرِ ثانی ، حک و اصلاح میرے لیے مشکل ہے"[1] ۔

مزاج کی اضطراری کیفیت اور طبعی لاپروائی کی وجہ سے ان کے ہاں تصنیفی منصوبہ بندی یا ترتیبِ مضامین مفقود ہے ۔ وہ اکثر لکھتے لکھتے موضوع سے ہٹ جاتے ہیں اور ضمنی بحثوں میں چلے جاتے ہیں ۔ اسی طرح وہ جملوں کی موزوں نشست و برخاست اور لفظی تراش خراش کے بھی زیادہ قائل نہیں ۔ بعض اوقات قواعدِ زبان کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ۔ اگر کوئی لفظ قلم سے نکل گیا ، اسے کاٹ کر دوسرا نہیں لکھا ۔ بعض اوقات عبارت کے درمیان میں جملہ معترضہ شروع کیا اور وہ اتنا طویل ہو گیا کہ جملے کا باقی حصہ کہیں درمیان ہی میں دم توڑ گیا[2] ۔ یہ سب کیفیات "النبی الخاتم[3]" میں بھی پائی جاتی ہیں ، مثلاً یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

"مدینہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ مسجدِ نبوی بنائی گئی اور اس کے ساتھ صفّہ کا مدرسہ بنایا گیا لیکن کیا صرف مسجدِ نبوی بنائی گئی اور مدرسہ بنایا گیا ؟ مسجد اور مدرسہ کون نہیں بناتا ؟ اور کہاں نہیں بنتے ؟ پھر اس میں کیا بڑائی ہے ؟ باوجود استطاعت و قدرت کے پختہ اینٹ سے اور پتھر سے نہیں بنائی گئی بلکہ کھجور کے تنوں اور شاخوں اور کچی اینٹوں سے بنائی گئی ۔ بلاشبہ اس میں یہ نمونہ ضرور ہے کہ مسلمان جس آبادی میں پہنچیں ، سب سے پہلے ، وہ گھر سے بھی پہلے ، وہاں خدا کی عبادت کی مسجد کی نیو کھودیں کہ مسجد ہی اسلام کی میخ ہے ۔ اسلامی آبادی بناتے ہوئے سب سے پہلے چاہیئے کہ اس میخ کو ہر مسلمان اس جگہ گاڑ دے جہاں وہ آباد ہوتا ہے"[3] ۔

۱- المعارف : لاہور ، شمارہ اگست ۱۹۸۰ء ، ص ۳۸ (مقالہ سید مناظر احسن گیلانی از اختر راہی) ۔
۲- ایضاً ۔
۳- النبی الخاتمؐ : سیدّ مناظر احسن گیلانی ، ص ۸۸ ۔

یہاں مسجد نبوی ؐ کی تفصیلات پیش کرنے کی بجائے ایک ہی بات کی تکرار ہے - بلاغت کی بجائے طول کلام سے کام لیا گیا ہے - صرف یہاں نہیں بلکہ پوری کتاب میں یہی کیفیت ہے - "النبی الخاتم ؐ" میں مربوط واقعات سیرت کی بجائے سرسری اشارے ہیں یا پھر آن پر طویل حاشیہ آرائی ہے - مولانا مناظر احسن گیلانی کی روح میں اتنا تلاطم ہے کہ انہیں گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا - مولانا عبدالباری نے آن کے انداز تحریر و تالیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "مولانا گیلانی کے پاس ماشا اللہ خیالات ، معلومات ور تعبیرات سب کی اتنی بہتات ہے کہ وہ بارہا خود بھی اس میں کھو جاتے ہیں"- تاہم ان کے افادات میں بڑا سرمایہ ہوتا ہے اور بیان کی مستی اور کیف بھی مخاطب پر وجد طاری کیے بغیر نہیں رہتی - باقی یہ بہرحال سچ ہے کہ ان کا سٹائل سائینٹفک نہیں ، پھر بھی لوگ پڑھتے ، رغبت و توجہ سے ہیں"[1] -

"النبی الخاتم ؐ" کی اصل خوبی اس کا پرجوش، والہانہ اور ولولہ انگیز انداز بیان ہے - بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے جوانی کے زمانے میں داستان امیر حمزہ اور واقدی کی تصانیف کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا تھا - ابوالکلام آزاد کے "الہلال" نے سونے پر سہاگے کا کام کیا - خود ان کا بیان ہے کہ وہ قاضی سلیمان منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین" کے ممنون ہیں کیونکہ سیرت طیبہ کے بعض اہم رُخ انہیں کے اشارے پر آن کے سامنے آئے[2] - لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ "رحمۃ للعالمین" کے مواد اور اسلوب کا کوئی خاص اثر انہوں نے "النبی الخاتم ؐ" میں قبول نہیں کیا - ہاں البتہ بائیبل کے جو حوالے قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب میں نقل کیے تھے ، مناظر احسن گیلانی نے انہیں کو اپنے ولولہ انگیز طرز تحریر میں ڈھال لیا ہے - پروفیسر اختر راہی "النبی الخاتم ؐ" کے انداز بیان کو والہانہ اور البیلا قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "الفاظ کے چناؤ اور

۱- انداز سخن : منشی عبدالرحمٰن خان ، تخلیق مرکز لاہور ، ۱۹۷۳ء ص ۱۸۶ ، ۱۸۷ -

۲- مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں : مرتبہ مولانا محمد عمران خان ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی ، ۱۹۷۹ء ، ص ۴۵ ، ۴۸ ، ۵۷ -

فقروں کے در و بست پر مولانا نے خاصی محنت کی ہے اور چھوٹے چھوٹے فقروں میں تاریخ کے طویل ادوار سمیٹ لیے گئے ہیں"[1] ۔ یہاں پہلی بات تو یقیناً درست ہے لیکن دوسری نہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ پُر جوش خطیبانہ اسلوب اور عوامی مقبولیت کے باوجود "النبی الخاتمؐ" سیرت کی بڑی کتابوں کی صف میں نہیں آتی ۔

محبوبِ خداؐ

چوہدری افضل حق (۱۸۹۱ء - ۱۹۴۲ء) کی "محبوبِ خداؐ" (۲۲۴ صفحات) کا زمانۂ تالیف ۱۹۴۰ء کے قریب ہے - ۱۹۳۹ء میں وہ فوجی بھرتی بائیکاٹ کے سلسلے میں مجلسِ احرار کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ گرفتار ہوئے اور ڈیڑھ سال کے لیے حوالۂ زنداں کر دیئے گئے - جیل میں ہی آپ نے سیرۃ پر اپنی کتاب "محبوبِ خداؐ" مکمل کی ، جو بعض جزئی اختلافات سے قطعِ نظر اپنے انداز کی ایک اچھی تصنیف ہے[2] - اس کے مقدمے "گزارشِ احوال" میں مصنف نے بتایا ہے کہ ملتان کی نیو سنٹرل جیل میں اپنے سیاسی رفقا (مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری، مولانا داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر اور مولانا عبدالرحمٰن تکودری) کے ایما پر انھوں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا - کچھ عرصہ بعد انہیں راولپنڈی جیل میں منتقل کر دیا گیا جہاں ایک بم ساز بنگالی نوجوان ڈاکٹر بوس سے اُن کی ملاقات ہوئی - یہ شخص ۷۵ سال لمبی قید کاٹ رہا تھا - اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات سے گہری داچسپی تھی اور آپؐ کی سیرت پر متعدد انگریزی کتب اُس کے پاس ہر وقت موجود رہتی تھیں - چوہدری افضل حق کہتے ہیں کہ "مجھے اس کے ذخیرۂ کتب سے بہت ہی فائدہ پہنچا - اس کے علاوہ "سیرۃ النبیؐ" مصنفہ مولانا شبلی نعمانی ہر وقت پیشِ نظر رہی - عربی عبارتوں کے تراجم اسی کتاب سے

۱- المعارف : لاہور ، شمارہ ستمبر ۱۹۸۰ء ، ص ۳۰ -
۲- تاریخِ احرار : امیر افضل حق ، مکتبۂ مجلسِ احرارِ اسلام لاہور ، ۱۹۶۸ء ، ص ۲۹ ، ۳۰ ("کلمات" از سید ابو معاویہ ابوذر بخاری) -

ماخوذ ہیں''[1] ۔

''محبوبِ خداؐ'' گو چوہدری افضل حق کے شوقِ محبت کی پیداوار ہے لیکن تحریر میں مصنف نے ضبط و احتیاط کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوڑا ۔ ٹیکنیک میں ''النبی الخاتمؐ'' (سید مناظر احسن گیلانی) کے قبیلے سے ہونے کے باوجود یہ کتاب اپنی انفرادیت برقرار رکھتی ہے ۔ شاعرانہ اسلوب میں بھی وضعِ احتیاط اور سلیقہ کا خیال رکھا گیا ہے ۔ بجا کہ محبت ضابطوں کی پابند نہیں ہوتی اور یہ بھی درست ہے کہ اکثر اوقات ادب و احترام کی حدود بے خبری میں نظر انداز ہو جاتی ہیں — لیکن افضل حق کی فکری استقامت ، تخلیقی ہنرمندی اور تالیفی خوش سلیقگی نے انہیں کہیں بے توازن نہیں ہونے دیا ۔

''محبوبِ خداؐ'' تحقیقی نہیں ، تاثراتی انداز کی کتاب ہے ، مگر اس میں مستند تاریخی روایات سے کہیں بھی انحراف نہیں کیا گیا ۔ کتاب کا آغاز ''دیارِ حبیبؐ'' (عرب) سے ہوتا ہے ۔ شبلی کے ''ظہورِ قدسی'' کی طرح یہاں بھی ایک سرمستی اور سرشاری کی کیفیت ہے :

''ذکرِ حبیبؐ'' سے پہلے دیارِ حبیبؐ کا مذکور تقریبِ سخن کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ عقیدت مند آنکھ خاکِ عربؐ کو جب محبت بھری نظروں سے دیکھتی ہے تو یثرب و بطحا کا ذرہ ذرہ آفتابِ جہاں تاب بن کر چمکتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نبی کے مولد و مدفن پر نور کے روشن طبق لے کر آترتے ہیں اور مکہ و مدینہ کی گلیاں ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بن گئی ہیں''[2] ۔

مصنف نے پس منظر کے طور پر ملکِ عرب کے محلِ وقوع ، آب و ہوا ، صحرائی زندگی ، عربی شاعری ، باشندوں کی عادات و خصائل ، محاسن و معائب ، اوضاع و اخلاق ، مذہب وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد مکہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر ،

۱۔ محبوبِ خداؐ : چوہدری افضل حق ، قومی کتب خانہ ، ریلوے روڈ لاہور ، طبع ششم ، ۱۹۶۹ء ، ص ۳ ، ۴ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۵ ۔

عرب و عجم میں بت پرستی کے دور دورے اور آنحضرت[ؐ] کے سلسلۂ نسب کا مختصراً تذکرہ کیا ہے ۔ پھر عبدالمطلب ، عبداللہ ، ابرہہ کی چڑھائی اور اس کے لشکر کی تباہی کا بیان ہے ۔ "طلوع" کے عنوان سے آنحضرت[ؐ] کی ولادت کے تذکرے میں بھی وہی شاعرانہ حسن ہے جو "دیارِ حبیب[ؐ]" میں موجود تھا ، ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

"۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول دو شنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے کہ آج دعائے خلیل[ع] اور نویدِ مسیحا[ع] مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہوگی ۔ حوریں جنت میں تزئینِ حسن کیے بیٹھی تھیں کہ آج صبحِ کائنات کا غازہ نمودار ہوگا ، جس کے عالمِ وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائے گی ۔ لوگ اپنے پروردگار کو جاننے لگیں گے ۔ نسل اور خون کے امتیاز کی لعنت مٹ جائے گی ، آقا اور غلام ایک ہو جائیں گے ------- دن کے دس بجے بی بی آمنہ کے بطن سے وہ لعلِ جہاں تاب پیدا ہوا جس کے لیے قعرِ مذلت میں گری ہوئی انسانیت کو اُٹھانا ، غریب اور غلام کو بڑھانا ، عورت کو مرد کے برابر کر دکھانا ، ازل سے مقدر ہو چکا تھا"[۱] ۔

واقعات کے بیان میں اسلامی تعلیمات کی پیوندکاری پوری کتاب کا خاصہ ہے ۔ جہاں کہیں کوئی واقعہ لکھا ہے ، اس کے امکانی نتائج پر تبصرہ بھی کیا ہے ۔ یوں بانیٔ اسلام کی سوانح حیات اور آپ[ؐ] کے لائے ہوئے پیغام کو خوبصورتی سے ایک دوسرے میں گوندھ دیا ہے ۔

کتاب میں آنحضرت[ؐ] کی ولادت کے بعد اسمِ مبارک کی تجویز ، ثویبہ اور حلیمہ کی رضاعت ، بچپن اور جوانی میں گلہ بانی ، والدہ ماجدہ اور دادا کی وفات ، ابو طالب کی پاسبانی ، سفرِ شام ، حربِ فجار اور حلف الفضول میں شرکت ، کعبہ کی از سرِ نو تعمیر ، تنصیبِ حجرِ اسود ، خدیجہ[رض] سے شادی ، مصروفیات و مشغولات ، نزولِ وحی ، دعوتِ اسلام ، ہجرتِ حبشہ، حضرت حمزہ اور حضرت عمر کا قبولِ اسلام، ترکِ موالات، عام الحزن سفرِ طائف ، قبائل میں تبلیغ ، بیعتِ عقبہ ، واقعۂ معراج ، قریش کی طرف

۱- محبوب خدا[ؐ] : چوہدری افضل حق ، ص ۲۰ ۔

ہیے قتل کے ارادے ، ہجرت ِ مدینہ ، مسجد ِ نبوی ؐ کی تعمیر ، غزوات ، صلح ِ حدیبیہ ، فتح ِ خیبر ، جنگ ِ موتہ ، فتح ِ مکہ ، غزواۃ ِ حنین و تبوک حجۃ الوداع اور وفات کے واقعات سلسلہ وار بیان کیے گئے ہیں - ہر جگہ حالات و واقعات کی بجائے ان سے مستخرج ہونے والے نتائج پر مصنف کی زیادہ نظر ہے ، اسی لیے بعض جگہوں پر غیر معمولی اختصار سے کام لیا گیا ہے - مثلاً واقعہ ٔ معراج کا ذکر صرف دو پیروں میں ہے اور ان میں بھی روایات پر نہیں بلکہ واقعہ کی اہمیت پر زور ہے - ایک پیرا ملاحظہ ہو :

"چشم فلک نے عبداللہ کے بیٹے ، آمنہ کے جائے کا سا عالی ظرف کب دیکھا تھا ، حوض ِ کوثر بھی جام سفالین کا ایک کونا ہے - طائف کے ہمت شکن سانحہ کے بعد چند روز بعد اللہ کا رسول ؐ دل گرفتہ ہو کر فرش ِ حرم پر لیٹ گیا - رحمت ِ حق نے خاک سے اٹھا کر افلاک تک پہنچا دیا ، کیونکہ دین و دنیا کی سربلندیاں ، ان خاکساروں کے لیے ہیں ، فخر و غرور جن کی فطرت ِ سعید کو چھو نہ گیا ہو - اللہ کی راہ میں جان جوکھوں میں ڈالنے والا رسول ؐ چشم زدن میں عرش پر پہنچا - ہفت افلاک کے سفر کی داستان طویل اور تشریح طلب ہے لیکن جب تک راہ ِ حق میں سعی و عمل کی ناکامیاں شیشہ ٔ دل کو چور چور نہ کر دیں ، اس رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا"[1] -

چوہدری افضل حق کی زندگی بھی تحریکی تھی اور مزاج بھی اور اس مجاہدانہ زندگی کی شہادت "محبوب ِ خدا ؐ" کے ورق ورق سے ملتی ہے - یوں لگتا ہے کہ وہ سیرت ِ رسول ؐ کو بھی دعوت ِ دین کا ایک وسیلہ سمجھتے تھے ، اسی لیے بعض مقامات پر سوانحی حالات کم اور ان پر حکیمانہ تبصرہ زیادہ ہے - "محبوب ِ خدا ؐ" کا دعوتی اسلوب "رحمۃ للعالمین ؐ" اور "سیرت النبی ؐ" جیسی کتابوں سے مختلف ہے - اس میں ایک طرح کا خطیبانہ جوش اور عاشقانہ سرمستی ہے - چوہدری افضل حق کی اس کتاب کو محبوب ِ خلائق بنانے میں اس کے دلکش اسلوب ِ بیان کا بڑا ہاتھ ہے -

---

۱- محبوب ِ خدا ؐ : چوہدری افضل حق ، ص ۸۹ ، ۹۰ -

موزوں الفاظ ، خوش آہنگ تراکیب، برمحل تشبیہات ، استعارات ، کنایات، محاورات اور ضرب الامثال سے مصنف نے ایک چابک دست فن کار کی طرح کام لیا ہے ۔ چوہدری صاحب کے خطیبانہ اندازِ بیان کو دیکھتے ہوئے کارلائل بار بار یاد آتا ہے ، لیکن دونوں کے طرزِ فکر میں وہی فرق ہے جو ایک غیر مسلم عقیدت مند اور ایک عاشق آستی میں ہوتا ہے ۔ "محبوبِ خدا ؐ" میں مصنف نے اپنی قوتِ متخیلہ سے وہ مبارک دور پھر زندہ کیا ہے جب "قطار اندر قطار قدسی ، عرش سے فرش تک پرے باندھ کر کھڑے رہتے تھے اور پیغمبرِ خدا ؐ کی ہر حرکتِ قدم پر حسبنا اللہ حسبنا اللہ کہتے تھے" ۔

سیرت المصطفیٰ ؐ

کلاسیکی انداز کی ایک اور ضخیم کتاب مشہور عالمِ دین اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندہلوی (١٩٠١ء-١٩٧٤ء) کی "سیرت المصطفیٰ ؐ" ہے ، جس کی تین جلدیں قیامِ پاکستان سے پہلے (١٣٥٨ھ/١٩٣١ء میں) شائع ہوئیں اور چوتھی جلد ١٣٨٥ھ/١٩٦٦ء میں مکمل ہوکر شائع ہوئی ۔ اب چار جلدوں (١٢٧١ صفحات) پر مشتمل اس کا تازہ ایڈیشن مکہ پبلشنگ کمپنی لاہور کی طرف سے حال ہی میں شائع ہوا ہے ۔ "سیرت المصطفیٰ ؐ" کا انداز وہی ہے جو عربی کی اُمہات کتبِ سیرت کا تھا ، چنانچہ مصنف نے اس دعویٰ کے ساتھ کتاب لکھی ہے کہ آپ اس کتاب میں کسی جگہ محدثین حضرات کے اصول سے سرتابی نہیں پائیں گے ۔

مولانا محمد ادریس کاندہلوی کی "سیرتِ المصطفیٰ ؐ" کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے آنحضرت ؐ اور آپ ؐ کے صحابہ کے فضائل و کمالات سے کماحقہ' آگاہی ہوتی ہے ، بہت سی احادیث و آیات کے نئے معانی معلوم ہوتے ہیں اور عربی کی تمام کتبِ سیرت کا نچوڑ اور خلاصہ ایک ہی کتاب میں مل جاتا ہے ۔ مولانا محمد ادریس کاندہلوی نے ، بقول محمد ظہیر الدین ، "سیرۃ النبوی ؐ کے ہر پہلو کو راسخ اسلامی عقائد کے مطابق حوالہ جات اور استدلالات کے ساتھ ساتھ اہلِ نظر اور اصحابِ کشف کی تصدیقات کے

ذریعے نہایت محکم اور مضبوط بنا کر پیش کیا ہے"[1] -

"اصح السیر" (حکیم عبدالرؤف دانا پوری) کی طرح اس کتاب کی بنیاد بھی احادیث پر رکھی گئی ہے اور یورپین مصنفین کی کتب سیرت سے اعتنا نہیں کیا گیا ، البتہ جن ہندوستانیوں نے ان سے مرعوب یا متاثر ہو کر کتابیں لکھیں ، ان کے بعض خیالات کی مصنف نے تردید کی ہے - ان میں سر فہرست مولینا شبلی نعمانی ہیں - "سیرت المصطفیٰ" میں کئی جگہوں پر ان کا نام لے کر ان کے مؤقف کو غلط قرار دیا گیا ہے - (مثلاً جلد اول ، ص ۵۵ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۲۰۶ ، ۲۰۷) ، شبلی کے علاوہ انہیں دوسرے سیرت نگاروں سے بھی گلہ ہے کہ وہ فلسفہ جدیدہ اور یورپ کے مفکروں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ آیات و احادیث کو توڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کرا دیں کہ عیاذاً باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول اور فعل مغربی تہذیب و تمدن اور موجودہ فلسفہ اور سائنس کے خلاف نہ تھا - یہی وجہ ہے کہ جب معجزات اور کرامات کا ذکر آتا ہے تو جس قدر ممکن ہوتا ہے ، اس کو ہلکا کر کے بیان کیا جاتا ہے - اگر راویوں پر بس چلتا ہے تو جرح و تعدیل کے ذریعے سے محدثانہ رنگ میں ان روایات کو ناقابل اعتبار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں سے جرح کے اقوال تو نقل کر دیتے ہیں لیکن توثیق و تعدیل کے اقوال نقل نہیں کرتے ، جو سراسر امانت اور دیانت کے خلاف ہے ، اور جہاں راویوں پر بس نہیں چلتا وہاں صوفیانہ اور محققانہ رنگ میں آ کر تاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے ، جس سے آیت اور حدیث کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے[2] -

---

۱- مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات اور احوال و آثار : محمد ظہیر الدین - تحقیقی مقالہ ایم اے عربی ۱۹۷۳ء ، پنجاب یونیورسٹی اورئینٹل کالج لاہور ، ص ۱۷۸ -

۲- سیرت المصطفیٰؐ : مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، مکہ پبلشنگ کمپنی لاہور ، ص ۱۵ -

یہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا اشارہ سید احمد خاں اور اُن کے عہد کے دیگر سیرت نگاروں کی طرف ہے۔ شبلی ہمارے عہد کے سب سے بڑے سیرت نگار ہیں لیکن مولانا کاندھلوی کئی مقامات پر اُن کے مؤقف سے متفق نہیں، اسی لیے اُنھوں نے ارادہ کیا کہ "سیرت کی ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں اگر ایک طرف غیر معتبر روایات سے پرہیز کیا جائے تو دوسری طرف کسی ڈاکٹر یا فلاسفر سے گھبرا کر نہ کسی روایت کو چھپایا جائے اور نہ کسی حدیث میں اُن کی خاطر کوئی تاویل کی جائے اور نہ راویوں پر جرح کر کے اس حدیث کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی جائے"[1] ۔ "سیرت المصطفیٰ ؐ" کی چار ضخیم جلدیں اُن کے اسی خواب کی حسین تعبیر ہیں ۔

"سیرت المصطفیٰ ؐ" کی پہلی جلد (۳٦٧ صفحات) کی ابتدا میں ۹ صفحات کا ایک مختصر سا مقدمہ ہے، جو سیرتِ نبوی ؐ کی ضرورت کے بیان میں ہے ۔ اس کے بعد آنحضرت ؐ کا حسب نسب، آبا و اجداد، ولادت، حضانت و رضاعت، شقِ صدر، عبدالمطلب کی وفات، ابوطالب کی کفالت، پہلا سفرِ شام، بحیرا راہب کی ملاقات، حرب الفجار، حلف الفضول، شغلِ تجارت، دوسرا سفرِ شام اور نسطورا راہب سے ملاقات، خدیجہ رض سے نکاح، تعمیرِ کعبہ اور آپ ؐ کی تحکیم، رسومِ جاہلیت سے تنفر، رؤیائے صالحہ، بعثت و نبوت، ابتدائی تبلیغِ دین، سابقینِ اوّلین، عام دعوتِ اسلام، تعذیبِ مسلمین، اسلامِ حمزہ رض و عمر رض، معجزاتِ شق القمر، ردِ شمس، حبسِ شمس، ہجرتِ اولیٰ و ثانیہ بجانبِ حبشہ، مقاطعۂ بنی ہاشم، عام الحزن، سفرِ طائف، اسراء و معراج، موسمِ حج میں دعوتِ اسلام، مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتدا، انصار کی دو بیعتیں، ہجرتِ مدینہ، مسجدِ قبا کی بنیاد، تعمیرِ مسجدِ نبوی و حجرات برائے ازواج مطہرات، مواخاۃ، یہودِ مدینہ سے معاہدہ، وغیرہ حالات بیان کیے گئے ہیں ۔

۱۔ سیرت المصطفیٰ ؐ : مولانا محمد ادریس کاندہلوی، مکہ پبلشنگ کمپنی لاہور، ص ١٦ ۔

سیرۃ المصطفیٰ کی دوسری جلد (۲۵۵ صفحات) کی ابتدا جہاد فی سبیل اللہ اور مسئلہ٘ غلامی سے ہوتی ہے - جہاد کے اغراض و مقاصد ، جہاد کی فضیلت ، آدابِ جہاد ، اقسامِ جہاد ، (اقدامی اور دفاعی) ، جہاد کی غرض و غایت اور جہاد کی مثالیں بیان کرنے کے بعد اسلام اور مسئلہ٘ غلامی پر بحث کی گئی ہے - اس کے بعد چار ہجری تک کے غزوات و سرایا کا تفصیلی ذکر ہے - ضمناً علامہ شبلی اور بعض دیگر سیرت نگاروں کے 'خیالاتِ فاسدہ' کا ازالہ بھی کیا گیا ہے اور اس دوران پیش آنے والے اہم واقعات بھی درج کر دیئے گئے ہیں - اس جلد کا بیشتر حصہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کی تفصیلات کے لیے وقف ہے -

"سیرۃ المصطفیٰ"ؐ کی تیسری جلد (۵۱۴ صفحات) کا آغاز غزوۂ دومۃالجندل (۵ھ) سے ہوتا ہے اور اس میں غزوۂ احزاب، غزوۂ بنوقریظہ ، غزوہ بنی لحیان ، غزوۂ ذی قرد اور متعدد سرایا کے تذکرے کے بعد بیعتِ رضوان ، صلحِ حدیبیہ . بادشاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ، غزوۂ خیبر ، فتحِ فدک ، جنگِ موتہ ، فتحِ مکہ ، غزوۂ حنین ، غزوۂ تبوک ، عام الوفود ، حجۃ الوداع اور وفات تک کے اہم واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے - اسی جلد میں ازواجِ مطہرات کے فضائل اور خصوصیات، آنحضرتؐ کا حلیہ٘ مبارک ، مسئلہ٘ حیاتِ نبویؐ ، مسئلہ٘ خلافت اور بعض دیگر مسائل پر اظہارِ خیال بھی ملتا ہے - اسی جلد میں آنحضرتؐ کے لباس کے حوالے سے انگریزی لباس اور اس کے اقتصادی نتائج پر بھی بحث کی گئی ہے - آخر میں دو صفحات کا ضمیمہ ہے جس میں ایک عورت کے لیے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجوہات بیان کی گئی ہیں -

"سیرۃ المصطفیٰ"ؐ کی چوتھی جلد (۱۳۹ صفحات) کی حیثیت کتاب کے تکملہ کی سی ہے اور یہ آنحضرتؐ کے معجزات اور آپؐ کے بارے میں سابقہ انبیاء کی بشارات پر مشتمل ہے - مصنف نے دیگر سیرت نگاروں کی طرح حضورِ اکرمؐ کے معجزات کو دلائلِ نبوت اور براہینِ رسالت کی حیثیت سے پیش کیا ہے - سب سے پہلے معجزات کی مختصر بحث ہے ، جس میں معجزات کی تعداد اور اقسام پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور قرآن و حدیث کو آنحضرتؐ کے دو بڑے معجزات میں شمار کیا گیا ہے - اس کے بعد معجزاتِ نبویؐ کی تفصیل ہے - پھر وہ ۲۴ بشارات نقل کی گئی ہیں

جو سابقہ آسمانی صحائف میں انبیاء نے آنحضرتؐ کے ظہور کے سلسلے میں دی ہیں ۔ اسی بحث میں لفظ فارقلیط کی تحقیق بھی ہے اور نصاریٰ کے چند شبہات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں ۔ اس کے بعد آیندہ واقعات کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیشین گوئیاں درج کی گئی ہیں اور اختتام خصائص نبویؐ پر کیا گیا ہے ۔

"سیرۃ المصطفیٰؐ" اپنی ٹیکنیک ، اسلوبِ بیان اور طرزِ فکر کے اعتبار سے "اصح السیر" حکیم عبدالرؤف دانا پوری) سے خاصی مشابہت رکھتی ہے لیکن یہ ضخامت میں اس سے تقریباً دوگنی ہے ۔ حکیم عبدالرؤف دانا پوری اور مولانا محمد ادریس کاندہلوی دونوں نے غزواتِ نبویؐ کو زیادہ اہمیت دی ہے ۔ دونوں کے ہاں عام الوفود والا حصہ بہت سیر حاصل ہے ۔ دونوں کو فقہی مسائل سے یکساں دلچسپی ہے ۔ دونوں نے اپنی اپنی تصانیف کی بنیاد احادیثِ نبویؐ پر رکھی ہے ۔ دونوں اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کے دعویدار ہیں ۔ دونوں شبلی پر یکساں انداز میں تنقید کرتے ہیں اور دونوں کو اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں کہ مغربی دنیا آنحضرتؐ کے بارے میں کن کن غلط فہمیوں کا شکار ہے ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کو بعض امور میں البتہ حکیم عبدالرؤف دانا پوری پر فوقیت حاصل ہے ۔ آن کی، سیرت کے بنیادی ماخذوں تک رسائی حکیم صاحب کی نسبت زیادہ ہے ۔ اُنہوں نے حکیم صاحب سے زیادہ فقہی مسائل پر بحث کی ہے ۔ آنحضرتؐ کے اعلانِ نبوت سے پہلے کے واقعات بھی اُنہوں نے حکیم صاحب سے زیادہ دیئے ہیں ۔ حکیم صاحب نے معجزات کی بحث کو اپنی کتاب کی دوسری جلد کے لیے اُٹھا رکھا تھا (جو بدقسمتی سے لکھی نہ جا سکی) اور صرف تین معجزات "اصح السیر" میں درج کیے تھے ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے "سیرت المصطفیٰؐ" کی چوتھی جلد کا معتدبہ حصہ معجزات کے لیے وقف کیا ہے ۔ مولانا کاندھلوی کے ہاں ، حکیم صاحب سے زیادہ وسعت ، زیادہ گہرائی اور زیادہ کشادگی ہے ۔ (لیکن حکیم صاحب کا ذہن مولانا صاحب سے زیادہ منطقی ہے) ۔ مولانا کاندھلوی نے علامہ سہیلی، حافظ ابنِ قیم اور علامہ زرقانی کی تقلید میں سیرت کے واقعات پر تبصرہ بھی کیا ہے اور موقعہ بہ موقعہ بعض لطیف حقائق و معارف کی طرف اشارے بھی کیے ہیں ، جن سے سیرت کا لطف دوبالا ہو گیا ہے ۔

معجزات کے سلسلے میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی اسلاف کے پیروکار ہیں ۔ مثال کے طور پر شق صدر کی بحث ملاحظہ ہو : "شق صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے ۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو ایک خاص قسم کا علم ہے ، صریح غلطی ہے ۔ شق صدر حضور ؐ کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور ؐ کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے ۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جوکہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا کہ سیون کا نشان جو آپ ؐ کے سینۂ مبارک پر تھا ، صحابۂ کرام اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے ۔ کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں ؟"[1]

"مہر نبوت" کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :

"جس طرح قلب مبارک کا اندرونی حصہ شق صدر کے ذریعہ مادۂ شیطانی سے پاک کر دیا گیا ، اسی طرح پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا"[2] ۔

"سیرت المصطفیٰ ؐ" میں کتب احادیث و سیر کے کم و بیش سارے قابل ذکر سرمایہ سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ حواشی میں بے شمار کتابوں کے نام درج ہیں ، جن سے مصنف کی وسعت معلومات اور کثرت مطالعہ کا ثبوت ملتا ہے ۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کتاب کے متعدد حصے مصنف کی زبانی سنے تھے ، (مثلاً دیباچۂ کتاب ، بدء لوحی کا بیان ، جس میں رویائے صالحہ کے جزو نبوت ہونے پر کلام ہے ، اس کے اسرار و حکم ، دربار نجاشی میں حضرت جعفرؓ کی تقریر، اصحاب صفہ کا بیان اور انبیاء علیہم السلام کی قبل نبوت بھی نزاہت وغیرہ) ۔ اُن کی رائے میں "سیر کے جتنے ضروری حقوق و لوازم ہیں ، اُن کو خاص طور پر پورا کیا

١۔ سیرت المصطفیٰ ؐ : مولانا محمد ادریس کاندہلوی ، جلد اول ، ص ٦٨ ۔
٢۔ ایضاً ، ص ١٠٧ ۔

گیا ہے''[۱] ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ پُر فتن دور میں ایسی کتبِ سیرت کی اشد ضرورت ہے ، جنھیں پڑھ کر مسلمان آنحضرت[ص] کے اسوۂ مبارکہ کو مشعلِ راہ بنا سکیں ۔ ''سیرت المصطفیٰ[ص]'' یقیناً ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی افادیت کے اعتبار سے علمی دنیا میں ایک درخشندہ باب کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کی زبان عالمانہ ہونے کے باوجود دقیق نہیں ۔ نہ یہ اتنی آسان ہے کہ عامیانہ معلوم ہونے لگے۔ مولانا محمد ادریس کاندہلوی مشہور عالمِ دین اور شیخ الحدیث ہیں اور آن کی زبان اور اسلوب سے آن کے دینی اور علمی رتبہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ محمد ظہیر الدین کے بقول ''مولانا موصوف کی ہر بات محکم ، مدلل ، بحوالہ اور نہایت واضح ہے ۔ وہ شروع سے آخر تک نہایت متین ، باوقار ، مضبوط اور اعلیٰ پائے کے عالمانہ اسلوب پر قادر نظر آتے ہیں ۔ علاوہ ازیں کتاب میں محققانہ انداز بہت واضح ہے ۔ ان کا عاشقانہ روپ بھی غائب نہیں ہوتا اور وہ شانِ نبوت کے ہر پہلو کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری شانِ نبوت کی تحقیق سے سیراب ہوتے ہوئے اس کا فدائی بننے لگتا ہے''[۲] ۔

''سیرت المصطفیٰ[ص]'' آن قارئین کے لیے خاص طور پر مفید ہے جو اردو زبان میں عربی امہات کتبِ سیرت کی سی وسیع معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ، لیکن جدید سانچے میں ڈھلے ہوئے قارئین کے لیے شاید اس کے مباحث ، افادات ، زبان اور طرزِ استدلال میں زیادہ کشش نہ ہو ۔

سیرت رسول عربی از مولانا نور بخش توکلی کا ذکر مؤلف نے نہیں کیا حالانکہ سیرت پر وہ بڑی اہم کتاب ہے

۱۔ سیرت المصطفیٰ[ص] : مولانا محمد ادریس کاندہلوی ، جلد اول ، ص ۵ ، (کلماتِ با برکات دربارۂ ''سیرت المصطفیٰ[ص]'' از مولانا محمد اشرف علی تھانوی) ۔

۲۔ مولانا محمد ادریس کاندہلوی کی علمی خدمات اور احوال و آثار : محمد ظہیر الدین ۔ تحقیقی مقالہ ایم اے عربی ۱۹۷۳ء ، پنجاب یونیورسٹی اورنٹل کالج لاہور ، ص ۱۷۹ ۔

دیگر کتبِ سیرت

بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں سیرت الرسول ؐ پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں ۔ اُن میں سے بعض غیرمسلموں (ہندوؤں اور سکھوں) کی لکھی ہوئی کتابوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور مسلمانوں کی تحریر کردہ مشہور کتبِ سیرت کا بھی ، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُن تصانیف کے علاوہ باقی کتبِ سیرت غیر اہم ہیں ۔ فنی معیار سے قطعِ نظر ، ان کتابوں کے لیے یہی فضیلت کیا کم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نامِ نامی سے منسوب ہیں ۔ ان کتابوں میں بڑی عقیدت کے ساتھ آنحضرت ؐ کے سوانحی حالات بیان کیے جاتے ہیں اور آپ ؐ کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالی جاتی ہے ۔ قارئین کا ایک وسیع حلقہ انہیں مرکزِ دل و نگاہ بنا کر رکھتا ہے ۔ "سیرتِ محمدیہ ؐ" (مرزا حیرت دہلوی) ، سیرت الرسول ؐ (مرزا حیرت دہلوی) ، سیرت النبی ؐ (فیروز الدین ڈسکوی)، رحمة للعالمین ؐ (قاضی سلیمان منصور پوری) ، سیرة النبی ؐ (شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی) ، نشر الطیب (اشرف علی تھانوی) ، خطباتِ مدراس (سید سلیمان ندوی) ، سوانح عمری حضرت رسول کریم ؐ (محمد عبدالعزیز) ، سیرت رسول اللہ ؐ (سید نواب علی)، اصح السیر (حکیم عبدالرؤف داناپوری)، النبی الخاتم ؐ (مناظر احسن گیلانی) ، محبوبِ خدا ؐ (چوہدری افضل حق) اور سیرت المصطفیٰ ؐ (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) جیسی متنوع کتابوں کے تفصیلی جائزہ کے بعد چند ایسی کتبِ سیرت کا ذکر ناگزیر ہے جو ۱۹۰۱ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئیں ۔ اس سلسلے میں "سیرتِ محمدیہ ؐ" از کرامت علی (۱۹۰۲ء) ، سیرت النبی ؐ (دو حصے) از پروفیسر فیروز الدین روحی (۱۹۰۵ء) ، سیرتِ رسول ؐ از شبیر حسن عثمانی (۱۹۰۶ء) ، تذکرة المصطفیٰ ؐ از سید نواب علی (۱۹۰۷ء) ، سوانح حضرت محمد صلعم از عبدالرحمٰن شوق (۱۹۰۹ء) ، ہادیٔ اعظم ؐ از مولوی

ابو خالد ، ایم اے (۱۹۰۹ء) ، تاریخِ نبویؐ از محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ، تواریخِ احمدی از محمد سراج الیقین (۱۹۱۱ء) ، آسوۂ حسنہ (زندہ کامل نبیؐ) از خواجہ کمال الدین (۱۹۱۱ء) ، نبوت کاظہور اتم (نبیؐ کامل ؐ) از خواجہ کمال الدین (۱۹۱۲ء) ، ہادیٔ اعظمؐ از امجد علی (۱۹۱۲ء) ، ہادیٔ برحقؐ از عباس علی (۱۹۱۳ء) ، جنابِ سرورِ کائنات صلعم از محمد یوسف (۱۹۱۳ء) ، لمعاتِ انوارِ احمدیہؐ (۱۹۱۳ء)، جناب سرورِ کائناتؐ از محمد ضیاء اللہ (۱۹۱۳ء) ، خیر المعظمؐ از محبوب علی شاہ (۱۹۱۵ء) ، حسام الاسلام از عبدالرزاق کلامی (۱۹۱۵ء) ، مرقع تصویرِ پیغمبریؐ از محمد صدر الدین خان (۱۹۱۶ء) ، تذکرۃ الحبیب از مفتی انوارالحق ٹونکی (طبع چہارم ۱۹۱۶ء)، رسالتِ نبویہؐ از عبدالرحیم ٹونکی (۱۹۱۷ء) ، جویائے حق (تین حصے) از عبدالحلیم شرر (۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۱ء) ، ذکر المحبوبؐ از منشی محبوب عالم (۱۹۱۹ء) ، سوانح خاتم المرسلینؐ از عبدالحلیم شرر (۱۹۱۹) ، سیرت المصطفٰی از نواب سلطان جہاں بیگم (۱۹۱۹ء) ، شہنشاہِ کونینؐ از حامد نعمانی (۱۹۲۰ء) ، سیدالمرسلینؐ از عبدالرحمٰن شوق (۱۹۲۰ء) ، سرورِ دو عالم از مولوی حفیظ الرحمٰن (۱۹۲۰ء) ، ذکرِ مہدیؐ از نواب مرزا برلاس (۱۹۲۰ء) ، صداقتِ رسولؐ از عبدالرزاق ملیح آبادی (۱۹۲۱ء) ، سیرتِ احمدیؐ از احمد حسین خان (۱۹۲۲ء) ، غزوات النبیؐ از نور بخش توکلی (۱۹۲۲ء) ، محمدؐ رشی از مولوی ثناء اللہ امرتسری (۱۹۲۳ء)، سیرت النبیؐ از حسین میاں پھلواروی (۱۹۲۳ء) ، تذکرۂ جمیل از شاہ محمد جعفر ندوی ، اسلامی رسولؐ از خواجہ حسن نظامی (۱۹۲۴ء) ، مقدس رسولؐ از مولوی ثنا اللہ امرتسری (۱۹۲۴ء) ، خطباتِ نبویؐ از محمد عبداللہ خان (طبع دوم ۱۹۲۴ء) ، سید البشرؐ از خادم علی خاں احقر (۱۹۲۵ء) ، سراجِ منیر از امتیاز علی وکیل (۱۹۲۵ء) ، داعیٔ اسلام از انتظام اللہ شہابی (۱۹۲۵ء) ، آسوۂ رسولؐ (پانچ جلدیں) از سید اولادِ حیدر فوق بلگرامی (۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۵ء) ، خورشیدِ صداقت از خواجہ چراغ علی اختر (۱۹۲۵ء) تصویرِ نور از عزیز جنگ (۱۹۲۵ء) ، تذکرۂ رحمۃ للعالمینؐ از مولوی حبیب حسین (۱۹۲۶ء) ، یادِ رسولؐ از سلطان احمد (۱۹۲۶ء) ، عہد.

نبوی ؐ میں نظامِ حکمرانی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۲۶ء)، سرورِ عالم ؐ از صدیق دیندار (چن بسویشور) ۱۹۲۷ء ، غزوات النبی ؐ از عبدالشکور لکھنوی (۱۹۲۷ء) ، آفتابِ نبوت ؐ از احمد علی خاں (۱۹۲۷ء) ، سیرتِ خیرالبشر ؐ از مولوی محمد علی لاہوری (۱۹۲۷ء) ، زندہ نبی ؐ کی زندہ تعلیم از مولوی محمد علی لاہوری ، پیغمبرِ اسلام ؐ از عبدالمجید قرشی (۱۹۲۹ء)، سیرت الحبیب ؐ از محمد عبدالتواب چشتی (۱۹۳۰ء) ، حیاتِ رسول ؐ از عباس علی سبزواری (۱۹۳۰ء) سید البشر ؐ از غلام محمد (۱۹۳۰ء) ، تحفۂ محمدی ؐ از محمد الیاس برنی (۱۹۳۰ء) ، ذکر الحبیب ؐ ، شانِ رسالت ، آفتابِ رسالت ، شمائل مبارک ، اُسوۂ حسنہ ، سیرت النبی ، ذکرِ شریف ، شمعِ ہدایت اور ذکرِ جمیل از نواب حبیب الرحمٰن شروانی (۱۹۳۰ء) ، ذکرِ مبارک از میمونہ سلطان شاہ بانو (۱۹۳۰ء) ، رسول ؐ بیتی از خواجہ حسن نظامی (۱۹۳۱ء) ، دربارِ رسالت از فضل اللہ خاں شاہجہاں پوری (۱۹۳۱ء) ، اُسوۂ حسنہ از عبداللہ المسدوسی (۱۹۳۱ء) ، ذکر الرسول ؐ (جلد اول) از مولوی محمد کریم بخش (۱۹۳۲ء) ، سرورِ دو عالم از محمد طاہر فاروق (۱۹۳۲ء) ، رہبرِ عالم ؐ از محمد مہدی حسن (۱۹۳۲ء) ، عہدِ نبوی ؐ کا نظامِ تعلیم از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۳۲ء) ، رسالۃ المعراج از اشرف شمسی (۱۹۳۲ء) ، بلاغ المبین از حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۱۹۳۲ء) ، سیرتِ خاتم النبیین (تین حصے) از مرزا بشیر احمد ایم اے (۱۹۳۳ء) ، سیرتِ خیر الرسل ؐ از مرزا بشیر احمد ایم ۔ اے ، نبیوں کے سردار از مرزا بشیر الدین محمود احمد ، رحمۃ للعالمین از مرزا بشیر الدین محمود احمد ، سیرتِ طیبہ از غازی الدین (۱۹۳۳ء) ، ایکتا کا اوتار مرتبہ عبدالمجید قرشی (۱۹۳۳ء) ، سرکارِ دو عالم ؐ از محمد حسین خاں ندوی (۱۹۳۳ء) ، محمد رسول اللہ ؐ از محمد ابراہیم سب جج (۱۹۳۴ء) ، جگت مہا رشی مرتبہ عبدالمجید قرشی (۱۹۳۴ء)، پیارا نبی ؐ از مرزا بشیرالدین محمود احمد (۱۹۳۵ء) ، سرورِ عالم ؐ از فضل کریم درانی (۱۹۳۵ء) ، رسولِ جہاں ؐ از محمد ظفر ایم ۔ اے (۱۹۳۵ء) ، سیرتِ محبوبِ کائنات از مولانا عبدالحمید دہلوی (۱۹۳۵ء)، آفتابِ رسالت ؐ از آغا رفیق بلند شہری (۱۹۳۶ء) ، سیرت النبی ؐ از خواجہ حسن نظامی (۱۹۳۶ء)، ہادی اعظم ؐ از نبی احمد کرت پوری (۱۹۳۶ء) ، ذکرِ نبی ؐ از نصیر الدین ہاشمی (۱۹۳۶ء) ، خاتم النبیین ؐ از ابراہیم العمادی (۱۹۳۶ء) ، سید البشر ؐ از

ابو سعید عبدالرحمٰن فرید کوٹی (۱۹۳۷ء) ، میثاق الانبیا ؑ از غازی محمد عبدالغنی (۱۹۳۷ء)، رسول پاک ؐ از سید عبدالواحد (۱۹۳۸ء)، خاتم النبین ؐ از سید انوار علی شاہ (۱۹۴۰ء) ، ذکر کرام ؐ از مولوی حفظ الرحمٰن (۱۹۴۰ء) ، آنحضرت ؐ اور جوانی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۴۰ء) ، ظہور قدسی از ماہر القادری (۱۹۴۰ء) ، اسوۃ النبی ؐ از ماہر القادری ، "محمد عربی ؐ" از باری علیگ (۱۹۴۱ء) ، خاتم النبیین یعنی سوانح عمری حضرت محمد از منشی نذیر احمد سیاب قریشی بنہاوی (۱۹۴۲ء) شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن از مفتی احمد یار خاں نعیمی (۱۹۴۲ء) ، رسول اللہ ؐ از احمد سعید دہلوی (۱۹۴۲ء) ، پاک زندگی از احمد سعید دہلوی ، فتح مبین از حاجی موسیٰ خاں رئیس دتاولی (۱۹۴۲ء) ، سیرت رسول مقبول صلعم از احمد حسین جوہر (۱۹۴۳ء) ، محسن حقیقی از رازق الخیری (۱۹۴۳ء) پیغمبر عالم ؐ از عینی نظامی (۱۹۴۳ء)، خیر البشر ؐ از عینی نظامی ، اسوۂ حسنہ از سید میر محمد اسحٰق (۱۹۴۳ء) ، مُردوں کی مسیحائی از عبدالماجد دریا بادی (۱۹۴۳ء) ، یتیم ؐ کا راج از عبدالماجد دریا بادی (۱۹۴۳ء) ، مراسلات نبویہ ؐ از عبدالنعیم خاں ، سید البشر ؐ (دو حصے) از قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۹۴۵ء) ، شمس بازغہ از انیسہ محمود رضویہ (۱۹۴۵ء) ، سرور عالم از خالد (۱۹۴۵ء) ، عہد نبوی ؐ کے میدان جنگ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۴۵ء) ، سیرت النبی ؐ (دو حصے) از ابوالفرح عبدالرحمٰن دہلوی ، اخلاق النبی ؐ از ابوالفرح عبدالرحمٰن دہلوی ، رحمت کا خزانہ از محمد عبدالقیوم ندوی ، ذکر حبیب ؐ از عبدالعلیم صدیقی، قصص القرآن جلد چہارم (مشتمل بر سیرت النبی ؐ) از حفظ الرحمٰن سیوہاری ، خاتم النبیین ؐ از قاری محمد طیب ، سیرت خاتم النبیین ؐ از سید جلال الدین احمد جعفری زینبی ، خطبات مہدی (پانچ جلدیں) از مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی ، ذکر حبیب ؐ از مولانا عبدالشکور فاروق ، خیر البشر ؐ (دو حصے) از مولوی ایروز الدین (۱۹۴۶ء)، سراپائے رسول ؐ از اعجاز الحق قدوسی (۱۹۴۶ء)، حلیۃالنبی ؐ از سید احمد قادری (۱۹۴۶ء) اور اشرف الانبیا ؐ از مجتبیٰ خاں چشتی نظامی (۱۹۴۷ء) وغیرہ کے نام بطور نمونہ پیش کیے جا سکتے ہیں - ان میں سوانح خاتم النبیین از عبدالحلیم شرر (ص ۵۲۳) ، سراج منیر از امتیاز

علی وکیل (ص ۳۰۱) ، اسوۂ رسول ؐ (پانچ جلدیں) از سید اولاد حیدر فوق بلگرامی ص ۱۲۵۰ سے زاید) ، سیرتِ خاتم النبیینؐ (تین جلدیں) از مرزا بشیر احمد ایم ، اے (ص ۹۹۲ سے زاید) اور سیرتِ محبوب کائنات از مولانا عبدالحمید دہلوی (ص ۵۹۲) ، جیسی ضخیم کتبِ سیرت بھی شامل ہیں اور ہادیٔ اعظمؐ از ابو خالد ایم ۔ اے (ص ۳۸) ہادیٔ برحق از عباس علی ، صداقتِ رسولؐ از عبدالرزاق ملیح آبادی (ص ۳۲) ، سیرت النبیؐ از حسن میاں پھلواروی (ص ۸۵) ، سیدالبشرؐ از خادم علی خاں احقر (ص ٦۴) ، داعیٔ اسلام از انتظام اللہ شہابی (ص ۳۲) ، سرورِ عالمؐ از صدیق دیندار (ص ۲۰) ، آفتابِ نبوتؐ از احمد علی خاں (ص ۲۳) ، پیغمبرِ اسلامؐ از عبدالمجید قرشی (ص ۲۹) ، تحفۂ محمدیؐ از محمد الیاس برنی (ص ٦۴) حیاتِ رسولؐ از عباس علی سبزواری (ص ۲۰) ، ذکرِ مبارک از عبدالرحمٰن نگرامی (ص ۳۰) ، سرکارِ دو عالمؐ از محمد طاہر فاروق (ص ۳۲) ، رہبرِ عالم از محمد مہدی حسن (ص ۲۴) ، سید البشرؐ از ابو سعید عبدالرحمن فرید کوٹی (ص ۸۰) ، خاتم النبیینؐ (دو حصے) از ابراہیم عمادی (ص ۱۰۰) ، خاتم النبیینؐ از سید انوار علی شاہ (ص ٦۴)، ظہورِ قدسی از ماہرالقادری (ص ۴۰) ، سیرتِ رسولِ مقبول صلعم از احمد حسین جوہر (ص ۵۴) ، پیغمبرِ اسلامؐ از عینی نظامی (ص ۲۴) ، خیر البشرؐ از عینی نظامی (ص ۴۵) ، سرورِ عالمؐ از خالد (ص ۸۴) ، خیر البشرؐ از مولوی فیروز الدین (ص ۱۰۰) اور اشرف الانبیاءؐ از مجتبیٰ خاں چشتی نظامی (ص ۲۷) جیسی مختصر کتابیں بھی ہیں ۔ ان میں سے بعض کتابیں خاص طور پر عورتوں ، نوجوانوں اور بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں ۔ بعض کتابوں میں مصنفین نے خود اپنے مقالاتِ سیرت جمع کیے ہیں ۔ مثلاً مُردوں کی مسیحائی از عبدالماجد دریا بادی (ص ۳۰۴) اور بعض میں دوسروں کے تحریر کردہ سیرتی مضامین شامل کیے گئے ہیں ۔ بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جو آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ کے کسی ایک گوشے پر روشنی ڈالتی ہیں مثلاً حسام الاسلام از عبدالرزاق کلامی اور فتحِ مبین از حاجی موسیٰ خاں (ص ۲۹۳) ، سرورِ عالمؐ کی فتوحات کے بارے میں ، مقدس رسولؐ از ثناء اللہ امرتسری (ص ۸۰) ، آریاؤں کے آنحضرتؐ پر

اعتراضات کے جواب میں ، عہد نبوی ؐ میں نظام حکمرانی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، آنحضرت ؐ کے سیاسی نظام کے بارے میں ، غزوات النبی ؐ از عبدالشکور لکھنوی اور عہد نبوی ؐ کے میدان جنگ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ص ۹۶)، حضور اکرم ؐ کے عہد کی لڑائیوں کے بارے میں ، زندہ نبی ؐ کی زندہ تعلیم از محمد علی لاہوری اور عہد نبوی ؐ کا نظام تعلیم از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ص ۲۰) ، آنحضرت ؐ کی دینی تعلیمات کے بارے میں ، خطبات محمدی (پانچ جلدیں) از مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی (ص ۱۰۴ + ۱۰۴ + ۱۰۲ + ۹۶ + ۷۲) اور خطبات نبوی ؐ از محمد عبداللہ خاں (ص ۱۴۴) ، آنحضرت ؐ کے خطبات کے بارے میں ، رسالۃ المعراج از اشرف شمسی ، واقعۂ معراج کے بارے میں ، بلاغ المبین از حفظ الرحمٰن سیوہاروی (ص ۲۹۰) اور مراسلات نبویہ ؐ از عبدالنعیم خاں ، آنحضرت ؐ کے مکاتیب کے بارے میں ، سیرت محبوب کائنات ؐ از مولانا عبدالحمید دہلوی (ص ۵۹۲) ، حضور اکرم ؐ کی مختلف حیثیتوں (پیغمبر ، شوہر ، باپ ، آقا ، تاجر ، سپہ سالار، مبلغ ، حکمران ، معلم اور مقنن وغیرہ) کے بارے میں ، آفتاب رسالت ؐ از آغا رفیق بلند شہری (ص ۲۰۸) ، آنحضرت ؐ کے منصب نبوت کے بارے میں ، سید البشر از عبدالرحمٰن فرید کوٹی (ص ۸۰) ، آنحضرت ؐ کی پچاس پیش گوئیوں کے سلسلے میں ، آنحضرت صلعم اور جوانی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ص ۲۵) ، رسول کریم ؐ کے عہد شباب کے بارے میں، "آسوۃ النبی ؐ" از ماہر القادری آنحضرت ؐ کی سنت کے بارے میں ، "اخلاق نبوی ؐ" از قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (ص ۱۰۰) اور "اخلاق النبی ؐ" از ابو الفرح عبدالرحمٰن دہلوی (ص ۱۹۲)، آنحضرت ؐ کے خلق عظیم کے بارےمیں اور "شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن" از مفتی احمد یار خاں (ص ۲۵۶) ، آنحضرت ؐ کے فضائل کے بارے ہیں لکھی گی ہیں ۔ شمس بازغہ از انیسہ محمود رضویہ ، ادبی انداز کی سیرت رسول ؐ ہے ، جس کا ایک باب ڈرامہ کی شکل میں ہے ۔ بعض کتابیں آنحضرت ؐ کی سیرت پر کی گئی تقاریر اور خطبات پر مشتمل ہیں ، مثلاً ذکر الحبیب ؐ (ص ۲۰) ذکر جمیل ؐ (ص ۶۰) ، ذکر شریف ؐ وغیرہ از مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی[1]

۱۔ صدر یار جنگ (مولانا حبیب الرحمن خان شروانی) : شمس تبریز خان مجلس نشریات اسلام ، کراچی ، ۱۹۸۱ء، ص ۳۵۵ ، ۳۵۶ ۔

پیارا نبیؐ از مرزا بشیر الدین محمود احمد (ص ٣٦) اور سالارِ حجازؐ مرتبہ حمید انور (ص ٢٢٣) - کچھ کتابوں مثلاً "محمدؐ رشی" از مولانا ثناء اللہ امرتسری میں آنحضرتؐ کی نبوت کے ثبوت وید ، تورات اور انجیل سے فراہم کیے گئے ہیں اور "مقدس رسولؐ" از مولانا ثناء اللہ امرتسری (ص ١٣٥) میں راجپال کی شائع کردہ کتاب "رنگیلا رسول" کا جواب دیا گیا ہے - بعض کتابوں میں آنحضرتؐ کے بارے ہیں غیرمسلموں کے مضامین ، تقاریر یا اقوال جمع کیے گئے ہیں - مثلاً اسوۃ النبیؐ از مولانا زاہد القادری (ص ٦٠)، جو ٹالسٹائی ، آسکروائلڈ اور لینن کے ، رسول اللہؐ کے بارے میں نظریات کا مجموعہ ہے (یہ کتاب ١٩٢٥ء میں دہلی سے شائع ہوئی) یا جگت مہا رشی مرتبہ عبدالمجید قرشی (ص ٣٠) جس میں آٹھ ہندو اکابر (مثلاً گاندھی وغیرہ) نے آنحضرتؐ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے -

اس دور میں بعض کتابیں مختلف فقہی دبستانوں سے وابستہ افراد نے بھی لکھی ہیں ، جن میں انہوں نے سیرتِ رسولؐ کے واقعات بیان کرتے وقت کہیں کہیں اپنے مخصوص عقائد کا اظہار کیا ہے - ان میں اہلِ حدیث ، دیوبندی ، بریلوی اور شیعہ فرقوں کے مصنفین کی کتابیں قابلِ ذکر ہیں - علاوہ ازیں غیر مسلم احمدی حضرات ، جو قادیانی اور لاہوری کہلاتے ہیں (پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر ٧ ستمبر ١٩٧٤ء کو انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے) نے بھی کافی تعداد میں سیرتِ رسولؐ پر کتابیں لکھی ہیں جن کا الگ ذکر ضروری ہے کیونکہ ان کتابوں میں انہوں نے مسلمان قوم کے مسلمہ عقائد سے منحرف ہو کر اپنے خود ساختہ نظریات کا اظہار کیا ہے - خوش آئند امر یہ ہے کہ معروف مسلمان فرقوں کے عقائد میں جزوی اختلافات کے باوجود ، ان کے مصنفین کی کتبِ سیرت ، اپنے بنیادی موضوع سے انحراف نہیں کرتیں -

اہلِ حدیث سیرت نگار

اہلِ حدیث (غیر مقلد یا وہابی) حضرات خود کو عامل بالحدیث کہتے ہیں[1] - اور توحیدِ خالص پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں[2] - وہ شرک

١- ہندوستان میں اہلِ حدیث کی علمی خدمات از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ، ترتیب و تدوین ، محمد حنیف یزدانی ، ص ١٠ -

٢- خطباتِ سلیمانی : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، المکتبہ الاثریہ ، سانگلہ ہل ، ضلع شیخوپورہ ، ١٩٧٢ء ، ص ٤ -

کے دشمن ، بدعت کے مخالف اور سنتِ رسول[ؐ] پر چلنے کے دعویٰ دار ہیں[۱] ۔ وہ تقلید کے قائل نہیں اور اپنے مسلک کو خلفائے راشدین ، اصحابِ رسول[ؐ] ، تابعین ، تبع تابعین ، آئمۂ دین اور محدثین کرام کا مسلک قرار دیتے ہیں[۲]۔ قرآنی تعلیمات (سورۃ النساء ۔ ع ۹) کی پیروی میں وہ اپنا مسلک یہ بتاتے ہیں کہ ہر اختلافی مسئلے میں نبی کریم[ؐ] کو حکم اور حاکم تسلیم کیا جائے ، حضور[ؐ] کے فیصلے سے دل میں کدورت کا خیال بھی نہ لایا جائے اور نبی کریم[ؐ] کے فیصلہ کو کامل رضا جوئی کے ساتھ انشراحِ صدر سے مان لیا جائے[۳] ۔ وہ قرآن کے بعد حدیث کی ضرورت و اہمیت کے شدت سے قائل ہیں جیسا کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں :

"ان مسائل ہیں بھی جن پر ابوابِ فقہ مشتمل ہیں ، حدیث کی ضرورت ہے اور ان جملہ علومِ شرعیہ میں بھی جو ابوابِ فقہ کے علاوہ ہیں ، حدیث کی ضرورت ہے ۔ معجزات ، غزوات و سرایا و سیرت الرسول ، مکارم الاخلاق ، محاسنِ اعمال اور اوراد و ادعیہ اور اثباتِ توحید ، اثبات نبوت ، دلائلِ حشر و نشر ، جنت و نار کا بیان، موازینِ اعمال اور فضائلِ

۱۔ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی کہتے ہیں کہ "ان (اہل الرائے یا اصحاب الرائے) کے مقابلے میں ایک گروہ ہے جو امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ تسلیم کرتا ہے اورکسی ایک یا چاروں اماموں کو مفرض الطاعتہ نہیں سمجھتا ۔ چونکہ یہ لوگ حدیثِ نبوی[ؐ] پر تکیہ رکھتے ہیں ، اس لیے اہل الرائے کے مقابلہ میں خود کو اہل حدیث کہلاتے ہیں ۔ اہلِ حدیث کی مسلمہ کتابوں میں میں اولاً قرآن مجید ہے اور ثانیاً حدیث کی کتابوں کی صحیح حدیثیں ۔ ان کتابوں میں صحیح بخاری ، صحیح مسلم ہے ، سنن ابو داؤد و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ و جامع ترمذی تو ہیں ہی ، ان کے علاوہ جس کتاب سے صحیح یا حسن حدیث ملے ، اس پر عمل کرنا ان کا دستور ہے"۔ (نقوشِ ابوالوفا از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ص ۳۲) ۔

۲۔ خطباتِ سلیمانی : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، ص ۱۲ ، ۱۳ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ۱۴ ، ۱۵ ۔

اعمال کا ذکر ، جملہ علوم مابعد الطبیعہ ، تزکیہ باطن ، تصفیہ قلب ، تنویر روح کے وسائل ، سب کے سب علم الحدیث کے محتاج ہیں ۔ امراض قلوب اور ان کی شناخت اور ان کے معالجات روحانی کا دار و مدار حدیث پر ہے ۔ مراتب اخلاص و صدق اور منازل قرب و رضوان کا بیان علم الحدیث ہی پر موقوف ہے"[1] ۔ اسی لیے اہل حدیث اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو نبی کریم صلعم کے ارشادات اور خدا تعالی کے احکامات کے مطابق ڈھالیں ۔ حدیث سے والہانہ شغف اور سیرت رسول سے لگاؤ کا ہی نتیجہ ہے کہ انہوں نے ہر جگہ علم الحدیث کی اشاعت کے لیے مدارس قائم کیے اور ہر اس نقطہ نظر کی سختی سے مخالفت کی ، جو ان کے عقائد کے خلاف تھا ، چنانچہ بر صغیر میں ان کے کئی معرکے عیسائیوں ، آریہ سماجیوں ، احمدیوں اور شیعوں سے ہوئے اور ان کے عقائد کے رد اور اپنے عقاید کی حمایت میں انہوں نے صدہا کتب و رسائل تصنیف کیے ، مناظرے کیے اور شرک و بدعت کے دروازے بند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی[2] ۔

بر صغیر میں نواب سید صدیق حسن قنوجی ثم بھوپالی (۱۸۳۲ء - ۱۸۹۰ء) اور مولانا نذیر حسین محدث نے مسلک اہل حدیث کی اشاعت میں سرگرم حصہ لیا ۔ سر سید بھی خود کو وہابی کہتے تھے اور محسن الملک بھی ۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولانا ثناء اللہ امرتسری بیسویں صدی عیسوی میں اس مسلک کے نمایندے ہیں ۔ اہل حدیث حضرات نے کتب سیرت تالیف کرنے میں بھی بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا ہے ۔ "ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات" کے مؤلف نے ، ان تمام کتب سیرت کی فہرست درج کی ہے جو اہل حدیث حضرات نے لکھیں ۔ ان میں "رحمۃللعالمین" (تین جلدیں) از قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، "خطبات مدراس" ، "رحمت عالم" اور "سیرۃ النبی" (جلد ۳ تا ۷) از سید سلیمان ندوی ، "محمد رشی" ، "مقدس رسول" اور "خصائص النبی" از ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری، "سیرت محمدیہ" (اصل نام "سیرت المصطفی") اور

۱- خطبات سلیمانی : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ، ص ۱۵ ، ۱۶ ۔
۲- موج کوثر ، شیخ محمد اکرام ، ص ۶۵ ۔

"تاریخِ نبوی ؐ" از مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ، "نبیِ معصوم ؐ" از حافظ عبداللہ روپڑی ، "ہمارے رسول ؐ" از خواجہ عبدالحئی فاروق ، "خیر البشر ؐ" از مولوی محمد حیات قصوری ، "رہبرِ کامل ؐ" از مولوی عبدالمجید خادم سوہدروی، "سوانح پیغمبرِ اسلام ؐ" از مولوی عبدالوکیل دہلوی ، "خاتم المرسلین ؐ" اور "جویائے حق" از عبدالحلیم شرر لکھنوی اور "مکالماتِ نبوی ؐ" از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کے نام زیادہ معروف ہیں[1] ۔ آنحضرت ؐ کے سلسلے میں اہلِ حدیث حضرات کا دیگر فرقوں سے اختلاف ، حیات النبی ؐ ، نور و بشر اور احترامِ رسول مقبول ؐ کے مسائل پر ہے ۔ اہلِ حدیث ، آنحضرت ؐ کی حیات بعد از وفات کے قائل نہیں ہیں ۔ وہ حضور ؐ کو عام معنوں میں بشر کہنے پر اصرار کرتے ہیں ۔ اُن کے مخالفین کا خیال ہے کہ وہ آنحضرت ؐ کے بلند مقام و مرتبہ کا پوری طرح لحاظ نہیں رکھتے ۔ اہلِ حدیث پہلے دو عقاید کو تسلیم کرتے ہیں اور تیسرے کو محض الزام تراشی قرار دیتے ہیں ۔

اہلِ حدیث حضرات کی معروف کتبِ سیرت میں "رحمۃللعالمین" (قاضی محمد سلیمان منصور پوری)، "سیرۃ النبی ؐ" اور "خطباتِ مدراس" (سید سلیمان ندوی) کا تفصیلی ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے ، البتہ "سیرۃ المصطفیٰ ؐ" (مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی) کو وہ اہمیت نہیں دی گئی ، جس کی وہ مستحق ہے ۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور ۸۶۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اسی مصنف نے ایک مختصر کتاب "تاریخِ نبوی ؐ" کے نام سے بھی لکھی تھی جو "رحمۃللعالمین ؐ" (قاضی سلیمان منصورپوری)، "سیرۃ النبی ؐ" (شبلی و سلیمان ندوی) ، اور "سیرتِ خیرالبشر ؐ" (محمد علی لاہوری) سے بھی پہلے لکھی گئی تھی[2] ، لیکن اس کے اختصار کو دیکھتے ہوئے مولانا موصوف نے یہ نئی کتاب تحریر کی ۔ یہ کتاب قسط وار اخبار "اہلِ حدیث" امرتسر ، میں چھپتی رہی اور ۱۹۳۱ء میں اس کی پہلی جلد

۱۔ ہندوستان میں اہلِ حدیث کی خدمات : مرتبہ محمد حنیف یزدانی ، ص ۷۵ ، ۸۲ ، ۲۰۰ ۔

۲۔ سیرت المصطفیٰ ؐ : مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ، مکتبہ اہلِ حدیث سیالکوٹ ، طبع ثانی ۱۹۷۳ء ص ۷ ۔

اور ۱۹۴۷ء میں دوسری جلد مکمل ہو کر کتابی شکل میں شائع ہوئی ۔ ۱۹۷۳ء میں اس کا ایک نیا ایڈیشن سیالکوٹ سے شائع ہوا ۔ مصنف کو اعتراف ہے کہ "فنِ سیرت ایک مشکل فن ہے کیونکہ کتبِ سیرت میں روایات کی محدثانہ طریق پر تنقید نہیں ہوتی اور احادیث میں جو امور مذکور ہیں ، اُن میں مؤرخانہ نظر سے واقعات کی ترتیب بجز غزوات کے ممکن نہیں"[۱] ۔

"سیرۃ المصطفیٰ ؐ" اپنے مسلک (اہلِ حدیث) کی نمایندہ تصنیف ہے تاہم اس میں سیرت کے واقعات کم و بیش وہی ہیں جو دیگر مستند کتبِ سیرت میں پائے جاتے ہیں اور اس کتاب کی بنیاد بھی قرآن مجید ، کتبِ احادیث، کتبِ تاریخ اور کتبِ تفاسیر وغیرہ پر رکھی گئی ہے ۔ اس میں بھی بعض اشکال رفع کرنے کے لیے قرآنی آیات اور احادیث کے ساتھ ساتھ آئمہ اہلِ سنت کے اقوال پیش کیے گئے ہیں (ص ۷۷ ، ۹۳) ۔ اُن میں بالخصوص (i) حضرت ابراہیم ؑ کے باپ کے نام کا مسئلہ (آزر یا تارح ؟) ، ص ۹۶ (ii) عبدالمطلب کے آخرت میں مقام کا مسئلہ (ص ۱۰۱) ، (iii) ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ اور (iv) آنحضرت ؐ کی والدہ اور والد کے آخرت میں انجام کا مسئلہ (ص ۱۰۷ ، ۱۱۰) وہ اشکال ہیں ، جن کا مولانا ابراہیم میر نے جواب دیا ہے ۔ آنحضرت ؐ کی ولادت اور رضاعت کے واقعات بیان کرتے وقت انھوں نے وہ معجزات درج نہیں کیے ، جو اکثر کتبِ سیرت میں پائے جاتے ہیں ۔ آنحضرت ؐ کے بارے میں پرانے آسمانی صحائف کی بشارات البتہ نقل کی گئی ہیں اور سر ولیم میور کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں ۔ پہلی جلد قبلِ نبوت کے حالات پر ختم کی گئی ہے اور دوسری جلد میں بعثت سے ہجرت تک کے واقعات ہیں ، "سیرت المصطفیٰ ؐ" کا ہیرو ایک پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انسان بھی ہے ۔ اسی لیے مصنف نے اُن روایات کے اندراج سے پرہیز کیا ہے جو آنحضرت ؐ کو فوق البشر ہستی بنا کر پیش کرتی ہیں ۔

۱- سیرت المصطفیٰ ؐ : مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ، مکتبہ اہلِ حدیث سیالکوٹ ، طبع ثانی ، ۱۹۷۳ء ص ۷ ۔

مولانا ثنا اللہ امرتسری (متوفی ۱۹۴۸ء) کی کتاب "محمدؐ رشی" (ص ۰ ۲) امرتسر سے ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی ۔ اس میں (جیسا کہ سرورق پر درج ہے) آنحضرت ؐ کی نبوت کا ثبوت وید ، توراۃ اور انجیل سے دیا گیا ہے ، یعنی وہ سب پیشین گوئیاں درج کی گئی ہیں جو آنحضرت ؐ کے بارے میں ان کتابوں میں درج ہیں[1] ۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کا طریق کار یہ ہے کہ وہ پہلے آنحضرت ؐ کے بارے میں ان صحائف میں سے کوئی عبارت نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے ایک ایک جزو کو آنحضرت ؐ کی ذات پر منطبق کرتے ہیں ۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مناظرہ بازی کے ماہر ہیں ، چنانچہ "محمد ؐ رشی" میں بھی مناظرانہ استدلال کا رنگ پایا جاتا ہے ۔ مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کہتے ہیں کہ "راقم نے مولانا رحمۃ اللہ کی وہ تمام کتابیں بہ نظر غائر پڑھیں جن پر اس (کتاب) کے الدر تبصرہ ہے ، مگر سب کتابوں سے زیادہ اس کتاب نے مجھے متاثر کیا"[2] ۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری کا دوسرا کارنامہ "مقدس رسول ؐ" ہے ۔ آریہ سماجیوں کی طرف سے "راجپال" نامی ایک لاہوری ناشر نے ۱۹۲۴ء میں ایک کتاب "رنگیلا رسول" لکھوا کر شائع کی، جس میں رسول اللہ ؐ کی ذات اقدس پر شرمناک حملے کیے گئے تھے۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری نے اس ناپاک کتاب کا جواب ۱۹۲۵ء میں "مقدس رسول ؐ" (ص ۸۰) لکھ کر دیا[3]۔ مولانا سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "اسلام اور پیغمبر اسلام ؐ کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی یا قلم اٹھایا ، اس کا حملہ روکنے کے لیے ان کا (مولانا ثناء اللہ

۱- محمد ؐ رشی : ابو الفا ثناء اللہ امرتسری ، مطبع روز بازار ، امرتسر ، ۱۹۲۳ء ۔

۲- نقوش ابو الوفا (مولانا ثناء اللہ امرتسری کا سوانحی خاکہ) : مولانا امام ابو یحییٰ خاں نوشہروی ، مرتب احسان الٰہی ظہیر ، ادارۂ ترجمان السنۃ لاہور ، ص ۱۹۶ ۔

۳- نقوش ابوالوفا (مولانا ثناء اللہ امرتسری کا سوانحی خاکہ) : مولانا امام ابو یحییٰ خاں نوشہروی ، ص ۲۶ ۔

امرتسری) قلم شمشیرِ بے نیام ہوتا تھا"[1] ۔

مولانا عبدالحلیم شرر (۱۸۶۰ء - ۱۹۲۶ء) نے "سوانحِ خاتم المرسلین" کے عنوان سے ۱۹۱۹ء میں آنحضرت کی سیرت پر ایک کتاب لکھی[2] جو ۵۲۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔ یہ کتاب دل گداز پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی ۔ اس کے علاوہ "تاریخِ اسلام" کے ایک حصے میں انھوں نے عہدِ نبوی کے واقعات قلم بند کیے ۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کہتے ہیں کہ "مولوی عبدالحلیم شرر نے جامعہ عثمانیہ کے لیے 'تاریخِ اسلام' لکھی ، جس کی پہلی جلد کا ابتدائی حصہ سیرتِ رسولِ اکرم سے متعلق ہے ۔ شرر اختصار کے ساتھ حضور کی زندگی ، اخلاق و شمائل اور کارناموں کو پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں ، لیکن سیرت کے میدان میں شرر نے جہاں اپنے فن میں ناول نگاری کا سہارا لیا ہے ، وہ کامیاب تر ہیں ۔ سیرتِ رسول کا موضوع اتنا نازک ہے کہ مؤرخ کے پر بھی اس وادی میں جل اٹھتے ہیں نہ کہ اسے کہانی کے پیرائے میں بیان کرنا ۔ شرر کے فنی شعور نے اس وادیٔ بے راہ میں ان کی رہنمائی کی اور انھوں نے "جویائے حق" کا ہیرو ایک ایسے راہب کو بنایا جسے اس کے دور کی عیسائیت کچھ نہ دے سکی تھی ۔ اس کے روحانی اور مادی سفر میں بڑا کرب ہے ۔ عیسائیوں کے معتقدات ، ان کی خانقاہوں کے مرقعے اور بعض افراد کی تلاشِ حق اور اس حقیقت تک پہنچنے کی کہانی بڑی دل آویز ہے"[3] ۔

"جویائے حق" (تین حصے) مولانا شرر کا چھ سو صفحات پر مشتمل ایک تاریخی ناول ہے اور موضوع کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے ۔ اس کا پہلا حصہ ۱۹۱۷ء میں ، دوسرا حصہ ۱۹۱۹ء میں اور تیسرا حصہ ۱۹۲۱ء میں ماہنامہ 'دل افروز' میں قسط وار شائع ہوا[4] ۔ اس کتاب میں مصنف نے

۱- نقوشِ ابوالوفا (مولانا ثناء اللہ امرتسری کا سوانحی خاکہ) ، مولانا امام ابو یحیٰی نوشہروی ، ص ۱۷ ، (حرفے ۔ از سید سلیمان ندوی)

۲- شرر کے تاریخی ناول اور ان کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ، ڈاکٹر ممتاز منگلوری ، مکتبہ خیابانِ ادب لاہور ، ۱۹۷۸ء ، ص ۸ ۔

۳- نقوشِ سیرت : مرتبہ نثار احمد ، ص ۱۷ ، (مقالہ ، اردو میں سیرت نگاری از ڈاکٹر ابوالخیر کشفی) ۔

۴- شرر کے تاریخی ناول ، ڈاکٹر ممتاز منگلوری ، ص ۷ ، ۸ ۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے تلاش حق کی روحانی واردات قلم بند کی ہے۔ بقول مولانا حسن مثنیٰ ندوی، "اس میں انہوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کی زندگی اس انداز میں پیش کی ہے کہ ان کی زبان سے سیرت نبوی ؐ نہایت ہی مؤثر انداز میں (بطرز ناول) بیان ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا اسے ختم کیے بغیر نہیں چھوڑتا"[1]۔ "جویائے حق" کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے تاریخی صداقتوں سے کہیں انحراف نہیں کیا (یہی صفت مولانا صادق حسین صدیقی کے تاریخی ناول "آفتاب عالم ؐ"[2] (ص ۹۱۲) کی ہے) ڈاکٹر ممتاز منگلوری کہتے ہیں کہ "جویائے حق" اپنی ٹکنیک اور زمانی پھیلاؤ کے اعتبار سے نہ صرف شرر کے ناولوں میں بلکہ اُردو ناول نگاری میں ایک انفرادیت رکھتا ہے۔ شرر نے ایک وسیع کینوس کا انتخاب کیا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے اس میں تنوع ہے۔ اسے حضرت سلمان فارسیؓ کی سوانح بھی کہا جا سکتا ہے۔ خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور طلوع اسلام کے قبل سے لے کر حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے آغاز تک کی اسلامی تاریخ اور عربوں کی معاشرت کا مرقع بھی کہا جا سکتا ہے"[3]۔

دیوبندی سیرت نگار

اہل حدیث سیرت نگاروں کے بعد جس گروہ نے سیرت پر سب سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں، وہ علمائے دیوبند ہیں۔ سید محبوب رضوی نے "تاریخ دارالعلوم دیوبند" میں علمائے دیوبند کی کتب سیرت کی ایک فہرست دی ہے۔ اُن میں نشر الطیب (مولانا اشرف علی تھانوی)، النبی الخاتم ؐ (مناظر احسن گیلانی)، سیرت خاتم الانبیاء ؐ (مفتی محمد شفیع)، سیرت المصطفیٰ ؐ (مولانا محمد ادریس کاندھلوی)، سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ ؐ (مولانا سید محمد میاں)، سیرت طیبہ (قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی)، نبی عربی ؐ (قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی)، بلاغ مبین یعنی مکاتیب

۱۔ پیغمبر انسانیت ؐ : شاہ محمد جعفر پھلواروی، ص ۳۷ (مقدمہ: پاکستان و ہندوستان کے خادمان سیرت، حسن مثنیٰ ندوی)۔

۲۔ آفتاب عالم ؐ : مولانا صادق حسین صدیقی۔ جہانگیر بک ڈپو، لاہور۔ طبع دوم، س۔ ن۔ طبع اول ۱۹۳۴ء۔

۳۔ شرر کے تاریخی ناول، ڈاکٹر ممتاز منگلوری، ص ۳۱۱۔

سید المرسلین ؐ (حفظ الرحمٰن سیوہاروی) ، رسول ِ کریم ؐ یا نور البصر فی سیرۃ خیر البشر ؐ (حفظ الرحمٰن سیوہاروی) ، سیرت ِ رسول ؐ (محمد اسلم رمزی) ، رسول اکرم ؐ کی سیاسی زندگی ، اخلاق کے آئینہ میں (اخلاق حسین قاسمی) ، وفات النبی ؐ (اخلاق حسین قاسمی) ، حیات ِ نبویہ ؐ (مفتی محمود احمد نانوتوی) ، خاتم النبیین ؐ (قاری محمد طیب) ، آفتاب ِ نبوت ؐ (قاری محمد طیب) ، مرقع ِ سیرت (مفتی جمیل الرحمٰن سیوہاروی) ، ہمارے رسول ؐ (خواجہ عبدالحئی فاروق)، رحمۃ للعالمین ؐ (حبیب الرحمٰن) حضرت محمد علیہ السلام (تاجور نجیب آبادی) ، خلق ِ عظیم (مولانا حامد الانصاری غازی) اور سیرۃ ِ رسول ِ مقبول ؐ (عتیق احمد صدیقی) کے نام جانے پہچانے ہیں[1] - علمائے دیوبند میں سے بعض نے عربی کتب ِ سیرت کے ترجمے بھی کیے ہیں - مثلاً ترجمہ سیرت ِ حلبیہ (مولانا محمد اسلم رمزی) - علاوہ ازیں مولانا سید محمد میاں نے بچوں کے لیے تین حصوں میں "تاریخ الاسلام" بھی لکھی ہے جو تمام تر سیرت ِ نبوی ؐ کے واقعات پر مشتمل ہے - قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی "تاریخ ِ ملت" (تین حصے) کا پہلا حصہ "نبی ٔ عربی ؐ" کے نام سے موسوم ہے - مولانا محمد ظفیر الدین کا تعلق بھی دیوبند سے ہے اور انھوں نے "اسوۂ حسنہ" (جلد اول) میں مصائب ِ سرور ِ کونین کا مفصل حال بیان کیا ہے - لیکن یہ کتاب خاصی دیر بعد (۱۹۵۹ء میں) چھپی ہے -

ان کتابوں میں سے "نشر الطیب" (اشرف علی تھانوی) ، "النبی الخاتم ؐ" (مناظر احسن گیلانی) اور "سیرت المصطفیٰ ؐ" (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) کا مفصل جائزہ پچھلے صفحات میں لیا جا چکا ہے - باقی کتب ِ سیرت میں سے خواجہ عبدالحئی فاروق کی "ہمارے رسول ؐ" بچوں کے لیے آسان اور سہل زبان میں تحریر کی گئی ہے - قاری محمد طیب (۱۸۹۷ء - ۱۹۸۳ء) کی "خاتم النبیین ؐ" اپنے موضوع پر ایک اچھی کتاب ہے - مولانا مفتی محمود احمد نانوتوی (۱۸۹۳ء - ۱۹۶۹ء) کی کتاب "سیرت ِ طیبہ" (حیات ِ نبویہ ؐ) کے بارے میں سید محبوب رضوی کہتے ہیں کہ

۱- تاریخ ِ دارالعلوم دیوبند : سید محبوب رضوی ، ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند ، ۱۹۷۷ء ، جلد اول ، ص ۵۳۱ ، ۵۳۴ -

"ان کی ایک کتاب "سیرت طیبہ"، سیرت نبوی ؐ کے موضوع پر ہے - اس کتاب میں انہوں نے سیرت نبوی ؐ کو ایسے عام فہم انداز سے لکھا ہے کہ کم استعداد کے لوگ بھی اس سے کماحقہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں - "سیرت طیبہ" میں کم سے کم الفاظ میں سیرت نبوی ؐ کے زیادہ سے زیادہ گوشوں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے - اسی کے ساتھ اس کتاب میں بعض ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جو دوسری کتابوں میں یکجا طور پر نہیں ملتیں"[1] - مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی (۱۹۰۱ء - ۱۹۶۲ء) نے پہلے ۱۹۳۵ء میں "سیرت رسول کریم ؐ" (نور البصر فی سیرۃ خیرالبشر ؐ) لکھی جو ۷۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اسلامی اور قومی مدارس کے متوسط استعداد کے طلباء کے لیے خاص طور پر اور قلیل الفرصت شائق سیرت مرد و زن کے لیے عام طور پر کارآمد ہے[2] - مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اس کے سبب تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "حسب اتفاق علامہ محی الدین خیاط مصری کی "دروس التاریخ الاسلامی" اور "نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین ؐ" مؤلفہ علامہ خضری بک میری نظر سے گزریں - خیاط کے مجموعہ میں درسی طرز کے ساتھ اختصار اور "نورالیقین" میں واقعات کی صحیح ترتیب اور اسلوب بیان کی خوبی نے میری رہنمائی کی اور میں نے اپنے ارادہ کی تکمیل کے لیے ان ہی دونوں کو بطور خاکہ پیش نظر رکھا اور حسب ذیل کتابوں سے مدد لے کر اس مجموعہ کو مرتب کر کے پیش کر سکا - قرآن مجید، جامع البیان، تفسیر منار، صحاح ستہ، فتح الباری، مشکٰوۃ المصابیح، طبقات ابن سعد، محمد المثل الکامل، سیرت حلبیہ، سیرۃ مغلطائی، خلاصۃ السیر، کنز العمال،

۱- تاریخ دارالعلوم دیوبند : سید محبوب رضوی ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند ۱۹۷۸ء، جلد دوم، ص ۱۳۹ -

۲- سیرت رسول کریم ؐ (نورالبصر فی سیرۃ خیرالبشر ؐ) : محمد حفظ الرحمن صدیقی سیوہاروی، کفیل احمد انصاری کرت پوری، ڈھابیل، سورت -

جمع الفوائد"[1] - یہ کتاب دورِ جدید کے احساسات کے پیشِ نظر مرتب کی گئی ہے ، چنانچہ اس کی خصوصیات یہ ہیں : (۱) اکثر عنوانات کے حسبِ حال قرآنِ عزیز کی آیات یا حدیثِ نبوی کو زیرِ عنوان نقل کیا ہے تاکہ ایک مسلمان ، سیرت کے مضامین کی اہمیت اور ان کے استشہادات کی کیفیت کا اندازہ کر سکے اور مسلم طلباء کے قلوب میں زمانۂ طالب علمی ہی سے قرآنِ مجید اور احادیث کے مطلب سمجھنے کا ذوق پیدا ہو سکے - (۲) ہر ایک مضمون کے بعد اس کا خلاصہ اور اس کے متعلق سوالات لکھے ہیں - (۳) سیرت کے متعلق معرکة الآرا مسائل میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے تاکہ مسلمان اپنے پیغمبر کی سیرت سے متعلق اُن اعتراضات کے دور کرنے پر قادر ہوں جو حق نا شناس اور غیر مسلموں کی جانب سے آئے دن کیے جاتے ہیں - کتاب میں مناظرانہ رنگ سے پرہیز کیا گیا ہے ، تاکہ غیر مسلم بھی مطالعہ کریں تو حق شناس نظریں اُس سے متاثر ہوں - (۴) کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جو مطالعۂ تاریخ کا ذوق پیدا کرتا ہے - (۵) عام کتبِ سیرت کی طرح اس مجموعہ میں یہ لحاظ نہیں رکھا گیا کہ تمام واقعات سنہ وار بیان کیے جائیں بلکہ ہجرت سے قبل اور ہجرت سے بعد کے اکثر واقعات کو مسلسل بیان کیا ہے تاکہ باہمی مضامین ایک رشتہ میں مربوط رہیں اور طلباء کو یاد کرنے میں مد و معاون ہوں - اس کے بعد بقیہ مضامین کو حسبِ ضرورت سنہ وار بیان کیا ہے - (۶) مصنف اسلاف کا پیروکار ہے ، اسی لیے اُس نے سلف کے طرز پر کتاب کا نام "نور البصر فی سیرةِ خیر البشر" رکھا ہے ، مگر سرورق پر مختصر نام "سیرتِ رسولِ کریم" لکھا گیا ہے[2] -

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے ۱۹۳۲ء میں دہلی کی ڈسٹرکٹ جیل میں ایک اور کتاب "بلاغِ مبین یعنی مکاتیبِ سید المرسلین"

۱- سیرتِ رسولِ کریم (نور البصر فی سیرةِ خیر البشر) : محمد حفظ الرحمن سیوہاروی ، ص : ج ، د ، جامعہ اسلامیہ ڈھابیل سملک ، ضلع سورت -

۲- ایضاً ، ص : د ، ہ -

(ص ۲۹۵) لکھی[1] ، جس کا نیا ایڈیشن امجد اکیڈمی نے ۱۹۷۷ء میں لاہور سے شائع کیا ۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آنحضرتؐ کے فرامین و مکاتیب پر مشتمل ہے ، تاہم مولانا سیوہاروی نے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلے حصے کا نام ”اصول ِ تبلیغ“ ہے اور اس میں بتایا ہے کہ دین کی نشر و اشاعت اور اعلائے کلمہ حق کا صحیح طریقہ کیا ہے ؟ اور اسلام نے اس کے لیے کیا اصول وضع کیے ہیں ؟ ضمناً یہ بھی بتایا ہے کہ مناظرہ کا جو طریقہ تبلیغ ِ اسلام کے لیے مروج ہے، وہ غیرمسلموں کے اختراع ِ ذہنی کی وجہ سے غیر شرعی ہے ۔ وہ لوگ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی تحقیر کر کے اپنے مذاہب کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں تاکہ دوسرے اُن کے مذہب پر نکتہ چینی نہ کر سکیں ۔ کتاب کے دوسرے حصے کا عنوان ”فرامین ِ سید المرسلینؐ“ ہے ۔ اس میں آنحضرتؐ کے اُن تمام فرمانوں کو جمع کر دیا گیا ہے جو آپؐ نے دنیا کے مختلف حکمرانوں کے نام لکھے تھے ۔ مصنف نے اُن کے ساتھ ہی اُن سے متعلق تاریخی حالات کو بھی بیان کر دیا ہے ۔ بقول مولانا سعید احمد اکبر آبادی : ”کتاب کا یہ حصہ بہت مہتمم بالشان ہے ۔ یہ حصہ اول سے آخر تک حضرت ِ مصنف کی وسیع النظری ، دقیقہ رسی اور مہارت ِ علمی کا شاہد ِ عادل ہے“[2] ”بلاغ ِ مبین“ کا تیسرا حصہ ”نتائج و عبر“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس میں وہ تمام مباحث موجود ہیں ، جو آنحضرتؐ کی دعوت ِ دین اور بادشاہان ِ عالم کے نام خطوط ارسال کرنے کے بعد اُن کے قبول ِ نبوت یا انکار و بے اعتنائی کی وجہ سے پیدا ہوئے ۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی کہتے ہیں کہ ”تبلیغ کا مفہوم ، جہاد کی حقیقت ، اس کے اصول و اسباب ، قتل ِ مرتد ، تکفیر ِ اہل ِ قبلہ ، جزیہ کی تعریف ، اسلام اور اس کا نظام ، دوسرے مذاہب پر توفیق و امتیاز ، اسلم ، تسلم کا مطلب ، یہ سب قابل ِ قدر اور مشکل بحثیں ہیں ، جن کو عقلی و نقلی دلائل کی روشنی

۱۔ تاریخ ِ دارالعلوم دیوبند : سید محبوب رضوی ، جلد دوم ، ص ۱۳۹ ۔
۲۔ بلاغ ِ مبین یعنی مکاتیب ِ سید المرسلینؐ : مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ، امجد اکیڈمی لاہور ، ۱۹۷۷ء ، ص : ج ، (تعارف ۔ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی) ۔

میں پوری شرح و بسط کے ساتھ کتاب کے اس آخیر حصہ میں محققانہ رنگ میں بیان کیا گیا ہے"۔[۱]

مولانا سید محمد میاں (۱۹۰۳ء - ۱۹۷۵ء) کی کتاب "سیرتِ محمد رسول اللہ ؐ" اپنے موضوع پر ایک وقیع کتاب ہے اور مولانا سید محمد میاں کی ذہانت و محنت کا زندہ ثبوت ہے ۔ اُنھوں نے "تاریخ الاسلام" کے نام سے تین حصوں میں بچوں کے لیے بھی ایک کتاب لکھی ہے جو آنحضرت ؐ کی حیاتِ مبارکہ کے بارے میں مختلف سوالوں اور جوابوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ایک نیا ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا ہے[۲] ۔کتاب کا پہلا حصہ ۸۰ صفحات کا ، دوسرا ۱۷۶ صفحات کا اور تیسرا ۵۶ صفحات کا ہے ۔ ان تینوں حصوں میں آنحضرت ؐ کی ولادت سے وفات تک کے سارے واقعات آ گئے ہیں ۔ پہلا حصہ آنحضرت ؐ کی ولادت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرتِ حبشہ پر ختم ہوتا ہے ۔ دوسرا حصہ مدینہ طیبہ میں اسلام کے آغاز سے شروع ہو کر وفات النبی ؐ پر اختتام پذیر ہوتا ہے اور تیسرا حصہ آنحضرت ؐ کے حلیۂ مبارک ، اوصاف ، اخلاق و عادات ، طرزِ کلام ، معاملات ، آدابِ خورد و نوش ، لباس و پوشاک ، راحت و آرام ، نکاح ، ازواجِ مطہرات ، اعزا و اقربا ، غلاموں اور لونڈیوں ، جانوروں ، ہتھیاروں اور گھریلو سامان کے بارے میں معلومات کے لیے وقف ہے ۔ مصنف نے بڑے دلکش اور سادہ انداز میں بچوں کے لیے پورے حالاتِ طیبہ تحریر کیے ہیں ۔

مولانا حامد الانصاری غازی (ولادت ۱۹۰۹ء) کی کتاب "خلقِ عظیم" بھی سیرت النبی ؐ پر ایک قابلِ قدر کتاب ہے ۔ علاوہ ازیں قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (ولادت ۱۹۱۰ء) نے ندوۃ المصنفین کے لیے "تاریخ الامت" (تین حصے) لکھی ، جس کا پہلا حصہ "نبی عربی ؐ" کے نام سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا اور جو آنحضرت ؐ کے حالات کے لیے وقف ہے ۔ اس کے علاوہ آن کی "سیرتِ طیبہ" بڑی مشہور کتاب ہے ، جس کی

۱- بلاغِ مبین (مکاتیبِ سید المرسلین ؐ) : مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ، ص : ج ، (تعارف ۔ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی) ۔

۲- تاریخ الاسلام : (تین حصے)، مولانا محمد میاں ، دارالاشاعت ، کراچی ۔

بنیاد ویسے تو "نبی عربی" پر ہی ہے (کیونکہ دونوں کتابیں طلباء کے لیے ہیں) لیکن اس میں واقعات کی تفصیل ، مباحث کی تحقیق اور اندازِ بیان کی خوبی "تاریخ الامت" سے بڑھ کر ہے[۱] - یہ کتاب ١٩٦٧ء میں جا کر مکمل ہوئی اور اس کا موجودہ ایڈیشن ٣٣٣ صفحات پر مشتمل ہے - "سیرۃ طیبہ" میں اگرچہ تمام ضروری واقعات اور مباحث آ گئے ہیں تاہم حضور کی ازواجِ مطہرات ، اولادِ کرام ، اخلاقِ حسنہ اور تعلیمات پر تبصرہ شامل نہیں ہو سکا - مصنف نے کہا ہے کہ وہ ان موضوعات پر ایک الگ کتاب تحریر کرنے کا خواہش مند ہے -

مولانا حبیب الرحمٰن کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا پتہ سید محبوب رضوی نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ "رحمة للعالمین" کے نام سے انہوں نے ایک گراں قدر کتاب لکھی ہے لیکن یہ ابھی نامکمل ہے"- سید صاحب موصوف کی رائے میں ، "جس قدر لکھا جا چکا ہے ، وہ سیرتِ نبوی کی تصالیف کی فہرست میں ایک عظیم الشان تصنیف کا اضافہ کرتا ہے"[۲] - یہ کتاب ابھی تک شائع ہو کر منظر عام پر نہیں آئی -

مفتی محمد شفیع (١٨٩٧ء - ١٩٧٦ء)[۳] کی "سیرتِ خاتم الانبیاء" (ص ١٦٠) ١٩٢٥ء میں تالیف ہوئی[۴] ، اور اس کے اب تک بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں - یہ آنحضرت کی مختصر مگر جامع و مستند سوانح عمری ہے - یہ کتاب طلباء اور عام مرد و زن کی دینی ضرورت پوری کرنے کے لیے لکھی گئی ہے - اس میں عرب کے جغرافیائی اور تاریخی حالات نہیں ہیں بلکہ صرف وہی واقعات درج ہیں جو خاص آنحضرت کی ذاتِ اقدس سے متعلق ہیں - مسائلِ جہاد ، تعددِ ازدواج وغیرہ کے

١- سیرتِ طیبہ : قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی ، مکتبہ علمیہ میرٹھ ، ص ٧ -

٢- تاریخِ دارالعلوم دیوبند : سید محبوب رضوی ، جلد دوم ، ص ٢٣٥ -

٣- البلاغ ، کراچی بیاد فقیہِ ملت مفتی محمد شفیع - اشاعت خصوصی ، جمادی الثانی تا شعبان ١٣٩٩ھ ، جلد ١٣ ، شمارہ ٦ ، ٧ ، ٨ - ص ٩٣ ، ٣٣٣ -

٤- سیرتِ خاتم الانبیاء : مفتی محمد شفیع ، دارالاشاعت ، کراچی ، ٥٣ واں ایڈیشن ١٩٦٨ء ، ص ١٥ -

بارے میں مخالفینِ اسلام کے الزامات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں ۔ اس رسالہ کا ماخذ ، مشکواۃ ، صحاح ستہ مع شروح ، کنز العمال ، خصائصِ کبریٰ ، مواہب اللدنیہ ، سیرت مغلطائی ، سیرت ابنِ ہشام ، الشفا مع شرح خفاجی ، سیرتِ حلبیہ ، زاد المعاد ، تاریخ ابنِ عساکر ، سرور المحزون اور نشر الطیب وغیرہ کتابیں ہیں ۔

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس (۳۰ مئی ۱۸٦٦ء) کے وقت جن مقاصدِ عالیہ کا اعلان کیا گیا تھا ، اُن میں سرِ فہرست مقاصد یہ تھے : (۱) قرآنِ مجید ، تفسیر ، حدیث ، عقائد و کلام اور اُن کے علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنونِ عالیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا ، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت کرنا ۔ (۲) اعمال و اخلاقِ اسلامیہ کی تربیت اور طلباء کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا ۔ (۳) اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دین کا تحفظ و دفاع اور اشاعتِ اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر و تقریر بجا لانا اور مسلمانوں میں تعلیم و تبلیغ کے ذریعے سے خیر القرون اور سلفِ صالحین جیسے اخلاق و اعمال اور جذبات پیدا کرنا[1] ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۱ء - ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) ، بانی دارالعلوم دیوبند اور مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) سرپرست دیوبند نے جن مقاصدِ عالیہ کے لیے یہ مدرسہ قائم کیا تھا ، اُن کے جانشینوں نے وہ مقاصد حاصل کر کے دکھائے ۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں سیرتِ نبوی ؐ کا جو حصہ ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں ۔ اسی لیے قرآن و حدیث کی تعلیم کے بعد کتبِ سیرت کی تالیف میں علمائے دیوبند نے بڑی سرگرمی دکھائی ۔ ۱۹۲۴ء ، ۱۹۲۵ء میں ہندوؤں کی طرف سے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چلائی گئیں ۔ شدھی ، آریہ سماج کی چلائی ہوئی ایک منظم تحریک تھی ، جس کا مقصد وحید اسلام سے ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں کو آریہ (ہندو) بنانا تھا[2] ۔ اس تحریک کے بانی سوامی شردھا نند تھے اور پنڈت رام چندر اُن کے مددگار تھے ۔ دوسری طرف ڈاکٹر مونجے نے سنگھٹن قائم کی ، جو خالص ہندوؤں کی جماعت تھی اور اس کام میں پنڈت مدن موہن مالویہ نے اُن کی پوری

۱- تاریخِ دارالعلوم دیوبند : سید محبوب رضوی ، جلد اول ، ص ۱۴۲ ۔
۲- ایضاً ، ص ۲٦۲ ۔

معاونت کی ۔ یہ دونوں تحریکیں ایک ساتھ شروع ہوئیں[1]۔ سید محبوب رضوی بتاتے ہیں کہ "لاہور کے اخبار "کیسری" نے آگرے کے ساڑھے چار لاکھ نو مسلم راجپوتوں کو شدھی کر لینے کی طرف توجہ دلائی ۔ آگرہ ، متھرا ، ایٹہ ، اٹاوہ ، کان پور ، فرخ آباد ، گوڑگانوں اور مین پوری وغیرہ کے اضلاع اس تحریک کے خاص مرکزتھے"[2] ۔ جواباً مسلمانوں نے بھی تحریکِ تنظیمِ ملت ، تحریکِ تبلیغ اور سیرت کمیٹیوں کے ذریعے آریہ سماجیوں کا مقابلہ کیا ۔ تحریکِ تنظیمِ ملت کی قیادت ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولوی عبدالمجید قرشی کے ہاتھوں میں تھی ۔ "زمیندار" اخبار میں مولانا ظفر علی خاں نے نظم و نثر کے ذریعے اس تحریک کی مخالفت کی[3] ۔ اسی زمانہ میں راجپال پبلشر کی طرف سے "رنگیلا رسول" نامی کتاب شائع ہوئی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ملک میں بلوے شروع ہو گئے ۔ شدھی اور تبلیغ کی تحریکیں دو سال تک ایک دوسرے کے مقابلے میں زور و شور سے چلتی رہیں ۔ علمائے اہلِ حدیث کے ساتھ ساتھ علمائے دیوبند نے بھی شدھی کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے مبلغین متاثرہ علاقوں میں بھیجے ، جن کی مساعی سے ملکانہ راجپوتوں سمیت بیشمار مرتدین تائب ہو کر دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے ۔ اکثر مقامات پر آریہ سماجیوں سے مناظرے بھی ہوئے اور اس باب کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی کہ نیم خواندہ یا ناخواندہ مسلمانوں کو اسلام اور بانیٔ اسلام کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنے کے لیے آسان زبان میں کتابیں لکھی جائیں ۔ چنانچہ سیرت پر کتابوں کی جو ریل پیل نظر آتی ہے ، اس کا ایک محرک شدھی اور سنگھٹن کی افسوسناک مساعی بھی ہیں ۔

بریلوی سیرت نگار

بریلوی مکتبِ فکر کی سیرت پر کتابیں نسبتاً کم ہیں ۔ اگرچہ

۱۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل : سید طفیل احمد منگلوری ، حماد الکتبی ، لاہور ، ص ٦١٦ ۔

۲۔ تاریخِ دارالعلوم دیوبند : سید محبوب رضوی ، جلد اول ، ص ٢٦٢ ۔

۳۔ مولانا ظفر علی خاں : اشرف عطا ، مکتبہ کارواں لاہور ، ص ١٠٨ ۔

بریلوی عالم دین محمد عبدالعزیز کی "سوانح عمری حضرت محمدؐ" کا تجزیہ پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے لیکن بریلویوں کی نمائندہ کتاب "سیرت رسول عربیؐ" (نور بخش توکلی) ہے۔ علامہ نور بخش توکلی نے "حلیہ النبیؐ"، "معراج النبیؐ"، "معجزات النبیؐ" اور "غزوات النبیؐ" کے نام سے بھی کتابیں تحریر کی ہیں[1]۔ علاوہ ازیں مفتی احمد یار خان نے آنحضرتؐ کی فضیلت پر "شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن" (ص ۲۵۶) اور "محامد پیغمبری" (ص ۴۸) لکھی ہیں اور خان احمد حسن خان کی کتاب "سیرت احمدیؐ" (یا سیرت مقدسہ) بھی مشہور ہے۔ بریلوی مکتب فکر کی کتابوں میں آنحضرتؐ کے علم غیب رکھنے، بشر کی بجائے نور ہونے، بعد از وصال حیات ہونے، آپؐ کا سایہ نہ ہونے اور آپؐ کے حاضر ناظر ہونے کا پرچار کیا جاتا ہے۔ بریلویوں کے دینی رہنما مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۸۵۶ء - ۱۹۲۱ء) ہیں[2] جو اپنے زمانے کے زبردست عالم تھے، مگر مزاج میں تشدد تھا، انہوں نے خاص سیرت رسولؐ پر تو کوئی کتاب نہیں لکھی، البتہ آنحضرتؐ کے علم غیب اور دیگر موضوعات پر کچھ کتابیں پچھلی صدی کے نصف آخر میں لکھیں۔ بریلوی حضرات انہیں کے عقائد کی تقلید کرتے ہیں اور اپنی کتب سیرت میں مذکورہ بالا مباحث پر خاص طور پر اظہار خیال کرتے ہیں۔

شیخ محمد اکرام، بریلوی مکتب فکر کے عقاید اور رسومات کے بارے میں کہتے ہیں کہ "وہ تمام رسوم، فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، گیارھویں، عرس، تصور شیخ، قیام میلاد، استمداد از اہل اللہ (مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ) اورگیارھویں کی نیاز کے قائل ہیں۔ اُن کے اختلاف

۱- آخر الذکر کتاب "غزوات النبیؐ" ۱۹۲۲ء میں میلاد شریف کے موقع پر انجمن نعمانیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی اور اب اس کا ایک نیا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں پاکستان سنّی رائٹرز گلڈ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ "معراج النبیؐ"، "غزوات النبیؐ" سے بھی پہلے ایک میلاد شریف کی تقریب پر لکھی گئی۔

۲- حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء، ص ۹۲، ۲۱۰۔

صرف وہابیوں سے نہیں بلکہ وہ دیوبندیوں کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں ۔ بعض بریلوی تو شاہ اسمٰعیل شہید جیسی ہستیوں کو بھی کافر کہنے یا کم از کم اُن کی تصانیف اور اُن کے ارشادات پر سخت اعتراضات اور اظہارِ نفرت کرنے میں تامل نہیں کرتے"[۱] ۔

علامہ نور بخش توکلی (۱۸۷۷ء - ۱۹۴۸ء) کی کتاب "سیرتِ رسولِ عربی ؐ" بریلوی مکتبِ فکر کی نمایندہ تصنیف ہے ۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ، اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۵ء میں ، تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں اور ایک نیا ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں ، 'الکتاب' لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا ۔ علامہ نور بخش توکلی نے گورنمنٹ کالج لاہور کی پروفیسری سے ریٹائر ہونے کے بعد حضرت خواجگانِ نقش بندیہ کے حالات شروع کیے تھے اور خیال تھا کہ شروع کے چند صفحات آنحضرت ؐ کے حالات کے لیے وقف کر دیں گے ، لیکن کتاب کے اختتام پر اُنھوں نے آنحضرت ؐ کی سوانح حیات پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا ۔ اس عزم کو کئی اور امور سے تقویت ملی ۔ چنانچہ "سیرتِ رسولِ عربی ؐ" کی طباعتِ اول کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ "اس پُر آشوب ملکِ ہند میں کئی فتنے برپا ہیں جو سب کے سب صراطِ مستقیم یعنی مسلکِ اہلِ سنت و جماعت سے منحرف ہیں ۔ اردو میں سیرت پر جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ، اُن میں سے شاید ہی کوئی بہمہ وجوہ اہل السنت و الجماعت کے معیار پر پوری اُترے ۔ فقیر نے بہ توفیقِ الٰہی اس کتاب میں مسلکِ اہلِ سنت کا پورا التزام رکھا ہے اور مستند اور معتبر روایات مع حوالہ درج کی ہیں ۔ آیات و احادیث وغیرہ کا ترجمہ بالعموم لفظ بلفظ دیا گیا ہے اور عبارت آرائی کا چنداں خیال نہیں رکھا گیا"[۲] ۔

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں بعض موضوعات رہ گئے تھے ، چنانچہ

۱- موجِ کوثر : شیخ محمد اکرام ، فیروز سنز لاہور ، طبع ہفتم ۱۹۶۶ء ص ۷۰ ۔

۲- سیرتِ رسولِ عربی ؐ : علامہ نور بخش توکلی ، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور ، ص ۳ ۔

دوسرے ایڈیشن میں ، تولد شریف کی خوشی کا ثمرہ ، حیات النبیؐ ، آثار الکبریٰ ، حدیث شد الرحال کی بحث ، حدیثِ توسل بالعباس کی بحث ، عرصاتِ قیامت میں شفاعت و توسل وغیرہ مضامین کا اضافہ کر دیا گیا ہے[1] ۔

اس کتاب میں آنحضرتؐ کی حیات ، اقوال و افعال ، اخلاق و عادات ، حرکات و سکنات ، وضع و قطع، رفتار و گفتار اور طریقِ معاشرت کے بارے میں مستند معلومات ملتی ہیں جو مشہور کتبِ احادیث ، کتبِ سیر ، کتبِ شمائل اور کتبِ رجال سے اخذ کی گئی ہیں ۔ کتاب کا عام انداز تو وہی ہے جو عربی کی کتبِ سیر کا ہوتا ہے یا اردو میں 'اصح السیر' (عبدالرؤف دانا پوری) اور 'سیرۃ المصطفیٰ' (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) کا ہے ، لیکن مباحث میں جدتیں ہیں ۔ آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر وفات تک کے تمام حالات و واقعات سلسلہ وار بیان کیے گئے ہیں ۔ ان میں نبوت سے قبل کے حالات مختصر ہیں ، البتہ بعثت کے وقت کے واقعات میں پھیلاؤ ہے ۔ بعض مقامات پر آنحضرتؐ اور قریش کے سرداروں کے درمیان مکالمے بھی درج کیے گئے ہیں ۔ (مثلاً ص ۷۷ تا ۸۱) ، کتبِ احادیث کے بعد "سیرتِ رسولِ عربیؐ" کا سب سے بڑا ماخذ سیرتِ ابن ہشام ہے ، تاہم زاد المعاد (ابن قیم) ، شرح مواہب (زرقانی) ، طبقات ابنِ سعد اور دیگر کتبِ سیرت کے حوالے بھی بار بار آتے ہیں ۔ جن دینی مسائل پر بریلویوں کا دوسرے فرقوں سے اختلاف ہے ، ان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔ مثلاً مسئلہ حیات النبیؐ (ص ۳۱۳) اور آنحضرتؐ کی شفاعت بروزِ قیامت وغیرہ ، نصف سے زاید کتاب آنحضرتؐ کے خلقِ عظیم اور دوسرے موضوعات کے لیے وقف ہے مثلاً اعجاز القرآن (ص ۴۴۲) پر بحث کے ضمن میں اس کی فصاحت و بلاغت اور بدیع اسلوب (ص ۴۲۲) ، غیب کی خبروں (ص ۴۴۹) ، چالیس پیشین گوئیوں (ص ۴۷۱) ، علوم القرآن (ص ۵۰۲) ، قرآن کی فصاحت و بلاغت کی مثالوں (ص ۵۱۴) ، معجزات (ص ۵۲۷) ، غیب کی

۱- سیرتِ رسولِ عربیؐ : علامہ نور بخش توکلی ، ص ۵ ۔

خبروں پر آنحضرتؐ کے مطلع ہونے (ص ٥٧٦) اور قیامت کی نشانیوں (ص ٥٩٧) وغیرہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ آنحضرتؐ کے فضائل و خصائص ، ازواج مطہرات اور اولاد کرام کے لیے الگ الگ ابواب رکھے گئے ہیں ۔ آنحضرتؐ کے حقوق پر بھی مفصل بحث کی گئی ہے اور اس میں بریلویوں کے مخصوص عقاید اپنی جھلک دکھاتے ہیں ۔ آخر میں استغاثہ و توسل کی (آنحضرتؐ کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا) بحث ہے ، جس میں روز قیامت آنحضرتؐ کی شفاعت پر بھی دلائل دیئے گئے ہیں ۔

"سیرت رسول عربیؐ" کی تالیف کا بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمان حضور اکرمؐ کی غلامی اختیار کریں ، اپنے تمام معاملات میں آپؐ کے ارشادات کی تعمیل، آپؐ کے طرز عمل کا اتباع، آپؐ کے قوانین کی پابندی اور آپؐ کی عادات و اطوار کی پیروی کریں اور آپؐ کی ذات بابرکات کی انتہائی محبت اور تعظیم و توقیر ملحوظ رکھیں ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہے ۔ "سیرت رسول عربیؐ" کی زبان سادہ اور اسلوب مؤثر ہے اور اسی میں اس کی مقبولیت کا راز پنہاں ہے ۔

"غزوات النبیؐ" (ص ١٨٣) میں آنحضرتؐ کے عہد کے سرایا و غزوات کا بیان ہے ۔ غزوۂ بدر کی تفصیلات پر اس کتاب میں خصوصاً زیادہ زور دیا گیا ہے (ص ٢١ تا ٩٣) اور ثابت کیا گیا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر مسلمان ابو سفیان کے قافلے پر حملہ کرنے کی نیت سے مدینہ سے نکلے تھے ۔ یہ الگ بات ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور مقابلہ لشکر کفار سے ہو گیا ۔ اس سلسلے میں مضبوط دلائل و شواہد سے مولانا شبلی نعمانی کے مؤقف سے اختلاف کیا گیا ہے ۔ مصنف نے کتاب کا اختتام غزوۂ تبوک پر کیا ہے ۔

شیعہ سیرت نگار

شیعہ اہل قلم کی کتب سیرت بھی مقابلۃً تعداد میں کم ہیں ۔ بیسویں صدی عیسوی میں اس سلسلہ کی پہلی قابل ذکر کتاب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی کی "اسوۂ رسولؐ" ہے ۔ جس کی پانچ جلدیں چھپ چکی

ہیں ، پہلی جلد ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں ، دوسری جلد ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء میں، تیسری جلد ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۹ء میں - چوتھی جلد ۱۳۴۷ھ/۱۹۳۰ء میں اور پانچویں جلد ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی[1] - یہ کتاب شبلی نعمانی کی "سیرۃ النبی ؐ" کے جواب میں لکھی گئی ہے اور خالصۃً شیعہ نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے - مرتبینِ "ارمغانِ حق" کی رائے میں اس کتاب کے مؤلف کی نظر محققانہ نہیں ہے - مولانا حسن مثنیٰ ندوی کہتے ہیں کہ "ان کی یہ کتاب شبلی اور شبلی کے مقدمۂ سیرت پر کڑی تنقید سے شروع ہوتی ہے اور اس میں نقد و جرح کو پیشِ نظر رکھا ہے"[2] - "اسوۂ رسول ؐ" کی پہلی جلد (ص ۵۷۵) میں عبداللہ بن عبدالمطلب تک ، دوسری جلد (ص ۵۳۲) میں آنحضرت ؐ کی ولادت سے ۵ ھ تک ، تیسری جلد (ص ۵۲۰) میں ۶ ھ سے وفات النبی ؐ تک کے حالات درج ہیں - چوتھی جلد (ص ۲۳۰) میں اخلاقیات و سیاسیات اور پانچویں جلد (ص ۳۶۸) میں روحانیات و الٰہیات کے موضوعات ہیں - ان کے علاوہ معترضین کے الزامات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں[3] -

"اسوۂ رسول ؐ" کے علاوہ "المصطفیٰ ؐ" (ایم - اے شاہد) اور "رسولِ خدا ؐ" (سید علی نقی النقوی) بھی اس عہد میں شیعی مسلک کی ترجمان کتبِ سیرت ہیں لیکن "المصطفیٰ ؐ" مختصر (ص ۱۱۲) اور "رسولِ خدا ؐ" مختصر ترین (ص ۱۶) کتاب ہے ، البتہ حاجی نور حسین صابر جھنگ سیالوی کی "سوانح عمری حضرت رسولِ مقبول ؐ" نہ صرف شیعہ فرقہ کی نمائندہ ہے بلکہ اپنے مباحث کے اعتبار سے بھی وقیع ہے - یہ کتاب ۱۹۲۵ء کے بعد کسی وقت شائع ہوئی - مصنف نے کتاب کے دیباچے میں بتایا ہے کہ "نومبر ۱۹۲۵ء میں جھنگ میں پہلے جماعتِ احمدیہ کے مبلغین آئے اور اسلام کی صداقت اور آریہ سماج کی

۱- ارمغان حق : سید افتخار علی شاہ و دیگران ، جلد اول ، ص ۶۴ ، ۶۵ -

۲- پیغمبرِ انسانیت : شاہ محمد جعفر پھلواروی ، (مقدمہ) ص ۳۵، ۳۶ -

۳- ارمغانِ حق : سید افتخار حسین شاہ و دیگران ، جلد اول ، ص ۶۴، ۶۵ -

ہیں تاکہ اصلی شانِ رسالت دنیا پر ظاہر ہو"[1] -

حاجی نور حسین صابر کے نزدیک اُن کی "یہ کتاب مختلف مذاہب کے اُن لیڈروں کے لیے ایک کامل رہبر اور مکمل مرشد ثابت ہوگی جو تکفیر کے فتووں سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں - اس کے علاوہ یہ کتاب مسلمان نوجوانوں کے لیے ایک ایسا ہتھیار ثابت ہوگی ، جس سے وہ آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کا مقابلہ کر سکیں گے" - مصنف کا خیال ہے کہ "اس کی کتاب کے ذریعہ فرقہ وہابیہ کی بد اعتقادی دور ہوگی اور زندہ نبی^ص کے زندہ صحیح حالات سامنے آئیں گے - مجددیت ، سہدویت اور نبوت کے جھوٹے دعویٰ داروں اور اللہ کے سچے نبی^ص میں فرق معلوم کرنے کے لیے بھی یہ کتاب مفید ثابت ہوگی"[2] -

نور حسین صابر کے ان خیالات سے اُن کی کتابِ سیرت کے محرکات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور اُن کے مخصوص نقطۂ نظر سے بھی آگاہی ہوتی ہے - یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے - پہلا باب، جغرافیۂ عرب، زمانۂ جاہلیت، ضرورتِ نبی^ص اور ضرورتِ قرآن پر ہے - دوسرا باب ، آنحضرت^ص کے نسب نامہ ، ولادت ، بچپن کے حالات ، جوانی اور نزولِ وحی سے پہلے کے واقعات پر مشتمل ہے - اسی باب میں آپ^ص کے بارے میں توریت ، زبور اور انجیل وغیرہ کتبِ سماوی میں موجود بشارات بھی درج کی گئی ہیں - تیسرا باب آنحضرت^ص کی بعثت اور چوتھا باب ہجرت سے لے کر وفات تک کے حالات پر محیط ہے - پانچویں باب میں آپ^ص کے حلیۂ مبارک ، اخلاق و عادات اور عبادات کا تذکرہ ہے - اسی باب میں آنحضرت^ص کے بارے میں یورپین مؤرخین کے ہمدردانہ تاثرات شامل کیے گئے ہیں اور اسی میں "خصائص النبی^ص" اور "حیات النبی^ص" پر بحث موجود ہے - آخری باب آنحضرت^ص کے معجزات اور اسلام کی خصوصیات کے لیے وقف ہے -

---

۱- سوانح عمری رسولِ مقبول^ص : ڈاکٹر حاجی نور حسین صابر ، ص ۹ -

۲- ایضاً ، ص ۹ ، ۱۰ -

تکذیب میں لیکچر دے کر چلے گئے ۔ اُن کے بعد آریہ سماجیوں کی طرف سے ایک سوامی جی آئے تو اُنہوں نے آنحضرت ؐ کی حیات و سیرت پر لیکچر دیا ، جس میں سخت بدکلامی سے کام لیا ، مصنف کہتا ہے کہ ”اس کے بعد میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ”جناب سرورِ عالم صلعم کے کتبِ شیعہ اور اہلِ سنت سے صحیح صحیح حالات پبلک کے سامنے پیش کروں تاکہ آریہ سماج اور عیسائیوں کے غلط ، من گھڑت روایات و اعتراضات سے مذہبِ اسلام سے لوگوں کو نفرت نہ ہو ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لاعلمی و عدم واقفیت سے اسلام چھوڑ بیٹھیں جیسا کہ ملکانہ راجپوت کے ، ہزاروں مسلمان مرتد ہوگئے اور ہندو پنجاب کے ، ہزاروں مسلمان عیسائیوں کے بناوٹی اور جھوٹے الزامات پڑھ کر اپنا اسلام اور ایمان خراب کر بیٹھے اور لالچ میں آ کر کرسٹان بن گئے“[۱] ۔

حاجی نور حسین صابر ، شبلی کی ”سیرت النبی ؐ“ کو مفادِ اسلامی کے لیے ضرر رساں اور زہرِ قاتل قرار دیتے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ ”شبلی نے یہ کتاب لکھ کر دنیائے اسلام میں ہیجان پیدا کیا ہے“۔ وہ کہتے ہیں کہ ”شبلی صاحب کی ساری عمر کا پروپیگنڈا اگرچہ یہی رہا کہ خاندانِ نبوی صلعم کی وقعت لوگوں کی نظروں میں کم کی جائے اور اُن کے مخالفین کی قابلیت بڑھا چڑھا کر دکھائی جاوے اور حق کو چھپایا جاوے ، مگر اس کتاب میں اُنہوں نے اکابر ۔ علماء و مؤرخین سلف کی تغلیط و تکذیب میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ہندی مسلمانوں کو وہابیت کی ڈگر پر ڈالنے کے لیے سعیٔ بلیغ کی ۔ اس تمام کتاب کو پڑھ جائیے ، حقیقتِ ختمِ نبوت تو کجا ، اس میں کہیں آپ کو شانِ نبوت و رسالت کی جھلک بھی نظر نہ آئے گی اور یہ کتاب ایک دنیا دار بادشاہ کی سوانحِ عمری ثابت ہوگی ۔ نعمانی صاحب نے تمام موضوع اور بناوٹی روایات کا انبار لگا دیا ہے ۔ پس مسلمانوں کو حضرت رسول مقبول ؐ کے صحیح صحیح حالات بتانے اور باطل کو مٹانے کے لیے میں نے قلم اُٹھایا ہے اور حتی الامکان صحیح روایات، کتبِ سُنیہ و شیعہ سے درج کی

۱- سوانحِ عمری رسولِ مقبول : ڈاکٹر حاجی نور حسین صابر ، کتب خانہ اثنا عشری لاہور ، ص ۷ ، ۸ ۔

"سوانح عمری رسول مقبول ؐ" میں اہل تشیع کے وہ تمام عقاید موجود ہیں جو شیعوں اور سنیوں کے درمیان اختلافی رہے ہیں ۔ مثلاً پہلے باب (جغرافیہ عرب ، زمانہ جاہلیت ، ضرورت النبی ؐ) کے تیسرے صفحے پر ہی یہ عبارت ملتی ہے :

"مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان غدیر خم واقع ہے، جہاں جناب رسول اللہ صلعم نے ۱۱ھ میں اپنے چچا زاد بھائی اور داماد جناب سیدنا حضرت علی ؑ کو ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ کبار کے روبرو اپنا ولی عہد و جانشین بنایا تھا" ۔

اس کے علاوہ بھی کتاب میں وہ تمام شیعی روایات موجود ہیں ، جن سے سنیوں کو اختلاف ہے ۔ مثلاً آنحضرت ؐ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ کا باکرہ ہونا (ص ۴۷) اور بقول ابن عباس اُن کی عمر ۲۸ سال ہونا (ص ۴۲) ، آنحضرت ؐ کا حضرت علی رض کو اپنا بھائی اور اُمت کا خلیفہ قرار دینا (ص ۹۳) ، آنحضرت ؐ کی صرف ایک صاحب زادی ماننا اور حضرت اُم کلثوم رض اور حضرت رقیہ رض کو ربیبہ (پچھلگ) قرار دینا (ص ۹۸) ، ابو طالب کا حالت ایمانی میں فوت ہونا (ص ۱۰۷ ، ۱۰۹) ، جنگ اُحد میں حضرت علی رض کا ثابت قدم رہنا اور حضرت عمر رض کا بھاگ کر پہاڑ پر جا چڑھنا اور حضرت عثمان رض کا مدینہ منورہ جا کر دم لینا (ص ۱۳۱) ، حضرت حمزہ رض کی شہادت پر آنحضرت ؐ کا گریہ کی اجازت دینا اور اس سے ماتم کا جواز نکالنا (ص ۱۳۳) ، فاطمہ بنت اسد ، زوجہ ابی طالب کا مسلمان ہو کر فوت ہونا (ص ۱۳۸) ، غزوۂ خندق میں حضرت ابوبکر رض و حضرت عمر رض کا باوجود فرمان رسول ؐ کے دشمنوں کی خبر لانے سے صاف انکار کرنا اور استغفر اللہ پڑھنا (ص ۱۳۹)، آنحضرت ؐ کا حضرت فاطمہ رض کو فدک کا وثیقہ لکھ کر دینا (ص ۱۷۰) ، فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت ؐ کا حضرت علی رض کو دوش مبارک پر سوار کر کے بت شکنی کرانا اور اُس سے حضرت علی رض کی امامت کا جواز نکالنا (ص ۱۷۶) ، جنگ حنین میں صرف چار آدمیوں (علی رض ، عباس رض، ابوسفیان رض بن حارث، عبداللہ بن مسعود رض) کا ثابت قدم رہنا (ص ۱۷۹) ، اور حدیث قرطاس (ص ۲۰۱) وغیرہ کے متعلق تمام شیعی عقاید و نظریات موجود ہیں ۔ شبلی کی مخالفت کے باوجود اُن کی

"سیرۃ النبی ؐ" کے تائیدی حوالے شامل کتاب ہیں (ص ۲۵ اور ۴۸) - ان اختلافات سے قطع نظر "سوانح عمری رسول مقبول ؐ" اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ اس میں کسی قسم کی دشنام طرازی سے کام نہیں لیا گیا - اس کی زبان سادہ ، رواں اور ہموار ہے - تفضیل علی رض تو اس کی خصوصیت ہے ہی ، تاہم صحابہ کرام رض کے بارے میں سوقیانہ الفاظ استعمال کرنے سے حتی الوسع پرہیز کیا گیا ہے -

غیرمسلم احمدی (قادیانی اور لاہوری) سیرت نگار

مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۷ء - ۱۹۰۸ء) کے پیروکاروں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سوانح عمریاں خاصی تعداد میں لکھی ہیں جن میں کہیں ڈھکے چھپے انداز میں اور کہیں کھل کر اپنے عقاید کا اظہار کیا ہے - مرزا غلام احمد قادیانی (جنہوں نے جماعت احمدیہ قائم کی) نے پہلے مجدد اور پھر نبی ہونے کا دعویٰ کیا - چنانچہ اُن کے پیروکار بھی دو گروہوں میں بٹ گئے - اُنہیں نبی ماننے والے "قادیانی" کہلاتے ہیں اور مجدد ماننے والے "لاہوری" - مسلمان ، دونوں گروہوں کو بالاتفاق ان کے غلط اور گمراہ کن عقائد کی وجہ سے غیر مسلم سمجھتے ہیں - قادیانیوں اور لاہوریوں نے بھی کتب سیرت لکھنے میں خاصی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا ہے - مرزا غلام احمد قادیانی نے خود تو کوئی باقاعدہ کتاب سیرت نہیں لکھی ، لیکن اُن کی بعض تحریروں اور تقریروں کو کتابچوں کی شکل میں شائع کیا گیا ہے ، جن میں اُنہوں نے آنحضرت ؐ کی سیرت و کردار کے کسی پہلو پر اظہار خیال کیا تھا - ان میں "شان خاتم الانبیاء کے چند پہلو" (ص ۴۸)، "مقام مصطفیٰ ؐ" (ص ۱۰۸) ، "محامد محمد ؐ" اور "تحفہ بغداد" کے نام زیادہ معروف ہیں - ان کی تحریروں کا ایک ضخیم مجموعہ "شان رسول عربی ؐ" (ص ۵۹۴) کے نام سے سلطان احمد پیرکوٹی نے مرتب کر کے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا ہے - مرزا بشیر الدین محمود احمد کے چند کتابچے بھی آنحضرت ؐ کی سیرت و کردار پر ہیں ، جو بیشتر ان کی تقاریر پر مشتمل ہیں - مثلاً "دنیا کا محسن ؐ" (ص ۱۱۱) ، "رحمۃ للعالمین ؐ" (ص ۶۴) ، چشمہ ہدایت (ص ۲۷) ، "سیرت خیر الرسل ؐ" ، "ہمارا رسول ؐ" (ص ۴۰) اور "نبیوں کے سردار ؐ" - مرزا بشیر احمد ایم - اے نے "سیرت خاتم النبیین ؐ"

(تین حصے) ، جلد اول ، ص ۳۲۸ ، جلد دوم ، ص ۵٦۳ ، جلد سوم ، ص ۲۱٦ ، "اسوۂ حسنہ" (ص ۱۰۱) اور رسول پاکؐ کا عدیم المثال مقام" (ص ۱۷٦) اور مولوی صدر الدین نے "رحمة للعالمینؐ" (ص ۱۱۸) حضرت محمد مصطفٰیؐ کی وحیٔ نبوت کی ماہیت (ص ٦۳) اور "محمد مصطفٰیؐ۔ زمانۂ حال کے پیغمبرؐ" (ص ۲۳۳) لکھیں ۔ مولانا محمد علی لاہوری نے "سیرة خیرالبشرؐ" (ص ۲۰۰) ، "زندہ نبیؐ کی زندہ تعلیم" (ص ۲۹٦) اور "محمد مصطفٰیؐ" (ص ۱۰۳) تحریر کیں اور خواجہ کمال الدین (متوفی ۱۹۳۳ء) نے "اسوۂ" حسنہ (زندہ نبیؐ کامل)، (ص ۱۲۸)، "بےنظیر کامیاب نبیؐ" (ص ۲۷)، "نبوت کا ظہور اتم" (نبیؐ کاملؐ) (ص ۲۳۷) اور سیرت نبویؐ (ص ۵۰) تالیف کیں ۔ ان کے علاوہ قادیانیوں اورلاہوریوں میں سے پیرزادہ شمس الدین نے "رسول کریمؐ فی قرآن عظیم" (ص ۱۷٦) اور "القول الحلبی فی حیات النبیؐ" لکھیں اور جلال الدین شمس نے "نبیوں کا سردارؐ" (ص ۵۹) ، شیخ عبدالقادر سوداگر مل نے "سیرت سید الانبیاءؐ" (ص ۲۹۸) ، میر محمد اسحٰق نے "انسان کاملؐ" (ص ۳۸) ، محمد عطاء اللہ ایڈووکیٹ نے "حضرت سرور کائناتؐ اور عبادات"، سید زین العابدین ولی اللہ شاہ نے "سیرت نبویؐ ، احادیث کی روشنی میں" اور مرزا ناصر احمد نے "صفات باری کے مظہر اعظمؐ کی عظیم روحانی تجلیات" (ص ۲۳) لکھیں ۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے "سیرت رسولؐ" (ص ۳۲) اور مکتبہ الفرقان ربوہ کی طرف سے "سیرت حضرت خاتم النبیینؐ" شائع ہوئیں ، جن پر مصنف کا نام درج نہیں تھا ۔ ان میں سے چند ایک کتابچے (مثلاً نبیوں کا سردار" اور "رسول کریم فی قرآن عظیم" وغیرہ) قیام پاکستان کے بعد شائع ہوئے ، تاہم باقی کتابیں ۱۹۳۷ء سے پہلے کی لکھی ہوئی ہیں ۔ ان سب میں سے صرف مرزا بشیر احمد ایم اے کی "سیرت خاتم النبیینؐ" (تین حصے) اور مولانا محمد علی لاہوری (۱۸۷۳ء - ۱۹۵۱ء) کی "سیرت خیر البشرؐ" ایسی کتابیں ہیں جو جماعت احمدیہ کے باہر کے حلقوں میں بھی یکساں دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ۔ "سیرت خیرالبشر" کو زمانی تفوق بھی حاصل ہے اور اس کا مواد بھی زیادہ متنازعہ فیہ نہیں ۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن (۱۹۲۷ء/۱۳۳۳ھ) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا ۔ مصنف کے نزدیک اس سیرت کے لکھنے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ آنحضرتؐ کے صحیح حالات پبلک کے

سامنے مختصر پیرایہ میں پیش کیے جائیں ، بلکہ زیادہ تر مدِ نظر یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے مسلمان پیروکار اپنی زندگیاں آپؐ کے نمونے پر بسر کرنے کی کوشش کریں[1] ۔

"سیرتِ خیرالبشرؐ" اوسط ضخامت کی ایک کتاب ہے ، جو سادہ انداز میں لکھی گئی ہے ۔ اس میں لمبی بحثوں سے پرہیز کیا گیا ہے اور موٹے موٹے واقعات کو سادہ طریقے سے بیان کر دیا گیا ہے ۔ آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ سے کسبِ فیض کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور واقعات کے بیان میں ہی مخالفین کی نکتہ چینیوں کا جواب بھی دیا گیا ہے ۔ کتاب کا آغاز عام کتبِ سیرت کی طرح عرب کے جغرافیہ سے ہوتا ہے اور پھر عرب اور باقی دنیا کی سیاسی ، سماجی ، مذہبی اور اخلاقی حالت کا نقشہ دکھانے کے بعد آنحضرتؐ کے ظہور کی بشارات درج کی گئی ہیں ۔ پھر سلسلۂ نسب ، پیدائش، حالات قبل از بعثت ، نبوت ، پہلے ایمان لانے والے ، کفار کی ایذا رسانی ، ہجرتِ حبشہ ، ہجرتِ نبویؐ ، مدنی زندگی ، غزوات ، صلح حدیبیہ ، بادشاہوں کو دعوتِ اسلام ، فتحِ مکہ ، عام الوفود ، حجۃ الوداع اور وفات تک کے واقعات سلسلہ وار درج کیے گئے ہیں ۔ آخری تین ابواب میں ازواجِ مطہرات ، آنحضرت کے اخلاق و عادات اور مصلحینِ عالم میں آپؐ کو ممتاز کرنے والے امور کے مباحث ہیں ۔ "سیرتِ خیر البشرؐ" اس لحاظ سے قابلِ قدر کتاب ہے کہ اس میں اِکا دُکا مقامات کے سوا مسلمانوں کے مسلمہ عقاید سے بہت کم انحراف کیا گیا ہے ۔

"سیرتِ خاتم النبیینؐ" احمدی اہلِ قلم کی تحریر کردہ کتبِ سیرت میں سب سے اہم کتاب ہے ، کیونکہ ایک تو یہ ان کے قادیانی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے اور دوسرے اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں ۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے ۔ پہلی جلد (طبع دوم) ۱۹۳۵ء میں ، دوسری جلد ۱۹۳۱ء میں اور تیسری جلد ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی ۔ جلد اول میں ابتدا سے ہجرت تک کے واقعات ہیں ۔ دوسری جلد ، ہجرت سے ۵ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے اور تیسری جلد غزوۂ بنی قریظہ سے آنحضرتؐ کے تبلیغی خطوط ارسال کرنے تک کے احوال کا

۱- سیرتِ خیر البشرؐ : مولوی محمد علی ایم - اے ، انجمن اشاعتِ اسلام لاہور ، بار دوم ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۷ء (ص ضروری گزارش) ۔

احاطہ کرتی ہے ۔ مرزا بشیر احمد (ایم ۔ اے) کا طرزِ تحریر بڑا سلجھا ہوا ہے اور وہ اپنی بات منطقی انداز میں سمجھانے پر قادر ہیں ۔ "سیرتِ خاتم النبیینؐ" میں اُن کی ادبی سلیقہ مندی اور علمی توازن کا بھرپور مظاہرہ ہوا ہے۔ مصنف کے مخصوص قادیانی خیالات سے قطعِ نظر یہ کتاب سیرت کی اچھی کتابوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔

بچوں کے لیے کتبِ سیرتِ رسولؐ

۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۷ء تک کے درمیانی عرصہ میں بچوں اور نوجوانوں کے لیے خاصی تعداد میں سیرت کی کتابیں لکھی گئیں ۔ اُن میں چالیس پچاس صفحات کی مختصر کتابیں بھی ہیں اور تین چار سو صفحات کی ضخیم کتابیں بھی ، نسبتاً ضخیم کتابوں میں حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی "سیرتِ رسولِ کریمؐ" (ص ۳۷۰)، غلام رسول مہر کی "سرورِ عالمؐ" (ص ۳۵۶)، ڈاکٹر پیر محمد حسن کی "انوارِ رسالتؐ" (ص ۳۱۲) ، اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی ۱۹۳۷ء میں شائع کردہ "ہادیٔ برحقؐ" (ص ۳۱۰) کے نام بطور مثال لیے جا سکتے ہیں ۔ مختصر یا اوسط ضخامت کی کتابوں میں عبدالرحمن شوق کی "سوانح عمری حضرت محمد صلعم" (۱۹۰۹ء) ، غلام مصطفٰی اور سید محمد عاصم کی مشترکہ "حضرت رسولِ کریمؐ" (۱۹۲۷ء) ، مرزا حیرت دہلوی کی "دنیا کا آخری پیغمبر" ، سید نواب علی کی "ہمارے نبیؐ" (۱۹۲۸ء) ، الیاس احمد یحیٰی کی "آخری نبیؐ" (۱۹۲۸ء) ، عبدالحیٔ فاروقی کی "ہمارے رسولؐ" (۱۹۳۰ء) ، بیگم انیسہ زہرا کی "محمد مصطفٰیؐ" (۱۹۳۶ء)، ماہرالقادری کی "آخری رسولؐ" سید سلیمان ندوی کی "رحمتِ عالمؐ" (۱۹۴۰ء) ، مولوی اسمٰعیل خاں کی "ہمارے نبیؐ" (۱۹۴۵ء) ، شرافت حسین رحیم آبادی کی "اللہ کے رسولؐ" (۱۹۴۶ء)، مفتی محمد شفیع کی "سیرتِ خاتم الانبیاءؐ" عتیق احمد صدیقی کی "سیرتِ رسولِ مقبولؐ" ، قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی "سید البشرؐ" (دو حصے) اور چراغ حسن حسرت کی "سرکارِ مدینہؐ" کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان کتابوں کی ایک جامع فہرست کتابیات کے ضمن میں درج کی گئی ہے ۔ یہ کتابیں سادہ ، آسان اور عام فہم زبان میں بچوں اور نوجوانوں کو حضور اکرمؐ کی زندگی کے

چیدہ چیدہ واقعات اور آپؐ کے پیغام سے آگاہ کرتی ہیں - ان کتابوں نے نئی پود میں آنحضرتؐ کی سیرت و کردار سے دلچسپی پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے -

کتب تاریخ اسلامی میں سیرت رسولؐ

اُردو زبان میں اسلامی تاریخ کی کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے - اس قسم کی ہر تاریخی کتاب کی ابتدا عموماً عہد رسالت سے کی جاتی ہے - مختصر کتب تاریخ کا ایک حصہ اور ضخیم کتابوں کی ایک دو جلدیں عہد نبوی کے واقعات کے لیےوقف ہوتی ہیں - ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۷ء تک کے عرصہ میں ایسی بیسیوں کتابیں لکھی گئیں - اُن میں چھوٹی بڑی ہر طرح کی کتابیں ہیں - بڑی کتابیں پڑھے لکھے لوگوں کے لیے اور چھوٹی کتابیں بچوں اور طالب علموں کی درسی ضروریات پوری کرنے کے لیے لکھی جاتی ہیں - اُن میں طبع زاد تصانیف بھی ہیں اور تراجم بھی - اُن میں "شمس التواریخ" (حصہ اول و دوم) از مولوی وارث علی اکبر آبادی (۱۹۰۱ء) ، "عروج اسلام"، ترجمہ الکامل ابن اثیر، جلد اول (۱۹۰۱ء)، "لواعج الاحزان" ملقب بہ "مظہر المصائب" از سید محمد مہدی (۱۹۰۲ء) ، "رسالہ آغاز اسلام" از عبداللہ انصاری (۱۹۰۲ء) ، "اشرف التواریخ" از مولانا محمد اکبر دانا پوری (۱۹۱۰ء) ، "تاریخ اسلام" از احسان اللہ عباسی (۱۹۱۷ء) ، "تاریخ ابوالفدا"، جلد دوم، ترجمہ از کریم الدین پانی پتی (۱۹۱۷ء) ، "تاریخ خلفائے اسلام" از محمد شاہ خان آفریدی (۱۹۲۳ء)، "تاریخ عرب" ترجمہ از عبدالغفور، عبدالعلیم (۱۹۲۴ء) "تاریخ اسلام" جلد اول از عبدالحلیم شرر (۱۹۲۵ء) ، "تاریخ اسلام" از اکبر شاہ خان نجیب آبادی (۱۹۲۶ء)، "سبل السلام" (تاریخ دول العرب و الاسلام) از محمد یوسف بن سید محی الدین (۱۹۲۶ء) ، "تاریخ محمدیہؐ" از جہاں نما شاہ چشتی، "تاریخ اسلام" (پہلا حصہ) از مولانا خلیل الرحمٰن (۱۹۳۱ء) ، "تاریخ الاسلام" (تین حصے) از مولانا محمد میاں دیوبندی (۱۹۳۳ء) ، "تاریخ اسلام" از مولوی ابو الحسن (۱۹۳۶ء) ، "تاریخ اسلام" از محمد صادق حسین (۱۹۴۲ء) ، "تاریخ الاسلام" (تین حصے) از مولوی محمد عاشق علی (۱۹۴۳ء) ، "اسلامی تاریخ" از مولانا ثناء اللہ

امرتسری، تاریخِ اسلام (حصہ اول) از مولوی محمد حامد خاں ، "نامورانِ ملت" از قاسم حسن ، "تاریخ الامت" (حصہ اول) از محمد اسلم جیراج پوری (۱۹۴۴ء) ، "تاریخِ ملت" از مسلم ویلوری ، "تاریخِ اسلام" (حصہ اول) از شاہ معین الدین احمد ندوی ، "تاریخِ احمدی" از احمد حسن ساکنِ پریانواں اور "عروجِ اسلام" از عبدالرحمٰن دہلوی کے نام بطور مثال لیے جا سکتے ہیں ۔

اسلامی تاریخ کی بعض کتابوں میں آنحضرتؐ کے سوانحی حالات ، حکایات کی شکل میں بیان کیے گئے ہیں ۔ بعض میں خلفائے راشدین والا حصہ عہدِ نبویؐ کے ساتھ منسلک ہوتا ہے ۔ بعض کتابیں حضرت آدمؑ کے تذکرے سے شروع ہوتی ہیں اور آنحضرتؐ کے عہد کا احاطہ کرتے ہوئے صحابہ کے تذکرے کو بھی شامل کر لیتی ہیں ۔ بعض کتبِ تاریخ میں آنحضرتؐ سے لے کر بارہ اماموں تک کے حالات درج ہوتے ہیں ۔ بہرحال اسلامی تاریخ کی کوئی بھی کتاب آنحضرتؐ کے ذکرِ مبارک کے بغیر مکمل نہیں ہوتی ۔ یہ کتابیں بھی سیرتِ رسولؐ کا ایک حصہ ہیں ۔ سیرت کی دیگر کتابوں کی طرح اُن میں واقعات کی صحت کا زیادہ خیال نہیں رکھا جاتا، لیکن "تاریخِ اسلام" از شاہ معین‌الدین احمد ندوی، (متوفی ۱۹۷۴ء)، "تاریخ الامت" از محمد اسلم جیراج پوری اور "تاریخِ اسلام" از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (۱۸۵۷ء - ۱۹۳۸ء) ان عیوب سے پاک ہیں ۔

سیرتِ رسولؐ کے اردو تراجم

اسی عہد میں عربی اور انگریزی سے سیرت کی بعض کتابوں کے اردو میں تراجم ہوئے ۔ انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں بھی اگرچہ کچھ کتابیں اردو میں منتقل ہو چکی تھیں ، لیکن اُس وقت تراجم کے نمونے اِکا دُکا تھے ۔ بیسویں صدی کے نصفِ اول میں کتابوں کی اچھی خاصی تعداد کو مترجمین نے ترجمہ کے لیے چُنا ۔ اُن میں قدیم مصنفین کی کتابیں بھی تھیں اور جدید سیرت نگاروں کی بھی ۔ قدما کی بیشتر کتابیں وہی ہیں جن کے حوالے ہمارے اردو کے سیرت نگار اکثر اپنی کتابوں میں دیتے ہیں ۔ اُن میں کچھ ترجمے عمدہ ہیں اور کچھ ناقص ۔ بعض کتابوں کے جزوی اور بعض کے مکمل تراجم ہوئے ۔ بعض اوقات ایک ہی کتاب

کا ترجمہ کئی کئی اصحاب نے کیا ۔ یہاں چند اہم تراجم کا ذکر بے محل نہ ہوگا ۔

۱۹۱۳ء/۱۹۱۳ء میں مولوی انشاء اللہ خاں ، مدیر ''وطن'' لاہور (۱۸۷۰ء - ۱۹۲۸ء) نے ''سیرت الرسولؐ'' کے نام سے تین جلدوں میں سیرۃ ابن ہشام کا مختصر ترجمہ شائع کیا ۔ اس ترجمہ میں اُن کی معاونت مولوی محمد حلیم ردولوی نے کی ۔ یہ محض ترجمہ یا خلاصہ نہیں ہے بلکہ مترجم نے جا بجا مفید حواشی بھی دیئے ہیں اور بعض جگہ تشریحات سے بھی کام لیا ہے ۔ اس زمانے میں (۱۹۱۳ء میں) قاضی عیاض الاندلسی کی مشہور کتاب ''الشفا'' کا ترجمہ ''شمیم الریاض'' کے نام سے دو جلدوں میں حافظ محمد اسمٰعیل کاندھلوی نے کیا جو مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا ۔ ''الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰؐ'' کا ہی ایک ترجمہ نذیر احمد جعفری (متوفی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) نے کیا اور اسی کا ایک اور ترجمہ ''کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰؐ'' کے نام سے احمد علی شاہ (متوفی ۱۹۲۶ء) نے کیا جو ۱۹۱۴ء میں لاہور سے شائع ہوا[1] - ۱۹۲۱ء میں علامہ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی کی کتاب ''الانوار المحمدیہؐ من مواہب لدلیہ'' کا ترجمہ مولانا عبدالجبار خاں آصفی نے کیا - ۱۹۲۳ء میں محمد حسین ہیکل کی کتاب ''حیاتِ محمدؐ'' کا ترجمہ ابو یحییٰ محمد امام خان نوشہروی (متوفی ۱۹۶۶ء) نے کیا - ۱۹۲۴ء میں ''اسوۂ حسنہ'' کے عنوان سے 'زاد المعاد فی ہدیٰ خیر العبادؐ' (ابن قیم) کے خلاصہ کا ترجمہ کیا گیا ۔ یہ خلاصہ مصری عالم شیخ محمد ابو زید نے (''ہدیٰ الرسولؐ'') کے نام سے کیا تھا جسے مولانا عبدالرزاق ندوی ملیح آبادی نے اردو زبان میں منتقل کیا - ۱۹۲۶ء میں 'تاریخِ طبری' کی پہلی دو

۱- یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ بعد میں بھی اس کے اردو میں ترجمے ہوتے رہے - مثلاً ''الشفا ، سیرتِ رحمۃ للعالمین'' (نعیم العطا فی حدیث المجتبیٰ) کے نام سے ۱۹۶۰ء میں مفتی غلام معین نعیمی نے اس کا ترجمہ کیا اور ''کتاب الشفا'' کے نام سے جلد اول کا ترجمہ مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری نے ۱۹۸۰ء میں اور جلد دوم کا ترجمہ مولانا محمد اطہر نعیمی نے ۱۹۷۹ء میں کیا جسے مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے شائع کیا ۔

جلدوں کا ترجمہ ہوا ۔ مترجم سید محمد ابراہیم ندوی تھے ۔ یہ ترجمہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد ، دکن سے شائع ہوا ۔ محمد حسین ہیکل کی کتاب کے مقدمہ کا ترجمہ محمد حسین عرشی نے ۱۹۳۰ء میں "مقدمہ زندگی محمدؐ" کے نام سے کیا ۔ ۱۹۴۲ء میں عبدالرزاق ملیح آبادی نے توفیق الحکیم مصری کی کتاب 'محمد صلعم' کا ترجمہ کیا جو ہند پریس کلکتہ سے شائع ہوا ۔ "طبقاتِ کبیر" کے نام سے ۱۹۴۴ء میں عبداللہ العمادی نے 'طبقاتِ ابنِ سعد' کو اردو میں منتقل کیا ۔ اس کتاب کے پانچ حصے عبداللہ العمادی کی کاوش کا نتیجہ تھے۔ ۱۹۴۶ء میں ظہور وجدانی نے "بطل الابطال" کا ترجمہ "تاجدارِ دو عالمؐ" کے نام سے کیا ۔ یہ عبدالرحمٰن عزام بک مصری کی مشہور کتاب ہے ۔ "سیرتِ ابنِ ہشام"کا ایک اور ترجمہ قطب الدین احمد محمودی" حیدرآبادی نے بھی کیا، جو دو جلدوں میں دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے شائع ہوا ۔ محمد صاحب جوناگڑھی نے اسی زمانہ میں "سیرتِ محمدیؐ" کے نام سے جعفر ظہیری کی "خلاصۃ السیر فی احوال سید البشرؐ" کا ترجمہ کیا جو بمبئی سے شائع ہوا ۔ علامہ خضری کی سیرت پر ایک کتاب کا ترجمہ "نور الیقین فی سیرت سید المرسلینؐ" کے نام سے مولانا محمد زکریا مائل نے کیا ، جسے تاج کمپنی لاہور نے شائع کیا ۔ "بانیٔ اسلامؐ" محی الدین خیاط مصری کی "دروس التاریخ" کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ ہے ۔

اسی دور میں سیرتِ رسولؐ سے متعلق انگریزی کے بعض مضامین اور کتبِ سیرت کے بھی اردو میں تراجم ہوئے ۔ ۱۹۰۵ء میں "اسلام اور اس کا بانیؐ" کے نام سے مطبع مجتبائی ، دہلی سے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ شائع ہوا ۔ ٹالسٹائی اور دو تین یورپی مصنفین کے تاثرات پر مشتمل ایک مجموعہ انگریزی سے عربی میں "حکم النبی محمدؐ" کے نام سے مولانا سلیم تبعین نے ترجمہ کیا تھا ۔ اسے ۱۹۱۳ء میں مولوی محبوب عالم کی فرمائش پر عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے "پیغمبر اسلام صلعم" (ص ۵۶)[1] کے عنوان سے مولوی محمد فیض الحسن نے ۱۹۲۰ء میں شائع کیا ۔

۱- پیغمبرِ اسلام صلعم : ٹالسٹائی ، ترجمہ مولوی محمد فیض الحسن ، ۱۹۲۰ء ، کارخانہ پیسہ اخبار ، خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور

اس رسالہ میں آنحضرت کی مختصر سوانح عمری کے علاوہ احادیث نبوی ؐ بھی درج کی گئی ہیں ۔ پردہ اور نکاح کے متعلق ٹالسٹائی کے خیالات بھی اس میں شامل ہیں ۔ ۱۹۳۳ء میں کارلائل کے مشہور لیکچر "ہیرو ایز اے پرافٹ" کا ترجمہ "سید الانبیاءؐ" کے نام سے اعظم خاں نے کیا ، جو مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے چھپا ۔ "محمد رسول اللہ" کے نام سے اسی لیکچر کا دوسرا ترجمہ ۱۹۴۲ء میں مولانا عبدالرحمٰن عاقل نے کیا اور اس کا تیسرا ترجمہ مہدی حسن ناصری نے "سرور انبیاءؐ" کے نام سے ۱۹۴۵ء میں کیا ۔ یہ ترجمہ معیار پریس لکھنؤ سے شائع ہوا ۔ بعد ازاں اسی لیکچر کا ایک اور ترجمہ "بطل نبوت" (نبی الانبیاء) (ص ۱۲۸) کے نام سے محمد سکندر نے ۱۳۷۸ھ میں کر کے ادارہ سیرت پاک لاہور کی طرف سے شائع کیا ۔ خالد لطیف گابا (متوفی ۱۹۸۱ء) نے اپنی ہی انگریزی تصنیف "پرافٹ آف دی ڈیزرٹ" کا ترجمہ "پیغمبر صحراؐ" کے نام سے کیا ، جسے مکتبہ اردو لاہور نے شائع کیا ۔ خورشید احمد انور نے بھی اپنی کتاب)انگریزی) "محمد آف عربیہؐ" کا اردو ترجمہ "محمد عربی" کے نام سے کیا ، جو ۱۹۳۸ء میں لاہور سے چھپا ۔

اردو رسائل کے سیرت رسول ؐ نمبر

اس دور میں بعض رسائل نے بھی اپنے رسول ؐ نمبر شائع کیے ، جن میں متفرق اہل قلم نے آنحضرت ؐ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھے ۔ مثلاً "نظام المشائخ" ، دہلی کے متعدد رسول ؐ نمبر ، الجمیعۃ ، دہلی (حبیب نمبر) ۱۹۲۷ء ، "پیشوا" ، دہلی (تذکرۂ جمیل نمبر) شمارہ ستمبر ۱۹۳۰ء ، شمارہ جولائی ۱۹۳۳ء اور شمارہ جولائی ۱۹۳۲ء ، "مولوی" ، دہلی (رسول ؐ نمبر) بابت ۱۳۴۵ھ ، ۱۳۴۷ھ ، ۱۳۵۴ھ ، ۱۳۶۱ھ اور ۱۳۶۵ھ ، "مسیحا" رام پور (رسول ؐ نمبر) شمارہ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ اور "منادی" ، دہلی (رسول ؐ نمبر) وغیرہ ۔

ان میں سے بعض رسائل اپنے اچھے مضامین کی وجہ سے اتنے مقبول ہوئے کہ انہیں بعد ازاں کتابی شکل میں شائع کیا گیا ۔ مثلاً رسالہ "مولوی" دہلی (رسول ؐ نمبر) کے شمارہ ۱۳۵۴ھ کے مندرجات مولوی عبدالحمید دہلوی (مدیر) نے "سیرت محبوب کائنات ؐ" (ص ۵۹۲) کے نام سے شائع کیے ۔

اس مجموعۂ مضامین میں آنحضرت ؐ کی ولادت ، بچپن ، عہد شباب اور عہد رسالت کے واقعات بھی موجود ہیں اور آپ ؐ کے مکارم اخلاق کی سچی تصویریں بھی - یہاں حضور اکرم ؐ کو شوہر ، باپ ، تاجر، پیغمبر، رشتہ دار ، سپہ سالار ، مبلغ ، منتظم ، حکمران ، معلم اور مقنن کی مثالی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے -

بعض رسائل مسلسل رسول ؐ نمبر شائع کرتے رہے - مثلاً ماہنامہ نظام المشائخ دہلی نے ربیع الاول ۱۳۴۸ھ، جولائی اگست ۱۹۲۹ء جولائی اگست ۱۹۳۰ء اور جون ۱۹۳۴ء کے شمارے رسول ؐ نمبر کے طور پر نکالے- ربیع الاول ۱۳۳۴ھ کے شمارے (۱۶۸ ص) میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر خواجہ حسن نظامی ، نیاز فتح پوری ، عارف ہسوی اور دیگر حضرات کے مضامین شامل کئے گئے - جولائی اگست ۱۹۲۹ء کے پرچے (۲۳۲ ص) میں مرزا فرحت اللہ بیگ ، ڈاکٹر محمد اقبال، خواجہ حسن نظامی ، ڈاکٹر سعید احمد، قاضی محمد سلیمان منصور پوری فراق دہلوی، عبدالرزاق ملیح آبادی ، حامد حسن قادری اور دیگر اہل قلم کے مضامین سیرت شائع کئے گئے- جولائی اگست ۱۹۳۰ء کے شمارے (۱۵۲ ص) کے خاص خاص مضامین میں خدا کی تلاش از لیو طالسطائی ، رسول اللہ رسالت سے پہلے از سعید احمد بریلوی ، حضرت نجاشی از مرزا محمد نذیر اور رسول اللہ کا شجرۂ نسب از مقبول احمد کے نام لئے جا سکتے ہیں اور شمارہ جون ۱۹۳۴ء (ص ۱۴۴) کے چیدہ چیدہ مضامین میں ، نبی کریم انسان کی حیثیت سے از مرزا محمود احمد ، حضور ؐ کا سلوک اپنی بیویوں کے ساتھ از محمد ظفر اور سیرت نبوی اور علمائے فرنگ از عبدالماجد دریابادی کے نام زیادہ اہم ہیں[1] -

رسائل کے علاوہ اخبارات میں بھی آنحضرت ؐ کی سیرت پر بے شمار مضامین شائع ہوئے - عام اشاعتوں کے علاوہ ربیع الاول کے مہینے میں خاص طور پر سیرت رسول ؐ پر مضامین چھپتے رہے ہیں - ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان پر تبصرہ کے لیے الگ دفتر درکار ہے -

---

۱- توضیحی فہرست کتب خانۂ ہمدرد ، اشاعت خاص اردو رسائل : مرتبہ حکیم نعیم الدین زبیری - ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی ۱۹۸۷ء، ص ۲۲۷ ، ۲۲۸ -

ساتواں باب

اردو سیرت نگاری کا عہدِ حاضر

(۱۹۴۸ء تا ۱۹۸۵ء)

پس منظر

برصغیر کی تقسیم اور ظہور پاکستان (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) کے بعد سے لے کر اب تک سیرت نبوی پر کثیر تعداد میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور انشاء اللہ یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے گا۔ تقسیم ہند کے بعد برصغیر کے مسلمان دو ٹکڑوں میں بٹ گئے اور دونوں جگہ انہیں نئے حالات اور نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ بھارت کے مسلمان، ہندو اکثریت کے سمندر میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں ہندوؤں، سکھوں، پارسیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے مقابلے میں اپنا مذہب، تہذیب اور کلچر کم عزیز نہیں ہے۔ وہ کسی طرح بھی اپنے دینی تشخص کو گم نہیں کرنا چاہتے۔ اسی لیے انہوں نے اسلامی تعلیمات کے ساتھ اپنی وابستگی برقرار رکھی ہے۔ اگرچہ بھارت سے پاکستان کے تعلقات کشیدہ ہونے کی وجہ سے کتابوں کی عام ترسیل میں بڑی دشواریاں حائل ہیں، لیکن جو بھی اسلامی کتابیں کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچ جاتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اسلام اور بانی اسلام سے شیفتگی کسی طرح بھی کم نہیں ہوئی، بلکہ فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے، جو وہاں کا معمول بن چکے ہیں، انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ اسلام کو سینے سے لگا لیا ہے۔ پھر بھارت میں اسلامی مدارس کی ایک شاندار روایت پچھلی صدی سے برقرار ہے۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور، جامعہ منظر اسلام بریلی اور دیگر بے شمار اسلامی درسگاہوں کے فیض یافتگان، ان اداروں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تو وہ اپنے سینوں میں خدا اور رسول کی محبت لیے ہوئے تھے۔ بھارتی علماء و فضلاء نے زبان اور قلم سے دین کی بھرپور خدمت انجام دی ہے اور مسلمانوں کا آنحضرت سے روحانی رشتہ مستحکم کرنے کے لیے سیرت رسول پر خاصی تعداد میں کتابیں لکھی ہیں۔ بھارتی مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہندوستانی قومیت میں جذب ہونے سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے وہ اپنے دینی ادب کو از سر نو زندہ کریں

اور حضور اکرمؐ کی حیاتِ اقدس کو انسانیت کا کامل نمونہ جان کر خود کو آپؐ کے مقررہ سانچے میں ڈھالنے کے لیے کتبِ سیرت کی طرف رجوع کریں -

پاکستان میں مسلمانوں کو ایک اور طرح کے چیلنج کا سامنا تھا - اس مملکتِ خداداد کے حصول کے وقت یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ پاکستان کی بنیاد قرآن و سنت پر ہوگی —— بلکہ تحریکِ آزادی کے دنوں میں سب سے زیادہ مقبول نعرہ ہی یہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ — لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک کی باگ ڈور، قائد اعظم کی وفات کے بعد، جس طبقے کے ہاتھ میں آئی، وہ سیکولر ذہن کا مالک ہونے کی وجہ سے نفاذِ اسلام میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا - پھر پاکستان کا مغرب زدہ بالائی طبقہ اور اشتراکی عناصر بھی اس تاک میں تھے کہ جب موقع ملے، اس ملک کو اس کی بنیاد (اسلام) سے ہٹا کر یا تو یہاں مغربی طرز کی سرمایہ دارانہ جمہوریہ قائم کریں یا اسے اشتراکی ریاست کے سانچے میں ڈھال دیں - قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ہمارا ملک اسی کش مکش سے دوچار رہا ہے - حکومتی سطح پر اسلام کا نام ہمیشہ نمائشی طور پر لیا جاتا رہا اور نفاذِ اسلام کی طرف ماضی کی کسی بھی حکومت نے مخلصانہ توجہ نہیں دی -

جن لوگوں نے تحریکِ پاکستان میں سرگرم حصہ لیا تھا، ان کی خواہش تھی کہ وہ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اس ملک کو اپنے دین و مذہب اور تہذیب و ثقافت کا ایک عملی نمونہ بنائیں تاکہ یہ ملک مسلمانوں کی اعلیٰ دینی روایات کا ایک گہوارہ ثابت ہو - یوں بھی پاکستان میں، مسلمانوں کا وطن ہونے کی وجہ سے اس امر کی بڑی گنجائش تھی کہ یہاں تمام سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی ادارے، اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالے جاتے اور اور اس طرح یہ ملک دنیا کے سامنے اسلام کے ایک مثالی نمونہ کی حیثیت سے ابھرتا، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا - نفاذِ اسلام کی کوششوں میں مسلسل حکومتی بے حسی، اغماض اور غفلت کے باوجود پاکستانی عوام نے اسلام سے اپنے والہانہ لگاؤ میں کوئی کمی نہیں ہونے دی، جس کا ایک ثبوت ۱۹۷۷ء میں چلائی جانے والی پاکستان قومی اتحاد کی ملک گیر تحریک ہے - بہرحال جو کام

حکومتی اداروں کے کرنے کا تھا، وہ نجی اشاعتی اداروں کو سرانجام دینا پڑا، جنہوں نے لوگوں کی دینی ضرورت پوری کرنے کے لیے اسلامی موضوعات پر بے شمار کتابیں شائع کیں اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اُن میں سیرتِ رسولؐ پر شائع شدہ کتابوں کی تعداد خاصی زیادہ ہے ۔

ہر عہد کی طرح اس عہد کی کتبِ سیرت بھی اپنے وقت کے اصلاحی رجحانات کی آئینہ دار ہیں ۔ اس دور میں مختلف فقہی دبستانوں اور فرقوں کے مصنفین نے بھی اپنے اپنے مسالک کی پاسداری میں کتابیں لکھیں ، جن میں اُن کے مخصوص عقائد کی جھلکیاں نظر آتی ہیں ۔ شیعہ ، سُنی ، اہلِ حدیث ، اہلِ قرآن ، دیوبندی، اور بریلوی اور احمدی حضرات نے جو کتابیں تحریر کیں ، وہ کم و بیش اُنہیں خیالات کی تکرار کرتی ہیں ، جو ان کے اکابر اپنی اپنی کتابوں میں ظاہر کر چکے ہیں ۔ البتہ اس دور میں بعض ایسے روشن خیال سیرت نگار بھی منظر عام پر آتے ہیں ، جنہوں نے آنحضرتؐ کی سیرت کو نئے علوم ، نئے حالات اور نئے مسائل کی روشنی میں دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ یہ مصنفین مغربی و مشرقی علوم سے واقف ہیں اور آنحضرتؐ کی سیرت و کردار کو شمعِ ہدایت جان کر اُس سے کسبِ نور کرتے ہیں ۔ اس دور میں ضخیم کتبِ سیرت بھی وجود میں آئیں اور مختصر بھی ، روایتی طرز کی کتابیں بھی اور افسانوی انداز کی بھی ۔ آنحضرتؐ کی سیرت کے جزوی پہلوؤں (مثلاً غزوات ، اخلاق ، معراج ، مکتوبات ، شمائل ، ہجرت وغیرہ) پر بھی الگ الگ کتابیں لکھی گئیں اور سیرتِ نبویؐ پر مضامین ، مقالات اور خطبات وغیرہ کے مجموعوں کی شکل میں بھی ۔ بعض کتابوں میں غیر مسلموں کے افکار و خیالات یا مضامین و مقالات جمع کر دیئے گئے ہیں اور بعض کتابوں میں آنحضرتؐ کی پوری حیاتِ مبارکہ قرآنِ مجید یا احادیث نبویؐ کی روشنی میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ بعض کتبِ سیرت سوالاً جواباً ہیں اور بعض میں ناول اور ڈرامے کی ٹیکنیک استعمال کی گئی ہے ۔ غرضیکہ آنحضرتؐ کی سیرت کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے دیا گیا ۔ اس دور میں عربی ، فارسی اور انگریزی زبانوں کی اعلیٰ کتبِ سیرت کے اُردو میں تراجم بھی ہوئے اور اسلامی کتبِ تاریخ کے اولین اجزا بھی سیرتِ رسولؐ کے لیے وقف کئے گئے ۔ پچھلی نصف صدی کی طرح اس دور میں بھی بچوں کے لیے کتبِ سیرت کی ریل پیل

نظر آتی ہے اور اطمینان بخش امر یہ ہے کہ اُن کی تالیف میں نامور مصنفین نے حصہ لیا ہے ۔ اس عہد میں اخبارات و رسائل کے سیرت نمبر بھی خاصی تعداد میں شائع ہوئے ، جن کے مضامین کا جائزہ لینے کے لیے الگ دفتر درکار ہے ۔ ان سینکڑوں کتابوں اور ہزاروں مقالوں کا جائزہ لینا اور اُن کی صف بندی کرنا بذاتِ خود ایک مبسوط مقالہ کا موضوع ہے ، لہٰذا اجمالی طور پر چند نمایندہ تصانیف کا سن وار ذکر کیا جاتا ہے ۔

عہد حاضر کی اردو کتب سیرت

۱۹۴۸ء میں عطا اللہ خاں عطا ٹونکی نے "سیرتِ فخرِ دو عالم ؐ" (ص ۳۵۲) اور ۱۹۴۹ء میں غلام احمد پرویز نے "معراجِ انسانیت ؐ" (ص ۴۴۶) ، عزیزالدین احمد قادری نے "آئینۂ خلقِ محمدی ؐ" (ص ۱۵۲) ، حسام الدین غوری نے "آنحضرت صلعم اور جوانی" (ص ۲۸) ، مفتی محمد شفیع نے "آداب النبی ؐ" (ص ۹۶) ، عبدالعلی خاں مرادآبادی نے "حیات النبی ؐ" (ص ۱۴۴) ، سیماب اکبر آبادی نے "سیرت النبوی ؐ" (ص ۳۶۷) ، ماہر القادری نے "دُرِ یتیم" (ص ۴۰۰) اور رئیس احمد جعفری نے "رسالت مآب ؐ" (ص ۳۲۲) وغیرہ کتابیں لکھیں ۔

عطا اللہ خاں عطا کی کتاب "سیرتِ فخرِ دو عالم ؐ" روایتی طرز کی کتاب ہے اور اس میں اردو ، انگریزی، عربی اور فارسی کی مشہور کتبِ سیرت سے اخذ واستفادہ کیا گیا ہے۔ ناشر نے کتاب کی ابتدا میں ۶۳ کتابوں کے نام گنوائے ہیں جو اس کتاب کا مآخذ ہیں[1] ۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے اور عام قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہے ۔

عزیزالدین احمد قادری کی "آئینۂ خلقِ محمدی ؐ" میں مختصراً آنحضرت کے حالاتِ زندگی قلم بند کئے گئے ہیں اور آپ ؐ کا اسوۂ حسنہ ، امتِ محمدی کے سامنے پیروی کے لئے پیش کیا گیا ہے ۔کتاب کی تالیف میں کتبِ سیرت کے علاوہ مثنوی مولانا روم، تذکرۂ اولیا اور درر نظامی (عطار)، کتاب الاسلام (مولانا سید نذیرالحق)، مصحفِ یزدم، نفحاتِ سماع اور کلامِ اقبال وغیرہ سے

۱۔ سیرت فخرِ دو عالم : م ۔ عطا اللہ خاں عطا ۔ مکتبہ جادۂ ادب ، لاہور ۔ طبع دوم ۱۹۶۴ء ۔ ص ۳ - ۴ ۔

استفادہ کیا گیا ہے ۔

مولانا مفتی محمد شفیع کی "آداب النبیؐ" میں رسول اللہؐ کے اخلاق و عادات ، آداب و شمائل اور حلیہ مبارک کا بیان ہے ۔ یہ کتابچہ امام غزالی کے ایک رسالہ "آداب النبیؐ" کا آزاد اردو ترجمہ ہے ، جو "احیا العلوم" ربع ثانی کا آخری حصہ تھا اور علیحدہ بھی شائع ہوا تھا ۔

غلام احمد پرویز (۱۹۰۳ء - ۱۹۸۵ء) کی "معراجِ انسانیتؐ" ان کے سلسلہ معارف القرآن کی چوتھی جلد ہے ، لیکن یہ اپنی جگہ سیرتِ رسول پر ایک مکمل تصنیف ہے ۔ پرویز صاحب نے آنحضرتؐ کی سیرتِ طیبہ ، قرآن کریم کی روشنی میں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے ، اس لیے ایسے واقعات جو کتبِ سیرت کا لازمی جزو ہوتے ہیں ، اس کتاب میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں ۔ کتاب کی ابتدا میں آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے دنیا کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اور مختلف ملکوں ، مذہبوں اور تہذیبوں کا جو تذکرہ کیا گیا ہے ، وہ پرویز صاحب کی علمیت اور وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہے ۔ پھر آنحضرتؐ کے بارے میں بشارات ، آپؐ کی ولادت ، منصبِ نبوت سے سرفرازی ، آویزشِ حق و باطل ، ہجرتِ نبویؐ غزوات ، فتح مکہ اور وفات وغیرہ کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد آپؐ کے سلسلہ دعوت و ارشاد ، نظامِ مملکت ، معاشی زندگی، عائلی اور معاشرتی زندگی پر روشنی ڈالی ہے ۔ نیز آپؐ نے دنیا میں جو انقلاب برپا کیا اور اس کی کامیابی پر دنیا بھر کے مفکرین نے آپؐ کو جو خراجِ تحسین ادا کیا ، اس کے چند نمونے (مستشرقین کی آراء) درج کیے گئے ہیں ۔ آخر میں آپؐ کی بشریت اور ختمِ نبوت کی بحث ہے ۔ جناب غلام احمد پرویز نے یہ کتاب اگرچہ صرف قرآن کی روشنی میں لکھنے کا دعویٰ کیا ہے ، لیکن اس کے باوجود واقعات کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے وہ دیگر ذرائع کا سہارا لینے پر مجبور ہوئے ہیں ۔ چنانچہ کتاب کے اوراق میں احادیث کے حوالے (ص : ۷۹ ، ۹۶ ، ۲۵۶) بھی ملتے ہیں اور مغربی سیرت نگاروں کے بھی (ص : ۸۳ ، ۱۶۱) ، عربی مصنفین کی کتبِ سیرت و تاریخ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے (ص : ۸۰ ، ۱۲۸ ، ۱۳۳ ، ۱۳۷ ، ۱۸۷ ، ۱۸۸)[1] ۔

۱- معراج انسانیتؐ : غلام احمد پرویز ، ادارۂ طلوع اسلام ، طبع سوم ، ۱۹۷۶ء ۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کہتے ہیں کہ ("معراجِ انسانیتؐ" میں) حضورؐ کی پیدائش (ظہور قدسی) کا تذکرہ اس آہنگ اور ادبی شان سے کیا گیا ہے کہ اس کا مقابلہ صرف "سیرت النبیؐ" سے کیا جا سکتا ہے۔ (تاہم) اس کتاب میں جو بات کھٹکتی ہے ، وہ اس کی ترتیب ہے ۔ کئی جداگانہ (اگرچہ بنیادی) مباحث پر بحثیں ، حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے درمیان آ کر تسلسل کو مجروح کرتی ہیں ۔"[1] ـــ بہرحال یہ کتاب قیامِ پاکستان کے بعد لکھی جانے والی کتبِ سیرت میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے ۔

سیماب اکبر آبادی (متوفی ۱۹۵۱ء) کی "سیرت النبویؐ" شیخ عنایت اللہ مالک تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور ، کراچی کی تحریک کا نتیجہ ہے ۔ مصنف نے سیرت کے موضوع پر مستند کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کتاب لکھی ہے اور سیدھے سادے جملوں میں سیرتِ رسولؐ کے واقعات درج کیے ہیں ۔ آپؐ کی ولادت سے وفات تک کے حالات ، آپؐ کی سیرت کی خصوصیات ، ارشاداتِ عالیہ ، ازواجِ مطہرات اور اولاد کا ذکر بھی تفصیل سے کیا گیا ہے[2] ۔ یہ کتاب بچے ، بوڑھے ، نوجوان سب یکساں دلچسپی سے پڑھ سکتے ہیں ، کیونکہ اس میں نام بنام روایات کی بجائے عہدِ نبویؐ کے واقعات کو اپنی زبان میں بیان کیا گیا ہے ۔

رئیس احمد جعفری (متوفی ۱۹۶۸ء) کی "رسالت مآبؐ" جدید تعلیم یافتہ اصحاب کی دینی ضرورت کے لیے لکھی گئی ہے ، خصوصاً ایسے حضرات کے لیے جو ذہن و دماغ پر غیر ضروری بوجھ ڈالے بغیر آنحضرتؐ کی سیرت سے واقف ہونا چاہتے ہیں ۔ یہ کتاب جدید طرزِ سوانح پر لکھی گئی ہے ۔ مصنف کی رائے میں "قدیم طرزِ سوانح نویسی یہ تھا کہ صاحبِ سیرت کے حالات و سوانح ، تاریخ و سنین کی ترتیب سے بیان کر دیئے جائیں اور جدید طرزِ سوانح نویسی یہ ہے کہ صاحبِ سیرت کے عنواناتِ حیات جداگانہ طور پر منطقی ترتیب کے ساتھ بسط و تفصیل اور

۱- نقشِ سیرت : مرتبہ نثار احمد ، ص ۷۳ ۔
۲- سیرت النبویؐ : سیماب اکبر آبادی ، تاج کمپنی لمٹیڈ ، لاہور ، کراچی

شرح و وضاحت کے ساتھ بیان کیے جائیں ۔"[1] ——— مصنف نے ثانی الذکر طرز ملحوظ رکھتے ہوئے کوشش کی ہے کہ تحقیق کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے ۔ "رسالت مآبؐ" کی تالیف میں عربی کتبِ سیر و تاریخ کے علاوہ "سیرت النبیؐ" (شبلی و سلیمان ندوی) ، "رحمتہ للعالمینؐ" (سلیمان منصور پوری) ، رحلتِ مصطفٰیؐ (مولانا عبدالرزاق) اور سیرتِ رسول اللہؐ (پروفیسر سید نواب علی) سے استفادہ بھی کیا گیا ہے اور کہیں کہیں اُن سے اختلاف بھی کیا گیا ہے ۔ سیماب اکبر آبادی اور رئیس احمد جعفری دونوں کی کتبِ سیرت کا مقصد پڑھے لکھے طبقے کو حضور اکرمؐ کی سیرت کے چیدہ چیدہ واقعات سے آگاہ کرنا ہے ۔ ان تصانیف میں کوئی غیر معمولی صنعت نہ سہی اور ان کی تالیف کے پسِ پشت کاروباری محرکات سہی ، تاہم اس قسم کی کتابیں بڑی کتابوں کے مقابلے میں عام قارئین کو زیادہ مانوس معلوم ہوتی ہیں ، اس لیے کہ وہ انہیں دلچسپ کہانیوں کی طرح پڑھ سکتے ہیں ۔

مولانا ماہر القادری (۱۹۰۷ء - ۱۹۷۸ء) کی تصنیف "درِ یتیم" ناول کے انداز میں لکھی ہوئی سیرت کی کتاب ہے ، تاہم اس میں تخیل کی لاپرواہ اڑان سے پرہیز کیا گیا ہے ۔ مولانا اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ "ناولوں اور افسانوں کی بنیاد خود تراشیدہ خاکے ہوتے ہیں ، جن میں انشا پرداز کا تخیل رنگ بھرتا ہے ۔ "درِ یتیم" بھی ناول کے انداز پر لکھی گئی ہے ، لیکن اس کا ہیرو وہ "انسانِ کامل" ہے ، جس سے بہتر انسان پر آج تک سورج طلوع نہیں ہوا ۔ یہی ذاتِ گرامی خلاصۂ کائنات ، فخرِ موجودات اور شرفِ انسانیت ہے ۔ اس لیے "درِ یتیم" میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا ، جو اس زبان حق ترجمان سے کہ و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ" کی مصداق ہوا ہے ، نہ ادا ہو اور اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہو ۔ اس ناول کے واقعات ، تاریخی اساس اور روایتی شہادتیں رکھتے ہیں ۔ درایت کو نظر انداز نہیں کیا گیا ۔ ہاں ! یہ ضرور ہے کہ بعض کیفیات اور تفصیلیں 'زبانِ حال' سے بیان ہوئی ہیں ، جن میں

۱- رسالت مآبؐ : رئیس احمد جعفری، اشاعت منزل ، لاہور، ص : د، ر

ناول نگار کا تخیل بھی شامل ہو گیا ہے[۲] ۔ اس ناول میں مصنف نے یہ طریقہ کار اختیار کیا ہے کہ متلاً روایات سے ثابت ہے کہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ جب میرے دس بیٹے ہو جائیں گے تو ایک بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا ۔ اس منت کے پورے کرنے کا جب انھوں نے ارادہ کیا تو عبداللہ کے ننھیال والوں نے مزاحمت کی ۔ ماہر القادری نے اس سلسلے میں جو مکالمہ ناول میں درج کیا ہے اور واقعہ کی جو تفصیل پیش کی ہے ، وہ تمام تر تخیلی ہے ۔ یعنی انھوں نے اس تاریخی شہادت کو افسانوی انداز میں پھیلا دیا ہے اور جو واقعات نفسیاتی طور پر پیش آنے چاہئیں یا پیش آئے ہوں گے ، ان کو تخیل کی مدد سے زندہ کر دیا ہے ۔ اسی طرح دودھ پلانے والیوں کا مکالمہ ، حلیمہ سعدیہ کی گفتگو اور ان کے سفر کے واقعات بھی زبان حال سے ادا ہوئے ہیں ۔ اگرچہ ان کی بنیاد تاریخی روایات پر ہے ۔ "در یتیم" میں بعثت نبوی ؐ کے بعد کے واقعات ، تخیلی کم اور واقعاتی زیادہ ہیں ، اس لیے یہ حصہ ناول سے زیادہ سوانح معلوم ہوتا ہے ۔ یہاں مصنف نے اخبار و سیر کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا ہے ، اسی لیے یہ جزو زیادہ مستند اور معتبر ہے ۔ مصنف کو اپنے اس کارنامے پر خود بھی بہت ناز ہے ، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ ناول "(در یتیم ؐ)" میرے لیے ذخیرۂ عقبیٰ اور توشۂ آخرت ہے ۔ نہ جانے کتنی بار خود ہی لکھتے لکھتے بے اختیار رویا ہوں ۔ یہی آنسو میری زندگی کا سرمایہ اور میری خوشیوں کی گراں قدر متاع ہیں ۔ "در یتیم" کی غایت نگارش ، تفریح طبع نہیں ، توفیق عمل ہے"[۲] ۔ ــــ ۔ طالب ہاشمی نے اپنے مضمون "ماہر القادری کا عشق رسول ؐ" میں "در یتیم ؐ" کو پاکیزگیٔ فکر اور وضع احتیاط کی وجہ سے سدا بہار پھولوں کا ایک گلدستہ قرار دیا ہے[۳] ۔ اور ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی رائے میں ، "ماہر القادری کی کتاب "در یتیم" میں تاریخ کے اہم ترین دور کی ایسی تصویر نظر آتی ہے ، جس کے کردار ہم سے بہت دور ہوتے ہوئے بھی ہماری شہ رگ کے آس پاس

۱۔ "در یتیم ؐ : ماہرالقادری ۔ گوشۂ ادب ۔ لاہور۔ طبع سوم ۱۹۸۰ء ص ۳ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۴ ۔

۳۔ فاران ، کراچی، ماہر القادری نمبر ، شمارہ دسمبر ۱۹۷۸ء ص : ۲۳۵

ہی موجود ہیں"[1] -

۱۹۵۰ء میں امام الدین الہی اکبرآبادی کی "سراج منیر" (ص : ۳٦) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" (ص : ۳۲۴) نیا ایڈیشن ص ۳٦۸) ، فروغ علوی کاکوروی کی "قرآن کی روشنی میں رسول اللہ صلعم کا مرتبہ اور منصب" (ص : ۳۲) ، ۱۹۵۱ء میں ابوالقاسم رفیق دلاوری کی سیرتِ کبریٰ (دو جلدیں) ، جلال الدین احمد جعفری کی "سیرتِ خاتم النبینؐ" (ص : ۵۸۸) برکت اللہ پادری کی کتابیں "تورات موسوی اور محمد عربی" (ص ۱۷٦) اور "محمد عربی" (ص ۲٦۴) اور ۱۹۵۲ء میں محمد اجمل خان ایم - اے کی "سیرتِ قرآنیہ (سیدنا محمد صلعم) محمد عنایت اللہ وارثی کی "غزوات مقدس" اور خلیفہ محمد سعید کی "سیرتِ نبویؐ پر ایک محققانہ نظر" (جلد اول ص ۱۹۲ ، جلد دوم ص ۴۴۸) شائع ہوئیں - ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ولادت ۱۹۰۸ء) کی کتاب "رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی" اُن کے (پہلے اٹھارہ اور اب اُنیس)[2] متفرق مضامین پر مشتمل ہے ، تاہم اُن سب میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ یہ کہ اُن کا مرکز و محور آنحضرتؐ کے سیاسی کارنامے ہیں - اس کتاب کے یوں تو سبھی مضامین مصنف کی تحقیق و تدقیق کا حاصل ہیں ، لیکن مکتوباتِ نبویؐ والے مضامین پر خاص طور پر محنت کی گئی ہے ، کیونکہ اُن کے ذریعے آنحضرتؐ کے شاہانِ عالم کے نام خطوط کا اصل متن ، پہلی بار سامنے آیا ہے - کتاب کے متفرق مضامین میں ربط و تعلق پیدا کرنے کے لیے زمانی ترتیب کی بجائے موضوعاتی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے - چنانچہ بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت سے شروع کرکے آپؐ کی ولادت ، نوجوانی ، شادی ، مکی زندگی ، رسالت ، فتحِ مکہ وغیرہ کے واقعات ایک مضمون میں سمیٹ لیے گئے ہیں اور پھر آنحضرتؐ کے اصل مکتوب بنام نجاشی کی دستیابی کا اگلے مضمون میں مژدہ سنایا گیا ہے - پھر ایک مضمون

۱- نقوشِ سیرت ، مرتبہ نثار احمد ، ص : ۷۷ -

۲- رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی : ڈاکٹر محمد حمید اللہ - دارالاشاعت کراچی ، طبع اول ۱۹۵۰ء اور طبع نو جنوری ۱۹۸۰ء -

میں منذر اور قیصر روم کے نام آنحضرتؐ کے خطوط کی بحث کی ہے اور ایک اور مضمون میں عہدِ نبویؐ کی سیاسی دستاویزات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''امہات المؤمنین'' اور ''خطبۂ حجۃ الوداع'' پر مضامین بھی انتہائی قابلِ قدر اور معلوماتی ہیں۔ کتاب کے نئے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۸۰ء) میں مصنف نے ایک نئے مضمون کا اضافہ کیا ہے جس میں ایک اور اصل مکتوبِ نبویؐ بنام کسریٰ کی دریافت کی اطلاع دی گئی ہے۔ یہ ۱۹ مضامین ۱۹۳۵ء/۱۳۵۴ھ سے ۱۹٦۸ء/۱۳۸۷ء کی درمیانی مدت میں لکھے گئے[1]۔

مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری کی ''سیرتِ کبریٰ'' کی جلد اول (ص ۵۱۲) میں آنحضرتؐ کے نسب سے لے کر جناب ابو طالب کے (تمام قبائلِ عرب کے چڑھ آنے کے) خدشات تک واقعات درج ہیں اور جلد دوم (ص ۵۱۲) میں بنو ہاشم کے مقاطع سے لے کر غزوۂ بدر کے نتائج تک کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ پادری برکت اللہ کی کتابیں ''تورات موسوی اور محمد عربی'' اور ''محمد عربی'' عیسائی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ اول الذکر کا جواب بشیر احمد جالندھری نے ''آخری نبی اور توراتِ موسوی'' (ص ۲۲٦) میں دیا جو ۱۹۷٦ء میں شائع ہوئی۔

محمد اجمل خاں کی ''سیرتِ قرآنیہ (سیدنا محمد صلعم)'' ایک مخصوص زاویۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ یعنی اس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی سیرتِ مبارکہ کو قرآنِ مجید کے آئینہ میں دکھایا جائے اس کتاب میں آنحضرتؐ کے ہر قول یا فعل کو کلام الٰہی کی روشنی میں دیکھا گیا ہے۔ یہ کتاب مصنف کی ۳۰ سالہ محنت اور مطالعہ کا نچوڑ ہے[2] ٹیکنیک کے اعتبار سے یہ کتاب غلام احمد پرویز کی ''معراجِ انسانیت''

۱- رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دارالاشاعت کراچی، طبع اول ۱۹۵۰ء اور طبعِ نو جنوری ۱۹۸۰ء۔

۲- مولانا عبدالماجد دریا بادی کو یہ کتاب پسند نہیں آئی چنانچہ لکھتے ہیں۔ ''یہ ایک بہت ہی تنگ و محدود بلکہ غلط نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور آیاتِ قرآنی کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اس سے ہر صاحبِ ایمان اور ہر طالب علم کا ذوق اباء کرتا ہے''۔ (سیرۃ نبوی قرآنی۔ مکہ بکس لاہور۔ ص ۲۱۵)۔

سے ملتی جلتی ہے ، تاہم زاویۂ نظر میں اختلاف ہے -

ملا واحدی (۱۸۸۸ء-۱۹۷۶ء)[1] کی کتاب "حیات ِ سرور ِ کائنات"[2] کا حصہ اول (ص : ۴۳۰) ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا جب کہ اس کا دوسرا حصہ (ص : ۳۵۰) چار سال بعد (۱۹۵۷ء میں چھپا - ۱۹۵۴ء میں میجر جنرل محمد اکبر خان کی "حدیث ِ دفاع" (ص : ۳۳۶) - عبدالسلام قدوائی کی "داعیٔ امن" (ص : ۱۳۸) ، بتی حسین خیال کی "سرور ِ کائنات ؐ" اور مولانا الٰہی بخش کی "معراج النبی ؐ شائع ہوئیں -

ملا واحدی کی کتاب ''حیات ِ سرور ِ کائنات" کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر واقعہ کو ایک مستقل مضمون بنا دیا گیا ہے ، تاکہ مضمون پڑھ لینے سے وہ واقعہ پوری طرح ذہن نشین ہو جائے - دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کتاب میں سب واقعات ترتیب وار بیان کیے گئے ہیں - تیسری خصوصیت یہ ہے کہ طول ِ بیان سے پرہیز کیا گیا ہے - لب و لہجہ ایسا شائستہ اور متین ہے کہ مسلمان تو مسلمان اگر غیر مسلم بھی اسے پڑھیں گے تو متاثر ہوں گے - ملا واحدی نے اس کتاب کی تالیف میں "رحمتہ للعالمین ؐ'' (قاضی سلیمان منصور پوری) ، "سیرت النبی ؐ" (شبلی و سلیمان ندوی) اور "معراج ِ انسانیت" (غلام احمد پرویز) جیسی کتب ِ سیرت کو اپنے پیش ِ نظر رکھا ہے اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مرلانا سعید احمد اکبر آبادی کی بعض تصانیف سے استفادہ کیا ہے[2] - مصنف نے سابقہ ایڈیشن میں ۴۸ صفحات کا اضافہ کرکے اس کا نیا ایڈیشن ۱۹۵۴ء میں شائع کیا - جلد اول میں آنحضرت ؐ کی ولادت سے وفات تک کے نمایاں واقعات شامل ہیں - (بلکہ ولادت کے وقت اور بعثت سے قبل دنیا ، بالخصوص عرب کا جو حال تھا ، وہ بھی مختصراً لکھا گیا ہے) اور جلد دوم میں آپ ؐ کی معاشرت ، گھریلو زندگی ، غزوات و سرایا اور معجزات وغیرہ کو موضوع بنایا گیا ہے - جلد دوم میں ہی نبی ؐ اور نبی ؐ کے قول و عمل کا مقام ، رسول ؐ اور

۱- معاصرین : مولانا عبدالماجد دریا بادی - مرتبہ حکیم عبدالقوی دریا بادی - مجلس نشریات اسلام کراچی - ص ۱۸۰ -

۲- حیات ِ سرور ِ کائنات ؐ : جلد اول ، ملا واحدی ، دفتر رسالہ نظام المشائخ کراچی ، طبع دوم ۱۹۵۴ء (ص : ۹ ، ۱۰) -

اولی الامر ، غلامی کا انسداد ، اسلامی نظامِ معیشت ، اسلام اور عورت ، اسلام اور فرقہ بندی ، اسلامی اصولِ تبلیغ ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ، ختمِ نبوت اور آپ ؐ کے رحمتہ للعالمین ؐ ہونے پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے[1] ۔

مصنف کا ارادہ تھا کہ "حیاتِ سرورِ کائنات ؐ" کی جلد سوم اور چہارم بھی لکھی جائے لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا ۔ "حیاتِ سرورِ کائنات ؐ" کی جلد دوم کی تالیف میں بھی وہی کتابیں پیشِ نظر رکھی گئی ہیں ، جو جلد اول کے وقت تھیں ، البتہ "ترجمان السنتہ" (مولانا بدر عالم) اور "کیمیائے سعادت" (امام غزالی) سے اس جلد میں مزید استفادہ کیا گیا ہے ۔ "امرِ بالمعروف و نہی عن المنکر" والا حصہ خصوصاً امام غزالی کی کتاب سے ماخوذ ہے ۔

ملا واحدی صاحبِ اسلوب بزرگ ہیں ۔ ان کی زبان بڑی سادہ ، با محاورہ ، سلیس اور مہذب ہے ۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقرے لکھتے ہیں ، جن میں ان کا خلوص بجلیاں بھر دیتا ہے ۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کہتے ہیں کہ "ملا واحدی کے اسلوبِ تحریر میں جمالِ ہم نشیں کا عکس بھی نمایاں ہے ۔ اس سے میری مراد سیرتِ رسول ؐ پر خواجہ حسن نظامی کی کتابیں ہیں ۔ خواجہ حسن نظامی اردو کے البیلے انشا پرداز بھی تھے اور عاشقِ رسول ؐ بھی ۔ ان دونوں عناصر کی آمیزش سے ان کے قلم نے جادو جگایا ہے ۔ ملا واحدی صاحب نے خواجہ صاحب کی نسبت زیادہ وسعت کے ساتھ اپنی کتاب لکھی ہے ۔ ہمارے خیال میں یہ کتاب آج کے پڑھنے والوں کے ذوقِ دین اور ذوقِ ادب دونوں کو سیراب کرتی ہے"[2] ۔

مولانا محمد عنایت اللہ وارثی کی "غزواتِ مقدس" (ص ۲۷۲) کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے ۔ مصنف نے تفصیلاً اسلام کے نظریۂ جہاد ، مقصدِ جہاد اور ضرورتِ جہاد کا جائزہ لیا ہے اور پھر آنحضرت ؐ کے غزوات کا پس منظر دریافت کیا ہے ۔ بعد ازاں غزوۂ بدر سے لے کر

۱۔ حیاتِ سرورِ کائنات : ملا واحدی : جلد دوم ، ۱۹۵۷ء ، ص : ۵ تا ۳۵۰ ۔

۲۔ نقشِ سیرت : مرتبہ نثار احمد ، ص : ۲۱ ، ۲۲ ۔

غزوہ تبوک تک ہر جنگ کے اسباب ، معرکہ آرائی اور نتائج پر بحث کی ہے۔

میجر جنرل محمد اکبر خاں کی کتاب "حدیثِ دفاع" کا موضوع بھی غزواتِ نبویؐ ہیں ۔ یوں تو آنحضرتؐ کی سیرتِ پاک کے متعلق بے شمار کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں ، جن میں آپؐ کی زندگی کے معمولی سے معمولی واقعہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ، لیکن بقول مصنف "آنحضرت نے جنگ اور دفاع کے متعلق جو قابلِ تقلید اور یادگار نقوش چھوڑے ہیں اُن کے اجاگر اور نمایاں کرنے کی طرف آج تک توجہ نہیں دی گئی ۔ یہ درست ہے کہ کتبِ تاریخ و سیر میں غزوات کے حالات کافی شرح و بسط سے موجود ہیں ، مگر جس مہارتِ فنِ حرب اور تدبر و دانش سے آپؐ ہر غزوہ میں کامیاب و کامگار رہے ۔ اس پر اب تک کوئی توجہ نہیں دی گئی"[۱] ۔

مصنف چونکہ دورِ جدید کی حربی ایجادات اور ملٹری سائنس کی جزئیات سے واقف ہے اور اسلام اور آنحضرتؐ کی زندگی کے واقعات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے ، اس لیے وہ موضوع سے انصاف کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوا ہے ۔ مصنف نے غزواتِ نبویؐ کو موضوع بنانے سے پہلے جنگ کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے ۔ پھر وہ ملک عرب کی جغرافیائی حیثیت ، اہلِ حجاز کے تمدن اور نسلی حالات ، مشہور قبائل اور معاش و معاشرت کا تذکرہ کرتا ہے اور اسلام کے بدوؤں پر اثرات کی نشان دہی کرتا ہے ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کی زندگی کے مختصر حالات ہیں ۔ نیز ہجرت کو دفاعی نقطۂ نظر سے جانچا گیا ہے اور یثرب کی دفاعی پوزیشن واضح کی گئی ہے ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کی جنگی حکمتِ عملی ، اصولِ جنگ ، لشکرِ اسلام کی فوجی تربیت اور دفاعی تیاری اور مشہور غزوات (بدر ، بنی قینقاع ، احد ، سویق ، خندق ، صلحِ حدیبیہ اور فتحِ مکہ) کے حالات شرح و بسط سے بیان کیے گئے ہیں ۔ ہر غزوہ پر اظہارِ خیال کرنے سے پہلے مصنف نے مقامِ جنگ کے محلِ وقوع ،

۱۔ حدیثِ دفاع : میجر جنرل اکبر خاں ، فیروز سنز ، لاہور ، ۱۹۵۲ء ، ص : ۷ ، ۸ ۔

گردو نواح ، جنگ کے اسباب ، فریقین کی مورچہ آرائی اور صف بندی ، لڑائی اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج سے بحث کی ہے ۔ یوں "حدیث دفاع" کی صورت میں آنحضرت کا ایک ایسا جنگی ہدایت نامہ سامنے آتا ہے ، جو دنیا بھر کے جرنیلوں اور سپہ سالاروں کے لیے کار آمد ہے ۔

۱۹۵۵ء میں قاضی محمد نذیر کی "شان خاتم النبیین" اور ۱۹۵۶ء میں سید آل مزمل پیر زادہ کی "شاہکار نبوت" (ص : ۱۶۰) ، شبیر بیگ بریلوی کی "سید المرسلین" (ص : ۴۸) ، ظل عباس عباسی کی "پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں" (ص : ۱۰۳) اور عبدالغفار خان کی "انوار رسول" (ص : ۴۰۰) شائع ہوئیں ۔ سید آل مزمل پیرزادہ کی "شاہکار نبوت" ، سیرت کی کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے ، یعنی اس میں آنحضرت کی ولادت سے وفات تک کے حالات نہیں بیان کیے گئے بلکہ یہ آنحضرت کے بارے میں دس مضامین پر مشتمل ہے ۔ سید الانبیاء نے اس کائنات کو کس حال میں پایا ، سید الانبیاء کی آمد آمد کا اہتمام ، کائنات میں انقلاب رحمت ، سید الانبیاء کے فیض تلقین سے قوم عرب کی قلب ماہیت ، قوم عرب کی علمی اور روحانی زندگی ، سید الانبیاء ، اہل بیت اور صحابہ کرام ، سید الانبیاء اور آپ کا فقید المثال طرز تعلیم ، سید الانبیاء اور سلامتی دارین وغیرہ ، ان مضامین کے عنوانات ہیں ، جن سے ان کے مندرجات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ یہ کتاب سیرت طیبہ پر مفید تبصرہ بھی ہے ، اسلام اور ارکان دین کا تعارف و تجزیہ بھی اور مسلمانوں کے لیے راہ ہدایت بھی ۔ سلیس زبان ، منطقی انداز استدلال ، عمدہ ترتیب مضامین ، جامعیت اور اختصار اس کی خصوصیات ہیں[1] ۔

۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر محمد آصف قدوائی کی "پیغمبر اسلام" (ص : ۳۴)، خان بہادر مسعود الزمان کی "سیرت جاودانی" (ص ۲۲۴) ، ابو یحییٰ امام خان نوشہروی کی "مکالمات نبوی" (ص : ۲۶۲) اور سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کی "خطیب قرآن ، نبی آخر الزمان" (ص : ۴۸۰) شائع ہوئیں ۔ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی (متوفی ۱۹۶۶ء)

۱۔ شاہکار نبوت : سید آل مزمل پیرزاد ، الفائن بک سنٹر ، لاہور ، ۱۹۵۶ء ، ص : ۵ ۔

"مکالمات نبوی ؐ" اپنے موضوع پر ایک دلچسپ کتاب ہے۔ اس میں آنحضرت ؐ کی جبرئیل ؑ ، ضمام بن ثعلبہ ، اکابر قریش ، سرداران طائف ، نینوا کے نصرانی غلام عداس ، سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی اور بعض دیگر صحابہ سے مختلف مواقع پر ہونے والی گفتگو ریکارڈ کی گئی ہے۔ بعض جگہوں پر گفتگو کا رنگ ڈرامائی نوعیت کا ہے۔ مثلاً حضرت جبرئیل ؑ اور ضمام بن ثعلبہ کی آنحضرت ؐ سے دینی امور پر بات چیت بڑی دلچسپ اور معلومات افزا ہے[1] اور اس میں مکالمات کے دوران انجام کو چھپانے کی ڈرامائی ٹکنیک برتی گئی ہے۔

سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کی کتاب "خطیبِ قرآن ، نبی ؐ آخر الزمان ؐ" شیعہ مسلک کی ترجمان ہے۔ ڈاکٹر حاجی نور حسین صابر کی "سوانح عمری حضرت رسولِ مقبول ؐ" کے بعد یہ دوسری کتاب ہے ، جسے شیعہ فرقے کے علاوہ دوسرے افراد بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی وہ تمام عقاید موجود ہیں ، جو سنی اور شیعہ فرقوں میں اختلافات کا باعث رہے ہیں۔ تاہم اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی روشنی میں آنحضرت ؐ کی سیرت کے خدوخال واضح کیے گئے ہیں[2]۔ کتاب میں جابجا علامہ شبیر احمد عثمانی اور حافظ فرمان علی کی تفاسیر کے حواشی اور نوٹس وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔ اس کتاب میں بھی آنحضرت ؐ کی ولادت سے وفات تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور شیعہ مسلک کی تائید میں یا دوسرے متنازعہ فیہ مباحث میں اہلِ حدیث اور اہلِ سنت علمائے سیرت کے تائیدی بیانات نقل کیے گئے ہیں۔ (مثلاً ص : ۴۸ ، ۷۶ ، ۷۷ وغیرہ)۔

۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر عبدالعلیم کی کتاب "محمد رسول اللہ" اور ۱۹۵۹ء میں امداد صابری کی "رسولِ خدا کا دشمنوں سے سلوک" (ص : ۱۲۸) ،

۱۔ مکالمات نبوی ؐ : ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ، مرکزی جمعیتہ اہلِ حدیث ، لاہور - ۱۹۵۷ء ، ص ۳۱ تا ۵۱ ، طبعِ نو ، مکتبہ نذیریہ - لاہور ۱۹۷۸ء -

۲۔ خطیبِ قرآن ؐ ، نبی ؐ آخر الزمان : سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی غلام علی اینڈ سنز لاہور ، ص : ۷ -

مولانا محمد ظفیر الدین کی "اسوۂ حسنہ" (مصائبِ سرورِ کونین ؐ) جلد اول (ص : ۱۹۱) ، پیرزادہ شمس الدین کی "رسولِ کریم ؐ فی قرآنِ عظیم" (ص : ۱۷۹) اور فضل احمد کی "انوار الہدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ ؐ" جلد اول (ص : ۲۹۵) شائع ہوئیں ۔

امداد صابری کی "رسولِ خدا کا دشمنوں سے سلوک" میں آنحضرت ؐ کے رحم و کرم اور عفو و درگزر کو موضوع بنا کر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام ایک پُر امن مذہب ہے اور وہ انسانیت کو ذلیل و خوار ہوتے نہیں دیکھ سکتا[1] ۔ آنحضرت ؐ کی سیرت میں حسنِ اخلاق کی ایسی اعلیٰ صفت موجود تھی کہ انھوں نے دشمنوں سے بھی کبھی انتقام لینے کا خیال نہیں کیا ۔ امداد صابری نے اس کتاب کی تالیف میں مشہور کتبِ تفاسیر ، کتبِ سیرت اور کتبِ تاریخ سے مدد لی ہے اور جن عربی اور اردو ، دونوں زبانوں کی تصانیف شامل ہیں ۔

مولانا محمد ظفیر الدین نے "اسوۂ حسنہ" (مصائبِ سرورِ کونین ؐ) میں ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ؐ خود بھی مصائب و آلام سے کبھی محفوظ نہیں رہے ، لیکن اس کے باوجود آپ ؐ نے کبھی صبرو استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا[2] ۔ یوں آنحضرت ؐ کی ذات میں اُمت کے لیے اسوۂ حسنہ موجود ہے ۔ کتاب میں آنحضرت ؐ پر نبوت ؐ سے پہلے کے آلام و مصائب (داغِ یتیمی ، معاشی پریشانیاں) اور نبوت کے بعد کی مصیبتیں (اہل مکہ کی عداوت اور ایذا دہی ، طعن و تشنیع ، مضحکہ خیز سوالات ، بیہودہ بکواس ، گالیاں ، ہجویات ، تمسخر) ، منافقین کی شرارتیں اور اپنے جاں نثاروں تک کی طرف سے تکلیف دہ واقعات (قرض کے سلسلے میں ایک بدو کی گستاخی ، چند صحابہ کا اعلان کے باوجود جہاد میں شریک نہ ہونا) اور ازواج و اولاد کی وفات کی فطری اذیتیں قلم بند کی گئی ہیں ۔

۱۔ رسولِ خدا کا دشمنوں سے سلوک : امداد صابری ، سنگِ میل پبلیکیشنز ، لاہور ، ص : ۳ ، ۴ ۔

۲۔ اسوۂ حسنہ (مصائبِ سرورِ کونین ؐ) ، حصہ اول : مولانا محمد ظفیر الدین ۔ ندوۃ المصنفین ۔ دہلی ، ۱۹۵۹ء ، ص : ۱۳ ۔

پیر زادہ شمس الدین کی "رسولِ کریمؐ فی قرآنِ عظیم" میں وہ تمام آیاتِ قرآنی جمع کر دی گئی ہیں ، جن میں جنابِ رسالتمآبؐ کا تذکرہ کسی نہ کسی شکل میں کیا گیا ہے ۔ آنحضرتؐ کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف فرقے مختلف عقاید رکھتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ وہؐ اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ، وہ حاضر و ناظر ہیں ، وہ عالم الغیب تھے ، وہ خدائی صفات کے مظہر تھے ؛ وہ خدا کے اوتار تھے ، کیونکہ احد خود میم کے پردے میں دنیا میں آیا —— وغیرہ ، اس لیے مصنف نے مناسب سمجھا کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے ، جس میں اللہ تعالیٰ کے آنحضرتؐ کے بارے میں تمام ارشادات یکجا کیے جائیں تاکہ مسلمان اُن سے اپنے گمراہ عقاید کا موازنہ کرکے انھیں درست کر سکیں[1] ۔ مصنف نے قرآنی آیات کے علاوہ جا بجا بائیبل کے اقتباسات درج کرکے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی گمراہی کا شکار ہیں اور قرآن نے صاف صاف لفظوں میں آنحضرتؐ کے مقام کا تعین کیا ہے ۔ پیر زادہ شمس الدین عقیدۃً قادیانی ہیں اور حضرت مسیحؑ کے مقام و مرتبہ کی بحثوں میں ، بین السطور ، اُن کے مخصوص احمدی عقاید اپنی جھلکیاں دکھاتے ہیں ۔

فضل احمد کی "انوار الہدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰؐ" (جلد اول) بریلوی مکتبِ فکر کی ترجمان ہے اور اس میں وہ تمام مباحث موجود ہیں ، جن کی وجہ سے بریلوی علماء اور دوسرے فرقوں کے علماء کے درمیان قلمی معرکے برپا ہوتے رہے ہیں[2] ۔ "انوار الہدیٰ" کی اس جلد میں آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر بیعتِ رضوان اور قریشِ مکہ سے معاہدہ تک کے حالات سلسلہ وار درج ہیں اور آخر میں آنحضرتؐ کے بادشاہوں کے نام خطوط درج کیے گئے ہیں ۔

۱۹۶۰ء میں ابو سلیم محمد عبدالحئی کی "داعیؐ اسلام کی حیاتِ

۱- رسولِ کریمؐ فی قرآنِ عظیم : پیر زادہ شمس الدین ، شمس منزل ، مصری شاہ لاہور ، ۱۹۵۹ء ص : ۲ تا ۶ ۔

۲- انوار الہدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ : (جلد اول) ، فضل احمد ، پنجاب بک ڈپو ، لاہور ، ص : ۹۷ ۔

طیبہ" (ص: ۲۰۷) شیخ محمد سعید کی "پیغمبر اعظمؐ" (ص۔ ۱۸۸) ایم اسلم کی "صبحِ احد" (ص ۳۲۳) صوفی القادری مبارک علی رحم آبادی کی "رہبرِ کائنات" (ص ۔ ۳۲)، علامہ سید احمد سعید کاظمی کی "معراج النبیؐ" (ص ۱۰۸) اور نعیم صدیقی کی "محسنِ انسانیتؐ" (ص ۔ ۸۴۰) شائع ہوئیں ۔ ایم اسلم کی "صبحِ احد" ناول کے رنگ میں پیش کی ہوئی سیرتِ نبوی ہے جب کہ ابو سلیم محمد عبدالحیؒ کی "حیاتِ طیبہ" میں نہایت آسان زبان اور مؤثر انداز میں آنحضرتؐ کی پاک زندگی کے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن سے تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ حضرات یکساں طور پر مستفید ہو سکتے ہیں ۔ یہ کتاب خالصۃً تحریکی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ایک داعیٔ اعظمؐ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے اور کس طرح وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے ۔ مصنف نے یہ کتاب ڈسڑکٹ جیل ، رائے بریلی ، میں اگست ۱۹۵۴ء اور اگست ۱۹۵۵ء کی درمیانی مدت میں لکھی اور کتاب لکھنے کے لیے اُن کے پاس "سیرت النبیؐ" (شبلی) ، تفہیم القرآن (مولانا سید ابوالاعلی مودودی) اور چند چھوٹی چھوٹی کتابوں کے سوا اور کوئی سرمایہ نہ تھا ۔ بہرحال مصنف نے انہیں کی مدد سے یہ کتاب مکمل کر لی[1] ـــــ آسان اردو میں یہ سیرتِ پاک ایک نئے انداز کی تالیف ہے اور اس تحریکی ذہن کی ترجمان ہے جو جماعتِ اسلامی (پاکستان اور ہند) نے پیدا کیا ہے ۔ مولانا عبدالحیؒ جماعت اسلامی ہند کے رکن ہیں اور اس کتاب میں انھوں نے آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے وہی اصطلاحیں استعمال کی ہیں جو جماعت سے وابستہ اہلِ قلم کا خاصہ ہیں ۔ چند ابواب کے عنوانات ملاحظہ ہوں : 'تحریکِ اسلامی اور اس سے پہلے ، دعوتِ اسلامی ایک نئے دور میں اور تحریکِ اسلامی کی مدافعت' وغیرہ ۔ اندرونی صفحات میں بھی تحریکِ اسلامی کی اہمیت ، تحریکِ اسلامی کا امتیاز ، تحریکِ اسلامی کا داعی ، تحریکِ اسلامی کے لیے عرب کی خصوصیات ، جیسے عنوانات عام ملتے ہیں ۔ "حیاتِ طیبہ" میں دعوتِ دین کے ایک داعی کا سا جوش و خروش اور سشمری جذبہ پایا جاتا ہے ،

۱۔ حیاتِ طیبہ : محمد عبدالحی ۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور ، گیارہواں ایڈیشن ۱۹۸۰ء ، ص : ۵ ۔

لیکن یہ جوش و جذبہ، "النبی الخاتم ؐ" اور محبوبِ خدا ؐ" میں پائے جانے والے جوش و جذبہ سے مختلف ہے ۔ "حیاتِ طیبہ" میں سادہ حقیقت پسندی پائی جاتی ہے جو لفاظی کے خلاف اور جماعتی مزاج کے عین مطابق ہے ۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کہتے ہیں کہ "حیاتِ طیبہ ہمارے دور کی مصروف زندگی میں گھرے ہوئے انسانوں کے لیے ایک اچھا تحفہ ہے ، جو اس مختصر سی کتاب میں سیرتِ طیبہ کا اجمالی مطالعہ کر سکتے ہیں ۔ پھر ایسا مطالعہ جس میں تحریک اور داعی دونوں کے نقوشِ جمیل واضح اور نمایاں ہیں[۱]" ---

علامہ احمد سعید کاظمی کی "معراج النبی ؐ" میں اسرا اور معراج کے لطائف و معارف پر بحث کی گئی ہے اور ان تمام شکوک و اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے ، جو معراج کے جسمانی ہونے کے بارے میں کیے جاتے ہیں[۲] یہ کتاب آنحضرت ؐ کی حیاتِ مبارکہ کے ایک محیر العقول واقعہ کے بارے میں دلائل پر مبنی ہے ۔ مبارک علی رحیم آبادی کی کتاب "رہبرِ کائنات ؐ" روایتی قسم کی کتاب ہے ، گو کہیں کہیں ژند و اوستا اور بائیبل کے حوالے دے کر اسے جدید بنانے کی کوشش کی گئی ہے[۳] ۔

مولانا نعیم صدیقی کی "محسنِ انسانیت ؐ" مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "سیرتِ سرورِ عالم ؐ" کو چھوڑ کر جماعت اسلامی کے مصنفین کی کتبِ سیرت میں سب سے اہم کتاب ہے ۔ یہ تصنیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوعِ انسان کے ایک ایسے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے ، جس نے دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کیا ۔ نعیم صدیقی نے "محسنِ انسانیت ؐ" کی ابتدا میں لکھا ہے کہ "اسلام کا تحریکی شعور برابر اس ضرورت کو محسوس کرا رہا تھا کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان --- محمد صلی اللہ علیہ وسلم --- کی زندگی کا مطالعہ

۱- نقوشِ سیرت : مرتبہ نثار احمد ، ص : ۷۷ ۔
۲- معراج النبی ؐ : علامہ احمد سعید کاظمی ، مدینہ پبلشنگ کمپنی ، کراچی ۔
۳- رہبرِ کائنات ؐ : مبارک علی رحیم آبادی ۔ مکتبہ قادریہ ، لائل پور ، ص : ۱۰ تا ۱۲ ۔

لئے انداز سے کیا جائے ۔ ایک ایسا انداز جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آج کے انسان کے درمیان حائل ہونے والے مختلف پردوں کو اٹھا دے ۔ وہ مقدس زندگی مجرد ایک فرد کی سوانح نہیں ہے بلکہ وہ عظیم ترین تہذیبی تحریک کی آئینہ دار ہے ۔ اسی کے واسطے سے ہم قرآن کا ترجمہ عمل کی زبان میں پڑھ سکتے ہیں اور اسی کی روشنی میں ہم اجتماعی انقلاب کی کٹھن راہوں کو طے کر سکتے ہیں ، جن پر سے ہو کر انسانیت اسلامی نظام کی جنت تک پہنچ سکتی ہے "۔ نعیم صدیقی کی اس کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف آنحضرت ؐ کی متحرک شخصیت کے دلآویز نقوش پردۂ ذہن پر ابھرتے ہیں ، بلکہ اپنے پُر زور اسلوب بیان کی وجہ سے یہ قاری کو اپنی رو میں بہا کر لے جاتی ہے ۔ "محسن انسانیت ؐ" پڑھتے وقت حالات و واقعات اس تیز روی سے سامنے آتے ہیں کہ گردش خون رگوں میں تیز ہو جاتی ہے اور انسان خود کو رزم گاہ حق و باطل کا ایک جانباز سپاہی تصور کرنے لگتا ہے ۔ جب وہ کتاب کا مطالعہ ختم کر کے اٹھتا ہے تو اپنا دامن دل ایمان کے موتیوں سے بھرا ہوا پاتا ہے ۔

"محسن انسانیت ؐ" ایک ضخیم کتاب ہے اور ہر عظیم کتاب کی طرح اس میں وسعت ، بلندی اور گہرائی ہے ۔ مصنف نے اپنی تصویر کے لیے ایک وسیع کینوس کا انتخاب کیا ہے ۔ کتاب ، مقدمہ (پیغام ، نصب العین اور تاریخی مقام) ، تعارف (شخصیت ، ایک نظر میں) ، مد و جزر (محسن انسانیت ؐ ۔ مکی دور) ، تاریخ موڑ مڑتی ہے ، (محسن انسانیت ؐ ۔ مدنی دور) ، تلواروں کی چھاؤں میں (غزوات) اور ـــ اور آجالا پھیلتا ہی گیا ، (فتوحات) کے ابواب میں منقسم ہے ۔ ان عنوانات سے ہی مصنف کے تحریکی مزاج کا اندازہ ہو جاتا ہے ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے لفظوں میں "نعیم صاحب نے ایک طویل مدت اور محنت شاقہ برداشت کر کے سیرت کے چشمۂ صافی سے خلق خدا کو سیراب کرنے کی کوشش کی ہے"[۲] ۔ نعیم صدیقی جماعت اسلامی پاکستان کے سر کردہ رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں اور

۱۔ محسن انسانیت ؐ : نعیم صدیقی ، مکتبہ رحمانیہ ، سرگودھا ، ۱۹۶۰ء (حصہ اول) ، جلد دوم ، (چند الفاظ از مؤلف) ۔

۲۔ ایضاً ، (حصہ اول) ، ص ۱۱ ، ۱۲ ۔

نامور شاعر ، افسانہ نگار اور صحافی ہیں - اُن کی یہ حیثیتیں بالواسطہ یا بلاواسطہ اُن کی کتاب سیرت پر اثرانداز ہوئی ہیں - جماعتی وابستگی نے اُنہیں آنحضرتؐ کی سیرت کو ایک خاص زاویے (تحریکی اور انقلابی) سے دیکھنے کا شعور عطا - ادبی اور شعری صلاحیتوں نے اُنہیں ابلاغ کی دولت سے مالا مال کیا اور صحافتی زندگی نے اُنہیں اپنے عہد کے مسائل و معاملات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت بخشی - یہ سب صفات گھل مل کر اُن کے اسلوب کو ایک خاص معنویت عطا کرتی ہیں - ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے درست کہا ہے کہ "ہمارے دور میں قیام نظام اسلامی کے لئے جو عملی جد و جہد کی جا رہی ہے ، اُس کی وجہ سے اسلامی تحریکوں کے وابستگان دامن کے لیے سیرت رسولؐ ایک تسلی اور ایک تشفی ، بلکہ ایک بشارت بن گئی ہے - اسلامی تحریکوں میں جماعت اسلامی کے متعلقین نے لکھنے پڑھنے پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے - سر سید تحریک کے بعد اس اعتبار سے جماعت اسلامی کی تحریک ہمارے ادب میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اختلافات کے باوجود سر سید کی تحریک کی جانشین ہے - نعیم صدیقی جماعت اسلامی کے اُن لکھنے والوں میں سے ہیں ، جو تخلیقی مزاج رکھتے ہیں اور اکثر تجزیہ اُن کے یہاں جذباتیت کا تابع ان جاتا ہے ، مگر "محسن انسانیتؐ" میں یہ عیب کہیں نہیں ملتا - اُنہوں نے جہاد اور غزوات کی اہمیت کا حال ہی نہیں لکھا ، بلکہ جہاد اور غزوات کی اہمیت کا علمی ، اسلامی اور نفسیاتی زاویہ سے تجزیہ بھی کیا ہے"[1] - بحیثیت مجموعی نعیم صدیقی کی یہ کتاب ، رسول کریم کو ایک ایسے عظیم انقلابی کی حیثیت سے پیش کرتی ہے ، جس کا لایا ہوا انقلاب ، انسانیت پر سب سے بڑا احسان ہے -

۱۹۶۱ء میں قاری محمد طیب کی (دو جلدوں میں) "آفتاب نبوتؐ" (ص ۳۱۲) ، ۱۹۶۲ء میں اُن کی "خاتم النبیینؐ" (ص ۱۶۸) ، سید صابر حسین نقوی سرسوی کی "آفتاب نبوتؐ" (ص ۳۳۲) اور ۱۹۶۳ء میں سرور شاہ گیلانی کی "بارگاہ رسالت" (ص ۳۲) ، مولانا عبدالماجد دریابادی کی "سیرت نبوی قرآنی" (ص ۲۱۵) ، شاہ محمد جعفر پھلواروی کی "پیغمبر

۱- نقوش سیرتؐ : مرتبہ نثار احمد ، ص ۷۶ -

انسانیت؟" (ص ۶۲۰) ، احسان بی اے کی "ننھے حضور؟" (ص ۵۶۷) اور فقیر وحید الدین کی "محسن اعظم؟ اور محسنین" (ص ۱۷۶) شائع ہوئیں۔ قاری محمد طیب (۱۸۹۷ء-۱۹۸۳ء) کی "آفتاب نبوت" دو جلدوں میں ہے۔ یہ سیرت کی کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے ، جس میں آنحضرت؟ کی زندگی کے واقعات ، ولادت سے وفات تک قلم بند کئے گئے ہوں ، بلکہ یہ قرآن مجید کی صرف ایک آیت "و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً" کی قرآنی تمثیل کی تشریح ہے[1] — ۳۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں آنحضرت؟ کی شان نبوت کی ۵۷ تجلیات دکھائی گئی ہیں اور بڑے بڑے لطیف حکیمانہ نکتے برآمد کئے گئے ہیں۔ لفظ 'آفتاب' کی تمثیلی حیثیت ، رفعت و عظمت اور جامعیت کی وضاحت کرنے کے بعد آفتاب کے قرآنی لقب کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے - پھر شب تار میں آفتاب نبوت کے طلوع کے اثرات پر بحث کی گئی ہے اور اس کے فیوض و برکات ایک ایک کر کے گنوائے گئے ہیں۔ سادہ لفظوں میں یوں سمجھیئے کہ آنحضرت؟ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقوش قدسیہ اور دنیا پر ان کے احسانات کا مفصل تذکرہ ہے۔

قاری محمد طیب کی اسی سلسلے کی ایک اور کتاب "خاتم النبیین؟" ہے ، جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت؟ کی ذات میں پچھلے انبیاء کے تمام کمالات مجتمع ہوگئے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ بھی سیرت خاتم النبیین؟ پر نہیں بلکہ مسئلۂ ختم نبوت کے بارے میں چند موٹی موٹی سرخیوں کی ایک مختصر فہرست ہے[2] — اس کتاب کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ آدم؟ کی توبہ ، نوح؟ کی استجابت ، نار ابراہیم؟ کی گلزاری ، گریۂ یعقوب؟ ، صبر ایوب؟ ، موسیٰ؟ کا ید بیضا ، اور عیسیٰ؟ کا احیاء موتیٰ ، کس انداز سے ذات محمدی؟ میں جلوہ گر ہوا۔ ختم نبوت آنحضرت کی ایک اہم صفت ہے اور اس اعتبار سے یہ کتاب حضور اکرم؟ کی سیرت کے ایک مخصوص پہلو سے بحث کرتی ہے۔

۱- آفتاب نبوت؟ : قاری محمد طیب ، ادارہ عثمانیہ ، لاہور ، جلد اول ، ۱۹۶۱ء ، ص ۱۱ -

۲- خاتم النبیین؟ : قاری محمد طیب ، ادارہ عثمانیہ ، لاہور ، ص ۸۳ -

مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۲ء - ۱۹۷۸ء) کی "خطباتِ ماجدی یا سیرتِ نبوی قرآنی"، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے - بقول مصنف "یہ مجموعہ اوراق کوئی مستقل تصنیف نہیں، چند لکچروں (خطبوں) کا مجموعہ ہے، جو "سیرتِ نبوی قرآن مجید کی روشنی میں" کے عنوان سے جنوری ۱۹۵۷ء (مطابق ۱۳۷۸ھ) کی آخیر تاریخوں میں افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کرنولی کی فرمائش پر اور ایک مرحوم خاتون کے قائم کئے ہوئے وقف کے ماتحت مدراس میں نیو کالج کی عمارت میں دیئے گئے تھے"[1] - اردو زبان میں اگرچہ اس موضوع پر اس سے پہلے بھی چند ایک کتابچے شائع ہو چکے ہیں، مثلاً مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی (متوفی ۱۹۶۲ء) کی "سیرت الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الوقیع" (ص ۶۴) جو ۱۹۱۴ء/ ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوئی اور محمد اجمل خان الہ آبادی کی "سیرۃ قرآنیہ (سیدنا محمد صلعم)" جو ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی[2] - فروغ علوی کاکوروی کی ۱۹۵۰ء میں شائع شدہ "قرآن کی روشنی میں رسول اللہ صلعم کا مرتبہ اور منصب" بھی اسی انداز کی کتاب ہے — تاہم یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی کتاب اس موضوع پر پہلی وقیع کتاب ہے - مصنف نے قرآن مجید کے علاوہ جن کتابوں سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے، ان میں "سیرت ابن ہشام"، قاضی عیاض کی "الشفا" اور شبلی و سلیمان ندوی کی "سیرۃ النبی" کے نام گنوائے گئے ہیں البتہ محمد عزہ دروزہ کی عربی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل، سات سو صفحات سے زائد ضخامت کی اسی موضوع پر کتاب سیرۃ الرسول (مقبۃ القرآن الکریم) سے عبدالماجد دریابادی بوجوہ استفادہ نہیں کرسکے"- "سیرتِ نبوی قرآنی" لکھنے کی تمنا مصنف کو اپنی جوانی کے زمانے سے تھی[3] اور اسی قسم کی خواہش مولانا ابوالکلام آزاد کے دل میں تھی، چنانچہ انہوں نے شبلی نعمانی سے "قرآن و سیرتِ محمدیہ"

۱- سیرتِ نبوی قرآنی: مولانا عبدالماجد دریابادی - مکہ بکس - لاہور - طبعِ نو (س - ن) دیباچہ از مصنف، ص ۵ -

۲- ایضاً، ص ۲۱۴، ۲۱۵ -

۳- آپ بیتی: مولانا عبدالماجد دریابادی - مجلس نشریاتِ اسلام - کراچی - ۱۹۷۹ء، ص ۳۰۱ -

کے عنوان سے ایک باب اپنی "سیرۃ النبی ؐ" میں شامل کرنے کی درخواست بھی کی تھی ، جنھوں نے یہ کام مولانا آزاد ہی کے سپرد کر دیا تھا ۔ مولانا آزاد نے متعلقہ آیاتِ قرآنی جمع کر کے ایک پوری کتاب مرتب بھی کر دی تھی ، جو شائع ہونے کی نوبت نہیں آئی ۔ تاہم ان کا تاثر یہ تھا کہ " کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو عجیب عالم نظر آیا ۔ حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں جس کے لئے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں"[1] ۔ اسی قسم کا احساس مولانا عبدالماجد دریابادی کو بھی یہ کتاب لکھتے ہوئے ہوا ۔ چنانچہ لکھتے ہیں : "سوا چھ ، ساڑھے چھ ہزار قرآنی آیتوں میں سے اگر نصف نہیں تو ایک ثلث تو بہرحال ایسی ہیں کہ جن سے سیرتِ نبوی ؐ کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے"[2]
مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنی اس کتاب میں (۱) ظہور کی پیش خبریاں (۲) نام ، نسب ، وطن ، زمانہ (۳) فضائل ، خصائص ، مشاغل (۴) رسالت و بشریت (۵) ہجرت (۶) غزوات و محاربات (۷) معاصرین : مشرکین ، یہود و نصاریٰ ، منافقین ، مومنین (۸) معجزات و دلائل اور (۹) خانگی اور ازدواجی زندگی کے عنوانات سے خطبات شامل کئے ہیں ۔ مصنف نے قرآنی آیات سے جس طرح آنحضرت کی زندگی کے واقعات اخذ کئے ہیں ، اس سے ایک طرف تو اس کی قرآن فہمی کا بھرپور احساس ہوتا ہے اور دوسری طرف سیرتِ نبوی کے واقعات سے اس کی گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے ۔ بعض قرآنی آیات سے اس نے جس طرح نتائج مرتب کئے ہیں ، وہ ذہانت اور ذکاوت کی نادر مثالیں ہیں ۔ غزوات کے ضمن میں غزوۂ بدر ، غزوۂ بدر ثانیہ ، غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ بنی قریظہ ، غزوۂ احزاب ، غزوۂ حدیبیہ ، غزوۂ خیبر ، غزوۂ الفتح ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک کا بیان ، قرآنی آیات کی روشنی میں ، مفصل بھی ہے اور مؤثر بھی ۔ اسی طرح معاصرین والے خطبہ میں مشرکین ، یہود و نصاریٰ ، منافقین اور مومنین کے بارے میں بڑی سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔ آنحضرت ؐ کے فضائل ، خصائص ، مشاغل اور آپ ؐ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے

---

۱ ۔ رسولِ رحمت ؐ : مولانا ابوالکلام آزاد، ترتیب و اضافہ ، غلام رسول مہر ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ، بار دوم ۱۹۸۱ء ، ص ۱۹ ۔
۲ ۔ سیرت نبوی قرآنی : مولانا عبدالماجد دریابادی ۔ اختتامیہ از مصنف ۔ ص ۲۱۳ ۔

بارے میں بھی قرآن مجید کی آیات سے بڑی خوبصورتی سے معلومات اخذ کی گئی ہیں ۔

فقیر وحید الدین کی "محسنِ اعظمؐ اور محسنین" دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے ۔ (۱) "محسنِ اعظمؐ" : جس میں آنحضرتؐ کی ولادت سے وصال تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور (۲) محسنینؓ ۔ جس میں خلفائے راشدین کے حالاتِ زندگی درج ہیں ۔ مصنف کہتا ہے کہ "اس اختصار پسند دور میں ، جب کہ زمان و مکان کے فاصلے سمٹ رہے ہیں ، اس فقیر نے نہایت ہی مختصر سوانح حیات پیش کرنے کی کوشش اور جسارت کی ہے ، تاکہ کم سے کم وقت میں قرونِ اولیٰ کے نمایاں واقعات پڑھنے والے کی نگاہوں سے گزر جائیں ۔ لوگوں کو اسلامی ادب میں اور تاریخ کے مطالعہ سے دلچسپی پیدا ہو اور خاص طور سے ہمارا نوجوان طبقہ انسانیت کے محسنِ اعظمؐ کی سیرت اور حضورؐ کے ان رفقا کے حالات کو (جن کی زندگی میں آپؐ کی تعلیم و تربیت کا پورا عکس نظر آتا ہے) ، غور و فکر کا موضوع اور عمل کے لئے نمونہ بنائے"[۱] ۔

کتاب کے جزوِ اول (محسنِ اعظمؐ) میں آنحضرتؐ کی ولادت، عرب کا معاشرہ قبل از اسلام ، "الامین" کا لقب ، بی بی خدیجہ سے نکاح ، فکرِ اصلاحِ انسانیت ، نبوت ، اقداماتِ عملی ، کفارِ مکہ کی ایذا رسانی ، مسلمان حبشہ میں ، مقاطعہ ، ابو طالب اور بی بی خدیجہؓ کا انتقال ، طائف میں تبلیغ ، اہلِ یثرب (مدینہ) ہدایت کی راہ پر ، ہجرت ، کفار کے تین حملے ، صلح حدیبیہ ، دعوت نامے ، کفار کی عہد شکنی ، مسلمان مکے میں ، وفود کی آمد ، تکمیلِ انسانیت ، علالت اور وصال ، غرضیکہ آنحضرتؐ کی زندگی کے تمام نمایاں پہلو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کئے گئے ہیں ۔ کتاب کے جزوِ ثانی میں حضرت ابوبکرؓ صدیق ، حضرت عمر فاروقؓ ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حالات ، شخصیت اور کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ یہ کتاب نوجوان طبقہ کو

۱- محسنِ اعظمؐ اور محسنین : فقیر وحید الدین ، فقیر سپننگ ملز لمیٹڈ کراچی ، ۱۹۶۳ء ، ص ۷ ۔

بڑی خوبصورتی کے ساتھ حضور اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ اور اُن کے چاروں خلفائے کرام کے بارے میں تمام اہم مواد فراہم کرتی ہے ۔کتاب کی زبان بھی بڑی دلکش ہے اور نہ صرف نوجوانوں ، بلکہ پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اپنی دلآویزی سے متاثر کرتی ہے ۔

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی (۱۹۰۱ء – ۱۹۸۲ء) کی "پیغمبرِ انسانیتؐ" اس دور کی ایک اور اہم تصنیف ہے ۔ ۶۲۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے شروع میں مولانا حسن مثنیٰ ندوی کا ، "پاکستان و ہندوستان کے خادمانِ سیرت" کے عنوان سے ۴۰ صفحات کا ایک عالمانہ مقدمہ ہے ۔ اصل کتاب آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت کے مبارک واقعہ سے شروع ہوتی ہے اور آپؐ کے وصال پر ختم ہوتی ہے ۔ تمام واقعات سن وار بیان کئے گئے ہیں ۔ مولانا حسن مثنیٰ ندوی کی رائے میں "پیغمبرِ انسانیتؐ" کی امتیازی حیثیت اس کا مخصوص نقطۂ نظر ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے زندگی کے ہر مرحلے پر انسانی اقدار کی حفاظت کی ہے ۔ اس کتاب میں مصنف نے بعض روایات پر کھل کر تنقید کی ہے اور انہیں محض اس لیے تسلیم نہیں کیا کہ ہر سیرت نگار آنکھیں بند کر کے انہیں لکھتا چلا جا رہا ہے ۔ اس کے علاوہ مصنف نے ایسے ایسے حکیمانہ نکات نکالے ہیں جن کی طرف کسی اور سیرت نگار کا دھیان نہیں گیا ۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی یہ کتاب اپنا مخصوص رنگ و آہنگ رکھتی ہے ۔ بقول مولانا حسن مثنیٰ ندوی (اس کی) زبان رواں اور عاشقانہ ہے ۔ اندازِ نگارش ا‌بھوتا ہے اور جذبۂ عقیدت ہر جگہ نمایاں ہے اور یہی سیرتِ مصطفٰیؐ کی جان ہے"[1] ۔

احسان بی ۔ اے ، کی "ننھے حضورؐ" ناول کے پیرائے میں لکھی ہوئی سیرتِ نبویؐ ہے ۔ گو مصنف اسے ناول نہیں سمجھتا لیکن اس کتاب کا انداز اور واقعات بیان کرنے کی تکنیک ناول کی سی ہے ۔ اس کتاب میں ، جسے مصنف 'ایک تاریخی بیانیہ' کہتا ہے ، ایک ناول نویس کی قوتِ متخیلہ کے سہارے دربارِ نبوت میں باریاب ہونے کی کوشش کی گئی ہے[2] ۔

۱۔ پیغمبرِ انسانیتؐ : مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ، لاہور ، ۱۹۶۳ء ، ص ۳۰ ۔

۲۔ ننھے حضورؐ : احسان بی ۔ اے ، آئینۂ ادب ، لاہور ، بار دوم ، ۱۹۸۰ء ۔

۱۹۶۴ء میں بیگم صوفی پاشا کی "ذکرِ افضل الانبیا"، پروفیسر غلام رسول ایم - اے کی سیرتِ "سید البشر ص"(حصہ اول)، (ص ۷۰۸)، ۱۹۶۵ء میں چودھری بشیر احمد کی "قرآن اور صاحبِ قرآن" ، طالب ہاشمی کی اخلاقِ پیمبری (ص ۲۸۸) ، ۱۹۶۶ء میں خورشید احمد اور احمد انس کی مرتبہ "سیرتِ پاک" (ص ۱۳۵) ، سید واجد رضوی کی "رسول ص - میدانِ جنگ میں" (ص ۳۱۲) ، حمید احمد خاں کی "اسوۂ حسنہ" (ص ۷۸) ، شان الحق حقی کی مرتبہ ، "سیرتِ پاک" ، ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آصف قدوائی کی "مقالاتِ سیرت" (ص ۲۸۰) ، ۱۹۶۸ء میں نثار احمد کی مرتبہ "نقشِ سیرت" ، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری کی "محسنِ اعدا" (ص ۴۰۴) سید محمد اسمٰعیل کی "رسول عربی ص اور عصرِ جدید" (ص ۶۳۸) اور محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی کی "محمد عربی ص" (ص ۴۷۶) شائع ہوئیں -

پروفیسر غلام رسول ، ایم - اے کی کتاب "سیرتِ سید البشر ص" (حصہ اول) تدریسی ضروریات کے لئے لکھی گئی ہے اور بقول ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی "سیرۃ النبی ص" اور "رحمۃ للعالمین ص" کے آثار میں سے ہے"[1] --- ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس کتاب کو خاصی اہمیت دی ہے ، لیکن حقیقتاً یہ درسی کتابوں کی قبیل کی ہی چیز معلوم ہوتی ہے - طالب ہاشمی کی "اخلاقِ پیمبری" دو حصوں پر مشتمل ہے - (i) ارشاداتِ رسولِ کریم ص (ii) اخلاقِ نبوی یا اسوۂ حسنہ - پہلے حصے میں آنحضرت ص کی زبانِ مبارک سے اخلاقی خوبیوں کا ذکر ہے اور دوسرے حصے میں حضور ص کی زندگی پر ان کا انطباق دکھایا گیا ہے ، یعنی ایسے واقعات بیان کئے گئے ہیں جن میں نبی کریم ص ان اوصاف کا نمونہ نظر آتے ہیں - سید واجد رضوی کی کتاب "رسول ص - میدانِ جنگ میں" تین ابواب پر مشتمل ہے (۱) رسولِ عربی ص کی جنگ کا جواز ، (۲) رسولِ عربی ص کی جنگیں فنِ حرب کے پس منظر میں ، اور (۳) قوانینِ جنگ اور رسولِ عربی کی تعلیمات - مصنف نے ان تینوں ابواب میں اس امر پر بحث کی ہے کہ میدانِ جنگ کے اصول کیا ہیں ؟ بحیثیت سپہ سالار آنحضرت ص کا کردار کیا ہے ؟ فنِ حرب کے اعتبار سے آپ ص کی جنگیں تاریخ کی دوسری جنگوں سے ممتاز

۱- نقشِ سیرت : مرتبہ نثار احمد ، ص ۴۷ -

کیوں ہیں ؟ قوانینِ جنگ میں میں آپؐ نے کیا کیا اصلاحات فرمائی ہیں اور آج ان کی کیا اہمیت ہے ؟[1] حمید احمد خاں (۱۹۰۳ء - ۱۹۷۴ء) کی "اسوۂ حسنہ" دراصل ان کا ایک مقالہ ہے جو ۱۹۲۵ء میں تحریر کیا گیا تھا اور پہلے "ہمایوں" لاہور کے ایک شمارے میں چھپا اور بہت بعد جا کر (۱۹۶۶ء میں) کتابی شکل میں شائع ہوا[2] - مصنف نے حدیث ، شمائل اور سیرت کی کتابوں سے روایات اخذ کرکے انہیں تحریر کی لڑی میں پرو دیا ہے[3]-

شان الحق حقی کی مرتبہ "سیرتِ پاک" رسالہ "ماہِ نو" کی ایک خصوصی اشاعت ہے اور کتابی شکل میں ہے - اس میں وہ تمام مضامین شامل کئے گئے ہیں جو "ماہِ نو" میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں اور جن کا تعلق آنحضرتؐ کی سیرت سے تھا - ڈاکٹر آصف قدوائی نے اپنی کتاب "مقالاتِ سیرت" میں آٹھ مقالے شامل کئے ہیں ، یعنی اسلام میں نبوت کا تصور ، حیاتِ طیبہ ، معجزے ، خلقِ عظیم ، پیغمبرِ اسلام اور تلوار ، کامیاب ترین پیغمبرؐ اور سرورِ کائناتؐ - آخر میں تین ضمیمے شامل ہیں - جو چند خطبوں ، حدیثوں اور دعاؤں پر مشتمل ہیں[4] - بقول مولانا ابوالحسن ندوی ، "انہوں نے (ڈاکٹر آصف قدوائی) اپنے علم کو صرف زندگی اور حیاتِ طیبہ پر لکھنے کا پابند نہیں کیا ، بلکہ اُن تمام مسائل و حقائق کو پیشِ نظر رکھا جو ایک کامل زندگی اور کامل تعلیم کی رہنمائی کی طالب ہیں - اُن کا موضوع ، سرورِ کائناتؐ کی ذات گرامی بھی ہے اور حیاتِ طیبہ بھی ، آپؐ کا پیغام اور آپؐ کی پیش کی ہوئی تعلیم بھی - وہ موقع بہ موقع یہ بھی دکھاتے چلتے ہیں کہ یہ تعلیم اس نئی نسل اور نئے دور کی کیا رہنمائی اور دستگیری کرتی ہے اور نئی تہذیب اس سے بے نیاز ہو کر یا اُس سے

۱- رسول - میدانِ جنگ میں : سید واجد رضوی ، پنجاب بک ڈپو ، لاہور ص ۱۴ -

۲- "فاران" لاہور ، حمید احمد خاں نمبر ، مارچ ۱۹۷۵ء ، ص ۵ ، (سوانحی خاکہ از ادارہ) -

۳- اسوۂ حسنہ : پروفیسر حمید احمد خاں ، کتابیات ، لاہور ، ۱۹۶۶ء -

۴- مقالاتِ سیرت : ڈاکٹر آصف قدوائی : مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام ، لکھنؤ : ۱۹۶۷ء پاکستانی ایڈیشن طبع ۱۹۷۷ء -

انکار کر کے کن کن مصائب میں مبتلا ہے ؟"[1]

نثار احمد ایم ۔ اے کی مرتبہ "نقشِ سیرت" ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور سیرت سے متعلق مختلف مصنفین کے مقالات کا اعلیٰ انتخاب ہے ۔ یہ کتاب نو حصوں میں منقسم ہے ۔ حصہ اول میں نبوت و رسالت کا لغوی مفہوم ، نبوت کے خصائص و لوازم ، رسالت اور اس کے احکام ، ختمِ نبوت ، معجزاتِ نبوی ، سیرت کا تحریری سرمایہ ، اہم عربی ماخذ ، اُردو میں سیرت نگاری اور چند مغربی سیرت نگار ، کے عنوانات سے مقالات شامل کیے گئے ہیں ۔ حصہ دوم میں "عکسِ سیرت قرآن کے آئینے" میں اور حدیث کے آئینے میں ، کے عنوان سے دو مقالے ہیں ۔ حصہ سوم میں آٹھ ، حصہ چہارم میں سات ، حصہ پنجم میں تین ، حصہ ششم میں پانچ ، حصہ ہفتم میں آٹھ اور حصہ ہشتم میں بھی آٹھ مقالات شامل ہیں جب کہ حصہ نہم خطبات ، دعاؤں اور اذکار کے لیے وقف ہے ۔ اس کتاب میں رسولِ اکرم ؐ کی حیاتِ مبارکہ ، آپؐ کی زندگی کی مختلف حیثیتوں اور آپ ؐ کے لائے ہوئے دین کے بارے میں بہت سی کتابوں کا نچوڑ شامل کر دیا گیا ہے ۔ اُردو میں سیرت کے موضوع پر اور بھی کئی کتابیں ہیں جن میں مرتبین نے اپنے یا دوسروں کے مضامین جمع کیے ہیں ، لیکن جامعیت کے اعتبار سے شاید ہی کوئی اور مجموعہ "نقشِ سیرت" کا ہم پلہ ہو ۔ مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری کی "محسنِ اعداء" میں تاریخ و سیر کے مستند حوالوں کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضور ؐ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی سلوک کس قدر مربیانہ رہا ہے[2] ۔

سید محمد اسمٰعیل کی کتاب "رسولِ عربی ؐ اور عصرِ جدید" ۶۳۸ صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے ، جو پانچ حصوں میں منقسم ہے ۔ (۱) بنیادی مسائل ، (۲) عہدِ عتیق اور دورِ جاہلیت ، (۳) لیلتہ القدر (۴) مطلع الفجر اور (۵) عصرِ جدید ۔ مصنف نے کتاب کے دیباچہ میں

۱۔ مقات سیرت : ڈاکٹر آصف قدوائی : ص ۱۰ ۔ (تعارف و پیش لفظ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی) ۔

۲۔ محسنِ اعدأ : ابو القاسم رفیق دلاوری ۔ مکتبہ تعمیر انسانیت ۔ لاہور ۔ ۱۹۶۸ء ۔ ص : ج ۔

اپنی کتاب کا محرکِ تصنیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "تہذیبِ مغرب کی نئی روشنیوں ، ڈارون کے نظریہ ارتقاء فرائڈ کے نفسیاتی نظریات اور کارل مارکس کی تعلیمِ اشتراکیت نے نئی پود کے اندازِ فکر و عمل میں جو انقلاب برپا کر رکھا ہے ، نہایت سنجیدہ توجہ کا محتاج ہے ۔ اُن مغربی نظریات کا تنقیدی جائزہ اور تعلیم اسلام کے ساتھ اُن کا ایسا موازنہ جو دانشِ مغرب کو بھی غور و فکر پر مجبور کرے ، وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ کتاب اسی ضرورت کے مدِ نظر لکھی گئی ہے"[1] ۔ اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کا نقطۂ نظر کیا ہے ؟ پوری کتاب میں ایک مخصوص فلسفیانہ فضا موجود ہے اور مصنف نے بڑے عالمانہ انداز میں سیرتِ رسولِ عربی ؐ کو دورِ جدید کے حوالے سے دیکھا ہے ۔ پانچویں باب کے علاوہ باقی ابواب کے مباحث زیادہ پیچیدہ نہیں ہیں ۔ اُن میں آنحضرت ؐ کی ولادت سے وصال تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں ۔ بیچ بیچ میں مصنف کے عمیق خیالات بھی در آتے ہیں اور وہ بڑے مفکرانہ انداز میں اُن پر اظہارِ خیال کرتا ہے ۔

محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی کی "محمدِ عربی ؐ" ، سیرتِ نبوی ؐ میں ایک نئے انداز کی حامل ہے ۔ یہ کتاب دراصل ایک عربی کتاب کا نقشِ ثانی ہے ۔ مصر میں محکمۂ تعلیم و تربیت کے نگران ، محمد احمد براتق کی نگرانی میں سیرتِ نبوی ؐ پر ایک مجموعہ شائع ہوا تھا جو چودہ حصوں پر مشتمل تھا ۔ مولانا عبدالحیؒ (مصنف "حیاتِ طیبہ") کی فرمائش پر محمد عنایت اللہ سبحانی نے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا اور حسبِ ضرورت اس میں ترمیم و اضافہ سے بھی کام لیا[2] ۔ یہ کتاب سلاست و روانی اور اثر آفرینی میں ، دوسری کتبِ سیرت سے کسی طرح کم نہیں ۔

۱۹۷۰ء میں مولانا غلام رسول مہر کی مرتبہ ، مولانا ابوالکلام آزاد کی متفرق تحریروں پر مشتمل "رسولِ رحمت ؐ" (ص ۶۹۹) ، محمد حنیف

۱۔ رسولِ عربی ؐ اور عصرِ جدید : سید محمد اسمٰعیل ، مکتبہ طلوعِ سحر ، کراچی ، ۱۹۶۹ء ، ص : ۱۶ ۔

۲۔ محمدِ عربی ؐ : محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی ، اسلامک پبلی کیشنز لمٹیڈ ، لاہور ، طبع سوم : ۶ ، ۷ ۔

یزدانی کی مرتبہ "محمد رسول اللہ ، غیر مسلموں کی نظر میں" (ص ۲۱۳) ، اسلامی مشن لاہور کی شائع کردہ عزیز احمد بھٹی کی کتاب کا اردو ترجمہ بہ عنوان "بحضور محمدؐ" (ص ۲۹۲) ، سید محمود احمد رضوی کی "جامع الصفات" (ص ۱۸۴)، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کی "الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامینؐ" (ص ۲۱۶)، انھیں کی "ذکر جمیلؐ" (ص ۶۸-) ۱۹۷۱ء میں حمید اللہ ماہر دہلوی کی "رؤف الرحیم" ۱۹۷۲ء میں بشیر احمد سید کی مرتبہ "سرور کونینؐ ، اغیار کی نظر میں" (ص ۲۰۰) ، ظہور الدین احمد کی "سلوک محمدی" ؛ حسن المرتضٰی خاور کی مرتبہ "رسول عربیؐ کی پیشین گوئیاں" (ص ۷۶) ، حکیم محمد سعید کی مرتبہ ، "تذکار محمد رسول اللہ" (ص ۱۷۵) ، حافظ اکرام الدین واعظ کی "طب نبوی" (ص ۱۶۰) اور راجہ محمد شریف کی "حیات رسالت مآبؐ" (ص ۵۷۶) شائع ہوئیں ۔

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء - ۱۹۵۸ء) کی "رسول رحمتؐ" مرتبہ ، مولانا غلام رسول مہر (۱۸۹۵ء - ۱۹۷۱ء) سیرت رسولؐ پر کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے بلکہ یہ مولانا آزاد کی متفرق و منتشر تحریروں کا مجموعہ ہے، جن میں معنوی ربط پیدا کرنے کےلیے مولانا غلام رسول مہر نے معتدبہ اضافے کیے ہیں جابجا تمہیدی عبارتیں تحریر کی ہیں اور ضروری حواشی لکھے ہیں ۔ مرتب نے خود بتایا ہے کہ "سیرت کا جو حصہ اتفاقیہ آں (مولانا آزاد) کے سامنے آ جاتا ، اس پر مقالہ لکھ دیتے یا کسی معاملے کے متعلق کہیں سے استفسار آ جاتا تو عادت شریف کے مطابق اس کا مفصل جواب چھاپ دیتے"[1]۔ "رسول رحمت" میں ظہور قدسی ، بعثت و نبوت ، دعوت اسلام ، ہجرت حبشہ ، مقاطعہ اور اسریٰ ، ہجرت مدینہ ، مدنی زندگی اور غزوات ، عالمی دعوت و تبلیغ ، پیغام حق کے معجز نما نتائج ، حج ، رسول اللہ کی وفات ، اسوۂ ہدیٰؐ اور رحمتہ للعالمین کے عنوانات کے تحت مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات سیرت اور استفسارات کے جوابات کو ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے ۔ کتاب کے مقدمہ میں سیرۃ نبوی کا مقام ، قرآن اور سیرۃ نبویہ ، اشاعت سیرۃ طیبہ اور رسول

۱- رسول رحمتؐ : مولانا ابو الکلام آزاد ۔ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۔ طبع دوم ۱۹۸۱ء ص : ل

اللہ کا احترام اور اس کا مقام وغیرہ موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور بعد ازاں میلادِ نبوی اور موضوع روایات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ "رسولِ رحمتؐ" کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بیشتر حصہ قرآنِ مجید کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے اور قدم قدم پر جغرافیائی تشریحات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ "زیرِ نظر کتاب نہ صرف قرآن سے سیرتِ طیبہ کے استنباط کا سلیقہ سکھاتی ہے بلکہ مقصدِ نبوت اور تعلیمات و نظریاتِ اسلام کے اصل اصول کی نشان دہی بھی کرتی ہے اور اس بنا پر یہ مکمل اسوہ اور ہدایت و سعادت کا سرچشمہ ہے"۔ مولانا غلام رسول مہر نے مولانا آزاد کی متفرق تحریروں کو بڑی محنت سے مرتب و مدون کیا ہے۔ اگرچہ موجودہ صورت میں یہ کتاب، سیرت کی کسی باقاعدہ کتاب کا بدل نہیں ہے لیکن یہ بھی کیا کم ہے کہ اس مبارک موضوع پر ایک بڑے ادیب اور عالم کی تمام متعلقہ تحریریں یکجا ہو گئی ہیں۔

مولانا محمد حنیف یزدانی کی مرتبہ، "محمد رسول اللہ، غیر مسلموں کی نظر میں" (ص ۲۹ء) اور بشیر احمد سید کی مرتبہ، "سرورِ کونینؐ، اغیار کی نظر میں" (ص ۷۰ء) کا ذکر پچھلے باب میں آ چکا ہے "بحضورِ محمدؐ"، مسٹر برنارڈ کی کتاب "دی ورلڈ ریلجنز" (مذاہبِ اسلام) میں شائع شدہ پروفیسر اینڈ رسن کے مقالہ کے جواب میں عزیز احمد بھٹی کے ایک طویل انگریزی مراسلہ کا اردو ترجمہ ہے، جسے اختر احسن نے شائع کیا ہے۔ یہ جواب ۔ جون ۱۹۶۹ء کو لکھا گیا اور اس میں ان تمام اعتراضات کا جواب دلائل کے ساتھ دیا گیا ہے جو پروفیسر اینڈرسن نے آنحضرتؐ پر کیے تھے[1]۔ "بحضورِ محمدؐ" کے مصنف نے یہ دلائل ثابت کیا ہے کہ عیسایت کی بنیاد مشرکانہ اوہام پر ہے جب کہ اسلام نے حضرت مسیحؑ کی سیرت اور ان کے پیغام کو صحیح انداز میں پیش کیا ہے۔ "طبِ نبویؐ" (حافظ اکرام الدین واعظ) میں ہر قسم کی بیماریوں کا علاج قرآن و احادیثِ نبوی کی روشنی میں تجویز کیا گیا ہے۔ "تذکارِ محمد

۱۔ بحضورِ محمدؐ: عزیز احمد بھٹی ۔ اسلامی مشن ۔ سنت نگر ۔ لاہور ۔ ص: ۱، ۷۔

رسول اللہ" حکیم محمد سعید کی مرتبہ کتاب ہے ، جس میں پاکستان کے مشاہیر کے مقالات جمع کر دئیے گئے ہیں - یہ مقالات دراصل مئی ۱۹۷۰ء کی "شام ہمدرد" میں پڑھے گئے ، جو "تذکار محمد" کے لیے وقف تھی - اس کتاب میں شامل مضامین سیرت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شامل ہر دانشور نے سیرت کا مطالعہ کسی خاص حیثیت سے کیا ہے (یعنی بطور منصف ، قانون ساز ، منتظم ، معلم اور عسکری رہنما وغیرہ کے) سید محمود احمد رضوی (مدیر "رضوان") کی "جامع الصفات" میں آنحضرت کی اس فضیلت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آپ کی ذات میں تمام انبیاء کے کمالات جمع ہو گئے تھے - مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کی "الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین" آپ کی سیرت مبارکہ پر اور "ذکر جمیل" آنحضرت کے سراپائے اقدس کی تفصیلات پر مشتمل ہے - دونوں کتابوں میں بریلوی مکتب فکر کی ترجمانی کی گئی ہے ، اسی لیے ان میں حب مصطفیٰ حیات النبی اور نور و بشر وغیرہ موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے - راجہ محمد شریف کی "حیات رسالت مآب" میں واقعات کی زمانی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے ولادت سے وفات تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں -

۱۹۷۳ء میں سید محمود احمد رضوی کی "خصائص المصطفیٰ" (ص ۴۸) ، ۱۹۷۴ء میں خالد علوی کی "انسان کامل" (ص ۶۷۶) ، حاجی محمد منیر قریشی کی "انسان کامل" (ص ۱۷۶) ؛ ۱۹۷۵ء میں عارف بٹالوی کی "حیات رسول" (ص ۱۸۲) ، مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی "سید الکونین" (ص ۳۳۸) اور "جمال مصطفیٰ" (ص ۵۴۴) ، ۱۹۷۶ء میں مولانا کوثر نیازی کی "ذکر رسول" (ص ۱۶۸) ، محمد ضیا اللہ قادری کی "الانوار المحمدیہ فی سیرۃ المصطفویہ" ، جلد اول (ص ۳۴۴) ، سید اختر حسین کی "تنویر الانوار فی تاریخ سید الابرار" ، (ص ۳۲۲) ، حکیم محمد اسمٰعیل ظفر آبادی کی "ہادی کونین" (ص ۶۰۸) فضل الرحمٰن دھرم کوٹی کی "اسوۂ رسول" (ص ۲۳۸) ، پرویز سعید اختر کی "سید المرسلین" (ص ۲۰۴) آغا غیاث الرحمٰن انجم کی "رحمۃ للعالمین" (ص ۸۰) ڈاکٹر محمد عبدالحی کی "اسوۂ رسول اکرم" (ص ۶۵۶) اور محمد منیر سیالکوٹی کی مرتبہ "آئینۂ نبوت" (ص ۲۸۰)

شائع ہوئیں -

خالد علوی کی "انسان کامل ؐ" میں مصنف نے بقول خود "انسان کامل (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے اُن گوشوں کا مربوط مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے ، جن کا تعلق حیات انسانی کی مادی تنظیم سے ہے"[1] - مصنف کا دعویٰ ہے کہ آپؐ کی ذات ، انسانی زندگی کے لیے مکمل نمونہ ہے ، لیکن اسے ثابت کرنے کے لیے مرتب کوششیں شاید زیادہ نہیں ہوئیں - اُس کے خیال میں حیات انسانی کے مختلف گوشوں کا مطالعہ، دور حاضر کی خصوصیت قرار دی جا سکتی ہے۔ اسی بنا پر زندگی کی وحدت کو اس کے مختلف اجزاء کی صورت میں سمجھنے کی سنجیدہ مساعی ہوئی ہیں - اندریں حالات یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ ہم آپؐ کی حیات طیبہ کو اسی تناظر میں دیکھیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں[2] - خالد علوی نے نہ صرف اس کتاب میں آنحضرتؐ کی ولادت سے وفات تک کے تمام اہم واقعات مختصراً درج کیے ہیں ، بلکہ آپؐ کو شہری ، تاجر ، خطیب ، مبلغ و داعی ، معلم انسانیت ، داعیٔ انقلاب ، سپہ سالار اعظم ، مدبر و منتظم ، مقنن و منصف ، سربراہ خاندان اور رسول رحمت کی حیثیت سے پیش کیا ہے - مصنف نے اولین اہمیت مواد اور اس کی ترتیب کو دی ہے اور زبان و بیان میں کسی تصنع یا بناوٹ سے کام نہیں لیا - اسی لیے اس کا اسلوب سادہ ، عام فہم اور دل نشیں ہے -

حاجی محمد منیر قریشی کی "انسان کامل ؐ" میں بھی آنحضرتؐ کی مختلف حیثیتوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور ہر اعتبار سے آپؐ کی ذات کو عالم انسانیت کے لیے ایک کامل و اکمل نمونہ ثابت کیا گیا ہے - اس مختصر کتاب میں حضورؐ کو بچوں ، جوانوں ، شوہروں ، باپوں ، شہریوں ، تاجروں ، مبلغوں ، جرنیلوں ، بادشاہوں ، طبیبوں ، عابدوں اور منصفوں کے لیے ایک مثالی نمونہ دکھایا گیا ہے - آخر میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والے غیر مسلموں مثلاً برنارڈشا ، کارلائل ، نیپولین ، حتیٰ ،

۱- انسان کاملؐ : خالد علوی - یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور - ۱۹۷۳ء
ص : ع -
۲- ایضاً -

ولم میور ، جارج ریواری ، گاندھی ، ٹیگور ، سروجنی نائیڈو ، سیڈیو ، جارج سیل اور منٹگمری واٹ وغیرہ کی حضور اکرمؐ کے بارے میں مختصر تعریفی آرا درج کی گئی ہیں[1] ۔

سید اختر حسین کی ''تنویرِ الانوار فی تاریخِ سید الابرار[۲]'' اس دعوی کے ساتھ لکھی گئی ہے کہ ''قرآنِ مجید ، تورات اور انجیل مقدس میں آپؐ کی پیدائش ، تفویضِ عہدۂ نبوت و رسالت ، نزولِ وحی اور اس کا تسلسل ، اشاعتِ دین اور اس کی تکمیل اور بعض دیگر اہم واقعات کی تاریخ بقیدِ سنین مذکور ہے[۲]'' ۔ مصنف کا خیال ہے کہ قرآن میں صرف حضورؐ کی تاریخ ہی نہیں بلکہ اس میں تمام دنیا کی تاریخ ازل سے ابد تک سال وار موجود اور محفوظ ہے ۔ چنانچہ ثبوت کے طور پر مصنف نے حروف کی عددی قیمتوں کی مدد سے آنحضرتؐ کی زندگی کے بعض واقعات اور آپؐ کی صفات کا تعین کیا ہے ۔

حکیم محمد اسمٰعیل ظفر آبادی کی ''ہادیٔ کونینؐ'' میں آنحضرتؐ کی ولادت سے وفات تک کے حالات درج ہیں ۔ مصنف نے آٹھ نو سال کی محنتِ شاقہ سے کام لے کر اور عربی ، اردو اور انگریزی کی معروف و معتبر کتبِ سیرت اور احادیث و تاریخ وغیرہ سے استفادہ کرکے یہ کتاب لکھی ہے بعض مقامات پر افسانوی طرزِ بیان ، بے ادبی کی حدود میں داخل ہوگیا ہے جو بہت کھٹکتا ہے[۳] ۔

ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ (ولادت ۱۸۹۸ء) کی ''اسوۂ رسولِ اکرمؐ'' کوئی باقاعدہ کتابِ سیرت نہیں ہے ، بلکہ اس کا موضوع سنتِ رسول ہے ۔ یہ چار حصوں پر مشتمل ہے ۔ حصہ اول تمہید کا درجہ رکھتا ہے ۔ اس

۱۔ انسانِ کاملؐ : حاجی محمد منیر قریشی ۔ نذیر سنز پبلشرز ۔ لاہور ۔ ص ۱۶۱ تا ۱۶۳ ۔

۲۔ تنویر الانوار فی تاریخِ سید الابرار : سید اختر حسین ۔ گودھ پور ۔ ضلع سیالکوٹ ۔ ص : د ۔

۳۔ ہادیٔ کونین : حکیم محمد اسمعیل ظفر آبادی ۔ ادارہ طبی شاہکار ۔ رحیم یار خاں ۔ ۱۹۷۵ء ص ۳۸ تا ۹۳ ۔

میں آنحضرتؐ کے بارے میں قرآنی آیات اور دین مبین کے بارے میں چالیس احادیث نبوی ہیں[1] ۔ حصہ دوم ، مکارم اخلاق کے لیے وقف ہے ۔ اس میں آنحضرتؐ کی صفات قدسیہ اور شمائل و عادات طیبہ کا بیان ہے ۔ حصہ سوم میں آپؐ کی خصوصیات انداز زندگانی کا مرقع کھینچا گیا ہے جس میں طریقہ رشد و ہدایت، نظام الاوقات اندرون خانہ، ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک ، کھانے پینے کا انداز ، لباس و آرائش ، معمولات سفر اور بعض عادات مبارکہ کی تصویر کشی کی گئی ہے ۔ حصہ چہارم میں اسلام کو دین اکمل قرار دیتے ہوئے اس کی تعلیمات (بہ سلسلہ ایمانیات ، عبادات ، معاملات ، معاشرت ، اخلاقیات) اور حیات طیبہ کے معمولات صبح و شام بیان کیے گئے ہیں ۔

عارف بٹالوی کی "حیات رسولؐ" میں حضرت محمد رسول اللہؐ کی انقلاب انگیز زندگی کے واقعات ، غزوات اور فتوحات کا عام فہم زبان میں تذکرہ کیا گیا ہے[2] ۔ مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی "سید الکونینؐ" اور "جمال مصطفیٰؐ" ان کے اہل حدیث مسلک کی ترجمان ہیں ۔ "سید الکونینؐ" باقاعدہ سیرت رسولؐ ہے اور "جمال مصطفیٰؐ" آنحضرتؐ کے شمائل پر مشتمل ہے ۔ محمد ضیا اللہ قادری کی کتاب "انوار المحمدیہ فی سیرۃ المصطفویہ (جلد اول) بریلوی مسلک کی کتاب ہے ۔ پروفیسر سعید اختر کی "سید المرسلینؐ" میں آنحضرتؐ کی سیرت کا بڑا دلآویز عکس دکھایا گیا ہے ۔ اس کتاب میں آنحضرتؐ کی ولادت سے وفات تک کے حالات درج کیے گئے ہیں اور آخر میں ختم نبوت پر بحث کی گئی ہے ۔ محمد منیر قمر سیالکوٹی کی مرتبہ ، "آئینہ نبوتؐ" میں سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر متعدد اہل قلم کے مضامین جمع کیے گئے ہیں ۔ آغا غیاث الرحمٰن انجم کی "رحمۃ للعالمینؐ" کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آنحضرتؐ کی عمر کے ۶۳ سالوں کی مناسبت سے ۶۳ عنوانات مقرر کیے

۱- اسوۂ رسول اکرمؐ : ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ ۔ سعید اینڈ کمپنی ، کراچی بارہواں ایڈیشن ۱۹۸۱ء ۔ (بار اول ۱۹۷۹ء) ص ۲۵ تا ۳۶ ۔

۲- حیات رسولؐ : عارف بٹالوی ۔ مکتبہ میری لائبریری لاہور ۔ طبع نو ۱۹۸۳ء ۔

گئے ہیں[1] -

۱۹۷۷ء میں ادیب عبدالقیوم صدیقی کی "اسم اعظم ؐ" (ص ۷۴) ، مولانا عبدالستار خان نیازی کی "پیغمبر عالم ؐ" (ص ۴۰) اور ۱۹۷۸ء میں وزارتِ مذہبی امور ، اسلام آباد کی شائع کردہ "مقالاتِ سیرت" (ص ۱۶۹ + ۲۰۴) ، علامہ سید محمود احمد رضوی کی "مقامِ مصطفیٰ ؐ —— قرآن کی روشنی میں" (ص ۱۴۴) اور "دینِ مصطفیٰ ؐ" ص ۴۹۶) ، پروفیسر محمد صدیق قریشی کی "رسولِ اکرم ؐ کی سیاستِ خارجہ" (ص ۴۵۲) ، سید محبوب رضوی کی "مکتوباتِ نبوی ؐ" (ص ۲۷۰) ، سلیم احمد فاروق کی مرتبہ ، "قائدِ انسانیت ؐ" (ص ۱۸۴) ، سید محمود شاہ بخاری کی "پیکارِ مسلسل" (ص ۲۴۵) عبدالعزیز عرفی کی چار جلدوں پر مشتمل "جمالِ مصطفیٰ ؐ" (ص ۲۹۲ + ۴۳۲ + ۴ ۳ + ۳۸۸)،[2] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دو جلدوں پر مشتمل "سیرتِ سرورِ عالم ؐ" (ص ۷۶۴ + ۷۶۳) اور ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی "پیغمبرِ اعظم و آخر ؐ" (ص ۶۵۵) شائع ہوئیں -

ادیب عبدالقیوم صدیقی کی "اسمِ اعظم" سیرتِ پاک کا اجمالی تذکرہ ہے اور مصنف کے ۲۶ سالہ غور و فکر کا نچوڑ ہے - مولانا عبدالستار خان نیازی کی "پیغمبرِ عالم ؐ" ان کا ایک مقالہ ہے جو انھوں نے ۱۹۵۹ء میں بین الاقوامی سیرت النبی ؐ کانفرنس کراچی میں پڑھا - علامہ سید محمود احمد رضوی کی "مقامِ مصطفیٰ ؐ - قرآن کی روشنی میں" رسالت کے موضوع پر ہے اور اس میں قرآن مجید کی ۱۸۶ آیات کے حوالہ سے حضور ؐ کے اول و آخر ، ظاہر و باطن ، نور الٰہی اور نورِ اول ہونے پر دلائل دیے گئے ہیں - انھیں کی "دینِ مصطفیٰ ؐ" اسلامی تعلیمات

۱- رحمۃ للعالمین ؐ : آغا غیاث الرحمٰن انجم - الکتاب ، اسلام پورہ ، لاہور - ۱۹۷۶ء -

۲- "جمالِ مصطفےٰ ؐ" : عبدالعزیز عرفی - گیلانی پبلشرز ، کراچی - طبع جلد اول ۱۹۷۸ء ، جلد دوم ۱۹۷۹ء ، جلد سوم ۱۹۸۰ء ، جلد چہارم ۱۹۸۲ء -

کا مجموعہ ہے ، تاہم اس میں بھی آنحضرتؐ (ص ۷ تا ۱۳۴) ، خلفائے راشدین اور ازواج مطہرات کے مکمل سوانح حیات درج ہیں۱ ۔ "مقالات سیرت" : ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں مختلف اہل قلم کے ۱۶ مقالات شامل ہیں جو ۱۹۷۸ء کی سیرت کانفرنس منعقدہ اسلام آباد میں پڑھے گئے ۔ ان کا مرکزی موضوع "حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم کامل" تھا ۔ سید محمود شاہ بخاری کی "پیکار مسلسل" کا موضوع وہ معرکۂ حق و باطل ہے جو آنحضرتؐ اور کفار کے درمیان ۲۳ سال تک برپا رہا ۔ قریش مکہ اور یہود و نصاریٰ نے جس جس طریقے سے آپؐ کی مخالفت کی اور آپؐ جس طرح ان پر فتح یاب ہوئے ، اس کی کہانی بڑے دلآویز پیرائے میں بیان کی گئی ہے ۔ سید محبوب رضوی کی "مکتوبات نبویؐ" ، سرکار دو عالمؐ کے خطوط ، بین الاقوامی سیاسی معاہدات ، تشریعی فرامین اور آباد کاری کے احکام کا عظیم الشان ذخیرہ ہے ۔ آنحضرتؐ کے مکاتیب درج کرنے سے پہلے مصنف نے سیرت مقدسہ کی خصوصیات پر بحث کی ہے اور آپؐ کے مکتوبات کی تدوین اور اثر انگیزی پر اظہار خیال کیا ہے ۔ پھر تمام خطوط اور فرامین کو جمع کیا ہے ۔ سید محبوب رضوی کی یہ کتاب اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں سب سے زیادہ مکمل ہے ۔ سلیم احمد فاروقی کی مرتبہ "قائد انسانیتؐ" میں شبلی نعمانی ، مولانا ابو الکلام آزاد ، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ، مولانا امین احسن اصلاحی ، مولانا ابوالحسن علی ندوی، سید قطب شہید، مفتی محمد شفیع، مولانالعیم صدیقی عبدالحمید صدیقی اور پروفیسر حمید احمد خاں کے سیرت پر مقالات جمع کیے گئے ہیں ۔ عبدالعزیز عرفی کی "جمال مصطفیٰ" (۴ جلدیں) قرآن حکیم کی ترتیب نزول کی روشنی میں لکھی گئی سیرت نبی اکرمؐ ہے ۔ مصنف نے موضوع کے اعتبار سے قرآنی آیات کو منتخب کیا ہے اور پھر حواشی میں سیرت کے واقعات درج کیے ہیں ، جو احادیث نبوی ، کتب سیرت اور کتب تفاسیر سے ماخوذ ہیں ۔ بعض مقامات پر پوری پوری سورتیں شامل کر لی گئی ہیں جن سے مصنف کی غرض یہ ہے کہ سیرت طیبہ کے گوشے سلسلہ وار قرآنی سند کے ساتھ سامنے آتے جائیں ۔

۱۔ دین مصطفیٰ : علامہ سید محمود احمد رضوی ۔ دارالعلوم حزب الاحناف ، لاہور ۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء - ۱۹۷۹ء) کی "سیرتِ سرورِ عالمؐ" (دو جلدیں) آنحضرتؐ کی صرف مکی زندگی کا احاطہ کرتی ہے - جلد اول (ص ۷۶۴) جسے نعیم صدیقی اور عبدالوکیل علوی نے مصنف کی اجازت سے مرتب کیا ہے ، تمام تر مولانا مودودی کی مطبوعہ تحریروں پر مشتمل ہے اور اس میں مصنف نے کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہیں کی ؛ البتہ جلد دوم (ص ۷۶۳) میں مولانا مودودی نے خاصے مفید اضافے کیے ہیں، کیونکہ اس جلد کی ترتیب کے وقت جگہ جگہ ایسے خلا محسوس ہوتے تھے ، جن کی موجودگی میں اس کا ایک مسلسل اور مربوط کتابِ سیرت بننا مشکل تھا - "سیرتِ سرورِ عالمؐ" کی پہلی جلد کا تعلق بنیادی مباحث ، منصبِ نبوت ، نظامِ وحی ، آنحضرتؐ کی بعثت ، بعثت سے پہلے کے ماحول اور دعوتِ اسلام کی اولین مخاطب عرب قوم سے ہے جب کہ دوسری جلد آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک کے احوال و واقعات پر مشتمل ہے[1]- مرتبین (نعیم صدیقی اور عبدالوکیل علوی) نے "سیرتِ سرورِ عالمؐ" کی تیسری جلد بھی مرتب کر لی ہے (لیکن وہ ابھی شائع نہیں ہوئی) - نعیم صدیقی کی وضاحت کے مطابق "تیسری جلد میں اس انتہائی سرگرم تحریکی زندگی کا مرقع سامنے آتا ہے ، جو لمحۂ وصال تک حضورؐ نے مدینے میں گزاری - چوتھی جلد جو ابھی باقی ہے ، اس میں حضورؐ کی اصلاحات ، تعلیمات ، نظامِ زندگی اور مختلف شعبوں میں لائے جانے والے تغیرات کا نقشہ پیش کرنا مطلوب ہے"[2] -

"سیرتِ سرورِ عالم" کی جلد اول ، چار حصوں میں منقسم ہے - پہلے حصے میں سلسلۂ نبوت کے متعلق اصولی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں اور دوسرے ، تیسرے اور چوتھے حصے میں بعثتِ نبوی سے پہلے کا ماحول واضح کیا گیا ہے - سلسلۂ نبوت کی اصولی حقیقتوں کی بحث میں حقیقتِ نبوت ، وحی ، نبوتِ محمدی کی ضرورت اور اس کے دلائل ، نبوتِ محمدی

۱- سیرتِ سرورِ عالمؐ : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ، ادارہ ترجمان القرآن ، لاہور ، جلد اول ۱۹۷۸ ، ص ۱۰ (دیباچہ از نعیم صدیقی) -

۲- ایضاً -

پر قرآن میں استدلال ، سرور عالم ؐ ، ختم نبوت ، آنحضور ؐ کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی ؐ ، بشریت رسول ؐ ، دین حق ، معجزات ، مسئلہ شفاعت ، حضور ؐ کی چند اہم پیشگوئیاں ، قرآن اور حضور ؐ کے متعلق مستشرقین کی علمی خیانتیں ، کے عنوانات کے تحت مولانا مودودی کی تحریریں جمع کی گئی ہیں ۔ بعثت نبوی سے پہلے کا ماحول والا حصہ (ا) اقوام ماضیہ (ب) مروجہ مذاہب اور (ج) جزیرۃ العرب کی جغرافی و تمدنی اہمیت ، کے اجزا میں منقسم ہے ۔ 'اقوام ماضیہ' میں قوم نوح ؑ ، قوم عاد ، قوم ثمود ، قوم ابراہیم ؑ ، قوم لوط ؑ ، قوم سبا ، اہل مدین و اصحاب الایکہ ، قوم یونس ؑ اور بنی اسرائیل اور اصحاب الرس کی تباہی اور ان کے آثار کا تذکرہ ہے ۔ 'مروجہ مذاہب' کے ضمن میں مشرکین عرب کے عام مذہب اور ان کی معاشرتی رسوم و اطوار ، عربوں کے دیگر مذاہب (حنفا، صائبین، مجوس اور دہریت)، یہود اور یہودیت اور نصاریٰ اور عیسائیت کے بارے میں مباحث شامل کتاب ہیں ۔ جزیرۃ العرب کی جغرافی و تمدنی اہمیت کے عنوان کے تحت (i) مختلف ممالک سے عربوں کے وسیع رابطے اور (ii) سیرت کا پیغام درج ہیں ۔ ۷۶۴ صفحات پر مشتمل "سیرت سرور عالم ؐ" کی جلد اول ، آنحضرت ؐ کے منصب نبوت اور بعثت سرور عالم ؐ کے متعلق توراۃ اور انجیل کی پیش گوئیوں پر بحث کرنے کے باوجود ، حقیقی معنوں میں سیرت کی کتاب نہیں بنتی ۔ اس امر کا احساس مرتبین کو بھی تھا ، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ : "یہ مباحث اگرچہ براہ راست سیرت پاک کے سلسلہ واقعات کو پیش نہیں کرتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ، آپ ؐ کے منصب اور آپ ؐ کی جد و جہد کو سمجھنے میں ان سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے"[1] البتہ جلد دوم میں مصنف نے بکثرت اضافے کر کے اسے ایک مسلسل اور مربوط کتاب بنا دیا ہے ۔ ۷۶۳ صفحات پر مشتمل یہ جلد ۱۳ ابواب میں منقسم ہے ، یعنی قرآن اپنے لانے والے کو کس حیثیت سے پیش کرتا ہے ، رسول اللہ ؐ کا خاندان : پیدائش سے آغاز نبوت تک ، آغاز رسالت اور خفیہ دعوت کے ابتدائی تین

۱۔ سیرت سرور عالم ؐ : مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ، ادارہ ترجمان القرآن ، لاہور ۔ جلد اول ۱۹۷۸ء ، ص ۱۰ (دیباچہ از نعیم صدیقی) ۔

سال ، دعوتِ حق کے لیے ہدایات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں ، دعوتِ اسلامی کی حقیقی نوعیت ، دعوتِ عام کی ابتدا ، دعوتِ اسلامی کو روکنے کے لیے قریش کی تدبیریں ، ہجرتِ حبشہ ، ۶ بعدِ بعثت سے ۱۰ بعدِ بعثت تک ، اسراً و معراج ، مکی دور کے آخری تین سال ، ہجرت الٰی المدینہ اور مکی دور پر ایک مجموعی نظر ۔ بقولِ مصنف : ”یہ جلد ہجرت کے بیان پر ختم ہوئی ہے ۔ آگے مدنی دور شروع ہوتا ہے جو درحقیقت ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے“[۱] ”سیرتِ سرورِ عالم؟“ (جلد دوم) کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں بعض معلومات پہلی دفعہ یک جا ہو کر سامنے آئی ہیں اور بعض پہلوؤں پر منفرد انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے ۔ مثلاً آنحضرت؟ کی بعثت کے بعد تین سالہ خفیہ دعوت کے دور میں قریش کے قبائل اور قریش کے باہر کے لوگوں ، موالی ، غلاموں اور لونڈیوں میں سے کس کس نے اسلام قبول کیا تھا ۔ اس کی پوری فہرست کتبِ سیرت میں اب تک موجود نہیں تھی۔ مولانا مودودی نے اپنی اس کتاب میں (ص ۱۵۵ تا ۱۶۲) ان ۱۲۹ افراد کے نام دئے ہیں ، جن میں اگر ابتدائی چار مسلمانوں (حضرت خدیجہؓ ، حضرت ابوبکرؓ ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت علیؓ) کے نام بھی شامل کر لئے جائیں تو ان کی کل تعداد ۱۳۳ بن جاتی ہے ۔ اسی طرح آنحضرت پر قریشِ مکہ اور دیگر مشرکین جو اعتراضات کرتے تھے یا الزامات لگاتے تھے یا مطالبے کرتے تھے ، ان کا مفصل تذکرہ (مع جوابات) کتاب کے ص ۲۵۱ سے لے کر ص ۳۲۲ تک پھیلا ہوا ہے ۔ ان اعتراضات میں حضور؟ کے انسان ہونے پر اعتراض ، حضور؟ پر اپنی بڑائی چاہنے کا الزام ، آپ؟ پر کاہن ہونے اور آپ؟ پر شیاطین کے نزول کا الزام ، آپ؟ پر دوسرے لوگوں سے لکھنے پڑھنے کا الزام ، حضور؟ پر مجنون ہونے کا الزام ، حضور؟ پر شاعری کا الزام اور طرح طرح کے معجزات کے مطالبات وغیرہ شامل ہیں ۔ قصۂ غرانیق اور واقعۂ معراج کی تفصیلات بھی دیگر کتبِ سیرت کے مقابلے میں یہاں

۱۔ سیرتِ سرورِ عالم؟ : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ، جلد دوم ، ۱۹۷۸ء ، ص ۲۳ (دیباچہ از ابوالاعلیٰ مودودی) ۔

زیادہ مفصل اور زیادہ مؤثر ہیں ۔ مولانا مودودی نے جلد دوم میں جہاں جہاں اضافے کیے ہیں ، وہاں اُن کا تصنیفی تجربہ ، سیرتی علم اور اسلوبی حسن اپنی معراج پر ہے۔ بحیثیت مجموعی "سیرتِ سرور عالمؐ" آنحضرتؐ کی سیرت و کردار اور آپؐ کے ابدی پیغام کو جس خوبصورت اور عالمانہ انداز میں پیش کرتی ہے، اس کی مثال دورِ حاضر کی کتبِ سیرت میں کم کم ملتی ہے ۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی کتاب "پیغمبرِ اعظم و آخرؐ" سیرت کے موضوع پر ایک منفرد نوعیت کی کتاب ہے ۔ یہ اُن کے اس تجسس کی پیداوار ہے کہ آنحضرتؐ رفعت و عظمت کی موجودہ بلندیوں تک کیسے پہنچے ۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے احوال و واقعات کے ضمن میں ترتیبِ زمانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تاریخی تسلسل قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے ۔ اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ عہدِ سرسید کی طرح معذرتی میلان نہیں رکھتی ، بلکہ مستشرقین کے اعتراضات کا جواب انہی کی زبان میں دیتی ہے ۔ اس کتاب میں آنحضرتؐ کی سیرت کے ہر واقعے کو پہلے کتبِ احادیث و تاریخ کی روشنی میں پرکھا گیا ہے اور پھر عقلی اور سائنسی ذرائع سے اس کی تصدیق کی گئی ہے ۔ مصنف ، اسلام کو ایک زندۂ جاوید تحریک تصور کرتا ہے ، اسی لیے اس نے کتاب میں اسلام کو "تحریکِ رحمۃ للعالمینی" کے طور پر پیش کیا ہے ۔ غزوات و سرایا کی حقیقت ، ان کے محرکات ، ان کا تاریخی ربط و تعلق اور مسلمانوں کی فتوحات کے عوامل کا فنِ حرب اور عقلی اصولوں کے ذریعے تجزیہ کیا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں سیرت کے جن واقعات کو متن میں نہیں لایا جا سکتا تھا، انہیں حواشی میں درج کیا گیا ہے ۔ مصنف نے آنحضرتؐ کو اس کتاب میں اسی صورت میں پیش کیا ہے جس صورت میں کلامِ الٰہی میں پیش کیا گیا ہے ، یعنی ایک انسان کی حیثیت سے ۔ دوسرے سیرت نگاروں کے برعکس ، مصنف نے آپؐ کی شخصیت کو خانوں میں بانٹنے کی بجائے اسے سیرت کے واقعات کا جزو بنا کر پیش کیا ہے[1] ۔

۱۔ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ : ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ۔ فیروز سنز ، لاہور، ص ۳۵ تا ۳۷ ۔

کتاب کے شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جو فنِ سیرت نگاری اور اسلام کی تاریخی بنیادوں پر بڑی فلسفیانہ بحث کرتا ہے - اس کے بعد آنحضرت کی مکی زندگی کا دور ہے - یہ کتاب کا پہلا حصہ ہے - اس کے مختلف ابواب میں آپ کی ولادت سے لے کر ہجرت تک کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں - دوسرا حصہ مدنی زندگی پر مشتمل ہے جس کی ابتدا میں اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے اصول گنوائے گئے ہیں - اس کے بعد مدنی دور کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں جن میں غزوات سرِفہرست ہیں - ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اسلام کو ایک تحریک قرار دیتے ہوئے اسلام کے ثقافتی انقلاب کے خد و خال واضح کیے ہیں - اس کے بعد بادشاہانِ عالم کے نام آنحضرت کے دعوت ناموں کی تفصیل ہے - اس حصے کا اختتام آنحضرت کے وصال پر ہوتا ہے - آخر میں بطور ضمیمہ خطبۂ حجۃ الوداع مع اردو ترجمہ نقل کیا گیا ہے -

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ایک صاحبِ حال بزرگ ہیں ، اسی لیے ان کی کتاب میں ایک داعی کے جوش و خروش کے ساتھ ساتھ عجیب طرح کی سرمستی اور سرشاری ہے - یہ کتاب اُن کے جذبۂ شوق کی پیداوار ہے ، اسی لیے اس کی سطر سطر سے آنحضرت کے ساتھ مصنف کی شیفتگی نمایاں ہوتی ہے - اس کتاب میں محض سیرت کے واقعات سن وار درج کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اُن واقعات کی تہہ میں جو اسرارِ حیات چھپے ہوئے ہیں ، مصنف نے اُن پر سے بھی پردہ اٹھایا ہے -

۱۹۷۹ء میں مولانا ظاہر شاہ جمال قادری کی "سیرتِ مصطفےٰ" (ص ۱۲۴) ، محمد عبدالمجید صدیقی کی "سیرت النبی بعد از وصال النبی" (ص ۳۸۴) ، آغا اشرف کی "محمد ، المزمل ، المدثر" (ص ۱۲۹) ، لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر محمد ایوب کی "حیاتِ رسول" (ص ۲۴۰) ، الطاف پرواز کی "اسوۂ حسنہ" (ص ۱۰۴) ، قاضی نواب علی کی "رسولِ اکرم" (ص ۴۵۶)، رضا المصطفٰی چشتی کی "سرورِ کونین" (ص ۳۲)، عبیداللہ قدسی کی "رحمۃ للعالمین" (ص ۳۱۰) ، مولانا غلام اعظم کی "سیرتِ سید المرسلین" (ص ۶۳)، محمود رضوی کی "سید العرب" (ص ۱۰۱) اور ۱۹۸۰ء میں محمد یوسف اصلاحی کی "داعیٔ اعظم" (ص ۱۸۹) ، علی اصغر

چودھری کی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی تین جلدیں (ص ۲۵۲ + ۳۰۳ + ۳۰۰) اور پروفیسر غلام ربانی عزیز کی دو جلدوں پر مشتمل "سیرتِ طیبہ" (ص ۳۱۶ + ۳۶۲) شائع ہوئی ۔ ۱۹۸۰ء میں ہی سیرت کی کچھ کتابیں سوالاً جواباً بھی شائع ہوئی ۔ ذکی احمد ذکی کی "آئینۂ سیرت" (ص ۱۷۶)، غائص جہلمی کی "گلہائے بسیم فی اسوۂ نبی الکریمؐ" (ص ۱۸۸)، علی اصغر چوہدری کی "حیاتِ رسولؐ" (ص ۱۳۰) اور ملک کرم الٰہی دلشاد کی "ذہن کی آزمائش ۔" (ص ۹۸) اس کی نمائندہ مثالیں ہیں ۔ الطاف پرواز کی "اسوۂ حسنہ" سمیت ، یہ کتابیں ریڈیو اور ٹی وی کے ذہنی آزمائش کے پروگراموں میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے لکھی گئی ہیں ۔اور ان میں آنحضرتؐ کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات کو سوال و جواب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے ۔ طلبا اور عام قارئین کے لیے بھی ان میں دلچسپی کا سامان موجود ہے ، اسی لیے ان کی زبان سادہ اور عام فہم رکھی گئی ہے ۔

مولانا ظاہر شاہ میاں قادری (ولادت ۱۹۳۷ء) کی "سیرتِ مصطفیٰ" کے علاوہ "تعظیمِ مصطفےؐ"، "معراجِ مصطفیٰؐ" اور "عشقِ رسولؐ" بھی چھپ چکی ہیں ، جو مصنف کے عشقِ رسولؐ کی بیّن شہادت ہیں ، لیکن ان کی "سیرتِ مصطفیٰؐ" ان کے مسلکِ اہلِ سنت و الجماعت کی ترجمان ہے اور واقعات کے ذیل میں بعض ایسے مسائل پر بھی روشنی ڈالتی ہے جو بقول ڈاکٹر محمد مسعود احمد "بعض حضرات کو گراں معلوم ہوں ۔ مثلاً سرکارِ دو عالم کی ولادت پر خوشیاں منانا ، اذان میں نامِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر انگوٹھے چومنا ، مرحومین کا اپنی اپنی قبروں میں آواز سننا، سرکارِ دو عالمؐ کی زیارت شریف ، آپؐ کے والدین گرامی کا اسلام و ایمان ، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عثمانؓ کے مناقب وغیرہ ۔ مگر واقعات سے مسائل کا استخراج کوئی نئی بات نہیں"[1] اسی طرح برکاتِ نورِ مصطفیٰؐ اور حیات النبیؐ وغیرہ کے مباحث سے

۱ ۔ سیرتِ مصطفیٰؐ : مولانا ظاہر شاہ میاں قادری ۔ مکتبہ غوثیہ محمودیہ مدین سوات ۔ ۱۹۷۹ء ، ص ۱۰ ، ۱۱ ۔ (پیش لفظ از ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

بھی مصنف کے عقائد کا پتہ چلتا ہے - ان مسائل کے علاوہ ''سیرت ِ مصطفیٰ ؐ'' میں آنحضرت ؐ کی حیات ِ مبارکہ کے چیدہ چیدہ واقعات بڑے والہانہ انداز میں بیان کئے گئے ہیں -

محمد عبدالمجید صدیقی کی ''سیرت النبی ؐ بعد از وصال النبی ؐ''[۱] کوئی باقاعدہ سیرت نہیں ہے بلکہ ایسے بزرگوں کے تذکرے پر مشتمل ہے جنہوں نے آنحضرت ؐ کی خواب میں زیارت کی - چنانچہ مؤلف نے مستند کتابوں سے ان اکابر کے وہ سب خواب اکٹھے کئے اور انہیں اپنی کتاب کی زینت بنا دیا - انہوں نے ہر خواب کا باقاعدہ حوالہ بھی دیا ہے - محمد عبدالمجید صدیقی کہتے ہیں کہ ''میری یہ کاوش خالص تحقیقی اور تخلیقی ہے اور سیرت النبی ؐ کو ایک نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے''[۱] مصنف کا عقیدہ ہے کہ رسول مقبول ؐ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ آپ ؐ کی سیرت کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے - - - - آپ ؐ کی حیات انتہا درجہ اعلیٰ و ارفع قسم کی ہے لیکن اس سے کہیں اہم چیز ہے سیرت النبی کا جاری ہونا ، جس کا سلسلہ وصال کے بعد بھی قائم ہے - مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہ کوئی مابعد الطبیعاتی قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے - اس کی رائے میں سیرت النبی بعد از وصال النبی ؐ کو خوابوں کے ذریعے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے - موضوع کے اعتبار سے یہ ایک منفرد اور دلچسپ کتاب ہے ، کیونکہ مصنف نے سیرت النبی ؐ کو بالکل اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے - محمد عبدالمجید صدیقی نے پہلے تو خوابوں کے سچا ہونے کے متعلق احادیث نقل کی ہیں - پھر آنحضرت ؐ کو خواب میں دیکھنے کی بابت بزرگوں کی آرا درج کی ہیں - اس کے بعد مضامین کی حیثیت سے خوابوں کی تقسیم کی ہے - آخر میں ۳۱۲ خواب جمع کئے ہیں -

آغا اشرف کی ''محمد ؐ - المزمل ، المدثر'' آنحضرت ؐ کو صاحب ِ وحی کی حیثیت سے پیش کرتی ہے - مصنف نے سیرت ِ رسول ِ پاک ؐ اور اس سے متعلقہ روایات پر محققانہ ، ناقدانہ ، فلسفیانہ اور مؤرخانہ نظر ڈالی ہے اور

۱- سیرت النبی ؐ بعد از وصال النبی ؐ : محمد عبدالمجید صدیقی - مرحبا پبلی کیشنز - لاہور ۱۹۷۹ء ص ۹ -

اور وحی و تنزیل کی مختلف منزلوں کو آیات مدثر کی روشنی میں دکھایا ہے[1]۔

قاضی نواب علی کی "رسول اکرمؐ" مسلمان نوجوانوں کے لیے لکھی ہوئی کتاب سیرت ہے[2]۔ اس میں آنحضرت کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات مذہبی جوش و جذبہ کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں۔ اسی لیے اسلامی نظامِ حیات اور اسلامی سلطنتوں کے عروج و زوال کے مباحث بھی کتاب میں شامل ہو گئے ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے۔

عبیداللہ قدسی نے بقولِ خود "رحمۃ للعالمینؐ" میں سیرت النبیؐ کو "اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جس طرح قرآن و حدیث میں کیا گیا ہے اور جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے سمجھا تھا[3]"۔ یہاں سیرت کے باقاعدہ واقعات ترتیب وار بیان کرنے کی بجائے قبلِ اسلام عرب و اطرافِ عرب، نزولِ وحی، کلام اللہ، عقیدۂ توحید، عبادات، اسلام کا نظامِ سیاست، نظامِ اقتصاد، نظامِ اخلاق و قانون اور مکارمِ اخلاق کے مباحث ابھارے گئے ہیں۔ یوں یہ کتاب سیرت سے زیادہ اسلامی ضابطۂ حیات کی تفسیر بن گئی ہے۔

محمود رضوی کی "سید العربؐ" اگرچہ مختصر کتاب ہے لیکن اس میں سیرتِ طیبہ کے تمام ضروری واقعات سمیٹ لیے گئے ہیں۔ مصنف کا انداز والہانہ اور طرزِ تحریر ادیبانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "سید العربؐ" میں زبان و بیان کا لطف بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

۱۔ محمد، المزمل، المدثر: آغا اشرف، قاضی پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۷۔

۲۔ رسول اکرمؐ: قاضی نواب علی، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۷۹ء ص ۸۔

۳۔ رحمت للعالمینؐ: عبیداللہ قدسی۔ رشید احمد سنز کراچی، ۱۹۷۹ء (پیش لفظ از مصنف)

محمد یوسف اصلاحی کی "داعی اعظمؐ" پہلی بار ۱۹۷۵ء میں ماہنامہ ذکریٰ ، رام پور کے ایک خصوصی نمبر کی حیثیت سے شائع ہوئی[1] ۔ "داعی اعظمؐ" ، جیسا کہ مصنف نے خود اعتراف کیا ہے ، "زمانی ترتیب کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر کوئی مربوط اور مفصل تصنیف نہیں ہے بلکہ دعوت و تربیت کے پیش نظر ایک مختصر سا مجموعہ ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع زندگی اور سیرت کے عظیم ذخیرے سے کچھ مؤثر ، مستند اور ایمان افروز واقعات جمع کر کے سیرت رسولؐ کے چار پہلوؤں کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں[2] پہلے باب "شان بندگی" میں نبی کریمؐ کی عبادت و ریاضت کے ولولہ انگیز واقعات اور صبح و شام کی دعائیں جمع کی گئی ہیں ۔ دوسرے باب "داعیانہ تڑپ" میں آنحضرتؐ کی دینی دعوت اور داعیانہ اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔ تیسرے باب "مثالی کردار" میں آپؐ کے دلآویز کردار کی ایمان افروز جھلکیاں دکھائی گئی ہیں اور چوتھے باب "تعلیم و تربیت" میں ایسے واقعات جمع کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا پیغمبرانہ انداز تربیت کس قدر فطری ، مؤثر اور دل نشین تھا[3] ۔

علی اصغر چودھری کی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" تین جلدوں پر مشتمل ہے ۔ (۱) محمدؐ ۔ آغوش آمنہ سے غار حرا تک (مطبوعہ ۱۹۸۰ء) (۲) حضرت محمدؐ ۔ غار حرا سے غار ثور تک (مطبوعہ ۱۹۸۲ء) ، (۳) حضرت محمدؐ ۔ ہجرت سے الرفیق الاعلیٰ تک (مطبوعہ ۱۹۸۳ء) ۔ یہ کتاب ناول کے انداز میں اور سادہ اور عام فہم زبان میں لکھی گئی ہے اور ان طبقوں، بالخصوص نوجوانوں کے لیے ہے جن کے لیے ٹھوس اور تحقیقی کتابیں پڑھنا مشکل ہوتا ہے[4]، اسی لیے اس میں واقعات اور مکالمات کو اس طرح

۱۔ داعی اعظم : محمد یوسف اصلاحی ، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ ، لاہور ، ۱۹۸۰ء ، ص ۴ ۔
۲۔ ایضاً ۔
۳۔ داعی اعظم : محمد یوسف اصلاحی ، ص ۵ ۔
۴۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آغوش آمنہ سے غار حرا تک (جلد اول) : علی اصغر چوہدری ، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ، ۱۹۸۰ء ، ص ۱۰ ، (تعارف از نعیم صدیقی)

پیش کیا گیا ہے جیسے وہ قاری کے سامنے ہو رہے ہوں ۔ تاہم انہوں نے احتیاط کی ہے کہ جو بھی واقعات بیان کئے جائیں ، ان کا ماخذ مستند کتب سیرت ہوں ۔ نعیم صدیقی کہتے ہیں کہ "ان خطوط پر پہلے بھی کام ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سب سے پہلے رسالہ "صوفی" (منڈی بہاء الدین) میں کوثر چاند پوری اور بعض دوسرے اہل قلم کی تحریریں میری نظر سے گزریں جن میں سیرت پاک یا صحابہ کرام کی زندگیوں سے متعلق کوئی واقعہ کہانی کے ہلکے سے رنگ کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا ۔ ادھر گزشتہ چند برس سے پستی سے چھپنے والے ڈائجسٹوں میں بھی اسی طرح کی چیزیں تاریخ اسلام اور سیرت نبوی اور واقعات صحابہ کے متعلق کبھی کبھی شائع ہوتی رہی ہیں ۔ سب سے بڑا کام طٰہٰ حسین مصری کا ہے جن کی کتاب کا اردو ترجمہ (غالباً غلاموں یا غریبوں کی آقائی) کے نام سے ہو چکا ہے[1] ۔ اس میں بعثت نبوی سے قبل کے متصلہ دور میں ان غلاموں کے احوال افسانوی پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں جو دعوت حق کے پیاسے تھے اور نبی اکرم کی دعوت حق کے سامنے آنے پر اولین لبیک کہنے والے بنے ۔ ادھر نسیم حجازی صاحب نے ایک ناول "قیصر و کسریٰ" لکھ کر اس میں بعثت آنحضور کا تاریخی پس منظر (مذہبی بگاڑ ، اخلاق فساد اور سیاسی بحران کو نمایاں کرتے ہوئے) پیش کیا ہے"[2] ۔

علی اصغر چودھری کی "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (جلد اول) کا آغاز حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر

۱۔ کتاب کا اصل نام "زیردستوں کی آقائی" ہے جو ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب "الوعد الحق" کا اردو ترجمہ ہے ۔ مترجم مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی ناشر ، ادارہ ثقافت اسلامیہ ، لاہور ۔ اس کتاب کا ایک ترجمہ اور بھی ہو چکا ہے ، جو دو ناشروں نے شائع کیا ہے ، (۱) "خدائی وعدہ" مترجم معراج محمد بارق ۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب ، کراچی ، ۱۹۵۶ء ۔ (۲) "خدائی وعدہ" مترجم معراج محمد بارق ، احباب پبلی کیشنز ، لاہور ، ۱۹۷۹ء ۔

۲۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جلد اول) : علی اصغر چودھری، ص ۱۰ ، ۱۱ ۔ (تعارف از نعیم صدیقی)

سے ہوتا ہے اور اختتام غار حرا میں حضرت جبرئیلؑ کی آمد پر ہوتا ہے، جو آپؐ کو رسول بنائے جانے کی بشارت دیتے ہیں ۔ جلد دوم کی ابتدا آنحضرتؐ پر پہلی وحی کے نزول سے ہوتی ہے اور خاتمہ آپؐ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے واقعہ پر ہوتا ہے[1] جلد سوم ، آپؐ کی مدنی زندگی کے واقعات و احوال پر مشتمل ہے اور اس کا اختتام آنحضرتؐ کی وفات ، تجہیز و تکفین اور امہات المومنین بعد از ہجرت کے تذکرے پر ہوتا ہے[2] مصنف کی دلی آرزو تھی کہ سیرتِ طیبہ پر اس انداز میں کام کیا جائے کہ نوجوان اسے اپنے خیال میں ناول سمجھ کر، اس کی طرف لپکیں ، اپنی دانست میں ایک دلچسپ تاریخی داستان کا لطف اٹھائیں اور یوں افسانے سے حقیقت تک پہنچ جائیں ، کیونکہ دلوں کی تاریکیوں کو صرف سیرتِ طیبہؐ کا مطالعہ ہی دور کر سکتا ہے"[3] اس میں کوئی شک نہیں کہ (طرزِ بیان کی اِکا دُکا لغزشوں کے باوجود) ، مصنف اپنی کوشش میں پوری طرح کامیاب ہوا ہے ۔

پروفیسر غلام ربانی عزیز (ولادت ۱۹۰۰ء) کی "سیرتِ طیبہ" دو جلدوں پر مشتمل ہے[4] اور بریلوی مکتبِ فکر کی کتاب ہے ، کیونکہ اس میں جگہ بہ جگہ انہیں کے عقائد کی ترجمانی کی گئی ہے ۔ جلد اول (ص ۱۶ م) کا آغاز آنحضرتؐ کے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں تعمیرِ کعبہ کے واقعہ سے کیا گیا ہے اور آپؐ کی ولادت سے وفات تک کے حالات سلسلہ وار بیان کئے گئے ہیں ۔ اسی جلد میں ازواجِ مطہرات اور رسول اکرمؐ کی اولاد والے اسباب بھی ہیں ۔ ازواجِ مطہرات کے سلسلے میں غیر مسلموں کے اعتراضات کے جوابات بھی دئے گئے ہیں اور آخر میں آنحضرت کے بارے میں غیر مسلموں (مثلاً کارلائل ، ولیم میور ، گل مین ،

۱- محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جلد دوم) علی اصغر چودھری ، ص ۳ تا ۶ ۔
۲- ایضاً ، ص ۳ تا ۹ ۔
۳- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جلد سوم) ، ص م (عرضِ مؤلف) ۔
۴- سیرتِ طیبہ : پروفیسر غلام ربانی عزیز ۔ جلد اول و دوم ۔ مکتبہ نبویہ ، گنج بخش روڈ ، لاہور ۔ ۱۹۸۰ء ۔

لین پول ، میجر اسالینارڈ ، ڈاکٹر رچرڈ این فرائی ، برنارڈ شا اور نپولین) کی آرا پیش کی گئی ہیں - جلد دوم (ص ۳۶۸) غزوات سے شروع ہوتی ہے اور تمام اہم غزوات کا احاطہ کرتے ہوئے عام الوفود پر ختم ہوتی ہے - آنحضرت ؐ کی مدنی زندگی کے بیشتر اہم واقعات اس جلد کی زینت ہیں - آخر میں چند ضمیمے شائع کئے گئے ہیں ، جن میں ضمیمہ نمبر ۱ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں ان صحابہ کی فہرست دی گئی ہے جو مکی زندگی میں حضور اکرم ؐ پر ایمان لائے - اس فہرست کی تیاری میں "الاستیعاب" اور "طبقات ابن سعد" سے مدد لی گئی ہے - جلد اول میں بھی (ص ۳۷۶ ، ۳۷۷) منٹگمری واٹ کی کتاب "محمد ایٹ مدینہ" (ص ۳۶۶ تا ۳۶۸) سے عصلین کی فہرست مستعار لے کر درج کی گئی ہیں اور بعض اور جگہوں پر بھی اس مصنف کی کتابوں (محمد ایٹ مکہ ، محمد ایٹ مدینہ) سے استفادہ کیا گیا ہے - تاہم بنیادی طور پر "سیرتِ طیبہ" کا ماخذ عربی اور اردو کی مستند کتبِ سیرت ہی ہیں -

۱۹۸۱ء میں مولانا اسد القادری کی "سیرت الرسول ؐ" - جلد اول (ص ۶۸۱) ، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کی "سیرتِ مصطفیٰ ؐ" (ص ۶۷۶) ، محمد شریف قاضی کی "اسوۂ حسنہ - قرآن کی روشنی میں" (ص ۵۲۸) ، سید اسعد گیلانی کی "رسولِ اکرم ؐ کی حکمتِ انقلاب" (ص ۶۸۸) ، انہیں کی "حضورِ اکرم ؐ اور ہجرت" (ص ۲۰۶) ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی "عہدِ نبوی ؐ میں نظامِ حکمرانی" کا اضافہ شدہ ایڈیشن (ص ۲۹۸ + ۵۳) ، انہیں کی "خطباتِ بہاولپور" (ص ۳۳۲) ، مولانا انشا محمد اول رضوی کی "بدن خیرالبشر ؐ" (ص ۱۶۷) ، پروفیسر امتیاز احمد سعید کی "خطباتِ رسول ؐ" (ص ۱۲۸) ، عزیز ملک کی "مکاتیبِ رسول ؐ" (ص ۹۶) ، ابن عبدالشکور کی "سیرتِ مصطفیٰ بزبان امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ" (ص ۴۸) ، پروفیسر محمد سلیم کی "رسول اکرم اسوۂ تعلیمی" (ص ۳۲) اور محمد میاں صدیقی کی مرتبہ "مقالاتِ سیرت" (ص ۲۲۰) شائع ہوئیں -

مولانا اسد القادری کی "سیرت الرسول ؐ" (جلد اول) کا مخاطب موجودہ مادی دور کا نوجوان طبقہ ہے جو دینی باتوں کو بھی عقل کے پیمانہ سے ناپتا ہے - مصنف نے اس طبقہ کی علمی ضرورت پوری کرنے کے لیے

"سیرت الرسول؂" کو ایک شعبہ جات میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ جس پہلو پر مضمون ڈھونڈنا ہو ، فوراً مل جائے ۔ وہ چاہتا ہے کہ "پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ یہ واحد سیرت ہے جس کے سینکڑوں پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنے کمال پر ہے ۔ یہ بھی معلوم ہو کہ ہمارے جدید مادی اور روحانی ، سماجی اور سیاسی ، انفرادی اور عالمی مسائل پر حضور؂ نے کیا اور کیسی رہنمائی فرمائی ہے اور وہ رہنمائی رہتی دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ کیوں ہے ؟"[۱]

اسی لئے مصنف نے اس جلد میں آنحضرت؂ کے سوانح حیات سلسلہ وار بیان کرنے کی بجائے آپ؂ کی سیرت و کردار اور آپ؂ کی مختلف دینی و دنیوی حیثیتوں کو اجاگر کیا ہے ۔ مثلاً آپ؂ کو افصح العرب، امام ہدیٰ ، اُمی نبی ، امیرِ لشکر ، بشر ، پیغمبر ، تاجر ، تاریخ ساز ، حاملِ وحی ، خلیفۃ اللہ فی الارض ، خطیب ، درویش ، دستور ساز ، سربراہِ سلطنت ، سیاسی رہنما ، شارع، شافعِ محشر، شوہر صاحبِ سیرت ، صاحبِ معجزات ، صاحبِ معراج ، صاحبِ ورزش ، صادق الوعد ، صدرِ مجلس ، صدرِ مجلسِ طعام ، صنعت کار ، ظریف و خوش طبع : عادل علم بردار امن عامہ ، علم بردارِ بالا دستیٔ قانون اور علم بردارِ جمہوریت کی حیثیت سے پیش کیا ہے ۔ مصنف نے اپنی اس کتاب میں قرآن مجید اور احادیثِ نبوی کے علاوہ اردو کی معروف کتبِ سیرت سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے جن کے حوالے قدم قدم پر موجود ہیں ۔

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کی "سیرتِ مصطفےٰ؂" میں حضورِ اکرم؂ کی زندگی کے واقعات ، ولادت سے وفات تک ، مسلسل بیان کئے گئے ہیں ۔ کتاب کا سببِ تالیف ، مصنف کے لفظوں میں ، یہ تھا کہ "اغیار نے بار بار یہ طعنہ مارا کہ علماء اہلِ سنت ، محبتِ رسول؂ کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اردو زبان میں سیرتِ نبویہ کے موضوع پر ان لوگوں نے بہت ہی کم لکھا ۔ برخلاف اس کے ملک کی دوسری جماعتوں کے قلم کاروں نے

۱- سیرت الرسول؂ : مولانا اسد القادری ، جلد اول ، حاجی مشتاق اللٰہی فاروق ۔ المعین لمیٹڈ ، کراچی ، ۱۹۸۱ء ، ص ۴ ۔

اس موضوع پر اس قدر زیادہ لکھا کہ اردو کتابوں کی مارکیٹ میں سیرت کی بہت سی کتابیں مل رہی ہیں ، جو سب انہی لوگوں کے زورِ قلم کی رہینِ منت ہیں"[1] ۔ مصنف نے آنحضرت کے سوانح حیات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپؐ کے شمائل و خصائل ، اخلاق، دعائیں ، متعلقین (ازواج و اولاد وغیرہ) ، معجزات ، پیشین گوئیاں اور امت پر حضورؐ کے حقوق بیان کرنے کے لئے الگ باب وقف کئے ہیں ۔

محمد شریف قاضی کی "اسوۂ حسنہ ۔ قرآن کی روشنی میں" کا موضوع ، کتاب کے نام سے ظاہر ہے ، تاہم تمہید کے طور پر مصنف نے پہلے دو ابواب میں مختصراً آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی بھی بیان کئے ہیں ۔ "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے عقائد اور سیرت و اخلاق میں کیا تبدیلی پیدا کی اور خود اپنی زندگی کا کیا نمونہ پیش فرمایا ، یہ سب باتیں بڑی شرح و بسط کے ساتھ "اسوۂ حسنہ" میں بیان کر دی گئی ہیں"[2] ۔ مصنف نے قرآن کی روشنی میں سیرت کے ان پہلوؤں کی وضاحت کی ہے جن کی طرف قرآن مجید کی اسوۂ حسنہ والی آیت (سورۃ احزاب ۲۱) اشارہ کر رہی ہے ، چنانچہ حضورؐ کا اسوۂ حسنہ ، بعثت کا مقصد ، مقام و منصبِ رسالت ، خصوصیاتِ سیرتِ طیبہ ، خصوصیاتِ پیغامِ سیرت ، پیغام سیرت کے آئینہ میں ایک اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تزئین اور اسوۂ حسنہ سے استفادہ کرنے والوں کی خصوصیات سادہ اور عام فہم زبان میں واضح کی گئی ہیں ۔ یوں یہ کتاب عام مسلمانوں کے لیے بالعموم اور تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لئے بالخصوص مفید ثابت ہوگی ۔

سید اسعد گیلانی کی ''رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب'' میں آپؐ اسلامی انقلابی حکمتِ عملی، تدابیر ملی اور سیاسی بصیرت کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے ۔ سیرتِ پاک کی یہ کتاب اسلامی نظام

۱- سیرتِ مصطفیٰؐ : علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ دارالعلوم امجدیہ ، مکتبہ رضویہ ، کراچی ، ۱۹۸۱ء ، ص ۲۵ ۔

۲- اسوۂ حسنہ ۔ قرآن کی روشنی میں : محمد شریف قاضی ، البدر پبلی کیشنز لاہور ، ۱۹۸۱ء ، ص ۱۲ ۔ (کلمہ تحسین از محمد نصر اللہ خان خازن)

برپا کرنے کی جد و جہد کے پیش نظر تحریر کی گئی ہے ۔ مصنف کے بقول "اس نظام کے برپا کرنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ بعض انقلابی اصول ہیں، جن کو ان کے حقیقی مفہوم کے ساتھ اختیار کرنا ناگزیر ہے اور بعض عملی تدابیر ہیں جن کی روشنی میں دعوتِ اسلامی کے علم بردار ہر دور میں اپنی حکمتِ سیاست و انقلاب متعین کر سکتے ہیں تاکہ اسلام کو غالب اور برپا کیا جا سکے ۔ اتنی مختصر مدت میں اتنا عظیم نظام برپا کرنے میں ، جہاں غیبی طور پر اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کا حصہ ہے ، وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ انقلاب اور تدبر و فراست کا بھی بھرپور دخل ہے جسے سمجھنا ، اس سے استفادہ کرنا اور اسے اختیار کرنا ہر دور میں اسلامی انقلاب کے داعیوں کے لئے نہایت ضروری ہے"[1] چنانچہ مصنف نے اسی پہلو سے حضور اکرمؐ کی سیرتِ پاک اور تاریخِ دعوت کے قدم بہ قدم مراحل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ کتاب مشنری جذبے کے ساتھ لکھی گئی ہے ، اسی لیے اس میں دعوت و تبلیغ کا رنگ غالب ہے ۔

سید اسعد گیلانی کی "حضور اکرمؐ اور ہجرت" اس موضوع پر پہلی جامع کتاب ہے ۔ ہجرت کا واقعہ ہر کتابِ سیرت کا جزوِ لازم ہے لیکن صرف اسی واقعہ کو موضوع بنا کر اب تک کسی مصنف نے قلم نہیں اٹھایا تھا[2] ۔ موجودہ کتاب میں ہجرت کا پس منظر ، فلسفۂ ہجرت ، احکامِ ہجرت ، واقعاتِ ہجرت ، مقامِ ہجرت ، فوائدِ ہجرت اور ہجرت اور اسلامی انقلاب کے عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے ۔ سید اسعد گیلانی ایک پرجوش اسلوبِ بیان کے مالک ہیں ۔ چنانچہ ان کا یہ اندازِ تحریر "رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب" اور "حضورِ اکرم اور ہجرت" میں بھی اپنی بہار دکھاتا ہے ۔ دونوں کتابیں ، سیرت کے جزوی پہلوؤں کو موضوع بنانے کے باوجود اپنے پھیلاؤ سے قاری کو متاثر کرتی ہیں ۔

۱- رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب : سید اسعد گیلانی ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ، ۱۹۸۱ء ، ص ۱۳ ، ۱۴ ۔

۲- حضورِ اکرمؐ ور ہجرت : سید اسعد گیلانی ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ، ۱۹۸۱ء ، ص ۳۸ ، ۳۹ ۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ولادت ۱۹۰۸ء) کی ''عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی'' پہلی دفعہ ۱۹۳۶ء میں مکتبہ جامعہ ، دہلی کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی - موجودہ ایڈیشن (جو تیسرا ہے) نظرثانی اور اضافہ کے بعد ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا ہے - یہ کتاب مصنف کے متفرق سیرتی مضامین کا مجموعہ ہے ، جو کتابی شکل میں جمع ہونے سے پہلے مختلف رسائل میں چھپ چکے تھے[1] - موجودہ کتاب میں بارہ مضامین جمع کئے گئے ہیں ، یعنی رسولِ اکرم ؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے ، شہری مملکتِ مکہ ، دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ، قرآنی تصورِ مملکت ، اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں ، عہدِ نبوی کا نظامِ تعلم ، جاہلیتِ عرب کے معاشی نظام کا اثر ، عہدِ نبوی کی سیاست کاری کے اصول ، تالیفِ قلبی : سیاستِ خارجہ کا اصول ، ہجرت : نوآبادکاری ، آنحضرتؐ اور جوانی (اسپورٹس) اور حضرتؐ کا سلوک نوجوانوں کے ساتھ - مصنف نے اس کتاب کے پیش لفظ (طبع ثالث) میں وضاحت کی ہے کہ ''۱۹۵۹ء میں میں نے فرانسیسی میں سیرتِ نبویہ پر، دو ضخیم جلدوں میں ایک کتاب شائع کی جس کی جلد دوم ایک معنی میں، زیرِ نظر اُردو تالیف ہی کا نیا ایڈیشن تھا''[2] موجودہ کتاب کا پہلا مضمون ''رسولِ اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے ؟'' مصنف کے ایک اور مجموعہ مضامین ''رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' (مطبوعہ ۱۹۵۰ء) میں بھی شامل ہے، تاہم باقی مضامین پہلی بار کتابی شکل میں یکجا ہوئے ہیں - یہ سب مضامین چونکہ سیرتِ نبوی سے ہی متعلق ہیں ، اس لیے ان میں ایک معنوی ربط موجود ہے - ڈاکٹر حمید اللہ کے ان مضامین کی خوبی یہ ہے کہ یہ گہرے غور و فکر اور سچے تحقیقی تجسس کی پیداوار ہیں - مصنف کو واقعات اور معلومات سے نتائج اخذ کرنے کا حیرت انگیز سلیقہ نصیب ہے - یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی قلم اٹھاتا ہے ، سیرتِ نبوی کے کسی نہ کسی نئے گوشے کو روشنی میں لے آتا ہے - علاوہ ازیں ڈاکٹر حمید اللہ کا وسیع مطالعہ اور مختلف زبانوں (اردو ، عربی ، فارسی اور ترکی کے علاوہ انگریزی ،

۱- عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی : ڈاکٹر حمید اللہ ، اردو اکیڈمی سندھ ، کراچی ، ۱۹۸۱ء ، ص ۶ -

۲- ایضاً ، ص ۸ -

فرانسیسی ، جرمنی ، اطالوی اور یونانی) پر عبور اور ان میں موجود تحریری سرمایے سے، ان کا علمی استفادہ بھی قاری کو بے حد متاثر کرتا ہے۔ دورِ جدید ، ان جیسے مسلمان محقق کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی ''خطباتِ بہاول پور'' ان کا ایک اور علمی کارنامہ ہے۔ عبدالقیوم قریشی کہتے ہیں کہ ''خطباتِ بہاول پور'' کے نام سے شائع ہونے والی یہ کتاب عام کتابوں سے یوں مختلف ہے کہ اسے مصنف نے کتاب کے طور پر نہیں لکھا بلکہ اس میں ان خطبات کو یکجا کر دیا گیا ہے جو ایک عالمِ متبحر نے ، نہایت شگفتہ مگر فاضلانہ گفتگو کے انداز میں ، کسی تحریری یادداشت کے بغیر ، متعدد اسلامی موضوعات پر ، اسلامی یونیورسٹی میں مسلسل بارہ روز (۸ مارچ ۱۹۸۰ء سے ۲۰ مارچ ۱۹۸۰ء تک ، سوائے ایک جمعہ کے ، جو درمیان میں آیا ، ہر روز یونیورسٹی کے غلام محمد گھوٹوی ہال میں عصر اور مغرب کے درمیان بصورتِ لیکچر) دئے۔ ان خطبات کو دورانِ گفتگو ٹیپ پر ریکارڈ کرلیا گیا تھا اور پھر تحریر میں لا کر کم و بیش من و عن شائع کر دیا گیا ہے''[۱]۔

ان بارہ خطبات میں جو کتاب میں بالترتیب (۱) تاریخِ قرآن مجید (۲) تاریخِ حدیث شریف (-) تاریخ فقہ (۳) تاریخِ اصولِ فقہ و اجتہاد (۵) قانونِ بین الممالک (۶) دین (عقائد ، عبادات ، تصوف) (۷) مملکت اور نظم و نسق (۸) نظامِ دفاع اور غزوات (۹) نظامِ تعلیم اور سرپرستیٔ علوم (۱۰) نظامِ تشریع و عدلیہ (۱۱) نظامِ مالیہ و تقویم (۱۲) تبلیغِ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ ، کے عنوانات سے شامل ہیں ، آخری چھ خطبے (ص ۱۶۹ تا ۳۲۰) سیرۃ النبیؐ سے متعلق ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان خطبات کا مجموعی مقام و مرتبہ ، مصنف کی باقاعدہ تصانیف کے برابر تو نہیں ، لیکن عام قارئین کے لیے اس کی افادیت مستقل تصانیف سے کم نہیں ، کیونکہ ان میں حوالہ جات کی بجائے براہِ راست گفتگو کے ذریعے ، دینِ

۱- خطباتِ بہاول پور : ڈاکٹر محمد حمید اللہ ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور ، طبع ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ، ص ز (تعارف از عبدالقیوم قریشی)

اسلام اور بانیٔ اسلامؐ کے بارے میں عام فہم لفظوں میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں - ان خطبات میں کئی باتیں انکشاف کا درجہ رکھتی ہیں اور بعض مقامات فکر و تدبر کے نئے دریچے وا کرتے ہیں - ہر خطبے کے بعد سامعین نے جو سوالات کئے اور فاضل مقرر نے جو جوابات دئے ، وہ بھی شاملِ کتاب ہیں - سید سلیمان ندوی کے "خطباتِ مدراس" کے بعد "خطباتِ بہاول پور" ایک عہد آفریں کتاب ثابت ہوگی -

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے حوالہ سے یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ "یوں تو آپ کی کثیر التعداد تصانیف کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے ، لیکن قرآن و حدیث اور سیرتِ طیبہ پر آپ کے تحقیقی مقالے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں - آپ نے سیرت النبیؐ کے اجتماعی اور سیاسی پہلوؤں پر مختلف زبانوں میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں عہدِ نبوی کے نظامِ حکومت ، رسولِ کریم کی سیاسی زندگی اور مسلمانوں کے ابتدائی سیاسی نظام پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے - مثال کے طور پر
The Battlefield of the Prophet Muhammad ; The Muslim Conduct of State ; The First Written Constitution ;
"الوثائق السیاسیہ بعہد النبوۃ والخلافۃ الراشدہ" ، "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" ، "عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی" وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں"[۱] -

علاوہ ازیں "آپ نے اہلِ مغرب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور پیغمبرِ اسلامؐ کی سیرتِ طیبہ سے متعارف کرنے کے لیے مختلف یورپی زبانوں میں سینکڑوں مقالات اور متعدد کتابیں لکھیں - فرانسیسی زبان میں آپ کے ترجمۂ قرآن مجید اور اسی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل سیرتِ پاک کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں - اسی طرح انگریزی میں آپ کی کتاب Muhammad Rasool Ullah (مطبوعہ ۱۹۷۴ء) بہت مقبول ہوئی ہے- سیرتِ پاک ایک بہت وسیع موضوع ہے ، اس پر لکھنے والوں کا شمار ممکن نہیں تاہم یہ جائزہ ۱۹۸۴ء تک چھپنے والی کتاب پر محیط ہے -

---

۱- خطباتِ بہاول پور : ڈاکٹر حمید اللہ ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور ، طبع ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ، ص الف ، ب ی (تعارف از عبدالقیوم قریشی)

اشاریہ

اشخاص

۲۱۲ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ ، ۲۰۷ ،
۲۰۸ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۱۵ ،
۲۱۶ ، ۲۲۲ ، ۲۲۶ ، ۲۲۸ ،
۲۲۹ ، ۲۳۱ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳ ،
۲۳۴ ، ۲۳۵ ، ۲۳۷ ، ۲۳۹ ،
۲۴۰ ، ۲۴۱ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ،
۲۴۴ ، ۲۴۵ ، ۲۴۶ ، ۲۴۷ ،
۲۴۸ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۱ ،
۲۵۲ ، ۲۵۳ ، ۲۵۴ ، ۲۵۵ ،
۲۵۶ ، ۲۵۷ ، ۲۵۸ ، ۲۵۹ ،
۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۲ ، ۲۶۳ ،
۲۶۴ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷ ،
۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۲۷۰ ، ۲۷۱ ،
۲۷۲ ، ۲۷۳ ، ۲۷۴ ، ۲۷۵ ،
۲۸۰ ، ۲۸۱ ، ۲۸۳ ، ۲۸۸ ،
۲۸۹ ، ۲۹۰ ، ۲۹۲ ، ۲۹۳ ،
۲۹۴ ، ۲۹۵ ، ۲۹۶ ، ۲۹۷ ،
۲۹۸ ، ۲۹۹ ، ۳۰۰ ، ۳۰۱ ،
۳۰۲ ، ۳۰۳ ، ۳۰۴ ، ۳۰۵ ،
۳۰۶ ، ۳۰۷ ، ۳۰۸ ، ۳۰۹ ،
۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲ ، ۳۱۴ ،
۴۱۵ ، ۳۱۷ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ ،
۳۲۰ ، ۳۲۱ ، ۳۲۲ ، ۳۲۳ ،
۳۲۴ ، ۴۲۵ ، ۳۲۶ ، ۳۲۷ ،
۳۲۸ ، ۳۲۹ ، ۳۳۰ ، ۳۳۱ ،
۳۳۲ ، ۳۳۳ ، ۳۳۴ ، ۳۳۵ ،
۳۳۶ ، ۴۳۷ ، ۳۳۸ ، ۳۳۹ ،
۳۴۰ ، ۳۴۱ ، ۳۴۲ ، ۳۴۳ ،
۳۴۴ ، ۳۴۵ ، ۳۴۶ ، ۳۴۷ ،
۳۴۸ ، ۳۵۰ ، ۳۵۱ ، ۳۵۵ ،

۳۵۶ ، ۳۵۷ ، ۳۵۸ ، ۳۵۹ ،
۳۶۰ ، ۳۶۳ ، ۳۶۴ ، ۳۶۶ ،
۳۶۹ ، ۳۷۱ ، ۳۷۲ ، ۳۷۳ ،
۳۷۴ ، ۳۷۵ ، ۳۷۶ ، ۳۷۷ ، ۳۸۶
۳۸۷ ، ۳۸۹ ، ۳۹۱ ، ۳۹۲ ،
۳۹۳ ، ۳۶۴ ، ۳۹۵ ، ۳۹۶ ،
۳۹۷ ، ۳۹۸ ، ۳۹۹ ، ۴۰۰ ،
۴۰۱ ، ۴۰۲ ، ۴۰۴ ، ۴۰۵ ، ۴۰۶ ،
۴۰۷ ، ۴۰۸ ، ۴۰۹ ، ۴۱۰ ،
۴۱۱ ، ۴۱۲ ، ۴۱۴ ، ۴۱۷ ،
۴۱۸ ، ۴۱۹ ، ۴۲۰ ، ۴۲۱ ،
۴۲۲ ، ۴۲۳ ، ۳۲۴ ، ۴۲۵ ،
۴۲۸ ، ۴۲۹ ، ۴۳۷ ، ۴۳۸ ،
۴۳۹ ، ۴۴۰ ، ۴۴۱ ، ۴۴۲ ،
۴۴۳ ، ۴۵۱ ، ۴۵۲ ، ۴۵۳ ،
۴۵۴ ، ۴۵۵ ، ۴۵۶ ، ۴۵۷ ،
۴۵۸ ، ۴۵۹ ، ۵۶۰ ، ۴۶۱ ،
۴۶۲ ، ۴۶۳ ، ۴۶۴ ، ۴۶۷ ،
۴۶۸ ، ۴۶۹ ، ۴۷۰ ، ۴۷۱ ،
۴۷۲ ، ۴۷۳ ، ۴۷۴ ، ۴۷۵ ،
۴۷۶ ، ۴۷۷ ، ۴۷۸ ، ۴۷۹ ،
۴۸۰ ، ۴۸۱ ، ۴۸۲ ، ۴۸۳ ،
۴۸۴ ، ۴۸۵ ، ۴۸۶ ، ۴۸۷ ،
۴۸۸ ، ۴۸۹ ، ۴۹۰ ، ۴۹۱ ،
۴۹۲ ، ۴۹۵ ، ۴۹۶ ، ۴۹۷ ،
۴۹۸ ، ۴۹۹ ، ۵۰۰ ، ۵۰۱ ،
۵۰۳ ، ۵۰۴ ، ۵۰۵ ، ۵۰۶ ،
۵۰۷ ، ۵۰۸ ، ۵۰۹ ، ۵۱۰ ،
۵۱۱ ، ۵۱۲ ، ۵۱۳ ، ۵۱۴ ،
۵۱۵ ، ۵۱۶ ، ۵۱۷ ، ۵۱۸ ،

الف

چ

ح

خ

د

ڈ

ز

س

ش

ک

ل

م

ن

---:o:---

کتب ، مقالات ، جرائد و اخبارات

خ

د

ڈ

ذ

ز

ص

غ

ف

گ

و

ی

—:o:—

مقامات اور ادارے

ب

——:o:——